KitabPk.Com
جلتے سفینے
الماس ایم اے

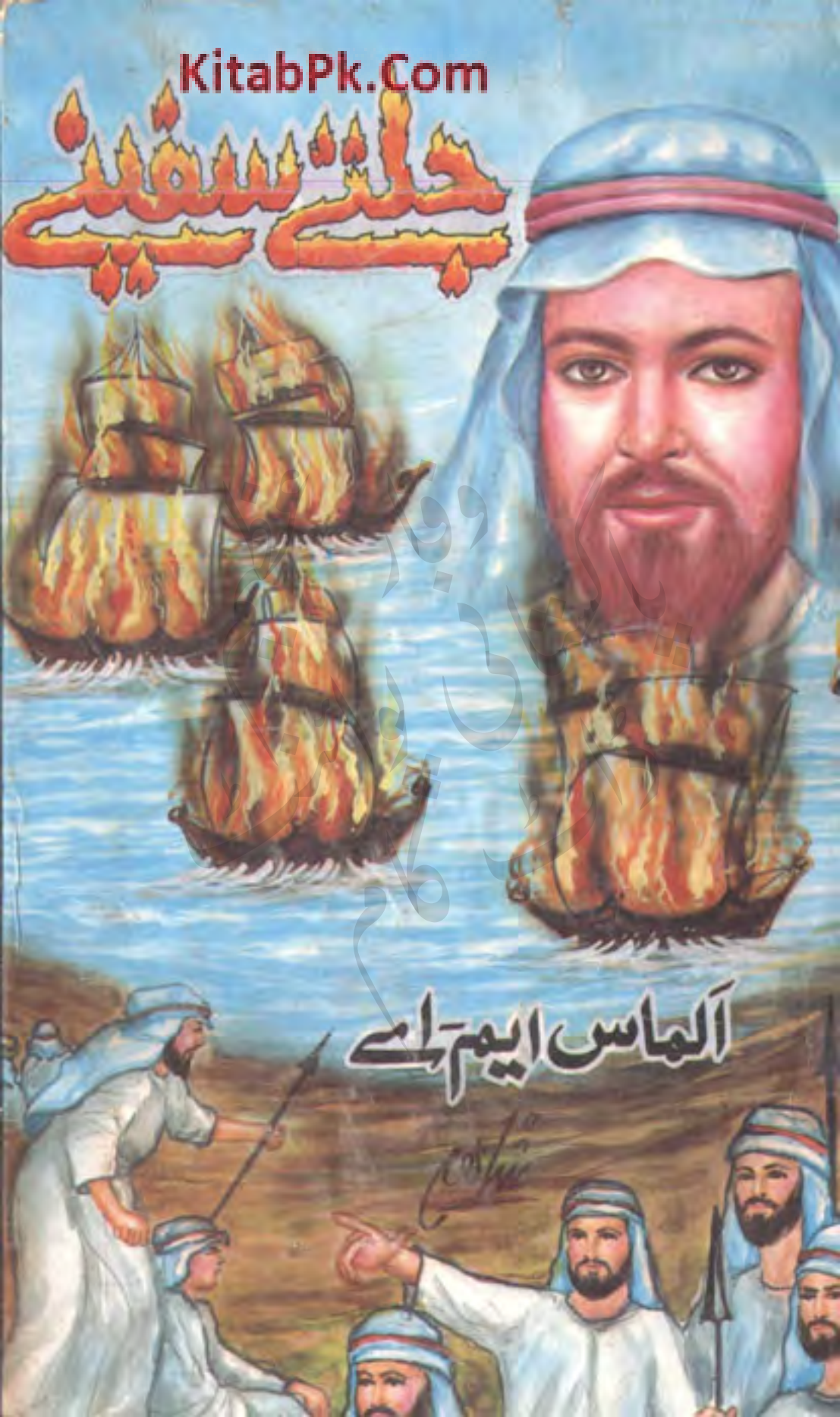

KitabPk.Com

عرضِ ناشر

الماس ایم اے کا قلم تاریخی کہانی اور تاریخی ناول دونوں پر یکساں طور پر رواں ہے۔ ان کی تاریخی کہانیوں کی تعداد سینکڑوں سے اوپر ہے اور ناول درجنوں پر مشتمل ہیں۔

یہ ناول طارق بن زیاد اور موسیٰ بن نصیر کے ان کارناموں کا عکسِ جمیل ہے جو انھوں نے ہسپانیہ (اندلس) کی سرزمین پر انجام دیے۔

الماس ایم اے کو زبان پر عبور اور بیان پر قدرت حاصل ہے — وہ فصاحت و بلاغت کے دریا بہاتے ہیں اور تشبیہ و استعاروں سے عبارت کو اس طرح مزین کرتے ہیں کہ وہ موتیوں کی لڑی محسوس ہوتی ہے وہ نہ صرف اعلیٰ تعلیم یافتہ بلکہ وسیع مطالعہ کے بھی حامل ہیں۔

"جلتے سفینے" ـــــ یقیناً ان کے بہترین ناولوں میں شمار ہوگا۔

محمد علی قریشی

KitabPk.Com

1

جلتے سفینے

○

فلورا قصرِ شاہی کی طرف جا رہی تھی۔

اس وقت اس کے معصوم چہرے پر حیا کی سرخی اور مسرت جھلک رہی تھی۔ جب وہ چھوٹے چھوٹے سبک قدم اٹھاتی گلاب کی روشوں کے قریب سے گزری تو اس کے فراک کا دامن گلاب کی شاخ سے الجھ گیا۔ اس نے جھک کر دامن چھڑانا چاہا تو روشوں کے دونوں طرف بیٹھے ہوئے شاہی مہمانوں نے ایک ہلکا سا قہقہہ لگایا۔

فلورا نے نازو نوش میں مشغول ان مہمانوں کو گھور کر دیکھا۔ غصہ تو بہت آیا مگر صبر کر گئی۔ اگر قصر میں جانے کی جلدی نہ ہوتی تو وہ مہمانوں سے اس گستاخ قہقہے کا سبب ضرور دریافت کرتی۔

فلورا نے جلدی سے دامن چھڑایا اور شاہی قاصد کے پیچھے چل پڑی۔ اس کی رفتار پہلے سے تیز ہو گئی۔ اسے ڈر تھا کہ کہیں شہنشاہ ناراض نہ ہو جائے۔

دراصل جب شاہی خاص نے اس کے کمرے پر دستک دی تو وہ سو رہی تھی۔ شہنشاہ کی اس بے وقت طلبی پر پہلے تو بہت پریشان ہوئی لیکن پھر اس کا دل ایک خوش آیند مسرت سے بھر گیا۔ اسے یاد آیا کہ پچھلے سال بھی شہنشاہ نے اسے سوتے سے جگوا کر اس کے عظیم باپ کی عظیم الشان فتح کی خبر سنائی تھی۔ اسے آج بھی کسی ایسی ہی نوید جانفزا کے ملنے کی امید تھی۔

اس کی رفتار اور تیز ہو گئی اور وہ قاصد کے قدم سے قدم ملا کر چلنے لگی۔

فلورا کا پورا نام فلورا فلوریندا تھا مگر پیار میں وہ فلورا کہی جاتی تھی۔ اس کا باپ کاؤنٹ جولین ایک دلاور و شجاع سردار تھا۔ شہنشاہِ سپین (ہسپانیہ، اندلس) کے دربار میں جولین کی بڑی قدر و منزلت تھی۔ کاؤنٹ جولین

شمالی افریقہ کے علاقہ سبستہ یا قیوطہ کا حاکم تھا۔ یہ علاقہ پہلے قسطنطنیہ کے شہنشاہ بازنطین کے ماتحت تھا لیکن جب مشرقِ وسطیٰ میں مسلمانوں کے عروج کے باعث بازنطینی حکومت پر زوال آیا تو حاکمِ سبستہ نے اپنا رشتہ اندلس سے جوڑ لیا۔

اندلس کا شہنشاہ ازریق (راڈرک) جولین کی اس وجہ سے اور زیادہ قدر کرتا تھا کہ جولین، قلعہ سبستہ کا حاکم اور اس قلعے کو یورپ کی کنجی کہا جاتا تھا۔ اس قلعے کو فتح کیے بغیر کوئی افریقی طاقت یورپ میں داخل نہیں ہو سکتی قلعے کی مضبوطی کا یہ عالم تھا کہ جب خلافتِ بنی امیہ کا مشہور فاتح موسیٰ بن نصیر افریقہ کو روندتا ہوا آگے بڑھا تو قلعہ ایک کوہِ گراں کی مانند اس کے راستے میں حائل ہو گیا۔

موسیٰ بن نصیر نے اس قلعے کو فتح کرنے کی سر توڑ کوشش کی مگر کامیاب نہ ہو سکا۔ قلعے کی دیواروں اور برجوں کو توڑنے کی تمام تدبیریں بے کار ثابت ہوئیں۔ نہ تو آگ کے گولے کام آئے اور نہ منجنیقوں کے پتھر اسے شکستہ کر سکے۔ یہ قلعہ آہنی دیوار یا سدِ سکندری تھا اور ناقابلِ تسخیر تصور کیا جاتا تھا۔ اسی لیے شہنشاہِ اندلس اپنے بیرونی حملوں سے محفوظ سمجھتا تھا۔

فلورا نے شاہی باغ میں مہمانوں کے اس جمِ غفیر سے یہ اندازہ کر لیا تھا کہ شہنشاہِ اندلس نے آج کسی بڑی دعوت کا اہتمام کیا ہے۔ یوں تو محلِ شاہی میں روزانہ ہی دعوتیں ہوا کرتیں۔ رقص و سرود کی محفلیں گرم ہوتیں۔ دور چلتا اور خمار میں ڈوبے ہوئے قہقہے فضاؤں میں ارتعاش پیدا کرتے لیکن آج کچھ زیادہ ہی مجمع تھا۔ شوخ و شنگ کنیزیں مہمانوں کی خاطر و مدارات میں مصروف تھیں۔ وہ جدھر سے گزرتیں، لوالہوس نظریں ان کا پیچھا کرتیں۔ بعض شوخ ہاتھوں کے نیم برہنہ جسموں سے ٹکراتے اور ان کا برا لے نام باس اور زیادہ منتشر ہو جاتا۔ پھر دونوں طرف سے مسکراہٹیں اور قہقہے ابل پڑتے اور کنیزیں اپنے اپنے ٹھانوں کو تشنہ چھوڑ کر آگے بڑھ جاتیں۔

فلورا چلتے چلتے ایک نظر ان بدمست مہمانوں پر بھی ڈال لیتی لیکن اس وقت وہ گھبرا گئی جب وہ رئیس جبریل کے قریب سے گزری۔

رئیس جبریل، شہنشاہِ راڈرک کا مصاحبِ خاص تھا اور خلوت و جلوت میں شہنشاہ کے بہت قریب دیکھا جاتا تھا۔ جب وہ جبریل کے قریب سے گزری تو اس نے ہاتھ میں لیے ہوئے جام کو ذرا بلند کیا اور قریب بیٹھے ہوئے دوسرے رئیس سے کہا:

"یہ جام فلورا کے نام ہے۔ آج فلورا کی رات ہے۔"

یہ کہہ کر جبریل نے جام ہونٹوں سے لگا لیا اور اس کا ساتھی فلورا کو بڑی پراسرار نظروں سے گھورنے لگا۔

فلورا کے قدم اور تیز ہو گئے۔

KitabPk.Com

اب وہ روشوں کو پار کر کے راہداری میں پہنچ چکی تھی۔ راہداری میں پہنچ کر محافظ دو قاصد تبدیل ہو گیا۔ یہاں دوسرا محافظ برہنہ تلوار لیے کھڑا تھا۔ پہلا محافظ وہیں ٹھہر گیا اور دوسرا محافظ فلورا کو اپنی حفاظت میں لے کر آگے آگے چلنے لگا۔

فلورا مختلف راہداریوں سے گزرتی رہی۔ اس کے ساتھ ہی محافظ تبدیل ہوتے رہے۔ ہر راہداری کا محافظ الگ تھا۔ وہ ایک راہداری کے اختتام پر فلورا کو دوسرے محافظ کے سپرد کر دیتا۔

فلورا محلِ شاہی کے بہت سے راستوں سے واقف تھی۔ وہ اس سے پہلے بھی ایک بار شہنشاہ سے مل چکی تھی۔ شہنشاہ کے خوبصورت، آراستہ و پیراستہ کمرے میں جانے کو گزشتہ ملاقات کے وقت وہ جس راستے سے گزری تھی وہ بہت مختصر تھا اور وہ صرف دو تین راہداریاں طے کر کے وہاں تک پہنچ گئی تھی مگر آج تو راہداریاں ختم ہونے کا نام ہی نہ لیتی تھیں۔

محل کے پُر پیچ اور طویل راستوں پر چلتے چلتے وہ تھک سی گئی۔ محافظ اس سے دو قدم آگے تھا۔ فلورا اپنے قدم تیز کر کے محافظ کے قریب پہنچ گئی اور نرمی سے پوچھا:

"شاہی محافظ، شہنشاہ کہاں تشریف فرما ہیں۔ میں تو چلتے چلتے تھک گئی ہوں؟"

محافظ نے بغیر اس کی طرف دیکھے، اسی طرح چلتے ہوئے کہا:

"خوبصورت فلورا۔ جن پری جمالوں کو شہنشاہ اپنے عشرت کدے میں طلب کرتے ہیں۔ وہ تو ان راستوں پر بھاگتی ہوئی چلتی ہیں۔ تعجب ہے کہ تم تھکن کا شکوہ کر رہی ہو۔ کیا تمہیں اس بات سے خوشی نہیں ہو رہی ہے کہ شہنشاہ نے آج کی رات تمہیں اپنے عشرت کدے میں یاد کیا ہے؟"

"خوشی کیوں نہیں ہو رہی ہے"۔ فلورا بے خیالی میں بولی:

"ایک سال پہلے بھی شہنشاہ نے مجھے رات کے وقت طلب کیا تھا"۔

محافظ ٹھٹک کر کھڑا ہو گیا۔

اس نے فلورا کو حیرت سے گھورتے ہوئے پوچھا:

"فلورا۔ کیا تم شہنشاہ کے عشرت کدے میں پہلے بھی آ چکی ہو؟"

"ہاں..... ہاں..... میں شہنشاہ سے ایک بار پہلے بھی مل چکی ہوں"۔ فلورا کو محافظ کی حیرت پر خود حیرت ہوئی:

"لیکن تم اس قدر حیران کیوں ہو۔ کیا شہنشاہ کسی لڑکی سے صرف ایک بار ملاقات کرتا ہے؟"

"ہاں..... شہنشاہ کا یہی دستور ہے"۔ محافظ نے مختصر سا جواب دیا۔

فلورا نے مسکرا کر کہا:

"محافظ۔ میرا باپ کاؤنٹ جولین ہے۔ وہ شہنشاہ کے خاص وفاداروں میں ہیں۔ ہو سکتا ہے کہ شہنشاہ نے مجھے اسی وجہ سے دوبارہ طلب کیا ہو۔"

محافظ کو جیسے تسلی نہ ہوئی۔ اس نے پوچھا:

"تم شہنشاہ سے پہلے کب ملی تھیں؟"

"میں نے تمہیں بتایا تو ہے"۔ فلورا نے الجھتے ہوئے کہا:

"پچھلے سال جب میرے باپ نے افریقہ میں مسلمانوں کا زبردست حملہ پسپا کر دیا تھا تو شہنشاہ نے مجھے یہ خوش خبری سنانے کے لیے طلب کیا تھا۔ اس وقت بھی میں سو رہی تھی۔ شہنشاہ نے مجھے جگا کر بلوایا..... خوش خبری سنائی اور انعام سے بھی نوازا تھا۔"

محافظ کچھ کہتے کہتے رک گیا اور پھر تیز تیز قدم اٹھانے لگا۔

فلورا کے دل میں ایک خلش سی پیدا ہو گئی تھی۔ اس نے محافظ سے پوچھنا چاہا لیکن اس محافظ کی حد ختم ہو چکی تھی اور دوسرا محافظ اسے اپنی حفاظت میں لینے کے لیے سامنے نظر آ رہا تھا۔

محافظ بدل گیا.....

فلورا دوسرے محافظ کے ساتھ چلنے لگی۔ اس کے دماغ اور ذہن پر ایک بوجھ سا تھا۔ اس نے چلتے چلتے اپنے نئے محافظ سے دریافت کیا:

"شاہی محافظ۔ آج شاہی باغ مہمانوں سے کچھا کچھ بھرا ہوا ہے۔ کیا آج کوئی بڑی ضیافت ہے؟"

محافظ نے بغیر قدم روکے اسے بتایا:

"خاتون! آپ کا خیال درست ہے۔ آج شہنشاہ بہت خوش ہیں۔ افریقہ میں ہمارا ایک قلعہ ہے۔ اس قلعے پر مسلمانوں نے دوسری بار حملہ کیا لیکن ناکام ہو کر انھیں واپس جانا پڑا۔ یہ شاہی تقریب اسی خوشی کے سلسلے میں منعقد کی گئی ہے۔"

فلورا کا دل خوشی سے اچھل پڑا۔

اسے یقین ہو گیا کہ شہنشاہ راڈرک نے اسے یہی خبر سنانے کے لیے بلایا ہے۔ افریقہ میں ہسپانیہ کا صرف ایک قلعہ سبستہ ہی ہے جس کا حاکم اس کا باپ کاؤنٹ جولین ہے۔ فلورا کے دماغ کی تمام الجھنیں، دل کا بوجھ اور وسوسے ختم ہو گئے۔

فلورا نے پھر بھی اپنے دل کو پوری طرح مطمئن کرنے کے لیے پوچھا: "میرا خیال ہے کہ افریقہ کے

KitabPk.Com

جس مضبوط قلعے کا تم نے ذکر کیا ہے اس کا نام قلعہ سبستہ ہے؟"

"جی ہاں خاتون! وہ قلعہ سبستہ ہی ہے"۔ محافظ نے کہا۔

"اور اس قلعے کا حاکم کاؤنٹ جولین ہے"۔ فلورا نے مزید اطمینان کے لیے دریافت کیا۔

فلورا کو یہ معلوم ہو گیا تھا کہ یہ محافظ اسے نہیں پہچانتا جبکہ پہلا محافظ اس کے نام سے بھی پوری طرح واقف تھا۔

"جی ہاں..... اعلا حضرت کاؤنٹ جولین رئیس و امیر سبستہ۔ خاتون۔ کیا آپ عالی مقام کاؤنٹ جولین کو جانتی ہیں؟" محافظ نے پوچھا۔

فلورا کو اس بھولے بھالے محافظ پر ہنسی آنے لگی..... پہلے تو اس کا دل چاہا کہ وہ محافظ کو بتائے کہ جس جولین کا وہ اس عزت و احترام سے نام لے رہا ہے، میں اس کی بیٹی ہوں اور شہنشاہ نے یہی خوش خبری سنانے کے لیے اسے ایک پہر رات گزرنے کے باوجود طلب کیا ہے لیکن پھر اس نے سوچا کہ وہ واپسی پر اس محافظ سے تفصیلی گفتگو کرے گی تاکہ اسے یہ بھی معلوم ہو جائے کہ اس نے کاؤنٹ جولین کا نام اتنے احترام سے کیوں لیا؟

اس محافظ کی سرحد ختم ہو گئی۔

نئے محافظ سامنے تھے۔

اس دفعہ ایک کے بجائے چار محافظ نظر آئے۔ جہاں وہ کھڑے تھے، اس جگہ سینکڑوں شمعیں روشن تھیں اور دن کا گمان ہوتا تھا۔

فلورا نے پوچھا:

"میرا خیال ہے کہ میں اپنی منزل پر آ گئی"۔

محافظ نے جواب دینے کے بجائے فلورا کو مسکرا کر دیکھا۔ اس مسکراہٹ نے فلورا کے خیال کی تصدیق کر دی۔ حالانکہ محافظ اسے جواب اس وجہ سے نہ دے سکا کہ چاروں محافظ قریب آ چکے تھے۔ محافظوں کا لباس جگمگا رہا تھا۔ ان کے ہاتھوں میں جو تلواریں تھیں۔ اس کے دستوں پر جڑے ہوئے ہیرے چمک رہے تھے۔ تلوار کے دستے بھی سونے کے بنے ہوئے تھے۔

محافظوں نے فلورا کے سامنے پہنچ کر اسے ادب سے سلام کیا۔

فلورا نے نئے محافظوں کے ساتھ روانہ ہونے سے پہلے اس محافظ سے، جس کے ساتھ وہ یہاں تک آئی تھی، کہا: "محافظ! میری واپسی کا انتظار کرنا۔ تم نے کاؤنٹ جولین کا نام بڑی عزت سے لیا ہے۔ کاؤنٹ جولین

میرے باپ ہیں اور میں ان کی بیٹی فلورا فلوریڈا ہوں۔"

یہ کہہ کر فلورا مسکراتی ہوئی چاروں محافظین کی طرف بڑھ گئی

پہلے محافظ کا منہ کھلا کا کھلا رہ گیا.....

اس نے بڑی حسرت سے فلورا کو دیکھا۔

فلورا اس وقت محافظوں کے آگے آگے تھی کیونکہ حفاظت کا طریقہ اس مقام پر آکر تبدیل ہو جاتا تھا۔ سپاہی پہنچ کر مہمان آگے ہو جاتا اور محافظ اس کے عقب میں چلتے۔

پہلا محافظ اب تک اپنی جگہ کھڑا پھٹی پھٹی نظروں سے فلورا کو روشنیوں کے سمندر میں ڈوبتا دیکھ رہا تھا۔

جب فلورا شاہی عشرت کدے کے بڑے دروازے میں داخل ہو گئی تو اس محافظ کی آنکھوں سے بے اختیار آنسو ٹپکنے لگے۔ اس نے ایک سرد سانس لی اور جیسے اپنے آپ سے کہا:

"میں کتنا مجبور ہوں۔ اپنے مالک کی بیٹی کی ناموس بھی نہیں بچا سکتا۔"

پھر وہ ایک ستون کا سہارا لے کر بیٹھ گیا اور فلورا کی واپسی کا انتظار کرنے لگا۔

○

شہنشاہِ راڈرک کا یہ محل، دار الخلافہ طلیطلہ میں ایک خوبصورت اور بلند پہاڑی پر واقع تھا۔ اس پہاڑی کے چاروں طرف بڑے بڑے سبزہ زار تھے۔ یہاں کے مرغزار سدا بہار پھولوں سے ہمیشہ ڈھکے رہتے۔ پہاڑی پر تیز رفتار آبشار بڑی دل کشی دکھاتے۔ ہسپانیہ یوں بھی اپنے قدرتی مناظر اور حسن کی وجہ سے دنیا کے خوبصورت ترین ملکوں میں شمار ہوتا ہے۔ اس محل کے وہ باغات جہاں آج شاہی مہمان شراب کے قدحے لنڈھا رہے ہیں، شہنشاہ راڈرک سے پہلے یہاں فریادیوں کا دن رات میلہ سا لگا رہتا اور پرانا شہنشاہ عبیطشہ دن بھر اور آدھی رات تک ان کی فریادیں سنتا اور احکامات جاری کرتا تھا۔

عبیطشہ ایک نیک دل شہنشاہ تھا اور رعیت کو اپنی اولاد سمجھتا تھا۔ شہنشاہ عبیطشہ کی رحمدلی اس کے امیروں اور وزیروں کو ایک آنکھ نہ بھاتی۔ اس زمانے میں ظلم و استبداد کے زور پر حکومت کی جاتی تھی۔ عوام بھوکے ننگے رہتے اور امراء کا طبقہ عیش کرتا۔ شاہی کارندوں کے علاوہ عوام پر کلیسا کی طرف سے بھی ظلم ہوتا۔ عیسائی کلیسا کے پروہت اور پادری بجائے ظلم و ستم کو روکنے کے امراء اور شہنشاہ کا ساتھ دیتے اور ہر قسم کے ظلم کو مذہبی فتوے

کے ذریعے جائز قرار دیتے۔ اس طرح رعایا، شاہی کارندوں اور پادریوں کے دو پاٹوں کے درمیان پستی رہتی تھی۔

شہنشاہ عبیطشہ نے جب حکومت کی باگ ڈور سنبھالی تو اس نے غم و ستم کی ایک دم منادی کرا دی۔ وہ سب کے ساتھ یکساں سلوک کرتا اور ظالم خواہ کتنا ہی با اثر کیوں نہ ہو، اس کی سزا سے نہ بچ پاتا۔ اس کا نتیجہ یہ ہوا کہ شاہی کارندوں نے پادریوں سے ساز باز کر کے اس کی سلطنت کا تختہ الٹ دیا۔

راڈرک اس وقت عبیطشہ کی محافظ فوج کا سردار تھا۔ اس نے غداری کی اور دشمنوں سے مل گیا۔ شہنشاہ اپنے بیٹے اخیلہ کے حق میں تختِ ہسپانیہ سے دستبردار ہو گیا لیکن چالاک اور مکار راڈرک خود شہنشاہ بن بیٹھا اور عبیطشہ کی اولاد دربدر ہو گئی۔

راڈرک تخت پر بیٹھتے ہی ظلم و تعدی کا پچھلا دور واپس لے آیا۔ پادری اور ارکانِ دولت یہی چاہتے تھے۔ ان کی بن آئی اور راڈرک نے انھیں دھمکیاں دے کر حکومت پر اپنی گرفت اتنی مضبوط کر لی کہ کسی میں چوں کرنے کی بھی طاقت نہ رہی۔

اس عہد کے رواج کے مطابق حکومت کے نوابین، رؤسا، امراء اور حکام اپنی بیٹیوں کو اور جن کے بیٹیاں نہ ہوں، وہ اپنی بہنوں کو حرمِ شاہی میں آدابِ شاہی اور اصولِ تہذیب سکھانے کی غرض سے بھیجتے تھے۔ جن کی عزت کی حفاظت شہنشاہ وقت پر اسی قدر واجب سمجھی جاتی تھی، جتنی کہ شاہزادیوں کی لیکن حقیقت اس کے بالکل برعکس تھی۔

دراصل ہسپانیہ کے کسی عیاش بادشاہ نے کلیسا کی منظوری حاصل کر کے یہ حکم جاری کیا تھا۔ اس سے اس کا ایک مقصد تو یہ تھا کہ حرم سرا میں ہر وقت حسین دوشیزاؤں کا جمگھٹا لگا رہے اور بادشاہ اپنی حسبِ مرضی ہوس پوری کرتا رہے۔

اس میں دوسری سیاسی چال یہ تھی کہ جب تک کسی امیر، نواب یا رئیس کی بیٹی یا بہن محل سرائے میں رہتی اس وقت تک وہ کسی بھی حالت میں بادشاہ سے بغاوت کی جرأت نہ کرتا۔

کاؤنٹ جولین نے بھی دستور کے مطابق اپنی چھوٹی بیٹی فلورا کو شاہی محل میں چھوڑ رکھا تھا۔ وہ خود اپنے افریقی علاقے اور قلعے سبتہ میں اپنی بیوی اور بڑی لڑکی مریم کے ساتھ رہا کرتا تھا۔ پچھلے سال مسلمانوں نے قلعے پر ایک زبردست حملہ کیا تھا لیکن جولین نے اسے بڑی بہادری سے پسپا کر دیا تھا۔ اب پھر موسیٰ بن نصیر اس قلعے پر حملہ آور ہوا لیکن قلعے کا قدرتی محلِ وقوع بذاتِ خود ایک زبردست طاقت ثابت ہوا اور مسلم سردار طویل محاصرے سے تنگ آ کر اپنے مستقر قیروان واپس چلا گیا۔ جولین اس کو بھی اپنی فتح پر محمول کرتا تھا۔ اس نے اس کامیابی کی خبر فوراً شہنشاہ راڈرک کو بھجوائی۔ اس کامیابی کی خوشی میں امراء اور نوابین کی آج کی دعوت کا اہتمام ہوا تھا اور شاید

اسی سلسلے میں راڈرک نے فلورا کو اپنے محلِ خاص میں جسے تمام قلعے والے عشرت کدہ کہتے تھے، طلب کیا۔

فلورا شاہی عشرت کدے کے بڑے پھاٹک سے جب اندر داخل ہوئی تو وہاں کی روشنیوں کی چکاچوند سے اس کی آنکھیں خیرہ ہو گئیں۔ یہ پھاٹک دراصل ایک بہت بڑے ہال کا چوبی دروازہ تھا۔ یہ ہال اتنا بڑا تھا کہ اس میں بیک وقت کئی ہزار آدمی سما سکتے تھے۔ بڑے بڑے جھاڑ فانوس چھت سے آویزاں تھے جن میں جگہ جگہ شمعیں روشن تھیں۔ سفید مرمر کے شفاف فرش پر جب یہ روشنیاں پڑتیں، یوں معلوم ہوتا جیسے بے شمار قمقمے زمین پر بکھر گئے ہیں۔

اس ہال میں اس کی پیشوائی ایک زریں قبا کنیز نے کی۔ وہ فلورا کو اس ہال سے گزار کر عقبی دروازے سے دوسری طرف لے گئی۔ اب وہ ایک سہ دری میں تھی جس کے سامنے ایک قطعہ باغ تھا جس میں فوارے لگے تھے۔ یہاں بھی روشنی کا وہی سیلاب تھا۔

کنیز کی رہنمائی میں فلورا کو کئی کمرے اور راہداریاں طے کرنا پڑیں۔

عجیب بات یہ تھی کہ یہ تمام مقامات روزِ روشن کی طرح روشن تھے اور قطعی گمان نہ ہوتا تھا کہ رات کا وقت ہے۔ ان راستوں میں فلورا کو کوئی مرد محافظ نظر نہ آیا۔ جگہ جگہ شمشیر بردار محافظ عورتیں ضرور دکھائی دیں جو کنیز کو دیکھ کر تعظیماً اپنی تلوار اور سر جھکا لیتیں۔

بالآخر فلورا اس کمرے کے دروازے پر پہنچ گئی جس میں شہنشاہِ ہسپانیہ فروکش تھا۔ کمرے کا دروازہ کھلا تھا اور حریری پردہ لہرا رہا تھا۔

کنیز فلورا کو باہر چھوڑ کر اندر چلی گئی۔ کچھ لمحوں کے بعد وہ واپس آئی اور فلورا کو اندر جانے کا اشارہ کیا۔ فلورا نے قدم آگے بڑھایا۔ رعبِ شاہی سے اس کا دل زور زور سے دھڑکنے لگا اور پیروں میں لرزہ پیدا ہو گیا۔ اس نے جب حریری پردہ اٹھانے کے لیے ہاتھ آگے بڑھایا تو اس کا ہاتھ کانپ رہا تھا۔

فلورا ٹھہر گئی اور دو چار لمحے وہیں کھڑے کھڑے خود پر قابو پانے کی کوشش کی۔ جب اس کا دل ذرا ٹھہر گیا تو اس نے ہمت کر کے حریری پردہ ایک طرف کیا اور اندر چلی گئی۔

فلورا نے دیکھا کہ شہنشاہ راڈرک آتش دان کے قریب ایک زرنگار کرسی پر بیٹھا ہے۔ راڈرک کی پیٹھ فلورا کی طرف تھی۔

فلورا نے اس موقع کو غنیمت جانا اور نظریں گھما کر جلدی جلدی کمرے کا جائزہ لینا شروع کیا۔

کمرے کا تمام فرنیچر آبنوسی تھا۔ کرسیوں، چوکیوں اور میزوں کے پائے گنگا جمنی تھے جن پر جگہ جگہ ہیرے جگمگا رہے تھے۔ اس کمرے میں دو عالی شان مسہریاں بچھی تھیں۔ یہ مسہریاں مرصع تھیں۔ فلورا نے سوچا کہ

شاید یہ شہنشاہ کی خواب گاہ ہے۔ کانسی اور پتھر کے طاقوں میں دنیا جہان کی نادر و نایاب چیزیں قرینے سے سجی تھیں۔ مسہری کے قریب ایک طلائی میز پر، مرصع جام و صراحی رکھی تھی اور سربمہر بوتلیں رکھی تھیں۔

فلورا نے نظریں گھماتے گھماتے جب اپنی پشت کی طرف دیکھا تو وہ حیران رہ گئی۔ داخلے کے دروازے کے دونوں اطراف میں دیواروں پہ قدِ آدم تصویریں لگی ہوئی تھیں۔ فلورا کی نظر پہلی ہی تصویر پر جم کر رہ گئی اور وہ شرم سے پانی پانی ہو گئی۔ دوسری تصویر اس سے زیادہ ہی شرمناک تھی۔

پھر تیسری اور چوتھی تصویر ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ہر تصویر کا منظر شرم و حیا کی دھجیاں اڑاتا معلوم ہوتا تھا۔ شاہی محل میں ایسی بے ہودہ تصویریں۔ وہ سوچ بھی نہ سکتی تھی

معاً اسے خیال آیا کہ وہ کسی غلط کمرے میں تو نہیں آ گئی۔

فلورا نے پلٹ کر آتشدان کی طرف دیکھا۔ شہنشاہ راڈرک کا منہ اس کی طرف تھا اور وہ بڑی دلچسپی سے فلورا کو دیکھ رہا تھا۔

فلورا فوراً سجدے کی حد تک جھک کر تعظیم بجا لائی اور مترنم آواز میں بولی:

"کنیز، ہسپانیہ کے شہنشاہ کے حضور تسلیم و آداب پیش کرتی ہے۔"

"تم فلورا ہی ہو نا؟" راڈرک نے اس سے پوچھا۔

"جی ہاں شہنشاہِ معظم۔ کنیز کا نام فلورینڈا ہے مگر لوگ پیار سے فلورا کہتے ہیں"۔ اس نے انتہائی شائستگی سے جواب دیا۔

"ہم نے تمہیں پہلے بھی دیکھا تھا؟" راڈرک کا یہ دوسرا بے تکا سوال تھا۔

"جی ہاں شہنشاہِ معظم۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ایک سال پہلے بھی آپ نے اس کنیز کو طلب کیا تھا"۔ فلورا بے حد ادب سے بولی۔

"نہیں فلورا۔ ہم نے تمہیں کچھ دن پہلے دیکھا ہے۔ جولیا نے تمہاری بڑی تعریف کی تھی۔ ۔ ۔ ۔"

یہ کہتے ہوئے شہنشاہ نے اپنی کرسی کو حرکت دی۔ کرسی میں پہیے لگے تھے۔ پہیے گھومے۔ ۔ ۔ ۔ ۔ اور شہنشاہ کرسی پر بیٹھے بیٹھے بستر کے پاس پہنچ گیا۔ اس نے خود ہی صراحی اٹھائی اور طلائی ساغر میں شراب انڈیل کر ایک ہی گھونٹ میں ساغر خالی کر دیا۔

فلورا کی نظریں شہنشاہ پر جمی ہوئی تھیں اور ایک نامعلوم خوف کا احساس اس کے گرد حلقہ بناتا چلا جا رہا تھا۔

ساغر خالی کر کے شہنشاہ نے فلورا کو دیکھا۔

فلورا نے فوراً نظریں جھکا لیں۔

شہنشاہ راڈرک نے کہا:

"فلورا، تم جواب کیوں نہیں دیتیں؟"

فلورا نے راڈرک کی آواز میں وہ بھڑبھڑاہٹ فوراً محسوس کر لی، جو شراب کا نشہ چڑھنے کے بعد آواز میں پیدا ہوتی ہے۔

فلورا ڈرتے ڈرتے بولی:

"جی شہنشاہِ معظم۔"

"تمہیں معلوم ہے کہ ہم نے آج تمہیں کیوں طلب کیا ہے؟" راڈرک کی آواز میں لرزش دم بدم بڑھتی جا رہی تھی۔

"جی نہیں شہنشاہِ معظم۔" فلورا نے مختصر جواب دیا۔

"ہم تمہیں اپنے پاس دیکھ کر بہت خوش ہیں۔ تمہیں علم ہے؟" راڈرک نے مستی میں لہرا کر کہا۔

"صحیح علم تو نہیں ہے لیکن کچھ کچھ اندازہ ضرور ہے شہنشاہِ معظم۔" فلورا اب تک خود کو فریب دینے کی کوشش کر رہی تھی۔

"بہت خوب..... تو تمہیں جبریل نے سب کچھ بتا دیا ہے۔" راڈرک نے ایک ایسا قہقہہ لگایا جو ایک شہنشاہ کے شایانِ شان ہرگز نہ تھا۔

فلورا کو راڈرک کا یہ قہقہہ بڑا ناگوار محسوس ہوا۔

"میں کسی جبریل کو نہیں جانتی شہنشاہِ معظم۔" فلورا نے جواب دیا۔

راڈرک نے ایک اور ساغر چڑھا لیا۔ پھر فلورا کو گھور گھور کر دیکھنے لگا۔

فلورا کو وحشت ہونے لگی.....

اس نے ہمت کر کے کہا:

"شہنشاہِ معظم نے مجھے کچھ بتانے کے لیے طلب کیا تھا شاید۔"

راڈرک نے پھر اسی طرح بے تکا قہقہہ لگایا اور بولا:

"کیا تم جانتی ہو کہ ہم کیا کہنا چاہتے ہیں؟"

"میں نے عرض کیا نا کہ شہنشاہ مجھے افریقہ کی کوئی خبر سنانا چاہتے ہیں۔" فلورا نے اپنے خیال میں راڈرک کو اصل مطلب کی طرف موڑنے کی کوشش کی۔

"تمہارا مطلب ہے والیِ سبتہ —؟" راڈرک نے چونکتے ہوئے پوچھا۔

"جی شہنشاہِ معظم..... کیا میرے باپ کاؤنٹ جولین کی کوئی خبر آئی ہے؟" فلورا نے خوش ہوتے ہوئے کہا۔

راڈرک ہنستے ہوئے بولا:

"تم نے خوب یاد دلایا۔ ہم تو بالکل بھول ہی گئے تھے۔ سبتہ کی خبر تو ہمیں پہلے ہی سنانا چاہیے تھی۔ فلورا۔ تمہارے باپ نے بڑی بہادری سے مسلمانوں کا دوسرا حملہ بھی پسپا کر دیا..... ہم کاؤنٹ جولین سے بہت خوش ہیں۔"

راڈرک نے بستر کی طرف ہاتھ بڑھایا۔

اس کے بستر پہ پارا بھرا ہوا گدا بچھا تھا۔ اس زمانے میں شہنشاہوں کے بستر نرم رکھنے کے لیے بستروں میں پارا بھر دیا جاتا تھا۔ تکیے بھی پارا بھرے ہوتے تھے۔

راڈرک نے تکیے پر رکھا ہوا ایک طلائی دُف اٹھایا۔ دف میں ایک زنجیر لگی تھی۔ زنجیر کے سرے میں ایک سونے کی پتلی سی چھڑی لٹک رہی تھی۔ اس چھڑی کے ایک سرے پہ ایک چھوٹا سا سونے کا لٹو لگا تھا۔

راڈرک نے چھڑی سے دُف پر چوٹ ماری۔

دف کسی ساز کی طرح گونج اٹھا۔

اس آواز کے ساتھ ہی کمرے کے ایک بغلی دروازے سے وہی کنیز داخل ہوئی جو فلورا کو یہاں تک لائی تھی۔

راڈرک نے کنیز سے کہا:

"وہ مرصع ہار لے آؤ جو آج کی رات کے لیے رکھا گیا ہے۔"

کنیز نے تعمیلِ حکم کے طور پہ سر کو ذرا جھکایا اور واپس ہوئی مگر واپس ہوتے ہوتے اس نے فلورا کو اس طرح دیکھا کہ فلورا اپنی جگہ کانپ سی گئی۔ پتہ نہیں، کنیز نے اپنی نظروں سے فلورا کو کون سا پیغام دیا تھا۔

تھوڑی دیر بعد کنیز واپس آئی..... اس کے ہاتھ میں ایک بیش قیمت مرصع ہار تھا۔

کنیز نے ہار شہنشاہ کے ہاتھ میں دے دیا۔

راڈرک نے فلورا سے کہا:

"یہ تمہارے لیے ہے فلورا۔ جو لڑکی پہلی بار ہمارے پاس آتی ہے اسے ہم ایسا ہار ضرور بخشتے ہیں.....!"

"جی....." فلورا نے گھبرا کر کہا:

"شہنشاہِ معظم۔ یہ آپ کیا فرما رہے ہیں۔ میں کاؤنٹ جولین کی بیٹی ہوں۔ میری عزت اور ناموس کے آپ محافظ ہیں۔"

راڈرک نے فلورا کو جواب دینے کے بجائے کنیز کو حکم دیا:

"دروازہ بند کر دیا جائے اور روشنیاں گل کر دی جائیں۔"

فلورا نے ایک دلدوز چیخ ماری.....

مگر—

اس کی چیخ کمرے ہی میں گونج کر رہ گئی کیونکہ دروازہ بند ہو چکا تھا اور روشنیاں گل کی جا چکی تھیں۔

قصرِ شاہی کے باغات میں خواتین اور امرائے ہسپانیہ کی محفل اب تک جمی ہوئی تھی۔

دولت کی افراط نے رئیسانِ ہسپانیہ کی آنکھوں پر عیش و عشرت کی پٹیاں چڑھا رکھی تھیں۔ انھیں کوئی فکر نہ تھی۔ وہ رات بھر دادِ عیش دیتے اور دن کو دوپہر تک سوتے رہتے۔ یوں کہیے کہ ان کی راتیں جاگتے اور دن سوتے گزرتے تھے۔

رات جس قدر تیزی سے گزر رہی تھی، اسی تیزی سے محفل میں گہما گہمی پیدا ہو رہی تھی۔ ان وسیع و عریض باغات کے تمام گوشوں میں چھوٹی چھوٹی چھولداریاں ایستادہ تھیں۔ ہر چھولداری کے اندر ایک مسہری بچھی تھی اور ایک چوکی پر ساغر و مینا کا انتظام تھا۔ یہ مہمانوں کے لیے عارضی عشرت گاہوں کا کام دیتے۔

جب کوئی نواب یا رئیس شراب کے نشے میں زیادہ چور ہو جاتا تو وہ مہمان نواز کنیزوں میں سے کسی کا ہاتھ پکڑ لیتا۔ کنیز اس مستِ شراب نواب کو سہارا دے کر خود ہی کسی چھولداری میں غائب ہو جاتی اور شراب میں شباب کی تلخی گھولنے کے بعد واپس آ جاتی۔

یہ محفل کی مہمان نوازی کا دستور تھا۔ کسی کنیز کو جرأت نہ تھی کہ وہ مہمان کی خواہش کے احترام سے گریز کرے۔

پھر محفل میں شہنشاہ راڈرک کی آمد کا غلغلہ اٹھا۔

ہٹو..... بچو..... باادب باملاحظہ اور نگاہ روبرو جیسے روایتی نعرے بلند ہونے لگے۔

تھوڑی دیر بعد راڈرک شاہانہ لباس زیب تن کیے، ننگی تلواروں کے سائے میں محفل میں داخل ہوا..... تمام حاضرین اس کے استقبال کو کھڑے ہو گئے۔

شہنشاہِ ہسپانیہ مسکراتا اور امراء کے سلاموں کا جواب دیتا اپنی مسندِ خاص پر آ کر بیٹھ گیا۔ راڈرک کی مسند ایک چھوٹا سا مرصع تخت تھا۔ مسند کے سامنے دو رویہ امراء اور خواتین کی نشستیں تھیں۔ ہر نشست کے سامنے شراب کے ساتھ کھانے پینے کے تمام لوازمات رکھے تھے۔ غلام اور کنیزیں دست بستہ قطار در قطار حکم کے منتظر کھڑے تھے۔ شہنشاہ کے ساتھ اس کے عشرت کدے کی کنیزوں کا ایک پرے کا پرا آیا تھا جو شہنشاہ کے تخت پر بیٹھتے ہی اس کے پیچھے ہاتھ باندھ کر کھڑا ہو گیا۔

یہ محفل تو شام سے جمی ہوئی تھی لیکن رنگِ محفل اس وقت پیدا ہوا جب شہنشاہ نے اپنے ہاتھ میں پکڑی ہوئی طلائی چھڑی کو ہوا میں تین بار لہرایا۔

یہ اس بات کا اعلان تھا کہ اب محفل کا آغاز کیا جاتا ہے۔

اس اعلان کے ساتھ ہی محفل کی وہ گہری خاموشی..... جو شہنشاہ کے آنے سے طاری ہو گئی تھی، ٹوٹ گئی اور پھر زبانیں کھل گئیں۔

شراب کی بوتلیں، صراحیاں اور ساغر ٹکرانے لگے۔

کنیزیں اور غلام بڑی مستعدی سے ادھر ادھر بھاگنے لگے۔

سرگوشیاں، باتوں اور قہقہوں میں بدل گئیں۔

کنیزوں کے لباس تار تار ہونے لگے۔

گوشوں میں ایستادہ چھولداریاں تیزی سے بھرنے اور خالی ہونے لگیں۔

اس بے ہنگم شور میں موسیقی کا شور بھی شامل ہو گیا اور اب یہ عالم تھا کہ کان پڑی آواز نہ سنائی دیتی تھی۔

شہنشاہ راڈرک کا مصاحب اور حاجبِ خاص جریل اپنی نشست سے اٹھ کر راڈرک کے پاس پہنچا۔ اس کی نشست تختِ شاہی کے بالکل قریب تھی۔

ادھیڑ عمر کا شہنشاہ اس وقت بہت خوش نظر آ رہا تھا۔ اس کے ہاتھ میں سیاہ انگوروں کا ایک خوشہ تھا۔ مسند کے دونوں جانب دو دو حسین کنیزیں، شہنشاہ کے شانوں پر اس طرح جھکی ہوئی تھیں جیسے وہ شہنشاہ کے کان میں کچھ کہنا چاہتی ہوں یا شہنشاہ انہیں کوئی پیغام دے رہا ہو۔ حالانکہ اس طرح کی کوئی بات نہ تھی۔ یہ تو ایک شاہانہ ادا تھی اور شاہی شان و شوکت کا اظہار۔

جریل نے قریب پہنچ کر راڈرک کے کان میں سرگوشی کی:

"شہنشاہِ عالم۔ آج آفتاب، ماہتاب یا ستارہ۔ ان میں سے کس نے آپ کے قدموں کو بوسہ دیا؟"

شہنشاہِ ہسپانیہ راڈرک نے حسن کی تین ڈگریاں قائم کی تھیں:

حسین ترین لڑکی آفتاب۔

اُس سے کمتر ماہتاب۔

اور آخری درجے کو ستارہ کا نام دیا گیا تھا۔

ہر شب راڈرک کی ہوس پر ایک عصمت قربان کی جاتی۔ یہ انتخاب عام طور پر جریل کے سپرد تھا۔ وہ، شہنشاہ کا حاجب اور مصاحبِ خاص تھا۔ اسے اس محل میں جانے کی بھی پوری آزادی تھی جہاں اپنے اپنے کمروں میں نوابین اور ان کی لڑکیاں اور بہنیں رہا کرتی تھیں۔ ان لڑکیوں کو زیور، اخلاق و تہذیب سے آراستہ کرنے کے نام پر اس محل میں داخل کیا جاتا مگر یہ معصوم جوانیاں راڈرک کی ہوس کا شکار ہو کر یا تو خودکشی کر لیتیں یا ہمیشہ کے لیے اس کے حرم میں داخل ہو کر اپنی زبان پر تالا لگا لیتیں۔

راڈرک کے لیے فلورا کا انتخاب بھی جریل ہی نے کیا تھا۔ کچھ دن پہلے محلِ شاہی میں ایک بیگم کی سالگرہ تھی۔ اس میں تمام بیگمات اور یہ مظلوم لڑکیاں شریک تھیں۔ وہیں جریل نے فلورا کو دیکھا اور پھر شہنشاہ کو دکھایا۔ راڈرک فلورا کو دیکھتے ہی اس کے حسن کی گل چینی پر فوراً آمادہ ہو گیا لیکن جب اسے یہ معلوم ہوا کہ فلورا، کاؤنٹ جولین کی لڑکی ہے تو اسے قدرے تامل ہوا لیکن جریل نے اس کی آتشِ ہوس کو ہوا دی اور اس نے اسپج کاؤنٹ جولین کی وفاداریوں کا جنازہ فلورا کی ناموس کے کاندھوں پر رکھ دیا۔

راڈرک، جریل کی سرگوشی پر مسکرایا اور بولا:

"خوب خوب۔ تمہاری نظر ہمیشہ آفتاب ہی پر پڑتی ہے۔ ہم تمہارے انتخاب کی داد دیتے ہیں۔ اس نے کوئی مزاحمت تو نہیں کی؟" جریل یہ کہتے ہوئے کسی خیال کے تحت مسکرانے لگا۔

"مزاحمت اور ہمارے عشرت کدے میں"۔ راڈرک نے قہقہہ لگایا:

"راڈرک کے سامنے زبان کھولنے والا ابھی پیدا نہیں ہوا"۔

راڈرک نے انگور کے خوشے پر منہ مارا۔ انگور کے کئی دانے ایک ساتھ اس کے منہ میں چلے گئے۔ اسے اُچھو ہو گیا۔ چاروں کنیزوں نے اپنی خوبصورت ہتھیلیاں کٹورے بنا کر راڈرک کے سامنے کر دیں۔ راڈرک نے منہ میں بھرے دانے ان دل آویز کٹوروں میں اگل دیئے۔

پھر اس نے ایک جام پی کر اپنا گلا صاف کیا۔

"کاؤنٹ جولین تو کوئی فتنہ پیدا نہ کرے گا"۔ جریل نے پھر سرگوشی کی۔

"جریل۔ تم بزدل اور کمینے ہو۔۔۔۔" راڈرک نے اسے ڈانٹ دیا:

"تم ایک حقیر کاؤنٹ کا نام لے کر شہنشاہِ ہسپانیہ کو خوف زدہ کرنا چاہتے ہو۔ اس کی کیا مجال ہے کہ چوں کر سکے۔ ایک تو فلورا کو ہمت نہ ہوگی کہ وہ جولین سے کچھ کہہ سکے۔ اور اگر اس نے کہہ بھی دیا تو جولین ہمارا کیا بگاڑے گا۔ ہم جب چاہیں گے اسے مسل کر رکھ دیں گے"۔

جریل کو ڈانٹ پڑی تو اس کی عقل ٹھکانے آ گئی۔ اسے خطرہ محسوس ہوا کہ شہنشاہ اس سے ناراض ہو گیا تو اس کی خیر نہیں۔ اس کا نام بھی ان نوابوں کی طرح صفحۂ ہستی سے مٹ جائے گا جن سے راڈرک ناراض ہوا تھا۔ راڈرک بڑا کینہ پرور تھا۔ وہ اپنے مخالف کو معاف نہ کرتا اور اس طرح غائب کرا دیتا کہ کسی کو علم ہی نہ ہو پاتا۔

جریل نے فوراً چاپلوسی اور خوشامد کا حربہ استعمال کیا۔ اس نے کہا:

"شہنشاہِ عالم۔ حقیر و ذلیل کاؤنٹ جولین کی کیا مجال ہے کہ وہ آپ سے آنکھیں بھی ملا سکے۔ میں تو یہ کہتا ہوں کہ کاؤنٹ جولین کو اس بات پر فخر کرنا چاہیے کہ شہنشاہِ ہسپانیہ نے اس کی بیٹی کو شاہی عشرت کدے میں چند ساعتیں گزارنے کا اعزاز بخشا ہے۔ کیا یہ اس کی عزت افزائی نہیں شہنشاہِ عالم؟"

راڈرک خوش ہو گیا۔ فوراً بولا:

"جریل۔ تیرے سوچنے کا یہ انداز شاہانہ ہے۔ ہر بات اتنی ہی بلندی پر پہنچ کر سوچا کر۔ کبھی کبھی تو الٹی راہوں پر چل پڑتا ہے"۔

"شہنشاہِ عالم"۔ جریل نے سر جھکا کر کہا:

"حضور والا کا مزاجِ شاہی ایک ایسا گہرا سمندر ہے جس کی تہ تک پہنچنا ناممکن ہے۔ ہاں اگر حضور کی مجھ پر اس طرح نوازش رہی تو شہنشاہ کی مزاج دانی کا کچھ نہ کچھ ملکہ ضرور پیدا ہو جائے گا"۔

راڈرک اور خوش ہوا۔ اس نے کہا:

"جریل۔ ہم تم سے خوش ہیں۔ اسی لیے تم نے ہمارے مزاج میں قدرے دخل حاصل کر لیا ہے۔ آہستہ آہستہ ماہر ہو جاؤ گے"۔

جریل نے دیکھا کہ راڈرک کا دل صاف ہو گیا ہے اس لیے اس نے اب اس کے پاس ٹھہرنا مناسب نہ خیال کیا اور سلام کر کے فوراً اپنی جگہ واپس آ گیا۔

ادھر تو یہ ہنگامہ برپا تھا اور اُدھر شاہی عشرت کدے سے فلورا ایک زندہ لاش کی مانند برآمد ہوئی۔ اسے دو زریں کنیزیں سہارا دیے ہوئے تھیں۔

فلورا کی فطرتیں شرم و حیا سے فرش پر گڑی ہوئی تھیں۔ آنکھوں کے آگے اندھیرا اور قدم لغزیدہ تھے۔

عشرت کدے سے باہر آ کر اس نے خود کو کنیزوں کے سہارے سے آزاد کرا لیا۔ اس کے ڈوبتے ہوئے دل سے ایک ہلکی سی آواز اٹھی:

"انتقام!"

پھر آہستہ آہستہ اس آواز میں سختی اور تیزی پیدا ہو گئی اور جب وہ عشرت کدے کی عمارت کی اترتی ہوئی آخری سیڑھی پہ پہنچی تو اس کا جسم آگ کے گولے کی طرح دہکنے لگا اور روئیں روئیں سے انتقام! انتقام! نعرے بلند ہونے لگے۔

فلورا نے پلٹ کر عشرت کدے کی عمارت کو دہکتی آنکھوں سے ایک زخمی شیرنی کے انداز میں دیکھا۔ اس کے جسم، تاب و توانائی نے ایک نئی کروٹ لی۔

اس نے اپنے سر کو اس طرح جھٹکا جیسے کسی بھاری بوجھ کو اتار رہی ہو۔ اب وہ پہلے جیسی معصوم اور الھڑ نہ تھی بلکہ ایک شعلۂ جوالا بن چکی تھی۔ عزم و ارادے کا نیا خون اس کے رگ و پے میں دوڑنے لگا۔ اس کے پیروں کا مردار پن دور ہو گیا۔

فلورا عشرت کدے کے سامنے والی راہداری میں پہنچی تو اس نے جیکب کو اپنا منتظر پایا۔ جیکب اسے دیکھ ہڑبڑا کر کھڑا ہو گیا۔

جیکب کے قریب پہنچ کر فلورا نے بڑے پُر مقاصد لہجے میں کہا:

"بابا۔ تمہارا نام....؟"

"میرا نام جیکب ہے۔" جیکب نے پژمردہ آواز میں کہا:

"بیٹی فلورا! میں کاؤنٹ جوبین کا گھریلو ملازم تھا۔ میں نے تمہیں اور تمہاری بہن مریم کو گود میں کھلایا ہے۔ مگر جن ہاتھوں نے تمہیں لوریاں دی تھیں آج وہ ہاتھ تمہاری کوئی مدد نہ کر سکے۔ کاش! تم نے کچھ پہلے مجھے نام بتا دیا ہوتا۔

فلورا جیکب کی باتیں سن رہی تھی۔

لیکن اس کا دماغ تیزی سے کسی اور نکتے میں لگا تھا۔

جیکب اس کا گھریلو ملازم تھا۔ اس انکشاف نے اسے کسی اور انداز میں سوچنے پر مجبور کر دیا۔

کیا وہ جیکب پر اعتماد کر سکتی ہے؟

یہ خیال اور نکتہ بار بار اس کے ذہن کے دریچوں سے ٹکراتا لیکن.... لیکن ایک معمولی شاہی محافظ اس کے کس کام آ سکتا ہے، اس کی سمجھ میں یہ نہیں آ رہا تھا۔

جیکب خاموش ہوا تو فلورا نے اسے مسکرا کر دیکھا۔ جیکب کے بوڑھے چہرے پر حزن و ملال کے سائے سے رینگ رہے تھے۔ جیکب کو اسے مسکراتا دیکھ کر بڑا تعجب ہوا۔ جس کے غم میں اس کا دل جل رہا تھا وہ تو اس کے سامنے کھڑی یوں مسکرا رہی تھی جیسے اسے کوئی غم نہیں۔ کوئی صدمہ نہیں۔ کیا ایک دوشیزہ اپنی دوشیزگی گنوا لینے کے بعد خوش رہ سکتی ہے۔ اس کا وہ تصور بھی نہ کر سکتا تھا۔

جیکب نے اپنے امڈتے جذبات کو دباتے ہوئے کہا:

"بیٹی فلورا۔ کیا تم واقعی خوش ہو۔ کیا تمہیں کوئی غم نہیں۔"

فلورا نے جیکب کی آنکھوں میں آنکھیں ڈالتے ہوئے کہا:

"جیکب۔ اگر میں یہ کہوں کہ میں خوش ہوں تو...."

جیکب کے جذبات کا بند ٹوٹ گیا۔ وہ تڑک کر بولا:

"اگر تم خوش ہو تو میں اس دن کو اپنی زندگی کا سب سے منحوس دن سمجھوں گا جس دن میں نے تمہیں پہلی بار اپنی گود میں لیا تھا۔ اگر مجھے کسی طرح یہ معلوم ہو جاتا کہ میری گود میں پلنے والی بچی جوان ہو کر اپنی عصمت کو نیلام کر کے خوشیاں منائے گی تو یقین کرو کہ میں تمہارا گلا گھونٹ دیتا اور اپنے مالک کی عزت پر یہ بٹہ نہ لگنے دیتا۔"

"جیکب۔ اگر میں شہنشاہ راڈرک سے تمہاری یہ باتیں بتا دوں تو جانتے ہو تمہارا کیا حشر ہو گا۔" فلورا نے اسی طرح مسکراتے ہوئے کہا۔

"ذلیل فلورا۔ تو کتنی بے غیرت ہے۔ تو اپنی جوانی کے ڈاکو کو اپنا ہمدرد سمجھتی ہے۔" جیکب کا جسم غصے سے کانپنے لگا۔

فلورا اسی طرح مسکراتی رہی۔

ایک لحظہ ٹھہر کر جیکب نے کہا:

"فلورا! قبل اس کے کہ یہ منحوس خبر میرے مالک کے کانوں تک پہنچے اور اس کا سر شرم سے جھک جائے میں تیرا خاتمہ کر دوں گا۔"

یہ کہتے ہوئے جیکب نے بڑی تیزی سے کمر میں لگا ہوا آبدار خنجر نکال لیا۔ فلورا نے دیکھا کہ جیکب کے ہاتھ میں خنجر لرز رہا تھا۔ اور اس کی آنکھوں سے نکلتے ہوئے شعلوں میں آنسو بھی لرز رہے تھے۔

فلورا دو قدم پیچھے ہٹتے ہوئے بولی:

"بابا جیکب۔ پہلے میری بات سنو۔ پھر میں اپنے آپ کو خود ہی تمہارے خنجر کے حوالے کر دوں گی۔"

جیکب کے ہاتھ میں اور زیادہ لرزش ہوئی۔ اس نے کچھ بولنے کی کوشش کی مگر اس کے ہونٹ صرف

ہل کر رہ گئے۔

فلورا نے کہا:

"بابا جیکب، وقت بہت کم ہے۔ میری بات غور سے سنو۔ میرے دل میں جو آگ لگی ہے اسے میں دکھا نہیں
میں تمہاری آزمائش کر رہی تھی تاکہ مجھے معلوم ہو جائے کہ میں تم پر کس حد تک اعتماد کر سکتی ہوں۔ مجھے فخر ہے کہ ہم
میرا باپ ایک بہادر اور غیرت مند سردار ہے۔ اسی طرح وہ ماتھا اور رتھا نے بھی اتنے ہی غیرت مند ہیں جن کے
میں نے اپنا بچپن گزارا ہے۔ بابا! میرے دل میں صرف ایک خیال ہے اور وہ ہے انتقام۔ بس انتقام....
میں نے سوچا تھا کہ میں اپنے غموں پر مسکراہٹ کا نقاب اس وقت تک ڈالے رکھوں گی۔ جب تک مجھے انتقا
موقع نہیں ملتا۔ مجھے ایک ہمدرد کی تلاش تھی۔ ایک ایسے مخلص آدمی کی ضرورت تھی جس پر میں پوری طرح اعتما
سکوں۔ تم مجھے مل گئے ہو بابا۔ تم بھی میرے باپ کی مانند ہو۔"

جیکب نے جلدی سے خنجر کمر میں لگایا اور "میری بیٹی" کہتے ہوئے فلورا کو گلے لگا لیا۔ دونوں کی آنکھیں اشکبا
ہو گئیں لیکن ہوش مند جیکب نے اسے جلدی سے الگ کر دیا اور بولا:

"بیٹی فلورا۔ جلدی بتاؤ میں تمہارے کس کام آ سکتا ہوں۔ میں تمہارا حکم بجا لانے میں اپنے خون کا آخری
قطرہ تک بہا دوں گا۔"

فلورا نے سسکیاں بھرتے ہوئے کہا:

"بابا۔ اس ظالم کے خلاف جو کچھ کرنا ہے وہ ہم اور تم اس ماحول میں رہ کر نہ سوچ سکتے ہیں اور نہ اس پر عمل
کر سکتے ہیں۔ یہ کام تو میرا باپ ہی کرے گا۔ میں تو بس یہ چاہتی ہوں کہ آج کے واقعے کی خبر کسی طرح محفوظ طریقے
سے میرے باپ کے کانوں تک پہنچ جائے۔ تمہیں اس کے لیے کوئی بندوبست کرنا ہوگا۔"

"میری بیٹی۔ تُو فکر نہ کر۔ یہ کام میں خود انجام دوں گا۔ اس کام کے لیے کسی اور پر اعتماد نہیں کیا جا سکتا۔"
جیکب نے کانپتی آواز میں کہا اور محبت سے فلورا کے شانے پر ہاتھ رکھ دیا۔

فلورا نے کہا:

"بابا۔ تمہارا اک دم اس طرح مل جانا اس بات کی دلیل ہے کہ آسمانی طاقت بھی اس شہنشاہ کی بدکاریوں
سے نالاں ہے اور اسے سزا دینا چاہتی ہے۔"

باتیں کرتے ہوئے وقت کافی گزر گیا تھا۔ جیکب نے فلورا کو چلنے کا اشارہ کیا اور لمبے لمبے قدم اٹھاتا ہوا
اس کے آگے چلنے لگا۔

جب جیکب کی حفاظتی حد ختم ہو گئی اور دور کھڑا دوسرا محافظ دکھائی دیا تو جیکب نے قدم آہستہ کر لیے.....

ورا اس کے قریب پہنچی تو جیکب نے کہا:

"فلورا۔ اب شاید ملاقات نہ ہو سکے۔ ممکن ہے کہ ہم کبھی دوبارہ نہ مل سکیں لیکن یہ خبر کاؤنٹ جولین کے
کانوں تک ضرور پہنچے گی۔"

"میں تمہارا شکریہ کس طرح ادا کروں بابا۔" فلورا نے بھرائی ہوئی آواز میں کہا۔

جیکب نے آہستگی سے کہا:

"فلورا خیال رہے کہ تمہارے چہرے سے کسی غم و غصے کا اظہار نہ ہو۔ اس غم کو دل ہی میں دبائے رکھنا اور
معمول کی دلچسپیوں میں شریک ہوتی رہنا۔ اسی میں تمہارا بھلا ہے اور ہماری کامیابی بھی اسی میں ہے۔"

دوسری حد کے محافظ جیکب کے پاس پہنچ گئے۔ جیکب نے مسکراتے ہوئے فلورا کو ان کے حوالے کیا مگر
جب وہ واپس ہوا تو اس کی آنکھیں رو رہی تھیں اور دل بیٹھا جا رہا تھا۔

فلورا، اور بدلتے محافظوں کے ساتھ خاموشی سے سر جھکائے ان راستوں پر چلتی رہی جن پر چل کر وہ
اس جہنم میں آئی تھی جس نے اس کا سب کچھ جلا کر رکھ دیا تھا۔

باغ سے گزرتے ہوئے بھی اس نے کسی طرف نگاہ نہ ڈالی۔ وہاں اب تک ویسا ہی ہنگامہ برپا تھا۔ جب
کسی طرف سے کوئی شراب میں ڈوبا ہوا قہقہہ بلند ہوتا تو فلورا کو یوں محسوس ہوتا جیسے اس کا مذاق اڑایا جا رہا ہے
اس کے قدم اور تیز ہو جاتے۔ وہ جلد از جلد ان بہروپیوں اور عزت و ناموس کے رکھوالے نما لٹیروں کی نظروں سے
دور ہو جانا چاہتی تھی۔

فلورا گرتی پڑتی اپنے کمرے میں پہنچی اور بستر پر گر کر اپنی قسمت پر آنسو بہانے لگی۔ اسے کوئی تسلی
دینے والا نہ تھا۔ اس کے آنسو کسی نے خشک نہ کیے۔ حالانکہ کئی لڑکیوں نے اسے لڑکھڑاتے قدموں سے کمرے
میں جاتے دیکھا تھا۔ انہیں فلورا کے دل میں اٹھنے والے درد کا حال معلوم تھا مگر وہ اس درد کا علاج کیا کرتیں۔
کیونکہ ان کے دل میں بھی وہی درد تھا۔ وہی زخم تھا۔ سب ہی اپنے زخموں پر صبر کا مرہم رکھے اس جہنم کدے میں
بہار آنے سے پہلے ہی خزاں رسیدہ ہو گئی تھیں۔

○

قلعہ سبتہ کے حاکم کاؤنٹ جولین نے گھبرا کر اپنے کانوں میں انگلیاں ٹھونس لیں اور چیخ کر بولا:
"جیکب بس کرو۔ بس کرو جیکب۔ اب مجھ سے نہیں سنا جاتا۔"

جیکب گرد آلود لباس میں نواب جولین کے سامنے ہاتھ باندھے کھڑا تھا۔ اس نے آگے بڑھ کر جو
دونوں ہاتھوں کو کانوں کے پاس سے گھسیٹ لیا اور بولا:

"میرے مالک کان کھولو اور حقیقت سے آنکھیں ملاؤ۔ میں نے تمہارے سامنے کوئی کہانی نہیں کہی بلکہ یہ تو اس حقیقت کا ایک ٹکڑا ہے جسے میں کھلی آنکھوں سے روز دیکھتا ہوں۔"

جولین نے آسمان کی طرف دیکھتے ہوئے کہا:

"اے مالک۔ میں نے کیا خطا کی تھی جس کی تو نے مجھے اتنی بڑی سزا دی ہے۔"

جیکب نے زہر خند کرتے ہوئے کہا:

"مالک! تم اپنی خطا مالکوں کے مالک سے کیوں پوچھ رہے ہو۔ تمہاری خطا تو تمہارا یہ غلام بتا سکتا ہے۔"

"کیا کہا جیکب۔ کیا تمہارے خیال میں، میں خطا وار اور گناہ گار ہوں۔" نواب جولین نے حیرت سے جیکب کو دیکھتے ہوئے کہا۔

"ہاں مالک۔ مجھے یہ کہتے ہوئے افسوس ہوتا ہے کہ جتنا بڑا ظالم شہنشاہ راڈرک ہے، تم اس سے کسی طرح کم نہیں ہو۔" جیکب نے ایسے انداز میں کہا جیسے اس نے کوئی نہایت غیر اہم بات کہی ہو۔

نواب جولین نے ٹھنڈی سانس لیتے ہوئے کہا:

"ٹھیک ہے جیکب۔ تم بھی میرے زخموں پر نمک چھڑک لو۔ جب راڈرک، جس کے لیے میں نے سینکڑوں جوان کٹوا دیے، میرا نہ ہوا تو پھر تم سے کیا شکوہ....."

"ایسا نہ کہو مالک۔" جیکب نے رقت آمیز لہجے میں کہا:

"میرا دل بھی تمہاری ہی طرح رو رہا ہے لیکن یہ حقیقت ہے کہ تم پر جو گزری ہے اس کے ذمے دار خود ہو۔"

"جیکب۔ تم بھی مجھے الزام دے رہے ہو۔ میں نے کیا گناہ کیا تھا۔ کس کا دل توڑا تھا۔" جولین نے گھگیا کے کہا۔

جیکب کی آنکھوں میں ایک باغیانہ چمک پیدا ہوئی اور اس نے کہا:

"مالک! کیا تمہاری یہ خطا کم ہے کہ ہسپانیہ کے عوام کے سر اپنے آقاؤں کے اشارے پر کٹتے رہے اور تم تماشائی بنے کھڑے رہے۔ عوام حاکموں اور کلیسا کے پادریوں کے درمیان پستے رہے۔ کراہتے رہے، مرتے رہے اور تم نے کوئی احتجاج نہ کیا۔ تمہاری شہ پر راڈرک نے شہنشاہ ہسپانیہ عطیشہ سے بغاوت کی۔

سوچو تو عطیشہ کی کیا خطا تھی۔ صرف یہی نا کہ وہ ظلم کے خلاف تھا۔ انصاف پسند تھا اور عوام دوست تھا۔ تم اور تمام نوابوں نے عطیشہ کے بیٹے اخیلہ کو ولی عہد نہ بننے دیا اور آخر پادریوں سے سازش کر کے اس بے گناہ کو قتل کر دیا۔ کیا یہ سب تمہاری خطائیں نہیں ہیں۔ آج جب تم پر آ پڑی ہے تو تمہیں راڈرک ظالم نظر آ رہا ہے۔"

"میں خطا وار ہوں جیکب۔ تم سچ کہتے ہو۔ مگر اب مجھے بتاؤ میں کیا کروں۔ میرے سینے کی آگ مجھے جلائے ڈال رہی ہے۔"

اور..... نواب جولین بچوں کی طرح پھوٹ پھوٹ کر رونے لگا۔

جیکب نے نواب جولین کی پیٹھ پر پیار سے ہاتھ پھیرتے ہوئے کہا:

"مالک یہ وقت رونے اور ہوش کھونے کا نہیں۔ شہنشاہ راڈرک کے ظلم و ستم کا لاوا میرے سینے میں کھول رہا تھا وہ اس وقت پھوٹ پڑا۔ مالک یقین کرو کہ میری آنکھیں ہر شب اس وقت خون کے آنسو بہاتی تھیں جب نوابوں اور امیروں کی بیٹیاں، شاہی عشرت کدے سے اپنی عصمتیں لٹا کر سر جھکا کے لڑکھڑاتے قدموں سے میرے پاس آتی تھیں۔ میں اس وقت تم کو کوستا تھا۔ اپنی قسمت پر روتا تھا کہ تم نے مجھے شہنشاہ کی غلامی میں کیوں دیا۔ تم نے تو میری بھلائی اور ترقی کے لیے مجھے شاہی محل میں پہنچایا تھا مگر میری زندگی وہاں اجیرن بنی ہوئی تھی۔ اب میں اس جہنم کدے میں نہیں جاؤں گا۔ میں واپس نہیں جاؤں گا میرے مالک۔"

نواب جولین اس وقت تک خود کو سنبھال چکا تھا۔ اس کے ذہن اور نگاہوں سے شہنشاہ راڈرک کی وفاداری کا دبیز پردہ دور ہو چکا تھا۔ حقیقت کھل کر اس کے سامنے آ گئی تھی۔

نواب جولین نے جیکب سے کہا:

"جیکب۔ تمہیں شاہی محل میں واپس جانا ہوگا۔"

"کیوں مالک۔" جیکب نے حیرت سے پوچھا:

"کیا تمہارے پاس میرے لیے دو روٹیاں بھی نہیں کہ تم پھر مجھے اسی جہنم میں بھیج رہے ہو۔"

"یہ بات نہیں ہے جیکب۔" نواب جولین نے اسے سمجھاتے ہوئے کہا:

"میری مظلوم بیٹی اس وقت کتنی پریشان ہوگی۔ تم اس کے قریب رہو گے تو اسے کچھ نہ کچھ سہارا تو ضرور رہے گا۔ محل میں تمہاری موجودگی فلورا کے لیے بڑی تقویت کا باعث ہوگی ورنہ مجھے خطرہ ہے کہ میرے کوئی قدم اٹھانے سے پہلے کہیں وہ گھبرا کے خودکشی....."

"نہیں مالک۔" جیکب نے نواب کی بات کاٹ دی:

"میں ایسا نہیں ہونے دوں گا۔ میں واپس جاؤں گا۔ میں واپس جاؤں گا ضرور جاؤں گا"۔

دونوں طرف خاموشی طاری ہوگئی۔

جیکب بھی کسی خیال میں ڈوب گیا اور نواب جولین ان تدابیر پر غور کرنے لگا جن کے ذریعے اسے پہلے وہ فلورا کو بغیر کسی فتنہ و فساد کے شاہی محل سے نکال کے لا سکے۔

کچھ دیر سوچنے کے بعد نواب جولین نے کہا:

"جیکب۔ کس قدر احسان فراموش ہے راڈرک۔ اس کی دنداری میں میں نے مسلمانوں کے ہاتھوں کتنے ہی بہادروں کو کٹوا دیا۔ میں یورپ کے دروازے پر بیٹھا ہوں۔ سبتہ کو یورپ کی کنجی کہا جاتا ہے۔ مسلمان مجھے کئی بار دوستی کا پیغام دے چکے ہیں۔ ان کے لیے قلعہ فتح کر لینا کچھ مشکل نہیں۔ یہ ٹھیک ہے کہ میں نے ان کے دو حملے پسپا کر دیے لیکن ان حملوں میں ان کا سردار موسیٰ شریک نہ تھا۔ اس نے اب تک اپنے مستقر قیروان سے قدم نہیں نکالا ہے۔ پتہ نہیں وہ سبتہ پر پوری طاقت سے یلغار کرنے سے کیوں کترا رہا ہے"۔

اور یہ حقیقت بھی تھی۔

مسلمانوں کے لیے قلعہ قیروان کے لیے قلعہ سبتہ فتح کر لینا کچھ زیادہ مشکل نہ تھا مگر اس وقت تختِ خلافت پر اُموی خلیفہ ولید بن عبدالملک متمکن تھا۔ خلیفہ ولید کا گورنر حجاج بن یوسف ثقفی تھا جسے اسلامی تاریخ میں ایک سفاک کہا جاتا ہے لیکن ان عیوب کے باوجود اس گورنر نے چار ایسے سردار خلافتِ امیہ کو دیے جنہوں نے اسلامی خلافت کی سرحدیں چین سے افریقہ تک پہنچا دیں۔ ایک سردار موسیٰ بن نصیر کو افریقہ کی تسخیر کے لیے بھیجا گیا۔ وہ یلغار کرتا ہوا قیروان تک آ گیا مگر خلیفہ ولید نے اسے حکم دیا کہ مسلمانوں کی جانیں کم از کم ضائع ہوں اس لیے موسیٰ بن نصیر حملہ کرنے میں بڑی احتیاط برت رہا تھا۔ اس نے روما، قلعہ سبتہ پر اپنے فوجی دستے بھیجے جن کا مقصد قلعے والوں کو ڈرانا دھمکانا اور قلعے کے راستوں کے نقشے تیار کرنا تھا۔

دوسرے یہ کہ موسیٰ بن نصیر، سبتہ جیسے مضبوط قلعے کو برباد بھی نہ کرنا چاہتا تھا۔ اس سلسلے میں اس نے نواب جولین کی طرف دوستی کا ہاتھ بھی بڑھایا تھا۔

جیکب نے کچھ سوچتے ہوئے کہا:

"مالک۔ میرے جانے کے بعد تم کیا کرو گے؟"

"تمہارے پیچھے پیچھے میں بھی دارالخلافہ طلیطلہ پہنچوں گا"۔ نواب نے جواب دیا۔

"نہ نہ۔ مالک ایسا غضب نہ کرنا۔ راڈرک تمہیں زندہ نہ چھوڑے گا"۔

نواب جولین بولا: "تم اس کی فکر نہ کرو جیکب۔ میں راڈرک سے لڑنے نہیں جاؤں گا۔ میرا کام تو

کسی طرح شاہی محل سے نکال لانا ہوگا"۔

جیکب کی سمجھ میں یہ بات کچھ کچھ آ گئی۔ اس نے کہا:

"مالک۔ طلیطلہ میں نواب جریل سے ہوشیار رہنا۔ بڑا کمینہ آدمی ہے۔ آج کل شہنشاہ کی ناک کا بال بنا ہوا ہے"۔

"جریل کو میں جانتا ہوں بلکہ اس کی رگ رگ سے واقف بھی ہوں تم اس کی فکر نہ کرو"۔ نواب جولین نے جیکب کو مطمئن کر دیا۔

جیکب نے کہا:

"تو پھر میں کل واپس چلا جاؤں"۔

"نہیں جیکب"۔ نواب جولین نے اسے روک دیا:

"تمہیں آرام کی ضرورت ہے۔ ایک ہفتے کے بعد جانا"۔

نواب جولین نے جیکب کی خستہ حالت سے اندازہ لگایا تھا کہ ایک طرف کے سفر ہی نے اسے نڈھال کر دیا ہے۔ اگر وہ بغیر آرام کیے پھر سفر پر روانہ ہوگیا تو اس کی زندگی خطرے میں پڑ جائے گی اور ممکن ہے کہ وہ واپس طلیطلہ پہنچ ہی نہ سکے۔

ایک ہفتہ بعد نواب جولین نے جیکب کو ضروری ہدایات کے ساتھ طلیطلہ واپس بھیج دیا۔ پھر اس نے شہنشاہِ ہسپانیہ راڈرک کو بہت سوچ سمجھ کے ایک خط روانہ کیا۔

جولین نے راڈرک کو لکھا:

شہنشاہِ ہسپانیہ کے نام

وفادارِ تخت و تاج قلعہ دارِ سبتہ کی درخواست!

تاچیز نواب جولین شہنشاہِ ہسپانیہ کی خدمت میں عرض پرداز ہے کہ افریقہ کے ریگ زاروں میں مسلمانوں کی طاقت روز بروز بڑھتی جا رہی ہے۔ ان کی حریص نظریں قلعہ سبتہ پر لگی ہیں۔ شہنشاہ کے اس غلام نے ان کے دو حملے پسپا کر دیے ہیں جس کی اطلاع حضورِ والا کے گوش گزار کی جا چکی ہے۔ قلعہ سبتہ کی فوجی اہمیت سے حضورِ والا مجھ سے زیادہ واقف ہیں۔ قلعے کی حفاظت اور اسے ناقابلِ تسخیر بنانے کی چند تدابیر موجود ہیں۔ ان تدابیر کو اس

نامے میں تحریر کرنا مصلحت کے خلاف سمجھتے ہوئے آپ کا خادم درخواست کرتا ہے کہ اسے شرفِ باریابی عطا کیا جائے تاکہ ان تدابیر کو حضور کے سامنے تفصیل سے پیش کر سکے۔

ہر چند کہ اس وفادار کی بیوی اس وقت سخت بیمار ہے اور میری موجودگی اس کے قریب ضروری ہے لیکن چونکہ قلعہ سبتہ کی حفاظت میرے خیال میں اس سے کہیں زیادہ اہمیت رکھتی ہے، اس لیے میں حکم موصول ہوتے ہی قدم بوسی کے لیے حاضر ہو جاؤں گا۔

امید ہے کہ حضور اس معاملے پر فوری توجہ فرمائیں گے۔ میرا قاصد دارالخلافہ طلیطلہ میں اس وقت تک ٹھہرے گا جب تک حضورِ والا کا حکم نامہ اسے نہیں مل جاتا۔ نواب جریل کو میرا سلام پہنچایا جائے تو ناچیز پر بہت مہربانی ہوگی۔

خادمِ تخت و تاجِ ہسپانیہ
قلعدارِ سبتہ
نواب جولین"

نواب جولین کا خط اس انداز سے لکھا گیا تھا کہ اس نے راڈرک کو بے انتہا متاثر کیا۔ اس نے اپنے معاہ خاص کاؤنٹ جریل سے مشورہ کیا۔ چونکہ نواب جولین نے اپنے خط میں نواب جریل کو بھی سلام لکھا تھا اس لیے جریل نے کوئی مخالفت نہ کی بلکہ شہنشاہ کو مشورہ دیا کہ معاملے کی نزاکت کے پیشِ نظر نواب جولین کو فوراً طلب کیا جائے اور جو تدابیر وہ پیش کرے ان کو عملی جامہ پہنایا جائے۔

شہنشاہ راڈرک یا جریل کو قطعی شبہ نہ ہوا کہ کاؤنٹ جولین کا یہاں آنے کا کوئی اور مقصد ہو سکتا ہے۔

○

نواب جولین کے خط موصول ہونے کے دو دن بعد نواب جولین کے قاصد کو شاہی جواب پہنچایا گیا جس کی

یہ تاکید کی گئی کہ شہنشاہی جواب بڑی حفاظت اور رازداری سے نواب جولین تک جس قدر جلد ہو سکے، پہنچایا جائے نیز نواب جولین کو زبانی پیغام دیا جائے کہ شہنشاہِ ہسپانیہ اس کے منتظر ہیں۔ جس قدر جلد ہو سکے وہ طلیطلہ پہنچ کر سلامی کا شرف حاصل کرے۔

نواب جولین کا قاصد شاہی فرمان اور زبانی پیغام لے کر فوراً طلیطلہ سے سبتہ روانہ ہو گیا۔ اس کی روانگی کی اطلاع شاہی محافظ جیکب کو ملی اور پھر جیکب نے فلورا کو مطلع کر دیا کہ راڈرک نے، نواب جولین کو فوری طور پر طلیطلہ طلب کیا ہے اور نواب جولین بہت جلد اپنے پروگرام کے مطابق یہاں پہنچ رہے ہیں۔

جیکب نے فلورا کو تاکید کی کہ نواب جولین کے طلیطلہ پہنچنے پر فلورا کسی غیر معمولی خوشی یا دلچسپی کا اظہار نہ کرے اور ہر وقت اپنے آپ کو شہنشاہ راڈرک کا وفادار ظاہر کرنے کی کوشش کرے۔

جیکب اپنے دل میں بہت خوش تھا۔ نواب جولین نے اسے رخصت کرتے وقت اپنے پروگرام کی موٹی موٹی باتوں سے آگاہ کر دیا تھا۔ شہنشاہ راڈرک کا نواب جولین کو طلیطلہ طلب کرنا، نواب جولین کی پہلی کامیابی تھی۔ جیکب کو اپنے مالک کی عقلمندی سے امید تھی کہ وہ اپنے مقصد میں ضرور کامیاب ہوگا۔

○

اور پھر دارالخلافہ طلیطلہ میں شہنشاہ راڈرک کا ایک فرمان جاری ہوا۔

اس فرمان کے ذریعے طلیطلہ والوں کو مطلع کیا گیا کہ محافظِ قلعہ سبتہ نواب جولین ایک ہفتے بعد طلیطلہ آ رہے ہیں۔ نواب جولین نے افریقہ میں مسلمانوں کو دو بار شکست فاش دی ہے اس لیے ان کی تشریف آوری پر اہلیانِ شہر اور تمام امراء و وزراء ان کا شایانِ شان استقبال کریں۔

حکم کی دیر تھی، شہر میں تیاریاں شروع ہو گئیں۔ سلطنتِ ہسپانیہ کے تمام گورنروں کو طلیطلہ پہنچنے کے پروانے جاری ہوئے۔ قلعے کو دلہن کی طرح آراستہ کیا گیا۔ ہسپانیہ کے تمام نوابین اگرچہ نواب جولین کو پسند نہ کرتے تھے کیونکہ جولین کو دوسرے نوابوں کے مقابلے میں زیادہ مراعات اور آزادی حاصل تھی لیکن انھیں یہ اچھی طرح معلوم تھا کہ اگر قلعہ سبتہ کا حفاظتی حصار ٹوٹ گیا تو پھر یورپ، بیرونی حملوں کی زد میں آ جائے گا اس لیے ہسپانوی نوابین، جولین کو پسند نہ کرتے ہوئے بھی اس کی عزت کرتے اور قلعہ سبتہ کے استحکام کے لیے ہر طرح کا تعاون کرنے پر آمادہ رہتے تھے۔ افریقہ میں مسلمانوں کی فتوحات نے قلعہ سبتہ کی اہمیت پہلے سے کہیں زیادہ بڑھا دی تھی۔

نواب جولین کی آمد پر شہنشاہ راڈرک نے اپنے تمام امیروں اور وزیروں کو اس کے استقبال کے لیے قلعے پر بھیج دیا۔ اور دربارِ خاص میں خود نواب جولین کا شاندار استقبال کیا۔

شہنشاہ راڈرک نے نواب جولین کو عزت افزائی کے طور پر اپنی دائیں جانب پہلی نشست پر بٹھایا۔ اس نشست پر صرف وزیرِ اعلیٰ کو بیٹھنے کی اجازت تھی۔ چونکہ اس وقت تک راڈرک نے کوئی وزیرِ اعلیٰ منتخب نہ کیا تھا اس لیے یہ کرسی ہمیشہ خالی رہتی تھی۔ اس خالی کرسی پر قبضے کے لیے شہنشاہ راڈرک کا مصاحبِ خاص جریل ایک عرصے سے کوشش کر رہا تھا مگر اسے اب تک کامیابی حاصل نہ ہوئی تھی۔

طلیطلہ کا دربارِ خاص بھی اتنا وسیع تھا کہ اس میں بیک وقت چار ہزار آدمی سما سکتے تھے لیکن آج یہاں شہنشاہ نے نواب جولین کے اعزاز میں ایک خاص دعوت کا اہتمام کیا تھا۔ ہر نشست کے سامنے شراب و کباب کا انتظام تھا اس لیے شرکاءِ محفل کی تعداد ایک ہزار سے زیادہ نہ تھی۔

جریل اس محفل کا ناظمِ اعلیٰ تھا۔ اس نے بڑی خوبصورتی سے محفل آراستہ کی تھی۔ شراب و کباب کے علاوہ رقص و موسیقی کا بھی بندوبست کیا گیا تھا۔

شہنشاہ راڈرک ہنس ہنس کر نواب جولین سے باتیں کرتا رہا اور نواب جولین بھی دل کی ہوک کو دبائے کمالِ خوش دلی سے گفتگو کرتا رہا۔ اس کے دماغ میں کھولن مچی ہوئی تھی۔ اس وقت اس کی رگوں میں خون کے بجائے شعلے دوڑ رہے تھے۔ جولین کی روح انتقامی جذبے سے بے چین تھی۔ وہ اس وقت شہنشاہ راڈرک کے اتنا قریب تھا کہ اپنے خنجر سے اس کا بآسانی خاتمہ کر سکتا تھا لیکن اس وقت شہنشاہ کو مارنے سے تو اس کا انتقام پورا نہیں ہو سکتا تھا۔

وہ جذبات کی رو میں بہہ کر کوئی ایسا قدم اٹھانا نہیں چاہتا تھا جس سے وہ اس کے بیوی بچے اور جولین کسی اور عذاب میں مبتلا ہو جائیں۔

نواب جولین نے شہنشاہ راڈرک سے گفتگو کے دوران اپنے قول یا فعل سے قطعی یہ اظہار نہ ہونے دیا کہ اسے اپنی بیٹی فلورا کے سنگین حادثے کا کوئی علم ہے۔ اگر راڈرک کو کوئی شبہ بھی تھا تو نواب جولین نے اپنے طرزِ عمل اور گفتگو سے اس کی نفی کر دی۔

نواب جریل نے راڈرک کے پاس پہنچ کر رقص و سرود کے آغاز کی اجازت چاہی مگر راڈرک نے اسے روک دیا۔ کیونکہ راڈرک اس وقت نواب جولین سے مسلمانوں کے قلعہ بسنہ پر دونوں حملوں کی تفصیل بڑی توجہ سے سن رہا تھا اور نواب جولین..... شہنشاہ راڈرک کو صرف وہی باتیں سنا رہا تھا جو اس کے پروگرام میں شامل تھیں۔

نواب جریل کو راڈرک نے سختی سے جواب دیا تھا کہ وہ شرمندہ ہو گیا اور منہ لٹکا کر جانے لگا۔ نواب جولین نے فوراً صورتِ حال سے فائدہ اٹھایا۔ اس نے شہنشاہ سے کہا:

"شہنشاہِ معظم۔ اگر آپ اجازت دیں تو میں اپنے دوست نواب جریل سے گلے مل لوں۔"

نواب جریل، جولین کی زبان سے اپنا نام سن کر رک گیا..... اور شہنشاہ کے جواب کا انتظار کرنے لگا۔

شہنشاہ راڈرک نے ہنس کر کہا:

"اتنی بھی کیا جلدی ہے جولین۔ اپنے دوست سے کل مل لینا۔"

"بجا فرمایا شہنشاہِ معظم نے۔"

جولین نے چالاک اور مزاج شناس مصاحبوں کی طرح پہلے شہنشاہ کی ہاں میں ہاں ملائی۔ پھر کہا:

"لیکن شہنشاہِ معظم! ممکن ہے کہ آپ مجھے کل واپس جانے کا حکم دیدیں۔"

راڈرک نے چونک کر سوال کیا:

"جولین۔ کیا وہاں کے حالات اتنے خدوش ہیں کہ تم کل ہی واپس جانا چاہتے ہو؟"

"شہنشاہِ معظم۔ میں تو آپ کے حکم کا تابع ہوں۔ میری کوئی خواہش نہیں۔ جب تک آپ کا حکم ہوگا، میں طلیطلہ میں آپ کی قدم بوسی کے لیے حاضر رہوں گا۔"

جولین نے ایک لحظہ ٹھہر کر پہلے جریل کی طرف دیکھا پھر راڈرک سے مخاطب ہوا:

"لیکن جو حالات میں آج آپ کے گوش گزار کروں گا اسے سماعت فرما کر ممکن ہے کہ آپ مجھے رات ہی میں واپس جانے کا حکم صادر فرما دیں۔"

شہنشاہ راڈرک بڑا ذہین تھا مگر وہ جولین کے دل کی بات نہ سمجھ سکا۔ عیاشی اور مے نوشی کی کثرت یوں بھی انسان کے ذہن کو مفلوج کر دیتی ہے۔ راڈرک کی نظر جریل پر پڑ گئی جو نواب جولین کے منہ سے اپنا نام سن کر رک گیا تھا۔

شہنشاہ راڈرک، جریل کی طرف مخاطب ہو کر بولا:

"جریل۔ تم نے سنا، افریقہ کے حالات بڑے سنگین معلوم ہوتے ہیں۔"

نواب جریل فوراً واپس آ گیا۔

نواب جولین نے اپنی جگہ سے اٹھ کر فوراً نواب جریل کو گلے لگا لیا۔ نواب جریل، جولین کے اس حسنِ اخلاق سے بہت متاثر ہوا۔

نواب جولین نے کہا: "نواب جریل۔ آپ بہت مصروف ہیں لیکن میری خواہش اور آرزو تھی کہ جانے سے

پہلے میں اپنے ایک دیرینہ دوست سے گلے ضرور ملوں۔ کیا پتہ مجھے دوبارہ یہاں آنا نصیب ہو یا نہ ہو۔"

نواب جریل نے فوراً جواب دیا:

"نواب جولین۔ آپ دل کیوں چھوٹا کرتے ہیں۔ شہنشاہِ ہسپانیہ آپ کی پشت پر ہیں۔ آپ کو فکر نہیں کرنی چاہیے۔"

نواب جولین نے ٹھنڈی سانس لیتے ہوئے کہا:

"ہاں نواب۔ مجھے شہنشاہِ ہسپانیہ سے پوری مدد اور تعاون کی امید ہے۔۔۔۔۔"

شہنشاہ راڈرک دخل دیتے ہوئے بولا:

"جریل۔ ہمیں بڑی اہم گفتگو کرنا ہے اس لیے تقریب کو مختصر کرنے کی کوشش کرنا اور ہاں۔ تقریب کے اختتام پر تم ہمارے ساتھ چلنا۔ نواب جولین سے گفتگو کے وقت تمہاری موجودگی ضروری ہے۔"

جریل خوشی خوشی چلا گیا۔

راڈرک نے نواب جولین سے پھر باتیں شروع کر دیں لیکن اس گفتگو میں راڈرک نے اپنی ہر بات سے جولین کو یہ یقین دلانے کی کوشش کی کہ سلطنتِ ہسپانیہ اس کی ہر طرح کی مدد کرنے کے لیے تیار ہے۔

قصرِ شاہی کی ہر تقریب اسی شان و شوکت سے منائی جاتی تھی بلکہ تقریب کے لیے تو بہانے ڈھونڈے جاتے تھے۔ کبھی شہنشاہ کی سالگرہ کا جشن، کبھی جشنِ تاجپوشی۔ شہنشاہ کو چھینک آ جاتی تو اچھا ہونے کے بعد غسلِ صحت کی تقریب۔ پھر راڈرک کی بیگمات اور اولاد در اولاد کی سالگرہیں۔ غرض کہ ہر دوسرے دن قصر میں کسی تقریب کا غلغلہ اٹھتا رہتا تھا۔

نواب جولین کے استقبال کا اعلان شاہی فرمان کے ذریعے کیا گیا تھا۔ اس لیے اس کے اعزاز میں جو تقریب منعقد ہوئی وہ پہلی تقریبوں سے کہیں زیادہ شاندار تھی۔ جو تقریب جس قدر شان دار ہوتی تھی اس میں اتنی ہی زیادہ کھلی اور شرمناک عیاشیوں کا مظاہرہ کیا جاتا۔

سب سے پہلے موسیقی کی محفل گرم ہوئی۔ اس محفل کے تمام موسیقار مرد تھے۔ مغربی موسیقی ہمیشہ ہی سے ہیجان خیز رہی ہے جس میں آواز سے زیادہ ساز کو اہمیت دی جاتی ہے۔ چنانچہ ڈھول، تاشوں اور سازوں کا اتنا شور بلند ہوا کہ سوائے غل پاڑے کے گانے والے کی آواز تک غائب ہو گئی۔

اس قسم کی موسیقی اہلِ ہسپانیہ کو بہت مرغوب تھی۔ ہسپانوی نوابوں نے بڑی داد دی اور موسیقار کو انعام اکرام بخشا۔

موسیقی کے بعد رقص کا اعلان ہوا۔ سازوں کا شور بڑھ گیا اور رقص کرنے والی لڑکیاں ہال کے چاروں طرف سے تھرکتی ہوئی داخل ہوئیں۔

سڈول جسم کی یہ لڑکیاں خوبصورت بھی تھیں اور اپنے فن میں ماہر بھی۔ ان کے ناچنے کے لیے کوئی سٹیج نہیں لگایا گیا تھا۔ وہ بڑے ماہرانہ انداز سے رقص کرتی ہوئی مہمانوں کے درمیان سے گزرتی تھیں۔ رقص اور ساز میں تیزی بڑھتی گئی۔ شراب کے قدح اٹھنے لگے۔ سرور اور کیف کے بادل چھاتے گئے یہاں تک کہ شہنشاہ راڈرک اور تمام اراکینِ دولت اس قدر مدہوش ہوئے کہ انھیں تن بدن کا بھی ہوش نہ رہا۔ حفظِ مراتب ختم ہو گیا۔ جوان اور بوڑھے نوابین، ان رقاص لڑکیوں کے ہاتھ پکڑ کر خود بھی رقص کرنے لگے۔

نواب جولین، راڈرک کے قریب بیٹھا یہ سب تماشے دیکھ رہا تھا۔ وہ اس قسم کی محفلوں میں پہلے بھی شریک ہوتا رہا تھا۔ یہ مناظر اس کے لیے کوئی کشش نہ رکھتے تھے۔ اگر وہ اس سنگین حادثے سے دوچار نہ ہوا ہوتا تو وہ بھی یقیناً ان مدہوش نوابوں میں شامل ہو کر کسی جواں عمر لڑکی کا ہاتھ پکڑے رقص کر رہا ہوتا لیکن جو دیکھا اسے لگا تھا، اس نے جولین کی آنکھیں کھول دی تھیں۔ وہ شراب بھی بڑی احتیاط سے پی رہا تھا تاکہ وہ خود پر قابو رکھ سکے اور مدہوشی کی حالت میں کوئی ایسی حرکت نہ کر بیٹھے جس سے اس پر اور شاہی محل میں ملاقاتی سلاخوں میں مقید اس کی مظلوم بیٹی فلورا پر کوئی نئی مصیبت آ جائے۔

شہنشاہ راڈرک مستی کے عالم میں اپنی جگہ سے کھڑا ہو گیا۔ اس کے گرد کھڑی ہوئی لڑکیوں نے اس کے گرد حلقہ سا بنا لیا۔ راڈرک کے کھڑے ہوتے ہی تمام مہمانوں نے اس کی تقلید کی۔ نصف سے زائد نوابین پہلے ہی مستی کے عالم میں ناچ رہے تھے جو بیٹھے پی پلا رہے تھے وہ بھی شہنشاہ کے احترام میں تقلید میں کھڑے ہو کر ناچنے لگے۔

ایک شور تھا۔

ایک ہنگامہ تھا۔

راڈرک کی چیرہ دستیوں پر لڑکیاں احتجاج کرنے کے بجائے قہقہے لگاتیں۔ وہ شہنشاہ پر پروانہ وار نثار ہوئی جا رہی تھیں۔

یکایک راڈرک نے اپنا جام نواب جولین کی طرف بڑھا دیا۔ اس جام سے نصف شراب راڈرک نے پی لی تھی راڈرک کی یہ پیش کش، ہسپانیہ کا عظیم ترین اعزاز سمجھا جاتا تھا۔ شہنشاہِ ہسپانیہ جس کسی کو اپنا جھوٹا جام دیتا وہ اسپین کا خوش قسمت ترین انسان بن جاتا۔

یہ اعزاز اس بات کا اعلان ہوتا کہ شہنشاہ نے اس شخص کو اپنی عشرتوں میں برابر کا شریک کر لیا ہے۔ ایسے شخص کو اجازت ہوتی کہ وہ شاہی عشرت کدے کی کسی کنیز کو بھی اپنے تصرف میں لا سکتا تھا۔ اس کے لیے شاہی حرم کے دروازے بھی کھل جاتے۔ یہاں تک کہ شہنشاہِ ہسپانیہ کی محبوبہ کی عبت میں بھی برابر کا شریک

سمجھا جاتا۔

جبریل تو پہلے ہی نواب جولین کے حسنِ اخلاق اور خلوص کا قائل ہو چکا تھا۔ اس نے جب راڈرک کو جولین کو جام بڑھاتے دیکھا تو بھاگ کر اس کے پاس آیا اور بڑے ادب سے اسے مبارکباد دی۔ یہ اعزاز تو نواب شہنشاہ کی اتنی قربت کے باوجود اب تک حاصل نہ ہوا تھا لیکن نواب جولین پہ اس نوازش یا اعزاز کا کوئی بظاہر وہ بہت خوش نظر آ رہا تھا اور سب کو دکھانے کے لیے جام پہ جام لنڈھا رہا تھا لیکن اس کا دل ٹوٹا ہوا تھا۔ دل میں ہوس کی آگ کبھی نہیں جلتی۔

نواب جبریل نے آہستگی سے کہا:

"جولین! تم ہسپانیہ کے عظیم سردار بن گئے ہو۔ ہاتھ بڑھاؤ اور شہنشاہ کے گرد منڈلانے والی جس کو چاہو، پکڑ کر کھینچ لو۔ اب تمہارا ہاتھ شہنشاہ بھی نہیں پکڑ سکتا۔"

"تمہارا شکریہ جبریل"۔ نواب جولین نے بے دلی سے جواب دیا:

"ابھی تو سفر کی تکان ہی نہیں اتری"۔

"ٹھیک ہے دو چار جام اور چڑھاؤ۔ طبیعت بالکل تر و تازہ ہو جائے گی"۔

جبریل قہقہے لگاتا واپس چلا گیا۔

نواب جولین کا دل اس ہنگامے میں نہ لگ رہا تھا۔ پورے ہال میں نور کا سیلاب آیا ہوا تھا۔ محفل اپنے پر آ گئی تھی۔ ناچتے ناچتے جسم تھک گئے تھے اور اب انھیں سہاروں کی ضرورت تھی۔ رقاصاؤں کے لباس تار تار گئے تھے۔ وہ پہلے ہی نیم برہنہ تھیں۔ رقص کے دوران انھوں نے مہمانوں کی خوشنودی کی خاطر لباس کو مختصر کر دیا تھا۔ پھر نوچا کھسوٹی میں یہ برائے نام لباس بھی ان کا ساتھ چھوڑ گیا تھا۔ یوں پورے ہال میں برہنہ ہو رہا تھا۔

وحشت و درندگی کی یہ مکروہ نمائش تھی

رقصِ ابلیس تھا!

شہنشاہ راڈرک کا بھاری بھرکم جسم زیادہ دیر ناچنے والوں کا ساتھ نہ دے سکا۔ حالانکہ وہ اپنی کنیزوں کے سہارے رقص کر رہا تھا۔ رقص کے دوران اس کا زیادہ بوجھ اس کی کنیزیں اٹھائے ہوئے تھیں۔ راڈرک تھک کر اپنی نشست پر بیٹھ گیا۔ اس کے دائیں بائیں کو اس کی محبوب ترین کنیزیں سہارا دیے ہوئے تھیں۔

پھر شہنشاہ راڈرک کو پتہ نہیں کیا سوجھی کہ اس نے دائیں جانب کی کنیز کا ہاتھ پکڑا اور جولین کی طرف بڑھاتے ہوئے کہا:

"نواب جولین۔ ہم اپنا دل تمہارے حوالے کر رہے ہیں۔ تم بہت عظیم ہو۔ تم ہسپانیہ کے محافظ ہو"۔

جولین کے ہاتھ سے ساغر گرتے گرتے بچا۔

وہ نہ معلوم کن خیالوں میں کھویا ہوا تھا، جب راڈرک کی آواز اس کے کانوں سے ٹکرائی۔ وہ پری جمال جو جولین کو عطا کی گئی تھی، جولین کی بوکھلاہٹ پہ بڑے دلفریب انداز میں مسکرائی۔

نواب جولین، شہنشاہ راڈرک کے اس عطیہ پہ کچھ ہچکچایا مگر خوبصورت کنیز نے نواب کا ہاتھ خود پکڑ لیا اور اسے گھسیٹتی ہوئی ہال سے باہر لے گئی۔

باغ کی محفلوں میں عارضی عشرت کدوں کے لیے چھولداریاں نصب کی جاتی تھیں لیکن یہ محفل محل کے اندر سجی تھی اس لیے اس کا اہتمام ہال کے باہر راہداریوں میں چھوٹے چھوٹے کمروں میں تھا۔ ہر راہداری میں دونوں طرف چالیس پچاس چھوٹے مگر خوبصورت اور آراستہ و پیراستہ کمرے بنے تھے۔ غالباً یہ ہال اور اس سے ملحقہ کمرے محض دادِ عیش دینے کے لیے بنائے گئے تھے۔ طلیطلہ کا یہ محل، قسطنطنیہ کے بازنطینی محلات کی طرز پہ بنایا گیا تھا اور اس کی شان و شوکت وہاں کے محلوں سے کسی طرح کم نہ تھی۔

نواب جولین، کنیز کے ساتھ کسی سحر زدہ انسان کی طرح اس عارضی عشرت کدے میں پہنچ گیا۔ اس طرح کے عشرت کدے اس کے لیے کوئی اہمیت نہ رکھتے تھے۔ یہ حسین مناظر وہ کئی بار دیکھ چکا تھا ـــــ لیکن آج جب اس نے اس کمرے میں قدم رکھا تو وہ سر سے پیر تک کانپ گیا۔

اس کے کانوں میں پہلے شائیں شائیں کی آوازیں آئیں۔ پھر کسی کی ہلکی ہلکی چیخیں اس کے کان کے پردوں سے ٹکرائیں۔ مانوس آواز اور مانوس چیخوں نے اس پہ لرزہ طاری کر دیا اور پھر اسے یوں محسوس ہوا کہ جیسے اس کی پیاری بیٹی فلورا اس کے سامنے کھڑی ہے۔

اس کی چیخ سی نکل گئی۔ ۔۔۔۔ اور اس نے گھبرا کر اپنے دونوں ہاتھ آنکھوں پہ رکھ دیے۔

ساتھ آنے والی کنیز جولین کی یہ حالت دیکھ کر پریشان سی ہو گئی۔

کنیز نے جولین کے شانے پہ ہاتھ رکھتے ہوئے پیار سے کہا:

"نواب جولین۔ آپ کی طبیعت ٹھیک نہیں معلوم ہوتی"۔

نواب جولین نے فوراً خود کو سنبھالا۔ اس نے کنیز کو مطمئن کرنے کے لیے کہا:

"خوبصورت لڑکی۔ تم ٹھیک کہہ رہی ہو۔ اس وقت میرے سر میں سخت درد ہو رہا ہے"۔

"آپ آرام سے لیٹ جائیے"۔ لڑکی مترنم آواز میں بولی:

"اس وقت میں آپ کی کنیز ہوں۔ میں آپ کی خدمت اسی طرح کروں گی جس طرح شہنشاہ راڈرک کی

کرتی ہوں۔"

نواب جولین بغیر اسے جواب دیے مسہری پر اوندھے منہ لیٹ گیا۔ تو زرا دیر بعد اس نے محسوس کیا کہ کنیز اس کے سر میں تیل ڈال کر مالش کر رہی ہے۔

نواب جولین کا جسم جل رہا تھا اور رگ رگ سے "انتقام" کی آوازیں بلند ہو رہی تھیں۔ سر میں تیل پڑنے کے فوراً بعد سے اسے کچھ سکون ہوا اور نیند آنے لگی۔

اس نے چاہا کہ تھوڑی دیر آرام کر لے لیکن پھر اسے راڈرک سے گفتگو کا خیال آیا۔ محفل کے اختتام پر اسے راڈرک سے گفتگو کرنا تھی۔ جس کا اشارہ خود شہنشاہ نے نواب جبریل سے کیا تھا۔ وہ بادلِ نخواستہ اٹھ کر بیٹھ گیا۔

کنیز نے پوچھا:

"اب نواب جولین کی طبیعت کیسی ہے؟"

"تمہارا بہت بہت شکریہ میری حسین ساتھی"۔ نواب جولین نے کنیز کو خوش کرنے کے لیے کہا:

"کیا محفلِ نشاط ختم ہو گئی؟"

"جی ہاں نواب"۔ کنیز ایک بھرپور انگڑائی لیتے ہوئے بولی:

"لیکن اپنی محفل تو اب شروع ہو گی"۔

نواب جولین جلدی سے کھڑا ہو گیا اور بولا:

"میں اپنی حسین ساتھی کے نام سے اب تک ناواقف ہوں"۔

"جولیانہ"۔ یہ کہتے ہوئے جولیانہ نے نواب جولین کی گردن میں اپنے ہاتھ حمائل کر دیے۔

"تم بہت خوبصورت ہو جولیانہ"۔ جولین نے خود کو موقع کے ہم رنگ بناتے ہوئے کہا:

"اگر مجھے ضروری کام نہ ہوتا تو یہ پوری رات تمہارے حسن کی تعریف میں گزار دیتا"۔

جولیانہ اس کے اس اندازِ گفتگو سے بہت متاثر ہوئی۔ اس نے اٹھلاتے ہوئے کہا:

"نواب جولین۔ میں نہیں جانتی تھی کہ آپ شاعر بھی ہیں لیکن کیا آپ یہ فرمائیں گے کہ اس دنیا میں "عشرت" سے بھی زیادہ کوئی اور کام زیادہ ضروری اور دلچسپ ہو سکتا ہے؟"

جولیانہ کا جواب بھی بڑا ہی شاعرانہ تھا۔

اگر نواب جولین کا دل و دماغ ٹھکانے ہوتا تو وہ اس کی بہت تعریف کرتا لیکن اسی وقت تو نواب جولین کو شہنشاہ سے ملنے کی جلدی تھی۔ شہنشاہ سے اس ملاقات میں اس کی قسمت کا فیصلہ ہونا تھا۔ کامیابی یا ناکامی دو میں سے ایک کو اسے گلے لگانا تھا۔ پھر بھلا وہ جولیانہ کی محبت بھری گفتگو کا جواب محبت سے کیسے دیتا۔

نواب نے گفتگو کو مختصر کرتے ہوئے کہا:

"خوبصورت جولیانہ۔ اگر قسمت نے ہمیں پھر ملایا تو ہم اپنی محبت کی داستان کو پھر اس جگہ سے شروع کریں گے جہاں اسے چھوڑ رہے ہیں۔ شاید تمہیں علم نہیں کہ شہنشاہ نے مجھے حکم دیا ہے کہ محفل کے اختتام میں ان سے ملاقات کروں۔ میں تعمیلِ حکم پر مجبور ہوں جولیانہ"۔

جولیانہ میں کب ہمت تھی کہ وہ نواب کو شہنشاہ کے حکم کی تعمیل سے روکے۔ پھر نواب نے ایک ہی سانس میں اتنی باتیں کہہ دی تھیں کہ جولیانہ کو کسی سوال کا موقع ہی نہ مل سکا۔ وہ نواب کے سامنے سے ہٹ گئی۔

نواب جولین مسکراتا ہوا دروازے پر پہنچا۔

جولیانہ نے آگے بڑھ کر دروازہ کھول دیا اور پھر دستور کے مطابق اپنے رخسار نواب جولین کی طرف الوداعی مُہرِ محبت کے لیے بڑھائے لیکن نواب جولین تو گناہ سے ہمیشہ کے لیے تائب ہو چکا تھا۔ اسے عشرت کے تمام اصولوں اور قاعدوں سے نفرت ہو گئی تھی۔

نواب جولین نے کمالِ دانائی سے جولیانہ کے رخسار تھپتھپائے اور قدم بڑھاتے ہوئے کہا:

"جولیانہ۔ کبھی کبھی ادھورے سپنے بھی دیکھنے پڑتے ہیں۔ میں تمہارا قرض دار ہوں جلد ادائیگی کی کوشش کروں گا"۔

جولیانہ نے اس سے پہلے ایسی لطیف باتیں نہ سنی تھیں۔ وہ نواب جولین کی باتوں سے جھوم سی اٹھی اور مست آنکھوں سے نواب جولین کو جاتے ہوئے دیکھنے لگی۔

نواب جولین راہداری میں دو قدم چلنے کے بعد ایک دم ٹھہر کر پھر واپس آیا۔ جولیانہ کو محسوس ہوا جیسے نواب جولین قرض کی ادائیگی کے لیے واپس آ رہا ہے۔ وہ خوش ہو گئی۔

نواب جولین نے جولیانہ کے پاس پہنچ کر دلفریب انداز میں کہا:

"خوبصورت جولیانہ۔۔۔۔ شہنشاہ نے تمہیں میرے سپرد کیا تھا۔ شہنشاہ کو یہ نہ معلوم ہونا چاہیے کہ میں نے کسی مجبوری کے تحت اس عطیے کی قدر نہ کی۔۔۔۔"

نواب جولین اتنا کہہ کر واپس ہوا اور لمبے لمبے ڈگ بھرتا ہوا راہداری سے ہال میں پہنچ گیا۔

شہنشاہ راڈرک محفلِ نشاط سے اٹھ کر اپنی خواب گاہ میں آ گیا تھا۔ نواب جریل اس کے ساتھ ہی
راڈرک نے محفل میں کافی شراب پی تھی لیکن خواب گاہ میں داخل ہوتے ہی پھر پینا شروع کر دی۔ نواب جریل
ساتھ دے رہا تھا۔

جب غلام نے حاضر ہو کر نواب جولین کے پہنچنے کی اطلاع دی، اس وقت تک یہ دو دوگانہ خالی
تھے۔ شہنشاہ نے جولین کو فوراً طلب کر لیا۔

نواب جولین خود کو سنبھالتا ہوا شہنشاہ کے سامنے پہنچا اور جھک کر تعظیم بجا لایا۔

راڈرک نے مخمور آنکھوں سے نواب جولین کو دیکھا اور مسکرا کر بولا:

"کیا حال ہے تمہارا نواب جولین۔ سفر کی پوری تھکن تو دور ہو گئی ہو گی"۔

نواب جولین نے اپنے چہرے پر پوری طرح بشاشت پیدا کرتے ہوئے کہا:

"شہنشاہ کی عنایتوں کے لیے میں شکر گزار ہوں"۔

"ٹھیک ہے ٹھیک ہے۔ جولیانہ نے تمہاری خوب خاطر کی ہو گی"۔ پھر جولین کے جواب کا انتظار کیے
خود ہی بولا:

"وہ کنیز بڑی لاجواب اور مہذب ہے۔ اسی لیے ہم اسے اپنے قریب رکھتے ہیں"۔

نواب جریل نے دیکھا کہ راڈرک نشے میں بہک رہا ہے تو اس نے کہا:

"شہنشاہ معظم نے نواب جولین کو کسی خاص مقصد کے لیے طلب کیا تھا"۔

راڈرک کو ایک دم خیال آ گیا۔ اس نے نواب جولین کو بیٹھنے کا اشارہ کیا:

"ہاں نواب۔ اب بتاؤ کہ ہماری سلطنت، تمہاری کس طرح مدد کر سکتی ہے اور قلعہ سبتہ کے دفاع کو کس
زیادہ مضبوط بنایا جا سکتا ہے"۔

نواب جولین نے بڑے ادب سے کہا:

"پہلے تو میں شہنشاہ معظم اور اپنے دوست نواب جریل کا شکریہ ادا کرتا ہوں کہ انہیں قلعہ سبتہ کے
کا اتنا خیال ہے۔ اس کے بعد مجھے اجازت دی جائے کہ میں قلعہ سبتہ کی موجودہ حالات میں فوجی اہمیت
اس پر مسلمانوں کے دو زبردست حملوں کی تفصیل بیان کروں تاکہ ہر بات کھل کر سامنے آ جائے پھر میں
منصوبہ پیش کروں گا جس کی خاطر میں اجازت حاصل کر کے یہاں تک آیا ہوں"۔

نواب جریل کو بار بار اور خواہ مخواہ مخاطب کر کے نواب جولین نے آخر اس کی ہمدردیاں حاصل کر ہی
اب نواب جریل اس انتظار میں تھا کہ کوئی ایسی صورت پیدا ہو کہ وہ نواب جولین کی مدد کر کے حقِ دوستی ادا کر

چنانچہ نواب جولین نے جیسے ہی بات ختم کی، نواب جریل بول پڑا:

"نواب جولین۔ شہنشاہ معظم کو آپ پر پورا پورا اعتماد ہے۔ اگر آپ قلعے کی فوجی اہمیت اور مسلمانوں کے حملوں
کی تفصیل نہ بھی بتلائیں تب بھی آپ کا منصوبہ قبول کیا جا سکتا ہے۔ آپ بہادر اور عقلمند ہیں۔ وہاں کے حالات
سے آپ پوری طرح واقف ہوں گے"۔

"نواب جریل"۔ نواب جولین نے کہا:

"میں ایک بار پھر سلطنتِ ہسپانیہ اور آپ کا شکریہ ادا کرنا اپنا فرض خیال کرتا ہوں۔ اعتماد کی اس بحالی کے
بعد میری آدھی مشکلات تو ختم ہو گئی ہیں۔ اب میں مختصر طور پر قلعہ سبتہ کا حال بیان کروں گا"۔

بعض مؤرخین کا کہنا ہے کہ نواب جولین جس قدر بہادر تھا اتنا ہی چرب زبان مقرر بھی تھا۔ شہنشاہ ہسپانیہ
راڈرک اور نواب جریل کے سامنے اس نے افریقہ میں مسلمانوں کی فوجی طاقت کا اتنا ہولناک نقشہ کھینچا کہ راڈرک
جو تکیوں کے سہارے لیٹا تھا اٹھ کر بیٹھ گیا۔

الفاظ کی صنعت گری اور انداز کی معجزہ بیانی نے نواب جریل اور شہنشاہ راڈرک کے دل میں مسلمانوں کا ایسا
خوف پیدا کر دیا کہ جیسے اب آج کل ہی میں مسلمان، ہسپانیہ پر حملہ کرنے والے ہیں۔

شہنشاہ راڈرک اتنا گھبرایا کہ اس نے فوراً پوچھا:

"نواب جولین۔ پھر تم ہی بتاؤ کہ ان بدبخت (خاکم بدہن) مسلمانوں کو ہسپانیہ سے دور کیسے رکھا جا سکتا
ہے۔۔۔۔؟"

جولین نے راڈرک کو راہِ راست پر آتے دیکھا تو کہا:

"شہنشاہِ معظم۔ میں خود بھی یہی چاہتا ہوں کہ مسلمان ہسپانیہ سے دور ہی رہیں اور یہاں کی پُرسکون اور
پُربہار زندگی میں کوئی رخنہ نہ پڑے"۔

"تو پھر وہ صورت بتاؤ نا"۔ راڈرک فوراً" نواب جولین کا منصوبہ سننا چاہتا تھا تاکہ وہ اپنے دل کو تسلی
دے سکے۔

نواب جولین نے نواب جریل کو دیکھتے ہوئے کہا:

"شہنشاہ معظم۔ نواب جریل کی باتوں سے میں نے یہ اندازہ تو لگا لیا ہے کہ شہنشاہ مجھ پر پورا اعتماد کرتے
ہیں اور اگر میری عدم موجودگی میں کسی دشمن نے میرے خلاف کوئی سازش کی تو نواب جریل خود اس کا تدارک کریں
گے۔۔۔۔ اب تیسری بات یہ ہے کہ ہسپانیہ کے ساحلی علاقہ مرسیہ کے گورنر کو فرمان جاری کیا جائے کہ
وقتِ ضرورت وہ قلعدار سبتہ کی فوجی مدد کرے"۔

"کیوں نہیں"۔ راڈرک نے فوراً کہا۔

پھر اس نے جبریل کو حکم دیا:

"تھیوڈ ڈمیر، گورنر مرسیہ کو فوراً فرمان جاری کیا جائے"۔

"بہتر ہے شہنشاہ معظم۔ فرمان تیار کروا دیا جائے گا"۔ جبریل نے سر کو خم کرتے ہوئے کہا۔

"نواب جبریل۔ ہمیں فرمان پلک جھپکنے میں چاہیے"۔ راڈرک گرم ہو کر بولا۔

نواب جبریل فوراً دروازے کی طرف بھاگا لیکن شہنشاہ نے اسے روکا۔

نواب جبریل واپس آ گیا تو شہنشاہ نے کہا:

"نواب جبریل۔ فرمان کے ساتھ قلم اور شاہی مہر بھی حاضر کی جائے"۔

نواب جبریل کے جانے کے بعد راڈرک نے نواب جولین سے کہا:

"نواب جولین۔ کسی اور چیز کی ضرورت ہو تو بلا تکلف کہہ دو۔ ہم تمہاری ہر طرح سے مدد کرنا چاہتے ہیں"۔

نواب جولین بڑی لجاجت سے بولا:

"شہنشاہ ہسپانیہ نے میری جتنی عزت افزائی کی ہے اس کے لیے میں تہ دل سے شکر گزار ہوں اور کہاں ایک شہنشاہ کی خواب گاہ اور کہاں ایک ادنیٰ قلعدار۔ میں نے شہنشاہ کا قرب حاصل کر لیا۔ بوقتِ ضرورت فوجی امداد کا پروانہ جاری کیا جا رہا ہے۔ اس کے علاوہ اور کچھ نہیں چاہیے"۔

نواب جبریل نے واقعی کمال کر دیا۔ اس نے ہتھیلی پر سرسوں جما کر دکھا دی۔ پانچ منٹ بھی مشکل سے گزرے تھے کہ وہ لکھا ہوا فرمان لے کر واپس آ گیا۔

شہنشاہ نے دستخط کر کے اس پر مہر لگا دی۔ نواب جولین نے بڑے احترام سے فرمان پہلے مہر پر رکھا، چوم کر جیب میں رکھ لیا۔

نواب جولین اپنی جگہ سے اٹھ کھڑا ہوا اور بولا:

"شہنشاہ معظم۔ مجھے واپس جانے کی اجازت مرحمت فرمائی جائے"۔

"اس وقت۔ یعنی تم رات ہی میں واپس جانا چاہتے ہو!" راڈرک نے حیرانی سے پوچھا۔

نواب جولین نے جواب دیا:

"جی ہاں شہنشاہ معظم۔ قلعہ سبتہ کے حالات اس قدر مخدوش ہیں کہ میرا وہاں سے دور رہنا کسی طرح مناسب نہیں۔ اگر یہ اہم کام در پیش نہ ہوتا تو میں قلعے کو چھوڑ کر ہرگز نہ آتا"۔

"ہم تمہاری وفاداری کے قائل ہو گئے ہیں نواب جولین"۔ یہ کہتے ہوئے شہنشاہ راڈرک نے اپنا دایاں ہاتھ آگے بڑھا دیا۔

نواب جولین کا دل تو نہ چاہ رہا تھا مگر اسے رسماً راڈرک کے ہاتھ کو بوسہ دینا پڑا۔

پھر نواب جولین، نواب جبریل کے پاس پہنچا اور اس کے گلے لگ کر محبت اور گرمجوشی کا اظہار کیا۔ نواب جولین نے جبریل سے کہا:

"نواب جبریل۔ مجھے امید ہے کہ آپ میری عدم موجودگی میں شاہی دربار میں میرے مفادات کی حفاظت کریں گے"۔

نواب جبریل نے خوش ہو کر اثبات میں سر ہلایا۔

پھر نواب جولین نے شہنشاہ کو آخری سلام کیا۔ شہنشاہ نے نواب جبریل کو حکم دیا:

"نواب جبریل۔ ہمارے معزز مہمان کو عزت و احترام سے رخصت کیا جائے۔ خبردار انہیں شکایت کا کوئی موقع نہ ملے"۔

نواب جبریل بھی رخصتی سلام کر کے نواب جولین کے ساتھ ہو لیا۔

خواب گاہ کے دروازے پر پہنچ کر نواب جولین اک دم رک گیا جیسے اسے یکدم کچھ یاد آ گیا ہو۔ وہ تیزی سے شہنشاہ کی طرف واپس ہوا اور قریب پہنچ کر ادب سے بولا:

"شہنشاہ معظم۔ معاف فرمایئے۔ میں ایک ضروری بات کہنا بھول گیا تھا۔ یہ ایک موت سے ہم کنار مریض کی خواہش ہے۔ مجھے امید ہے کہ آپ اسے ضرور پورا کریں گے"۔

شہنشاہ راڈرک، نواب جولین کو واپس آتے دیکھ کر سنبھل کر بیٹھ گیا تھا۔ اس نے مسکرا کر کہا:

"ضرور کہو نواب۔ ہم تو تمہاری ہر خواہش پوری کرنے پر تیار ہیں"۔

نواب جولین نے بڑی عاجزی اور انکساری سے عرض کیا:

"شہنشاہِ معظم۔ میں نے اپنی درخواست میں تحریر کیا تھا کہ میری بیوی سخت بیمار ہے۔ اس کا ذکر میں نے یہاں بھی کیا ہے۔ اس لبِ بام مریضہ کی آخری خواہش ہے کہ وہ مرنے سے پہلے اپنی بیٹی کا دیدار کرے۔ آپ کو شاید علم ہو کہ میری چھوٹی لڑکی آپ کے سایۂ عاطفت میں پرورش پا رہی ہے۔ اسے چند دن کے لیے میرے ساتھ سبتہ بھیج دیا جائے"۔

"کون فلورا؟" شہنشاہ راڈرک نے چونک کر کہا اور پھر کن انکھیوں سے نواب جبریل کو دیکھا۔ نواب جولین سر جھکائے گفتگو کر رہا تھا لیکن اس کی نظریں شہنشاہ اور نواب جبریل پر لگی تھیں۔

"جی ہاں شہنشاہ معظم۔ میری بیوی نے چلتے وقت مجھے تاکید کی تھی اسے ساتھ لیتا آؤں۔ کیا پتہ اس کی

آنکھ کب بند ہو جائے۔ وہ ایک بار اسے دیکھنا چاہتی ہے"۔ نواب جولین نے بڑی معصومیت سے کہا لیکن اس نے محسوس کیا کہ شہنشاہ کچھ ہچکچا رہا ہے۔

نواب جولین کو شبہ ہوا کہ شاید نواب جریل نے، جو اس سنگین حادثے میں برابر کا مجرم ہے شہنشاہ کو اس اقدام سے منع کر دیا ہے۔ اس خیال کے پیشِ نظر اس نے نواب جریل پر ملتجیانہ نظریں ڈالتے ہوئے کہا:

"مجھے امید ہے کہ میرے دوست نواب جریل بھی اس سلسلہ میں میری سفارش فرمائیں گے"۔

یہ کہہ کر نواب جولین نے شہنشاہ راڈرک کے علاوہ نواب جریل کو بھی یہ یقین دلایا تھا کہ اسے کسی بات کا علم نہیں اور فلورا کو واپس لے جانے کا جو جواز اس نے پیش کیا ہے وہ درست اور جائز ہے۔

آخر جریل کو کہنا پڑا:

"کیوں نہیں نواب جولین، ماں کو بیٹی سے محبت تو ہوتی ہی ہے۔ شہنشاہ آپ کی درخواست پر ضرور غور کریں گے"۔

شہنشاہ راڈرک، نواب جولین کی وفاداری اور طرزِ عمل سے اس قدر مرعوب ہو چکا تھا کہ اسے اجازت دینے میں کوئی قباحت نہ تھی لیکن جب نواب جریل نے کھل کر سفارش کی تو اس نے فوراً کہا:

"نواب جولین۔ ہم تمہاری بیمار بیوی کی خواہش کا احترام کرتے ہیں"۔

پھر شہنشاہ، نواب جریل سے مخاطب ہوا:

"نواب جریل۔ نواب جولین کے ساتھ ان کی لڑکی کو بھیجنے کے فوری انتظامات کیے جائیں"۔

"آپ کتنے عظیم ہیں شہنشاہِ ہسپانیہ"۔ نواب جولین نے کہا اور نواب جریل کو لے کر خواب گاہ سے باہر آ گیا۔

رات دیر تک جاگنے کی وجہ سے غلام کنیزیں اور محل کے دوسرے لوگ سوئے پڑے تھے لیکن شہنشاہ کا حکم تھا۔ جریل نے فوراً نواب جولین اور فلورا کے جانے کا بندوبست کرایا اور یہ دونوں باپ بیٹی صبح کاذب کے وقت طلیطلہ کی سرحد عبور کر گئے۔

○

نواب جولین نے راستے بھر فلورا سے کوئی گفتگو نہ کی۔

فلورا ایک گھوڑا گاڑی میں سوار تھی اور شاہی سوار دستہ اس کی حفاظت کر رہا تھا۔ نواب جولین بھی گھوڑے پر سوار تھا

اور بڑی تیز رفتاری سے ہسپانیہ کی حدود عبور کر رہا تھا۔

بحیرۂ روم کے شمالی ساحل پر اس کی خاص کشتیاں جن کے ذریعے وہ ہسپانیہ آیا تھا اس کی منتظر تھیں۔

نواب جولین نے شاہی دستے کا شکریہ ادا کیا اور پھر اس کی کشتیاں بحیرۂ روم کے سینے پر رواں دواں ہو گئیں۔ پھر جب اس نے افریقہ کے ساحل پر قدم رکھا تو سب سے پہلے سجدۂ شکر ادا کیا۔ خدا نے اسے کامیاب کیا تھا اور وہ اپنی مظلوم بیٹی کو درندہ صفت شہنشاہِ ہسپانیہ کے پنجے سے چھڑا لایا تھا۔

اس نے سجدے سے سر اٹھایا تو فلورا کو اپنے سامنے سر جھکائے کھڑے ہوئے دیکھا۔ نواب جولین نے بے تاب ہو کر بیٹی کو سینے سے چمٹا لیا اور دیر تک باپ بیٹی اپنے غموں پر آنسو بہاتے رہے۔

نواب جولین۔ نے فلورا کو سمجھا دیا کہ اس واقعے کا تذکرہ کسی سے نہ کرے کیونکہ یہ اس کی عزت کا سوال تھا پھر جس تیز رفتاری سے اس نے یہاں تک کا سفر کیا تھا اسی تیزی سے وہ اپنے قلعے پر سبتہ پہنچ گیا۔ فلورا کو نواب جولین کے ساتھ دیکھ کر فلورا کی بہن اور ماں کو بے حد خوشی ہوئی اور ان کے گھر میں جیسے عید ہو گئی۔

جیسا کہ پہلے بیان کیا گیا ہے کہ قلعہ سبتہ پہلے بازنطینی شہنشاہ قسطنطین کے ماتحت تھا۔ پھر اس کے زوال کے بعد والی سبتہ نے اپنا رشتہ ہسپانیہ سے جوڑ لیا تھا۔ یہ ایک سیاسی اور خالص فوجی اتحاد تھا۔ والی سبتہ کو ایک طاقتور حلیف کی ضرورت تھی اور اس وقت سبتہ سے قریب ترین ہسپانیہ کی عظیم سلطنت تھی۔

نواب جولین یونانی نژاد عیسائی تھا۔ اسے ہسپانیہ سے کوئی ہمدردی یا خونی تعلق نہ تھا۔ نواب جولین نے تو اپنی آزادی کو برقرار رکھنے کے لیے شہنشاہِ ہسپانیہ کا باجگزار بننا منظور کیا تھا جس کی اسے اتنی بھاری قیمت ادا کرنا پڑی تھی۔

سبتہ پہنچ کر جب اس نے حالات کا جائزہ لیا تو اس کے نائب کراڈیل نے بتایا کہ مسلمانوں کی فوجوں کا اجتماع، سبتہ کے قریب بڑھتا جا رہا تھا اور ان کی طرف سے کسی وقت بھی کوئی زبردست حملہ سبتہ پر ہو سکتا تھا۔ نواب جولین راستے بھر بڑی خاموشی سے اپنے آئندہ منصوبے پر غور کرتا رہا تھا۔

کراڈیل کی زبان سے جیسے ہی یہ الفاظ نکلے تو نواب جولین نے فوراً کہا:

"پیارے کراڈیل! میں تمہیں بزدل نہیں کہہ سکتا۔ اس لیے کہ تم نے جن خدشات کا اظہار کیا ہے مجھے ان سے پوری طرح اتفاق ہے۔ کراڈیل۔ کیا تمہارا خیال ہے کہ ہم مسلمانوں کے تیسرے حملے کا مقابلہ کر سکیں گے؟"

کراڈیل کچھ سوچتے ہوئے بولا:

"نواب جولین۔ میری جان آپ پر قربان۔ فوج کا کام حکم کی تعمیل میں اپنی جانیں قربان کر دینا ہوتا ہے انجام خواہ کچھ بھی نکلے"۔

نواب جولین پہلو بدلتے ہوئے بولا:

"کراڈیل کیا تمہیں اندازہ ہے کہ پچھلے دو حملوں میں ہمارے کتنے جان نثار، قلعے کی حفاظت میں سے ہاتھ دھو بیٹھے؟"

کراڈیل نے بتایا:

"میں نے صحیح تعداد معلوم کی ہے۔ دونوں معرکوں میں ہمارے ساڑھے تین سو جوان ضائع ہوئے"

"اور مسلمانوں کا کتنا نقصان ہوا؟" نواب جولین نے سوال کیا۔

"میرا خیال ہی نہیں بلکہ مجھے یقین ہے کہ دشمن کا ایک سپاہی بھی نہیں مارا گیا" کراڈیل نے وثوق سے کہا۔

نواب بے چینی سے کھڑا ہو گیا اور ٹہلتے ہوئے بولا:

"کراڈیل۔ یہی تو ایک نکتہ ہے جس پہ ہمیں غور کرنا ہے۔ آخر ہم اپنے جوان اس طرح کس کے لیے کرتے رہیں گے۔ ہم نے شہنشاہ قسطنطین کی غلامی اس لیے قبول کی تھی کہ وہ وقت پڑنے پہ ہماری تھا۔ اس کے بعد ہم نے شہنشاہِ ہسپانیہ سے تعلق پیدا کیا صرف اس لیے کہ مصیبت کے وقت وہ ہم مدد کرے لیکن۔۔۔۔"

"لیکن کیا۔۔۔ نواب جولین آپ صاف صاف بتایئے۔ ہم آپ کے وفادار ہیں ہم پہ اعتماد" کراڈیل نے التجا کی۔

نواب جولین ٹہلتے ٹہلتے رکا اور کراڈیل کو گھورتے ہوئے بولا:

"لیکن یہ کہ ہسپانیہ کے شہنشاہ راڈرک کو اپنے عشرت کدے کی رنگینیوں سے اتنی فرصت نہیں کہ اور طرف دیکھے۔ خوشامدی نوابوں اور رئیسوں نے اسے گھیر رکھا ہے۔ دن رات شراب و شباب کا بازار گرم رہتا عوام پس رہے ہیں۔ حکومت پہ کلیسا کے پادریوں کا قبضہ ہے۔ انھوں نے شہنشاہ کو عیاشی کرنے کا دے دیا ہے اور شہنشاہ کو اپنی عشرت کوشیوں میں اپنے اور پرائے کا فرق بھی محسوس نہیں ہوتا۔۔۔۔ اس سلطنت کی تمام دوشیزاؤں کو اپنی میراث سمجھ لیا ہے۔ کسی کی عزت و ناموس محفوظ نہیں۔ ان حالات میں ا انتظام کی طرف کون متوجہ کر سکتا ہے۔ کراڈیل! یقین کر کہ تمہارے سردار نے شہنشاہِ ہسپانیہ سے گڑگڑا فوجی مدد کی درخواست کی۔ شہنشاہ کو بتایا کہ قلعہ سلسلہ یورپ کی کنجی ہے۔ اگر یہ قلعہ ہاتھ سے نکل گیا تو یو محفوظ نہ رہ سکے گا۔ یہ محفلیں درہم برہم ہو جائیں گی۔ عشرت کدے تباہ ہو جائیں گے مگر کون سنتا ہے۔۔۔۔ باتوں کو سازوں میں ڈبو دیا گیا۔۔۔۔ میرا تمسخر اڑایا گیا۔۔۔۔ میں ہسپانیہ سے کمک حاصل کرنے میں ناکام ہو

نواب جولین نے کراڈیل کی پیٹھ تھپتھپائی اور کہا:

"میرے وفادار دوست۔ مجھے تمہارے جذبات پہ فخر ہے۔ مجھے اس بات پر اور فخر ہے کہ میرا نائب بھی انھی خطوط پر سوچتا ہے جن پر میں چلنا چاہتا ہوں۔ مگر اب سوال یہ ہے کہ ہم مسلمانوں کی یلغار روکنے کے لیے کس سے رشتہ جوڑیں، کہاں سے مدد حاصل کریں؟"

کراڈیل تو بس ایک کھرا سپاہی تھا۔ اس کا دماغ ان باتوں پر غور کرنے کی صلاحیت نہیں رکھتا تھا۔

اس نے کہا:

"نواب جولین۔ یہ سوچنا اور فیصلہ کرنا آپ کا کام ہے۔ ہم تو آپ کے حکم کے بندے ہیں۔"

نواب جولین نے دیکھا کہ لوہا گرم ہے۔ اس کے ٹھنڈا ہونے سے پہلے اس پر چوٹ لگنا چاہیے

اس نے فوراً کہا:

"میرے دوست کراڈیل۔ سبتہ کو امن، سکون اور آزادی چاہیے۔ ہمارا کسی سے جھگڑا نہیں، جو طاقت بھی ہمیں ان باتوں کی ضمانت دے ہم اس کے دوست اور حلیف ہو جائیں گے"۔

کراڈیل خوش ہو کر بولا:

"نواب جولین۔ آپ کتنے عقلمند ہیں۔ میں جانتا تھا کہ آپ نے ضرور کوئی تدبیر سوچی ہوگی"۔

"ہاں کراڈیل۔ میں نے ایک فیصلہ کیا ہے۔ بشرطیکہ تم مجھ پر اعتماد کرو اور میرا ساتھ دو۔" نواب جولین نے اپنے منصوبے کی طرف ایک قدم بڑھایا۔

"نواب جولین" کراڈیل نے رندھی ہوئی آواز میں کہا:

"آپ نے اپنے وفادار کو اب تک نہیں سمجھا۔ آپ حکم دیں تو میں اپنا سر کاٹ کر آپ کے قدموں میں ڈال دوں"۔

نواب جولین نے کراڈیل کے شانے پر ہاتھ رکھ کر کہا:

"مجھے تم پر اعتماد ہے کراڈیل۔ سنو میں نے فیصلہ کیا ہے کہ ہم مسلمانوں کے خلاف اپنا ایک سپاہی بھی ضائع نہیں کریں گے"۔

کراڈیل نے حیرت سے نواب جولین کو دیکھا۔ اس کا آدھا منہ کھل گیا۔

نواب جولین نے بات آگے بڑھاتے ہوئے کہا:

"اگر ہماری آزادی کی ضمانت مل گئی تو ہم مسلمانوں سے صلح کر لیں گے۔ ان کے دوست بن جائیں گے۔"

"لیکن ...." کراڈیل نے ہکلاتے ہوئے کہا:
"کیا ..... کیا وہ مان جائیں گے۔ نواب جولین اگر مسلمان مان جائیں تو ہم انھیں بڑے سے بڑا معاوضہ دے سکتے ہیں"۔

"معاوضہ!" نواب جولین نے ہنس کر کہا:
"بھولے کراڈیل۔ تم مسلمان قوم کے ذہن کو نہیں جانتے۔ انھیں سیم و زر کی رشوت پیش کی جائے تو ٹھکرا دیتے ہیں۔ حسین و جمیل کنیزوں کا تحفہ پیش کیا جائے تو منہ گھما لیتے ہیں"۔
"عجیب قوم ہے ان کی"۔ کراڈیل نے مایوسی کے انداز میں کہا:
"پھر انہیں کس طرح سمجھایا جا سکتا ہے"۔
نواب جولین نے وضاحت کرتے ہوئے کہا:
"کراڈیل۔ جو باتیں میں نے مسلمانوں کے بارے میں بتائیں وہ دراصل ایسی خوبیاں ہیں کہ جس قوم میں پیدا ہو جائیں وہ قوم دنیا پر حکومت کر سکتی ہے۔ ایسے سادہ اور صاف دل لوگوں کو سمجھانا بڑا ہی آسان ہے۔ ہم انھیں پوری دوستی کا یقین دلا دیں اور وہ ایک بار ہم پر اعتماد کر لیں تو پھر وہ اور ان کی پوری قوم ہمارے لیے اپنی جان دے دے گی۔ اپنے دوستوں کے لیے تو وہ پہاڑوں سے بھی ٹکرا جاتے ہیں"۔
"مگر ان کی دوستی آپ کیسے حاصل کریں گے۔ پھر ان کی دوستی کا مطلب یہ ہوگا کہ شہنشاہ ہسپانیہ سے دشمنی مول لی جائے"۔ کراڈیل نے پریشان ہوتے ہوئے کہا۔
"تم نے ٹھیک سوچا کراڈیل"۔ نواب جولین نے مسکراتے ہوئے کہا:
"لیکن اب ہم تنہا قلعہ سبتہ کا دفاع نہیں کر سکتے۔ ہمیں کوئی نہ کوئی فیصلہ تو کرنا ہی ہوگا۔ شہنشاہ ہسپانیہ نے ہمیں صاف جواب دے دیا ہے۔ اگر تمہاری اور دوسرے سرداروں کی رائے ہو تو میں مسلمانوں سے دوستی کی کوشش کروں"۔

"نواب جولین"۔ "آپ ہمارے سردار اور مالک ہیں۔ کس کی مجال ہے کہ آپ کے خلاف بول سکے"۔ کراڈیل نے گرج کر کہا:
"آپ سب سے عقل مند ہیں۔ جو قدم بھی آپ اٹھائیں گے وہ یقیناً سبتہ اور اہلِ سبتہ کے مفاد میں ہوگا۔ ہم آپ کے ہر حکم کی تعمیل کریں گے"۔
"شاباش کراڈیل۔ تم نے میری بڑی مشکل آسان کر دی"۔ نواب جولین خوش ہوتے ہوئے بولا:
"اب میں بڑے اطمینان سے مسلمانوں سے گفتگو کر کے قلعہ سبتہ کو بھی بچاؤں گا اور پھر شہنشاہ ہسپانیہ سے بھی انتقام لوں گا۔ اس نے ہماری وفاداری کا مذاق اڑایا ہے اور احسانوں کو بھلا دیا ہے۔ کراڈیل جاؤ اور اپنے سپاہیوں کو خوشخبری سنا دو کہ مسلمان اب قلعہ سبتہ کا رخ نہیں کریں گے۔ میں کل صبح ان کے سردار موسیٰ بن نصیر سے ملنے قیروان روانہ ہو جاؤں گا"۔

کراڈیل کو اس بات سے بہت خوشی ہوئی۔ رات ہوتے ہوتے قلعے اور سبتہ کے اطراف میں یہ خبر پھیل گئی کہ ان کے محبوب قلعہ دار نے مسلمانوں سے باعزت سمجھوتہ کر لیا ہے اور اب قلعہ ہر طرح محفوظ ہے۔

○

اموی خلیفہ عبدالملک بن مروان کے زمانے میں بلادِ افریقہ کے مسلمان گورنر حسان بن نعمان نے بربر قوم کی زبردست ملکہ وآمیہ کو جو کاہنہ (جادوگرنی) کے لقب سے مشہور تھی، شکست دے کر سارے شمالی افریقہ پر قبضہ کر لیا تھا۔ عبدالملک کے بعد خلیفہ ولید بن عبدالملک نے اپنے عہد میں حسان کی جگہ موسیٰ بن نصیر کو افریقہ کا گورنر مقرر کیا۔
موسیٰ کا شمار اسلامی دنیا کے ان ممتاز ترین جرنیلوں میں ہوتا ہے جن کا نام آتے ہی ہر مسلمان کا سر فخر سے بلند ہو جاتا ہے۔
موسیٰ کا باپ حضرت امیر معاویہؓ کے دور میں شام کی پولیس کا افسرِ اعلیٰ تھا۔ افریقہ کی بربر قوم موسیٰ کی شجاعت اور فراست سے واقف نہ تھی اس لیے بربروں نے اس کے خلاف بغاوت کر دی لیکن موسیٰ نے انھیں پے در پے شکستیں دے کر تمام بغاوتوں کو کچل کر امن و امان بحال کر دیا۔
موسیٰ نے یہ بھی کیا کہ شمالی افریقہ میں جس قدر رومی تھے ان سب کو نکال باہر کیا کیونکہ ہر بغاوت اور سازش میں ان کا ہاتھ ہوتا تھا۔
موسیٰ کے حسنِ سلوک اور اس کے تبلیغی کاموں نے بہت جلد تمام بربر قبائل کو حلقہ بگوشِ اسلام کر دیا۔ موسیٰ نے شمال مغربی افریقہ میں اپنے آزاد کردہ غلام طارق بن زیاد کو امیر مقرر کیا اور اب اپنی نظریں مزید فتوحات پر مرتکز کیں۔
نواب جولین کے قلعہ سبتہ پر دو بار اپنے فوجی دستوں سے یلغار کرائی جس کا مقصد قلعے کی تسخیر سے زیادہ قلعے کو ڈرا دھمکا کر حاصل کرنا تھا۔ موسیٰ بن نصیر اس عظیم قلعے کو برباد کرنے کے بجائے اس پر قبضہ کرنا چاہتا تھا۔ تاکہ آئندہ فتوحات کے موقع پر وہ ایک مضبوط چھاؤنی کا کام دے سکے لیکن جب دو بار یلغار کرنے کے باوجود قلعے والوں

نے مصالحت کا ہاتھ نہ بڑھایا تو اب وہ یہ سوچنے پر مجبور ہوا کہ اس فتنے کو ہمیشہ کے لیے ختم کر دیا جائے۔ قلعے کو فتح کیے بغیر آگے کے علاقوں پر قبضہ کرنا کسی طرح دانشمندی نہ تھی۔ قلعہ سبستہ کسی وقت بھی کوئی صورت پیدا کر سکتا تھا۔

موسیٰ بن نصیر ان دنوں قیرواں میں مقیم تھا۔ اس نے قلعہ سبستہ اور اس کے اطراف کے علاقوں کو فتح کرنے کا ایک جامع منصوبہ بنایا تھا۔ اس سلسلے میں اس نے اپنے تمام سرداروں کو اپنے خیمے میں بلایا تھا۔

موسیٰ گورنر تھا۔ وہ محل میں رہ سکتا تھا لیکن وہ دن رات کا بیشتر حصہ فوجیوں کے ساتھ قیرواں سے چھاؤنی میں گزارتا تھا۔

موسیٰ کے بڑے خیمے میں تمام سردار جمع ہو چکے تھے۔ موسیٰ وہاں پہلے ہی سے موجود تھا۔ صرف سرداروں کا انتظار ہو رہا تھا جو اب تک نہیں پہنچے تھے۔

موسیٰ ادھر ادھر کی گفتگو میں مصروف تھا کہ خیمے کے ایک پہرے دار نے اندر آ کر موسیٰ بن نصیر کے کان میں آہستہ سے کوئی بات کہی۔

موسیٰ یہ سن کر اچھل پڑا۔ تمام لوگ موسیٰ کو دیکھنے لگے۔

موسیٰ بن نصیر نے پہرے دار سے پوچھا:

"تم نے اس خبر کی تصدیق کی ہے؟"

موسیٰ نے آہستہ سے کہا تھا پھر بھی خیمے میں موجود تمام لوگوں نے اس کی آواز سن لی۔ انھیں بھی لگا کہ ایسی کون سی خبر آئی ہے جس نے موسیٰ کو پریشان کر دیا ہے۔

پہرے دار نے بہت آہستہ سے کہا:

"والیِ معظم۔ خبر لانے والا قاصد خیمے کے باہر موجود ہے۔"

"اسے فوراً اندر بھیجا جائے۔" پہرے دار، موسیٰ کا یہ حکم سن کر باہر کی طرف چلا۔

موسیٰ نے اپنے سرداروں سے کہا:

"میرے دوستو۔ محافظِ سرحد نے ایک حیرت انگیز خبر بھیجی ہے۔"

اس کی بات ختم ہوئی تھی کہ پہرے دار ایک آدمی کو لے کر پھر خیمے میں داخل ہوا۔ اس کے گرد و غبار سے اٹے کپڑے اس بات کی غمازی کر رہے تھے کہ وہ دور دراز کے سفر سے آ رہا ہے۔ اس نے موسیٰ کو سلام کیا۔

موسیٰ نے وعلیکم السلام کہہ کر اس سے پوچھا:

"اے قاصد۔ سوچ کر جواب دو کہ تمھیں محافظِ سرحد نے کیا پیغام دیا ہے؟"

قاصد نے صافے کے ایک لٹکتے ہوئے حصے سے اپنا چہرہ صاف کیا۔ پھر بڑی واضح اور صاف آواز میں موسیٰ سے کہا:

"محافظِ سرحد کا والیِ افریقہ کے لیے یہ پیغام ہے کہ قلعہ دار سبستہ کاؤنٹ جولین، اسلامی سرحد میں داخل ہو گئے اور آپ سے فوراً ملاقات کرنا چاہتے ہیں۔"

"کاؤنٹ جولین۔"

"نواب جولین۔"

"حاکمِ سبستہ"

اور اس طرح کی کئی آوازیں خیمے میں گونجیں۔ ہر آواز حیرت اور استعجاب میں ڈوبی ہوئی تھی۔

موسیٰ بن نصیر سخت حیرت زدہ تھا۔ اس کے ساتھ ہی اس کا دماغ بڑی تیزی سے کام کر رہا تھا۔

موسیٰ نے پوچھا:

"کیا تمھیں یقین ہے کہ وہ کاؤنٹ جولین یعنی قلعہ سبستہ کا حاکم ہی ہے۔"

"جی ہاں والیِ افریقہ۔" قاصد نے وثوق سے کہا:

"جس وقت محافظِ سرحد نے مجھے یہ پیغام پہنچانے کا حکم دیا۔ اس وقت کاؤنٹ جولین میرے سامنے کھڑے تھے۔"

اس وقت موسیٰ کے سرداروں میں سے ایک سردار اٹھ کر موسیٰ کے پاس آیا۔ اس کا تعلق بربر قوم سے تھا اور وہ قلعہ سبستہ کے قریبی علاقے کا رہنے والا تھا۔

سردار نے موسیٰ سے کہا:

"والیِ محترم۔ میں کاؤنٹ جولین کو اچھی طرح جانتا ہوں۔ آپ قاصد سے ان کا حلیہ دریافت کیجیے۔ میں تصدیق یا تردید کر دوں گا۔"

موسیٰ نے قاصد سے کہا:

"قاصد۔ اپنے ذہن پر زور دو اور نواب جولین کا جو حلیہ تمھیں یاد آ سکے، بیان کرو۔"

قاصد نے ایک لمحے کے لیے آنکھیں بند کیں جیسے وہ کاؤنٹ جولین کو تصور کے پردوں پر کھینچ رہا ہے۔ پھر آنکھیں کھول کر بولا:

"ان کا قد لانبا۔ بدن چھریرا۔ آنکھیں روشن نیلی نیلی۔ بال گھنگھریالے۔ قلمیں گالوں پر لٹکی ہوئی۔ ادھیڑ عمر۔ ان کی آواز بھی میں نے سنی ہے۔ بہت جلدی جلدی باتیں کرتے ہیں۔"

"بے شک۔ بے شک"۔ بربر سردار کے منہ سے بے ساختہ نکل گیا:

"وہ نواب جولین ہی ہیں"۔

"ان کے ساتھ کوئی فوج یا محافظ دستے ہیں"۔ موسیٰ نے قاصد سے پوچھا۔

"کوئی نہیں ہے جناب والا"۔ قاصد نے فوراً جواب دیا:

"وہ تنہا آئے ہیں۔ صرف ایک گھوڑا گاڑی ان کے ساتھ ہے"۔

موسیٰ کو اور حیرانی ہوئی۔ اس نے پوچھا:

"گھوڑا گاڑی کی تلاشی لی تھی۔ اس میں کیا ہے؟"

"گاڑی میں نواب جولین کے گھر کی عورتیں ہیں"۔ قاصد نے ایک اور حیرت ناک انکشاف کیا۔

موسیٰ اچھل کر کھڑا ہو گیا۔

اس نے قاصد کو باہر جانے کا اشارہ کیا۔ پھر سرداروں سے مخاطب ہوا:

"میرے ساتھیو۔ یہ خبر جس قدر حیرت انگیز ہے اتنی ہی مسرت انگیز بھی ہے۔ نواب جولین کا اپنی بیگمات کے ساتھ آنا اس بات کی دلیل ہے کہ اس پر ضرور کوئی مصیبت نازل ہوئی ہے اور وہ ہماری دوستی کا خواہش مند ہے۔"

"بے شک"۔ کسی سردار کی آواز آئی۔

"آپ لوگوں کی کیا رائے ہے۔ ہم اپنے مہمان کی پیشوائی کس انداز سے کریں"۔ موسیٰ بن نصیر نے اس طرح کہا جیسے وہ سرداروں سے نہیں بلکہ خود اپنے آپ سے سوال کر رہا ہے۔

"جو آپ بہتر خیال کریں"۔ ایک سردار نے کہا:

"آپ ہمارے والی ہیں"۔

موسیٰ بن نصیر کسی خیال میں کھو گیا تھا۔ تھوڑی دیر سوچنے کے بعد اس نے کہا:

"خواہ حالات کچھ بھی ہوں مگر نواب جولین کا اپنی عورتوں کے ساتھ دشمن کے علاقے میں تنہا داخل ہونا، شجاعت اور فراست کا ایک عظیم اظہار ہے۔ ہم اپنے بہادر دشمن کی اس کے شایانِ شان پذیرائی کریں گے"۔

پھر موسیٰ نے حکم دیا کہ ایک شامی اور تین بربر سردار معہ اپنی بیگمات کے فوراً سرحد کی طرف روانہ ہوں اور نواب جولین اور اس کے ساتھ آنے والی خواتین کو عزت و احترام سے قیرواں لائیں۔

○

②

رقصِ شرر

○

دوسری شب کاؤنٹ جولین نے ایک عجیب منظر دیکھا۔

وہ اپنی بیوی اور دونوں لڑکیوں کے ساتھ چھت پر آیا تو پورا شہر ایک چراغاں کا منظر پیش کر رہا تھا۔ در و دیوار اور کوچہ و بازار چراغوں کی روشنی سے جگمگ جگمگ کر رہے تھے۔ کوئی گھر ایسا نہ تھا جہاں چراغ نہ جل رہے ہوں۔ یوں معلوم ہوتا تھا جیسے زمین پر کہکشاں اتر آئی ہے۔ دکانیں سجی ہوئی تھیں اور لوگوں کی چہل پہل تھی۔

کاؤنٹ (نواب) جولین نے تو فوراً ہی سمجھ لیا کہ لوگ یہ خوشی کا اظہار کیوں کر رہے ہیں لیکن اس کی بیوی اور بچیوں کو ذرا حیرانی ہوئی۔ جولین نے انھیں یہ کہہ کر مطمئن کر دیا کہ یہ چراغاں فادر کی آمد کی خوشی میں کیا گیا ہے۔

قلعہ سبتہ والے دراصل مسلمانوں کے حملوں سے تنگ آ گئے تھے اور ان پر اس قدر خوف طاری تھا کہ رات کو آرام سے سو بھی نہ سکتے تھے۔ ہر وقت یہ دھڑکا لگا رہتا کہ اب حملہ ہوا اور اب ہوا۔

جب دن میں یہ خبر عام ہوئی کہ والیِ سبتہ نے مسلمانوں سے صلح کا معاہدہ کر لیا ہے تو وہ بے حد خوش ہوئے اور رات کا یہ چراغاں اسی کا اظہار تھا۔

نواب جولین کو عوام کے اس جذبے سے بے حد مسرت ہوئی اور اس نے طے کر لیا کہ اب وقت ضائع کیے بغیر وہ مسلمانوں کے والی موسیٰ بن نصیر سے فوراً ملاقات کرے گا۔

اسی رات اس کے نائب کراڑیل نے علاقہ سبتہ کے تمام اہم لوگوں کی طرف سے جولین کو مبارک باد کا پیغام دیا۔ ان سب نے جولین کے اس دانشمندانہ اقدام کو سراہا تھا اور اپنے بھرپور تعاون کا یقین دلایا تھا۔

جولین نے کراڈیل کے ذریعے ان کا شکریہ ادا کیا اور اس بات کا اعلان کر دیا کہ وہ اگلی صبح مسلمانوں سے تک... کے لیے موسیٰ بن نصیر کے مستقر قیروان جا رہا ہے۔

نواب جولین کی بیوی بہت سادہ طبیعت اور نیک دل عورت تھی۔ وہ سیاسی داؤں پیچ کو نہ تو جانتی تھی نہ ایسے معاملات میں دخل دیتی تھی۔

نواب جولین نے شہنشاہ ہسپانیہ سے کہا تھا کہ اس کی بیوی بستر مرگ پر ہے حالانکہ وہ بالکل تندرست تھی۔ نواب جولین نے اس کی سیاسی بیماری کا ڈھونگ اس لیے رچایا تھا کہ شہنشاہ کو فلورا کو واپس بھیجنے میں کوئی اعتراض نہ ہو۔

آخر اس کا یہ ڈرامہ کامیاب ہوا اور وہ فلورا کو شہنشاہ کے چنگل سے چھڑا لایا۔

نواب جولین نے اپنی دونوں بیٹیوں مریم اور فلورا کو رات ہی مطلع کر دیا تھا کہ وہ اپنی تیاریاں مکمل کر لیں کیونکہ انھیں جولین کے ساتھ قیروان چلنا ہے۔ چنانچہ دونوں بہنیں رات بھر خوشی خوشی تیاریاں کرتی رہیں۔ ان کی ماں نے ان کا ہاتھ بٹایا لیکن اس نے شوہر سے یہ پوچھنے کی ضرورت محسوس نہ کی کہ قیروان کے دور دراز سفر پر ان لڑکیوں کو لے جانے کی کیا ضرورت ہے۔ یہی حال مریم اور فلورا کا تھا۔ انھیں اپنے باپ کی فراست اور دور اندیشی پر پورا اعتماد تھا۔

صبح کے دھندلکے میں نواب جولین اپنے گھوڑے پر سوار ہوا۔ مریم اور فلورا ایک گاڑی میں بیٹھ گئیں۔ انھیں الوداع کہنے کے لیے جولین کی بیوی، جولین کا نائب کراڈیل اور جولین کے ذاتی ملازموں کے علاوہ اور کوئی نہ تھا۔ نواب جولین خاموشی سے جانا چاہتا تھا۔ چنانچہ وہ اتنی خاموشی سے روانہ ہوا کہ کسی کو خبر بھی نہ ہو سکی۔ جب صبح کی روشنی پھیلی تو یہ مختصر قافلہ قلعہ سبتہ سے کافی دور پہنچ چکا تھا۔

اسلامی سرحد میں داخل ہوتے ہی سرحدی دستوں نے نواب جولین کو گھیر لیا۔ سرحد کے ناظم کو جب معلوم ہوا کہ اسلامی حدود میں داخل ہونے والا قلعہ سبتہ کا حاکم نواب جولین ہے تو وہ بہت عزت اور مروت سے پیش آیا اور انھیں مہمان کی طرح اپنے ساتھ رکھا۔

جولین کی خواہش کے مطابق ناظم سرحد نے موسیٰ بن نصیر کو اس کے آنے کی اطلاع بھجوا دی۔ دو ہفتے بعد نواب جولین کو حفاظتی دستوں کے ساتھ قیروان روانہ کر دیا گیا۔

اسلامی سپہ سالار اور گورنر قیروان، موسیٰ بن نصیر بڑی بے چینی سے نواب جولین کا انتظار کر رہا تھا۔ موسیٰ بن نصیر نے قیروان سے ایک منزل آگے پہنچ کر نواب جولین کا استقبال کیا۔ نواب جولین کے ساتھ اس کی دونوں لڑکیوں کے علاوہ قیروان سے بھیجے ہوئے سردار اور ان کی بیگمات بھی تھیں۔

نواب جولین نے گھوڑے سے اتر کر اپنی کمر سے تلوار نکالی اور موسیٰ بن نصیر کی طرف بڑھا دی۔ موسیٰ نے جولین سے تلوار لے لی پھر خود اپنے ہاتھ سے اس کی کمر میں لگا دی۔ یہ ایک طرح کا اظہارِ دوستی تھا۔

جولین نے اس کے جواب میں موسیٰ بن نصیر کو فوجی طرز سے سلام کیا۔ موسیٰ نے سلام کا جواب دے کر اپنے بازو پھیلا دیے اور نواب جولین آگے بڑھ کر اس کے گلے لگ گیا۔

ان رسمی اور فوجی تکلفات کے بعد سب لوگ قیروان کی طرف روانہ ہوئے۔ راستے میں ان دونوں کے درمیان کوئی خاص بات نہ ہوئی۔

قیروان پہنچ کر موسیٰ بن نصیر نے نواب جولین سے کہا کہ وہ کچھ آرام کرے تاکہ سفر کی تھکن دور ہو جائے۔ مریم اور فلورا کو موسیٰ کے ایک معزز مصاحب اور سردار ابن مرجع کے گھر ٹھہرایا گیا۔ ابن مرجع نے خود ہی ان معزز مہمانوں کی مہمان نوازی کے لیے درخواست کی تھی۔

دوسرے دن موسیٰ بن نصیر نے دوپہر کے کھانے پر جولین کو مدعو کیا۔ اس موقع پر موسیٰ نے چند سرداروں کو بھی کھانے پر بلایا۔

کھانا بڑی خاموشی سے کھایا گیا۔ اس کے بعد موسیٰ نے اپنے سرداروں کو رخصت کر دیا۔ اب موسیٰ اور جولین اکیلے رہ گئے۔

موسیٰ بن نصیر یہ معلوم کرنے کے لیے بے چین تھا کہ نواب جولین کے اس طرح آنے کا سبب کیا ہے۔ جولین خود بھی چاہتا تھا کہ وہ ان باتوں کا اظہار کرے جن کی خاطر اس نے دشمن کے علاقے میں آنے کا خطرہ مول لیا ہے۔

نواب جولین نے ادھر ادھر دیکھا۔ کمرے میں صرف ایک غلام موجود تھا۔ موسیٰ بن نصیر نے نواب کا عندیہ پا کر اسے بھی باہر بھیج دیا اور کہہ دیا کہ:

"ہم گفتگو کر رہے ہیں۔ کسی کو اندر نہ آنے دیا جائے"۔

آخر نواب جولین نے کہا:

"سردارِ محترم۔ آپ کو میرے اس طرح یہاں آنے پر ضرور حیرت ہو گی لیکن سوائے اس کے اور کوئی چارہ نہ تھا

جس کام کے لیے میں آپ کے پاس آیا ہوں وہ اتنا اہم ہے کہ اس کی اطلاع کسی پیغام کے ذریعے نہیں دی جا سکتی تھی۔"

موسیٰ بن نصیر نے مسکرا کر نواب جولین کو دیکھا اور بولا:

"نواب جولین۔ ہمیں اس بات کا اندازہ تو ہو گیا ہے کہ آپ کسی خاص مصیبت میں گرفتار ہیں۔ آپ بیان فرمائیے۔ ہماری خدمات آپ کے لیے حاضر ہیں۔"

نواب جولین نے ایک ٹھنڈی سانس لی اور کہا:

"سردارِ محترم! میں آپ کی توجہ ہسپانیہ کے عوام کی بدحالی اور شہنشاہ راڈرک کے ظالمانہ رویے کی طرف مبذول کرانا چاہتا ہوں۔"

جولین نے ٹھہر کر موسیٰ کی طرف دیکھا۔

موسیٰ نے کہا:

"نواب جولین۔ میں پوری طرح متوجہ ہوں۔"

نواب جولین نے کہا:

"سردار۔ آپ نے ہسپانیہ کے لہلہاتے کھیتوں، سرسبز و شاداب مرغزاروں اور قدرتی مناظر سے مرصّع حسین وادیوں کا حال تو سنا ہو گا؟"

"جی ہاں۔ مجھے مختصر طور پر بتایا گیا ہے۔" موسیٰ نے جواب دیا:

"ہسپانیہ کے بہت سے لوگ آپ کے بادشاہ کے مظالم سے تنگ آ کر ہمارے علاقے میں آ گئے ہیں۔ انھوں نے کچھ اسی طرح کی باتیں بتائی ہیں۔"

نواب جولین نے کہا:

"جی سردارِ محترم! میں اسی ظلم و ستم کی داستان آپ سے بیان کرنا چاہتا ہوں۔ ہسپانیہ میں اس وقت دو طاقتیں حکمران ہیں۔ ایک ظالم شہنشاہ راڈرک اور دوسری طاقت کلیساؤں کے پادری۔ پادریوں نے مذہب کے نام پر راڈرک کو ظلم و ستم کی چھٹی دے رکھی ہے اور شہنشاہ نے پادریوں کو ہر قسم کی من مانی کرنے کا اختیار دے رکھا ہے۔ اس طرح ہسپانیہ کے عوام پر توڑا جانے والا ظلم، ان دو طاقتوں کے اشتراک کی وجہ سے حکمِ الٰہی بن گیا ہے۔ حد تو یہ ہے کہ عوام کو اپنی مرضی سے شادی بیاہ کی بھی اجازت نہیں۔ انھیں شادی سے پہلے کلیسا کے پادری سے اس کی باقاعدہ اجازت حاصل کرنا پڑتی ہے۔ ہر کلیسا ایک عشرت کدہ بنا ہوا ہے جہاں غریب عوام کی دوشیزائیں زبردستی داخل کی جاتی ہیں اور ان کی جوانیوں کا مذہب کے نام پہ روز نیلام ہوتا ہے۔ . . . یہی حال

شہنشاہ راڈرک کے محل کا ہے۔ اس کے محل کا چپہ چپہ عشرت کدہ بنا ہوا ہے۔ ہر شب نغمہ و سرور کی محفلیں جمتی ہیں، بے بس اور بے کس لڑکیاں برہنہ رقص پہ مجبور کی جاتی ہیں۔ حد تو یہ ہے کہ جن نوابوں اور سرداروں نے اپنی بہنیں اور بیٹیاں تعلیم و تہذیب کے لیے شاہی محل میں رکھ چھوڑی ہیں، وہ بھی محفوظ نہیں۔ شریف خاندان کی ایک دوشیزہ روز راڈرک کی ہوس کا نشانہ . . . . ."

یہ کہتے ہوئے نواب جولین کی آنکھیں اشکبار ہو گئیں۔ اس کی آواز بھرا گئی اور گلا رندھ گیا۔ پھر اس سے ضبط نہ ہو سکا اور وہ رونے لگا۔ پھوٹ پھوٹ کے، بالکل بچوں کی مانند، جن کا کوئی دل پسند کھلونا ٹوٹ جائے۔

موسیٰ بن نصیر، نواب جولین کی ان باتوں سے بڑا متاثر ہوا۔

موسیٰ نے اسے تسلی دیتے ہوئے کہا:

"نواب جولین۔ آپ ایک بہادر سردار ہیں اور بہادر بچوں کی طرح آنسو نہیں بہایا کرتے۔"

نواب جولین نے آنسو پونچھتے ہوئے کہا:

"محترم سردار۔ بہادر جسمانی زخموں سے کبھی نہیں گھبراتے لیکن جب دل پر زخم لگے اور روح بے چین ہو جائے تو کون ہے جو صبر کر سکے . . . . سردار آپ کو علم نہیں کہ . . . . . کہ اس کمینے . . . . . ذلیل . . . . . راڈرک نے . . . . . میری معصوم بیٹی . . . فلورا کا دامنِ عصمت تار تار کر دیا۔"

نواب جولین کے آنسو پھر رواں ہو گئے۔

موسیٰ بن نصیر نے جب یہ سنا تو اس کی آنکھیں غصے سے ابل پڑیں۔ اس نے تلوار کے قبضے پہ ہاتھ رکھ کر اسے کھینچنا چاہا لیکن فوراً ہی وہ سنبھل گیا۔ اس نے سوچا وہ خود مختار اور با اختیار نہیں۔ ابھی اسے کچھ سوچنا اور سمجھنا ہے۔ نہ وہ خود کوئی فیصلہ کر سکتا ہے اور نہ قدم اٹھا سکتا ہے۔

تمام مورخ اس بات پہ متفق ہیں کہ نواب جولین ایک شعلہ بیان مقرر بھی تھا۔ پھر فلورا کی وجہ سے اس کے دل میں جو آگ لگی تھی اس نے اس کی تقریر میں حقیقت کا رنگ بھر دیا۔ اس نے موسیٰ بن نصیر کے سامنے اتنی زبردست تقریر کی کہ موسیٰ اسی وقت تلوار بلند کر کے اس کی حمایت پہ آمادہ ہو گیا۔

موسیٰ بن نصیر بڑا ذہین اور دور اندیش سردار تھا۔ وہ نواب جولین سے اگرچہ بہت متاثر ہوا لیکن کسی قطعی فیصلے سے پہلے اسے دربارِ خلافت سے اجازت لینا تھی اور خود کو بھی پوری طرح مطمئن کرنا تھا۔

موسیٰ نے تسلی آمیز لہجے میں کہا:

"نواب جولین۔ قسم ہے وحدہٗ لاشریک کی کہ میں تمہارے غم میں برابر کا شریک ہوں۔ تیری بیٹی مثل

میری اولاد کے ہے۔ اگر اس پر واقعی ظلم ہوا ہے اور ہسپانوی عوام کا جو نقشہ تم نے کھینچا ہے اس میں کوئی حقیقت ہے تو یقین رکھو کہ مسلمانوں کی تلوار ظلم و استبداد اور فتنہ و فساد کی جڑیں اکھاڑنے کے لیے اٹھ کرتی ہے بشرطیکہ . . . . "

نواب جولین اس کی بات کاٹتے ہوئے بولا:

"سردارِ محترم۔ کیا آپ کو میری بات کا اعتبار نہیں۔ میں اس کے لیے بڑے سے بڑا حلف اٹھانے کیلئے تیار ہوں۔"

موسیٰ نے اسے تسلی دیتے ہوئے کہا:

"نواب۔ تمہارا دل دُکھا ہوا ہے۔ یہ تو مجھے یقین ہے کہ تمہاری بیٹی پر ضرور ظلم ہوا ہے اور تمہارا جذباتی لازمی ہے لیکن یہ ایک بہت اہم مسئلہ ہے۔ ہمیں بہت سوچ سمجھ کر قدم اٹھانا ہے۔"

نواب جولین بولا:

"سردارِ عالی مقام۔ میں آپ کا تعاون اور اعتماد حاصل کرنے کے لیے ہر قدم اٹھانے کے لیے تیار ہوں۔"

"ٹھیک ہے نواب جولین"۔ موسیٰ نے کہا:

"آپ کچھ دن آرام فرمائیے۔ آپ ہمارے مہمان ہیں۔ ہم آپ کو مایوس نہیں کریں گے لیکن کوئی فیصلہ کرنے سے پہلے ہمیں الجھی کئی باتوں پر غور کرنا ہوگا۔"

نواب جولین کو موسیٰ بن نصیر نے اس طرح تسلی دی کہ اسے بڑی حد تک اپنی کامیابی کی امید پیدا ہوگئی۔

فلورا اور مریم، ابنِ مرجع کی لڑکی خمیری سے ایسے گھل مل گئیں جیسے برسوں کی شناسائی ہو۔ خمیری بڑی شوخ اور چنچل لڑکی تھی۔ اس کی مریم سے خوب بنتی۔ مریم بھی خمیری کی طرح چٹاخ پٹاخ باتیں کرتی۔ اس نے جس ماحول میں پرورش پائی تھی، اس نے اسے آزاد خیال اور بے باک بنا دیا تھا۔ عیسائی لڑکیاں یوں بھی اپنے یا غیر سے گفتگو کرنے میں کوئی جھجک محسوس نہیں کرتیں۔ یہ دونوں بہنیں بے پردہ رہتی تھیں۔

فلورا اگرچہ شوخ دستانہ تھی لیکن حالات اور واقعات نے اس کے مزاج میں کچھ سنجیدگی پیدا کر دی تھی۔ اس کے باپ نواب جولین نے اسے اچھی طرح سمجھا دیا تھا کہ طلیطلہ کے واقعے کی کسی کو بھنک تک نہ پڑے اور نہ اپنی گفتگو یا کسی فعل سے یہ بات ظاہر نہ ہونے دے کہ وہ کسی قیامت سے گزر چکی ہے۔ فلورا سے جہاں تک

سکتا مریم اور خمیری کی دلچسپ نوک جھونک میں حصہ لیتی۔

فلورا اور مریم کو آئے ہوئے چوتھا دن تھا۔

مریم اور خمیری منہ سے منہ ملائے باتیں کر رہی تھیں۔ فلورا بھی پاس ہی بیٹھی تھی۔ مریم باتیں کہتے کرتے رکی جیسے اسے کچھ یاد آ گیا ہو۔

خمیری نے پوچھا:

"کیا ہوا مریم۔ تم چپ کیوں ہوگئیں۔ کیا گھر یاد آ رہا ہے؟"

مریم نے چونک کر خمیری کو دیکھا۔ پھر مسکراتے ہوئے بولی:

"میرا گھر۔ کیا یہ میرا گھر نہیں۔ مجھے تو یوں محسوس ہوتا ہے جیسے اب میں اسی گھر کی ہو کر رہ گئی ہوں۔"

خمیری اور فلورا نے اسے ذرا تعجب سے دیکھا۔ پھر خمیری بولی:

"خدا خیر کرے مریم۔ اگر اس گھر پر قبضہ کرنے کا ارادہ ہے تو بڑے پاپڑ بیلنا پڑیں گے۔"

مریم پہلے ہی یہ ذومعنی جملہ کہہ کر آپ ہی آپ شرمندہ ہو رہی تھی اس پر جب خمیری نے اس پر بھرپور طنز کیا تو وہ تڑپ اٹھی اور جلدی سے بولی:

"نہیں خمیری۔ کسی غلط فہمی میں مبتلا نہ ہو جانا۔ میں نے تو بس ایک بات کی ہے۔"

خمیری زیرِ لب مسکرائی اور بولی:

"ہاں ہاں کیوں نہیں۔ تم بات کی بات کرتی رہو اور ہم نرے بدھو ہیں کہ کچھ سمجھ ہی نہ سکیں۔ بھائی حبیب بھی ہمیں بدھو سمجھتے ہیں۔ تمہاری طرح وہ بھی کبھی کبھی ایسی ہی باتیں کرتے ہیں اور جب ان کا چور پکڑا جاتا ہے تو فوراً مسکرا کر ٹال جاتے ہیں۔"

حبیب کے نام پر مریم اور جھینپ گئی اور ہاتھ جوڑ کر بولی:

"اچھا بابا معاف کرو۔ غلطی ہوگئی۔"

"ہرگز نہیں۔ معافی اس وقت تک نہ ہوگی جب تک تم یہ نہ بتاؤ گی کہ تم باتیں کرتے کرتے چپ کیوں ہوگئی تھیں"۔ خمیری نے چہک کر کہا۔

مریم نے کہا:

"چلو یہ ٹھیک ہے۔ بات یہ ہے کہ ہم لوگ آزاد پنچھی ہیں۔ چار پانچ دن سے گھر میں جیسے قید ہیں۔"

"خدا نہ کرے۔ قید ہوں تمہارے دشمن"۔ خمیری کو جیسے بُرا معلوم ہوا:

"جہاں جی چاہے جاؤ۔ گھومو پھرو۔ تم تو ہماری مہمان ہو۔ تمہیں کون روک سکتا ہے۔"

"مگر جاؤں کہاں اور کس کے ساتھ۔ تم تو پردہ کرتی ہو"۔ مریم نے شرارت سے کہا۔

"ہوں۔ تو یہ بات ہے"۔

خیری جیسے بات کی تہ تک پہنچ گئی:

"کیا خیال ہے تمہیں، بھیا حبیب کے ساتھ سیر کے لیے بھیج دوں"۔

اب تو جیسے مریم پر گھڑوں پانی پڑ گیا۔

حبیب اور عثمان دونوں خیری کے بڑے بھائی تھے۔ خیری نے کئی بار یہ محسوس کیا تھا کہ مریم، حبیب سے خواہ مخواہ گفتگو کرنے کی کوشش کرتی ہے۔

مریم کو کوئی اور جواب تو نہ سوجھا مگر اس نے پیچھا چھڑانے کے لیے کہا:

"تجھ کو حبیب میں کیا خاص بات ہے آخر اس گھر میں بھیا عثمان بھی تو موجود ہیں"۔

"نہ نہ نہ۔ مریم تم بھیا عثمان کا نام نہ لو"۔ خیری اترا کر بولی، پھر اس نے فلورا کی طرف دیکھا اور بولی:

"بھیا عثمان کے لیے تو میں فلورا کو پہلے ہی پسند کر چکی ہوں"۔

فلورا دھک سے رہ گئی۔

اسے عثمان سے کوئی خاص دلچسپی نہ تھی۔ عثمان ضرور اس سے بات کرنے کا خواہش مند نظر آتا تھا لیکن فلورا کا دل دکھا ہوا تھا پھر بھی اسے عثمان کا ہنستا ہوا سرخ چہرہ اور سرخ بال پسند تھے۔ فلورا اپنی طرف سے عثمان سے گفتگو کرنے کی کوشش نہ کرتی لیکن جب عثمان ان لوگوں کے پاس مزاج پرسی کے لیے آتا تو فلورا کے دل کے کسی کونے میں یہ خواہش ضرور پیدا ہوتی کہ عثمان اسے نظر انداز نہ کرے۔

فلورا نے نظریں نیچی کر کے کہا:

"بہن خیری۔ تم اپنے جھگڑوں میں مجھ غریب کو کیوں لپیٹ رہی ہو۔ میں نے تمہارا کیا بگاڑا ہے؟"

خیری نے ہنس کر کہا:

"اچھا بھئی قصوروار تو ہم ہی ہیں لیکن یہ بات اب تک سمجھ میں نہیں آئی کہ بھیا عثمان مزاج پوچھنے تو سب مہمانوں کا آتے ہیں لیکن بات کرتے وقت ان کی تمام توجہ اور نظریں تمہاری طرف رہتی ہیں"۔

اتنے میں ابن مرجع آ گئے۔ ان کے ساتھ حبیب اور عثمان بھی تھے۔ انہوں نے لڑکیوں کو ہنس ہنس کر باتیں کرتے دیکھا تو قریب آ کر بولے:

"خدا کا شکر ہے کہ بیٹی مریم اور فلورا کا یہاں دل لگ گیا۔ تم دونوں کو ہنستا بولتا دیکھ کر میرا دل خوشی سے باغ باغ ہو جاتا ہے"۔

خیری نے مسکرا کر کہا:

"ابا جان۔ ان کا دل تو یہاں خوب لگا ہے لیکن مریم نے آج ایک فرمائش کی ہے"۔

"ضرور ضرور۔ کہو بیٹی مریم۔ تمہاری فرمائش پوری کر کے ہمیں دلی خوشی ہوگی"۔ ابن مرجع نے بے حد شفقت سے کہا۔

مریم نے کچھ کہنے کا ارادہ کیا ہی تھا کہ خیری بول پڑی:

"ابا جان۔ مریم ہمارے قیروان کے نخلستانوں کی سیر کرنا چاہتی ہیں"۔

"کیوں نہیں، ضرور سیر کریں"۔

پھر کچھ سوچتے ہوئے بولے:

"میرا خیال ہے کہ....."

"بھائی جان حبیب کو ان کے ساتھ بھیج دیجیے"۔ خیری باپ کی بات کاٹتے ہوئے جلدی سے بولی۔

"تم فیصلہ کرنے والی کون ہوتی ہو"۔ عثمان نے تقریباً چیختے ہوئے احتجاج کیا۔ اسے خیری پر بڑا غصہ آیا۔ وہ خود اس حسین اجتماع کا خواہش مند تھا۔

لیکن ابن مرجع نے یہ کہہ کر عثمان کی امیدوں پر پانی پھیر دیا:

"حبیب زیادہ مناسب ہے"۔

پھر حبیب سے مخاطب ہوئے:

"دیکھو بیٹے۔ مہمانوں کو کوئی تکلیف نہ ہونے پائے۔ ہاں خیری تم بھی ساتھ جاؤ گی"۔

"میں.... میں....." خیری ذرا گھبرائی۔

"نہیں ابا جان..... امی کے پاس کون رہے گا"۔ عثمان نے جل کر کہا۔

"آپ کھلے جا رہے ہیں عثمان بھائی۔ میں خود ہی نہیں جاؤں گی"۔ خیری کو بھی غصہ آ گیا۔

ابن مرجع نے بہن بھائی کی اس نوک جھونک کو اپنی ایک ڈانٹ کے ذریعے ختم کر دیا اور حکم دیا:

"کسی بحث کی ضرورت نہیں۔ جاؤ حبیب تیار ہو جاؤ۔ اور مریم اور فلورا تم بھی تیاری کرو"۔

حبیب اور ابن مرجع چلے گئے تو عثمان نے مریم سے کہا:

"مریم۔ آپ بھائی جان کے ساتھ جا تو رہی ہیں لیکن وہ جنگی ہتھیاروں کے نام بتا بتا کے آپ کا دماغ چاٹ جائیں گے"۔

"کھیائی بلی کھمبا نوچے اسی کو کہتے ہیں مریم"۔ خیری نے ہنس کر کہا۔

تھوڑی دیر بعد تین گھوڑے ان لوگوں کے لیے بھیج دیے گئے۔ مریم شہ سواری میں کافی ماہر تھی۔ وہ ہلکی جست کے ساتھ گھوڑے پر سوار ہوگئی۔ حبیب پہلے ہی گھوڑے پر بیٹھا تھا۔

فلورا کی تربیت ہسپانوی محلوں میں ہوئی تھی۔ اسے گھڑ سواری کی زیادہ مشق نہ تھی۔ تیمری کو تو ہر بات کا موقع ملنا چاہیے۔ وہ ہنسی مذاق اور طنز و مزاح کا کوئی موقع ہاتھ سے نہ جانے دیتی تھی۔ اسے فلورا کی اس کمزوری کا کہیں سے علم ہوگیا تھا۔

فلورا اپنے گھوڑے کے پاس آئی تو تیمری نے فوراً عثمان سے کہا:

"عثمان بھائی، فلورا کو سہارا دیجیے۔"

اور عثمان بوکھلایا ہوا بغیر کچھ سمجھے فلورا کی طرف چلا۔۔۔۔۔ لیکن فلورا اس کے پہنچنے سے پہلے ہی گھوڑے پر سوار ہو چکی تھی۔ فلورا نے باگیں سنبھالتے ہوئے کہا:

"تیمری تمہارا شکریہ۔ فی الحال مجھے کسی سہارے کی ضرورت نہیں۔ اگر کوئی ایسا وقت آیا تو عثمان صاحب کو ضرور زحمت دوں گی۔"

عثمان شرمندہ سا ہوگیا۔

حبیب کو نہ جانے کیا سوجھی کہ وہ گھوڑا بڑھا کے فلورا کے پاس آیا اور بولا:

"آپ کو شہ سواری آتی ہے تو شمشیر زنی بھی ضرور آتی ہوگی۔"

"کچھ کچھ آتی ہے۔" فلورا نے شرماتے ہوئے کہا۔

"فکر نہ کیجیے۔ میں آپ کو شمشیر زنی اور نیزہ بازی میں ماہر کر دوں گا۔" حبیب نے خواہ مخواہ اپنی خدمات پیش کر دیں۔

یہ سن کر فلورا تو کچھ نہ بولی مگر مریم کے چہرے پر شکنیں پڑ گئیں۔ اس نے کہا:

"حبیب صاحب۔ یہ کام آپ عثمان صاحب کے لیے چھوڑ دیں۔ آپ کو تکلیف کرنے کی ضرورت نہیں۔"

مریم کی اس پکڑ پہ حبیب گھبرا گیا۔ گڑبڑا کر بولا:

"ٹھیک ہے ٹھیک ہے۔ عثمان بھی اچھا شمشیر زن ہے لیکن۔۔۔۔۔"

"لیکن آپ جیسا نہیں۔ آپ کا جواب تو شاید پوری دنیا میں کوئی نہیں۔" مریم جل گئی تھی مگر بڑے انداز سے ہنستے ہوئے بولی۔

حبیب نے خاموشی اختیار کر لی۔ اس نے اندازہ کر لیا کہ مریم اس کی کسی بات سے ناراض ہوگئی ہے۔ حبیب کا مزاج ایک کھرے اکھڑ قسم کے سپاہی کا تھا۔ میدان جنگ میں بھی وہ اسی طرح رہتا۔ وہ انتہائی جوشیلا جوان تھا۔

قلعہ بستہ کے پہلے محاصرے کے دوران وہ جوش جہاد میں قلعے کی دیوار تک پہنچ گیا تھا اور اسے وہاں سے بحفاظت واپس لانے میں بڑی پریشانی ہوئی تھی۔ عام طور سے عورتوں سے شرما تا لیکن جب باتیں شروع ہو جاتیں تو پھر کسے کا نام نہ لیتا لیکن اس کی تمام گفتگو گھوم پھر کر جنگ اور اسلحے پر آ کر رک جاتی۔

تینوں خاموشی سے گھوڑے بڑھاتے چلے جا رہے تھے۔ حبیب کا گھوڑا درمیان میں تھا۔ وہ رہنمائی کے فرائض ادا کر رہا تھا۔

فلورا تو خاموش طبیعت کی تھی ہی مگر مریم بھی خاموشی سے چل رہی تھی اور حبیب باتیں کرنے کا بہانہ ڈھونڈ رہا تھا۔ آخر حبیب سے نہ رہا گیا۔ اس نے بہت سوچ سمجھ کے مریم سے کہا:

"آپ کبھی کسی لڑائی میں شریک ہوئی ہیں؟"

مریم کو اس کے بھولے پن پر ہنسی آ گئی۔ اس نے تیز نظروں سے حبیب کو گھورتے ہوئے کہا:

"حبیب صاحب۔ ہم جنگ کے لیے نہیں سیر کے لیے آئے ہیں۔ دیکھیے نا موسم کتنا خوش گوار ہے۔ تیز ہوا کے جھونکے کیسے پیار سے لگتے ہیں۔"

"جی ہاں جی ہاں۔ آپ نے بجا فرمایا۔" حبیب خوش ہوتے ہوئے بولا:

"ہوا کے یہ تیز جھکڑ بالکل اس طرح چل رہے ہیں جیسے دشمن کی فوج امڈی چلی آ رہی ہو اور۔۔۔۔"

"اور اس سرسبز نخلستان کے متعلق آپ کا کیا خیال ہے۔" مریم نے ہنستے ہوئے پوچھا۔

"سبحان اللہ۔ کیا کہنا ہے اس سبزے کا۔ ہوا کے شوخ تھپیڑوں سے سبزہ اس طرح لہرا رہا ہے جیسے۔۔۔۔۔ جیسے۔۔۔۔۔ جیسے حملہ آور سوار گھوڑے سے گھوڑا ملائے دشمن پہ یلغار کر رہے ہوں۔"

حبیب نے اپنے خیال میں بڑی خوبصورت تشبیہ دی تھی لیکن مریم نے ایک زوردار قہقہہ لگایا۔ فلورا نے اپنی ہنسی بمشکل روکی اور مسکرا کر رہ گئی۔

ایک مرغزار میں پہنچ کر تینوں نے اپنے گھوڑے روک لیے۔ یہ نخلستان کا درمیانی حصہ تھا۔ اس قسم کے سبزہ زار ریگستان میں عام طور پر نظر نہیں آتے لیکن قیروان کے اطراف میں بعض نخلستان ایسے تھے جہاں پہنچ کر انسان بھول جاتا ہے کہ وہ کسی ریگستان میں موجود ہے۔

سب لوگ گھوڑوں سے اتر پڑے۔ حبیب نے زین سے کسا ہوا کھجور کے ریشوں سے بھرا ایک گدا نکال کر زمین پر بچھا دیا۔

فلورا نے دیکھا کہ حبیب اور مریم میں اب تک چلی ہوئی ہے۔ دونوں ایک دوسرے سے کھنچے ہوئے یا خائف ہیں۔ اسے اس ماحول میں گھٹن سی محسوس ہونے لگی۔ اس نے مریم سے کہا:

"حبیب بھائی بڑی دلچسپ گفتگو کرتے ہیں تم خواہ مخواہ برامان جاتی ہو"۔

مریم بھی اب صلح پر آمادہ ہو چکی تھی۔ اس نے کہا:

"میں کیوں برا ماننے لگی۔ ان کی گفتگو واقعی دلچسپ ہوتی ہے۔ اگر ان سے کوئی کہے کہ تعریف کیجیے تو یہ فوراً فرمائیں گے۔ واہ واہ! کیا ابرو ہیں۔ خمیدہ تلواریں ہیں یا کھنچی ہوئی کمانیں اور پلکیں تیر ہیں، کمان سے نکلنے کے لیے بے چین۔ ان کی نظروں میں وہ آنکھیں بہت خوبصورت ہیں جن سے تیر نکلتے ہوں"۔

فلورا تو مریم کی باتوں پر مسکرا رہی تھی لیکن حبیب نہ جانے کیا سمجھا، فوراً قطع کلام کرتے ہوئے بولا:

"سبحان اللہ۔ آپ تو شاعری کرتی ہیں۔ کیا پیاری پیاری مثالیں پیش کی ہیں آپ نے"۔

مریم نے ہنس کر کہا:

"یہ تمام مثالیں میدانِ جنگ سے تعلق رکھتی ہیں نا اسی لیے آپ کو بہت پسند آئی ہیں۔ کبھی آپ میدانِ جنگ سے نکل کر بھی سوچا کیجیے"۔

حبیب گھبرا کر بولا:

"جی بالکل۔ آپ فرماتی ہیں تو ایسا ہی کروں گا لیکن جنگ، میدانِ جنگ، تیر، تلوار اور نیزہ۔ ان سے اگر انسان نکل جائے تو پھر اس کی زندگی میں رہ کیا جاتا ہے"۔

"زندگی کا ایک اور رخ بھی ہے حبیب صاحب"۔ مریم نے جتا کر کہا۔

حبیب نے معصومیت سے پوچھا:

"جی میں سمجھا نہیں۔ وہ دوسرا رخ کونسا ہوتا ہے"۔

"وہ یہی ہے حبیب صاحب"۔ مریم نے دبی زبان میں کہا،

"دنیا کے جھمیلوں سے وقت نکال کر اگر سیر و تفریح نہ کی جائے تو زندگی ایک خشک چٹان بن کر رہ جاتی ہے"۔

"صحیح فرمایا آپ نے۔ ایسا ہونا بہت ضروری ہے۔ میں سیر و تفریح اور اچھی اچھی باتوں کو بہت پسند کرتا ہوں"۔ حبیب نے اس طرح کہا جیسے وہ دوسروں کی طرح زندگی گزار رہا ہے۔

مریم نے کہا:

"لیکن مشکل تو یہ ہے کہ آپ اس ماحول میں بھی میدانِ جنگ سے باہر نہیں نکلتے۔ . . . . عثمان بھائی نے ٹھیک ہی کہا تھا"۔

"عثمان . . . . . عثمان نے کیا کہا تھا"۔ حبیب نے چونک کر پوچھا۔

فلورا نے مریم کو اشارہ کیا کہ وہ کچھ نہ بتائے مگر مریم زبان نہ روک سکی۔ اس نے کہا:

"عثمان بھائی کہہ رہے تھے کہ تم حبیب بھائی کے ساتھ جا تو رہی ہو لیکن وہ جنگ کی باتیں کر کر کے سیر کا سارا مزہ کرکرا کر دیں گے"۔

"وہ تو احمق ہے۔ ذرا تلوار چلانا کیا آ گئی کہ اپنے برابر کسی کو سمجھتا ہی نہیں"۔ حبیب بڑبڑانے لگا۔

عثمان تلوار کا دھنی مشہور تھا۔ وہ حبیب کی طرح جوشیلا نہ تھا بلکہ میدانِ جنگ میں بھی اپنے حواس درست رکھتا۔ چھوٹی چھوٹی کئی لڑائیوں میں اس نے بڑی دادِ شجاعت دی تھی۔ موسیٰ بن نصیر ابنِ مرجع کو اس لیے بھی عزیز رکھتا تھا کہ اس کے دونوں بیٹے شجاع اور بہادر تھے۔

فلورا کے دخل در معقولات سے گفتگو کا رخ تبدیل ہوا۔ یہ لوگ اپنے گھوڑے وہیں چھوڑ کر پیدل چل پڑے۔ یہ نخلستان اپنی شادابی کے لیے مشہور تھا۔

فلورا کی کوشش سے مریم اور حبیب میں میل ہو گیا۔ یوں کوئی لڑائی بھی نہ تھی بس یونہی نوک جھونک ہوا کرتی تھی۔ انھوں نے خوب دل بھر کے سیر کی۔

جب شام کو گھر واپس پہنچے تو ان کے جسم تھکن سے چور چور تھے۔

○

"اہلِ اسلام کو ہولناک سمندر میں نہ ڈالو"۔

یہ مختصر جواب موسیٰ بن نصیر کو دربارِ خلافت سے موصول ہوا۔ موسیٰ نے کاؤنٹ جولین کے اس طرح فریاد کرنے کی پوری تفصیل خلیفہ ولید بن عبد الملک کو دمشق لکھ بھیجی تھی۔ اس نے آخر میں دبے دبے الفاظ میں اندلس (ہسپانیہ) پر لشکر کشی کی اجازت مانگی تھی لیکن اموی خلیفہ اس پر راضی نہ ہوئے اور اس مختصر نامے کے ذریعے صاف انکار کر دیا۔

موسیٰ بن نصیر کو اس جواب سے بڑی مایوسی ہوئی۔

کاؤنٹ جولین نے ہسپانیہ کے عوام پر ہونے والے مظالم کا تذکرہ ایسے افسانوی انداز میں کیا تھا کہ موسیٰ بن نصیر متاثر ہوئے بغیر نہ رہ سکا کیونکہ اسلام کا مقصد ہی فتنہ و فساد کی جڑوں کو اکھاڑ پھینکنا ہے مگر اب وہ مجبور تھا۔ خلیفۂ وقت کی اجازت کے بغیر وہ اتنا بڑا اور اہم قدم کس طرح اٹھا سکتا تھا۔

موسیٰ نے کاؤنٹ جولین سے اس جواب کا تذکرہ نہ کیا اور ایک دوسرے قاصد کے ذریعے پھر خلیفہ کے پاس درخواست روانہ کی۔

اس میں موسیٰ نے دیگر تفصیل کے علاوہ اس بات کی بھی وضاحت کی کہ ہسپانیہ اور افریقہ کے درمیان کوئی وسیع سمندر واقع نہیں ہے بلکہ ایک چھوٹی سی خلیج ہے اور افریقہ کے ساحل سے ہسپانیہ کا علاقہ صاف نظر آتا ہے۔ اس کے علاوہ کاؤنٹ جولین نے جو سابق شہنشاہ ہسپانیہ کا داماد ہے، وعدہ کیا ہے کہ وہ شہنشاہ راڈرک کے خلاف، سابق شہنشاہ عبطیشہ کے بھائی اور لڑکے بھی مسلمانوں کے ساتھ تعاون کرنے کے لیے آمادہ ہیں۔

اس درخواست کا خاطر خواہ نتیجہ برآمد ہوا۔ خلیفہ نے موسیٰ کو لکھا کہ:

"باہمی رنجش و رقابت اور مذہبی عناد اکثر ایسے فتنے اٹھایا کرتے ہیں اس لیے کاؤنٹ جولین کی اچھی طرح آزمائش کی جائے۔ اس کے بعد ایک آزمائشی حملہ کیا جانا چاہیے۔"

خلیفہ کی طرف سے مطمئن ہونے کے بعد موسیٰ نے کاؤنٹ جولین سے تفصیلی گفتگو کرنے کا ارادہ کیا۔ اس نے نواب جولین کو اسی وقت بلا بھیجا۔

نواب جولین دو ماہ سے موسیٰ کے فیصلے کا انتظار کر رہا تھا۔ موسیٰ نے اس سے کہہ دیا تھا کہ دربار خلافت کی اجازت کے بغیر وہ ایک قدم بھی اٹھانے سے مجبور ہے۔ کاؤنٹ جولین امید و بیم کے ملے جلے جذبات کے ساتھ موسیٰ کے پاس پہنچا۔

موسیٰ بن نصیر نے اسے دیکھتے ہی کہا:

"کاؤنٹ جولین مبارک ہو خلیفۃ المسلمین نے ہمیں شہنشاہِ ہسپانیہ کے خلاف کارروائی کرنے کی اجازت دیدی ہے۔"

کاؤنٹ جولین اس قدر خوش ہوا کہ اس کی آنکھوں میں آنسو آ گئے۔ یہ آنسو خوشی کے تھے۔

کاؤنٹ جولین نے کہا:

"سردارِ محترم۔ میں کن الفاظ میں آپ کا شکریہ ادا کروں۔ اس وقت خوشی کی وجہ سے میرے دل کی جو حالت ہے وہ میں آپ سے بیان نہیں کر سکتا۔"

موسیٰ بن نصیر کچھ سوچتے ہوئے بولا:

"ہمیں بھی کچھ کم خوشی نہیں کاؤنٹ جولین۔ ہسپانیہ کے مظلوم عوام کو راڈرک کے آہنی پنجوں سے چھڑانا ہمارا دینی فرض ہے۔ اس کے ساتھ ہی ہم آپ جیسے مخلص دوست کی مدد کر کے بھی بہت مسرور ہوں گے خلیفۂ دمشق نے ہمیں حملے کی اجازت دے دی ہے مگر کچھ شرطوں کے ساتھ....." یہ کہہ کر موسیٰ بن نصیر نے

کاؤنٹ جولین کو بغور دیکھا۔

کاؤنٹ جولین نے ایک لمحہ توقف کے بعد کہا:

"مسلم سردار۔ میں جانتا ہوں کہ مسلمان ہر قدم بہت سوچ سمجھ کے اٹھاتے ہیں اور جب تک کسی معاملے کی پوری طرح تحقیق نہ کر لیں، کوئی فیصلہ نہیں کرتے۔ میں جس طرح آپ کے لیے اجنبی ہوں، اس سے کہیں زیادہ آپ کے خلیفہ کے لیے غیر ہوں۔ ہو سکتا ہے کہ آپ کے خلیفہ کو میری باتوں کا یقین نہ آیا ہو اور انھوں نے کوئی ضمانت طلب کی ہو۔"

موسیٰ بن نصیر مسکراتے ہوئے بولا:

"کاؤنٹ۔ آپ کا خیال کسی حد تک درست ہے۔ ہم خدانخواستہ آپ کو شک کی نظر سے ہرگز نہیں دیکھتے۔ پھر بھی خلیفہ کا حکم ہے کہ ہسپانیہ پر باقاعدہ یلغار سے پہلے نواب جولین سے ہسپانوی شہنشاہ کی دشمنی کا ثبوت حاصل کیا جائے۔"

"سردارِ محترم۔" کاؤنٹ جولین نے گلوگیر آواز میں کہا:

"جس کی عزت و ناموس کو داغدار کیا گیا ہو، اس سے آپ دشمنی کا کس طرح کا ثبوت چاہتے ہیں۔ میرے دل میں تو انتقام کے شعلے بھڑک رہے ہیں۔ میرا اختیار ہو تو میں ابھی جا کر اس کا گلا اپنے ہاتھوں سے دبا دوں۔"

"فکرمند نہ ہوں کاؤنٹ۔" موسیٰ بن نصیر نے کہا:

"ہم آپ کو کسی ایسے امتحان میں نہیں ڈالنا چاہتے جو ناممکن ہو یا آپ پر کوئی حرف آئے۔"

"مجھے کوئی فکر نہیں مسلم سردار۔" کاؤنٹ جولین جلدی سے بولا:

"راڈرک کو تباہ کرنے کے لیے میں ہر امتحان سے گزرنے کے لیے آمادہ ہوں۔"

موسیٰ بن نصیر نے کہا:

"بس آپ شہنشاہِ ہسپانیہ کے خلاف بغاوت کا اعلان کر دیجیے اور ہسپانوی علاقوں پر فوراً حملہ آور ہو کے تباہی پھیلا دیجیے۔"

"لیکن....." کاؤنٹ جولین نے گھبرا کر کہا:

"لیکن اگر ہسپانوی لشکر نے جوابی حملہ کر دیا تو میں اپنی چھوٹی سی فوج کے ساتھ اس کا حملہ کس طرح روک سکوں گا۔"

"یہ ہماری ذمے داری ہے" موسیٰ بن نصیر نے کہا:
"قلعہ اور علاقہ سبتہ کی حفاظت ہم کریں گے۔ آپ ہسپانوی علاقے پر حملے کا آغاز کر دیجیے۔ باقی تمام کام ہمارا لشکر کرے گا"۔

کاؤنٹ جولین نے اب تک جو کچھ کہا تھا اب اسے اس کا عملی ثبوت پیش کرنا تھا۔ شہنشاہِ ہسپانیہ سے انتقام لینے کے لیے اس کے لیے ضروری تھا کہ وہ موسیٰ بن نصیر کا تعاون حاصل کرے۔ موسیٰ بن نصیر کی شرط بہت سخت تھی لیکن اسے پورا کرنے کے سوا کاؤنٹ جولین کے پاس کوئی چارۂ کار نہ تھا۔
کاؤنٹ جولین نے کہا:
"محترم سردار! آپ کا حکم سر آنکھوں پر لیکن اس کے پورا کرنے میں دو قباحتیں ہیں۔ ایک تو یہ کہ اگر میں اپنے دستوں کے ساتھ ہسپانوی علاقوں پر حملہ آور ہوں تو وہاں جو کچھ پیش آئے اس کا حال آپ سے کون بیان کرے گا؟"
موسیٰ بن نصیر نے مسکرا کر کہا:
"اور دوسری مشکل کیا ہے آپ کو؟"
"دوسری مشکل یہ ہے"۔ کاؤنٹ جولین نے کہا:
"کہ اگر میں اس مہم میں مارا گیا، جس کا امکان زیادہ ہے تو میرے علاقے اور میری بیوی بچیوں کا کیا بنے گا اور اس صورت میں شہنشاہ ہسپانیہ کے خلاف آپ کیا قدم اٹھائیں گے؟"
"کاؤنٹ جولین۔ ہمیں آپ کی ان مشکلات کا پہلے ہی احساس تھا"۔ موسیٰ بن نصیر نے اسے مطمئن کرنے کے لیے کہا:
"آپ اپنا فرض ادا کیجیے۔ ہم اپنا فرض پورا کریں گے۔ ہم آپ کے ساتھ اسلامی لشکر کا ایک حصہ روانہ کر رہے ہیں۔ وہ فی الحال قلعہ سبتہ اور آپ کے علاقے کی حفاظت کرے گا۔ ہم یہ نہیں چاہتے کہ آپ براہِ راست شہنشاہِ ہسپانیہ سے ٹکرا لیں۔ آپ تو بس ہسپانوی علاقے پر یلغار کریں اور......"
"اور یہ ثبوت دیں کہ میں واقعی ہسپانیہ کے خلاف ہوں"۔ کاؤنٹ جولین نے موسیٰ بن نصیر کا جملہ اس طرح پورا کر دیا۔
موسیٰ بن نصیر واقعی یہی چاہتا تھا کیونکہ دربارِ خلافت سے اسے یہی حکم ملا تھا لیکن وہ کھل کر کاؤنٹ سے اس کا اظہار نہیں کرنا چاہتا تھا۔
موسیٰ بن نصیر نے کاؤنٹ جولین کو جو جواب دیا وہ صرف ایک ہلکی سی مسکراہٹ تھی جو اس کے سنجیدہ چہرے

لمحے کے لیے آکر غائب ہوگئی۔
اس مسکراہٹ نے کاؤنٹ جولین کے خیال کی تصدیق کر دی۔
کاؤنٹ جولین نے کہا:
"اس سلسلے میں میری درخواست ہے کہ میری دونوں بیٹیوں کو قیروان میں رہنے کی اجازت دی جائے۔ البتہ بیخ کر میں اپنی بیوی کو بھی یہیں بھیج دوں گا"۔
موسیٰ بن نصیر نے جواب دیا:
"آپ فکر نہ کریں۔ مریم اور فلورا اگر یہاں رہنا چاہیں تو میری بیٹیوں کی طرح رہ سکتی ہیں۔ لیکن اگر آپ اپنی وفاداری کے ثبوت میں انہیں بطور یرغمال یہاں چھوڑنا چاہتے ہیں تو مجھے اس کا افسوس ہوگا۔ ہم صاف دل ہیں اور دل کھول کر دوستوں پر اعتماد کرتے ہیں۔ ہم آپ کو یہ بھی یقین دلاتے ہیں کہ ہم ہسپانیہ پر لشکر کشی اس وجہ سے کرنا چاہتے ہیں کہ وہاں کے عوام کو راڈرک کے ظلم و ستم سے نجات دلائیں۔ اب یہ قدم ضرور اٹھایا جائے گا خواہ حالات کوئی بھی صورت اختیار کریں"۔
موسیٰ بن نصیر سے گفتگو کے بعد کاؤنٹ جولین نے واپس آکر دونوں بیٹیوں کو تمام حالات سے آگاہ کیا۔ فلورا مریم سے بھی زیادہ خوش تھی۔ اسے محسوس ہوا جیسے اب اس کے انتقام کا وقت قریب آرہا ہے اور قدرت خود بخود صورتیں پیدا کر رہی ہے۔ مسلمانوں کے تعاون کے بغیر وہ شہنشاہ راڈرک سے انتقام لینے کا تصور بھی نہ کر سکتی تھی۔

شام تک یہ خبر پوری چھاؤنی میں پھیل گئی کہ اسلامی لشکر کسی خاص مہم پر روانہ ہو رہا ہے۔
قیروان، افریقہ میں اسلامی لشکر کی زبردست چھاؤنی تھی۔ اموی خلیفہ نے اس قسم کی چھاؤنیاں تمام بڑے بڑے شہروں میں قائم کی تھیں، جہاں فوجوں کے علاوہ اسلحہ اور سامانِ رسد کا ذخیرہ ہر وقت موجود رہتا۔ جوشِ جہاد سے سرشار مسلمان ہر نئی مہم کی خبر سے جھوم اٹھتے اور ہر ایک کی یہی خواہش ہوتی کہ اس مہم کے لیے اسے منتخب کیا جائے تاکہ وہ غازی یا شہید کے مرتبے پر سرفراز ہونے کی سعادت حاصل کر لے۔
اس نئی مہم کے سلسلے میں سب سے پہلے ابنِ مرج نے موسیٰ بن نصیر سے درخواست کی کہ مجھے معہ اپنے دونوں لڑکوں کے جہاد میں شرکت کی اجازت دی جائے"۔
ابنِ مرج بہت تجربہ کار سردار تھا۔ موسیٰ بن نصیر نے اسے یہ کہہ کر اس میں شریک ہونے سے روک دیا کہ اس کی خدمات بڑی خدمات کے لیے محفوظ کر لی گئی ہیں۔ ہاں وہ اپنے دونوں لڑکوں کو بھیج سکتا ہے۔ ابنِ مرج نے اپنے سردار کے آگے سرِ تسلیم خم کر دیا۔

حبیب اور عثمان کو جب خبر ملی کہ انھیں مہم پر جانے کا حکم ہوا ہے تو وہ خوشی سے پاگل ہو گئے۔ حبیب پر تو فوراً ہی جنگی جنون سوار ہو گیا۔ تیر اور تلوار کا ذکر تو اس کی گفتگو میں ہو ہی کرتا تھا۔ اب یہ حال ہوا کہ اس کا کھانا، پینا اور اٹھنا بیٹھنا بھی جنگی طرز کا ہو گیا۔ حبیب کے ہر عمل سے یہ ظاہر ہونے لگا جیسے وہ ابھی سے میدانِ جنگ میں ہے۔

مریم چونکہ اس کی سرشت سے اب مانوس سی ہو گئی تھی اس لیے وہ حبیب کی باتوں کا برا نہ مانتی بلکہ پورا دلچسپی کا اظہار کرتی۔

عثمان نے بھی تیاریاں شروع کر دیں۔ اسے یہ سن کر تسلی ہوا کہ فلورا اور مریم قیروان میں ہی ٹھہریں گی۔ پھر بھی اسے اس خیال سے طمانیت تھی کہ وہ فلورا کے وطن میں جا رہا ہے۔ عثمان ہر وقت فلورا سے سسپتہ کے بارے میں سوالات کرتا رہتا۔ اسے پتہ نہیں کیوں سسپتہ سے ایک دلی لگاؤ سا ہو گیا تھا۔

موسیٰ بن نصیر نے ابنِ مرجع کو جانے کی اجازت تو نہ دی لیکن اس مہم کے لیے اس نے ابنِ مرجع کے سپاہیوں کا انتخاب کیا۔ ابنِ مرجع کے زیرِ کمان ایک ہزار کا رسالہ تھا۔ موسیٰ نے ان میں سے پانچ سو آدمی منتخب کیے۔ ان میں بہترین تیر انداز بھی تھے اور شمشیر زن بھی۔ سرداری کے لیے ابنِ مرجع کے نائب کو چنا گیا۔ اس نائب کا نام بھی حبیب تھا۔ حبیب کو حکم دیا گیا کہ وہ ساتھ جانے والوں کو کیل کانٹے سے لیس کرے کیونکہ کوچ کا حکم کسی وقت بھی دیا جا سکتا تھا۔

ابنِ مرجع نے گھر پہنچ کر جب یہ اعلان کیا کہ اس مہم کے لیے حبیب کو سردار مقرر کیا گیا ہے تو سبھی لوگ حیران رہ گئے۔ حبیب کا تو خوشی کے مارے برا حال ہو گیا۔ سب سے پہلے اسے مریم نے مبارک باد دی لیکن ابنِ مرجع کو اپنی غلطی کا فوراً احساس ہو گیا اور جب انھوں نے دوسرا اعلان کیا کہ سردار منتخب ہونے والا یہ حبیب نہیں بلکہ ان کے نائب حبیب بن اسد ہیں تو مبارک باد ایک زوردار قہقہے میں تبدیل ہو گئی۔ بے چارا حبیب بہت شرمندہ ہوا لیکن یہ غلطی اس کے باپ سے ہوئی تھی اس لیے کچھ نہیں کر سکتا تھا۔

ابنِ مرجع اپنے کمرے میں جانے لگے تو فلورا پیچھے ہو لی۔ مریم، حبیب اور عثمان باتوں میں لگے تھے انھوں نے فلورا کی طرف توجہ نہ کی۔ کاؤنٹ جولین، موسیٰ بن نصیر سے صلاح مشورے کے لیے گئے ہوئے تھے۔

ابنِ مرجع اپنے کمرے میں پہنچے تو فلورا بھی اندر آ گئی۔ ابنِ مرجع نے اسے حیرانی سے دیکھا۔

ابنِ مرجع کی بیوی کی نظر فلورا پر پڑی تو محبت سے بولیں:

"آؤ بیٹی فلورا۔ بیٹھو۔"

ابنِ مرجع کو فلورا کے اس طرح اپنے پیچھے آنے سے بڑی حیرانی تھی۔ انھوں نے پوچھا:

"کیا بات ہے بیٹی فلورا۔ تم کوئی خاص بات کہنا چاہتی ہو؟"

"جی ہاں چچا جان۔" فلورا نے سر جھکا کر کہا:

"میں کئی دن سے آپ سے ملنا چاہتی تھی لیکن بات ایسی تھی کہ سب کے سامنے کہہ بھی نہیں سکتی تھی۔"

ابنِ مرجع نے اطمینان کی سانس لی۔ پھر کہا:

"ہاں مزید کہو۔ کیا بات ہے؟"

"بات یہ ہے۔" فلورا کہتے کہتے رکی۔ اس نے ابنِ مرجع کی بیوی کی طرف دیکھا۔

"ڈرنے کی ضرورت نہیں۔ یہ تمہاری ماں کے برابر ہیں۔" ابنِ مرجع نے فلورا کو مطمئن کرنے کے لیے کہا۔

"میں سردارِ اعلیٰ موسیٰ بن نصیر سے ملنا چاہتی ہوں۔" فلورا نے جی کڑا کر کے کہہ ہی دیا۔

"مگر کیوں؟" ابنِ مرجع کو اور زیادہ حیرانی ہوئی۔

"یہ میں سردارِ اعلیٰ ہی کو بتاؤں گی۔" فلورا نے جواب دیا۔

ابنِ مرجع نے فلورا کو مشکوک نظروں سے دیکھتے ہوئے کہا:

"فلورا، تم یہ درخواست کاؤنٹ جولین کے ذریعے بھی کر سکتی تھیں۔"

"جی نہیں۔ میں ان پر یہ ظاہر نہیں کرنا چاہتی۔" فلورا بولی۔

"اگر تم سردارِ اعلیٰ سے ملنی ہو تو یہ بات پوشیدہ کس طرح رہ سکے گی۔ کاؤنٹ جولین کو جلد یا بدیر علم ہو ہی جائے گا۔ میرے بارے میں وہ کیا خیال کریں گے۔"

ابنِ مرجع کو طرح طرح کے خیالوں نے گھیر لیا۔ اس کی سمجھ میں نہ آ رہا تھا کہ آخر فلورا اپنے باپ کی مرضی کے بغیر موسیٰ بن نصیر سے کیوں ملنا چاہتی ہے۔

فلورا کو بھی گمان ہوا کہ اس کی درخواست کو شاید غلط سمجھا جا رہا ہے۔ اس نے کہا:

"چچا جان، آپ بالکل فکر نہ کریں۔ میں سردارِ اعلیٰ سے ملنے کے بعد خود ہی ابا جان کو بتا دوں گی۔ یہ میرا ذاتی کام ہے۔ آپ پر کوئی الزام نہ آئے گا بلکہ جب ابا جان کو معلوم ہو گا کہ میں آپ کے ذریعے سردارِ اعلیٰ سے ملا ہوں تو وہ آپ کا شکریہ ادا کریں گے۔"

ابنِ مرجع "ہاں" کرتے ہچکچا رہے تھے پھر بھی فلورا نے باتیں بنا کے کسی نہ کسی طرح انھیں رضامند کر لیا۔ ابنِ مرجع کی بیوی نے بھی فلورا کی سفارش کی۔ فلورا دوسرے دن ملانے کا وعدہ لے کر ابنِ مرجع کے پاس سے واپس آ گئی۔

ابنِ مرجع نے حسبِ وعدہ فلورا کو موسیٰ بن نصیر کے سامنے پیش کر دیا۔

موسیٰ بن نصیر نے فلورا کو دیکھتے ہوئے کہا:

"بیٹی فلورا۔ ہمیں تعجب ہے کہ وہ کون سی بات ہے جو تم ہم سے تنہائی میں کہنا چاہتی ہو"۔

فلورا نے جواب دینے کے بجائے ابنِ مرجع کی طرف دیکھا۔ ابنِ مرجع سمجھ گئے کہ فلورا تنہائی چاہتی ہے۔ فوراً باہر چلے گئے۔

فلورا نے ڈرتے ڈرتے کہا:

"سردارِ اعظم۔ مجھ پر جو کچھ گزری ہے اس سے میرے باپ کے علاوہ یہاں صرف آپ واقف ہیں۔ ... نے مجھے سختی سے منع کر دیا ہے کہ اس کا کسی اور کو...... علم نہ ہونا چاہیے اس لیے میں چچا ابنِ مرجع کے ذریعے اپنی درخواست آپ تک نہ پہنچا سکی"۔

موسیٰ بن نصیر نے کچھ سوچتے ہوئے کہا:

"خیر ٹھیک ہے۔ اب بتاؤ تم کیا چاہتی ہو؟"

فلورا کو حوصلہ ہوا تو وہ صاف لہجے میں بولی:

"مجھے علم ہوا ہے کہ آپ نے ابا جان کو ہسپانوی علاقے پر حملے کا حکم دیا ہے"۔

"یہ ٹھیک ہے فلورا لیکن اس سے ہمارا مقصد انہیں کسی مصیبت میں ڈالنا ہرگز نہیں"۔ موسیٰ بن نصیر نے فلورا کو سمجھایا۔

فلورا نے کہا:

"سردارِ اعظم۔ میں اس بارے میں کچھ نہیں چاہتی۔ میں تو یہ کہنا چاہتی ہوں کہ حکومت ہسپانیہ اور اس کے حاکم سے جتنی نفرت مجھے ہے اس کا اندازہ آپ بھی کر سکتے ہیں"۔

"ٹھیک ہے فلورا۔ تمہاری نفرت جائز اور فطری ہے لیکن تم چاہتی کیا ہو؟" موسیٰ نے پوچھا۔

"میں آپ سے درخواست کرتی ہوں کہ مجھے ذلیل راڈرک سے انتقام لینے کی اجازت دی جائے"۔ فلورا نے بڑے عزم سے کہا۔

موسیٰ بن نصیر نے کہا:

"ہمیں تمہارے دل کا پوری طرح اندازہ ہے بیٹی۔ ہم تمہیں نہ صرف انتقام لینے کی اجازت دیتے ہیں بلکہ اس انتقام کے لیے ہم ذرائع بھی مہیا کریں گے۔ تمہارا درد، ہمارا درد ہے۔ ہمارے دل کو بھی اُس وقت تک سکون نہ ملے گا جب تک تمہارے دل میں انتقام کی آگ بھڑکتی رہے گی"۔

"سردارِ اعظم آپ کتنے عظیم ہیں"۔ فلورا کی زبان سے بے ساختہ نکلا:

"میری خواہش ہے کہ ہسپانیہ کے خلاف مہم میں حصہ لینے کی اجازت مجھے بھی دی جائے تاکہ ہسپانیہ کے خلاف اٹھنے والی تلوار سب سے پہلی میری تلوار ہو"۔

"ہم تمہارے جذبے کی قدر کرتے ہیں فلورا بیٹی"۔ موسیٰ بن نصیر نے خوش ہو کر کہا:

"تمہیں جانے کی اجازت ہے۔ بشرطیکہ کاؤنٹ جولین بھی اسے پسند کریں"۔

"آپ کا بہت بہت شکریہ"۔ فلورا نے مسرت آمیز لہجے میں کہا:

"ابا جان کو میں رضامند کر لوں گی"۔

فلورا چلنے لگی تو موسیٰ بن نصیر نے کہا:

"فلورا، تم چلی جاؤ گی تو مریم اکیلے گھبرائے گی۔ یہ اس پر ظلم ہو گا"۔

فلورا فوراً بولی:

"اگر آپ بہن مریم کو بھی اجازت دے دیں تو یہ اور مہربانی ہو گی"۔

"ٹھیک ہے۔ مجھے کوئی اعتراض نہیں"۔ موسیٰ نے کہا۔

فلورا نے تشکر آمیز نگاہوں سے موسیٰ بن نصیر کو دیکھا۔ پھر سلام کر کے تیز تیز قدم اٹھاتی ہوئی باہر نکل گئی۔

O

کوچ کی تیاریاں مکمل ہو گئیں۔

کاؤنٹ جولین کو جب معلوم ہوا کہ فلورا نے مسلم سردارِ اعلیٰ سے مل کر اپنے اور مریم کے لیے اس مہم میں شرکت کی اجازت حاصل کر لی ہے تو اسے اور زیادہ خوشی حاصل ہوئی۔

کاؤنٹ نے مریم کی پرورش مثل لڑکے کے کی تھی اس لیے وہ تیراندازی، شہ سواری اور شمشیر زنی میں ماہر تھی۔ اگر فلورا کو شاہی محل میں داخل نہ کیا جاتا تو وہ بھی فنونِ جنگ میں مریم ہی کی طرح ماہر ہو جاتی۔ مریم اور فلورا کو وہ قیروان میں اس لیے چھوڑنا چاہتا تھا کہ موسیٰ بن نصیر پر اس کا اعتماد اور زیادہ بحال ہو جائے۔ وہ اپنے ... میں مخلص تھا اس لیے نہیں چاہتا تھا کہ موسیٰ اس پر کسی قسم کا شک کرے۔

کوچ کے وقت موسیٰ بن نصیر بذاتِ خود چھاؤنی میں موجود تھا۔ مریم اور فلورا، قیروان آتے وقت بند گاڑی

میں آئی تھیں لیکن واپسی پر انھوں نے گاڑی پہ جانے سے انکار کر دیا اور خود بھی گھوڑوں پر سوار ہو کر کاؤنٹ کے ساتھ چلنے لگیں۔

موسیٰ بن نصیر نے جس عزت و احترام سے کاؤنٹ جولین کا استقبال کیا تھا اسی عزت سے اسے رخصت کیا۔ کاؤنٹ جولین چلتے وقت موسیٰ بن نصیر سے بڑی گرمجوشی سے گلے ملا۔

ابنِ مرجع نے دونوں لڑکوں کو گلے لگایا۔ پھر ان کی پیٹھ محبت سے تھپ تھپاتے ہوئے اس نے آہستہ سے کہا:

"پیارے بچو۔ اسلام کی حرمت اور میری عزت کا ہر وقت خیال رکھنا۔"

عثمان نے کہا:

"ابا جان۔ ہم آپ کو نا امید نہ کریں گے۔"

حبیب نے اکڑ کر کہا:

"ابا جان۔ اگر میں شہید ہوا تو آپ زخموں کے نشان میرے سینے پہ دیکھیں گے۔ پیٹھ پر آپ کو کوئی زخم نہ ملے گا۔"

حبیب اپنے جنگی جنون میں کچھ اور کہنا چاہتا تھا کہ کوچ کا نقارہ بج گیا اور پانچ سو مجاہدوں کا یہ دستہ نظم و ضبط کے ساتھ حرکت میں آگیا۔

دستے کا سردار حبیب ابنِ اسد آگے آگے تھا۔ اس کے ساتھ کاؤنٹ جولین، مریم اور فلورا کے گھوڑے تھے۔ عثمان اور حبیب اپنے دستوں کے ساتھ چل رہے تھے۔

فلورا اور مریم کو عثمان اور حبیب سے راستے میں گفتگو کا کوئی موقع نہ ملا۔ یہ لوگ بڑی تیزی سے سفر کرتے، آخر سبتہ کی سرحد پر پہنچ گئے۔

سرحد پر کاؤنٹ جولین کا نائب کراڈیل اپنے سردار کے استقبال کے لیے موجود تھا۔ کاؤنٹ جولین نے اسے اپنی واپسی کی اطلاع بھجوا دی تھی۔

کراڈیل کو جب کاؤنٹ جولین کی زبانی معلوم ہوا کہ وہ مسلمان، جو دو بار قلعہ سبتہ پر یلغار کر چکے تھے، وہی مسلمان قلعہ سبتہ کی حفاظت کے لیے آئے ہیں تو وہ بہت خوش ہوا۔ اسے اپنے سردار پر پہلے ہی

کاؤنٹ جولین کے اس کامیاب سفر نے اس کے اعتماد کو اور مضبوط کر دیا۔

کراڈیل نے کاؤنٹ جولین سے درخواست کی کہ اسے قلعہ سبتہ جانے کی اجازت دی جائے تاکہ وہ قلعے والوں کو اس کی اور محافظ مسلمانوں کی آمد سے آگاہ کر کے استقبال کی تیاری کرے۔

کراڈیل اجازت حاصل کر کے سبتہ روانہ ہو گیا۔ باقی لوگ ایک شب سرحد پر آرام کر کے دوسرے دن قلعہ سبتہ کی طرف چلے۔

قلعہ سبتہ کے عوام اور سرکاری حکام نے قلعے سے باہر نکل کر اپنے سردار اور مسلمانوں کا شاندار استقبال کیا۔ ان پر پھولوں کی بارش کی گئی اور نعرے بلند ہوئے۔

کاؤنٹ جولین نے مسلمان سالار دستہ حبیب بن اسد کو قلعے میں ٹھہرنے کی دعوت دی مگر حبیب نے یہ کہہ کر قلعے میں جانے سے انکار کر دیا کہ مسلمان، قلعہ سبتہ کی حفاظت کے لیے آئے ہیں۔ وہ قلعے میں آرام کرنا نہیں چاہتے۔

کاؤنٹ جولین نے حبیب کے اس جذبے پر اس کا شکریہ ادا کیا۔ مسلمانوں نے قلعے کے نشیب میں اپنے خیمے لگا دیے۔ کاؤنٹ جولین نے ان کی ضروریات کا معقول انتظام کرا دیا اور پھر وہ دوسرا قدم اٹھانے کی تدبیروں کو بروئے کار لانے کے انتظامات میں مصروف ہو گیا۔

کاؤنٹ جولین چاہتا تھا کہ وہ اپنی جنگی حکمتِ عملی اس طرح ترتیب دے کہ اسے مسلمانوں کا مکمل تعاون اور اعتماد حاصل ہو جائے۔

مریم، فلورا سے زیادہ تیز اور چالاک تھی، اس لیے جب فلورا کو شمشیر زنی سکھانے کا مسئلہ درپیش ہوا تو اس نے اپنی فراست سے کاؤنٹ جولین کو اس بات پہ آمادہ کر لیا کہ فلورا کے لیے ابنِ مرجع کے بیٹے عثمان کی خدمات حاصل کی جائیں۔ اس نے دبی زبان سے خود بھی مزید مہارت کی خواہش کا اظہار کیا۔ چنانچہ مریم کے لیے فلورا نے عثمان کے بھائی حبیب کا نام پیش کیا۔ کاؤنٹ جولین، اپنے میزبان ابنِ مرجع کے حسنِ اخلاق کا پہلے ہی قائل تھا اس لیے اس نے یہ تجویز منظور کر لی اور مسلم سردار سے عثمان اور حبیب کے لیے اجازت حاصل کر لی۔

اب صبح سے شام تک فلورا، مریم، عثمان اور حبیب کا ساتھ رہتا۔ عثمان کی خواہش تھی کہ وہ جلد از جلد فلورا کو تیر اندازی اور شمشیر زنی میں طاق کر دے تاکہ فلورا کی خواہش کے مطابق وہ اس مہم میں اپنے جوہر دکھا سکے۔ عثمان صبح سے شام تک فلورا کو تیر و تلوار کی مشق کراتا۔ فلورا کے نازک جسم کے لیے اتنی سخت ریاضت بڑی کٹھن اور تکلیف دہ تھی۔ وہ تھک کر چور ہو جاتی لیکن عثمان اس کا پیچھا نہ چھوڑتا اور اسے میٹھی میٹھی باتوں میں لگائے

زیادہ سے زیادہ مشق کراتا۔

دوسری طرف مریم اور حبیب تلوار چلاتے اور تیراندازی کرتے نظر آتے۔ حبیب کا انداز گفتگو نہ بدلا۔ اتنی قربت کے باوجود بھی تبدیل نہ ہوا تھا۔ وہ مریم سے باتیں کرتے وقت ہر دوسرے تیسرے بعد کوئی جملہ شعوری یا غیر شعوری طور پر ایسا ضرور کہتا جس میں کسی نہ کسی جنگی اسلحے کا ذکر یا اشارہ موجود۔ اب ان باتوں کی عادی سی ہو گئی تھی۔ اسے اب حبیب کے ساتھ بات کرتے ہوئے پہلی سی الجھن محسوس نہ تو اسے حبیب کی گفتگو پہلے سے زیادہ دلچسپ معلوم ہوتی۔

جس میدان میں یہ لوگ مشق کرتے تھے اس کے قریب ہی ایک خوبصورت سا باغیچہ تھا۔ جب یہ جاتے تو باغ میں جاکر تھوڑی دیر آرام کرتے۔ اس طرح عثمان اور حبیب کے دن ان پری جمال اور پری نازنینوں کی قربت میں بڑی ہنسی خوشی گزر رہے تھے۔ عثمان چاہتا تھا کہ ان مشغلوں کا سلسلہ اس کی عمر سے مل جائے تاکہ وہ فلورا سے کبھی جدا نہ ہو۔

اس دن سورج میں کچھ زیادہ تمازت تھی۔

فلورا زیادہ تیز مشق نہ کر سکی اور تھک کر باغیچے کا رخ کیا۔ عثمان ایسے موقعوں پر فلورا کو کچھ میں مصروف رکھتا تھا مگر اس دن اس نے بھی ڈھیل دے دی اور خود بھی خاموشی سے فلورا کے پیچھے چلا گیا۔

فلورا نے عثمان کو کچھ پریشان دیکھا تو پوچھا:

"کیا ہوا عثمان! تم چپ چپ کیوں ہو؟"

فلورا اور عثمان کے درمیان سے "آپ، جناب" کے تکلف کی دیوار گر چکی تھی اور وہ تنہائی میں بڑے سے گفتگو کرتے تھے۔ دراصل فلورا کو عثمان کی معیت میں کچھ ایسا سکون ملتا تھا کہ وہ اپنا ماضی بھول کر دلفریب سے لطف اندوز ہونے لگتی تھی۔ اس کا غم ہلکا ہو گیا تھا۔ اس کے ذہن پر بے کیفی کے جو بادل چھائے رہتے تھے، وہ چھٹ گئے تھے۔ وہ جب عثمان کے ساتھ ہوتی تو اسے یوں محسوس ہوتا جیسے عثمان ہمیشہ سے اس کے ساتھ ہے اور ہمیشہ ہی اس کے ساتھ رہے گا۔ اب اسے زندگی سے ایک انس اور لگاؤ پیدا اور اس میں زندہ رہنے کی زبردست خواہش انگڑائیاں لینے لگی تھی۔

عثمان نے کچھ عجیب سی نظروں سے فلورا کو دیکھتے ہوئے کہا:

"نہیں۔ بس ذرا یونہی......"

یہ کہتے ہوئے اس نے ایک ٹھنڈی سانس لی اور پھر نظریں نیچی کر لیں جیسے اس میں فلورا کو دیکھنے

فلورا جس کا دل اب زندگی اور جوانی کی امنگوں سے بھرا ہوا تھا، مسکرائی اور بولی:

"کسی سپاہی کو ٹھنڈی سانسیں بھرتے میں نے آج ہی دیکھا ہے۔ کیا خیال ہے تمہارا عثمان؟"

عثمان نے کوئی جواب نہ دیا۔

فلورا نے نیام کی نوک سے عثمان کو ٹھوکا دیا اور کہا:

"منہ میں گلگلے کیوں بھر رکھے ہیں۔ کس بات کا غم ہے سپاہی زادے کو؟"

عثمان نے ایک جھرجھری لی...... جیسے اسے یہ طنز ناگوار گزرا ہو۔ اس نے کہا:

"فلورا! تمہیں کوئی غم نہیں مگر مجھے وقت پر اختیار نہیں۔ یہ تو گزر رہا ہے اور گزرتا جائے گا۔"

فلورا کی سمجھ میں کچھ نہ آیا۔ اس نے حیرانی سے پوچھا:

"عثمان۔ آج تمہیں کیا ہو گیا ہے؟ یہ وقت کا فلسفہ میری سمجھ میں بالکل نہیں آرہا ہے۔"

عثمان نے نظریں اٹھائیں۔

فلورا نے اس کی آنکھوں میں جھانکا۔ اسے عثمان کی آنکھیں ویران اور پریشان سی نظر آئیں۔ وہ کچھ گھبرائی اور کچھ کہنا ہی چاہتی تھی کہ عثمان نے سرگوشی کی:

"فلورا! میں آج تم سے کچھ کہنا چاہتا ہوں۔"

فلورا کو خیال گزرا کہ عثمان کو شاید کوئی اور غم پریشان کر رہا ہے۔

جب اس نے عثمان کی زبان سے یہ جملہ سنا تو اسے ہنسی آگئی۔ اس نے اپنی بھاری بھاری پلکیں جھپکاتے ہوئے کہا:

"عثمان۔ بعض باتیں ایسی ہوتی ہیں جو نہ بھی کہی جائیں تو سمجھ لی جاتی ہیں۔"

"تو کیا تم جانتی ہو کہ میرے دل میں کیا ہے اور میں کیا کہنا چاہتا ہوں؟" عثمان نے حیران حیران نظروں سے فلورا کو دیکھ کر کہا۔

"ہاں عثمان۔ میں جانتی ہوں۔ میں سمجھتی ہوں لیکن میرے دل کی تمہیں خبر نہیں۔" فلورا نے درد بھرے لہجے میں کہا۔

"فلورا...... میری فلورا...... مجھے بتاؤ تمہارے دل میں کیا ہے۔ جو کچھ دل میں ہے اگل دو..... یقین کرو اگر تم مجھے پسند نہیں کرتیں تو میں تمہیں کبھی پریشان نہ کروں گا۔ تم کہو گی تو تم سے ملنا بھی چھوڑ دوں گا۔" عثمان بے حد جذباتی ہو گیا۔

فلورا نے ایک بار پھر اپنی بھاری پلکیں جھپکائیں۔

عثمان نے دیکھا کہ اس کی آنکھوں میں آنسو لرز رہے ہیں؟... وہ بے چین ہو گیا۔

اس نے منت سے کہا:

"فلورا۔ میں تمہاری آنکھوں میں آنسو نہیں دیکھ سکتا۔ خدا کے لیے جو کچھ دل میں ہے کہہ ڈالو۔"

"یہ آنسو ہی تو میرے غمگسار ہیں۔" فلورا نے ایک ٹھنڈی سانس لیتے ہوئے کہا:

"یہ تو صدا سے بہ رہے تھے۔ تمہاری قربت نے انھیں خشک کر دیا تھا۔ آج ان پر ضرب پڑی تو پھر

عثمان! میں نے اپنے دل میں ایک غم پال رکھا ہے۔ دل کی آہنی دیواروں میں ایک راز چھپا رکھا ہے مگر وہ غم اور

میں تم پر ظاہر نہیں کر سکتی۔ میں اس زندگی میں خوش ہوں۔ میں نے اپنے غم سے سمجھوتہ کر لیا ہے۔ اگر میں نے

ظاہر کر دیا تو میری خوشیاں مجھ سے چھن جائیں گی اور تم.... تم مجھ سے نفرت کرنے لگو گے۔ میں تمہارا

اعتماد کو ٹھیس نہیں پہنچانا چاہتی۔ میں تمہاری نفرت برداشت نہ کر سکوں گی۔"

فلورا کے آنسوؤں کا بند ٹوٹ گیا۔

وہ پھوٹ پھوٹ کر رونے لگی۔

عثمان کی بے چینی بڑھ گئی۔ اسے یہ تو اندازہ ہو گیا کہ ماضی کا کوئی غم اندر ہی اندر فلورا کو کھائے جا

مگر وہ غم کیا ہے؟

وہ کونسا راز ہے جسے فلورا اس سے چھپا رہی ہے؟

عثمان نے بڑے محبت آمیز انداز میں کہا:

"فلورا۔ اگر تمہیں یہ خیال ہے کہ تمہارا غم سننے اور راز معلوم کرنے کے بعد میں تم سے نفرت کرنے

تو اس خیال کو اپنے دل سے نکال دو۔ مجھے تمہارے ماضی کا کوئی غم نہ ہوگا۔ اگر تم سے ماضی میں کوئی غلطی ہو گئی ہے تو

دل سے اسے معاف کرتا ہوں۔ اگر تم نہیں بتانا چاہتیں تو نہ بتاؤ لیکن مجھ سے محبت کرنے کا حق نہ چھینو۔"

"نہیں عثمان۔ میں نے کوئی غلطی نہیں کی۔" فلورا تڑپ کر بولی:

"میں مجبور تھی عثمان، مجبور.... مجھ پر ظلم کیا گیا۔ مجھ پر ظلم ہوا ہے۔"

"کس نے ظلم کیا ہے۔ کیا ظلم ہوا ہے؟" عثمان نے بے چینی سے پوچھا:

"فلورا۔ لوگ اپنا غم تو دیواروں سے کہہ دیتے ہیں پھر میں تمہارا ہمدرد ہوں۔ میں تم سے محبت کرتا

ماضی کا کوئی داغ میری شفاف محبت میں حائل نہیں ہو سکتا۔ مجھ پر اعتماد کرو فلورا۔"

فلورا نے محسوس کیا کہ اگر اب بھی اس نے عثمان سے اپنا غم بیان نہ کیا تو وہ ایک ایسے وہم کا شکار

ے گا جسے دور کرنا ناممکن ہو گا۔

اس نے اپنا ہاتھ عثمان کے ہاتھ میں تھما دیا اور پھر ہچکیوں، سسکیوں اور آنسوؤں کی جھڑی کے درمیان وہ

م باتیں بیان کر دیں جن کا بھاری بوجھ اٹھاتے اٹھاتے وہ اندر سے ٹوٹ پھوٹ گئی تھی۔

عثمان نے بڑے صبر و تحمل سے تمام باتیں سنیں اور جب وہ خاموش ہوئی تو اس نے کہا:

"تم بڑی باحوصلہ لڑکی ہو۔ یقین کرو تمہارے اس اظہار سے تم پر میرا اعتماد اور پختہ ہو گیا ہے اور میں یہ

محسوس کرتا ہوں کہ میری محبت میں اور زیادہ شدت پیدا ہو گئی ہے۔"

فلورا نے آنسو پونچھ ڈالے۔

پھر حیران نظروں سے عثمان کو دیکھتے ہوئے پوچھا:

"عثمان! کیا تم نے واقعی مجھے دل سے معاف کر دیا اور اب بھی تم مجھ سے محبت کرتے ہو؟"

"کہہ تو دیا فلورا۔" عثمان نے اس کا ہاتھ محبت سے دباتے ہوئے کہا:

"مجھے اب پہلے سے زیادہ تم سے محبت ہو گئی ہے۔"

"تم کتنے فراخدل ہو عثمان۔" فلورا نے بھرائی ہوئی آواز میں کہا:

"ایک بات اور سن لو۔ میرے باپ کی شہنشاہِ ہسپانیہ سے یہ بغاوت میری وجہ سے ہوئی ہے۔ میں

نے یہ تمام باتیں ایک معتمد ملازم کے ذریعے ابا جان تک پہنچا دی تھیں اور وہ بڑی خوش اسلوبی سے مجھے

طلیطلہ سے نکال لائے تھے۔"

اس وقت مریم اور حبیب ہنستے ہوئے ان کی طرف آتے دکھائی دیے۔

فلورا نے فوراً اپنی حالت درست کر لی اور جب وہ قریب پہنچے تو فلورا اس طرح مسکرا رہی تھی جیسے اسے

کوئی غم نہیں۔

مریم نے قریب پہنچ کر ہنستے ہوئے کہا:

"یہ اس گوشے میں بیٹھے کیا باتیں ہو رہی ہیں عثمان بھیا؟"

عثمان اس وقت تک اپنی حالت پر قابو پا چکا تھا۔ اس نے اطمینان سے کہا:

"کچھ بھی نہیں مریم! آپ کی بہن آج کچھ زیادہ ہی تھک گئی تھیں۔ یہ ذرا ستانے یہاں آ گئیں۔"

"ہاں بھئی۔ تھکن ہونا تو ضروری ہے۔" حبیب نے خواہ مخواہ اپنی ٹانگ اڑا دی:

"وہ دیکھیے نا، تلوار کے قبضے پر ہاتھ جمانا پھر....."

فلورا نے بات کاٹ دی:

"حبیب بھائی! یہ تلوار کے قبضے پر ہاتھ جمایا جاتا ہے یا پنجہ اسے گرفت میں لیتا ہے؟"

حبیب گڑبڑا گیا اور سنبھلتے ہوئے بولا:

"جی ہاں..... جی ہاں۔ میرا یہی مطلب تھا۔ تلوار پہ پنجہ جمانا پھر تلوار سونت کر ہوا میں اسے لہرانا، گمانا، جھٹکائی دینا اور پھر....."

"دشمن کا سر قلم کرنا" مریم ایک بھرپور قہقہہ لگا کر بولی۔

فلورا نے کہا:

"مریم! تم تو بلاوجہ حبیب بھائی کا مذاق اڑاتی ہو۔ وہ تو ایک معقول بات کہہ رہے تھے اور خواہ مخواہ قہقہہ لگا دیا"

حبیب، مریم کے آگے ڈھال بن کر آ گیا اور فوراً بولا:

"نہیں فلورا۔ مریم کا قہقہہ بڑا برمحل اور مناسب تھا۔ پرانے شمشیر زنوں نے کہا ہے کہ اگر مقابلے کے وقت مسکرا کر تلوار کا وار کیا جائے تو دشمن گھبرا جاتا ہے اور قہقہہ لگا کر حملہ کیا جائے تو ہاتھ سے تلوار چھوٹ جانا کوئی بڑی بات نہیں..... اس لیے مریم کا قہقہہ لگانا بہت ضروری تھا"

عثمان سے برداشت نہ ہوا۔ اس نے کہا:

"واہ بھائی جان۔ آپ کا جواب نہیں۔ کہاں کا ٹکڑا کہاں لگایا ہے آپ نے"

اس کی بات پر سب ہنسنے لگے۔

حبیب نے سب کو ہنستے دیکھا تو خود بھی ہنس پڑا۔

○

کاؤنٹ جولین نے ایک مہینے کے اندر اندر ہسپانیہ کے خلاف علمِ بغاوت بلند کرنے کے انتظامات کر لیے۔ اس کے فوجی دستے جب پوری طرح تیار ہو گئے تو اس نے اپنے نائب گراڈیل کے مشورے سے اپنے تمام چھوٹے بڑے سرداروں کی ایک کانفرنس بلائی۔ اس کانفرنس میں مسلم دستے کے سردار حبیب کو بھی شرکت کی خصوصی دعوت دی گئی۔

حبیب نے قلعہ سبتہ کو اندر سے اب تک نہ دیکھا تھا۔ قلعے پر دونوں یلغاروں میں اس نے حصہ لیا تھا لیکن قلعے میں آنے کا یہ اس کا پہلا موقع تھا۔ قلعہ سبتہ باہر سے جس قدر بلند و بالا مضبوط اور شاندار تھا اندر سے بھی اسی قدر خوبصورت اور آراستہ تھا۔

کاؤنٹ جولین نے حبیب کو اس لیے کانفرنس میں شرکت کی دعوت دی تھی تاکہ وہ ہر قدم شہنشاہِ ہسپانیہ کے خلاف اٹھائے اس سے حبیب باخبر رہے اور قیروان کو ہر بات سے آگاہ کرتا رہے۔ حبیب کی بھی یہی خواہش تھی۔ اسے قلعے میں آنے کا کوئی شوق نہ تھا لیکن امیر کے حکم کی وجہ سے اسے شرکت کرنی پڑی اسلیے کہ وہ جولین کی نقل و حرکت سے خود کو باخبر رکھنا اپنا فرض سمجھتا تھا۔

حبیب بن اسد کی عمر کچھ زیادہ نہ تھی۔ وہ عثمان اور حبیب کے تقریباً ہم عمر تھے لیکن ان میں ان بھائیوں کی طرح لڑکپن اور لاابالی پن نہ تھا۔ وہ بلا کے سنجیدہ اور ذہین تھے۔ یہی وجہ تھی کہ وہ اس عمر میں ابن مرجع جیسے تجربہ کار سردار کے نائب بن گئے تھے۔ انہوں نے مریم اور فلورا کو ابنِ مرجع کے مکان پر اکثر دیکھا تھا لیکن انہوں نے کبھی ان کی طرف آنکھ اٹھا کر بھی نہ دیکھا تھا۔ وہ ایک سچے اور دیندار مسلمان تھے۔

کانفرنس کے کمرے پر کاؤنٹ جولین نے حبیب کو خوش آمدید کہا۔ حبیب بالکل تنہا آئے تھے۔ انہوں نے اپنے ساتھ لانے کی ضرورت محسوس نہ کی۔

کانفرنس ہال میں کاؤنٹ جولین کے سب سردار اکٹھے تھے۔ انہوں نے بھی حبیب کو ہاتھوں ہاتھ لیا۔ جولین نے حبیب کے سامنے ایک نیا نقشہ پیش کیا جس میں لال رنگ کے نشانات سے اس علاقے کی نشاندہی کی گئی تھی جس پر کاؤنٹ جولین نے حملہ کرنے کا منصوبہ بنایا تھا۔

کاؤنٹ جولین نے حبیب کو بتایا کہ یہ علاقہ مدینہ شذونہ کے نام سے مشہور ہے۔ اگرچہ یہ سلطنتِ ہسپانیہ کی ایک معمولی ساحلی پٹی ہے لیکن اس میں بے شمار کلیسا اور گرجا ہیں۔ ان میں پادریوں کو مذہبی تعصب کی تعلیم دی جاتی ہے۔ یہ پادری جب تعلیم پا کر ہسپانیہ کے مختلف مقامات پر اپنے فرائض سنبھالتے ہیں تو غیر عیسائیوں کو حقیر و ذلیل سمجھنے کے علاوہ ان پر ظلم کرنا اپنا مذہبی فریضہ سمجھتے ہیں گویا یہ علاقہ مذہبی منافرت پھیلانے والوں کا گڑھ تھا۔

حبیب نے کاؤنٹ جولین کی رائے سے پورا پورا اتفاق کیا۔

اس کے بعد جولین کے دستوں کی روانگی کے دن اور وقت کا تعین ہوا۔ دستوں کی تعداد پہ گفتگو ہوئی۔ نقل و حمل اور سامانِ رسد پہ بات چیت ہوئی۔ تمام باتیں ہو گئیں۔ تفصیلات تک طے ہو گئیں مگر کانفرنس کو ختم کرنے کو کوئی بات نہ تھی لیکن نہ کاؤنٹ جولین کانفرنس کے خاتمے کا اعلان کرتا تھا اور نہ حبیب ہی اٹھنے کے لیے تیار تھے۔ یوں معلوم ہوتا تھا جیسے دونوں سردار کچھ کہنا چاہتے تھے لیکن الفاظ ان کے لبوں پر آ کر رک جاتے تھے۔

کانفرنس ہال میں کامل خاموشی طاری تھی۔ کئی منٹ اسی گومگو کی حالت میں گزر گئے۔ کاؤ
شاید یہ احساس ہوا کہ کہیں حبیب اٹھ کر نہ چلے جائیں اور وہ جو کچھ کہنا چاہتا ہے، نہ کہہ رہے
زبان کھولی۔

کاؤنٹ جولین نے بڑے مہذب لہجے میں حبیب کو مخاطب کرتے ہوئے کہا:

"سردارِ محترم! ہم نے جس علاقے کی نشاندہی کی ہے۔ یہاں ہسپانوی چھاؤنی موجود نہ
کہ وہاں ہم ایک سخت آزمائش سے گزریں گے۔ ہم جانتے ہیں کہ اس مہم میں نہ تو آپ ہم سے
کریں گے اور نہ ہم اس کے خواہاں ہیں۔ پھر بھی ہم یہ چاہتے ہیں کہ مدینہ شدونہ کے میدان
گزرے اس کا حال آپ سے آپ کا کوئی آدمی بیان کرے۔"

کاؤنٹ جولین اپنا دلی مقصد بیان کرنے کے بعد خاموش ہو گیا۔

اسے اس بات کا خطرہ تھا کہ اگر اس نے مدینہ شدونہ کی مہم سے واپس آکر وہاں کا حال بیان
کیا تو پتہ نہیں حبیب کو اس کی بات کا یقین آئے یا نہ آئے۔ اور حبیب کی اطلاع پر مسلمانوں کے
کا فیصلہ ہونا تھا۔

عجیب بات یہ تھی کہ اس قسم کا خطرہ خود حبیب کو بھی تھا۔ اسے اس مہم کی خبر موسیٰ بن نصیر کو بھیجنی
تاکید کی گئی تھی کہ کاؤنٹ جولین جو کرنا چاہے اسے کرنے دیا جائے۔ مسلمان دستے اس کی کسی بھی
لیں گے۔

ان حالات میں حبیب کے لیے سوائے اس کے اور کوئی چارہ نہ تھا کہ وہ کاؤنٹ جولین پر اعتماد
وہ بیان کرتا اس کی روشنی ہی میں وہ موسیٰ بن نصیر کو کچھ لکھ سکتا تھا۔

کاؤنٹ جولین نے اس وقت جو تجویز اس کے سامنے پیش کی اس نے حبیب کی مشکل کو حل
اس نے فوراً کہا:

"نواب جولین۔ آپ کی تجویز نہایت معقول ہے۔ ہمیں اگرچہ آپ پر پورا پورا اعتماد ہے لیکن یہ
معلوم ہوتا ہے کہ اس مہم کے دوران ہمارا ایک آدمی یا کچھ لوگ آپ کے ساتھ جائیں۔ اب آپ ہی بتائیں کہ
کے ساتھ کتنے آدمی روانہ کریں؟"

کاؤنٹ جولین کی تجویز منظور ہوئی تو وہ خوش ہو کر بولا:

"سردارِ محترم۔ آپ جتنے آدمی چاہیں ہمارے ساتھ بھیج سکتے ہیں لیکن ہم فی الحال شہنشاہ ہسپانیہ
نہیں ہونے دینا چاہتے کہ ہمارے ساتھ مسلمان بھی ہیں۔ اس سے راڈرک کے چوکنا ہو جانے کا اندیشہ

یہ زیادہ مناسب ہے کہ آپ صرف ایک دو آدمی ہمارے ساتھ کر دیں۔ انہیں بھی ہم سبتہ کے سپاہیوں
کے لباس میں چھپا کر لے جائیں گے تاکہ شاہی لشکر کو کسی قسم کا شبہ نہ ہو۔"

ایک دو آدمیوں کے نام پر حبیب کو خیال آیا کہ کیوں نہ ابن مرجع کے دونوں لڑکوں کو کاؤنٹ کے
ساتھ بھیج دیا جائے۔ ان پر کاؤنٹ جولین کو اعتبار بھی ہے اور موسیٰ بن نصیر کے لیے ان دونوں کی شہادت زیادہ
وزنی ثابت ہوگی۔

حبیب نے کہا:

"کاؤنٹ جولین۔ ہم آپ کی دور اندیشی کی داد دیتے ہیں۔ اگر آپ پسند کریں تو عثمان اور حبیب کو ہم آپ
کے ساتھ بھیج دیں۔"

"بہت مناسب ہے سردارِ محترم۔ وہ دونوں بچے نہایت شریف اور دلیر ہیں۔" کاؤنٹ جولین نے فوراً

عثمان اور حبیب سے زیادہ بہتر گواہ اسے ملنا مشکل تھے۔ پھر اس مہم میں فلورا اور مریم شریک ہو رہی تھیں
یہ پہلا موقع تھا اس لیے ضروری تھا کہ ان کے ساتھ معقول محافظوں کو رکھا جائے۔ عثمان اور حبیب ہر طرح
مناسب تھے۔

دوسرے دن قلعہ سبتہ پر لہرانے والا ہسپانوی پھریرا اتار دیا گیا جو اس بات کی علامت تھا کہ سبتہ والوں نے
ہسپانوی شہنشاہیت کا طوق اپنی گردن سے اتار پھینکا ہے۔ سبتہ کے عوام، شہنشاہ ہسپانیہ سے
بددل تھے کیونکہ مسلمانوں کے دونوں حملوں کے وقت کاؤنٹ جولین نے بار بار شہنشاہ سے مدد مانگی مگر اس نے
توجہ نہ دی۔

قلعے سے ہسپانوی پرچم اترنے پر عوام نے اپنی مسرت کا اظہار کیا۔ اس مسرت میں وہ لوگ بھی شامل
تھے جو ہسپانوی علاقوں سے بھاگ کر سبتہ آ گئے تھے۔ ان میں عیسائی عوام بھی تھے اور یہودی بھی۔ ہسپانیہ کی سرزمین
یہ ہسپانیوں اور تمام یہودیوں کے لیے تنگ ہو گئی تھی۔ وہاں کلیسا کے پادریوں کا راج تھا یا پھر شہنشاہ
کا۔

کاؤنٹ جولین کی فوج ایک ہزار پیدل اور پانچ سو سواروں پر مشتمل تھی لیکن یہ سبتہ کی بہترین فوج تھی اور
اس میں برق رفتار جارحانہ حملوں کی پوری صلاحیت موجود تھی۔

اس مہم پر جانے کے لیے فلورا اور مریم نے باپ کو پہلے ہی راضی کر لیا تھا۔ جب انہیں معلوم ہوا کہ ان کے
ساتھ عثمان اور حبیب بھی جا رہے ہیں تو ان کی خوشی کی انتہا نہ رہی۔ مریم اور فلورا نے ایک دوسرے کو اس بات کی

مبارک باد بھی دی۔

کاؤنٹ جولین بڑی تیزی سے مدینہ شدونہ کی طرف بڑھا۔ اس نے اس ساحلی پٹی میں پہنچ
پہلے ہسپانوی فوجی چھاؤنی کو اپنے گھیرے میں لے لیا۔ چونکہ کاؤنٹ جولین کے فوجیوں کی وردی ہر
طرح تھی اس لیے عوام نے اس طرف کوئی توجہ نہ دی۔ ان کو یہی گمان ہوا کہ یہ بھی شاہی فوج ہے۔

چھاؤنی کو پوری طرح گھیرنے کے بعد کاؤنٹ جولین نے ایک سوار کے ذریعے چھاؤنی کے
ڈالنے کا حکم دیا۔ چھاؤنی کا حاکم یہ سن کر ہکا بکا رہ گیا۔ اسے جب یہ معلوم ہوا کہ والیٔ سبتہ نے بغاوت
کاؤنٹ جولین خود اس کی کمان کر رہا ہے تو وہ اور زیادہ پریشان ہوا۔

چھاؤنی میں تین ہزار کے قریب فوجی موجود تھے اس لیے حاکم چھاؤنی نے ہتھیار ڈالنے
کا فیصلہ کیا اور فوج کو تیار کر کے مورچے سنبھال لیے۔

کاؤنٹ جولین نے فوراً گھیرا تنگ کرنے کا حکم دیا۔

پھر دونوں طرف سے تیروں کی بارش ہو گئی۔

کاؤنٹ جولین نے اپنے سواروں کے ساتھ بڑا شدید حملہ کیا اور لڑتا بھڑتا چھاؤنی کے اندر
کے ساتھ ہی اس کے پیدل دستے بھی چھاؤنی کے اندر پہنچ گئے اور دست بدست جنگ ہونے لگی۔
کی تعداد کاؤنٹ جولین کی فوج سے دوگنی تھی لیکن اس کے تیر اندازوں اور شمشیر زنوں نے تباہی مچا د
تلوار بلند کیے پوری چھاؤنی میں ادھر ادھر بھاگ کر اپنے سپاہیوں کے دل بڑھاتا پھر رہا تھا۔ فلورا
مردانہ وار دشمنوں پر حملہ کر رہی تھیں۔ ان کی حفاظت کے لیے عثمان اور حبیب کی تلواریں تھیں۔ جو
فلورا اور مریم کو گھیرنے کی کوشش کرتا تو یہ دونوں بھائی اس پر بلائے بے درماں کی طرح ٹوٹ پڑ
دم میں ان کا صفایا کر دیتے۔

آخر چار گھنٹے کی لڑائی کے بعد مدینہ شدونہ کے شاہی لشکر نے شکست کھائی اور چھاؤنی چھوڑ
ہوا۔ کاؤنٹ جولین کے سپاہیوں نے دور تک بھاگنے والوں کا تعاقب کیا۔

فتح حاصل ہونے کے بعد کاؤنٹ جولین نے پورے شہر میں اعلان کرا دیا کہ اسے عوام سے کو
اس کا جھگڑا صرف شہنشاہ راڈرک سے ہے اور اس کے ہمدرد پادریوں سے ہے۔ اس نے یہ بھی اعلان کیا
عوام پر ظلم کرتے اور ان کا حق انہیں نہیں دیتے۔ اس لیے وہ عوام کو پادریوں اور کلیساؤں سے نجات
اس اعلان کے بعد کاؤنٹ جولین نے کلیساؤں پر حملہ کر دیا۔ ان میں آگ لگا دی اور تمام پادریوں کو
گرجاؤں کو منہدم کر کے انہیں زمین کے برابر کر دیا۔ پھر کاؤنٹ جولین نے اپنی فوج اور عوام کو حکم

امیروں اور شاہی کارندوں کے محلات کو لوٹ لیں۔

صدیوں کے پسے ہوئے عوام یہ حکم پاتے ہی محلوں پر ٹوٹ پڑے۔ انہوں نے فوج کے ساتھ [illegible] کے
مکینوں کو قتل کر کے تمام مال و اسباب لوٹ لیا۔

کاؤنٹ جولین کے زبردست حملے سے شام تک مدینہ شدونہ کی پوری ساحلی پٹی قبرستان بن چکی تھی۔ رات
ہوتے ہی اس نے اپنے تمام فوجیوں کو ایک جگہ اکٹھا کیا اور پھر جس تیز رفتاری سے وہ حملہ آور ہوا تھا، اسی تیزی
سے قلعہ سبتہ کی طرف واپس ہوا۔

اس حملے میں شاہی فوج کے ایک ہزار سے زیادہ سپاہی کاؤنٹ جولین کے فوجیوں کے ہاتھوں مارے گئے۔

کاؤنٹ جولین کا جانی نقصان بہت کم ہوا، البتہ زخمیوں کی تعداد زیادہ تھی۔

زخمیوں کو کاؤنٹ جولین بحفاظت اور بڑے آرام سے اپنے ساتھ واپس لے گیا۔ اس لڑائی میں کاؤنٹ جولین
کے کئی زخم آئے تھے۔ اس کا لباس خون سے تربتر تھا لیکن زخم ہلکے تھے۔

حبیب کے بائیں شانے پر ایک گہرا زخم آیا تھا۔ عثمان کے پیر میں ایک تیر پیوست ہو گیا تھا جس کو اس نے
نکال تو دیا لیکن زخم سے اب تک خون جاری تھا اور اسے فرصت نہ ملی تھی کہ اس پر پٹی باندھ سکے۔

ادھر کاؤنٹ جولین کے مہم پر روانہ ہوتے ہی حبیب بن اسد کے حکم سے قلعہ سبتہ کے گرد مسلمان
فوجیوں نے حفاظتی حصار بنا دیا تھا تاکہ اگر کسی طرف سے حملہ ہو تو قلعے کی پوری طرح حفاظت کی جا سکے۔

سبتہ کے علاقے اور قلعے والے مسلمانوں سے بہت خوش تھے اور اب وہ رات کو اطمینان سے سوتے تھے
انہیں اب کسی طرف سے حملے کی فکر نہ تھی۔ ان کے محافظ مسلمان رات دن پہرہ دیتے تھے اور وہ چین کی بنسی بجاتے
تھے۔

حبیب بن اسد کا طریقہ تھا کہ وہ نماز فجر سے فارغ ہو کر گھوڑے پر بیٹھتا اور قلعہ سبتہ کے گرد ایک چکر
لگا کر دفاعی انتظامات کو خود اپنی آنکھوں سے دیکھتا اور ضرورت کے مطابق احکامات جاری کرتا۔
اس دن وہ قلعے کا چکر لگا کر واپس آیا تو اسے کاؤنٹ جولین کی واپسی کی اطلاع ملی۔ وہ جلدی سے
باہر آ گیا۔

کاؤنٹ جولین نے اپنے دستوں کو تو قلعے میں بھیج دیا اور خود سیدھا حبیب بن اسد کے پاس پہنچا۔

اس کے کپڑوں پر خون خشک ہو گیا تھا اور جگہ جگہ کپڑے جسم سے چمٹے ہوئے تھے۔ جولین اسی حالت میں حبیب کے پاس پہنچا۔

کاؤنٹ جولین نے گھوڑے سے اترتے ہوئے کہا:

"مسلم سردار کو کامیاب یلغار مبارک ہو۔ میرے دستوں نے ہسپانوی ساحلی پٹی مدینہ شدونہ میں ایسی مچائی ہے کہ شہنشاہ ہسپانیہ حیران رہ جائے گا"۔

حبیب بن اسد نے اسے گلے لگا کر جواباً مبارک باد دی اور کہا:

"کاؤنٹ! ہمیں آپ کی جوانمردی اور بہادری سے ایسی ہی امید تھی"۔

اب عثمان اور حبیب بھی ان کے پاس پہنچ گئے تھے۔ کچھ سوار، سامان گھوڑوں پر بار کیے ہوئے ساتھ تھے۔ کاؤنٹ جولین نے سامان کھولنے کا حکم دیا۔

سامان میں سونے چاندی کے سکے، ظروف اور بیش قیمت جواہرات تھے۔

کاؤنٹ جولین نے کہا:

"یہ وہ سامان ہے جو اس مہم میں حاصل ہوا ہے۔ محترم سردار! یہ سب آپ کی نذر ہے"۔

حبیب بن اسد نے مسکرا کر کہا:

"یہ مالِ غنیمت بھی تم کو مبارک ہو۔ ہمارا اس پر کوئی حق نہیں"۔

پھر اس کی نظر عثمان پر پڑی جو لنگڑا کر چل رہا تھا۔

حبیب نے پوچھا:

"عثمان! تمہارے پاؤں میں کیا ہوا؟"

عثمان نے لاپروائی سے جواب دیا:

"کچھ نہیں سردار...... تیر لگ گیا تھا جسے میں نے نکال دیا ہے...... ہاں بھائی حبیب کے شانے پر گہرا زخم آیا ہے ان کی مرہم پٹی ضروری ہے"۔

"ان کی مرہم پٹی قلعے میں ہوگی" کاؤنٹ جولین نے حکم دیا:

"تم دونوں قلعے میں چلو وہاں اس کا بہتر انتظام ہے"۔

عثمان نے حبیب بن اسد کی طرف دیکھا جیسے اجازت طلب کر رہا ہو۔

حبیب بن اسد کو عثمان سے مہم کے حالات معلوم کرنا تھے۔ اس نے کہا:

"کاؤنٹ آپ قلعے میں تشریف لے چلیے۔ میں ان کو ابھی وہیں بھیج دوں گا"۔

کاؤنٹ جولین، حبیب بن اسد کا مطلب سمجھ گیا اور قلعے کی طرف واپس ہوا۔

حبیب بن اسد نے کہا:

"کاؤنٹ یہ مالِ غنیمت آپ اپنے ساتھ لیتے جائیے۔ یہ آپ کے سپاہیوں کی محنت ہی کا صلہ ہے"۔

کاؤنٹ جولین سامان لے کر قلعے میں چلا گیا۔

حبیب بن اسد نے عثمان کے بھائی حبیب کا زخم دیکھا۔ زخم گہرا تھا۔ انہیں بڑی تشویش ہوئی۔ پھر انھوں نے بڑی جلدی مہم کی تفصیل سنی اور ادھر سے مطمئن ہو کر عثمان اور حبیب کو قلعے میں بھیج دیا۔

حبیب بن اسد نے اسی وقت ایک سوار اور ایک شتر سوار قیروان روانہ کیے جن کے ذریعے اس نے کاؤنٹ جولین کی کامیاب مہم کا پورا حال موسیٰ بن نصیر کو لکھ بھیجا۔

عثمان اور حبیب قلعے میں پہنچے تو فلورا اور مریم کو اپنا منتظر پایا۔ سبتہ کے کئی جراح اور حکیم وہاں موجود تھے۔ حبیب کے شانے کا زخم بہت گہرا تھا مگر وہ حسبِ معمول مسکرا رہا تھا اور اس طرح جنگی ہتھیاروں کا ذکر کر رہا تھا جیسے اسے کوئی تکلیف نہیں۔

جراح نے زخم میں دوا بھر کر پٹی باندھ دی۔ عثمان کا زخم بظاہر معمولی معلوم ہوتا تھا لیکن جب جراح نے اسے دیکھا تو وہ گھبرا گیا کیونکہ عثمان نے تیر کھینچتے ہوئے بے احتیاطی برتی تھی جس سے آس پاس کا کافی گوشت ادھڑ گیا تھا۔

جس وقت جراح عثمان کی مرہم پٹی کر رہا تھا تو فلورا اس پر جھکی تشویش ناک نظروں سے اس کا زخم دیکھ رہی تھی لیکن عثمان کے چہرے پر شکن تک نہ تھی اور وہ ہنس ہنس کر باتیں کر رہا تھا۔

جراحوں نے رخصت ہوتے وقت عثمان اور حبیب کو آرام کرنے کا مشورہ دیا۔

شام کے وقت کاؤنٹ جولین اور حبیب بن اسد، ان کی عیادت کو آئے۔ کاؤنٹ جولین نے حبیب بن اسد کو عثمان اور حبیب کی بہادری کی داستان پہلے ہی سنا دی تھی۔ حبیب بن اسد نے انہیں خوش و خرم دیکھا تو بڑا اطمینان ہوا۔

کاؤنٹ جولین اور حبیب بن اسد کے جانے کے بعد مریم، حبیب کو اپنے کمرے میں لے گئی تاکہ اس کی رات دن تیمارداری کر سکے۔

فلورا نے بھی مریم کی تقلید کی اور عثمان کو اپنے کمرے میں اٹھوا لے گئی۔

عثمان کے پاؤں پر پٹیاں چڑھی تھیں اور وہ چل پھر نہ سکتا تھا، اس لیے اسے ایک غلام کا سہارا لے کر فلورا کے کمرے میں جانا پڑا۔

عثمان کو شام ہی سے ہلکا ہلکا بخار ہو گیا تھا۔ رات ہوتے ہوتے بخار میں تیزی آ گئی۔ فلورا اور
اس کی تیمار داری کے لیے موجود تھیں۔

آدھی رات گزر گئی مگر عثمان کے بخار میں کوئی کمی نہ ہوئی۔ پھر اس پر بے ہوشی اور ہذیانی کیفیت طاری ہو گئی۔

فلورا نے فوراً باپ کو خبر کرائی۔

کاؤنٹ جولین نے آ کر عثمان کی نبض پر ہاتھ رکھا تو وہ تیزی سے پھڑک رہی تھی۔ اس کا پورا جسم
طرح تپ رہا تھا۔ کاؤنٹ نے پریشان ہو کر حبیب بن اسد کو خبر بھجوائی۔

حبیب ابھی ابھی آرام کے لیے لیٹے تھے۔ اطلاع پاتے ہی وہ قلعے میں آ گئے۔

حبیب بن اسد نے بھی عثمان کی نبض دیکھی۔

اس وقت عثمان کا بھائی حبیب، مریم اور مریم کی والدہ بھی عثمان کے کمرے میں پہنچ چکی تھیں،
کو بار بار ہذیانی دورہ پڑتا۔ وہ بے ہوشی کے عالم میں بڑبڑاتا۔ حبیب بن اسد کو خطرہ پیدا ہو گیا۔
کاؤنٹ جولین سے کسی اچھے طبیب کو بلانے کے لیے کہا۔

کاؤنٹ کو بھی عثمان بہت عزیز تھا۔ اس نے ایک نہیں بلکہ قلعے میں رہنے والے تمام طبیبوں کو بلوا لیا۔

طبیبوں نے باری باری عثمان کا معائنہ کیا۔ پھر انھوں نے متفقہ طور پر بتایا کہ فکر کی کوئی بات نہیں۔ بخار صبح ہونے تک اتر جائے گا۔ جسمانی تھکن اور زخم کی تکلیف سے عثمان کی یہ کیفیت ہوئی ہے۔

طبیبوں کے اطمینان دلانے سے سب کی جان میں جان آئی۔ فلورا نے تو رو رو کر برا حال کر لیا۔ مریم نے اسے دوسرے کمرے میں پہنچا دیا تھا۔

اسی حالت میں ایک گھنٹا اور گزر گیا۔ طبیبوں نے پھر معائنہ کیا اور اعلان کیا کہ بخار میں کمی واقع ہو گئی اور اب بخار بتدریج کم ہی ہوتا رہے گا..... لیکن کاؤنٹ جولین اور حبیب بن اسد کی پریشانی کم نہ ہوئی۔ دونوں عثمان کے بستر کے پاس بیٹھے رہے۔

طبیبوں کی تشخیص ٹھیک نکلی۔ صبح کی پہلی کرن کے ساتھ عثمان کا بخار بالکل اتر گیا۔ حبیب بن اسد

فجر کی نماز قلعے کے اندر ہی پڑھی اور عثمان کی صحت کے لیے اللہ تعالیٰ سے دعا کی۔

عثمان نے آنکھیں کھولیں تو اتنے سارے آدمیوں کو اپنے گرد جمع دیکھ کر گھبرا گیا۔ اس نے حبیب بن اسد کو قریب بیٹھے دیکھا تو سلام کر کے اٹھنے کی کوشش کی مگر حبیب بن اسد نے اشارے سے اسے منع کیا اور پوچھا:

"اب کیسے ہو عثمان؟"

"الحمدللہ..... میں بالکل ٹھیک ہوں۔" عثمان نے پریشان ہو کر کہا:

"آپ سب لوگ میرے پاس کیوں اکٹھے ہیں؟"

"تمھیں رات بھر تیز بخار چڑھا رہا۔ اللہ کا شکر ہے کہ تم نے آنکھیں کھولیں۔" حبیب بن اسد نے جواب دیا، پھر کاؤنٹ جولین سے مخاطب ہوئے:

"کاؤنٹ! میں آپ کا ذاتی حیثیت سے شکر گزار ہوں۔ عثمان اور حبیب مجھے بہت عزیز ہیں۔"

کاؤنٹ جولین مسکرا کر بولا:

"شکریہ کس بات کا۔ یہ دونوں مجھے بھی بہت عزیز ہیں۔ میں ان کے گھر مہمان رہ چکا ہوں۔ آخر پاسِ مہمان نوازی بھی تو کوئی چیز ہے۔ پھر اس مہم میں ان دونوں نے ہمارے شانہ بشانہ دشمنوں کے مقابلے میں ایسی شجاعت کا مظاہرہ کیا ہے کہ میں ان کا احسان مند بھی ہوں۔"

سب کے چلے جانے کے بعد مریم نے چہک کر کہا:

"عثمان بھیا! بس اب جلدی سے اچھے ہو جاؤ۔ تم نے تو ہم سب کو گھبرا دیا تھا۔"

حبیب جو اب تک خاموش تھا، بولا:

"اور کیا..... تم پر تو بخار نے اتنا سخت حملہ کر دیا تھا کہ اگر بچاؤ نہ کیا جاتا تو....."

"خدا نہ کرے شکست کا سامنا کرنا پڑتا۔" مریم نے اس کی بات کاٹ دی:

"آپ کا حملہ شروع ہو گیا، حبیب صاحب! آپ کسی وقت تو میدانِ جنگ کو بھول جایا کیجیے۔"

"اچھا اب میں نہیں بولوں گا۔ مجھے اپنی شکست تسلیم ہے۔" حبیب مسکرایا۔

عثمان نے پوچھا:

"بھائی جان۔ آپ کا زخم کیسا ہے؟"

"میری فکر نہ کرو۔ زخم پوری طرح قابو میں ہے۔" حبیب نے ہنستے ہوئے کہا:

"میں تم سے زیادہ اپنا دفاع کر سکتا ہوں۔"

مریم، فکرمند فلورا کی طرف دیکھتے ہوئے بولی:

"اس بے چارے کا حال تو کسی نے پوچھا ہی نہیں"۔

"انہیں کیا ہوا؟ کیا یہ بھی بیمار ہو گئی تھیں؟" حبیب نے گھبرا کر پوچھا۔

"ان کی بیماری آپ کے جنگی دماغ میں نہیں آئے گی" مریم نے جل کر کہا:

"بس اب چلیے یہاں سے۔ ایک بیمار کے پاس ایک ہی تیمار دار رہنا چاہیے"۔

مریم اٹھ کھڑی ہوئی۔

حبیب کچھ سمجھا اور کچھ نہ سمجھا تاہم مریم کے ساتھ کمرے سے باہر چلا گیا۔

فلورا نے جلدی سے عثمان کی نبض پر ہاتھ رکھ دیا:

"شکر ہے۔ اب بخار بالکل نہیں"۔

فلورا نے عثمان کی نبض سے ہاتھ ہٹایا تو وہ بولا:

"ہاتھ نہ ہٹاؤ فلورا۔ ورنہ پھر بخار چڑھ جائے گا"۔

"اب بخار کا نام نہ لو عثمان۔ رات بھر تمام لوگ سخت پریشان رہے۔ تم نہ جانے بخار میں کیا کیا بکتے رہے"۔

فلورا خوشگوار لہجے میں بولی۔

عثمان نے مسکرا کر کہا:

"کہیں تمہارا نام تو میری زبان پر نہیں آیا؟"

"آیا تھا کئی بار"۔ فلورا بھی مسکرا دی:

"مگر وہ نام سوائے میرے اور کوئی نہ سن سکا"۔

"پیر کا زخم تو ٹھیک ہو ہی جائے گا لیکن....." عثمان کہتے کہتے رکا اور اٹھنے کی کوشش کی۔

"بس اب آپ لیٹے رہیے۔ زیادہ باتیں بنانے کی ضرورت نہیں"۔ فلورا شرما سی گئی۔

عثمان کو آج کچھ زیادہ ہی شوخی سوجھ رہی تھی۔ اس نے کہا:

"اگر تمہارے جیسا تیماردار ملے تو میں عمر بھر یونہی آرام سے لیٹنے کو تیار ہوں"۔

"عثمان! تم سپاہی ہو۔ سپاہیوں جیسی باتیں کیا کرو"۔ فلورا تلخی بھری محبت کے ساتھ بولی۔

"تو اب میں بھی بھائی جان کی طرح تیر و تلوار کی باتیں شروع کر دوں؟" عثمان نے کہا۔

"یہ میں نہیں کہتی لیکن....." وہ کہتے کہتے خود ہی جھینپ گئی۔

"کہہ دو نا کہ پیار کی باتیں اچھی نہیں لگتیں....." عثمان نے مصنوعی غصہ طاری کرنے کی کوشش کی۔

فلورا کا ہاتھ پھر اس کی نبض پر آ گیا۔

عثمان کا غصہ جاتا رہا۔ اس نے کہا:

"اصل دھڑکن تو دل کی ہوتی ہے"۔

عثمان نے فلورا کا ہاتھ پکڑ لیا، شاید دل پر رکھنے کے لیے۔

فلورا اس کا ہاتھ جھٹک کر کھڑی ہو گئی۔ باہر سے کسی کے قدموں کی آواز آ رہی تھی۔

مریم اور حبیب واپس آ گئے تھے۔

فلورا نے کہا:

"واپس کیوں آ گئیں۔ کیا حبیب بھائی نے کوئی نئی جنگ چھیڑ دی"۔

مریم ہنس کر بولی:

"تو اپنی فکر کر۔ جنگ نہ ہو تو ملاپ میں لطف ہی نہیں آتا"۔

"واہ واہ مریم۔ کیا تیر چلایا ہے تم نے۔ ٹھیک نشانے پر بیٹھا"۔ حبیب خوش ہو کر بولا:

"فلورا۔ اب بچاؤ اس شیر کو۔ ورنہ مات ہو جائے گی"۔

فلورا لاجواب ہو گئی۔ اس نے کہا:

"بھائی حبیب۔ آپ کے ہاتھ کا زخم خاصا گہرا ہے۔ آپ کو آرام کرنا چاہیے"۔

"ٹھیک ہے"۔ حبیب نے کہا۔ پھر سوچتے ہوئے بولا:

"ہاں مریم بتاؤ تا وہ بات جس کے لیے ہم آئے ہیں"۔

مریم بولی:

"بات یہ ہے کہ بھائی عثمان کو..... قیروان واپس جانا ہے۔ مسلم سردار حبیب صاحب نے دریافت کیا ہے کہ اگر عثمان واپس جانا چاہیں تو انہیں آرام سے قیروان بھیجا جا سکتا ہے"۔

"لیکن ابھی تو....." فلورا گھبرا گئی۔ وہ کیسے چاہتی کہ عثمان واپس چلا جائے۔

"گھبراؤ نہیں فلورا۔ ہم نے ابا جان سے سفارش کی ہے کہ عثمان کو ابھی نہ بھیجا جائے" مریم نے اپنے طور پر فلورا کو تسلی دی۔

عثمان نے کہا:

"اس سفارش کا شکریہ۔ لیکن اگر یہ سردار کا حکم ہے تو میں ہر صورت میں قیروان جاؤں گا"۔

"شاباش عثمان، سپاہی کی یہی شان ہونی چاہیے"۔ حبیب نے خوش ہوتے ہوئے کہا: "جنگ ہو یا امن۔

سردار کا حکم ماننا، سپاہی کا فرض ہے۔"

"آپ ذرا کم بولا کیجیے جبیب صاحب۔" مریم نے جھلا کر کہا:

"یہ حکم نہیں۔ انھوں نے دریافت کیا ہے۔ مقصد یہ ہے کہ اگر عثمان بھائی کی یہ خواہش ہو تو انہیں بھیجنے کا ور انتظام کیا جا سکتا ہے۔ فیصلہ ان کی مرضی پر ہے۔"

فلورا کے افسردہ چہرے پر بحالی آ گئی۔ اس نے امید افزا نظروں سے عثمان کو دیکھا۔

عثمان نے کہا:

"بھائی جان..... آپ نے کیا فیصلہ کیا ہے"۔

"میں نے..... میں نے" جبیب گڑبڑا گیا:

"میں تو خود کو دوسری جنگ کے لیے تیار کر رہا ہوں"۔

مریم نے مسکرا کر کہا:

"آپ ایک ہاتھ سے ضرور لڑیں گے..... ہاں عثمان بھائی آپ نے کیا فیصلہ کیا؟"

عثمان نے فلورا کو سوالیہ نظروں سے دیکھا:

فلورا بولی:

"میرے خیال میں تو انھیں یہاں زیادہ آرام ہے۔ سفر میں تکلیف بڑھ سکتی ہے"۔

"میرا بھی یہی خیال ہے"۔ عثمان نے اپنا فیصلہ سنایا تو فلورا کی آنکھوں میں چمک سی آ گئی۔

مریم، جبیب کا ہاتھ پکڑ کر کھینچتے ہوئے بولی:

"کیوں جبیب صاحب۔ میں نے کیا کہا تھا"۔

"آپ نے کہا تھا کہ بیمار اور تیمار دار کی رائے اکثر یکساں ہوتی ہے"۔

اور وہ دونوں ہنستے ہوئے واپس چلے گئے۔

○

مسلم سردار جبیب بن اسد جب عثمان کو دیکھ کر واپس گئے تو انہیں یہ دھڑکا پیدا ہوا کہ کہیں عثمان کی طبیعت زیادہ خراب نہ ہو جائے۔ اس لیے انھوں نے بہتر خیال کیا کہ اگر عثمان رضامند ہو جائیں تو انھیں قیروان بھیج دیا جائے۔ کیونکہ یہ ان کی ذمے داری تھی۔ وہ نہیں چاہتے تھے کہ اگر خدانخواستہ کوئی ایسی ویسی بات ہو جائے

ابن مرجع کے سامنے شرمندہ ہونا پڑے۔

جس وقت انہیں بتایا گیا کہ عثمان قیروان جانے سے یہاں رہنا بہتر سمجھتے ہیں تو انہوں نے اسی وقت ایک سوار کے ذریعے ابن مرجع کو عثمان کے زخمی ہونے کی پوری تفصیل لکھ بھیجی۔

انہوں نے اپنے خط میں خاص طور پر اس بات کا اظہار کیا کہ عثمان واپس نہیں آنا چاہتے اور ان کے علاج کا یہاں معقول انتظام کر دیا گیا ہے۔

جبیب بن اسد نے خط ابن مرجع کو لکھا تھا لیکن اس کا جواب مسلم سردار اعلا موسیٰ بن نصیر نے کاؤنٹ جولین کو بھیجا۔

موسیٰ بن نصیر نے کاؤنٹ جولین کو فوری مشورے کے لیے قیروان بلایا۔

کاؤنٹ جولین کو یہ بھی تاکید کی گئی کہ اگر عثمان اور جبیب سفر کے قابل ہوں تو انہیں اپنے ساتھ ہی قیروان لیتے آئیں۔

موسیٰ بن نصیر کو دربارِ خلافت سے پہلے خط میں تاکید کر دی گئی تھی کہ مہم کا آغاز کاؤنٹ جولین سے کرایا جائے تاکہ ایک طرف تو کاؤنٹ کی وفاداری کا ثبوت مہیا ہو جائے اور دوسری جانب یہ معلوم ہو سکے کہ اگر مسلمان ہسپانیہ پہ حملہ آور ہوئے تو انہیں کس حد تک مدافعت کا سامنا کرنا پڑے گا۔ جبیب بن اسد نے جو دوسرا خط ابن مرجع کو لکھا تھا وہ انھوں نے موسیٰ بن نصیر کو دکھایا۔

کاؤنٹ جولین کی کامیاب مہم کی اطلاع انہیں پہلے ہی مل چکی تھی اور انھوں نے یہ خبر دربارِ خلافت بھی بھجوائی تھی لیکن موسیٰ بن نصیر چونکہ محاذِ جنگ سے بہت دور تھے اور آئندہ مہم کی پوری ہی ذمے داری ان پر تھی اس لیے وہ اپنی جگہ پوری طرح مطمئن ہونا چاہتے تھے۔

پہلے انہوں نے ارادہ کیا کہ وہ خود قلعہ سبتہ پہنچ کر حالات و واقعات کا جائزہ لیں لیکن بعض مصلحتوں کی بنا پر ان کا قیروان کو فی الحال چھوڑنا مناسب نہ تھا۔ اس لیے انھوں نے کاؤنٹ جولین کے ساتھ عثمان اور جبیب کو بلوایا تاکہ وہ ان دونوں سے جنگ کے پورے حالات سن سکیں۔

کاؤنٹ جولین کو قیروان آنے کا بلاوا ملا تو وہ بہت خوش ہوا۔ کیونکہ اسے مشورے کے لیے بلایا گیا اور صاف ظاہر ہے کہ یہ مشورہ آئندہ اقدام ہی کے لیے ہو سکتا تھا۔ ساتھ ہی اس نے مریم اور فلورا کو بھی تیار ہونے کا حکم دیا۔

وہ پہلے ہی موسیٰ بن نصیر کا اعتماد حاصل کرنے کے لیے اپنی بیٹیوں کو بطور یرغمال قیروان رکھنا چاہتا تھا اور اب تو جنگ کا وقت قریب آ رہا تھا اس لیے اس نے یہی مناسب سمجھا کہ مریم اور فلورا کو قیروان پہنچا دے تاکہ موسیٰ کو اس کی نیت پہ کسی طرح بھی شبہ نہ ہو۔

مریم اور فلورا کو جب یہ معلوم ہوا کہ انھیں باپ کے ساتھ نہ صرف قیروان جانا ہے بلکہ انھیں اب قیروان ہی رہنا ہوگا تو وہ بہت پریشان ہوئیں۔

لیکن ان کی یہ پریشانی اس وقت کمال مسرت میں بدل گئی جب انھیں بتایا گیا کہ عثمان اور حبیب کو واپس بلا لیا گیا ہے۔

حبیب اور عثمان پوری طرح صحت یاب نہیں ہوئے تھے لیکن اب تو والیِ قیروان نے انھیں طلب کیا تھا سوائے حکم بجا لانے کے اور کوئی چارہ نہ تھا۔ انہیں بھی معلوم ہو گیا کہ ان کے ساتھ کاؤنٹ جولین معہ اپنی فوج کے قیروان جا رہے ہیں۔ ایک تو گھر جانے کی خوشی، پھر مریم اور فلورا جیسی ہم سفر۔ ان کی خوشی کا کوئی ٹھکانہ نہیں تھا۔

کاؤنٹ جولین نے جلدی جلدی قیروان جانے کی تیاری کی..... روانگی کے وقت حبیب بن اسد الوداع کہنے آئے۔

مریم، فلورا، عثمان اور حبیب بھی تیار ہو کر آ گئے۔ سفری سامان گھوڑوں اور اونٹوں پر بار ہونے لگا۔ حبیب بن اسد ہر ایک سے مروّت اور اخلاق سے مل رہے تھے۔ انہوں نے ایک جگہ فلورا کو تنہا کھڑے دیکھا کی نظریں بچا کر اس کے قریب پہنچے اور آہستہ سے بولے:

"فلورا.....!"

فلورا کی پیٹھ ان کی طرف تھی۔ اس نے اپنا نام سنا تو پلٹ کر دیکھا..... حبیب بن اسد اس سے چند کے فاصلے پر تھے۔

فلورا نے بڑے مہذب لہجے میں پوچھا:

"سردار آپ نے مجھے آواز دی تھی؟"

ٹھیک اسی وقت کہیں سے عثمان آ گیا۔

حبیب بن اسد کچھ گھبرایا پھر سنبھل کر بولا:

"ہاں..... میں یہ کہہ رہا تھا کہ عثمان اور حبیب کا سفر میں خیال رکھنا۔ یہ ابھی پوری طرح تندرست نہیں ہوئے۔"

عثمان قریب پہنچ چکا تھا۔ اس نے ہنس کر کہا:

"سردار۔ آپ بالکل مطمئن رہیں۔ یہ اور مریم بڑی اچھی تیمار دار ہیں۔ جب تک قلعے میں رہا تو میں یہ سمجھتا رہا کہ جیسے میں اپنے گھر میں ہوں۔"

لیکن فلورا کے دل میں چور سا بیٹھ گیا۔ اسے پوری طرح یقین ہو گیا کہ حبیب بن اسد کچھ اور ہی کہنا چاہتے تھے، عثمان کو آتے دیکھ کر انہوں نے محض بات بنائی ہے۔ حبیب بن اسد کا اس کے دل میں بڑا احترام تھا لیکن اس وقت جو بات ہوئی تھی اس نے فلورا کو ایک عجیب الجھن میں ڈال دیا تھا۔ کچھ دن تو وہ اسی ادھیڑ بن میں رہی پھر اس نے اسے اپنا وہم سمجھ کر اپنے دل کو سمجھا لیا۔

لیکن یہ اس کا وہم نہ تھا۔

روانگی سے کچھ دیر پہلے اسے محسوس ہوا جیسے حبیب بن اسد نے اسے پھر آواز دی ہے۔ اس نے منہ گھما کر دیکھا حبیب بن اسد واقعی اس کے قریب تھے لیکن وہ تیزی سے دوسری طرف مڑ گئے۔ انہوں نے شاید حبیب اور فلورا کو آتے دیکھ کر ایسا کیا تھا۔

اب تو فلورا کو یقین ہو گیا کہ حبیب بن اسد اس سے کوئی خاص بات، کہنے کے لیے موقع تلاش کر رہے ہیں۔ مگر کیا؟ وہ فلورا سے کیا کہنا چاہتے ہیں۔ فلورا نے بہت سوچا مگر اسے اس کا کوئی جواب سمجھ میں نہ آیا۔

○

یہ مختصر قافلہ قیروان کی طرف روانہ ہوا۔

سب اپنے اپنے خیال میں گم تھے اس لیے سفر بڑی خاموشی سے طے ہوتا رہا۔ فلورا ضرورت سے زیادہ خاموش تھی۔ عثمان نے کئی بار اس سے پوچھا بھی لیکن فلورا کچھ نہ بتا سکی۔ وہ بتاتی بھی کیا۔

مریم اور حبیب نے بھی فلورا کی خاموشی کو محسوس کیا۔ مریم نے اسے ہنسانے کے لیے کئی لطیفے بھی سنائے مگر فلورا کی سنجیدگی میں کوئی فرق نہ آیا۔

عثمان کا یہ پورا سفر بڑی بے لطفی سے گزرا۔ اس کی سمجھ میں نہ آتا تھا کہ فلورا کو یہ ایکدم کیا ہو گیا ہے۔

آخر سفر ختم ہوا.....

یہ لوگ قیروان میں داخل ہو گئے۔

اس بے ثمر سفر سے سب کی طبیعتیں مکدّر تھیں۔ مریم کو تو فلورا پر غصہ آ گیا۔ اس نے بگڑ کر کہا:

"فلورا۔ تو نے سفر کے مزے کو ملیا میٹ کر دیا تجھے قیروان نہیں آنا تھا تو وہیں کہہ دیتی۔ میں ابا جان سے کہہ کر تجھے سبستہ میں ٹھہرنے کی اجازت دلا دیتی۔"

"یہ بات نہیں ہے مریم۔" فلورا کے دل پر بہت بوجھ تھا..... ناقابلِ برداشت بوجھ۔

"پھر کیا ہوا۔ کسی نے کچھ کہا..... گالی دی تجھے" مریم بپھر کر بولی۔

"مریم۔ تم سنو گی تو تم بھی میری طرح خاموش ہو جاؤ گی"۔ فلورا اپنے دل کا بوجھ ہلکا کرنے پر آمادہ!

"سناؤ مجھے۔ دیکھوں تو مجھ پر کیسے اثر ہوتا ہے" مریم ذرا نرم ہو گئی۔

فلورا رازدارانہ انداز میں بولی:

"تمہارا مسلم سردار حبیب بن اسد کے بارے میں کیا خیال ہے؟"

"بہت شریف اور معقول انسان ہیں" مریم نے فوراً جواب دیا۔

"میں بھی یہی سمجھتی تھی"۔ فلورا نے ادھر ادھر دیکھا اور بہت آہستہ سے کہا:

"لیکن آج انھوں نے مجھے دو بار آواز دی لیکن دونوں بار کوئی نہ کوئی آ گیا اور وہ کچھ نہ کہہ سکے"۔

"تو تو تمام راستے اسی الجھن میں گرفتار رہی"۔

مریم کا غصہ ختم ہو گیا اور چہرے پر مسکراہٹ آ گئی:

"تیرا کیا خیال ہے وہ تجھ سے کیا کہنا چاہتے تھے؟"

"یہی تو پتہ نہیں مریم..... میں تو ان کی بڑی عزت کرتی تھی"۔ فلورا نے افسوس سے کہا۔

"اور اب تو پہلے سے زیادہ ان کی عزت کرے گی"۔

مریم کو ہنسی آنے لگی:

"میں بتاؤں وہ تجھ سے کیا کہنا چاہتے تھے؟"

فلورا نے مریم کو حیرت سے دیکھتے ہوئے پوچھا:

"تمہیں معلوم ہے کیا؟"

"ہاں معلوم ہے"۔ مریم نے ایک ہلکا سا قہقہہ لگایا:

"کان لا ادھر۔ بات کان میں کہنے والی ہے"۔

فلورا نے اپنا کان مریم کے منہ کے قریب کر دیا۔ مریم نے نہ جانے کیا کہا کہ فلورا ابھی کھلکھلا کر ہنس پڑی اور بولی:

"اچھا..... واقعی..... مگر خمیری نے تو کبھی ہوا تک نہ لگنے دی"۔

رات کو جب خمیری اکیلی رہ گئی تو مریم نے اس سے آہستہ سے کہا:

"خمیری تمہارے لیے ایک پیغام ہے"۔

"میرے لیے پیغام..... کس کا پیغام ہے.....؟" خمیری نے حیرت سے پوچھا۔

مریم اس کے کان کی طرف جھکی اور آہستہ سے بولی:

"مسلم سردار حبیب بن اسد کا"۔

خمیری نے جلدی سے مریم کے منہ پر ہاتھ رکھ دیا۔ پھر اس نے گھبرا کر ادھر ادھر دیکھا۔ فلورا دور بیٹھی ان دونوں کو شریر نظروں سے دیکھ رہی تھی۔

خمیری، مریم کا ہاتھ پکڑ کر اسے گھسیٹتی ہوئی اندر کے کمرے میں لے گئی اور دروازہ اندر سے بند کر لیا۔ مریم کو محسوس ہوا جیسے خمیری کے ہاتھ پاؤں کانپ رہے ہیں۔

مریم نے اسے تسلی دیتے ہوئے کہا:

"خمیری تم پریشان کیوں ہو گئیں۔ انھوں نے تو مجھ سے صرف یہ کہا تھا کہ اگر خمیری تنہائی میں ملیں تو ان سے کہنا کہ میں خیریت سے ہوں۔ اس میں گھبرانے کی کیا بات ہے"۔

"تم نہیں جانتیں مریم۔ اگر کسی کو معلوم ہو جائے کہ میں حبیب بن اسد سے ملتی یا بات کرتی ہوں تو بس شامت آ جائے"۔

خمیری اب تک کانپ رہی تھی اور بار بار بند دروازے کی طرف دیکھتی جاتی تھی۔

"خمیری۔ تم بالکل مطمئن رہو۔ تمہارا راز، راز ہی رہے گا۔ اس کا علم مجھے ہے یا فلورا کو"۔ مریم نے خمیری کو مزید یقین دلایا۔

"ہائے اللہ..... کیا فلورا کو بھی معلوم ہو گیا؟" خمیری پھر پریشان ہو گئی۔

"پھر تم گھبرائیں..... ہم دونوں بہنیں تمہاری احسانمند ہیں۔ ہماری زبان کسی اور کے سامنے نہیں کھلے گی"۔ مریم نے خمیری کے دل میں اٹھنے والے شبہات کو دور کرتے ہوئے کہا:

"لیکن یہ سمجھ میں نہیں آتا کہ تم اس قدر ڈرتی کیوں ہو۔ کسی سے ملنے جلنے میں کیا عیب ہے جبکہ تم حبیب بن اسد سے پردہ بھی نہیں کرتیں"۔

"تمہیں پتہ نہیں مریم، ہم لوگ ڈنڈال قبیلے کے بربر ہیں"۔

خمیری نے بتانا شروع کیا:

"ہمارے قبیلے میں شادی سے پہلے کسی لڑکی کا مرد سے گفتگو کرنا بڑا عیب خیال کیا جاتا ہے۔ اگر گھر یا

قبیلے والوں کو معلوم ہو جائے کہ کوئی لڑکا لڑکی آپس میں ملتے ہیں تو پھر وہ نظروں سے گرا دیے جاتے ہیں
ان کی شادی کسی صورت نہیں ہو سکتی"۔

"اس کا مطلب ہے کہ تمہارے قبیلے میں محبت کی شادی، گناہ یا کوئی جرم ہے"۔ مریم نے قدرے
وضاحت طلب نظروں سے دیکھا۔ دراصل اب اسے خود اپنی اور فلورا کی فکر پڑ گئی تھی۔

خمیری بولی :

"بس یہی سمجھ لو۔ . . . . پہلے ہمارے قبیلے میں بہن بھائی کی شادی بھی ہو جاتی تھی لیکن جب
مسلمان ہوئے ہیں، ہمارے مرد اسلام کی بڑی سختی سے پابندی کرتے ہیں۔ وہ لڑکی لڑکے کا ملنا جلنا
پسند نہیں کرتے"۔

"اس کا مطلب ہے . . . . ." مریم نے گھبرا کر پوچھا :
"تمہارے مرد اپنی مرضی کی لڑکی سے شادی بھی نہیں کر سکتے"۔
خمیری بہت ذہین لڑکی تھی وہ مریم کا مطلب فوراً سمجھ گئی۔ اس نے کہا :
"یہ بات نہیں ہے مریم۔ ہمارے یہاں تو جب تک لڑکا اور لڑکی رضامند نہ ہوں، شادی ہو ہی نہیں
سکتی۔ پھر جہاں تک مردوں کا تعلق ہے ان پر کوئی پابندی نہیں"۔

مریم نے اطمینان کی سانس لی۔ پھر کہا :
"مگر خمیری! تم تو بڑی چھپی نکلیں۔ ہم اتنے دن تک تمہارے ساتھ رہے۔ سردار حبیب بن اسد
کتنی ہی بار یہاں تمہارے گھر آئے مگر ہمارے فرشتوں کو بھی خبر نہ ہوئی کہ ہماری بہن خمیری بھی کسی
کو سینے سے لگائے رہتی ہے"۔

پھر فلورا نے بھڑاک سے دروازہ کھول دیا اور اندر آ کر بولی :
"یہ کیا کھچڑی پک رہی ہے، گڑ پھوڑا جا رہا ہے۔ چچا جان تم دونوں کو پوچھ رہے ہیں اور تم دونوں یہاں
چھپی بیٹھی ہو"۔

کاؤنٹ جولین کی مہمان نوازی کے فرائض اس مرتبہ بھی ابن مرجع نے اپنے سر لیے تھے۔
وہ دونوں صحن میں بیٹھے گفتگو میں مصروف تھے۔ مریم اور خمیری نے وہاں پہنچ کر انہیں ادب سے سلام کیا۔
وہ دونوں باتوں میں کچھ ایسے الجھے ہوئے تھے کہ ان کے سلام کا جواب دے کر پھر باتوں میں مصروف ہو گئے۔
خمیری اور مریم چند لمحے وہاں کھڑی رہیں کہ شاید وہ کچھ کہیں لیکن جب وہ ان کی طرف مخاطب نہ ہوئے تو
دونوں پھر اسی کمرے میں واپس چلی گئیں جہاں پہلے بیٹھی باتیں کر رہی تھیں۔ اب ان میں ایک کا اور ۔۔۔

لیا تھا اور وہ بھی فلورا۔

حبیب بن اسد نے سبتہ سے موسیٰ بن نصیر کو جو خط بھیجا تھا اس میں کاؤنٹ جولین کی کامیاب مہم کی تفصیل
بیان کرنے کے بعد صاف الفاظ میں یہ لکھا تھا کہ :
"اس مہم سے یہ بات واضح ہو گئی ہے کہ کاؤنٹ جولین اپنے قول و
فعل میں سچا ہے اور اس پر پوری طرح اعتماد کیا جا سکتا ہے"۔

موسیٰ بن نصیر کو اس خبر سے دلی مسرت ہوئی تھی۔ انھوں نے ایک طرف تو دربارِ خلافت میں اس کی اطلاع
بھجوائی اور آئندہ قدم اٹھانے کی درخواست کی۔ دوسری طرف انھوں نے کاؤنٹ جولین کو سبتہ سے بلوا لیا تاکہ خلیفہ
کا حکم آتے آتے وہ کاؤنٹ جولین کے مشورے سے آئندہ کے تمام انتظامات کر لیں۔ انھیں پوری طرح امید تھی
کہ دربارِ خلافت سے اب انھیں اجازت مل جائے گی۔

کاؤنٹ جولین کے قیروان پہنچتے ہی موسیٰ بن نصیر نے انھیں کھانے کی دعوت دی تاکہ کھانے کے بعد اطمینان
سے گفتگو ہو سکے . . . . مگر یکایک یہ دعوت منسوخ کر دی گئی۔ اس کی وجہ یہ ہوئی کہ دعوت سے صرف ایک گھنٹہ
پیشتر دربارِ خلافت سے ایک قاصد موسیٰ بن نصیر کی درخواست کا جواب لے کر آ گیا۔
اب موسیٰ کے لیے یہ ضروری ہو گیا کہ پہلے خلیفہ کے احکام پڑھیں پھر ان کی روشنی میں کوئی قدم اٹھائیں۔
اس لیے انھوں نے دعوت دوسرے دن تک ملتوی کر دی اور قاصد سے گفتگو کرنے میں مصروف ہو گئے۔

ابن مرجع اور کاؤنٹ جولین، موسیٰ بن نصیر کے پاس جانے کی تیاریاں کر رہے تھے کہ انھیں اس دعوت کی
منسوخی کا پیغام ملا۔ کاؤنٹ جولین کو اس اطلاع سے کچھ تعجب اور صدمہ ہوا لیکن دمشق سے خلیفہ کے قاصد کے آنے
کی خبر سے اسے کچھ اطمینان ہوا۔

ابن مرجع نے اس موقع سے فائدہ اٹھاتے ہوئے کاؤنٹ جولین سے اس مہم کی تفصیل بیان کرنے کو کہا . . .
کاؤنٹ جولین کے بارے میں پہلے ہی کہا جا چکا ہے کہ وہ ایک نہایت چرب زبان مقرر تھا۔ اس نے ایسے سحر انگیز
انداز میں حملے کی تفصیلات بیان کرنا شروع کیں کہ ابن مرجع اس میں کھو کر رہ گئے اور انھیں یہ خبر بھی نہ ہوئی کہ کون
آیا اور کون گیا۔

خلیفہ ولید بن عبد الملک بڑا دور اندیش خلیفہ تھا۔ اس نے موسیٰ بن نصیر کو ہسپانیہ کے خلاف لشکر کشی کی

اجازت تو دے دی لیکن یہ سوچتے ہوئے کہ یہ لشکر کشی ایک ایسے ملک کے خلاف ہے جس کے حالات نا دیکھا۔ علم نہیں، پھر بیچ میں سمندر بھی حائل ہے اس لیے موسیٰ بن نصیر کو حکم ہوا کہ لشکر کشی سے پیشتر کسی تجربہ کار سردار کو چار یا پانچ سو سپاہیوں کے ساتھ ہسپانیہ بھیجا جائے تاکہ وہاں کے حالات اور شہنشاہ ہسپانیہ کا اندازہ لگائے۔ اگر اس کی اطلاعات اطمینان بخش ہوں تو پھر ممکنہ قوت کے ساتھ سمندر عبور کر کے حملہ کیا جائے۔

اس حکم نامے کے بعد موسیٰ بن نصیر کے لیے یہ ممکن نہ رہا کہ وہ ہسپانیہ کے خلاف فوری لشکر کشی کرتے۔ اسی ادھیڑبن میں رہے۔ ان کے پیش نظر سب سے بڑا مسئلہ کسی تجربہ کار سردار کا انتخاب تھا۔ کتنے ہی نام ذہن میں آئے مگر دل مطمئن نہ ہو سکا۔ اس طرح تہجد کا وقت ہو گیا۔

موسیٰ بن نصیر تہجد ادا کرنے کے بعد بارگاہِ ایزدی میں سجدہ ریز ہو گئے اور گڑگڑا کر رہنمائی کی دعا کی۔ دریائے رحمت جوش میں آیا اور اس پُرخلوص دعا کے درمیان ایک نام ان کے ذہن میں ایسا آیا جو جم کے رہ گیا۔ وہ نام بار بار ان کے ذہن کے پردوں سے ٹکراتا رہا۔ انھوں نے سمجھ لیا کہ یہی حکمِ ایزدی ہے۔ . . . پھر آپ ہی آپ اطمینان ہو گیا۔

موسیٰ بن نصیر نے دعوت کے وقت کا انتظار نہ کیا اور صبح ہوتے ہی ابنِ مرجع، کاؤنٹ جولین کے تمام بڑے بڑے سرداروں کو بلوا بھیجا۔

ایک ایک دو دو کر کے تمام سردار موسیٰ بن نصیر کے پاس پہنچ گئے۔ سردار آتے۔ موسیٰ کو سلام کرتے پھر ادب سے ان کے سامنے سر جھکا کر بیٹھ جاتے۔

کاؤنٹ جولین آیا تو اس کا دل دھڑک رہا تھا۔ اسے معلوم ہو گیا تھا کہ دربارِ خلافت کا قاصد تازہ احکامات لے کر قیروان آیا ہے۔ یہ احکامات مسلمانوں کے فیصلے کی بنیاد بنتے تھے اور اسے کچھ علم نہ تھا کہ یہ فیصلہ کس قسم کا ہوگا۔

کاؤنٹ جولین دھڑکتے دل سے موسیٰ بن نصیر کے سامنے پہنچا۔ اس نے ذرا خم ہو کے تعظیم پیش کی۔ موسیٰ مسکراتے ہوئے اپنی جگہ سے اٹھے اور کاؤنٹ جولین سے بغل گیر ہوئے۔ اس سے کاؤنٹ کو کچھ تسلی ہوئی اور ڈوبتی ہوئی امید پھر ابھر کر اوپر آ گئی۔

موسیٰ بن نصیر نے اپنی جگہ بیٹھتے ہوئے کاؤنٹ جولین کو مخاطب کیا:

"کاؤنٹ جولین! آپ کو مبارک ہو۔ خلیفۃ المسلمین نے ہمیں ہسپانیہ پہ لشکر کشی کی اجازت دے دی۔"

کاؤنٹ جولین کو اس سے جو خوشی حاصل ہوئی ہوگی اس کا ذکر تو الگ رہا، مسلمان سردار، موسیٰ بن نصیر اس اعلان سے اس قدر خوش ہوئے جس کا ذکر اظہار سے باہر ہے۔ انھوں نے بڑی متشکرانہ نگاہوں سے

کاؤنٹ جولین نے کہا:

"مسلم سردارِ اعلیٰ! میں آپ کا شکریہ کس زبان سے ادا کروں۔ یہ سب آپ کی کوششوں کا نتیجہ ہے۔"

موسیٰ بن نصیر نے جواب دیا:

"کاؤنٹ! اسلام امن و آشتی کا پیغام دیتا ہے لیکن اس کے ساتھ ہی فساد کو جڑ سے اکھاڑ پھینکنا بھی اس کا فرضِ منصبی ہے۔ شہنشاہِ ہسپانیہ کے ظلم و ستم اور چیرہ دستیاں ایسی نہیں جنہیں نظر انداز کیا جا سکے۔ آپ نے ہسپانیہ کے عوام کی زبوں حالی کا جو نقشہ کھینچا ہے اس سے ہر ایک کا دل دکھنا اور آنکھ بھر آنا ضروری ہے۔"

تمام سردار موسیٰ بن نصیر کی باتیں بڑی خاموشی سے سن رہے تھے اور بڑی بے چینی سے انتظار کر رہے تھے کہ موسیٰ اب ان اقدامات کا حال بتائیں جو ہسپانیہ کے خلاف کیے جانے والے ہیں۔

موسیٰ بن نصیر نے ان کی بے چینی کا اندازہ کر لیا اور بڑی باوقار آواز میں بولے:

"شہنشاہِ ہسپانیہ، جیسا کہ کاؤنٹ جولین نے ہمیں بتایا، ایک عظیم فوجی طاقت کا مالک ہے اس لیے ہم چاہتے ہیں کہ اس کے خلاف پوری تیاری کے ساتھ قدم اٹھایا جائے۔"

موسیٰ بن نصیر اتنا کہہ کر خاموش ہو گئے۔

کاؤنٹ جولین کو شبہ ہوا کہ شاید ہسپانیہ پر حملہ فی الحال ملتوی کیا جا رہا ہے۔ اس کا دل پھر سے دھڑکنے لگا۔

اسی وقت موسیٰ بن نصیر کی آواز ابھری۔ وہ کہہ رہے تھے:

"ظاہر ہے کہ اس تیاری کے لیے کچھ وقت درکار ہوگا لیکن ہم محسوس کرتے ہیں کہ کاؤنٹ جولین کے علاوہ ہمارے سردار بھی ہسپانیہ کے خلاف فوراً یلغار کرنے کے خواہش مند ہیں!"

ابنِ مرجع بولے:

"ہمیں بڑی خوشی ہے کہ ہمارے سردارِ اعلیٰ ہمارے جذبات کا اتنا خیال رکھتے ہیں۔ جب سے ہم نے ہسپانیہ کے عوام پر توڑے جانے والے مظالم کا حال سنا ہے ہم واقعی بہت بے چین ہیں اور جلد از جلد شہنشاہ کو اس کے مظالم کی سزا دینا چاہتے ہیں۔"

موسیٰ بن نصیر بہت خوش نظر آ رہے تھے۔ انہوں نے مسکرا کر کہا:

"آپ لوگ ہمارے اور سلطنتِ اسلامیہ کے دست و بازو ہیں۔ آپ کے جذبات کا احترام ہمارا فرض ہے ابھی بحیثیت والیِ افریقہ خلیفۂ دمشق کے حکم کے تحت ہسپانیہ کے خلاف فوری لشکر کشی کا حکم دیتا ہوں۔"

حاضرینِ محفل کے چہرے خوشی سے دمک اٹھے۔ کاؤنٹ جولین تو مسرت سے ایسا دیوانہ ہوا کہ وہ فوراً اپنی جگہ پہ

کھڑا ہوا اور مملکتِ اسلامیہ اور موسیٰ بن نصیر زندہ باد کے کئی نعرے لگا ڈالے..... پھر سب باری باری اٹھ اٹھ کر موسیٰ بن نصیر کے پاس گئے اور اظہارِ عقیدت کے طور پر ان کے ہاتھوں کو بوسہ دیا۔

موسیٰ بن نصیر نے مزید اعلان کیا:

"ہم اب ایک لمحہ بھی تاخیر نہ کریں گے۔ ہمارا ہراول دستہ کل شام تک قیروان سے روانہ ہو جائے گا۔ اپنی تیاریاں مکمل کرتے ہی پورے لشکر کے ساتھ شمال مغربی افریقہ کے اس سرے کی طرف چل پڑیں گے۔ افریقہ اور ہسپانیہ کے درمیان سمندر کی ایک تپلی پٹی واقع ہے"۔

موسیٰ بن نصیر کا یہ اعلان بھی بڑی خاموشی اور مسرت سے سنا گیا۔ اب ہر شخص اس بات کا منتظر تھا، ہراول دستے کی سرداری کس خوش نصیب کے حصے میں آتی ہے۔

موسیٰ بن نصیر نے انہیں زیادہ انتظار میں نہ رکھا اور اعلان کیا:

"دوستو اور ساتھیو! اس مہم کے آغاز کا سہرا جس سردار کے سر باندھا جا رہا ہے اس سے آپ نہ صرف واقف ہیں بلکہ اس جوانی کے عالم میں انھوں نے جس بہادری اور شجاعت کا پچھلی کئی جنگوں میں اظہار کیا ہے اس نے سب کو قائل کر دیا ہے۔ اس جوان اور اولوالعزم کا نام ابو زرعہ طریف بن مالک المعافری ہے اور جنھیں آپ طبق کی کنیت سے پکارتے ہیں"۔

طریف طبق اس محفل میں موجود تھے۔ اپنا نام سن کر وہ خوشی سے جھومتے ہوئے کھڑے ہو گئے۔ موسیٰ نے انھیں اپنے قریب بلایا اور کہا:

"طریف، خدا تمہیں یہ مہم مبارک کرے۔ اپنی تیاری مکمل کرو۔ کل تمہیں چار سو سپاہیوں کو ساتھ لے کر ساحل کی طرف روانہ ہونا ہے۔ کاؤنٹ جولین تمہاری رہنمائی کریں گے۔ ساحل کے ساتھ ساتھ مغرب کی طرف بڑھنا اور جب ساحلِ ہسپانیہ صاف نظر آنے لگے تو وہاں کوئی معقول جگہ دیکھ کر سمندر عبور کر کے ہسپانیہ میں داخل ہو جاؤ۔ اس کے بعد تم کیا کرو گے اس کے بارے میں ہم خود نہیں جانتے۔ اپنی عقل و خرد سے کام لینا۔ خدا مدد کرے گا"۔

موسیٰ بن نصیر کی بات ختم ہوئی تو کاؤنٹ جولین نے کہا:

"مسلم سردارِ اعلیٰ۔ مجھے کچھ عرض کرنے کی اجازت ہو"۔

"کاؤنٹ جولین..... "موسیٰ بن نصیر نے صاف آواز میں کہا:

"آپ ہمارے دوست اور اب حلیف ہیں، بے تکلف فرمائیے۔ اس پوری مہم میں آپ ہمارے ساتھ رہیں گے"۔

کاؤنٹ جولین نے شکریہ ادا کرنے کے بعد کہا:

"مسلم سردار۔ میری خواہش ہے کہ آپ اس مسلم ہراول میں کچھ ہمارے سپاہی بھی شامل کر لیں جو آپ کے سپاہیوں کے شانہ بشانہ لڑیں گے بھی..... اور وہاں کے راستوں سے بھی باخبر رکھیں گے۔ دوسری بات یہ کہ اگر ممکن ہو سکے تو دو سو سواروں کو بھی اس دستے کے ساتھ سمندر پار بھیجا جائے"۔

"کاؤنٹ جولین۔ آپ کی دونوں تجویزیں قابلِ قبول ہیں مگر اتنی بہت سی کشتیاں کہاں سے آئیں گی ہمیں بقیہ لشکر کے لیے بھی کشتیوں کا انتظام کرنا ہے"۔

کاؤنٹ جولین نے کہا:

"میں نے اپنی پہلی ملاقات میں مسلم لشکر کو سمندر پار اتارنے کی پیش کش کی تھی، اس کے لیے کشتیاں تیار کی جا چکی ہیں۔ اب اگر چند مزید کشتیوں کی ضرورت پیش آئی تو اس کی فراہمی کچھ زیادہ مشکل نہ ہو گی"۔

کچھ دیر غور کرنے کے بعد موسیٰ بن نصیر نے کاؤنٹ کے دونوں مشورے، تجویزیں یا خواہشیں تسلیم کر لیں۔ (بعض مورخین کا خیال ہے کہ اس مہم میں ایک سو سوار بھی شامل تھے)۔

وہ رات ابو زرعہ طریف طبق نے بڑی مصروف گزاری۔

ابن مرجع، کاؤنٹ جولین، موسیٰ بن نصیر تمام رات طریف کے ساتھ مہم کے مختلف پہلوؤں پر غور کرتے رہے پھر انھوں نے ان چار سو جوانوں کا انتخاب کیا جو اس مہم پر جانے والے تھے۔

ابنِ مرجع جس وقت موسیٰ بن نصیر کے پاس آ رہے تھے تو اس وقت ان کے دونوں بیٹوں حبیب اور عثمان نے خود بانہ التجا کی تھی کہ موسیٰ بن نصیر سے ہراول دستوں میں ان کی شمولیت کی اجازت حاصل کی جائے لیکن جب انتخاب کا موقع آیا اور ابنِ مرجع نے بیٹوں کی خواہش کا اظہار موسیٰ بن نصیر سے کیا تو انھوں نے ہنس کر انکار کر دیا اور کہا کہ ابھی انھیں مزید آرام کی ضرورت ہے۔

اس قسم کی ایک درخواست کاؤنٹ جولین کی معرفت ان کی دونوں بیٹیوں مریم اور فلورا کی طرف سے پیش کی گئی انھوں نے بھی اس مہم میں شریک ہونے کی استدعا کی تھی۔ موسیٰ بن نصیر نے اسے بھی منظور نہ کیا لیکن اس کا وعدہ کر لیا کہ جب ہسپانیہ پر عام یلغار ہو گی تو مریم اور فلورا کو اس میں شریک ہونے کا موقع دیا جائے گا۔

یہ باتیں اتنی اہم نہ تھیں لیکن جس شام ہراول کو روانہ ہونا تھا اس دوپہر کو ایک اہم واقعہ پیش آیا۔ کاؤنٹ جولین نے موسیٰ بن نصیر سے فوری ملاقات کی درخواست کی۔

موسیٰ بن نصیر نے اسے فوراً بلوا لیا۔

موسیٰ بن نصیر، کاؤنٹ جولین بڑی خوشدلی سے ملے اور کہا:

"کاؤنٹ جولین، آپ مجھ سے ملاقات کے لیے اجازت کا انتظار نہ کیا کیجیے۔ میرے دروازے آپ کو خوش آمدید کہنے کے لیے ہر وقت کھلے ہیں"۔

کاؤنٹ جولین نے سپاٹ لہجے میں کہا:

"سردارِ محترم! اس عزت افزائی کے لیے میں آپ کا شکر گزار ہوں"۔

کاؤنٹ جولین صرف یہ کہہ کر خاموش ہو گیا۔

موسیٰ بن نصیر نے ذرا دیر انتظار کیا کہ کاؤنٹ جولین خود ہی اپنے آنے کا سبب بیان کریں لیکن جب یہ خاموشی بڑھنے لگی اور موسیٰ بن نصیر نے دیکھا کہ کاؤنٹ کسی خاص الجھن میں ہے تو انہوں نے پوچھا:

"کاؤنٹ! آپ کسی خاص پریشانی میں گرفتار دکھائی دیتے ہیں۔ میں آپ کا دوست ہوں۔ فرمائیے میں مدد کر سکتا ہوں"۔

کاؤنٹ جولین جیسے کسی خیال سے چونک پڑا۔ اس نے موسیٰ بن نصیر کو دیکھا پھر ہڑبڑا کر کہا:

"مسلم سردارِ محترم! میں اپنے بزرگوں کے مذہب پر قائم ہوں اور موت تک اسی کی پابندی کرنا چاہتا ہوں"۔

"یہ کیا کہہ رہے ہیں آپ۔ کس نے آپ کو مذہب تبدیل کرنے پر مجبور کیا ہے"۔ موسیٰ بن نصیر کو کاؤنٹ کی بات پر بڑی حیرت ہوئی۔ انھیں یہ سوچ کر افسوس بھی ہوا کہ کسی مسلمان نے کاؤنٹ کو تبدیلی مذہب کی دعوت دی ہے۔

کاؤنٹ جولین نے کہا:

"آپ غلط فہمی میں مبتلا نہ ہوں مسلم سردار۔ ایسی کوئی بات نہیں ہوئی۔ دراصل بات یہ ہے کہ آج صبح میری دونوں بیٹیوں نے کسی مسلم بزرگ کے ہاتھوں پر آپ کا مذہب قبول کر لیا ہے"۔

موسیٰ بن نصیر یہ سن کر ششدر رہ گئے۔ تھوڑی دیر سوچتے رہے پھر بولے:

"کاؤنٹ جولین کیا آپ کو شبہ ہے کہ آپ کی بیٹیوں پر کسی نے سختی کی ہے۔ اگر ایسا ہوا ہے تو اس کا نام صاف طور پر ہمیں بتائیں۔ ہم اس شخص یا اشخاص کو سخت سزا دیں گے"۔

کاؤنٹ جولین نے کہا:

"ایسی بھی کوئی بات نہیں سردارِ محترم! میری بیٹیاں مذہب کے معاملے میں آزاد ہیں۔ وہ جو مذہب چاہیں اختیار کر سکتی ہیں لیکن اب مشکل یہ آ پڑی ہے کہ ..... میں ان کی شادی کہاں کروں گا۔ آخر ایک نہ ایک دن ان کی شادی تو ہونا ہی ہے"۔

کاؤنٹ جولین خاموش ہو گیا۔

موسیٰ بن نصیر مسکراتے ہوئے بولے:

"بیٹیوں کا باپ یوں بھی ہر وقت پریشان ہی رہتا ہے لیکن اگر آپ پسند فرمائیں تو آپ کی مشکل آسان ہو سکتی ہے..... اس کی ذمے داری ہم اٹھانے کے لیے تیار ہیں"۔

کاؤنٹ جولین خوش ہوتے ہوئے بولا:

"آپ کس قدر مہربان ہیں مسلم سردار۔ کیا آپ میری بیٹیوں کی شادی خود کرائیں گے"۔

"کیوں نہیں کاؤنٹ"۔ موسیٰ بن نصیر نے کہا:

"آپ کی بیٹی اور ہماری بیٹی میں کوئی فرق نہیں۔ فلورا اور مریم کا مرتبہ اسلام قبول کرنے کے بعد ہماری بیٹیوں سے بھی افضل ہو گیا ہے۔ آپ منظور فرمائیں تو ان کی شادی ابھی اور اسی وقت ہو سکتی ہے"۔

"کیا ایسا ممکن ہے مسلم سردار"۔ کاؤنٹ جولین نے مسرت انگیز لہجے میں کہا:

"اگر ایسا ہو جائے تو میرے سر سے سب سے بڑا بوجھ اتر جائے گا"۔

موسیٰ بن نصیر نے کہا:

"کاؤنٹ! ہم آپ کی بیٹیوں کے لیے دو نام تجویز کرتے ہیں۔ آپ بلا جھجک ان کے بارے میں اپنی رائے پیش کیجیے۔ ہمارے ایک سردار اور آپ کے میزبان ابنِ مرجع کے دو بیٹے حبیب اور عثمان ہیں۔ ان کے متعلق آپ کا کیا خیال ہے۔ آپ اگر پسند کریں تو مریم کے لیے حبیب اور فلورا کے لیے عثمان کا رشتہ مانگا جا سکتا ہے"۔

بجائے جواب دینے کے کاؤنٹ جولین نے جھک کر فوراً موسیٰ بن نصیر کے ہاتھ چوم لیے اور بولا:

"سردارِ محترم! اگر ایسا ہو جائے تو یہ میری زندگی کی سب سے بڑی خوشی ہو گی"۔

لیکن پھر کاؤنٹ جولین کے دماغ میں ایک خیال بڑی تیزی سے گردش کر گیا اور اس نے افسردگی سے کہا:

"لیکن..... کیا عثمان فلورا کو قبول کر لے گا!"

"اس کی آپ فکر نہ کریں"۔ موسیٰ بن نصیر نے کاؤنٹ کو تسلی دیتے ہوئے کہا:

"قلعہ سبتہ پر متعین ہمارے سردار حبیب بن اسد نے ہمیں فلورا اور عثمان کے بارے میں بہت کچھ لکھ بھیجا ہے۔ پھر عثمان ایک سعادت مند نوجوان ہے وہ انکار نہ کرے گا۔ ہم مسلمان اپنے آقائے نامدار نبی اکرم حضرت محمد صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کے اس فرمان پر ایمان رکھتے ہیں کہ ہر عمل کا دارومدار نیت پر ہوتا ہے۔ مظلوم فلورا پر جو کچھ گزرا اس میں اس کی نیت کو کوئی دخل نہ تھا۔ فلورا ہمارے لیے شبنم کی طرح پاک اور بے عیب ہے"۔

موسیٰ بن نصیر نے اسی وقت ابنِ مرجع کو بلا لیا۔

ابنِ مرجع آئے تو موسیٰ بن نصیر نے کہا:

"ابنِ مرجع۔ آپ نے مریم اور فلورا کے بارے میں کچھ سنا؟"

"جی ہاں۔ مجھے ان کے اسلام لانے سے دلی مسرت ہوئی"۔ ابنِ مرجع بولے:

"لیکن اس خیال سے ضرور پریشانی ہے کہ کہیں کاؤنٹ جولین اُن کے اس عمل کے لیے ہم پر شبہ نہ کرے"۔

"کاؤنٹ کو مریم اور فلورا کے اسلام لانے پر کوئی اعتراض نہیں ہے"۔ موسیٰ بن نصیر نے ابنِ مرجع کو مطمئن کرنے کے لیے کہا۔

"اور آپ کو یہ سن کر اور خوشی ہوگی کہ اُن دونوں کو ہم نے اپنی بیٹیاں بنا لیا ہے"۔

"یہ تو اور بھی خوشی کی بات ہے سردارِ محترم"۔ ابنِ مرجع بولے۔

"اچھا ابنِ مرجع"۔ موسیٰ بن نصیر نے ابنِ مرجع پر نظریں گاڑتے ہوئے کہا:

"اب ہم اپنی بیٹی مریم کے لیے حبیب۔۔۔۔ اور فلورا کے لیے عثمان کا رشتہ طے کرتے ہیں۔ آپ کا کیا خیال ہے؟"

ابنِ مرجع نے خوش ہوتے ہوئے کہا:

"سردار۔ آپ تو آج ایک خوشی کے بعد دوسری خوشی کا اعلان کر رہے ہیں۔ بھلا مجھے اس میں کیا اعتراض ہو سکتا ہے۔ بشرطیکہ کاؤنٹ جولین رضامند ہوں"۔

"ان کی رضامندی میں نے پہلے ہی حاصل کر لی ہے"۔ موسیٰ بن نصیر نے ہنس کر کہا۔

ابنِ مرجع بولے:

"پھر تو بات طے ہو گئی۔ مجھے اپنے بیٹوں سے امید تو نہیں کہ وہ انکار کریں۔ پھر بھی ان کی رائے معلوم کرنا ضروری ہے"۔

"ان سے آپ کوئی بات نہ کریں"۔ موسیٰ بن نصیر نے کہا:

"دونوں کو میرے پاس بھیج دیں۔ میں انھیں سمجھا لوں گا"۔

ابنِ مرجع اٹھ کر چلنے لگے تو موسیٰ بن نصیر بولے:

"ابنِ مرجع ذرا ٹھہریے! ابھی میری ایک بیٹی اور باقی ہے۔ اس کی بات بھی اس وقت طے ہو جانی چاہیے"۔

"آپ کی بیٹی۔۔۔۔ کون سی بیٹی؟" ابنِ مرجع نے حیران ہو کر پوچھا۔

"میری وہ بیٹی خیری بنت ابنِ مرجع ہے"۔ موسیٰ بن نصیر نے مسکرا کر ابنِ مرجع کو دیکھا:

"میں اپنی بیٹی خیری کا رشتہ، سبتہ میں مقیم اپنے سردار حبیب بن اسعد سے کرنا چاہتا ہوں۔ آپ کو اس پر

اعتراض تو نہیں؟"

ابنِ مرجع ایک عرصے سے خیری کی شادی کی فکر میں تھے لیکن کوئی معقول رشتہ سمجھ میں نہ آتا تھا۔ حبیب بن اسعد کا نام سن کر وہ خوش ہو گئے اور بولے:

"آپ نے میرا بوجھ اپنے سر رکھ لیا ہے تو پھر مجھے کیا اعتراض ہو سکتا ہے"۔

اسلام میں بیوہ، یتیم، مظلوم اور معذور لڑکی سے عقد کرنے کا بڑا ثواب بیان کیا گیا ہے۔ موسیٰ بن نصیر نے جس وقت حبیب اور عثمان کو بلایا تو اس نے یہی سوچا تھا کہ حبیب کو تو کوئی اعتراض نہ ہوگا لیکن عثمان کو رام کرنے کے لیے انہیں اسلام کے زریں اصولوں اور روایتوں کا سہارا لینا پڑے گا لیکن جب انہوں نے عثمان کے سامنے فلورا کا نام لیا تو عثمان نے فوراً ہی ہامی بھر لی۔ عثمان کو تو یوں محسوس ہوا جیسے دنیا کی سب سے عظیم نعمت بغیر کسی محنت کے اس کی جھولی میں ڈال دی گئی ہے۔

موسیٰ بن نصیر نے طریف طبق کے دستوں کی روانگی ایک دن کے لیے ملتوی کر دی۔ مریم اور فلورا کو موسیٰ کے گھر منتقل کر دیا گیا۔ شام کو ابنِ مرجع کے گھر سے برات چڑھی۔ حبیب اور عثمان دولھا بن کے موسیٰ بن نصیر کے گھر آئے جہاں چند سرداروں اور قیروان کے معززین کی موجودگی میں ان کا نکاح مریم اور فلورا سے اسلامی دستور کے مطابق پڑھایا گیا۔ پھر موسیٰ بن نصیر کی طرف سے دی گئی ایک ضیافت کے بعد حبیب اور عثمان اپنی اپنی دلھن کو لے کر اپنے گھر واپس چلے گئے۔

خیری کا عقد فوری طور پر ممکن نہ تھا۔ پھر موسیٰ نے حبیب بن اسعد کو سبتہ سے واپس آنے کا حکم بھجوا دیا تاکہ ان کا عقد خیری سے کیا جا سکے۔

○

جولائی ۷۱۰ء مطابق ۹۲ ہجری میں ابو زرعہ طریف بن مالک طبق نے چار سو سپاہیوں اور ایک سو سرداروں کے ساتھ سمندر عبور کیا اور ہسپانیہ کے ساحل پر جزیرۃ الخضرا کے مقام پر اترے۔ اس ہراول دستے میں کچھ سوار اور پیادے کاؤنٹ جولین کے بھی تھے۔ سمندری سفر کے لیے کشتیوں کا بندوبست بھی کاؤنٹ نے ہی کیا تھا۔

یہاں طریف طبق کے دستے کے سامنے ہسپانیہ کی ساحلی اور علاقائی فوج آ گئی۔ کئی ایک معمولی اور شدید جھڑپیں ہوئیں۔ طریف طبق، اس کے سپاہیوں نیز کاؤنٹ جولین کے آدمیوں نے ہسپانیہ کی اس فوج کو پسپا کر کے دور

تک بھگا دیا۔

اسلامی ہراول دستہ ساحل کے ساتھ ساتھ چلتا اور وہاں کے حالات معلوم کرتا رہا۔ بعض مقامات پر انھوں نے شمال میں بڑھ کر دور دور تک یلغار کی اور کامیاب وکامران رہے۔ گو ان فتوحات سے مقصد حاصل نہ ہوا مگر عیسائیوں کی کمزوری، فوجیوں کی بزدلی اور ہسپانیہ کے عسکری نظام کے بارے میں طریف طبق نے تمام حالات سے پوری طرح آگاہی حاصل کر لی اور یہی اس مہم کا مقصد بھی تھا۔

جس مقام پر طریف طبق نے ہسپانیہ کے ساحل پہ قدم رکھا تھا، وہ مقام آج تک طریف کے نام سے مشہور ہے۔

طریف طبق اس کامیاب مہم کے بعد واپس آ گئے۔ اور انھوں نے موسیٰ بن نصیر کو ہسپانیہ کے بارے میں امید افزا رپورٹ پیش کی۔ اس طرح طریف طبق کا یہ حملہ ایک بڑے حملے کا پیش خیمہ بن گیا جس کے لیے موسیٰ بن نصیر نے اعلیٰ پیمانے پر تیاریاں شروع کیں۔

کاؤنٹ جولین اور طریف طبق کی مہمات تاریخ ہسپانیہ کے دو اہم باب ہیں:

الف یہ کہ جب ان مہمات کی اطلاع شہنشاہ ہسپانیہ راڈرک (ارزیف) کو پہنچائی گئی تو اس نے اس کا یقین نہ کیا اور قہقہے بلند کر کے ان اہم خبروں کو ساغرِ شراب میں ڈبو دیا۔ شہنشاہ راڈرک کو پادریوں نے یہ باور کرا دیا تھا کہ وہ (راڈرک) دنیا میں آسمانی طاقت کا مظہر ہے اور دنیا کی کوئی طاقت ہسپانیہ کا مقابلہ نہیں کر سکتی۔

پادریوں نے یہاں تک اعلان کر دیا کہ ہسپانیہ کی سرزمین پر اگر کسی غیر ہسپانوی نے قدم رکھا تو اس کے پیر خود بخود جل اٹھیں گے اور وہ آنکھوں سے اندھا ہو جائے گا۔ ان حالات میں بھلا کون یقین کرتا کہ کاؤنٹ جولین یا طریف طبق نے ہسپانوی علاقوں کو فتح کیا ہے۔

سابق ہسپانوی شہنشاہ غیطشہ (وٹیزا) کے عزیز واقارب، شہنشاہ کے خاتمے کے بعد ہسپانیہ سے بھاگ کر شمالی افریقہ کے مختلف علاقوں میں پناہ گزیں ہو گئے تھے۔ کاؤنٹ جولین بھی سابق شہنشاہ کا داماد تھا لیکن وہ اپنی فراست اور ذہانت کی بنا پر راڈرک کے ہاتھوں سے بچا رہا اور اس نے قلعہ سبتہ کو بچانے کے لیے ہسپانیہ کا باجگزار بننے کا اعلان کر دیا لیکن راڈرک کی کمینی حرکت کی وجہ سے اب وہ پھر سے باغی ہو گیا۔ جس وقت کاؤنٹ جولین نے ہسپانیہ پر حملے کا قصد کیا تھا اس وقت اس نے ہسپانیہ کے سابق شہنشاہ کے بھائی اوپاس یا روپس اور اس کے بیٹے اخیلہ کو اپنے ساتھ ملانے کی کوشش کی تھی مگر ان دونوں کو اس بات کا یقین ہی نہ آیا کہ کاؤنٹ جولین،

شہنشاہِ ہسپانیہ کے خلاف علمِ بغاوت بلند کر سکتا ہے لیکن جب کاؤنٹ جولین کی کامیابی کا چرچا شمالی افریقہ کے ساحل پر اس سرے سے اُس سرے تک پھیل گیا تو اخیلہ اور روپس کو کاؤنٹ جولین کے ساتھ تعاون نہ کرنے پر بڑا افسوس ہوا اور وہ خود ہی کاؤنٹ سے دوستی کی راہیں تلاش کرنے لگے۔

کاؤنٹ جولین بڑا فراخدل انسان تھا۔ جب موسیٰ بن نصیر نے اسے ہسپانیہ پر حملے کے سلسلے میں معاہدے کی دعوت دی تو اس نے موسیٰ سے ہسپانیہ کے سابق شہنشاہ کے بیٹے اور بھائی کی سفارش کی۔ موسیٰ بن نصیر نے کاؤنٹ جولین کی سفارش پر اخیلہ اور روپس کو بھی اس معاہدے میں شریک کر لیا اور ہسپانیہ کی فتح کی صورت میں انھیں ان کی حسبِ مرضی کچھ علاقے دینے کا وعدہ کیا گیا۔

اور پھر..... موسیٰ بن نصیر کی مردم شناس اور جوہر شناس نظروں نے ہسپانیہ پر اس اہم یلغار کے لیے طارق بن زیاد کا انتخاب کیا۔

طارق بن زیاد بھی طریف طبق کی طرح موسیٰ بن نصیر کے ایک آزاد کردہ غلام تھے۔ طارق بن زیاد کے اوائلِ زندگی کے بارے میں صحیح معلومات میسر نہیں۔ بعض مورخین کے نزدیک وہ فارس کے رہنے والے تھے لیکن ان کا کھلتا ہوا رنگ اور سرخ سرخ بال اس بات کی غمازی کرتے تھے کہ بربر قوم کے ڈنڈال ہی کی اولاد میں سے تھے۔

اب دیر مناسب تھی نہ قرینِ مصلحت۔ طارق بن زیاد کے بحیثیت سپہ سالار منتخب ہوتے ہی اسلامی چھاؤنی میں ہتھیار بجنے لگے۔ تلواروں کی دھاریں تیز ہونے لگیں اور اسلحہ مجاہدوں کے جسموں کی زینت بن گیا۔

قیروان کے والی اور افریقی علاقوں کے سردارِ اعلیٰ موسیٰ بن نصیر نے بہ نفسِ نفیس سات ہزار تجربہ کار مجاہدینِ اسلام کا لشکر اس مہم کے لیے ترتیب دیا جس میں تین سو سوار بھی تھے۔

سمندر عبور کرنے کے لیے چار جہاز (بڑی کشتیاں) کاؤنٹ جولین سے حاصل کی گئیں۔ موسیٰ بن نصیر نے حسبِ وعدہ مریم اور فلورا کو بھی اس مہم میں شریک ہونے کی اجازت دے دی۔ حبیب بن احمد جن کی شادی اب خمیری بنت ابنِ مرجع کے ساتھ ہو چکی تھی۔ وہ عثمان اور حبیب کے ساتھ مجاہدوں کے اس لشکر میں شامل ہو گئے۔

تاریخ کے مطابق اسلامی لشکر کو کاؤنٹ جولین کے علاوہ ہسپانیہ سے نکالے جانے والے یہودی قولہ گاتھک مغیث الردی کی بھی حمایت حاصل تھی۔ روانگی سے قبل موسیٰ بن نصیر نے امامت کی اور تمام مجاہدین نے ان کے پیچھے نماز پڑھ کر بارگاہِ ایزدی میں فتح و نصرت کی دعائیں مانگیں۔

اور پھر ۹۔ جولائی ۷۱۱ء مطابق ۵۔ رجب المرجب ۹۲ھ (علامہ مقری کے بیان کے مطابق یہ تاریخ ۲۷ شعبان تھی) کی ایک روشن دوپہر تھی جب لشکرِ اسلام نے طارق بن زیاد کی سرداری میں ہسپانیہ کی سرزمین پر قدم رکھا۔

کاؤنٹ جولین کے دیے ہوئے چار جہازوں سے کیلپے کے مقام پر قلعۃ الاسد
کے قریب اترنے والی مجاہدین کی اس قلیل تعداد کے لیے یہ ایک نیا ملک، نئی سرزمین، نئی آب و ہوا، نئی
لوگوں کو نہ وہاں کے حالات سے آگاہی تھی اور نہ وہاں کی کیفیات سے واقفیت۔ وہ اجنبی ملک میں جسے سمندر
تیز دھاروں نے ان کے وطن سے علیحدہ کر دیا تھا، صرف اپنے عزم و حوصلے، اپنے جوش اور قوتِ ایمانی کے بل
پہنچے تھے۔

طارق بن زیاد پر تمام مجاہدین کو پورا اعتماد تھا۔ وہی طارق بن زیاد جس کے نام پر جبل الطارق یا جبرالٹر
اس جوان فکر، جوان عمل اور جوان عزم کی یاد تازہ کرتا ہے۔

سامان کشتیوں سے اتارا جا چکا تو سپہ سالارِ اسلام طارق بن زیاد گرجدار آواز میں بولے:

"کشتیوں کو آگ لگا دو"۔

طارق بن زیاد کے اس حکم کو سوچنے اور سمجھنے سے عقلیں حیران اور سمجھ ناکارہ تھی۔ سپاہیوں نے پہلی بار
سے ایک دوسرے کو دیکھا۔

اسی وقت طارق بن زیاد کی آواز پھر گونجی:

"سفینوں کو جلا دیا جائے"۔

سپہ سالار کے حکم کی تعمیل کی گئی اور دیکھتے ہی دیکھتے وہ سفینے جو ان کو ریگ زاروں سے نکال کر
میں لائے تھے، وہ کشتیاں جنہوں نے بحرِ ذخار کا سینا حوصلہ طے کیا تھا، نذرِ آتش کر دی گئیں۔

سفینوں میں شعلے بھڑک اٹھے اور بل کھاتا ہوا دھواں آسمان کی وسعتوں میں پھیلنے لگا۔ تمام لشکر
حیرت میں غرق بڑی حسرت سے جلتی کشتیوں کو دیکھ رہا تھا۔ سامنے حدِ نظر تک اجنبی سرزمین، پشت پر
سفینے۔ واپسی کا راستہ مسدود ہو گیا۔

پھر اسی حیرانی اور ہوش و خرد کی کشمکش کے عالم میں ایک نعرۂ تکبیر بلند ہوا۔ اس نعرے کے ساتھ ہی
زیاد کی آواز اس کے ہمراہیوں کے کانوں سے ٹکرائی۔

اس آواز نے کیا کہا۔ اس گرج میں کونسی بجلی پنہاں تھی۔ اس کا جواب تاریخ اسلام اور تاریخ عالم یہ دیتی ہے کہ
وہ برق، وہ بجلی اور وہ گرج ایک خطبہ تھا جو طارق بن زیاد نے ہتھیلی پہ جان رکھ کر ساتھ چلے آنے والوں
سامنے دیا۔

طارق بن زیاد نے فرمایا:

"اے جوان مردو!

جنگ کے میدان سے اب مفر کی کوئی صورت نہیں۔ دشمن تمہارے سامنے
ہے اور سمندر تمہارے پیچھے (کشتیاں جل چکی تھیں) نہ راہِ فرار اس طرف
ہے نہ اس طرف۔ صدق، صبر اور مستقل مزاجی کے علاوہ اب تمہارے پاس
کوئی چارہ نہیں یہ اچھی طرح جان لو کہ تمہاری مثال اس جزیرے میں
ایسی ہی ہے جیسی کمبخت کے دسترخوان پر یتیم کی۔ تمہاری ذرا سی کم ہمتی
تمہیں صفحۂ ہستی سے مٹا دینے کے لیے کافی ہے۔ تمہارے دشمن کے پاس
فوج بھی ہے، اسلحۂ جنگ بھی ہے۔ تمہارے پاس بجز تمہاری تلواروں
کے اور کچھ نہیں ہے۔ اگر تم نے ہمت سے کام نہ لیا تو تمہاری ہوا
اکھڑ جائے گی۔ تمہاری عظمت خاک میں مل جائے گی۔ تمہارا رعب ختم
ہو جائے گا۔ دشمنوں کی ہمتیں بڑھ جائیں گی۔ تم اپنی عزت و ناموس کو
بچاؤ اور دشمن جو تمہارا مقابلہ کرنے کے لیے بڑھ کر آ رہا ہے اس کے
دانت کھٹے کر دو..... اس کی قوت کو ختم کر دو۔

میں نے تم کو کسی ایسے امر سے نہیں ڈرایا جس سے میں خود گریز کروں
میں نے تم کو ایسی سرزمین پر لڑنے کے لیے آمادہ نہیں کیا جہاں میں خود
جنگ نہ کروں۔ اگر تم نے ذرا بھی ہمت سے کام لیا تو اس ملک کی
دولت و عظمت تمہاری جوتیوں میں ہوگی۔ اگر تھوڑی سی سختی برداشت کر
گئے تو اس جزیرے کی ہر چیز تمہاری ملکیت ہوگی۔

امیر المومنین ولید بن عبدالملک نے تم جیسے بہادروں کا انتخاب کیا۔ تم
نے اگر یہاں کے شہسواروں سے دو دو ہاتھ کر لیے تو خدا کا دین رسول اللہ
صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا حکم یہاں جاری و ساری ہو جائے گا۔ یہ جان لو کہ
جدھر میں تم کو بلا رہا ہوں، اُدھر جانے والا پہلا شخص میں ہوں گا۔ جب
فوجیں ٹکرائیں گی تو پہلی تلوار میری ہوگی جو بلند ہوگی۔

اگر میں راہِ خدا میں لڑتے ہوئے چل بسوں تو تم لوگ عاقل و دانا ہو کسی
دوسرے کا فوری انتخاب کر لینا مگر خدا کی راہ میں جان دینے سے منہ نہ
موڑنا اور اس وقت تک دم نہ لینا جب تک یہ جزیرہ فتح نہ

ہو جائے۔"

(عربی سے لفظ بہ لفظ ترجمہ)

سفینوں کو نذرِ آتش کرنے کے تاریخی واقعے کو علامہ اقبال نے زبانِ شعر میں یوں بیان کیا ہے:

طارق چو بر کنارۂ اندلس سفینہ سوخت
جب ہسپانیہ کے ساحل پر طارق نے کشتیاں جلا دیں۔

گفتند کارِ تو، بہ نگاہِ خرد خطا است
تو لوگوں نے کہا کہ عقل کی نظر میں تمہارا یہ فعل ایک غلطی ہے

دُوریم از سوادِ وطن، باز چوں رسیم
ہم وطن سے دور ہیں، واپس کیسے جائیں گے؟

ترکِ سبب زروئے شریعت کجا روا است
شریعت کی رُو سے ترکِ سبب درست نہیں۔

خندید و دستِ خویش بہ شمشیر بُرد و گفت
طارق مسکرائے۔ اپنی تلوار پر ہاتھ رکھا اور کہا

ہر ملک ملکِ ما است کہ ملکِ خدائے ما است
ہر ملک ہمارا ہے کہ ملکوں کا مالک خدا ہے اور ہم اس کے نائب ہیں

O

طارق بن زیاد کے قدم ابھی آگے بڑھنے نہ پائے تھے کہ شہنشاہ ہسپانیہ راڈرک کے ایک آزمودہ کار جنرل تھیوڈومیر نے اس آفتِ ناگہانی کی خبر پائی۔ وہ ہسپانوی صوبہ مرسیہ کا گورنر تھا اور جبرالٹر کا علاقہ اسی صوبہ کا حصہ تھا۔

تھیوڈومیر اپنی پوری قوت کے ساتھ اس نیم مسلح مگر مرتّب و منظم فوج کے مقابل آیا۔ طارق بن زیاد نے اپنی فوج کو میدان میں اس طرح پھیلایا کہ اس کی تعداد دوگنی معلوم ہونے لگی۔

اس جنگ میں حبیب بن اسد، عثمان اور حبیب المیسرہ کے دستوں میں موجود تھے۔ فلورا اور مریم ان کے ساتھ تھیں۔ خیریا اپنی والدہ کی بیماری کی وجہ سے حبیب بن اسد کے ساتھ نہ آ سکی تھی۔

جنگ شروع ہوئی تو میسرہ نے ایسا زبردست حملہ کیا کہ تھیوڈومیر کی فوج کا دایاں بازو پسپا ہو گیا۔ قلب میں طارق بن زیاد اللہ اکبر کے نعرے لگاتے ہوئے پہلے ہی حملے میں دشمن کو دور تک دھکیلتے چلے گئے۔ تھیوڈومیر کا لشکر ان اچانک حملہ آوروں سے ایسا خوف زدہ ہوا کہ زیادہ دیر میدان میں نہ ٹھہر سکا اور منہ موڑ کر بھاگ کھڑا ہوا۔

اس کامیابی نے مسلمانوں کے حوصلے بلند کر دیے۔

طارق بن زیاد نے فرداً فرداً ہر سردار کے پاس جا کر ان کی اور زیرِ کمان سپاہیوں کی بہادری کی تعریف کی۔ جس رسالے میں عثمان اور حبیب شامل تھے اس نے کچھ زیادہ ہی شجاعت کا مظاہرہ کیا تھا۔ اسے زیادہ شاباش ملی۔ حبیب بن اسد، فلورا اور مریم کو دورانِ جنگ تلوار چلاتے دیکھ چکے تھے۔ وہ اپنے رسالے سے عثمان اور حبیب کے پاس آئے اور فلورا اور مریم کی بہترین شمشیر زنی پر انہیں مبارک باد دی۔

گورنر تھیوڈومیر کو طارق بن زیاد کے سامنے آنے کی دوبارہ ہمت نہ ہوئی۔ وہ اپنی جان بچا کر سیدھا راڈرک کے پاس پہنچا۔

راڈرک اس وقت جرمن قوم (BASGUES) کی بغاوت فرو کرنے کے سلسلے میں شمالی علاقے پمپونہ میں پڑا ہوا تھا۔ تھیوڈومیر شہنشاہ کے سامنے پیش ہوا تو وحشت اور دہشت سے اس کی حالت ناگفتہ بہ تھی۔

شہنشاہ نے اسے اس قدر وحشت زدہ دیکھا تو پوچھا:

"بہادر تھیوڈومیر! تم نے یہ کیا حالت بنا رکھی ہے؟"

تھیوڈومیر اس قدر گھبرایا ہوا تھا کہ الفاظ اس کے منہ سے نہ نکلتے تھے۔ اس نے کوشش کر کے کہا:

"عالی جاہ! عالی جاہ!...... جن، بھوت..... وہ بھوت ہیں..... کوئی آسمانی مخلوق....." وہ آگے کچھ نہ کہہ سکا۔

"اپنے حواس درست کرو تھیوڈومیر" راڈرک نے کہا:

"کیسی مخلوق۔ بھوت کہاں ہیں؟"

"عالی جاہ۔ وہ ہمارے ملک پر حملہ آور ہوئے ہیں۔" تھیوڈومیر نے حواس پر قابو پاتے ہوئے جواب دیا۔

راڈرک نے حکم دیا کہ تھیوڈومیر کو شراب پیش کی جائے۔ شراب پی کر تھیوڈومیر کے حواس بجا ہوئے تو اس نے کہا:

"اے شہنشاہِ عالی مقام! ایک قوم نے میرے جنوبی علاقے پر حملہ کیا ہے۔ پتہ نہیں وہ لوگ کہاں سے آئے ہیں کیسے آئے ہیں اور کیوں آئے ہیں۔ نہ ان کے وطن کا پتہ ہے نہ ان کی قومیت کا علم اور نہ ان کے مقصد کی اطلاع۔ انھوں نے ہماری فوج کو کاٹ کر رکھ دیا۔ وہ جنوں بھوتوں کی طرح لڑتے ہیں۔ وہ میدانِ جنگ میں جم کر لڑتے ہیں تو پہاڑ

بن جاتے ہیں اور جب حرکت میں آتے ہیں تو سیلِ رواں کی مانند۔ انہیں روکنا مشکل ہے ...
کسی طرح ممکن نہیں۔۔۔۔"

راڈرک نے تھیوڈمیر کی باتیں بڑے غور سے سنیں۔ ستا اس کا دماغ مسلمانوں کی جانب گیا جن کی
طاقت نے افریقہ میں قیامت برپا کر رکھی تھی۔

راڈرک نے کچھ سوچتے ہوئے کہا؛

"ان کی تعداد کتنی ہے۔ وہ کتنے جہازوں پر سوار ہو کر آئے ہیں؟"

تھیوڈمیر نے جواب دیا؛

"عالی جاہ! ان کی صحیح تعداد کا تو مجھے علم نہیں۔ میرے مخبروں نے بتایا ہے کہ یہ لوگ جن جہازوں پر ...
تھے انہوں نے ان کو خود اپنے ہاتھوں سے جلا کر خاک کر دیا ہے"۔

راڈرک بڑا حیران ہوا۔ ساتھ ہی اسے یہ پریشانی بھی لاحق ہوئی کہ آخر وہ کیا وجہ ہے جس نے ان ...
کو اپنے جہاز جلانے پر مجبور کیا۔

راڈرک نے فوراً اپنے مخبروں کو دریافتِ حال کے لیے جنوب کی طرف روانہ کیا۔ پھر وہ چپکے سے باغیوں کا ...
ختم کر کے دارالخلافہ طلیطلہ واپس آ گیا۔ طلیطلہ میں بھی مسلمانوں کے حملے کی خبر پہنچ چکی تھی اور وہاں ہر شخص ...
اور سراسیمہ تھا۔

راڈرک نے فوراً مذہبی جنگ کا اعلان کر دیا اور ہر طرف اپنے ہرکارے دوڑا دیے۔ اس نے پادریوں ...
درخواست کی کہ وہ اس بُری گھڑی میں اس کا ساتھ دیں اور جنگ کو مذہبی جنگ کا رنگ دے کر لوگوں کی زیادہ ...
حمایت حاصل کریں۔

اب کیا تھا۔۔۔۔ پادری حرکت میں آ گئے۔ تبلیغ اور وعظ کے ساتھ شوقِ جنگ بھی دلایا جانے لگا اور ...
سعادتِ عظمیٰ کا درجہ دیا گیا۔ انعام و اکرام کے وعدے کیے گئے۔ زمینیں اور جاگیریں عطا کی جانے لگیں۔ زر و ...
لٹائے جانے لگے۔ جبریہ بھرتی شروع کر دی گئی۔

دیکھتے ہی دیکھتے ایک لاکھ کی فوج جمع ہو گئی۔۔۔۔ جن میں گھوڑے بھی تھے۔۔۔۔ بیش قیمت ...
بھی اور ساز و سامان بھی۔

شہنشاہ راڈرک ایک لاکھ کی اس فوج کے ساتھ طارق بن زیاد کے مقابلے کے لیے اس شان سے نکلا کہ اس ...
سونے کا تخت، جواہرات سے آراستہ، لال و زمرد سے سجا ہوا اور یاقوت سے مرصع، دو گھوڑوں کی پشت پر ...
ہوا تھا۔۔۔۔ اس کے سر پر ایک اعلیٰ درجے کا چھتر لگا تھا۔

ایک طرف یہ شان اور یہ آن بان تھی۔ شان و شوکت اور تزک و احتشام کا یہ عالم تھا اور دوسری طرف جن کے
مقابلے پہ جا رہا تھا ان کا یہ حال کہ ان کے پاس نہ پورے ہتھیار تھے نہ گھوڑے نہ سامانِ رسد اور نہ ضروری اسلحہ۔
اگر کوئی چیز ان کے پاس تھی تو وہ تھا شوقِ جہاد۔ جذبۂ شہادت اور قوتِ ایمانی!

طارق کو جب ان تیاریوں کی خبر ملی تو انہوں نے سردارِ اعلیٰ موسیٰ بن نصیر کو فوری طور پر مطلع کیا کہ ایک لاکھ
کے مقابلے میں سات ہزار کا کوئی تناسب نہیں، کوئی مقابلہ نہیں اس لیے مزید کمک روانہ کی جائے۔
جاندیدہ موسیٰ بن نصیر نے فوراً پانچ ہزار کی کمک روانہ کر دی۔ اس کمک کے ملنے کے بعد بھی ایک اور دس
کا مقابلہ تھا۔

طارق بن زیاد اپنے لشکر اور جاں نثاروں کے ساتھ جذبۂ ایثار سے سرشار آگے بڑھے اور کارپہنچی
پر ایک معمولی جھڑپ کے بعد قبضہ کر لیا۔

اور پھر اگست ۷۱۱ء کی ایک حسین اور دلفریب صبح کو لشکرِ اسلام نے دریائے گاڈلیٹ وادی بکہ یا لکہ کے
کنارے مدینہ شدونہ کے میدان میں خیمے نصب کیے اور قدرتِ خداوندی کا تماشہ
دیکھنے کے لیے دشمنوں کی فوج کا بے چینی سے انتظار کرنے لگے۔

اسی شام راڈرک بھی معہ اپنے لاؤ لشکر کے اس تاریخی میدان میں پہنچ کے خیمہ زن ہوا۔ ایک طرف خیموں سے
چھاچھن اور کھناکھن کی آوازیں آنے لگیں۔ دوسری سمت سے نعرۂ تکبیر کی صدائیں بلند ہوئیں۔ ایک طرف جام سے جام ٹکرائے
جا رہے تھے۔ دوسری طرف سجدوں میں جھکے ہوئے سر فتح و نصرت کی دعائیں مانگ رہے تھے۔

ایک طرف ساقی لڑکیاں بصد ناز و انداز اٹھکیلیاں کرتی ساغر و مینا کو گردش دے رہی تھیں۔ دوسری طرف خدا سے
آمرا لگائے تپتی ہوئی زمین پر سجدے ادا ہو رہے تھے۔

راڈرک کے لشکر میں موتی اور جواہرات ٹکی تلواریں لہرائی جا رہی تھیں اور مجاہدِ اسلام طارق بن زیاد کے لشکری
اپنی بے نیام تلواریں پتھر پہ رگڑ کر تیز کر رہے تھے۔

یہ عالم اور یہ کیفیت دونوں لشکروں میں نہ معلوم کتنے دن تک قائم رہی۔ پھر آخر کار روزِ جنگ آ ہی گیا۔۔۔۔ اور
طبلِ جنگ بج ہی گیا۔

طارق بن زیاد نے میمنہ، میسرہ اور قلب پہ تجربے کار سرداروں کو متعین کیا اور پھر اللہ اکبر کا نعرہ لگا کر طبلِ جنگ
بجوا دیا۔

راڈرک کا زریں تخت ایک اونچے مقام پہ رکھا گیا جہاں سے وہ جنگ کا نظارا کر رہا تھا۔ اس کے گرد دس ہزار
سوار اور پیادے گھیرا ڈالے حفاظت کر رہے تھے۔

جنگ شروع ہوئی۔

ہتھیاروں کی جگمگاہٹ نے سورج کو ماند کر دیا۔ کھانڈے سے کھانڈا ٹکرانے لگا۔ تلواریں ہڑیاں ... نیزے سینوں میں پیوست ہونے لگے۔ کلہاڑے سروں کو پاش پاش کرنے لگے۔ مگر میدانِ جنگ میں دو چار ہزار سپاہی نہ تھے ایک لاکھ سر تھے جن کے کٹنے کے لیے بھی مدت درکار ہوتی ہے۔ ایک دن کی جنگ میں فیصلہ نہ ہو سکا۔

دوسرا دن بھی یونہی گزر گیا۔

عیسائی پادری جھنڈے لیے صلیب گلے میں لٹکائے فوجوں کے ساتھ تھے۔ وہ چلا چلا کر ہسپانوی سپاہیوں کے دل بڑھانے لگے۔ . . . . مگر مجاہدینِ اسلام کوہِ گراں تھے۔ آہنی دیوار تھے۔ ان کے پائے ثبات میں لغزش نہ آئی۔ پیچھے نہ ہٹتا۔

سات دن گزر گئے مگر کوئی نتیجہ نہ نکلا۔

جنگ کا آٹھواں دن تھا۔

مجاہدین رات بھر سربسجود ہو کر دعاؤں میں مصروف رہے۔ صبح ہوتے ہی ایسا زبردست حملہ کیا کہ لاشوں کے انبار لگ گئے۔

راڈرک کے لشکر میں ابتری پیدا ہو گئی۔ مسلمانوں نے اور دباؤ ڈالا اور ہسپانوی لشکر کی صفیں توڑ کر اندر گھس گئے۔

راڈرک نے گھبرا کر اپنے دس ہزار محافظوں کو بھی جنگ میں جھونک دیا۔ مگر جنگ کا پانسہ پلٹ چکا تھا۔ مسلمان جان توڑ کر لڑ رہے تھے اور برابر آگے بڑھتے جا رہے تھے۔

آج حبیب بن احمد، عثمان، حبیب اور مریم و فلورا، سب کے سب ایک ہی دستے میں تھے۔ حبیب بن بہت زخمی ہو گئے۔ عثمان نے فوراً ان کے گھوڑے کی لگام پکڑ کر انہیں پیچھے کر دیا۔ اس کوشش میں عثمان اور حبیب بھی زخمی ہو گئے۔

دن ڈھلتے ہی مسلمانوں کے حملے میں شدت پیدا ہو گئی۔

طارق بن زیاد عصر سے پہلے ہی جنگ کا فیصلہ کر دینا چاہتے تھے۔ انھوں نے نعرۂ تکبیر بلند کر کے حملہ کیا۔ حملہ اتنا تیز تھا کہ ہسپانوی لشکر کے چھکے چھوٹ گئے۔

میدان ہاتھ سے جاتا دیکھ کر راڈرک گھبرا کر اپنے تخت پر کھڑا ہو گیا۔ ایک گھوڑا اس کے لیے تخت کے پاس ہر وقت تیار رہتا تھا۔ اس نے تخت سے اترنے سے پہلے آخری بار میدانِ جنگ پر ایک حسرت بھری نگاہ ڈالی....

لیکن اس کی یہ نظر ایک جگہ جم کے رہ گئی۔

اسلامی لشکر کے دو سوار ہسپانوی سواروں کو مارتے کاٹتے تیزی کے ساتھ راڈرک کے تخت کی طرف بڑھ رہے تھے۔

راڈرک کے جسم میں خوف کی لہر دوڑ گئی۔

وہ دوڑ کر گھوڑے کے پاس پہنچا۔ رکاب میں پیر رکھ کر سوار ہوا۔ نگاہیں سنبھالتے ہوئے اس نے مڑ کر دیکھا تو موت سامنے نظر آئی۔ ایک مسلمان سپاہی ہسپانوی سپاہیوں کا حلقہ توڑ کر اس کی طرف آ رہا تھا۔ دوسرا ان سپاہیوں کے درمیان میں تھا۔

راڈرک نے گھوڑے کو ایڑ لگائی اور پیچھے کی طرف بھاگا۔

جنگ دور دور تک پھیل چکی تھی۔ مشرق و مغرب کے راستے سپاہیوں کی لاشوں سے پٹے پڑے تھے۔ راڈرک نے شمال کا رخ کیا مگر شمال میں دریا تھا۔ راڈرک دریا کے کنارے پہنچ گیا۔ . . . مسلم سوار اس کے سر پہ پہنچ گیا۔

سوار کو اکیلا دیکھ کر راڈرک کا حوصلہ بڑھا۔ اس نے تلوار کھینچ لی۔ ٹھیک اسی وقت مسلم سوار نے اپنے منہ پر لپٹا ہوا رومال چہرے سے ہٹا دیا۔

"فلورا ــــ" راڈرک کی گھٹی گھٹی سی آواز نکلی اور تلوار اس کے ہاتھ میں کانپنے لگی۔

"فلورا نہیں۔ تیری موت، بزدل!"

فلورا کی آنکھوں سے شعلے نکل رہے تھے۔ پھر اس کی تلوار چمکی۔ راڈرک نے گھوڑا موڑ کر اپنا سینہ بچانا چاہا مگر تلوار اس کی پیٹھ میں داخل ہو گئی۔ . . . . فلورا نے تلوار پہ زور ڈالا اور تلوار راڈرک کے دل میں سے گزرتی ہوئی دوسری طرف نکل گئی۔

راڈرک کا گھوڑا بدکا اور مع سوار کے پانی میں کود پڑا۔

فلورا اپنی تلوار راڈرک کے جسم سے نہ نکال سکی۔ راڈرک کی گردن زین سے لگ گئی۔ گھوڑا دریا کے تیز دھارے میں تیرنے لگا لیکن دریا کے شوریدہ سر دھارے اسے بہت دور بہا لے گئے۔ اتنی دور کہ وہ فلورا کی نظروں سے اوجھل ہو گیا۔

مؤرخ کہتے ہیں کہ راڈرک دریا میں ڈوب کر مر گیا۔ . . . . حالانکہ طلیطلہ والے ایک زمانے تک اس کی واپسی کا انتظار کرتے رہے۔

مجاہدِ اسلام طارق بن زیاد نے آٹھ دن کی سخت لڑائی کے بعد ہسپانیہ والوں کو ایسی شکست دی جس کے

بعد وہ پھر کبھی اتنی عظیم قوت جمع نہ کر سکے۔

○

شام کے دھندلکے میں جب فلورا، زخمی عثمان کے بستر کے پاس پہنچی تو عثمان نے پوچھا:
"تمہاری تلوار کہاں ہے فلورا۔ اور راڈرک کہاں ہے؟"
"وہ میرے انتقام کا نشانہ بن گیا اور دریا اس کی قبر۔" یہ کہتے وقت فلورا کے چہرے پر ایک مسکراہٹ کھیل رہی تھی۔

○

③
تارامیر

○

گھوڑا گاڑی ایک جھٹکے کے ساتھ رک گئی۔
گاڑی کے اندر بیٹھی ہوئی خواتین نے گردنیں باہر نکالیں۔ ہسپانوی جھنڈا دیکھ کر ان کی چیخیں نکل گئیں۔ بچے رونے لگے۔ کوچوان پریشان اور چاروں مسلمان محافظ سوار حیران تھے اور سوچ رہے تھے کہ اس بلا سے ناگہانی سے کیسے بچا جائے؟

چاروں طرف پہاڑ ہی پہاڑ۔ حدِ نظر تک آبادی کا نام و نشان نہیں۔ گاڑی کو واپس کرنا بھی ممکن نہ تھا اس لیے کہ سامنے سے چالیس پچاس ہسپانوی سوار، ہسپانوی جھنڈا ہاتھ میں لیے بڑی تیزی سے ان کی طرف بڑھے چلے آ رہے تھے۔

گاڑی پر اسلامی پھریرا لہرا رہا تھا۔ اس طرح دو جھنڈے، دو تہذیبیں اور دو مذہب ایک مرتبہ پھر آمنے سامنے تھے۔

تیز رفتار ہسپانوی سپاہی، گاڑی سے کچھ فاصلے پر آ کر رک گئے۔ شاید انہیں اسلامی جھنڈا نظر آ گیا تھا اور اب وہ مسلمان محافظوں کی صحیح تعداد کا اندازہ لگانے کی کوشش کر رہے تھے۔ مسلمان محافظ اپنی تلواریں بے نیام کر چکے تھے۔

گاڑی کے اندر سے ایک کانپتی ہوئی آواز آئی:
"اب کیا ہوگا مسلمان محافظ۔ یہ ہسپانوی ہمارے دشمن ہیں۔"
ایک محافظ نے تلوار ہوا میں لہراتے ہوئے جواب دیا: "خاتون، ہوگا تو وہی جو خدا کو منظور ہوگا لیکن

اس کا اطمینان رکھیے کہ جب تک ہمارے ہاتھ میں تلوار ہے ان ہسپانوی سپاہیوں کے ہاتھ آپ تک نہیں

اتنے میں ہسپانوی سواروں میں سے ایک سوار گاڑی کی طرف آتا دکھائی دیا۔ محافظوں میں سے
بڑھ کر اسے گاڑی سے دور ہی روک لیا۔ ہسپانوی سوار نے تلوار نہیں نکالی تھی اس لیے مسلمان محافظ نے
تلوار نیام میں رکھ لی۔

ہسپانوی سوار نے پوچھا:

"تم کون ہو اور کہاں جا رہے ہو؟"

محافظ نے کہا:

"تعجب ہے کہ تم ہمارا پرچم دیکھنے کے بعد بھی پوچھ رہے ہو کہ ہم کون ہیں!"

"تم کتنے آدمی ہو اور گاڑی کے اندر کون ہے؟" ہسپانوی سوار نے ذرا سختی سے پوچھا۔ اس نے دیکھ
کہ مسلمانوں کی تعداد صرف چار ہے۔

"گاڑی میں کچھ معزز خواتین ہیں۔ اس سے زیادہ نہ بتانے کی ضرورت ہے اور نہ تمہیں پوچھنے کا حق ہے"
نے بھی اسی سختی سے جواب دیا۔

ہسپانوی سپاہی نے گھوڑا، گاڑی کی طرف بڑھاتے ہوئے کہا:

"ہم خود دیکھ لیں گے کہ وہ کون ہیں؟ اگر وہ تمہاری عورتیں ہیں تو انھیں ہم چھوڑ دیں گے اور اگر وہ ہ
ملک سے تعلق رکھتی ہیں تو ہم انہیں تمہارے ہاتھوں سے آزاد کرا کے ان کے گھروں تک خود پہنچا دیں گے۔"

"وہ تمہارے ہی ملک کی ہیں مگر تمہارے ساتھ نہیں جائیں گی۔" محافظ نے اپنا گھوڑا ہسپانوی سوار کے ما
کر کے اسے آگے بڑھنے سے روکا۔

دور کھڑے ہوئے ہسپانوی سپاہیوں نے دیکھا کہ جھگڑا بڑھ گیا ہے تو وہ بھی گھوڑے دوڑاتے ہو
قریب آ گئے۔ ان میں سے ایک سوار نے جو اُن کا سردار تھا، پوچھا:

"ٹیٹرس! یہ کون ہیں اور کیا کہہ رہے ہیں؟"

"ان کے ساتھ ہسپانوی عورتیں ہیں۔ یہ کہہ رہا ہے کہ وہ ہمارے ساتھ نہیں جائیں گی۔" ٹیٹرس نے اپنے سردار
جواب دیا۔ باقی تین مسلمان محافظ بھی اپنے ساتھی کے برابر آ گئے۔

گھوڑا گاڑی سے منہ نکال کر ایک ضعیف خاتون نے چیخ کر کہا:

"ہاں، ذلیل کتو! ہم تمہارے ساتھ نہیں جائیں گے۔ ہم روپاس کے گھر والے ہیں۔ ظالم راڈرک مارا گیا
اب ہماری حکومت ہے۔"

روپاس کا نام سن کر ہسپانوی سپاہی چونک پڑے۔ روپاس یار روپاس..... ہسپانیہ کے سابق شہنشاہ غطیشہ

ہسپانوی سردار نے بگڑ کر کہا:

"بڑھیا! تیرے منہ میں آگ لگے۔ ہمارا شہنشاہ راڈرک زندہ ہے۔ وہ فوجیں اکٹھا کر کے بہت جلد واپس آئے
گا اور مسلمان اور تم جیسے غداروں کا خاتمہ کر دے گا۔"

اسلامی سپہ سالار طارق بن زیاد نے ہسپانیہ کے شہنشاہ راڈرک کو لاگو جنڈہ (گاڈلیٹ) کی شدید جنگ میں
شکست دے کر اس کا خاتمہ کر دیا تھا اور وہ دریا میں ڈوب کر مر چکا تھا لیکن اس کا شکست خوردہ لشکر جو ادھر اُدھر
بکھر گیا تھا، اب تک اسی خیال میں تھا کہ راڈرک پوشیدہ ہو گیا ہے اور از سرِ نو لشکر ترتیب دے رہا ہے۔

راڈرک پہلے شہنشاہ ہسپانیہ غطیشہ کا ایک معمولی سردار تھا مگر اس نے نمک حرامی کی اور اپنے آقا کے خلاف
علمِ بغاوت بلند کر کے تخت و تاج پر قبضہ کر لیا۔ شہنشاہ غطیشہ کا بھائی روپاس اور لڑکے ہسپانیہ سے بھاگ کر افریقہ میں
پناہ گزین ہو گئے۔

جس وقت طارق بن زیاد نے سمندر عبور کر کے ہسپانیہ میں قدم رکھا تو سابق شہنشاہ کے ان عزیزوں نے ایک
معاہدے کے تحت مسلمانوں کا ساتھ دیا اور طارق بن زیاد کے پاس ہسپانیہ آ گئے۔ طارق بن زیاد آگے بڑھے اور پھر
وادی لکہ کے پاس جنگ لاگو جنڈہ میں راڈرک کو شکست فاش دی۔ روپاس اور سابق شہنشاہ کے لڑکے طارق بن
زیاد کے ساتھ تھے۔ جنگ کے اختتام پر روپاس نے اپنے گھر والوں کو جنوب سے بلوایا تھا۔

اس گاڑی میں روپاس کی بیوی، دو بیوہ بہنیں، ان کے بچے اور روپاس کی جواں عمر بھانجی تارائی سوار تھی۔ اس
جنگ کے بعد مسلمانوں کا اتنا رعب قائم ہو گیا تھا کہ روپاس کے اہل و عیال کو لانے والی گاڑی کے لیے زیادہ حفاظتی
انتظام کی ضرورت نہ سمجھی گئی اور صرف چار مسلمان محافظ روانہ کیے گئے جو اس وقت ایک سنگین صورت حال سے
دوچار تھے۔

ہسپانوی سواروں کا یہ گروہ ان خوش عقیدہ لشکریوں میں سے تھا جن کا خیال تھا کہ شہنشاہِ ہسپانیہ اب تک زندہ
ہے اور وہ کسی وقت بھی فوج لے کر واپس آ سکتا ہے۔

اس قسم کے کتنے ہی گروہ جنوبی ہسپانیہ میں اِدھر اُدھر مارے مارے پھرتے تھے۔ یہ مسلمانوں اور ان کے حلیفوں
کے سخت دشمن تھے۔ اگر کوئی اکیلا دکیلا مسلمان مل جاتا تو وہ اسے بے دریغ تہ تیغ کر دیتے۔ یہ ایسے ہسپانیوں کو
بھی معاف نہ کرتے جن کے متعلق انہیں شبہ ہوتا کہ انہوں نے مسلمانوں کا کسی طور ساتھ دیا ہے۔

جہاں تک روپاس کا تعلق تھا تو اس کے بارے میں تو ہر ایک کو معلوم تھا کہ وہ اور سابق شہنشاہ کے لڑکے

کھلم کھلا مسلمانوں کے ساتھ ہیں۔

ہسپانوی سواروں نے بڑی تیزی سے مسلمان محافظوں کے گرد گھیرا ڈال لیا۔ مسلمانوں نے بھی تلواریں لے لی تھیں۔

ہسپانوی سردار نے کہا:

"روپاس نے ہسپانیہ سے غداری کی ہے۔ اس کے گھر والوں کو ہم گرفتار کر کے لے جائیں گے۔ اگر اپنی جان بچا کر جا سکتے ہو تو۔"

"مسلمان محافظ اپنی جان بچایا نہیں کرتے۔" یہ کہتے ہوئے ایک محافظ نے سردار پر حملہ کر دیا۔ سردار اس سے تیار تھا۔ اس نے وار روک لیا۔ لڑائی چھڑ گئی۔

دیر تک دونوں طرف سے تلواریں چلتی رہیں مگر چار اور پچاس کا کیا مقابلہ تھا۔ مسلمان محافظوں پر چاروں سے تلواریں پڑ رہی تھیں اور وہ زخمی ہو رہے تھے لیکن ان کے قدم زمین میں جیسے جم گئے تھے۔

گاڑی میں بیٹھی عورتیں اور بچے چیخ و پکار کر رہے تھے۔ کوچوان کے پاس تلوار نہ تھی۔ اس نے اپنی چابک لی اور ہسپانویوں پر چابک برسانا شروع کر دی۔

روپاس کی بہن گاڑی سے نکل کر زمین سے پتھر اٹھا کر ہسپانویوں پر پھینکنے لگی لیکن اس کا کیا اثر ہوتا۔ لڑائی ہی ختم ہو گیا۔

چاروں محافظ ایک ایک کر کے اپنے فرض پر قربان ہو گئے۔ عورتوں اور بچوں کو گرفتار کر لیا گیا۔ ان کے رسیوں سے باندھ دیے گئے۔ اب گاڑی ان اسیروں کو لے کر شمال کی بجائے مغرب کی طرف جا رہی تھی۔

ہسپانوی سپاہی قہقہے لگاتے اور اپنی کامیابی پر ناز کرتے تھوڑی ہی دور چلے تھے کہ سامنے سے بیس پچیس گرد اڑاتے ان کی جانب آتے دکھائی دیے۔

ہسپانویوں کے چہرے فق ہو گئے۔ سوار قریب آئے تو معلوم ہوا کہ یہ مسلمان ہیں۔ اب تو ہسپانوی سپاہی کے پیروں کے نیچے سے زمین نکل گئی..... اور نظروں کے سامنے موت ناچنے لگی۔

مسلمانوں میں سے ایک نوجوان نے آگے بڑھ کر پوچھا:

"ہم راستہ بھول گئے ہیں۔ لاگو جنڈہ کو کونسا راستہ جاتا ہے؟"

ایک ہسپانوی نے اپنی جان چھڑانے کے لیے راستہ بتایا مگر وہ راستہ غلط تھا۔ اسی وقت گاڑی کے اندر سے عورت نے چلا کر کہا:

"یہ جھوٹ بول رہا ہے۔ تمہیں اپنے خدا کی قسم! ہمیں بچاؤ۔ یہ ظالم ہیں۔"

وہ جوان جس کی عمر مشکل سے اٹھارہ سال کی ہو گی، گھوڑے سے کود کر فوراً گاڑی کے پاس گیا۔ وہ یہ دیکھ کر حیران رہ گیا کہ گاڑی میں صرف خواتین اور بچے تھے اور سب کے ہاتھ رسیوں سے جکڑے ہوئے تھے۔

نوجوان نے سر گھما کر اپنے ساتھیوں سے کہا:

"یہ سب ظالم ہیں۔ سب کو پکڑ لو۔ کوئی بچ کے نہ جانے پائے۔"

مسلمان سواروں نے ہسپانیوں پر حملہ کر دیا اور تلواریں آپس میں ٹکرانے لگیں۔ ادھر نوجوان نے تمام عورتوں اور بچوں کی رسیاں کاٹ کر انہیں آزاد کر دیا اور پھر خود بھی تلوار کھینچ کر ہسپانیوں پر ٹوٹ پڑا۔ اس نے دیکھتے ہی دیکھتے چار ہسپانیوں کو موت کے گھاٹ اتار دیا۔

روپاس کے گھر کی عورتیں اس جوان کی شمشیر زنی کو بڑی دلچسپی سے دیکھ رہی تھیں، خاص کر تارائی۔ روپاس کی نوجوان بھانجی۔ جب وہ جوان بڑھ کر حملہ کرتا تو بچے خوشی سے تالیاں بجانے لگتے۔

بیس منٹ کی لڑائی میں دس ہسپانوی مارے گئے۔ آٹھ گرفتار ہوئے اور باقی جان بچا کر بھاگ کھڑے ہوئے۔ مسلمانوں کو صرف ہلکے زخم آئے تھے۔

مسلم نوجوان مسکراتا ہوا خواتین کے پاس آ کر کھڑا ہو گیا۔ روپاس کی بوڑھی بہن نے جلدی سے اٹھ کر اسے گلے لگا لیا اور اسے دعائیں دینے لگی۔

جوان نے پوچھا:

"آپ لوگ کون ہیں اور کہاں جانا چاہتی ہیں؟" یہ کہتے ہوئے جوان کی نظریں..... روپاس کی خوبصورت بھانجی پر آ کر رک گئیں۔

ضعیفہ نے جواب دیا:

"بیٹا۔ میں روپاس کی بڑی بہن ہوں۔ روپاس نے تم مسلمانوں کا ساتھ دیا ہے اسی لیے یہ ہسپانوی کتے (کتے اور کتا تو جیسے اس ضعیفہ کا تکیہ کلام تھا) اس وجہ سے ہمارے خلاف ہو گئے ہیں۔ ہم روپاس کے پاس جا رہے تھے کہ ان کتوں نے ہمیں پکڑ لیا۔"

جوان کی نظریں اب تک روپاس کی پری پیکر بھانجی پر جمی ہوئی تھیں۔ اس نے بغیر نظریں گھمائے پوچھا:

"بزرگ خاتون۔ آپ کے بھائی روپاس کہاں ہیں؟ ہم آپ کو ان کے پاس پہنچائیں گے۔"

ضعیفہ بولی:

"میرا بھائی تمہارے بادشاہ کے ساتھ لاگو جنڈہ میں ہے۔ ہم اس کے پاس جا رہے تھے کہ ان کتوں نے....."

"لاگو جنڈہ۔" جوان خوشی سے چلایا: "ہماری منزل بھی وہی ہے بزرگ خاتون! وہاں ہمارے سردار طارق بن زیاد

ہیں۔ ہم ان کی فوج میں شریک ہونے افریقہ سے آئے ہیں۔"

تارائی اپنی بڑی بڑی پلکیں جھپکاتے ہوئے مسلم نوجوان کو شکر گزاری اور محبت کے جذبے سے دیکھ رہی تھی۔ بڑی بی کی نظر جوان کی آستین پر پڑی۔ اس پر خون کے دھبے نظر آئے۔ مسلم جوان کے ہاتھ اور شانے پر معمولی زخم آئے تھے۔

بڑی بی نے تارائی سے کہا:

"اے بیٹی! منہ پھاڑے کیا دیکھ رہی ہو۔ لڑکے کی آستین پر خون کے دھبے نظر آرہے ہیں۔ ذرا دیکھو، گہرا زخم تو نہیں ہے۔"

تارائی جیسے اسی بات کا انتظار کر رہی تھی۔ وہ اٹھ کر مسلم جوان کے پاس گئی اور نیچی نظریں کر کے بولی:

"آپ آستین اٹھائیے۔ دیکھوں تو زخم کتنا گہرا ہے۔"

"معمولی زخم ہے۔ آپ فکر نہ کیجیے۔" جوان نے مسکرا کر کہا۔

تارائی نے بڑی بی کو کن انکھیوں سے دیکھتے ہوئے کہا:

"جلدی دکھائیے۔ خالہ جان نے حکم دیا ہے۔ وہ غصے کی بہت تیز ہیں، ابھی آفت برپا کر دیں گی۔"

"تو پھر آپ خود ہی دیکھ لیجیے۔" جوان نے اپنا زخمی ہاتھ تارائی کی طرف بڑھا دیا۔

تارائی نے آستین الٹی۔ زخم زیادہ گہرا نہ تھا۔ اس نے سرکا رومال کھولا اور اس کے دو ٹکڑے کیے۔ ایک زخم صاف کیا، دوسرا اس پر باندھنے لگی۔

نوجوان نے پوچھا:

"آپ کا نام تارائی ہے۔"

"جی ہاں۔" تارائی شرماتے ہوئے بولی:

"نام تو تارائی ہے لیکن سوائے خالہ جان کے سب مجھے تارا کہتے ہیں۔"

"بڑا خوبصورت نام ہے۔ آپ تو واقعی تارا ہیں، آسمان پر چمکنے والا تارا۔"

تارائی اور زیادہ شرما گئی۔

پٹی باندھنے کے بعد اس نے پوچھا:

"آپ کو میرا نام تو معلوم ہو گیا۔ اپنا نام بھی بتا دیجیے۔"

"مجھے امیر قیروانی کہتے ہیں۔" نوجوان بولا:

"آپ چاہیں تو مجھے صرف میر کہہ سکتی ہیں۔ میرے تمام دوست مجھے اسی نام سے پکارتے ہیں۔"

میر، تارائی نے آہستہ سے دہرایا۔ پھر بولی:

"یہ لوگ نہ آجاتے تو پتہ نہیں ہم پر کیا گزرتی۔ آپ سے پہلے ہمارے چار محافظ مسلمانوں کو ان بھیڑیوں نے ختم کر دیا تھا۔ وہ آخری وقت تک لڑتے رہے مگر اتنے بہت سوں کا مقابلہ کیسے کرتے۔ ایک ایک کر کے بیچارے سب ختم ہو گئے۔"

میر کو یہ سن کر بڑا افسوس ہوا۔ اس نے رنجیدہ لہجے میں کہا:

"کاش ہم لوگ کچھ پہلے پہنچ جاتے تو ان کی جانیں بچ جاتیں۔"

پھر میر نے بتایا:

"ہم لوگ تو راہ بھول کر ادھر آنکلے تھے ورنہ ہم تو خود بھی لاگو جنڈہ جا رہے تھے۔"

میر نے نظر اٹھا کر آٹھوں ہسپانوی سپاہیوں کو نفرت سے دیکھا۔ میر کے ساتھیوں نے انہیں رسیوں سے گھوڑوں کی پیٹھ پر باندھ دیا تھا۔ روپاس کے خاندان کی عورتیں اور بچے گاڑی میں پھر سے بیٹھ گئے تھے۔ گاڑی چل پڑی۔

اب میر کو راستے کی کوئی فکر نہ تھی۔ گاڑی کا کوچوان اور عورتیں سب ہی لاگو جنڈہ کا راستہ جانتی تھیں۔

○

اسپین (ہسپانیہ) کی جنگ لاگو جنڈہ، دنیا کی عظیم ترین جنگوں میں سے ایک جنگ ہے۔ اس جنگ نے ہسپانیہ کی عظیم اور قدیم سلطنت کی بنیادیں ہلا کر رکھ دیں۔

ایک طرف ایک لاکھ سے زیادہ کیل کانٹے سے لیس ہسپانوی لشکر کاٹھیں مارتا ہوا سمندر اور دوسری طرف صرف بارہ ہزار مجاہدینِ اسلام۔

ایک طرف شہنشاہِ ہسپانیہ راڈرک، دوسری طرف اسلام کے غلاموں کا ایک غلام طارق بن زیاد۔ وہ زیاد، جس نے ساحلِ ہسپانیہ پر قدم رکھتے ہی کشتیوں کو نذرِ آتش کر دیا تھا۔ . . . . پھر اس کا وہ ایمان افروز خطبہ، جس نے مجاہدین کے دلوں کو جوشِ جہاد سے بھر دیا۔

یہ جنگ اور یہ فتح ایسی نہ تھی کہ اس کی بازگشت دور دور تک نہ سنائی دیتی۔ اس جنگ میں پچاس ہزار (قوطی) گوتھ مارے گئے۔ تیس ہزار قیدی ہوئے اور انھی رسیوں سے باندھے گئے جو رسیاں وہ مسلمانوں کو باندھنے کے لیے اپنے ساتھ لائے تھے۔ مقتولین میں ہزاروں رؤسا اور امراء تھے جن کے زر و جواہر سے مرصع ہتھیار

ان کے جسموں سے لپٹے ہوئے ان کی موت پر گریہ کناں تھے۔

جوانانِ اسلام کی نصرت کی یہ خبر ہسپانیہ سے قیروان پہنچی۔

قیروان میں اسلام کا عظیم سردار اور افریقہ کا گورنر موسیٰ بن نصیر مقیم تھا۔ ہسپانیہ پر یلغار کا منصوبہ اسی سردار نے تیار کیا تھا اور طارق بن زیاد اسی کا آزاد کردہ غلام تھا۔

موسیٰ بن نصیر اس فتح پر سجدۂ شکر بجا لایا۔ اس نے اموی خلیفہ ولید بن عبدالملک کو دمشق اطلاع بھیجی اور اپنے خط میں لکھا:

"اے امیر المومنین!
یہ جنگ کوئی دلی جنگ نہ تھی۔ کوئی آسان معرکہ اور سہل جہاد
نہ تھا۔ یہ تو حشر کا ایک نمونہ تھا۔ قیامتِ صغریٰ کا منظر تھا۔ اس کے
ذکر ہی سے رونگٹے کھڑے ہو جاتے ہیں۔ اس کامیابی کا سہرا
فرزندانِ توحید کے سر رہا۔"

یہ خبر افریقہ کی بستی بستی اور قریہ قریہ پہنچ گئی۔ ہر کان سے ٹکرائی۔ پھر دیکھتے ہی دیکھتے افریقہ کے بربر جوان جہاد میں حصہ لینے اور قسمت آزمائی کرنے سمندر عبور کر کے ہسپانیہ میں داخل ہو گئے۔ ان جوانوں کے روزانہ ایک دو گروہ لاگوجنڈہ پہنچتے۔ طارق بن زیاد نے ان آنے والوں کو سر آنکھوں پہ بٹھایا اور اپنے لشکر میں شامل کر لیا۔

افریقہ سے آنے والا ایسا ہی ایک گروہ تھا جس میں امیر یا میر اپنے دوستوں کے ساتھ شامل ہو کر یہاں پہنچا تھا۔ اس کا آنا بڑا مبارک ثابت ہوا کیونکہ اگر وہ عین وقت پہ روپاس کے خاندان والوں کی مدد کو نہ پہنچتا تو درندہ صفت راڈرک کے لشکری، معصوم بچوں اور مظلوم عورتوں کے ساتھ کیا سلوک کرتے۔

افریقہ سے آنے والوں کے لیے طارق بن زیاد نے ایک عارضی محکمہ قائم کر دیا تھا۔ اس محکمے کے کارکن آنے والوں کا خیر مقدم کرتے۔ ان کے قیام و طعام کا انتظام کرتے اور ہر جوان کو اس کی فوجی ہنرمندی کے مطابق دستوں میں بھجواتے۔ آنے والوں میں تیر انداز، شمشیر زن، نیزے باز غرضیکہ ہر قسم کے لوگ تھے۔ ان کا ضروری امتحان لے کر انہیں مختلف جگہوں پہ لگایا جاتا۔ جو فوجی خدمات کے قابل نہ ہوتے انہیں غیر فوجی کام سپرد کر دیا جاتا۔ مایوس کسی کو نہ کیا جاتا۔

طارق بن زیاد کے پیشِ نظر اب صرف لشکر کشی اور فتوحات نہ تھیں بلکہ ہسپانیہ میں مسلمانوں کی منتقلی کا بندوبست بھی کرنا تھا تاکہ مفتوحہ علاقوں میں شہری حکومت اور اسلامی معاشرے کی داغ بیل ڈالی جائے۔

روپاس اپنے گھر والوں کو دیکھ کر بہت خوش ہوا لیکن جب اس کی بہن اور بھانجی نے راہ میں پیش آنے والے نتیجے کا ذکر کیا تو روپاس، میر قیروانی سے ملنے کے لیے بے چین ہو گیا تاکہ کم از کم اس کا شکریہ تو ادا کرے۔ وہ فوراً طارق بن زیاد کے پاس گیا اور قیروانی جوان کی بہادری کا ذکر خوب بڑھا چڑھا کر کیا۔ طارق کو بھی اس جوان کو ملنے کا شوق ہوا۔

میر قیروانی اور اس کے ساتھیوں کو حسبِ قاعدہ امتحان لے کر لشکر کے مختلف دستوں میں بھیج دیا گیا تھا۔ طارق نے محکمے کے افسر کو بلا کر اسے میر قیروانی کا نام بتایا اور حکم دیا کہ اس نوجوان کو مع اس کے ساتھیوں کے فوراً تلاش کر کے ان کے سامنے پیش کیا جائے۔

مسلم جوان میر قیروانی، لاگوجنڈہ پہنچ کر تارا سے جدا ہو گیا تھا لیکن تارا کا چھریرہ بدن، نرگسی آنکھیں اور بھاری بھاری پلکیں اس کے ذہن پر سوار ہو گئی تھیں۔ تارا سے ملاقات اور سفر کے دوران اس نے یہ تو محسوس کر لیا تھا کہ تارا اس کی باتوں میں دلچسپی لیتی ہے اور اس کا خیال بھی رکھتی ہے مگر وہ یہ فیصلہ نہ کر سکا کہ تارا کی یہ انسیت اور لگاؤ جذبۂ احسان مندی کا اظہار ہے یا وہ اس کی طرح دل سے بھی اسے پسند کرتی ہے۔

اپنے دستے میں پہنچنے کے بعد میر قیروانی ایسے ہی خیالات میں غلطاں و پیچاں تھا کہ اسے طارق بن زیاد کی طرف سے بلاوا ملا۔ اسے تعجب ہوا کہ سپہ سالارِ اسلام نے اسے کیوں طلب کیا؟ اس نے اب تک اس عظیم ہستی کو نہ دیکھا تھا جس نے شہنشاہِ ہسپانیہ کی طاقت کو خاک میں ملا دیا تھا۔ وہ دل میں خوش تھا کہ آج اسے طارق بن زیاد کا دیدار نصیب ہو گا۔ اس کے ساتھیوں کو جب معلوم ہوا کہ میر کو طارق بن زیاد نے بلایا ہے تو وہ بھی بہت خوش ہوئے اور میر کو مبارکباد دی کہ ممکن ہے اب میر کی قسمت کھل جائے اور وہ کوئی اعلیٰ عہدہ حاصل کر لے۔

میر قیروانی جب سپہ سالار کے خیمہ میں پہنچا تو اس نے لاگوجنڈہ کے ہیرو کو ایک چٹائی پہ بیٹھے دیکھا۔ طارق کو اگرچہ اس نے پہلے نہ دیکھا تھا لیکن اس کا سرخ رنگ اور سرخ بالوں کو دیکھ کر اسے طارق کے پہچاننے میں کوئی دقت نہ ہوئی۔ طارق بن زیاد اپنی رنگت اور بالوں کی وجہ سے دوسروں سے مختلف نظر آتے تھے اور سرخ بالوں والے سالار کے نام سے ہسپانیہ سے لے کر افریقہ تک مشہور ہو گئے تھے۔

ایک بڑی سی چٹائی پہ چادر بچھی تھی جس پہ طارق کے دائیں بائیں کچھ مسلم سردار اور چند عیسائی اور یہودی بیٹھے تھے۔

میر قیروانی نے بڑھ کر اب سے تمام لوگوں کو سلام کیا۔ میر قیروانی کو بلا کر لانے والے نے پہلے ہی طارق کو بتا دیا تھا کہ ان کا طلب کیا ہوا جوان حاضرِ خدمت ہو رہا ہے۔ طارق نے مسکرا کر سلام کا جواب دیا اور بیٹھنے کا اشارہ کیا۔

پھر طارق نے میر سے پوچھا:

"میر۔ اگرچہ تم ابھی جوان ہو لیکن تم نے جو کارنامہ انجام دیا ہے اس کے لیے ہم اور پادری روپاس تمہارے شکر گزار ہیں۔"

یہ کہتے ہوئے طارق نے ایک تنومند انسان کی طرف دیکھا۔ یہ پادری روپاس تھا۔ ہسپانیہ کے جائز حکمران کا بھائی جسے قتل کر کے راڈرک نے تخت پر قبضہ کیا تھا۔ بھائی کے قتل کے بعد روپاس نے گوشہ نشینی اختیار کر لی۔ اس کے جسم پر سفید رنگ کی لانبی عبا تھی۔ روپاس کا جسم بھاری بھرکم لیکن داڑھی بالکل سفید تھی۔

پادری روپاس نے متشکر نظروں سے میر کو دیکھتے ہوئے کہا:

"خداوند یسوع مسیح کی رحمتیں تم پر نازل ہوں جوان! تم نے میرے اہل و عیال کی جان بچا کر جو احسان کیا ہے میں عمر بھر نہ بھول سکوں گا۔"

میر نے نہایت ادب سے جواب دیا:

"بزرگ محترم! میں نے آپ پر یا کسی پر کوئی احسان نہیں کیا۔ یہ تو میرا مذہبی فریضہ تھا جسے ادا کرنے کی اللہ تعالیٰ نے توفیق دی۔"

"بہادروں کی قدر افزائی اور عزت افزائی نہ کرنا ایک جرم ہے۔" طارق نے مسکرا کر کہا۔ پھر ایک لانبے قد اور سرخ رنگت والے عیسائی کی طرف دیکھ کر بولے:

"کیوں کاؤنٹ جولین آپ کا کیا خیال ہے؟"

کاؤنٹ جولین نے جواب دیا:

"سالارِ محترم نے بالکل بجا فرمایا۔ بہادروں کی قدر دانی اور ہمت افزائی کرنے کے علاوہ انہیں نوازشوں سے بھی ضروری ہے۔"

"کیوں نہیں کاؤنٹ۔ ہم آپ کی رائے سے پوری طرح اتفاق کرتے ہیں۔" طارق نے جواب دے کر میر قیروانی کو دیکھا اور بولے:

"میر قیروانی! ہم تمہیں کچھ انعام دینا چاہتے ہیں۔ تم کس قسم کا انعام پسند کرو گے۔"

"سپہ سالارِ معظم!" میر ادب سے بولا: "میں نے اور میرے ساتھیوں نے خواتین کی حفاظت کسی صلے یا

حاصل کے لیے نہیں کی تھی۔ میری جگہ کوئی بھی مسلمان ہوتا۔ وہ ایسا ہی کرتا۔"

"میر۔ ہم تمہاری اس بات سے اور خوش ہوئے۔" طارق نے کہا:

"تم تیر اندازی اور شمشیر زنی دونوں سے کمان میں زیادہ مہارت رکھتے ہو۔"

"قومی خدمات انجام دینا میرا خاندانی پیشہ ہے سالارِ اعظم۔ میں سپاہی زادہ ہوں۔ میں نے ہر فن پر عبور حاصل کرنے کی کوشش کی ہے۔"

میر قیروانی کا تعلق بھی بربر قوم سے تھا۔ یہ قوم بڑی جنگ جو تھی۔ میر کے باپ دادا فوجی خدمات انجام دیا کرتے تھے۔ میر نے فنونِ سپہ گری انہیں لوگوں سے سیکھی تھی۔

"ہم تمہیں ایک سو سواروں کا سردار مقرر کرتے ہیں میر۔" طارق نے میر کے لیے انعام تجویز کر دیا۔

میر کا دل خوشی سے سینے میں اچھلنے لگا۔

میر شکریہ ادا کرنے کے الفاظ سوچ رہا تھا کہ پادری روپاس بولا:

"سالارِ اعظم! اس سلسلے میں میری ایک التماس ہے۔"

"ضرور کہیے پادری صاحب! ہم آپ کو زیادہ سے زیادہ خوش دیکھنا چاہتے ہیں۔" طارق بن زیاد نے روپاس سے ہنس کر کہا۔

پادری روپاس اپنی سفید داڑھی پر ہاتھ پھیرتے ہوئے بولا:

"اگر سالارِ اعظم اس جرأت مند جوان کو حفاظتی دستوں کا سردار بنا دیں تو یہ مجھ پر اور میرے اہلِ خانہ پر آپ کا ایک اور احسان ہوگا۔"

طارق نے ایک لمحہ سوچنے کے بعد کہا:

"ہم آپ کی بات ٹال نہیں سکتے پادری صاحب!"

طارق بن زیاد نے اسی وقت محافظ دستوں کے تمام سرداروں کو طلب کر لیا۔ اس وقت تک محافظ دستے الگ الگ سرداروں کے ماتحت تھے۔ طارق نے تمام سرداروں کے سامنے اعلان کیا کہ:

"آج سے میر قیروانی تمام حفاظتی دستوں کا سردارِ اعلیٰ ہوگا۔ حفاظتی دستے نہ صرف اسلحہ، سامانِ خورد و نوش اور باربرداری کا انتظام کریں گے بلکہ خواتین کی حفاظت اور ان کے آرام کی ذمے داری بھی ان کے سپرد کی جاتی ہے۔"

اس کے بعد طارق بن زیاد کے سامنے جنگی قیدیوں کا مسئلہ پیش ہوا۔ جنگِ لاگو جنڈہ میں تقریباً تیس ہزار عیسائی فوجی گرفتار ہوئے تھے۔ ان کے کھانے پینے اور رہنے کا مسئلہ روز بروز سنگین سے سنگین تر ہوتا جا رہا تھا۔ طارق بن زیاد ابھی لاگو جنڈہ کے نواحی میدان میں تھے۔ ان کے پاس اتنے خیمے نہ تھے کہ اسیرانِ جنگ کو محفوظ طریقے سے رکھا جائے پھر

طارق یہ بھی نہیں چاہتے تھے کہ قیدیوں کو کوئی تکلیف پہنچے اور مسلمان فاتح تاریخِ عالم میں بدنام ہوں۔

طارق کے ساتھ اس وقت پادری روپاس، کاؤنٹ جولین اور سابق شہنشاہ غیطیشہ کے تین لڑکے ایلیا، ارطباش اور وقلہ بھی تھے۔

افریقہ کے اسلامی سالار اور گورنر قیروان موسیٰ بن نصیر نے ان لوگوں کے ساتھ ایک معاہدہ کیا تھا جس میں اسلامی سالار نے وعدہ کیا تھا کہ غیطیشہ کے بھائی پادری روپاس اور تینوں بیٹوں کو ہسپانیہ میں ان کے حسبِ حیثیت علاقے دیے جائیں گے۔ چنانچہ طارق بن زیاد نے اسیرانِ جنگ کا فیصلہ ان پر ڈال دیا اور کہا:

"جیسی آپ لوگوں کی مرضی ہو، اس کے مطابق اسیروں کے ساتھ سلوک کیا جائے۔"

پادری روپاس ہسپانیہ والوں سے بہت جلا ہوا تھا۔ اس نے چھوٹتے ہی کہا،

"سب کو تہ تیغ کر دیا جائے۔"

لیکن کاؤنٹ جولین نے اس کی مخالفت کی۔ اس نے روپاس کو سمجھاتے ہوئے کہا:

"محترم بزرگ پادری صاحب! اب ہم سب کو ہسپانیہ ہی میں رہنا اور بسنا ہے اس لیے ہسپانیوں کی ہمدردی حاصل کرنا چاہیے۔ پھر یہ تو سپاہی ہیں۔ ان کا کام اپنے آقا کا حکم ماننا ہے۔ وہ اپنے شہنشاہ کے حکم سے جنگ میں شریک ہوئے تھے۔ شہنشاہ ختم ہوگیا۔ اب ان کا اور ہمارا کوئی جھگڑا نہیں۔"

پادری روپاس بولا:

"بیٹے جولین! (جولین، روپاس کے بھائی شہنشاہ غیطیشہ کا داماد تھا) اگر تیس ہزار فوجیوں کو ایک دم چھوڑ دیا گیا تو ہو سکتا ہے کل یہ ہتھیار حاصل کرکے پھر ہمارے مقابلے پر کھڑے ہو جائیں۔"

اخیلہ (المند) نے ہسپانیوں کی حمایت کرتے ہوئے کہا:

"چچا جان! یہ خطرہ تو ضرور موجود ہے لیکن اگر ان سپاہیوں کو قتل کر دیا گیا تو اس کا الزام ہم لوگوں کے سر آجائے گا اور کہا جائے گا کہ غیطیشہ کے بھائی اور بیٹوں نے ہسپانیہ والوں سے غیطیشہ کا انتقام لیا ہے جبکہ اصل مجرم راڈرک تھا جس کا خاتمہ ہو چکا ہے۔"

چچا، بھتیجوں اور کاؤنٹ جولین میں دیر تک بحث و مباحثہ ہوتا رہا لیکن کوئی قطعی فیصلہ نہ ہو سکا۔ پھر وہ سب اس بات پر متفق ہو گئے کہ اسیروں کے ساتھ نرم سلوک کیا جائے اور انہیں کم سے کم سزا دی جائے۔ یہ متفقہ سفارش انہوں نے طارق کے سامنے پیش کر دی۔

طارق بن زیاد ان کی باتیں بڑے غور سے سن رہے تھے۔ ان کے سامنے قیدیوں کے ساتھ نرم سلوک کی سفارش کی گئی تو انہوں نے کاؤنٹ جولین سے پوچھا،

"کیا آپ چاہتے ہیں کہ قیدیوں کو جلد رہا کر دیا جائے؟"

"نہیں سردارِ اعلیٰ!" کاؤنٹ جولین نے انکار کرتے ہوئے کہا:

"ہم جانتے ہیں کہ قیدیوں کو قتل کر دیا جاتا ہے اور یہی جنگ کا دستور اور قاعدہ ہے لیکن اگر آپ ان کی جان بخشی کرتے ہوئے سزائیں دیں تو عین نوازش ہوگی۔"

طارق بن زیاد نے روپاس سے پوچھا:

"آپ کیا چاہتے ہیں پادری صاحب؟"

پادری روپاس نے جواب دیا:

"کاؤنٹ جولین کے سمجھانے سے میرے جذبات ٹھنڈے پڑ گئے ہیں۔ قتل کے علاوہ آپ انہیں جو بھی سزا دیں گے وہ آپ کی مہربانی اور نوازش ہوگی۔"

طارق بن زیاد نے پُرسکون لہجے میں کہا:

"موت اور زندگی خدا کے ہاتھ میں ہے۔ وہی دلوں کا حال جانتا ہے۔ میری نظر میں یہ قیدی بے قصور ہیں میں ان سب کو بغیر کسی شرط کے رہا کرتا ہوں۔"

عیسائی سرداروں کے منہ کھلے کے کھلے رہ گئے۔ ان کے تصور میں بھی نہ تھا کہ تمام جنگی قیدی بغیر کسی سزا یا جرمانے کے رہا کر دیے جائیں گے لیکن طارق بن زیاد نے عام معافی کا اعلان کرکے نہ صرف خوشنودیِ حق حاصل کی بلکہ قیدیوں پر اس کا اتنا اثر ہوا کہ ان میں سے دس ہزار اسی وقت اسلام لے آئے۔ دس ہزار نے لشکرِ اسلام کی خدمت کے لیے خود کو پیش کر دیا اور بقیہ لوگ طارق بن زیاد کو دعائیں دیتے ہوئے اپنے بال بچوں کی طرف روانہ ہو گئے۔

مسلمانوں کے اس حسنِ سلوک نے ان کے دل جیت لیے۔ عام معافی کا اعلان ہسپانیہ والوں کے لیے مسلم رواداری اور حسنِ اخلاق کا پہلا مظاہرہ تھا جس کا شہرہ چشم زدن میں تمام ہسپانیہ میں ہو گیا۔ طارق بن زیاد کے ساتھ افریقہ سے ایسے یہودی اور عیسائی بھی آئے تھے جنہیں راڈرک کے فوجیوں یا اہل کاروں نے ملک بدر کر دیا تھا۔ انہیں جب طارق کے اس فیصلے کی خبر ہوئی تو انہوں نے اطمینان کا سانس لیا اور یہ سمجھ لیا کہ اب ہسپانیہ میں دوبارہ آباد ہو سکتے ہیں اور انہیں کوئی نہیں نکال سکتا۔

طارق بن زیاد بڑی زبردست قوتِ فیصلہ کے مالک تھے۔ وہ ہر بات پر پہلے غور کرتے اور اس پر جچا تلا فیصلہ کرکے فوراً اس پر عمل درآمد کراتے۔ میر قیروانی کا مسئلہ انہوں نے چٹکیوں میں حل کر دیا۔ پادری روپاس بھی خوش ہو گیا اور میر قیروانی کی خوشی کا کیا ٹھکانہ۔ اب تو اس کی پانچوں انگلیاں گھی میں اور سر کڑاہی میں تھا۔ محافظ دستوں کی سالاری کا یہ مطلب تھا کہ وہ تارا کے گھر کے دروازے تک پہنچ گیا تھا۔ ... تارا اور اس کی ملاقات میں اب کوئی چیز مانع نہ تھی۔

میر نے رخصت ہوتے ہوئے درخواست کی:

"سردارِ اعلیٰ نے جس سلسلے میں میری قدر دانی اور عزت افزائی فرمائی ہے اس میں میرے ساتھیوں کا بھی حصہ ہے۔ اگر سردار مناسب خیال فرمائیں تو انہیں بھی محافظ دستوں میں منتقل کر دیں۔"

طارق بن زیاد ایک نوعمر نوجوان کی زبان سے یہ سن کر بہت خوش ہوئے۔ انھوں نے کہا:

"اے نوجوان! تمہاری بات سے ہمیں دلی مسرت ہوئی ہے۔ تم نے اپنے دوستوں کی سفارش کر کے یہ ثابت کر دیا کہ تم مفاد پرست نہیں ہو بلکہ مخلص ہو اور انصاف پسندی تمہاری طبیعت کا خاصہ ہے۔"

"سردارِ اعلیٰ کی نوازش و کرم ہے۔" میر نے انکساری سے کہا۔

"تمہارے ساتھ کتنے جوان تھے؟" طارق نے پوچھا۔

"میرے علاوہ اٹھارہ تھے۔" میر نے کہا۔ پھر میر نے ان کے نام گنانا شروع کیے۔

طارق بن زیاد نے افسرِ محکمہ کو جو اب تک وہیں موجود تھا، میر کے بتائے ہوئے نام لکھنے کا حکم دیا۔ پھر میر اور میر کے تمام ساتھیوں کو محافظ دستوں میں تبدیل کیے جانے کے فوری احکامات جاری کر دیے۔

میر نے یہ محسوس کرتے ہوئے کہ اب اس کی وہاں ضرورت نہیں، سب کو ادب سے سلام کیا اور اٹھ کر خیمے سے باہر چلا گیا۔

میر کے جانے کے بعد طارق بن زیاد نے تمام لوگوں سے مخاطب ہو کر کہا:

"میں بحیثیت سالارِ لشکر، خواص و عوام کی اطلاع کے لیے اعلان کرتا ہوں کہ ہسپانیہ کے عوام سے ہماری کوئی لڑائی نہیں۔ وہ جس طرح چاہیں اور جہاں چاہیں امن و امان سے رہ سکتے ہیں۔ ان کی جان و مال کے ہم ذمے دار ہیں۔ بوڑھوں، بچوں اور خواتین کا احترام کیا جائے گا۔ معبد گاہیں خواہ وہ کسی مذہب و ملت کی ہوں، ان کی بے حرمتی نہیں کی جائے گی اور..... عبادت گاہوں کے پادریوں اور دیگر لوگوں کی پوری عزت کی جائے گی۔

جو لوگ ہتھیار ڈال دیں گے انہیں کوئی سزا نہ دی جائے گی۔ ہم صرف ان لوگوں سے جنگ کریں گے جو ظالم ہیں، دوسرے مذاہب اور فرقوں کو ذلیل سمجھتے ہیں۔ ایسے مفسد لوگوں کے خاتمے تک ہم ان سے نبرد آزما رہیں گے۔

اس اعلان کی پوری تشہیر کی جائے اور اگر ہمارا کوئی فوجی اس کی خلاف ورزی کرتا دیکھا جائے تو اس کی اطلاع دی جائے اسے سخت سزا دی جائے گی۔"

طارق بن زیاد کے اس اعلان کا اور زیادہ اچھا اثر ہوا۔ ہسپانیہ کے پادریوں کو اس بات کا خدشہ تھا کہ مسلمان ان کے کلیساؤں اور گرجا گھروں کو ڈھا دیں گے اور ان کی جگہ مسجدیں تعمیر کریں گے۔

طارق کے اس اعلان نے ان کا یہ وہم دور کر دیا۔

○

ہر چند کہ لاگو جنڈا کی جنگ فیصلہ کن تھی اور ہسپانیہ کی شہنشاہیت کا خاتمہ ہو گیا تھا لیکن طارق بن زیاد اور مجاہدینِ اسلام کے حوصلے بلند تھے۔ وہ اور معرکے سر کرنے کی فکر میں تھے۔ ان کے قدم آگے بڑھنے کو بے چین تھے۔ طارق بھی مزید پیش قدمی کے حق میں تھے۔

افریقہ سے تازہ دم جوانوں کی آمد کا سلسلہ جاری تھا۔ اب طارق کے پاس بارہ ہزار کے بجائے تیس پینتیس ہزار کا لشکر تیار ہو گیا تھا۔ طارق نے تمام لشکر کو شمار کر کے اسے تین حصوں (بعض کے مطابق چار حصوں) میں تقسیم کیا اور کاؤنٹ جولین کے مشورے سے ایک حصے کو غرناطہ، دوسرے کو مالقہ (ملاغہ) کی طرف روانہ کیا اور بقیہ لشکر کی کمان انھوں نے خود سنبھال لی۔

تین لشکروں کے جانے کے بعد طارق بن زیاد نے بھی روانگی کا ارادہ کیا۔ وہ اپنے لشکر کے ساتھ اب تک لاگو جنڈا کے میدان میں ڈیرے ڈالے ہوئے تھے۔ ان کے سامنے سب سے پہلا شہر مدینہ شدونہ (شذونہ۔ شلونہ) تھا۔ شدونہ کی طرف بڑھنے سے پہلے طارق نے میر قیروانی کو بلا کر حکم دیا کہ وہ خیمے ڈیرے سے اکھڑوا کر صبح کو شدونہ کا رخ کرے۔ طارق کو شدونہ پر قبضہ کرنے کی جلدی تھی کیونکہ اسے جاسوسوں نے اطلاع دی تھی کہ شکست خوردہ ہسپانوی لشکر اکٹھا ہو کر شدونہ پر قبضہ کرنے کے ارادے سے آ رہا ہے۔

چنانچہ طارق بن زیاد اپنے لشکر کے ساتھ شام ہی کو شدونہ روانہ ہو گئے۔

شدونہ پر قبضے میں انہیں کوئی دقت پیش نہ آئی۔ شہر والوں کو معلوم ہو چکا تھا کہ مسلمانوں کا مقابلہ کرنا موت کو دعوت دینا ہے۔ وہ تو مسلمانوں کا پچھلے کئی ہفتوں سے انتظار کر رہے تھے۔

شدونہ میں ایک چھوٹا سا قلعہ تھا۔ اس کے دروازے طارق کے استقبال کے لیے کھلے تھے۔ انھوں نے بغیر کسی لڑائی کے مدینہ شدونہ پر قبضہ کر لیا۔

○

میر قیروان کے لیے بڑا کام تھا۔ چاروں لشکروں کا سامان میدان میں پھیلا ہوا تھا۔ سامان اکٹھا کرانا، پھر اسے بار کرا کے شدونہ پہنچانا۔ اس میں دس بارہ گھنٹے لگ جانا ضروری تھا۔ اسے صبح تک مدینہ شدونہ پہنچنے کا بھی حکم دیا گیا تھا۔

اس لیے اس نے طارق کے روانہ ہوتے ہی کام شروع کرا دیا۔ محافظ دستے فوراً خیمے اکھاڑنے اور سامان
میں مصروف ہو گئے۔

میر نے تمام خواتین کو ایک بڑے خیمے میں پہنچوا دیا تاکہ اس اکھاڑ پچھاڑ کے دوران انہیں کوئی
ہو۔ ان خواتین میں عیسائی اور یہودی عورتوں کی تعداد تقریباً برابر تھی۔ کاؤنٹ جولین کی بیوی پہلے ہی
اس کی دونوں لڑکیاں اور داماد جنگ لاگوجنڈہ میں زخمی ہو گئے تھے۔ طارق بن زیاد کی اجازت سے
انہیں اپنے قلعہ سبتہ بھیج دیا تھا۔

قابلِ ذکر خواتین میں پادری روپاس کی بیوی، ان کی دو بہنیں اور ایک بھانجی تھی۔ پادری روپاس
نہایت خاموش طبع واقع ہوئی تھی۔ اسے دنیا سے جیسے کوئی تعلق ہی نہ تھا۔ وہ ہر دم تسبیح گھماتی یا منہ
پڑھتی رہتی۔

روپاس کی دونوں بہنیں بیوہ تھیں۔ ایک بہن کی سب سے بڑی لڑکی تارا تھی اور تین چھوٹے لڑکے
سب سے چھوٹا لڑکا چھ سال کا تھا۔ دوسری بہن کے کوئی اولاد نہ تھی۔ وہ بڑی نک چڑھی اور بدمزاج
سخت مزاجی سے سب تنگ تھے اور ڈرتے تھے لیکن سخت مزاج ہونے کے باوجود وہ بڑی محبت کرنے
تمام بچوں کی نگرانی اور بڑوں کے آرام کا خیال رکھنا وہ اپنا فرض سمجھتی تھی۔ عمر میں یہ روپاس سے بھی بڑی تھی

میر قیروانی کو اپنے فرائض منصبی کے سلسلے میں دن میں ایک دو بار خواتین کے خیموں کے پاس جانا
اس کے علاوہ بھی وہ کسی نہ کسی بہانے وہاں پہنچ جاتا۔ بڑی بی، میر کو دیکھتے ہی آنکھیں بچھا دیتیں اور
خاطر مدارات کرتیں۔ وہ میر کی احسان مند تھیں لیکن وہ میر سے اتنی محبت سے ملتیں کہ دیکھنے والوں کو یہ
کہ ماں بیٹا گھل مل کے باتیں کر رہے ہیں۔

میر بھی ان سے بڑی محبت سے پیش آتا۔ وہ جانتا تھا کہ بڑی بی کے ہاتھ میں روپاس خاندان کی کل
کیونکہ خاندان میں انہی کی بات اور سکہ چلتا تھا۔

میر بڑی حد تک روپاس خاندان سے بے تکلف ہو گیا تھا۔ اسے اکثر تارا سے باتیں کرنے کا بھی موقع
لیکن تنہائی بہت کم میسر آتی اور دوسروں کے سامنے سوائے رسمی گفتگو کے اور کوئی بات نہ ہو پاتی۔

میر گھومتا پھرتا خواتین کے خیمے پر گیا تو اسے معلوم ہوا کہ بڑی بی کی طبیعت خراب ہے۔ اسے اچھا
وہ فوراً اندر چلا گیا۔

لمبے چوڑے خیمے میں فرش بچھا ہوا تھا۔ اس پر تمام خواتین سمٹی سمٹائی بیٹھی تھیں۔ بچے سو گئے تھے یا سو
رہے تھے۔

میر سیدھا بڑی بی کے پاس پہنچا۔ ایک چھوٹی شمع ان کے سرہانے ٹمٹما رہی تھی۔ تارا بیٹھی بڑی بی کا سر دبا
رہی تھی۔

"آپ کیسی ہیں خالہ جان؟" میر نے ان کے قریب فرش پر بیٹھتے ہوئے کہا۔ تارا انہیں خالہ کہتی تھی اس لیے
میر نے بھی ان سے یہی رشتہ جوڑ لیا۔

"تم آ گئے ہو تو بس اب ٹھیک ہو جاؤں گی۔" بڑی بی نے اپنی بند آنکھیں کھولتے ہوئے کہا۔

بڑی بی کو میر کی طرف سے کوئی جواب نہ ملا تو انہوں نے اپنی آنکھوں کو پوری طرح کھولا۔ پھر انہیں ایک ایسا منظر
نظر آیا کہ وہ مبہوت ہو گئیں۔

تارا اور میر ایک دوسرے کو ٹکٹکی باندھے دیکھ رہے تھے۔ وہ دیکھنے میں اس قدر محو تھے کہ انہیں یہ بھی
خبر نہ تھی کہ وہ اس وقت کہاں ہیں اور ان کی محویت کو کوئی دوسرا بھی دیکھ رہا ہے۔

پہلے تو بڑی بی کو بڑا غصہ آیا اور ان کے چہرے کی شکنیں زیادہ گہری ہو گئیں لیکن پھر ان کے لبوں پر ہلکی سی
مسکراہٹ کھیلنے لگی۔ محبت بھری مسکراہٹ!

بڑی بی نے ان سے تو کچھ نہ کہا، صرف اپنا ہاتھ اٹھا کر اپنے سر پر رکھا۔ ان کے سر پر تارا کے دونوں ہاتھ پہلے
سے موجود تھے۔ سر دباتے دباتے اس کے ہاتھ سر پر ایک دم رک کر رہ گئے تھے۔ ان کا ہاتھ تارا کے ہاتھوں سے
مس ہوا تو وہ اک دم چونک پڑی اور پھر احساسِ ندامت سے پانی پانی ہو گئی۔ اس کا راز..... بڑی خالہ پر
آشکارا ہو گیا تھا۔

بڑی بی کو اس بات کا شبہ تو پہلے ہی تھا لیکن انہوں نے اس معاملے میں دخل کی ضرورت نہ محسوس کی کیونکہ
میر میں بظاہر کوئی عیب نہ تھا۔

میر کو بھی اپنی غلطی کا احساس ہو گیا تھا۔ وہ اپنی جگہ پریشان تھا اور اس نے شرم کے مارے اپنی نظریں
نیچی کر لی تھیں۔

بڑی بی نے بڑے پیار سے تارا سے کہا:

"بیٹی! کھلی آنکھوں سپنا نہیں دیکھا جاتا۔ پھر..... خواب تو خواب ہی ہوتا ہے۔ کیا پتہ وہ سچا ہو یا
جھوٹا ہو جائے۔"

تارا اور میر اس گہرے طنز پر کھٹ کر رہ گئے۔ تارا سے کوئی جواب نہ بن پڑا اور وہ بغلیں جھانکنے لگی۔

میر سے اب بیٹھا نہ جا رہا تھا اور فوراً بھاگ جانے کی فکر میں تھا۔ اس نے ہمت کر کے کہا:

"خالہ جان۔ اب اجازت دیجیے۔"

بڑی بی کے سر کا درد جیسے ختم ہو گیا۔ وہ اٹھ کر بیٹھ گئیں اور مسکرا کر بولیں:

"بیٹے! تم مجھ سے اجازت لے کر کب آئے تھے کہ اب جانے کی اجازت مانگ رہے ہو۔"

بڑی بی کے اس جملے میں بھی طنز تھا مگر ان کے مسکراتے ہوئے چہرے نے طنز کی تلخی کو کم کر دیا تھا۔ میر کا منہ دیکھتا رہ گیا۔ تارا کو میر کی بے بسی پہ بڑا ترس آیا۔ بڑی بی کے چبھتے ہوئے جملوں نے اس کے پیروں پر سی ڈال دی تھی۔

آخر تارا نے اس کی مدد کرنے کی کوشش کی۔ اس نے بات ٹالنے کے لیے کہا:

"نہ جانے کتنی دیر باقی ہے؟"

"کچھ دیر نہیں۔ نصف سامان بندھ چکا ہے۔" میر نے اطمینان سا محسوس کیا۔ بات کسی اور طرف نکلی تھی۔

لیکن بڑی بی تو جیسے آج ادھار کھائے بیٹھی تھیں، فوراً بولیں:

"بیٹی تارا۔ ذرا باہر نکل کے دیکھ۔ کتنا سامان باندھا جا چکا ہے اور کتنا باقی ہے۔"

"میں... میں خالہ جان! آپ مجھ سے کہہ رہی ہیں؟" تارا گھبرا گئی۔

بڑی بی آج عجب طرح کی باتیں کر رہی تھیں۔ میر کی سمجھ میں بھی نہ آیا کہ بڑی بی، تارا کو خیمے سے باہر بھیجنا چاہتی ہیں۔

خالہ بولیں:

"کیا تجھے ڈر لگتا ہے۔ باہر تجھے کوئی کھا نہیں جائے گا۔ لشکر تو جا چکے ہیں۔ اب تو صرف اپنے محافظ رہ گئے ہیں۔"

تارا بوجھل قدموں سے چلتی ہوئی خیمے کے دروازے پر پہنچ گئی۔ خالہ کے حکم کی تعمیل میں وہ یہاں تک آ گئی تھی لیکن اب باہر جانے کی ہمت نہ پڑ رہی تھی۔

خالہ نے پھر ڈانٹ پلائی:

"جاتی کیوں نہیں؟ باہر شیر نہیں ہے۔"

تارا کشمکش میں مبتلا تھی۔ اس کی سمجھ میں نہ آ رہا تھا کہ کیا کرے۔ اس وقت اس کے کان میں خالہ کی آواز آئی۔ میر سے کہہ رہی تھیں:

"میرے بیٹے! تم اس کے ساتھ چلے جاؤ۔ ابھی بچی ہے۔ محافظ کے بغیر اس کا قدم نہیں اٹھتا۔"

خالہ کی آواز کے ساتھ ہی تارا کے دل میں خوشی کے شگوفے پھوٹنے لگے۔ اس کی تمام الجھن دور ہو گئی اور وہ

پوچھا گیا کہ خالہ اسے کیوں باہر بھیج رہی تھیں۔

میر حیرانی جواب ... بھاگنے کے مختلف بہانوں پر غور کر رہا تھا، خالہ کی آواز پر چونک پڑا اور

پھر کچھ مسکراتا ہوا تارا کی طرف بڑھا۔

پادری روپاس کی بیوی بدستور تسبیح گھمانے میں مصروف تھی۔

بچے اونگھتے اونگھتے سر ڈال کر سو گئے تھے۔

رات انتہائی تاریک تھی۔ میدان میں سوائے ان شمعوں کے جو جگہ جگہ سامان سمیٹنے والوں کے ہاتھ میں تھیں، ہر طرف اندھیرا اور خاموشی مسلط تھی۔

تارا اور میر بڑی خاموشی سے چل رہے تھے۔ یہ پہلا موقع تھا کہ انہیں ایسی تنہائی میسر آئی تھی۔ وہ بڑی آزادی سے گفتگو کر سکتے تھے لیکن دونوں کی زبانوں پر جیسے تالے لگ گئے تھے۔ ان کے دلوں کی دھڑکنیں ضرور تیز تھیں۔ جذبات امڈ رہے تھے لیکن وہ متحرک تصویروں کی طرح بس ایک طرف چلتے جا رہے تھے، چلتے جا رہے تھے۔

کہا جاتا ہے کہ جب دو محبت بھرے دل حادثاتی طور پر ایک دوسرے کے سامنے آ جائیں تو ان کی زبانیں گنگ ہو جاتی ہیں۔ بہت کچھ کہنے کو دل چاہتا ہے مگر وہ کچھ کہہ نہیں پاتے۔

شاید یہی حالت اس وقت ان دونوں کی تھی۔ انہیں کوئی روکنے والا، کوئی دیکھنے والا نہ تھا۔ وہ بڑی آزادی سے اپنے دل کا حال بیان کر سکتے تھے، شکوے شکایات کر سکتے تھے اور پیار و محبت کے تمام انداز اور راز و نیاز کے جملہ طریقے آزمانے کا انہیں پورا موقع میسر تھا لیکن وہ خاموش تھے۔ بالکل خاموش!

تارا اور میر کی خاموشی کا یہ سفر دیر تک جاری رہا۔ حتیٰ کہ وہ میدان کے ایک سرے پر اس جگہ آ گئے جہاں محافظ دستوں کے جاسوس سوار پہرہ دے رہے تھے۔

میر نے رات ہوتے ہی چار چار سواروں کو میدان کے چاروں کونوں پر پہرے کے لیے متعین کر دیا تھا تاکہ اگر انہیں کسی قسم کا خطرہ محسوس ہو تو فوراً اسے مطلع کریں۔ میدان کے اس سمت کے چاروں سوار بڑی مستعدی سے اندھیرے میں پہرہ دے رہے تھے۔

میر نے سواروں کو دیکھا تو جلدی سے تارا کا ہاتھ پکڑ کر اسے روک لیا۔ پھر آہستہ سے کہا:

"بس تارا۔ اب آگے نہیں جا سکتے۔ ہمارے پہریدار سوار آگے موجود ہیں"

میر تارا کو تھوڑی دور پیچھے لے آیا۔ اور پھر وہ دونوں ایک جگہ بیٹھ گئے۔ میر نے کہا:

"تارا کوئی بات کرو۔"

"آپ ہی کوئی بات کریں۔" تارا نے جواب دیا۔

"پھر وہی آپ۔ اب تو مجھے اس آپ سے چڑ ہونے لگی ہے۔" میر نے قدرے ناگواری سے کہا:

"جب تک یہ "آپ" کا پردہ ہمارے درمیان حائل رہے گا۔ ہم کوئی بات نہ کر سکیں گے۔"

"اچھا۔ تو پھر تم ہی کچھ کہو۔" تارا شوخی سے بولی۔

میر بہت سی باتیں سوچتا ہوا آیا تھا۔ پہلے بھی اس نے ہزاروں باتیں سوچی تھیں کہ جب کبھی تارا تنہا گی تو یہ کہوں گا وہ کہوں گا مگر اس وقت وہ سب باتیں بھول گیا۔ اس کی سمجھ میں بالکل نہ آ رہا تھا کہ وہ کیا کہے۔

"پھر خاموش ہو گئے۔" تارا نے اسے چھیڑا:

"خالہ جان سے تو تم اتنی باتیں کرتے ہو کہ مجھے الجھن ہونے لگتی ہے۔"

"خالہ جان اور تم میں فرق ہے تارا۔" میر بولا تو مگر بے تکی بات۔ پھر اس نے رک کر کہا:

"اچھا یہ بتاؤ کہ تمہارا نام تارا کس نے رکھا؟"

میر نے اپنی طرف سے بڑی اچھی بات کہی تھی مگر وہ پہلے سے بھی زیادہ بے تکی بات تھی۔ بھلا اس وقت تفصیل میں جانے کی کیا ضرورت تھی۔

پتہ نہیں تارا کو اس بات میں کیا اچھائی نظر آئی کہ اس نے نہ صرف اپنے نام کی تفصیل بیان کی بلکہ بچپن لے بیٹھی۔ ہوش سنبھالنے سے اب تک جتنے اہم یا غیر اہم واقعے اسے یاد تھے، اس نے ایک ایک کر کے گنا کر بیان کرنا شروع کر دیے اور میر قیروانی اس کی ہر بات کی دل کھول کر داد دے رہا تھا۔ حالانکہ تارا کا بچپن سے گزرا تھا۔

آٹھ سال کی عمر تک اس کی زندگی شہزادیوں جیسی گزری تھی۔ وہ شاہی محل میں رہتی تھی۔ اس کا بڑا ماموں غیطشہ ہسپانیہ تھا۔ پھر غیطشہ کو قتل کرا کے راڈرک نے ہسپانیہ پر قبضہ کر لیا۔ تارا اپنے تمام عزیزوں کے ساتھ محل جھونپڑی میں آ گئی۔

شاہی خاندان کے یہ افراد ادھر ادھر ٹھوکریں کھاتے رہے۔ پھر گمنام ہو کر ایک گرجے میں پناہ لی۔ تارا کے انتقال اسی زمانے میں ہوا۔

شاہی محل کی زندگی اسے ایک خواب کی طرح یاد تھی۔ اس کے بعد تارا کی زندگی میں کوئی انقلاب نہ آیا۔ وہ عام طرح پل کر جوان ہوئی۔ بھلا یہ بھی کوئی دلچسپ باتیں تھیں کہ میر ہر بات پر خوش ہو کر سر دھننے لگتا۔

دراصل وہ دو معصوم دل تھے۔ معصوم روحیں تھیں۔ وہ خود نوجوان تھے مگر طبیعت میں ابھی تک بچوں کی سی معصومیت تھی۔ معصوم بچے ایسی باتیں نہ کرتے تو اور کیا کہتے۔

میر کو ایک دم خیال آیا کہ انہیں بہت دیر ہو گئی ہے۔ اس نے تارا کا ہاتھ پکڑ کر اسے کھڑا کر دیا:

"واپس چلو تارا۔ بہت دیر ہو گئی۔ خالہ جان ناراض نہ ہو جائیں۔"

"خالہ جان!" تارا زیر لب مسکرائی اور پھر خاموشی سے میر کے ساتھ چلنے لگی۔

تارا اور میر خیمے پر پہنچے تو سب لوگ سو گئے تھے سوائے خالہ کے۔ ان کی نظریں خیمے کے دروازے پر لگی تھیں۔ انہیں آتا دیکھ کے وہ اٹھ بیٹھیں اور بولیں:

"آ گئے میرے بچے گھوم پھر کے۔"

میر قیروانی نے کچھ کہنے کے لیے منہ کھولا ہی تھا کہ خیمے کے باہر گھوڑا بھاگنے کی آواز پیدا ہوئی۔ یہ کسی خطرے کا پیش خیمہ تھا۔ میر تارا کو وہیں چھوڑ کر دوڑتا ہوا خیمے کے باہر چلا گیا۔

خالہ اور تارا کی حیرت دور نہ ہوئی تھی کہ میر تیزی سے واپس آیا۔ اس کے چہرے پر پریشانی کے آثار تھے۔ اس نے آتے ہی کہا:

"خالہ جلدی سے عورتوں اور بچوں کو جگا دو۔ شور نہ ہونے پائے۔ ہم خطرے میں ہیں۔"

یہ کہہ کر میر پھر باہر نکل گیا۔

میر باہر پہنچا تو تین اور سوار بھاگتے ہوئے آ گئے۔ یہ میدان کے گرد پہرہ دینے والے محافظ تھے۔ ان سب کا ایک ہی بیان تھا کہ میدان کے چاروں طرف سوار ہی سوار نظر آتے ہیں۔ یوں معلوم ہوتا ہے جیسے وہ ہمیں اپنے گھیرے میں لے رہے ہیں۔ ان کی صحیح تعداد کا کسی کو اندازہ نہ ہو سکا۔

میر کے پاس چار سو کی نفری تھی۔ ان میں کام کرنے والے مزدور بھی شامل تھے مگر یہ سب کے سب شمشیر زن اور تیر انداز تھے۔ میر نے فوراً تمام سپاہیوں کو یکجا کیا۔ پھر اس نے چاروں سواروں کو حکم دیا:

"جس طرح بھی ہو سکے مدینہ شذونہ پہنچ کر سپہ سالار کو اطلاع دیں اور کمک حاصل کر کے واپس آئیں۔"

پھر اس نے تمام عورتوں اور بچوں کو نشیبی حصہ میں ایسی جگہ پہنچا دیا جہاں تک سوار نہ پہنچ سکتے تھے۔ ان کی حفاظت کے لیے اس نے پچاس سپاہی مقرر کیے۔

خواتین کی طرف سے مطمئن ہونے کے بعد وہ تمام سواروں کو لے کر بڑے خیمے میں آ گیا۔ یہ خیمہ جنگ لاگو جنڈہ میں انہیں حاصل ہوا تھا۔ اس خیمے میں شہنشاہ راڈرک دربار لگاتا تھا۔ میدان جنگ میں وہ اسی لیے یہ خیمہ لے کر آیا تھا جب وہ مسلمانوں پر، خاکم بدہن، فتح حاصل کر لے تو اس خیمے میں دربار لگا کر قیدیوں کو سزا دے۔

اس خیمے کے چاروں طرف کپڑے کے بڑے اونچے اونچے چار دروازے تھے جن میں گھوڑے سوار بڑی آسانی سے داخل ہو سکتے تھے۔

میر نے دروازے کھلوا دیے اور اپنے تمام سوار لے کر اس میں پہنچ گیا۔ پھر اس نے بقیہ حصوں میں تقسیم کر کے ان کے الگ الگ افسر مقرر کیے۔ اس نے حکم دیا کہ:

"جب دشمن شب خون مارنے کے لیے خیموں کے قریب آ جائیں تو ہر دروازے سے پچیس پچیس کے نعرے بلند کرتے نکلیں اور دشمنوں پر ٹوٹ پڑیں۔ اس طرح ہر دروازے سے پانچ پانچ منٹ کے بعد لوگ نکلتے اور حملہ آور ہوتے رہیں۔ اس سے دشمنوں کو مسلمان محافظوں کی صحیح تعداد کا اندازہ نہ ہو سکے گا اور ان پر طاری ہو جائے گا۔"

میدان میں کام بند کرا دیا گیا تھا۔ تمام شمعیں بجھا دی گئی تھیں۔ ہر طرف ہُو کا عالم تھا۔ میر نے سواروں کو کہا اگر اندھیرے میں دوست دشمن کی تمیز نہ رہے تو مسلمان "اللہ اکبر" کا نعرہ بلند کریں۔ اگر مقابل بھی "اللہ اکبر" جواب دے تو وہ دوست ہے ورنہ بے دھڑک اسے قتل کر دیا جائے۔

آخر گہری خاموشی ٹوٹی۔

دشمن کے گھوڑے میدان کی طرف بڑھ رہے تھے۔ ان کی ٹاپوں کی آواز صاف سنائی دے رہی تھی۔ قریب پہنچ کر حملہ آور سواروں نے بڑی بڑی شمعیں جو لکڑیوں پر کپڑا لپیٹ کر بنائی گئی تھیں روشن کر لیں، میں ایک دم ہزاروں شمعیں روشن ہو گئیں۔ آنے والوں کے ہاتھوں میں تلواروں کے بجائے یہی شعلہ بردار تھیں۔ ان کا ارادہ غالباً سامان کو جلا کر خاک کر دینے کا تھا۔

میدان میں خاموشی طاری ہونے سے انہوں نے یہ اندازہ لگایا تھا کہ تمام لوگ گہری نیند سو رہے ہیں، بے خبر ہیں۔

جب یہ شعلہ بردار لشکر چاروں طرف سے امڈتا ہوا اور قریب آ گیا تو میر نے اشارہ کیا۔ اشارہ ہوتے ہی پچیس پچیس کے چار دستے اللہ اکبر کا نعرہ لگاتے ہوئے حملہ آوروں کی طرف تیزی سے گھوڑے دوڑاتے نکلے۔ حملہ آوروں کو اس کا خیال بھی نہ تھا۔ انہوں نے جلدی سے شعلے زمین پر پھینک دیے اور تلواریں نکال لیں مگر مسلمان سوار ان کے سروں پر پہنچ چکے تھے اور ان کے پہلے ہی ہلے میں پچاس حملہ آور ڈھیر ہو گئے۔

وہ ذرا سنبھلے تھے کہ مسلمان سواروں کا دوسرا دستہ نعرے لگاتا ان کی طرف بڑھا۔ پھر تیسرا اور چوتھا۔ محافظوں کا ایسا تانتا بندھا کہ حملہ آور گھبرا گئے۔ انہیں یوں محسوس ہوا جیسے ہزاروں مسلمان زمین سے نکل پڑے ہوں، آسمان سے ٹپک رہے ہیں۔ شعلے بجھ جانے سے اندھیرا پھیل گیا تھا مگر مسلمان اللہ اکبر کے نعرے لگا رہے تھے۔

دشمن کو یہی گمان ہوتا کہ مسلمانوں کو نئی کمک مل رہی ہے۔ انہیں مسلمانوں کی صحیح تعداد کا اندازہ نہ ہو سکا۔ دوست دشمن کی تمیز بھی مشکل ہو رہی تھی۔ مسلمان نعرہ لگا کر اپنے اور غیروں کو پہچان لیتے تھے لیکن حملہ آور اکثر آپس میں لڑ جاتے۔ اس طرح ان کا زیادہ نقصان ہو رہا تھا۔

شب خون مارنے والے یہ لوگ لاگو جنڈو سے بھاگنے والے ہسپانیہ کے لشکری تھے جو میدان سے بیس میل دور جا کر اکٹھا ہو گئے تھے اور اب پھر قسمت آزمائی کی فکر میں تھے۔ ان کی خبر طارق بن زیاد کو ہو گئی تھی، اسی وجہ سے انہوں نے مدینہ شدونہ پر قبضہ کرنے میں جلدی کی تھی۔

ادھر جب ہسپانوی لشکر از سر نو منظم ہو کر مدینہ شدونہ کی طرف بڑھا تو اسے معلوم ہو گیا کہ اس پر مسلمانوں نے قبضہ کر لیا ہے۔ اس وجہ سے وہ لوگ مدینہ شدونہ سے دور ہی ٹھہر گئے اور نئے پروگرام پر غور کرنے لگے۔ اسی دوران میں انہیں اطلاع ملی کہ کچھ مسلمان میدانِ جنگ میں موجود ہیں اور سامان اکٹھا کر رہے ہیں۔ اس اطلاع پر انہوں نے میدان پر شب خون مارنے کا ارادہ کیا تاکہ مسلمانوں کا کچھ نہ کچھ تو نقصان کیا جا سکے۔

میر قیروانی کی حاضر دماغی اور حکمتِ عملی سے ہسپانیوں کا یہ شب خون بری طرح ناکام ہو گیا۔ میدان میں موجود مسلمانوں کی صحیح تعداد کا پتہ نہ ہونے کی وجہ سے حملہ آور سخت خوفزدہ ہو گئے۔ بجائے حملہ کرنے کے اب تو انہیں اپنی مدافعت بھی مشکل ہو رہی تھی۔ وہ زیادہ ٹھہر نہ سکے اور کئی سو لاشیں چھوڑ کر بھاگ کھڑے ہوئے۔ میر نے کہہ رکھا تھا کہ اگر حملہ آور شکست کھا کر واپس ہو جائیں تو ان کا تعاقب نہ کیا جائے اس لیے مسلمان محافظ دستوں نے ان کا پیچھا نہ کیا۔

ان ہسپانوی شب خون مارنے والوں کی بدقسمتی دیکھیے کہ جب انہیں یہاں سے ناکامی ہوئی اور یہ شکست کھا کر پھر ایک جگہ جمع ہوئے تو انہوں نے غصے اور جھلاہٹ میں فیصلہ کیا کہ اس ناکامی کا بدلہ مدینہ شدونہ میں مقیم مسلمان لشکر سے لیا جائے۔ ان کا خیال تھا کہ مسلمان وہاں پہنچ کر آرام سے سو رہے ہوں گے۔ پس انہوں نے یہاں سے ہزیمت کھا کر مدینہ شدونہ کا رخ کیا۔

مدینہ شدونہ میں انہیں اپنی کامیابی کے سو فیصد امکانات نظر آ رہے تھے مگر انہیں یہ خبر نہ تھی کہ اسلامی لشکر ہمیشہ دن بھر تلوار چلاتا ہے اور رات کا بیشتر حصہ عبادتِ الٰہی میں گزارتا ہے۔ پھر دشمنوں کے ارادے کی تو مسلمانوں کو پہلے ہی سے خبر ہو چکی تھی۔ اس کے علاوہ میر قیروانی نے اس متوقع شب خون کی اطلاع بھی مدینہ شدونہ بھجوا کر وہاں سے کمک طلب کی تھی۔ ان حالات میں مسلمانوں کے غافل ہونے کا کیا امکان ہو سکتا تھا۔

ہسپانیوں کو اپنی جلد بازی اور غلط فیصلے کا احساس اس وقت ہوا جب وہ مدینہ شدونہ کی دیواروں کے قریب پہنچے۔

یہ وہ وقت تھا جب میر قیروانی کی اطلاع پر لشکرِ اسلام سے میدانِ جنگ کی طرف کمک روانہ ہو رہی تھی۔
ایک ہزار سواروں کا ایک برق رفتار دستہ مدینہ شدونہ سے نکلا۔ سپہ سالار طارق بن زیاد خود اس کی کمان کر رہے
تھے۔ ان کے ساتھ عیسائیوں اور یہودیوں کے کئی معزز ارکان تھے۔ چنانچہ ان کی مڈبھیڑ ان ہسپانیوں سے ہو
گئی جو میدان میں شب خون کی ناکامی کے بعد مدینہ شدونہ پر شب خون مارنے کے لیے بڑے خوش اور
مطمئن چلے آ رہے تھے۔

انہیں دیکھ کر طارق بن زیاد نے "اللہ اکبر" کا نعرہ بلند کیا۔ ایک ہزار آوازوں نے اس نعرے کو...
مدینہ شدونہ کے شہری گھبرا کر اٹھ بیٹھے۔ طارق نے نعرہ اس لیے لگایا تھا کہ آنے والے مسلمان ہیں تو نعرے کا جواب
نعرے سے دیں گے جیسا کہ ایسے موقعوں پر کیا جاتا تھا۔

جب انہیں دوسری طرف سے جواب نہ ملا تو انہوں نے حملے کا حکم دے دیا۔ پھر کیا تھا! مسلمانوں نے
ہسپانیوں کو تلوار پر رکھ لیا مگر اندھیرے کی وجہ سے لڑائی جاری نہ رہ سکی۔ ہسپانوی ان علاقوں اور راستوں
سے واقف تھے۔ وہ پٹتے پٹاتے بھاگ نکلے۔ طارق نے بھی ان کا تعاقب مناسب خیال نہ کیا۔

مگر اب طارق اس پریشانی میں مبتلا ہو گئے کہ آیا وہ میدان والوں کو کمک بھیجیں یا مدینہ شدونہ کی حفاظت کا
انتظام کروائیں۔ کیونکہ ممکن ہے یہ بھاگنے والے پھر اکٹھا ہو کر شب خون مارنے کا ارادہ کر لیں۔ آخر طارق نے
کاؤنٹ جولین اور سرتھک سردار مغیث الرومی کو مدینہ شدونہ واپس بھیج دیا کہ وہ جا کر شہر میں مضبوط حفاظت
کا انتظام کروائیں اور خود میدان لاگو جنڈہ کی طرف روانہ ہوئے۔

○

میدان لاگو جنڈہ میں پھر شمعیں روشن ہو گئیں اور محافظ دستے اپنے اپنے کاموں میں لگ گئے تھے۔
نے یہ اطمینان کر لینے کے بعد کہ اب بھگوڑے ہسپانوی لشکر کی واپسی کا کوئی امکان نہیں، نصف آدمیوں کو
پر لگا دیا اور باقی نصف سواروں کو ضروری ہدایات دے کر پہرے پر مقرر کر دیا۔ وہ خواتین اور بچوں کو
واپس لے آیا۔ پھر ایک اور بڑا خیمہ نصب کرا کے وہاں تمام زخمیوں کو اکٹھا کیا۔

اس شب خون میں مسلمانوں کا کوئی جانی نقصان نہ ہوا تھا مگر زخمیوں کی تعداد کافی تھی۔ زخمیوں کی مرہم پٹی
کا انتظام کیا گیا جس میں خواتین نے بڑھ چڑھ کر حصہ لیا۔ تارا اس کام میں پیش پیش تھی۔
میر قیروانی کو ابھی پوری طرح اطمینان نہ ہوا تھا اس لیے کبھی وہ زخمیوں کی مرہم پٹی کا کام دیکھتا اور

...گ کر میدان میں چلا جاتا۔
میر قیروانی اس بھاگ دوڑ میں تھا کہ اس نے مدینہ شدونہ کی طرف سے سواروں کو آتے دیکھا۔ ان کے ہاتھوں
میں شمعیں تھیں لیکن دوری کی وجہ سے ان کے چہرے نظر نہ آ رہے تھے۔
میر قیروانی نے اللہ اکبر کا نعرہ بلند کیا۔ اس کے ساتھیوں نے اس نعرے کی آواز میں آواز ملائی۔ دوسری
طرف سے بھی اللہ اکبر کی صدائیں بلند ہوئیں۔ میر اور اس کے محافظ دستوں نے اللہ کا شکر ادا کیا۔
طارق بن زیاد اپنے دستے کے ساتھ میر کے قریب پہنچے تو میر نے بڑھ کر ان کا استقبال کیا اور گھوڑے
سے اتر پڑا۔ اس کے تمام سوار بھی احترام کے طور پر گھوڑے سے اتر گئے۔

طارق نے پوچھا:
"ہسپانوی ادھر آئے تھے؟"
"جی سردارِ اعلیٰ۔ وہ آئے تھے اور منہ کی کھا کر چلے گئے۔" میر قیروانی نے جواب دیا۔
"اس کا مطلب ہے کہ وہ یہاں شب خون مار کر مدینہ شدونہ گئے تھے۔" طارق نے جیسے اپنے آپ سے کہا۔
میر کچھ نہ سمجھ سکا۔ اس نے حیران ہو کر پوچھا:
"سردارِ اعلیٰ! کیا ہسپانوی مدینہ شدونہ بھی پہنچے تھے؟"
"ہاں میر۔ وہ یہاں سے مدینہ شدونہ پر شب خون مارنے جا رہے تھے۔" طارق نے میر کو بتایا:
"لیکن شدونہ سے باہر ہی ہمارا ان کا سامنا ہو گیا۔"
طارق نے میر کو گھوڑے پر بیٹھنے کا اشارہ کیا۔ میر گھوڑے پر سوار ہو کے دو قدم پیچھے پیچھے چلنے لگا۔
طارق کے ساتھ پادری روپاس بھی تھا۔ اس کے چہرے پر پریشانی کے آثار تھے۔ وہ اپنے افرادِ خانہ کی خیریت معلوم
کرنے کے لیے بے چین تھا۔
میر نے اس بات کا اندازہ تو لگا لیا لیکن سردارِ اعلیٰ کی موجودگی میں وہ خود بولنے کی جرأت نہ کر سکتا تھا۔ یوں بھی
پادری روپاس کا گھوڑا طارق کی بائیں جانب تھا جبکہ میر طارق کے دائیں جانب چل رہا تھا۔
طارق نے چلتے چلتے پوچھا:
"ہمارا کتنا نقصان ہوا؟"
طارق کے لہجے میں بڑا کرب تھا۔ ایک سالارِ فوج کو فتح کے بعد اپنے نقصان کی فطری طور پر سب سے زیادہ فکر
ہوتی ہے۔
"اللہ تعالیٰ کا لاکھ لاکھ شکر ہے۔ دشمن ہمیں کوئی نقصان نہ پہنچا سکا۔" میر نے بڑے فخر سے کہا۔

"کیا سچ ؟" طارق نے حیرانی سے سوال کیا۔ شب خون میں تو سراسر نقصان ہی کا امکان ہوتا ہے"
سے حیران ہو رہے تھے۔

میر قیروانی نے وضاحت کرتے ہوئے کہا:

"جانی اور مالی نقصان تو بالکل ہوا ہی نہیں۔ ہاں ہمارے آدمی زخمی کافی تعداد میں ہوئے ہیں"

طارق آسمان کی طرف منہ کر کے بولے:

"تیرا شکر ہے خدایا"

پھر میر سے مخاطب ہوئے:

"زخمیوں کو فوراً مدینہ شذونہ لے چلو۔ وہاں معقول انتظام موجود ہے"

میر قیروانی، طارق کو سیدھا اس خیمے میں لے گیا جہاں زخمیوں کو رکھا گیا تھا۔ زخمیوں کی تعداد بہت زیادہ تھی لیکن طارق کو یہ دیکھ کر بڑی خوشی ہوئی کہ ان کی معقول قسم کی مرہم پٹی کی گئی تھی اور کی جا رہی تھی۔ عورتیں زیادہ حصہ لے رہی تھیں۔ عورتوں کے علاوہ بچے بھی دوڑ دوڑ کر کام کر رہے تھے۔

طارق بن زیاد نے اسی وقت ایک حکم جاری کیا۔

انہوں نے میر قیروانی کو حکم دیا کہ ایک علیحدہ دستہ قائم کیا جائے جو زیادہ تر خواتین پر مشتمل ہو، کا کام صرف زخمیوں کی مرہم پٹی اور بیماروں کی دیکھ بھال ہو۔ اس دستے کے لیے بلا تخصیص مذہب خواتین حاصل کی جائیں اور انھیں معقول معاوضہ دیا جائے۔

تارا یہ سنتے ہی اپنی جگہ سے اٹھ کر طارق کے قریب آئی اور سلام کر کے بولی:

"اس دستے کے لیے میں اپنی خدمات بلا معاوضہ پیش کرتی ہوں۔ امید ہے کہ سردارِ اعلیٰ میری درخواست قبول فرمائیں گے"۔

پادری روپاس کا چہرہ خوشی سے چمک اٹھا۔ اس نے بڑی محبت سے تارا کو دیکھا۔

طارق نے پوچھا:

"اے جرأت مند بیٹی! کیا نام ہے تمہارا؟"

"تارا!" یہ آواز پادری روپاس کے منہ سے بے ساختہ نکل گئی۔ اس نے طارق کو بتایا:

"تارا میری بیوہ بہن کی لڑکی ہے سردارِ اعلیٰ۔ بہت ذہین ہے"

"ہم اس جرأت مند لڑکی کے لیے تمہیں مبارک باد دیتے ہیں پادری روپاس!" طارق نے خوش ہو کر کہا۔ انہوں نے تارا کو اور قریب آنے کا اشارہ کیا۔

تارا قریب آئی تو طارق نے اس کے سر پر محبت سے ہاتھ پھیرتے ہوئے کہا:

"تارا! ہمیں اس دستے کے لیے تمہارے جیسی حوصلہ مند لڑکیوں اور عورتوں کی ضرورت ہے۔ ہم نے تمہاری درخواست منظور کی اور ہم تمہیں اس دستے کا ناظمِ اعلیٰ مقرر کرتے ہیں"۔

تارا نے شکریے کے طور پر ایک بار پھر طارق بن زیاد کو سلام کیا۔ پادری روپاس خوشی سے کھلا جا رہا تھا۔ میر قیروانی اس لیے خوش تھا کہ اس کی محبوبہ ایک ایسے عہدے پر فائز کی گئی تھی جس کا وہ تصور بھی نہ کر سکتا تھا۔

طارق بن زیاد نے روپاس سے کہا:

"پادری صاحب! آپ نے اس نوجوان کی پہلے بھی سفارش کی تھی۔ اس نے اپنی صلاحیتوں کا پورا پورا مظاہرہ کیا ہے۔ اس کے صلے میں ہم میر قیروانی کو ایک ہزار سواروں کا سردار بنانے کا اعلان کرتے ہیں"۔

میر قیروانی اور پادری روپاس نے سپہ سالار کے اس اعلان کا خیر مقدم کرتے ہوئے ان کا شکریہ ادا کیا۔ لیکن میر کو یہ فکر دامنگیر ہو گئی کہ وہ ایک ہزار سواروں کا سردار ہو کر محافظ دستوں سے ہٹا دیا جائے گا۔ اس طرح اسے تارا سے دور رہنا پڑے گا۔

میر اسی الجھن میں تھا کہ طارق نے کہا:

"ہسپانوی شب خون نے ہمیں اور زیادہ محتاط ہونے پر مجبور کر دیا ہے اس لیے محافظ دستوں کی نفری ایک ہزار تک بڑھائی جاتی ہے۔ میر قیروانی بدستور اس کا سردار رہے گا اور خواتین کا نیا رضاکار دستہ بھی اس کی نگرانی میں اپنے فرائض انجام دے گا"۔

بلائے آمد ولے بخیر گذشت کے مصداق میر قیروانی کی فکر دور ہو گئی۔ اسے عہدہ بھی ملا اور تارا کی قربت بھی برقرار رہی۔ تارا بھی بہت خوش ہوئی کیونکہ اس طرح میر قیروانی کی ماتحتی میں رہ کر وہ ہر وقت بلا روک ٹوک میر سے مل سکتی تھی۔

طارق زخمیوں کی مزاج پرسی کے بعد مدینہ شذونہ واپس چلے گئے۔ جاتے وقت وہ حسبِ اعلان پانچ سو سوار میر کے لیے میدان میں چھوڑتے گئے تاکہ محافظ دستوں کی نفری ایک ہزار ہو جائے۔

○

طارق بن زیاد نے ایک لشکر جنوب کی طرف زید بن کسادہ کی سرکردگی میں روانہ کیا تھا۔ ان کا رابطہ زید سے برابر قائم تھا۔ انہیں برابر خبریں مل رہی تھیں کہ زید بن کسادہ فتح کا پرچم اڑاتے غرناطہ کی طرف بڑھ رہے ہیں۔ جب انہیں

خبر ملی کہ زید بغیر کسی مدافعت کے باجہ پر قابض ہو گئے ہیں تو انھوں نے اب خود بھی آگے بڑھنے کا ارادہ کیا۔ شذونہ میں ایک حاکم مقرر کیا گیا اور کچھ فوج انتظام کے لیے چھوڑی گئی۔

ہسپانیہ کے اصل حاکم گاتھک قوم کے لوگ تھے مگر جب سے شہنشاہ راڈرک نے سابق شہنشاہ کو مار کر ہسپانیہ کے تخت و تاج پر قبضہ کیا تھا اس وقت سے یہ قوم کئی حصوں میں بٹ گئی تھی اور بہت سے دانشور راڈرک کے خلاف ہو گئے تھے۔

ایسے باغی سرداروں میں ایک بہادر اور بیدار مغز سردار مغیث الرومی بھی تھا۔ وہ راڈرک کے سخت خلاف تھا اس لیے اس نے طارق بن زیاد کا دل سے ساتھ دیا اور اب تک تمام معرکوں میں ان کے ساتھ رہا۔

یہی حال کاؤنٹ جولین کا تھا۔ کاؤنٹ جولین، یونانی نژاد تھا اور افریقہ میں قلعہ سبتہ کا حاکم تھا۔ اس نے مسلمانوں کا پوری طرح ساتھ دیا تھا۔ ان دونوں کی طارق بن زیاد بڑی عزت کرتے اور ان کے مشوروں کو بڑی اہمیت دیتے تھے۔

طارق بن زیاد چاہتے تھے کہ جس قدر جلد ممکن ہو سکے ہسپانیہ کے دارالحکومت طلیطلہ پر قبضہ کر لیا جائے۔ دارالسلطنت پر قبضہ ہو جانے سے ہسپانیوں کے حوصلے بڑی حد تک پست ہو جائیں گے اور بقیہ ملک پر قبضہ کرنے میں آسانی ہو گی۔

جب طارق نے اپنا یہ خیال مغیث اور جولین کے سامنے پیش کیا تو انھوں نے اس کی پوری پوری تائید کی۔ طارق بن زیاد مدینہ شذونہ سے لشکر لے کر نکلے اور طلیطلہ کا رخ کیا لیکن طلیطلہ کے راستے میں کئی مضبوط قلعے تھے جنھیں فتح کیے بغیر آگے نہ بڑھا جا سکتا تھا اور اگر وہ انھیں حاصل کیے بغیر آگے بڑھ جاتے تو ان کے گھیرے میں آ جانے کا خطرہ تھا۔

طلیطلہ کے راستے میں پہلا مضبوط شہر (قلعہ) قرمونہ کا تھا۔

یہ شہر بہت اونچائی پر مضبوط سنگی دیواروں کے اندر واقع تھا۔ اس کی فصیل ناقابلِ تسخیر نظر آتی تھی مگر مسلمان تو ہر ناقابلِ تسخیر شہر کو اور قلعے کو تسخیر کرنے کا عزم اور ارادہ لے کر آئے تھے۔

طارق بن زیاد نے قرمونہ پہنچتے ہی اس کا محاصرہ کر لیا۔ انھوں نے قرمونہ والوں کو پیغام بھیجا کہ اگر شہر ہمارے حوالے کر دیا جائے تو کسی سے کوئی تعرض نہ کیا جائے گا لیکن شہر والوں کو اپنی فصیل اور قلعے کی مضبوطی کا ناز تھا۔ انھوں نے طارق کو کوئی معقول جواب نہ دیا اور شہر کے دروازے بند کر کے بیٹھ گئے۔

طارق کا خیال تھا کہ چند دن میں شہر میں کھانے پینے کی چیزوں کا قحط پڑ جائے گا اور محصورین پریشان ہو کر خود ہی شہر کے دروازے کھول دیں گے لیکن ایسا نہ ہوا اور محاصرہ طول کھینچ گیا۔

طارق نے مجبور ہو کر حملے کا حکم دیا لیکن شہر کی قدرتی بناوٹ سدِ راہ بن گئی ــــ فصیل بہت مضبوط تھی اور اسے توڑنا مشکل نظر آ رہا تھا۔ فصیل کی بلند دیواروں پر سیڑھیاں لگانا بھی ممکن نہ تھا۔

طارق بن زیاد اسی ادھیڑ بن میں تھے۔ وہ مغیث الرومی سے اس مسئلے پر گفتگو کر رہے تھے کہ کیا تدبیر کی جائے کہ شہر بھی فتح ہو جائے اور مسلمانوں کا جانی نقصان بھی نہ ہو۔ اس گفتگو کے دوران ہی کاؤنٹ جولین، طارق کے خیمے میں داخل ہوا اور سلام کر کے بڑی خاموشی سے ایک طرف بیٹھ گیا۔

طارق بن زیاد نے کاؤنٹ کو خاموش خاموش دیکھا تو پوچھا:

"کیا بات ہے کاؤنٹ! آج آپ خلافِ معمول کچھ خاموش نظر آ رہے ہیں۔"

کاؤنٹ نے بڑے سنجیدہ انداز میں کہا:

"سپہ سالارِ اعلیٰ! اگر میری گستاخی معاف کر دیں تو میں ایک بات کہوں۔ اس سے میری خاموشی کی وجہ بھی ظاہر ہو جائے گی اور میرے دل کا بوجھ بھی ہلکا ہو جائے گا۔"

طارق بن زیاد نے مسکرا کر کہا:

"کاؤنٹ! آپ یہ کیا کہہ رہے ہیں۔ بے تکلف فرمائیے۔ ہمیں قطعی ناگوار نہ ہو گا۔ ہم تو آپ دونوں کے مشوروں کو سب سے زیادہ اہمیت دیتے ہیں۔ آپ کے دل پر جو بوجھ ہے اسے ہلکا کیجیے۔ ہمیں اس سے کمال خوشی حاصل ہو گی۔"

کاؤنٹ جولین افسردگی سے بولا:

"سپہ سالارِ اعلیٰ! کیا میں نے اور میرے مختصر دستے نے آپ اور لشکرِ اسلام کی وفاداری میں کسی وقت کوئی تغافل برتا ہے؟"

"ہرگز نہیں کاؤنٹ!" طارق نے فوراً کہا:

"آپ کو یہ خیال کیسے پیدا ہوا؟ ہمیں آپ پر پورا اعتماد ہے۔ ہمارے کسی لشکری نے بھی آپ کے خلاف اب تک کوئی بات نہیں کی۔"

کاؤنٹ جولین کی افسردگی اب بھی دور نہ ہوئی۔ اس نے کہا:

"ہم آپ کے شکر گزار ہیں سپہ سالار۔ لیکن مجھے اور میرے دستے کو یہ شکوہ ضرور ہے کہ لشکرِ اسلام کے سپہ سالار نے انھیں کسی ایسی خدمت کا موقع نہیں دیا اور نہ کوئی ایسا اہم کام سپرد کیا ہے جسے انجام دے کر ہم اپنی وفاداری کا عملی ثبوت پیش کریں۔ . . . . . یہاں تک کہ ہمارے دستے کو میدانِ جنگ میں بھی دوسری تیسری صف میں رکھا جاتا ہے۔"

طارق بن زیاد نے کہا:

"کاؤنٹ جولین۔ ہم آپ کے اور آپ کے سپاہیوں کے شکر گزار ہیں کہ انھیں لشکرِ اسلام سے اتنی وفاداری ہے۔ ہم کسی آیندہ جنگ میں آپ کی یہ خواہش ضرور پوری کریں گے"۔

کاؤنٹ جولین نے کہا:

"سپہ سالارِ اعلیٰ! آپ ہمیں اس محاصرے میں خدمت کا موقع کیوں نہیں دیتے؟"

طارق نے حیران نظروں سے کاؤنٹ کو دیکھتے ہوئے پوچھا:

"ہم آپ کا مطلب نہیں سمجھے کاؤنٹ۔ اس محاصرے میں آپ کیا خدمت انجام دینا چاہتے ہیں؟"

"سپہ سالارِ اعلیٰ!" کاؤنٹ جولین نے اب افسردگی کے بجائے قدرے جوش سے کہا:

"ہم چاہتے ہیں کہ قرمونہ کا محاصرہ توڑنے کا حکم دیا جائے"۔

طارق کو اور زیادہ حیرانی ہوئی۔ انھوں نے پوچھا:

"مگر کس طرح کاؤنٹ جولین! ہم آپ کو محاصرہ توڑنے کی تو اجازت دے سکتے ہیں مگر اس بات کی اجازت نہیں دے سکتے کہ وفاداری کے جوش میں آپ کے دستے کے سپاہی قلعے کی فصیل سے ٹکرا کر اپنا سر پھوڑ لیں۔ ام تم نہیں سکتا۔ خودکشی کی اجازت ہم ہرگز نہیں دے سکتے۔ اس لشکر میں خواہ یونانی سپاہی ہوں، ہسپانوی ہوں یا مسلمان سب جانوں کی ذمے داری مجھ پر ہے۔ حشر میں اس کا جواب مجھے دینا ہوگا"۔

کاؤنٹ جولین نے سپہ سالارِ اعلیٰ کو مطمئن کرنے کے لیے کہا:

"سپہ سالار! مطمئن رہیں۔ میں ایسا احمقانہ قدم اٹھانے کا کوئی ارادہ نہیں رکھتا۔ میرے ذہن میں ایک سکیم ہے۔ اگر آپ اس پہ عمل کرنے کی اجازت دیں تو مجھے کامیابی کی سو فیصدی امید ہے"۔

طارق بن زیاد کے کہنے پر کاؤنٹ جولین نے مغیث الرومی اور طارق بن زیاد کو اپنی سکیم کی پوری تفصیل آہستہ آہستہ بتائی۔ طارق بن زیاد عام طور پر صرف زیرِ لب مسکراتے تھے۔ کھل کر ہنستے ہوئے انھیں کسی نے اب تک نہ دیکھا تھا لیکن کاؤنٹ جولین جب اپنی سکیم بیان کر رہا تھا تو مغیث الرومی اور طارق بن زیاد کو کئی بار ہنسی آئی۔ مغیث الرومی ضبط کرنے کے باوجود اپنی ہنسی پر قابو نہ رکھ سکے اور کئی بار ان کے منہ سے ہلکے ہلکے قہقہے بھی بلند ہوئے۔

کاؤنٹ جولین جب سکیم کی تمام تفصیل بتا چکا تو مغیث نے ہنستے ہوئے کہا:

"سپہ سالارِ اعلیٰ! اپنے کاؤنٹ جولین کی ترکیب بڑی دلچسپ ہے۔ مجھے امید ہے کہ یہ اس میں ضرور کامیاب ہوں گے"۔

طارق بھی دل ہی دل میں مسکرا رہے تھے۔ انھوں نے کہا:

"مجھے اس کی اجازت دینے میں کوئی اعتراض نہیں لیکن اگر کسی وقت یہ بات کھل گئی تو کاؤنٹ کے تمام آدمیوں کی جانیں خطرے میں پڑ جائیں گی"۔

کاؤنٹ جولین نے فخریہ لہجے میں کہا:

"سپہ سالارِ اعلیٰ! سپاہی کی زندگی کا مقصد ہی خطرات سے کھیلنا ہے۔ آپ اس کی فکر نہ کیجیے۔ اس کی پوری ذمے داری مجھ پہ ہوگی"۔

طارق نے پوچھا:

"آپ کو کتنے اور آدمیوں کی ضرورت ہوگی"۔

کاؤنٹ جولین نے مسکرا کر جواب دیا:

"آدمیوں کی نہیں، مجھے تو خواتین کی ضرورت ہے۔ خواتین ہی اس ڈرامے میں اصل رنگ بھریں گی"۔

مغیث الرومی نے کاؤنٹ جولین کی تائید کرتے ہوئے کہا:

"بالکل ٹھیک ہے۔ اس پہلو پر تو ہم نے غور ہی نہیں کیا تھا۔ عورتیں اور بچے ہوں گے تو پھر کسی کو شبہ ہو ہی نہیں سکتا۔ کاؤنٹ جولین نے تو کمال کر دیا"۔

عورتوں اور بچوں کے نام پر طارق بن زیاد کچھ فکرمند ہوئے۔ انھوں نے اسی وقت پادری روپاس اور میر قیروانی کو بلایا۔ وہ آگئے تو ان کے سامنے کاؤنٹ جولین کی اسکیم رکھی گئی۔ سکیم بڑی لاجواب تھی۔ ان دونوں نے بھی پورا اتفاق کیا۔

پادری روپاس نے کہا:

"سپہ سالار۔ آپ عورتوں اور بچوں کی طرف سے تو فکر نہ کریں۔ درجن بھر عورتیں اور بچے تو میرے ہی گھر کے ہیں۔ کچھ اور کا انتظام میر صاحب کر دیں گے"۔

طارق بن زیاد بولے:

"میر کو اسی لیے بلایا گیا ہے۔ کاؤنٹ جولین کا خیال ہے کہ اگر دو درجن عورتیں اور بچے تیار ہو جائیں تو زیادہ بہتر رہے گا"۔

میر قیروانی نے کہا:

"کاؤنٹ جولین جتنی عورتیں کہیں وہ حاضر کی جا سکتی ہیں۔ ہمارے رضاکار دستے میں ایک سے ایک باحوصلہ اور دلیر عورت موجود ہے۔ وہ جان دینے سے بھی دریغ نہ کریں گی"۔

اس وقت تو یہ گفتگو ختم ہوگئی لیکن دوسرے دن کا سورج بلند ہوا تو قلعہ قرمونہ والوں نے ایک عجب تماشہ

دیکھا۔

اس زمانے میں قلعوں اور شہروں کے عام طور پہ چار سمتوں میں دروازے ہوتے تھے۔ قرمونہ کے باہر کو مسلمانوں نے گھیر رکھا تھا۔ حالانکہ مسلمان شہر سے دور تھے لیکن شہر والے محصور تھے اور ڈر کے مارے تھے۔ کل رات تک چاروں دروازوں کے سامنے مسلمان لشکری دور سے تلواریں لیے کھڑے نظر آتے تھے لیکن قرمونہ کے شمالی دروازے کے سامنے دور دور تک کسی مسلمان سپاہی کا پتہ نہ تھا۔ ایسا معلوم ہوتا تھا کہ اب مسلمانوں نے محاصرہ اٹھالیا ہے۔

صبح کو سورج بلند ہوا تو فصیل پر متعین ہسپانوی لشکر نے دیکھا کہ مسلمانوں کا تو دور دور تک پتہ نہیں لیکن عورتوں، بچوں اور مردوں کا ایک قافلہ آہستہ آہستہ شہر کے دروازے کی طرف آ رہا ہے۔ قافلے والے پریشان ہراساں ہیں۔ بچے رو رہے ہیں۔ عورتیں بڑبڑا رہی ہیں۔ سامان کئی خچروں پہ لدا ہوا ہے۔ ایک بوڑھا پادری لیے ان کے ساتھ ساتھ ہے۔

یہ لوگ گرد اڑاتے خچروں کو آگے دھکیلتے چلے آ رہے تھے۔ عورتیں رونے والے بچوں کو بار بار جس کی وجہ سے وہ اور زیادہ شور کر رہے تھے۔

ان آنے والوں کی حالت کچھ ایسی ناگفتہ بہ اور دیدنی تھی کہ قلعے کے اوپر برجوں اور فصیل کے ساتھ ساتھ والوں کے ٹھٹھ کے ٹھٹھ لگ گئے۔ ہر ایک گردن نکالے نوواردوں کو حیرت اور دلچسپی سے دیکھ رہا تھا۔ ان کی تعداد دو سو کے قریب تھی۔ ان میں عورتیں اور بچے بھی شامل تھے۔ ان کے چہروں سے ظاہر ہوتا تھا کہ وہ کسی کے لوگ نہیں ہیں بلکہ ان میں یہودی، عیسائی اور جنوبی ہسپانیہ کے یونانی ملاح بھی شامل ہیں۔

آنے والوں کی حالتِ زار سے قلعے والوں نے یہ تو اندازہ لگا لیا کہ یہ نہ تو مسلمان ہیں اور نہ دشمن بلکہ اور خانہ برباد ہیں۔ اس لیے قلعے پر سے نہ تو کوئی تیر چلایا گیا اور نہ کسی قسم کی مدافعت کا سامان کیا گیا۔ چنانچہ یہ اسی طرح گھسٹتے پٹتے قلعے کے دروازے پہ پہنچ گئے۔ یہاں پہنچتے ہی بچوں کے شور میں اضافہ ہو گیا۔

"پانی دو۔ روٹی دو۔ بھوک بھوک۔ پناہ دو"۔

اس قسم کی آوازیں اتنے تواتر اور تیزی سے بلند ہوئیں کہ کان پڑی آواز نہ سنائی دیتی تھی۔ عورتوں کی غصے میں تبدیل ہو گئی تھی اور بچوں کے روٹی پانی مانگنے پر انہوں نے بچوں کو بے تحاشا مارنا پیٹنا شروع کر دیا تھا۔

قلعے کے دروازے پہ ایک ہنگامہ تھا۔ ایک قیامت تھی۔ قلعے کے محافظ دستے کا سردار برج سے گردن نکالے گلا پھاڑ پھاڑ کر ان لوگوں سے کچھ پوچھ رہا تھا اور نیچے سے صلیب بردار پادری بھی کچھ جواب دے رہا اس کی آواز نیچے پہنچتی تھی اور نہ نیچے کی آواز اوپر جا رہی تھی۔ اگر کوئی آواز یا آوازیں سنی جا سکتی تھیں تو وہ شور

پانی اور پناہ کے الفاظ تھے جو زور و شور سے گونج رہے تھے۔

نوواردوں فصیل اور دروازے کے محافظ سے بار بار کچھ کہتے تھے۔ شاید وہ دروازہ کھولنے پہ زور دے رہے تھے۔ محافظ سردار بھی اب اسی نتیجہ پہ پہنچا تھا کہ ان خانہ بربادوں کو پہلے اندر آنے دیا جائے پھر ہی ان سے کوئی گفتگو ممکن ہو گی۔

محصورین نے سمجھ لیا کہ یہ لوگ پریشان اور ستائے ہوئے ہیں۔ انہیں پناہ کی ضرورت ہے اس لیے حاکمِ قلعہ کے حکم سے ان لوگوں کے لیے دروازہ کھول دیا گیا۔

پہلے قلعے کے اندر پانچ سو سپاہی تلواریں سونتے ہوئے تھے۔ انہوں نے دروازے کے سامنے حفاظتی صفیں بنا لیں پھر ان لوگوں کو اندر جانے کا حکم دیا۔

یہ قافلہ لرزاں و ترساں اور خوف سے کانپتا ہوا، خچروں کو دھکیلتا ہوا جلدی جلدی اندر داخل ہو گیا لیکن بچوں اور عورتوں کا شور اسی طرح جاری تھا اور روٹی، پانی کی آوازیں بلند ہو رہی تھیں۔

اندر داخل ہوتے ہی مردوں نے ٹوٹی پھوٹی پیٹیاں اور بکسے خچروں سے نیچے اتارے۔ عورتوں نے کپڑوں کی گٹھڑیاں کھول ڈالیں اور ان میں سے پھٹی پرانی چادریں نکال کر زمین پر بچھانا شروع کر دیں۔ کئی سپاہی بھاگ کر ان کے پاس آئے اور عورتوں کو منع کیا کہ یہ راستہ ہے۔ دروازے سے دور جا کر چادریں بچھائیں مگر کون سنتا، عورتیں اپنے کام میں لگی رہیں اور دروازے کے ساتھ ساتھ چادروں کا فرش بچھا کر عورتوں نے بچوں کو اس پر بٹھا دیا۔ ان کے ٹوٹے بکسے ادھر ادھر اس طرح بکھرے پڑے تھے جیسے کسی گھر کو چوروں نے لوٹ لیا ہو۔

یہ فقیرانہ فرش بچھا تھا کہ ان کے لیے کھانا پانی آ گیا۔ حاکم قلعہ بار بار پادری اور ایک لمبے تڑنگے آدمی سے جو ان لوگوں میں ذرا سنجیدہ معلوم ہوتے تھے، ان کا حال پوچھنے کی کوشش کر رہا تھا مگر وہ دونوں بھی گھبرائے گھبرائے ادھر ادھر بھاگ رہے تھے اور بچوں اور عورتوں کو چپ کرا رہے تھے۔

کھانا آیا اور یہ سب کے سب کھانے پر اس طرح جھپٹے جیسے کتا ہڈی پہ جھپٹتا ہے۔ ہسپانوی سپاہی ان کی بے صبری اور ندیدے پن پہ ہنس رہے تھے۔ کھانے کے دوران ہی بچوں اور عورتوں نے اونگھنا شروع کر دیا جیسے انہیں سخت نیند آ رہی ہو۔ کھانا ختم ہوتے ہوتے آدھے سے زیادہ عورتیں اور بچے فرش پر ادھر ادھر لڑھک کر سو گئے تھے۔ باقی لوگ اونگھ رہے تھے۔

حاکم قلعہ نے پادری اور لمبے آدمی کو اپنے قریب بلا کر کھانا پیش کیا تھا۔ وہ چاہتا تھا کہ جب یہ کھانا کھا لیں تو ان سے وہ حالات دریافت کرے جن کے تحت ان پہ افتاد پڑی۔ اور یہ کہ وہ کون ہیں اور کہاں سے آ رہے ہیں لیکن حاکم قلعہ نے دیکھا کہ پادری اور وہ آدمی بھی کھانے کے دوران ہی اونگھنے لگے ہیں۔ اس لیے اس نے مزید انتظار نہ کیا اور پادری

سے پوچھا:

"بزرگ پیشوا! یہ سب کیا ہے۔ آپ پر کیا مصیبت آن پڑی جو گھر بار چھوڑنا پڑا؟"

پادری نے ایک بڑی سی جمائی لی اور آنکھوں کو زبردستی کھولتے ہوئے کہا:

"بابا ہم لٹ گئے۔ بستیاں اجڑ گئیں۔ اب ہمارا کوئی ٹھکانہ نہیں۔"

پھر وہ اس طرح جھوما جیسے زمین پر گر جائے گا۔

حاکمِ قلعہ نے اس کا شانہ ہلاتے ہوئے کہا:

"بزرگ! یہ تو بتائیے کہ آپ کو کس نے لوٹا؟ کب لوٹا؟ کہاں لوٹا؟"

پادری نے جمائیوں پہ جمائیاں لیتے ہوئے کہا:

"وہ کون ہے ہم نہیں جانتے۔ کہاں سے آئے ہیں اس کا بھی پتہ نہیں۔ بس وہ تو جن بھوت ہیں۔ انہوں نے بستیوں کو لوٹ کر آگ لگا دی۔ قتلِ عام کر دیا۔ پندرہ دن۔۔۔۔"

پادری کی نیند سے بوجھل آنکھیں نہ کھل رہی تھیں۔

حاکمِ قلعہ نے پھر اس کا شانہ ہلایا اور پوچھا:

"ہاں بزرگ۔ آپ کہہ رہے تھے پندرہ دن۔ پندرہ دن سے کیا ہوا؟"

پادری نے ادھ کھلی آنکھوں سے اسے دیکھتے ہوئے کہا:

"پندرہ دن سے ہم یوں ہی مارے مارے پھر رہے ہیں۔ پناہ ڈھونڈ رہے ہیں۔ ہم نے تین دن سے نہ کچھ کھایا ہے اور نہ پانی ملا ہے۔"

حاکمِ قلعہ کی سمجھ میں کچھ نہ کچھ تو آ ہی گیا تھا۔ اس نے پادری کو اس وقت زیادہ پریشان کرنا مناسب نہ سمجھا اور اس کا شانہ چھوڑ دیا۔ شانہ چھٹتے ہی پادری ایک طرف لڑھک گیا اور گٹھڑی مٹھڑی ہو کر سو گیا۔

اب حاکمِ قلعہ دوسرے آدمی کی طرف مخاطب ہوا جو اس کے بائیں جانب بیٹھا کھانا کھا رہا تھا لیکن وہ ملا۔ وہ شاید پادری سے پہلے کھانا کھا کر زمین پر ٹانگیں پھیلائے بے خبر سو رہا تھا۔

حاکمِ قلعہ نے دیکھا تو اسے اس قافلے کے تمام بچے، بوڑھے، مرد اور عورتیں فرش پر اس طرح گرے پڑے دکھائی دیے جیسے میدانِ جنگ میں لڑائی کے خاتمے پر سامانِ جنگ بکھر جاتا ہے۔ ان کا سامان بھی بے ترتیبی سے دروازے سے لے کر دور تک پھیلا ہوا تھا۔ وہ مسکراتا ہوا دوسرے سرداروں کو لے کر اپنے کمرے میں چلا گیا۔ اس نے سوچا کہ یہ لوگ پندرہ دن کے تھکے ماندے ہیں۔ انھیں آرام کرنے دیا جائے۔ شام تک ان کی تھکن دور ہو جائے گی پھر ان سے مزید تفصیلات حاصل کی جا سکیں گی۔

قلعے میں داخل ہونے والے گھوڑے بیچ کر ایسے سوئے کہ شام تک انھوں نے سر بھی نہ اٹھایا۔ اس عرصے میں حاکم قلعہ کئی بار آیا مگر سب کو بے خبر سوتا دیکھ کر واپس چلا گیا۔ دوپہر میں ان لوگوں کے لیے کھانا بھیجا گیا مگر ان کو بار بار جگانے کے باوجود کوئی نہ جاگا۔ صرف ایک جوان لڑکی نے کھانا لانے والوں کو خمار آلود آنکھوں سے دیکھا۔ ایک سپاہی اس کے پاس کھانا لے کر آیا اور کھانے کو کہا۔

لڑکی نے فرش پر ایک طرف لڑھکتے ہوئے کہا:

"بھائی تمہارا شکریہ۔ سب کا کھانا یہیں چھوڑ جاؤ۔ جو اٹھے گا خود ہی کھا لے گا۔ ہم لوگ پندرہ دن کے جاگے ہوئے ہیں۔ ہمیں سونے دو۔"

لڑکی نے مزید گفتگو کا دروازہ بند کرتے ہوئے خود بھی آنکھیں بند کر لیں۔

تمام لوگوں کا کھانا، سونے والوں کے قریب ہی رکھ دیا گیا۔ جب کھانا لانے والے کھانا چھوڑ کر چلے گئے تو یہ لڑکی الٹیاں پلٹیاں کھاتی ہوئی سوئے ہوئے بچوں کے پاس پہنچی اور دو بچوں کو چپکے سے جگایا۔ بچے پہلے ہی سے جاگ رہے تھے۔ دن بھر انہیں یوں ہی پڑے پڑے بھوک لگ آئی تھی۔ لڑکی نے بچوں کو کچھ اشارہ کیا۔ دونوں بچے اٹھ کر کھانے کے پاس گئے۔ خوب جی بھر کے کھانا کھایا اور پھر جا کر اپنی جگہ لیٹ گئے۔ دو چار منٹ کے بعد دو بچے اور اٹھے۔ وہ بھی کھانا کھا آئے اور اپنی جگہ آ کر سو گئے۔ اس طرح کھانا کھانے والے بچوں کا تانتا بندھ گیا۔

بچوں کے کھانے کا سلسلہ بند ہوا تو عورتوں نے کھانے کا نمبر لگایا۔ وہ ایک ایک دو دو کر کے اٹھتیں۔ جا کر کھانا کھاتیں اور پھر اپنی جگہ واپس آ کر لیٹ جاتیں۔

عورتوں کے بعد مردوں نے یہی طریقہ اختیار کیا۔ اس طرح سب نے کھانا کھایا نہ کوئی غل ہوا نہ شور۔ بالکل خاموشی طاری رہی۔

قلعے والے یہی سمجھتے رہے کہ یہ لوگ بھوکے سو رہے ہیں کیونکہ ان کی جب بھی نظر پڑتی تھی انہیں صرف ایک دو عورتیں یا مرد ٹہلتے نظر آتے۔ بقیہ تمام لوگ بے خبر سوتے دکھائی دے رہے تھے۔

رات ہو گئی۔ قلعے میں شمعیں روشن ہو گئیں۔

باورچی خانے کے آدمی خالی برتن اٹھا لے گئے اور پھر انھیں بھر کر رات کا کھانا لے آئے۔ اب انھوں نے کسی کو جگانے کی ضرورت محسوس نہ کی وہ کھانا رکھ کر چلے گئے۔ اس خیال سے کہ جو اٹھے گا دوپہر کے کھانے کی طرح خود ہی کھا لے گا۔ یہ لوگ اس طرح لڑھکے پڑے تھے کہ لوگ اپنے کام کاج میں لگے رہے۔ ان کی طرف کسی نے توجہ ہی نہ دی۔

کچھ رات گئے قلعے کا حاکم اپنے معمول کے گشت پر اس دروازے کی طرف آیا تو ان لوگوں کو خراٹے لیتا ہوا

ہلایا۔ وہ مسکراتا ہوا آگے چلا گیا۔

جس جگہ یہ لوگ سو رہے تھے وہاں ہلکی ہلکی روشنی تھی۔ یہ روشنی دروازے کے دائیں بائیں اندر جلنے والی شمعوں کی تھی۔ ان سونے والوں نے اپنی چادریں دروازے کے ساتھ ساتھ اوپر جانے والے زینوں کے قریب تک بچھائی تھیں۔ اوپر جانے کے لیے صرف ذرا سا راستہ چھوڑا تھا۔ اوپر آنے جانے والے اوپر سے پھلانگ پھلانگ کر اوپر نیچے آجا رہے تھے مگر یہ تو ایسے مست پڑے تھے جیسے دنیا و مافیہا سے بے نیاز ہوں۔

رات کو بھی کھانے کا سلسلہ اسی طرح جاری رہا۔ جسے بھوک لگتی، ایک ایک دو دو کر کے اٹھتا اور اپنی جگہ جا کر لیٹ جاتا۔ یوں معلوم ہو رہا تھا جیسے ان لوگوں کی زندگی کا مقصد صرف کھانا اور سونا ہے۔ اپنی صلیب دیوار کے سہارے کھڑی کیے زینے کے پاس بیٹھا تھا۔

جب رات اندازے سے آدھی سے زیادہ گزر گئی تو پادری نے لیٹے لیٹے ہاتھ بڑھا کر صلیب کو پکڑا اور آہستہ آہستہ دو بار ہلایا۔

صلیب کے حرکت میں آتے ہی سونے والوں میں حرکت پیدا ہوئی۔ سب آہستہ آہستہ کروٹیں بدلنے لگے۔ اس طرح کروٹیں بدلتے بدلتے ادھر ادھر لڑھکتے ہوئے بچے سمٹ کر ایک جگہ آ گئے۔ عورتیں بھی لڑھکتی ہوئی ایک جا ہو گئیں اور تمام مرد بھی کروٹ بدلتے ہوئے بکسوں کے پاس پہنچ گئے۔ اس طرح ان لوگوں کے تین حصے ہو گئے۔ بڑی خاموشی اور نظم و ضبط کے ساتھ۔ کسی کو خبر نہ ہوئی اور نہ شبہ ہوا۔

فصیل کا یہ دروازہ دو فٹ موٹی لکڑی کے تختوں کا بنا ہوا تھا۔ باہر کی طرف اس پر لوہے کے موٹے پتر چڑھے ہوئے تھے۔ اندر کی جانب زنجیر کے بجائے تلے اوپر تین لوہے کے گرڈر دائیں سے بائیں جڑے ہوئے تھے۔ ان گرڈروں کے سروں پر مضبوط رسیاں بندھی تھیں۔ یہ رسیاں برجوں میں نصب چرخیوں سے بندھی تھیں۔ جب دروازہ کھولنا مقصود ہوتا تو چرخیاں دائیں جانب گھمائی جاتیں اور گرڈروں میں بندھی ہوئی رسیاں ان کو اوپر کی طرف اٹھا لیتیں۔ اسی طرح دروازہ بند کر کے ان چرخیوں کو بائیں طرف گھمایا جاتا تو یہ گرڈر اوپر سے نیچے آجاتے اور دروازے پر تین زنجیریں بن کر چپک جاتے۔ بغیر ان گرڈروں کو اوپر اٹھائے، دروازہ کھل نہیں سکتا تھا اور دروازہ باہر سے بھی اتنا مضبوط تھا کہ اسے توڑنا ممکن نہ تھا۔

اس دروازے کے اندر کی طرف بھی دو سو سپاہیوں کا پہرہ لگتا تھا لیکن اس وقت سپاہیوں کے رہنے کی جگہ پر یہ قافلے والے قبضہ کیے ہوئے تھے اور پہرے دار سپاہی دور برآمدوں میں بیٹھے خوش گپیاں کر رہے تھے۔ وہ خوش تھے کہ اس قافلے کے آنے سے آج انہیں چھٹی ملی ہوئی ہے۔

پھر سامنے پادری کی صلیب ایک بار پھر ہوا میں لہرائی۔

اس بار یہ صلیب مسلسل لہراتی رہی۔

اس کے ساتھ ہی بکسوں کے قریب لیٹے ہوئے آدمی اٹھ بیٹھے اور بکسوں سے تلواریں نکال کر تیزی سے دونوں طرف کے زینوں سے اوپر چڑھنے لگے۔ یہ کام اتنی تیزی سے ہوا کہ برآمدے میں بیٹھے ہوئے سپاہیوں کی سمجھ میں کچھ بھی نہ آیا۔ پھر جب دروازے کے برجوں سے چیخ و پکار کی آوازیں آئیں تو وہ زینوں کی طرف بھاگے۔ اس وقت قافلے کے بچے اور عورتیں ان کے سامنے آگئیں۔ بچے سپاہیوں کے پیروں میں لپٹ گئے۔ کوئی ہاتھ میں لٹک گیا۔ کسی نے چٹکیاں کاٹنی شروع کر دیں۔ اس طرح برآمدے کے سپاہی اوپر جانے سے پہلے ہی ان عورتوں اور بچوں میں الجھ کر رہ گئے۔ کچھ لڑکھڑا کر گر پڑے جنہیں عورتوں اور بچوں نے دبوچ لیا۔

اس دھماچوکڑی کے دوران عورتیں چیخ چیخ کر کہہ رہی تھیں:

"ہے ہے کیا ہوا۔ تم لوگ کدھر جا رہے ہو؟ ہائے میرا پیر دب گیا۔ ارے اندھے دیکھ کر چل۔ . . . . کیا قیامت آگئی۔ . . . ."

نیچے کے سپاہی عورتوں اور بچوں کو دھکیل کر زینے پر چڑھنے کی کوشش کر رہے تھے اور اوپر زوردار تلوار چل رہی تھی۔ قافلے کے وہ جوان جو دن بھر بظاہر مردہ بنے پڑے رہتے تھے، اب اپنی تلواریں بکسوں سے نکال نکال کر برجوں پر چڑھ گئے تھے اور دروازے کے محافظوں سے نبرد آزما تھے۔ ان کی کوشش تھی کہ کسی طرح برجیوں کے پاس پہنچ کر لوہے کے گرڈروں کو اوپر اٹھا دیں تاکہ دروازہ کھل جائے۔ محافظ ان کا ارادہ بھانپ گئے تھے اور دیوار بن کر سامنے اکھڑے ہوئے تھے۔

اب پورے قلعے میں شور مچ گیا تھا اور ہسپانوی سپاہی دھڑا دھڑ اسلحہ لے کر دروازے کی طرف بھاگے چلے آ رہے تھے۔ آخر قافلے کے جوانوں نے دروازے کے محافظوں پر ایک زبردست حملہ کیا اور انہیں دھکیلتے ہوئے چرخیوں کے پاس پہنچ گئے۔

محافظوں نے جان توڑ کوشش کی مگر ان جیالوں کو نہ روک سکے۔ پھر دروازے کے گرڈر اوپر اٹھنے لگے۔ ادھر اوپر اور نیچے تمام عورتیں دروازے کے پاس آ کر کھڑی ہو گئیں۔ پھر جیسے ہی گرڈر اوپر اٹھ گئے۔ انہوں نے زور لگا کر دروازہ کھول دیا۔

اسی وقت قلعے کے ایک برج پر صلیب کے ساتھ بندھی ہوئی ایک شمع ہوا میں لہرائی۔

اور

طارق بن زیاد اللہ اکبر کے نعرے بلند کرتے اپنے سواروں کے ساتھ قلعے میں داخل ہو گئے۔

اس سیلِ رواں کو روکنے کی کس میں طاقت تھی۔ جو سامنے آیا مارا گیا۔ ذرا دیر میں قلعے کے اندر کا میدان

لاشوں سے پٹ گیا۔

حاکمِ قلعہ شور سن کر دروازہ کی طرف آ رہا تھا۔ اس نے جب دیکھا کہ یہاں تو مسلمان ہی مسلمان ہر طرف کے نعرے لگا رہے ہیں تو اس کا حوصلہ پست ہو گیا۔ وہ آگے بڑھ کر چلایا:

"ہسپانوی سپاہیو! ہتھیار ڈال دو۔ ہمیں شکست ہو چکی ہے۔"

اس آواز کے ساتھ ہی ہسپانیوں نے ہتھیار پھینک دیے۔ مسلمانوں نے تلواریں نیاموں میں کر لیں۔

حاکمِ قلعہ نے پھر آواز لگائی:

"مسلمانو! مجھے اپنے سردار کے پاس لے چلو۔ میں حاکمِ قلعہ ہوں۔"

اس وقت طارق بن زیاد قریب ہی تھے۔ انہوں نے آواز سنی تو گھوڑا بڑھا کر حاکمِ قلعہ کے پاس آئے۔ سپاہی شمعیں لے کر طارق بن زیاد کے گرد کھڑے ہو گئے۔

طارق بن زیاد نے کہا:

"تم کون ہو۔ تم نے ابھی کیا کہا تھا؟"

حاکمِ قلعہ طارق بن زیاد کی رعب دار آواز ہی سے سمجھ گیا کہ یہ مسلمانوں کا سردارِ اعلیٰ ہو سکتا ہے۔ اس نے کہا:

"میں مسلمان سردار کو آداب پیش کرتا ہوں اور اپنی اور اپنے سپاہیوں کی جان کی امان چاہتا ہوں۔"

طارق نے اسی رعب سے کہا:

"حاکمِ قلعہ! ہم تمہاری عقل مندی اور دانش وری سے بہت خوش ہوئے۔ ہم قلعۂ قرمونہ کے ہر شخص کو معافی دیتے ہیں۔ ہسپانوی سپاہ یا شہری اگر شہر میں رہیں تو ان کی حفاظت کے ہم ذمے دار ہیں۔ اگر وہ کسی اور نقل مکانی کرنا چاہیں تو ہم کوئی دخل نہ دیں گے۔"

"میرے لیے کیا حکم ہے سردارِ اعلیٰ؟" حاکمِ قلعہ نے گھبرا کر پوچھا۔

"قلعے کی چابیاں ہمارے حوالے کی جائیں۔" طارق نے اسے حکم دیا۔

حاکمِ قلعہ بولا:

"چابیاں میرے مکان پر ہیں۔ مجھے اجازت دی جائے میں لا کر پیش کرتا ہوں۔"

طارق نے پوچھا:

"کیا سرکاری خزانہ اور مال و اسباب تمہارے گھر میں بھی ہے؟"

"نہیں سپہ سالار۔" قلعدار بولا: "تمام سرکاری مال و دولت نیچے تہ خانے میں بند ہے۔ میرے

ذاتی سامان اور خواتینِ خانہ کے زیورات کے اور کچھ نہیں۔ آپ میرے ساتھ لشکری بھیج کر تصدیق کرا سکتے ہیں۔"

طارق نے نرمی سے کہا:

"کسی تصدیق یا شہادت کی ضرورت نہیں۔ جو شخص اپنی شکست خود تسلیم کر لے اس کی دیانت پر شبہ کرنا خود اپنے آپ پر شبہ کرنے کے مترادف ہے۔ آپ جا سکتے ہیں۔"

حاکمِ قلعہ کا مکان جو حقیقت میں ایک چھوٹا سا محل تھا، اس میں ہسپانیوں کی شکست کی خبر پہلے ہی پہنچ چکی تھی۔ اس کی بیوی اور بچے سخت پریشان تھے۔

اس زمانے میں قلعہ فتح ہونے کا مطلب قلعدار کی گرفتاری اور قتل ہوا کرتا تھا لیکن جب قلعدار زندہ و سلامت اپنے گھر پہنچا تو اس کے بچے روتے ہوئے اس سے لپٹ گئے۔ اس نے گھر والوں کو تسلی دی اور بتایا کہ مسلمان بظاہر بہت نیک اور معاملہ فہم ہوتے ہیں اور اس پروپیگنڈے کے برعکس ہیں جو اُن کے خلاف شہروں شہروں کیا جا رہا ہے۔

حاکمِ قلعہ نے چابیوں کے دو گچھے الماری سے نکالے اور گھر والوں کو تسلی و تشفی دے کر طارق بن زیاد کے پاس آیا۔

قلعے میں امن و امان ہو گیا تھا۔ طارق ایک بڑے ہال میں اپنے جاں نثاروں کے ساتھ بیٹھے گفتگو کر رہے تھے۔ حاکمِ قلعہ نے لے جا کر چابیاں طارق کے قدموں میں رکھ دیں۔ پھر سر جھکا کر ایک طرف کھڑا ہو گیا۔ طارق نے چابیوں کے دو گچھے دیکھے تو پوچھا:

"یہ چابیوں کے دو گچھے کیسے ہیں؟"

"سپہ سالار۔ بڑا گچھا تہ خانے کے خزانے کا ہے اور ..... چھوٹا گچھا میرے گھر کا ہے۔" حاکمِ قلعہ نے اسی طرح سر جھکائے ہوئے کہا۔

طارق نے بڑی سنجیدگی سے کہا:

"اپنے گھر کی چابیاں اٹھا لو۔ ہم لوگوں کے گھر لوٹنے نہیں آئے۔ ہم تو ہسپانوی عوام کو شاہی ظلم و استبداد سے نجات دلانے آئے ہیں۔ انسانیت اور مساوات کا سبق پڑھانے آئے ہیں۔ ہاں ایک بات اور سن لو۔ وہ یہ کہ ہم نے تمہارے لیے سزا تجویز کی ہے بشرطیکہ تم اسے پسند کرو۔"

سزا کا نام سن کر حاکمِ قلعہ کا رنگ فق ہو گیا اور اس کی آنکھوں کے سامنے اندھیرا سا آ گیا۔ اس نے کچھ بولنے کی کوشش کی مگر الفاظ اس کے حلق میں اٹک کر رہ گئے۔

طارق نے اسے پریشان دیکھا تو پھر کہا: "گھبراؤ نہیں۔ ہم بہادروں کی قدر کرتے ہیں۔ اگر سزا تمہیں پسند نہ

آئی تو ہم اسے واپس لے لیں گے"۔

"کیا سزا آپ مجھے دیں گے"۔ حاکمِ قلعہ نے مری مری آواز میں منمنا کر کہا۔

"پہلے ادھر دیکھو"۔ طارق نے ایک لمبے آدمی کی طرف اشارہ کیا:

"انہیں پہچانتے ہو؟"

حاکمِ قلعہ نے نظر اٹھا کر دیکھا تو حیران رہ گیا۔ وہ لانبا آدمی وہی تھا جو صبح کے وقت اس قافلے کو ساتھ لیے قلعہ میں داخل ہوا تھا۔ اس کے برابر پادری اپنی صلیب لیے بیٹھا تھا۔ وہ دونوں صبح والے پھٹے پرانے کپڑوں میں ملبوس تھے۔

حاکمِ قلعہ نے کہا:

"جی ہاں۔ یہ دونوں آج صبح پناہ گزینوں کا ایک قافلہ لے کر قلعہ میں آئے تھے"۔

"لیکن یہ پناہ گزیں نہیں"۔ طارق نے ایک طرف اشارہ کرتے ہوئے کہا:

"یہ کاؤنٹ جولین ہیں۔ افریقہ میں قلعہ سبتہ کے خود مختار حاکم"۔

"کاؤنٹ جولین"۔ حاکمِ قلعہ نے یہ نام زیرِ لب دہرایا۔ پھر بولا:

"کاؤنٹ جولین، سابق شہنشاہ غیطشہ کے داماد، وہی ہیں نا یہ؟"

"بالکل وہی"۔ طارق نے کہا۔ پھر پادری کی طرف دیکھتے ہوئے بولے:

"اور یہ ہیں سابق شہنشاہ کے بھائی پادری روپاس۔ اس عظیم ہستی کو بھی آپ نہ پہچان سکے۔ اب اور یہ ہیں قوم گاتھ کے بہادر اور عقل مند سردار مغیث الرومی۔ انہیں تو آپ ضرور پہچانتے ہوں گے"۔

حاکمِ قلعہ نے سب کو باری باری دیکھا اور کہا:

"جی سپہ سالار، اب میں سب کو پہچان گیا اور یہ بھی سمجھ گیا کہ قلعہ کس طرح فتح ہوا"۔

طارق بن زیاد نے کہا:

"اب یہ سب مسلمانوں کے حلیف ہیں اور ہمارے ساتھ مل کر ہسپانیہ میں راڈرک کی شہنشاہیت کے نشان مٹانے کی کوشش کر رہے ہیں۔ ہم نے اپنے حلیفوں کے سامنے حاکمِ قلعہ کی سزا کی تجویز رکھی ہے اور انہوں نے تائید کی ہے"۔

سزا کا نام سنتے ہی حاکمِ قلعہ کا رنگ پھر پھیکا پڑ گیا۔ اس نے بڑی امید اور حسرت بھری نظروں سے ان معززین کو دیکھا جن کے ہاتھ میں اس وقت اس کی جان تھی۔

"تمہاری سزا یہ ہے کہ ہم تمہیں۔۔۔"۔ طارق نے ایک لمحہ توقف کیا۔ حاکم قلعہ کے جسم سے سردی کی ایک

لہر گزر گئی:

"سزا یہ ہے کہ ہم تمہیں پھر سے حاکمِ قلعہ بناتے ہیں اور تمہارے پورے اختیارات تمہیں واپس کیے جاتے ہیں"۔

حاکم قلعہ کا منہ حیرت اور خوشی سے کھل گیا۔ اسے اپنے کانوں پر یقین نہ آ رہا تھا۔

"لیکن تمہیں کچھ ہدایات پر عمل کرنا ہوگا"۔ طارق بن زیاد نے اسے سمجھاتے ہوئے کہا:

"اب کسی پر ظلم نہ ہوگا۔ ہر شخص اپنے مذہبی معاملات میں آزاد ہے۔ کسی مذہب کی عبادت گاہیں اگر سابق شہنشاہ نے ضبط کی ہیں تو وہ بحال کی جاتی ہیں۔ ہر شہری کے حقوق بلا تمیزِ مذہب برابر ہوں گے"۔

حاکمِ قلعہ نے ہر ہدایت پر عمل کرنے کا وعدہ کیا اور پھر بار بار شکریہ ادا کرنے کے بعد وہاں سے رخصت ہو کر گھر کی طرف چلا تاکہ اہلِ خانہ کو جا کر یہ خوش خبری سنائے۔

اس کے جانے کے بعد طارق بن زیاد نے کہا:

"قلعہ قرمونہ کی فتح کا سہرا کاؤنٹ جولین کے سر ہے۔ انہوں نے اپنی حکمتِ عملی سے کئی ہزار بے گناہوں کو جنگ کی بھٹی میں جلنے سے بچا لیا"۔

کاؤنٹ جولین جو اب تک پھٹے پرانے کپڑے چڑھائے ہوئے تھا، بولا:

"فتح کا اصل سہرا تو ان خواتین اور بچوں کے سر باندھنا چاہیے جنہوں نے اس اہم ڈرامے میں اپنا اپنا کردار اس خوبصورتی سے ادا کیا کہ شروع سے آخر تک کسی کو شک بھی نہ ہو سکا۔ اس کے لیے پادری روپاس، ان کی دو بہنیں اور بھانجی قابلِ مبارک باد ہیں۔ پادری کی بھانجی نے تو بچوں کو چند گھنٹوں میں اس طرح ٹریننگ دی کہ میں تو حیران رہ گیا"۔

آخر میں طارق بن زیاد نے اعلان کیا:

"تمام بچوں اور خواتین کو شاہی خزانے سے حاصل ہونے والے بیش قیمت پارچہ جات اور تحائف دیے جائیں گے اور پادری روپاس کی بھانجی کو اس کا منہ مانگا انعام ملے گا"۔

صبح ہونے والی تھی۔

طارق نے سب کو رخصت کر دیا۔ انہوں نے پہلے تہجد اور شکرانہ ادا کیا۔ پھر نمازِ فجر اپنے ہی کمرے میں ادا کر کے آرام کرنے کے لیے لیٹ گئے۔

دوسرا دن جمعہ کا تھا۔

قلعے میں نماز باجماعت کے انتظامات ہونے لگے۔ ایک اونچے چبوترے کو بطور مسجد استعمال ... فرش بچھایا گیا۔ چبوترہ چھوٹا تھا اس لیے دور دور تک صفیں بچھ گئیں۔ اذان کی آواز قلعے میں گونجی تو شہر ... خلقت مسلمانوں کی عبادت دیکھنے کے لیے ٹوٹ پڑی۔ انھوں نے اس سے پہلے نہ تو کسی مسلمان کو اور نہ ... دیکھی تھی۔ قلعے کا میدان، فصیل، بُرجیاں اور چھتیں لوگوں سے بھر گئیں۔

لشکری وضو کر کے آتے اور فرش پر ادب سے بیٹھ جاتے۔ کوئی کسی سے بات نہ کرتا۔ ہر ایک ... درود و سلام پڑھنے میں مصروف تھا۔

یہ نظارا بڑا ایمان افروز اور ایمان آموز تھا۔ عیسائی، یہودی، مرد، عورتیں، بچے، بوڑھے اس منظر ... اور دلچسپی سے دیکھ رہے تھے۔

قرمونہ والوں کو سالارِ افواجِ اسلام کے دیکھنے کا بڑا اشتیاق تھا مگر وہ اب تک نہیں پہنچے تھے۔ وہ ... میں سرداروں کے ساتھ کسی خاص مسئلے کو حل کرنے میں مصروف تھے۔

جمعہ کا خطبہ شروع ہو گیا مگر طارق نہ آئے۔ پھر خطبہ ختم ہونے کو تھا کہ لوگوں نے دیکھا کہ گٹھیلے بدن کا ... جس کا رنگ کھلتا ہوا تھا اور بالوں کی رنگت سرخ تھی، بڑی تیزی سے قدم اٹھاتا ہوا میدان میں آیا۔ اس کی طرف کسی نے ... بھی نہ دی۔ پورا میدان نمازیوں سے بھرا ہوا تھا۔ آنے والے کو سب سے پیچھے جگہ ملی۔ وہ آ کر بالکل چپ چاپ سے آخری صف میں بیٹھ گیا۔

فصیل پر کھڑے ہوئے ایک شخص نے دوسرے سے کہا:

"دیکھا تم نے طارق بن زیاد کو؟"

"کدھر ہیں؟ میری آنکھیں تو انہی کو ڈھونڈ رہی ہیں۔" دوسرے نے بڑی بے چینی سے جواب دیا۔

پہلے نے ہاتھ سے اشارہ کرتے ہوئے بتایا:

"وہ سب سے پیچھے۔ لال لال بالوں والے، طارق بن زیاد ہیں۔ مسلمانوں کے نیک دل سپہ سالار۔"

"اوہ یہ ہیں سپہ سالار۔ مگر انہیں تو آگے ہونا چاہیے تھا!"

اس کے ساتھی نے بتایا:

"یہی تو ان میں خوبی ہے جو ہم میں نہیں۔ یہ لوگ اپنی عبادت گاہوں میں پہنچ کر بڑے چھوٹے کی تمیز بھول جاتے ہیں۔ ان میں بڑا وہ سمجھا جاتا ہے جو زیادہ عبادت گزار اور پرہیزگار ہو۔"

ایک سے دوسرے پھر تیسرے۔ اس طرح تمام فصیل اور برجیوں میں کھڑے لوگوں نے طارق بن زیاد ...

... بڑا تعجب تھا کہ لشکرِ اسلام کا سب سے بڑا مرتبہ سپہ سالار کا ہوتا ہے، پھر یہ عام آدمیوں کے ساتھ ... بیٹھا ہے؟

نماز کے بعد قرمونہ کے شرفا، امراء اور اہلِ شہر کا ایک جمِ غفیر طارق بن زیاد سے ملاقات کے لیے اکٹھا ہو ... طارق سب سے بڑی خندہ پیشانی سے ملے اور ان کی شکایات سنیں۔

اس کے بعد پیش امام نے طارق کے اشارے پر اہلِ قرمونہ کے سامنے ایک پُرزور تقریر کی۔ انھوں نے اپنی تقریر میں اسلام کے سچے اور سادہ اصولوں کا ذکر کیا۔ انھوں نے بتایا کہ اسلام جبر و تشدد اور فتنہ و ... کو ختم کرنے کا سبق دیتا ہے۔ اس کے پیشِ نظر قرمونہ والوں کو شہنشاہیت کی ان پابندیوں سے آزاد کیا ... ہے جن میں وہ صدیوں سے جکڑے ہوتے ہیں۔ اب کوئی کسی کے کام میں مداخلت نہیں کر سکتا۔ جو شخص جو ... اختیار کرنا چاہے اسے اس کی آزادی ہوگی۔ مرد اور عورتیں اپنی مرضی اور پسند سے شادی کر سکتے ہیں (ہسپانیہ ... وہ اپنی مرضی سے شادی بیاہ نہیں کر سکتے تھے)۔

اس تقریر کا یہ اثر ہوا کہ اسی وقت کئی سو عیسائی حلقہ بگوشِ اسلام ہو گئے۔ اسلامی تاریخ بتاتی ہے کہ ... اور پادری روپاس معہ اپنے افرادِ خانہ کے اس موقع پر اسلام لے آئے لیکن مغربی مؤرخ اسے تسلیم ... کرنے سے انکار کرتے ہیں۔

جب پادری روپاس اپنے گھر (جہاں اسے ٹھہرایا گیا تھا) پہنچا تو اس کی بہن نے کہا:

"سپہ سالارِ اسلام نے اپنا وعدہ پورا نہیں کیا!"

روپاس نے پریشان ہو کر کہا:

"بہن آہستہ بولو۔ تم سپہ سالار پر الزام لگا رہی ہو۔ وہ ایک سچے انسان ہیں!"

بہن ہنس کر بولی:

"آگ لگے میرے منہ میں اگر میں ان پر الزام لگاؤں۔ ان جیسا سچا انسان تو دنیا میں پیدا ہونا ہی مشکل ... میں تو اپنی تارا کے انعام کے بارے میں کہہ رہی تھی۔"

روپاس کو اطمینان ہو گیا۔ اس نے کہا:

"اس کی فکر نہ کرو۔ سپہ سالار نے تمام شاہی خزانہ تہ خانے سے نکالنے کا حکم دے دیا ہے۔ کچھ دیر بعد ... بچوں اور عورتوں کو بلایا جائے گا اور جو چیز وہ پسند کریں گے، انہیں دے دی جائے گی۔"

"لیکن تارا کی پسند کی تو کوئی چیز اس میں ہوگی نہیں۔" بہن نے عجیب انداز سے پادری روپاس کو ... گھورتے ہوئے کہا۔

پادری روپاس نے ذرا بگڑ کر کہا :

"تم ہر بات میں اپنی عقل مندی دکھاتی ہو۔ قرمونہ کے خزانے میں تو ایسی ایسی نادر چیزیں ہیں کہ تارا دیکھے گی تو دیکھتی رہ جائے گی"۔

بہن کو بھی غصہ آ گیا۔ اس نے تیوریاں چڑھاتے ہوئے کہا :

"تم صرف پادری ہو روپاس۔ پھر تم جتنے موٹے ہو تمہاری عقل بھی اتنی ہی موٹی ہے۔ ہیرا تارا نے جو ہیرا پسند کیا ہے وہ دنیا کے کسی خزانے میں نہیں ہے"۔

پادری کی سمجھ میں اب بھی کچھ نہ آیا۔

بہن نے اسے بے بس دیکھا تو ہنس کر کہا :

"میر قیروانی جیسا ہیرا ہے کسی خزانے میں؟"

پادری روپاس کی باچھیں کھل گئیں۔ بولا :

"ٹھیک کہتی ہو بہن۔ لیکن یہ بات تارا نے تم سے خود کہی ہے؟"

بہن نے بھائی کو ڈانٹتے ہوئے کہا :

"تم تو سٹھیا گئے ہو۔ ایسی باتیں کہی نہیں جاتیں بلکہ سمجھی جاتی ہیں۔ جاؤ سپہ سالار سے کہو اپنے انعام میں میر قیروانی کو مانگا ہے"۔

پادری روپاس مسکراتے ہوئے الٹے پیروں طارق بن زیاد کی طرف روانہ ہو گئے۔

پھر اسی شام تارا اور میر قیروانی کی بڑی دھوم دھام سے شادی ہوئی۔ تارا اسلام قبول کر چکی تھی اس کا عقد بھی اسلام کے مطابق ہوا۔ حاکم قلعہ کے علاوہ قرمونہ کے تمام معززین نے بھی اس میں شرکت کی۔

⊙

④

شعاعی

⊙

خانقاہ کے دروازے پر دونوں نے اپنے گھوڑے روک لیے۔

ایک سوار نے دوسرے سے پوچھا :

"آپ کا نام کیا ہے؟"

اس کے ساتھی نے جواب دینے کے بجائے اپنے منہ سے زبان باہر نکالی اور زبان پر انگلی رکھ کر کچھ اس طرح اشارہ کیا جیسے کہنا چاہتا ہو کہ وہ زبان سے بول نہیں سکتا۔

سوال کرنے والا سوار مسکرایا اور بولا :

"محترم سردار۔ اب آپ کو کوئی نہیں پہچان سکتا۔ ہر ایک یہی سمجھے گا کہ آپ واقعی گونگے ہیں"۔

گونگے کی کامیاب اداکاری کرنے والے نے کہا :

"راڈسا! ہمیں خدا سے امید ہے کہ ہم اپنے مقصد میں ضرور کامیاب ہوں گے"۔

راڈسا بولا :

"امید نہیں بلکہ ہمیں یقین رکھنا چاہیے۔ آپ ان کپڑوں میں بالکل ہسپانوی نظر آتے ہیں۔ صورت شکل بھی آپ ہسپانیوں سے ملتے جلتے ہیں۔ زبان اور بیان کا مسئلہ تھا جسے آپ نے گونگا بن کر حل کر لیا۔ اب آپ سارے شہر میں اطمینان سے گھوم سکیں گے۔ کوئی بھی آپ کو پہچان نہ سکے گا۔ کلیساؤں اور خانقاہوں میں بھی میں آپ کے ساتھ ساتھ رہوں گا"۔

سینٹ پیٹر کی یہ چھوٹی سی خانقاہ جس کے دروازے پر کھڑے ہوئے یہ دونوں سوار باتیں کر رہے تھے،

ہسپانیہ کے مشہور شہر اور قلعہ ای سی جا کے مضافات میں سرحد پر واقع تھی۔
راڈسا ہسپانوی نژاد عیسائی تھا اور دوسرا جو بظاہر گونگا بنا ہوا تھا، اس کا نام حاکم بن منذر تھا۔
حاکم بن منذر اسلامی لشکر کے اس ہراول دستے کی کمان کر رہا تھا جسے مجاہدِ اعظم طارق نے
ای سی جا پر حملہ کرنے سے پہلے وہاں کے حالات معلوم کرنے کے لیے آگے روانہ کیا تھا۔
عیسائی راڈسا اور مسلمان سردار حاکم بن منذر آپس میں گہرے دوست تھے۔ ان کی دوستی
میدانِ جنگ میں ہوئی تھی۔ اس جنگ میں راڈسا نے دو بدو لڑائی کے دوران حاکم کی شجاعت
کے سامنے ہتھیار ڈال دیے تھے۔ حاکم چاہتا تو اسے قتل کر سکتا تھا لیکن اس نے راڈسا کو
معافی ان دونوں کے درمیان گہری دوستی کا سبب بن گئی۔ راڈسا نے حاکم کا اتنا اعتماد حاصل کر لیا کہ
اہم مہم میں اپنے ساتھ رکھنے کے لیے راڈسا کو منتخب کیا تھا۔

حاکم بن منذر کو حکم دیا کہ وہ ای سی جا کی طرف کوچ کرے اور وہاں سے کچھ دور پڑاؤ ڈال کر کسی طرح شہر اور
قلعے کے بارے میں مکمل اور مفصل معلومات حاصل کرے تاکہ کامیابی میں کوئی شک و شبہ نہ رہ جائے۔
حاکم بن منذر اپنا فوجی دستہ لے کر ای سی جا کے قریب پہنچ گیا۔ وہاں اس نے دستے کو چھوڑا اور
اپنے دوست راڈسا کو لے کر ای سی جا کی سرحدی خانقاہ سینٹ پیٹر کے دروازے تک پہنچ گیا۔ حاکم کی
شکل و صورت ہسپانیوں سے ملتی جلتی تھی۔ راڈسا نے اسے ہسپانوی لباس پہنوا دیا۔ بدقسمتی سے حاکم ہسپانوی زبان
نہ جانتا تھا۔ پھر اس علاقے میں ٹھیٹ قسم کی ہسپانوی بولی جاتی تھی، اس لیے حاکم نے یہ طے کیا کہ وہ اس مہم کے
دوران گونگا بنا رہے گا تاکہ اس سے کوئی بات ہی نہ کرے اور زبان کا راز، راز رہے۔

طارق بن زیاد کو سرزمینِ ہسپانیہ پر قدم رکھے چار ماہ سے زیادہ کا عرصہ گزر چکا تھا۔
(لاگو جنڈا) میں شہنشاہ راڈرک کو شکست دینے کے بعد ان کے قدم آگے بڑھ چکے تھے اور
جیسے اہم قلعوں پر اسلامی پرچم لہرا رہا تھا۔
طارق بن زیاد اب اور آگے بڑھنا چاہتے تھے۔ انہیں خبر ملی تھی کہ مدینہ شدونہ اور قرمونہ
نصرانی فوج ای سی جا کے قلعے میں جمع ہو رہی تھی۔ انہیں یہ بھی بتایا گیا تھا کہ ای سی جا
میں اتنا ہی متبرک ہے جتنا کہ کسی زمانے میں سومنات کا مندر تھا جسے پاش پاش کر کے محمود غزنوی
کا لقب پایا۔
طارق بن زیاد ہسپانیہ کے بت شکن تھے اور اس شہر و قلعے پر جلد از جلد قبضہ کرنا چاہتے
متحمل مزاج تھے اور کوئی قدم جلد بازی میں نہیں اٹھانا چاہتے تھے۔ ای سی جا کو کلیساؤں اور خانقاہوں کا
تھا۔ اس متبرک شہر کی حفاظت کے لیے ہر طرف سے فوجیں دھڑا دھڑ پہنچ رہی تھیں اور
مضبوط تر بنایا جا رہا تھا۔ کہتے ہیں یہ شہر اس سے پہلے کبھی کسی غیر عیسائی طاقت کے قبضے میں
نے اس پر حملہ کیا وہ ناکام ہوا۔
ان تمام خبروں، افواہوں اور خدشات کو پیشِ نظر رکھتے ہوئے طارق نے اپنے ہراول دستے

دونوں اجنبی سوار آپس میں گفتگو کر رہے تھے یا اپنے آئندہ پروگرام کو ترتیب دے رہے تھے کہ خانقاہ
کے صدر دروازے میں لگی ہوئی چھوٹی کھڑکی کھلی اور ایک نازک بدن جھک کر اس سے باہر آئی۔ یہ کھڑکی
اتنی بڑی نہ تھی کہ کوئی پورے قد کے ساتھ اس میں سے گزر سکے۔
لڑکی کا پورا جسم ایک سفید چغے یا فراک میں لپٹا ہوا تھا۔ کمر میں چوڑی سی سفید پیٹی اور سر پر سفید رومال
بندھا تھا۔ اس سفیدی میں ذرا سی سیاہی بھی شامل تھی اور یہ سیاہی تھی اس کالی پٹی کی جو لڑکی کی پیشانی کے
گرد سر کے رومال کو روکنے کے لیے باندھی گئی تھی۔
لڑکی کھڑکی سے باہر آئی تو اجنبی سواروں کو دیکھ کر ٹھٹکی۔ راڈسا اشاروں ہی اشاروں میں حاکم کو پہلے
سمجھا چکا تھا کہ بس اب اس کے امتحان کا وقت شروع ہونے والا ہے اس لیے اپنی زبان پر قابو رکھے بلکہ زبان کو
بالکل بند رکھے۔
لڑکی کو حیران دیکھ کر راڈسا گھوڑے سے اتر پڑا۔ حاکم نے اس کی تقلید کی۔ لڑکی کی نظریں حاکم پر جمی ہوئی
تھیں۔ شاید وہ حاکم کی مردانہ وجاہت سے مرعوب ہو گئی تھی۔ حاکم بڑا خوبصورت نوجوان تھا اور کسی دوشیزہ کا اسے
دیکھ کر حیران رہ جانا کوئی حیرت ناک بات نہ تھی۔ راڈسا کی عمر پینتیس ۳۵ سال سے بھی تجاوز کر چکی تھی اور اسے یہ بھی
اندازہ ہو گیا تھا کہ سفید کپڑوں میں ملبوس یہ لڑکی خانقاہ کی کنواری حضرت مریمؑ کی کوئی کنواری نن ہے اس لیے راڈسا
کو لڑکی کا حسن متاثر نہ کر سکا۔ ہاں اس کی نظروں میں عقیدت کی جھلک ضرور آ گئی تھی لیکن حاکم جس کا عنفوانِ شباب

بلکہ بھری جوانی تھی۔ لڑکی کو دیکھ کر مبہوت سا ہو کر رہ گیا۔ نرگسی آنکھیں، بوٹا سا قد، یمنی عقیق جیسے ہونٹ اور گلاب جیسے دہکتے رخسار ایسے نہ تھے کہ اسے کوئی جوان دیکھے اور پھر دیکھنے کی آرزو نہ کرے۔ ٹکٹکی باندھے لڑکی کو دیکھ رہا تھا۔ لڑکی اور حاکم کی نظریں بار بار متصادم ہو ہو کر جھک جاتی تھیں۔ راڈسا نظروں کے اس پُر جوش ٹکراؤ نے اسے خوف زدہ کر دیا۔ وہ گھبرا گیا۔ اس نے سوچا کہ حاکم کہیں اس کے شروع ہی میں کوئی ایسی حرکت نہ کر بیٹھے، جس سے بھانڈا نہ پھوٹ جائے اور جان کے لالے پڑ جائیں

راڈسا دخل در معقولات کے لیے آگے بڑھا۔ لڑکی شاید زیادہ سمجھ دار تھی۔ اس نے فوراً ہی خود کو ان سے پوچھا:

"آپ لوگ کون ہیں؟ کہاں سے آرہے ہیں؟"

راڈسا کو پسینہ آگیا۔ لڑکی نے یہ سوال براہِ راست حاکم سے کیا تھا اور اس سوال کے دوران اس کی طرف بڑھ گئی۔ راڈسا کانپ گیا۔ حاکم جس محویت سے لڑکی کو بار بار دیکھتا تھا، اس سے راڈسا تھا کہ حاکم خود کو بھول چکا ہے اور اس سوال کے جواب میں ضرور بول پڑے گا۔

حاکم نے لڑکی کا سوال سنا۔ راڈسا کی طرف دیکھا۔ پھر اپنی زبان نکال کر اس پر انگلی رکھی۔ راڈسا کے موقع غنیمت تھا۔ اس نے فوراً کہا:

"مقدس نن! یہ جوان میرا دوست ہے مگر ایک حادثے میں اس کے بولنے کی قوت ضائع ہو گئی۔ گونگا ہو گیا ہے۔"

راڈسا نے دیکھا کہ اس کا یہ جواب سن کر نن کی حالت غیر ہو گئی۔ اس کی آنکھیں بھر آئیں اور اس نے بڑی مایوسی سے راڈسا کو دیکھا پھر حاکم کی طرف اشارہ کر کے پوچھا:

"ان کی یہ حالت کب سے ہے؟ کیا یہ .....؟" لڑکی کہتے کہتے رکی۔

راڈسا فوراً بولا:

"نہیں۔ یہ پیدائشی گونگے نہیں ہیں۔ ایک طبیب نے بتایا ہے کہ ان کے اچھے ہونے کے امکان دراصل یہ حادثہ قرمونہ میں پیش آیا تھا۔ ہم دونوں ایک ساتھ مسلمانوں سے جنگ کر رہے تھے۔ اسی ان کا گھوڑا بھڑک کر بھاگا اور کچھ دور جا کر انہیں پشت سے گرا دیا۔ دماغ میں چوٹ آجانے کی وجہ سے بند ہو گئی لیکن میں نا امید نہیں ہوں۔"

"قرمونہ پر قبضے کے وقت آپ لوگ وہیں تھے؟" لڑکی کھوئی کھوئی آواز میں بولی لیکن اس کی نظریں حاکم پر جمی تھیں۔

راڈسا نے جواب دیا:

"جی ہاں۔ میں نے ابھی کہا تو ہے کہ ہم اس جنگ میں شریک تھے۔"

لڑکی کو اپنی غلطی کا احساس ہو گیا۔ وہ بات پلٹتے ہوئے بولی:

"آپ لوگ بہت تھکے ہوئے معلوم ہوتے ہیں۔ چلیے اندر چلیے۔ میرے پاپا آپ لوگوں سے مل کر ضرور خوش ہوں گے۔"

یہ کہتے ہوئے لڑکی اندر واپس گئی اور پہرے داروں سے کہہ کر خانقاہ کا بڑا دروازہ کھلوا دیا۔ راڈسا اور حاکم گھوڑوں کی لگامیں پکڑے ہوئے خانقاہ میں داخل ہو گئے۔

لڑکی کے اشارے پر ایک پہرے دار نے ان کے گھوڑے ایک جگہ بندھوا دیے اور انہیں ساتھ لے کر خانقاہ کا لمبا چوڑا میدان طے کرنے لگی۔

راڈسا نے چلتے چلتے لڑکی سے پوچھا:

"معاف کیجیے۔ میں نے اب تک اپنی راہبر اور مہربان خاتون کا نام نہیں پوچھا۔"

لڑکی مسکرائی۔ اس کے موتی جیسے دانت چمکنے لگے۔ اس نے کہا:

"میرا نام شعاعی ہے۔ میرے پاپا اس خانقاہ کے بڑے پادری ہیں۔"

پھر اس نے پوچھا:

"آپ کا کیا نام ہے؟"

"راڈسا۔ میں قرمونہ کا رہنے والا ہوں۔" راڈسا نے جواب دیا۔

"اور ان کا نام؟" شعاعی نے بڑی حسرت سے پوچھا۔

راڈسا نے کہا:

"میرے بدنصیب دوست کو مکاح کہتے ہیں۔"

"مکاح!" شعاعی نے ذرا حیرانی سے کہا:

"یہ نام کچھ عجیب سا لگتا ہے۔"

"آپ نے ٹھیک کہا شعاعی۔" راڈسا بولا:

"میرے دوست کا نام جس قدر عجیب ہے اس کی شخصیت بھی اتنی ہی عجیب ہے۔"

"میں سمجھی نہیں آپ کی بات۔" شعاعی کو ذرا اور تعجب ہوا۔

"دیکھیے نا۔ قدرت نے میرے دوست کو اپنی تمام فیاضیوں سے نوازا ہے۔ مکاح کتنا خوبصورت اور وجیہ جوان

ہے۔ اس کے ساتھ ہی بلا کا بہادر، تیر اندازی اور شمشیر زنی میں اپنا جواب نہیں رکھتا مگر اس عیب نے خوبیوں پر پردہ ڈال دیا ہے۔"

راڈھا نے ذرا رک کر کہا:

"کیا میں غلط کہہ رہا ہوں محترمہ شعاعی؟"

"محترم راڈسا!" شعاعی گلوگیر آواز میں بولی:

"آپ نے جو کہا ہے اس کا ایک ایک لفظ سچا اور آپ کے خلوص اور دوستی کا شاہد ہے۔ آپ نے آپ ان کی طرف سے ناامید نہیں۔ مجھے بھی یہی امید ہے۔ میں ہر اسمبلی کے بعد مکاح کی صحت کے لیے مسیح سے دعا کیا کروں گی۔ وہ سارے عالم کے مسیحا ہیں۔ کیا عجب کہ وہ مہربان ہو جائیں۔"

حاکم (مکاح) ان دونوں کی باتیں بڑے غور سے سن رہا تھا۔ شعاعی کو دیکھ کر اس کے دل پر جو گزری ہی تھی لیکن اس نے یہ محسوس کر لیا تھا کہ شعاعی کا دل بھی اسے دیکھ کر کچھ سوچنے پر ضرور مجبور ورنہ خانقاہ میں خشک زندگی گزارنے والی ایک نن کو کیا پڑی تھی کہ وہ کسی جوان کے متعلق اس انداز سے سوچ اس کی صحت کی اس قدر خواہش مند ہوتی۔

خانقاہ کے مشرقی جانب چرچ تھا اور مغرب کی سمت چار صاف ستھرے کمرے برابر برابر بنے تھے دو کمرے شعاعی اور اس کے پادری باپ کے استعمال میں تھے اور بقیہ دو ان لوگوں کے لیے جو بھولے بھٹکے میں نکل آتے تھے۔

پادری ایک سیدھا سادا اور پرہیزگار آدمی تھا۔ اسے شہر کی زندگی پسند نہ تھی۔ ای۔سی۔رجا کے لارڈ (اسقفِ اعظم) نے کئی بار خواہش کی کہ وہ اس ویران خانقاہ کو چھوڑ کر شہر میں آ کر کسی بڑے گرجا یا خانقاہ کی ذمے داریاں سنبھالے مگر اس نے ہمیشہ معذرت کر لی۔ اسے علم تھا کہ شہر کی خانقاہوں میں کنواری ننوں کے سلوک کیا جاتا ہے۔ وہ خانقاہیں عبادت و ریاضت کے نام پر ایک دھبہ تھیں۔ زہد و تقویٰ کے پردے ایسے گھناؤنے عشرت کدے تھے جہاں دوشیزاؤں کی دوشیزگی بھینٹ چڑھتی تھی۔ شہر کا اسقفِ اعظم بھی ایک دین دار آدمی تھا لیکن اس کے چیلے چانٹے مریم کی پرستش کرنے والی راہباؤں کو اپنی لونڈی سمجھتے تھے۔ خانقاہ عیاشی کا اڈہ اور چکلہ بنی ہوئی تھی۔ ہر کلیسا، ہر گرجا دھوکے کی ٹٹی تھا جس کے پیچھے تمام رات عیاشی کا رہتا تھا۔ دولت مند اور حکومت کے کارندے پادریوں اور موبدوں کو رقمیں دے کر اپنی پسند کی لڑکی حاصل کرتے تھے اور وہ بے چاریاں اف تک نہ کر سکتی تھیں۔ وہ فریاد کرتیں بھی تو کس سے؟ اس حمام میں ننگے تھے۔

شعاعی کی ماں اسے بچپن ہی میں داغِ مفارقت دے گئی تھی۔ اس کا باپ ہی اس کے لیے سب کچھ تھا۔ شعاعی اس کی آنکھوں کا نور تھی اور اس کے سکون کا واحد سہارا۔ پادری نے شعاعی کو نہ تو کبھی شہر کے کسی بڑے کلیسا میں بھیجنے کی کوشش کی اور نہ شہر کی رنگینیاں اور دولت اسے اپنی طرف کھینچ سکیں۔ وہ شعاعی کو سینے سے لگائے سب سے الگ تھلگ اس ویرانے میں اپنی زندگی کے بقیہ دن گزار رہا تھا۔ ان باپ بیٹی کے علاوہ اس خانقاہ میں دو چار ملازم مع اپنے بال بچوں کے رہتے تھے۔

راڈسا اور حاکم، شعاعی کی رہبری میں پادری کے کمرے میں داخل ہوئے۔ پادری انجیل مقدس کے مطالعے میں مصروف تھا۔ بیٹی کے ساتھ دو اجنبیوں کو دیکھ کر اس نے انجیل بند کر دی۔ اجنبیوں نے ہاتھ اٹھا کر اسے سلام کیا جس کے جواب میں پادری نے انہیں بہت سی دعائیں دیں اور بیٹھنے کا اشارہ کیا۔

شعاعی نے باپ کو بتایا:

"بابا۔ یہ لوگ قرمونہ سے آ رہے ہیں۔"

"قرمونہ؟" پادری نے کمال حیرت سے اجنبیوں کو دیکھتے ہوئے کہا:

"وہاں تو افریقہ کے بربریوں نے قبضہ کر لیا ہے۔ یہ لوگ کیسے بچ نکلے؟"

شعاعی کے پاس اس کا کوئی جواب نہ تھا۔ اس نے راڈسا کی طرف دیکھا۔

راڈسا سنبھل کر بولا:

"محترم اسقف! آپ نے صحیح فرمایا۔ قرمونہ پر مسلمانوں کا قبضہ ہو چکا ہے اور اب وہ آگے قدم بڑھانے کا منصوبہ بنا رہے ہیں۔"

پادری نے پوچھا:

"میرے بچے تمہیں کچھ علم ہے کہ قرمونہ کے کتنے کلیسے توڑے گئے اور کتنی خانقاہوں میں آگ لگائی گئی؟"

راڈسا نے حیرانی سے کہا:

"محترم اسقف! یہ آپ سے کس نے کہا۔ مسلمان قوم بھی ہماری طرح اہلِ کتاب ہے۔ وہ خداوند یسوع مسیح کو پیغمبر مانتے ہیں۔ ہمارے پادریوں اور اسقفوں کی بڑی عزت کرتے ہیں۔"

پادری نے راڈسا کو مشکوک نظروں سے دیکھتے ہوئے کہا:

"میرے بچے! میں تمہیں جھٹلاتا نہیں۔ ہو سکتا ہے کہ تم کو ان باتوں کا علم نہ ہو۔ قرمونہ میں پادریوں، اسقفوں اور ننوں کا جو حشر ہوا اسے سن کر کلیجہ منہ کو آ جاتا ہے۔ ای۔سی۔جا کا ہر گھر اس سانحہ پر آنسو بہا رہا ہے اور ہر جوان انتقام لینے کے لیے شمشیر بکف ہے۔ تثلیث (عیسائیت) کی آج تک کسی نے اتنی تذلیل نہیں کی جتنی مسلمانوں کے ہاتھوں

ہوئی ہے۔ لوگوں نے اپنے چشم دید واقعات بیان کیے ہیں جنہیں سن کر رونگٹے کھڑے ہو جاتے ہیں۔ حملہ آوروں نے دہشت و بربریت کا کوئی انداز و طریقہ نہیں چھوڑا جو انھوں نے قرمونہ پر حملے کے دوران آزمایا ہو۔"

راڈسا اور حاکم یہ باتیں بڑی حیرت سے سن رہے تھے۔ پادری اپنی باتیں کہہ کے خاموش ہو گیا۔ راڈسا کی سمجھ میں نہ آتا تھا کہ وہ پادری کی باتوں کی تردید کس طرح کرے۔ باپ کی باتوں سے شعاعی بھی کا[illegible] نظر آتی تھی۔

راڈسا نے ادب سے کہا:

"محترم اسقف! اگر میں یہ عرض کروں کہ جتنی باتیں آپ کے کانوں تک پہنچیں یا یہاں پھیلائی گئی ہیں یہ سب کسی سازش کا نتیجہ معلوم ہوتی ہیں تو آپ شاید یقین نہ کریں لیکن قرمونہ کی لڑائی اور اس کے بعد کا میں چشم دید گواہ ہوں۔ اگر میری بات کو آپ کچھ اہمیت دیں تو میں وہاں کے تمام حالات سے آپ کو آگاہ کر سکتا ہوں۔"

پادری سر جھکا کر کچھ دیر تک سوچتا رہا۔ پھر بولا:

"پیارے بچے! تمہاری باتوں سے مجھے صداقت کی بو آتی ہے لیکن جو خبریں، افواہیں اور باتیں پورے ای سی جا میں پھیلی ہوئی ہیں ان سے بھی انکار کو دل نہیں چاہتا۔ بہر حال اگر تمہیں یقین ہے کہ یہ سب [illegible] بے بنیاد ہیں تو تم نے جو کچھ دیکھا اور سنا ہے اسے بیان کرو۔ ممکن ہے تصویر کا دوسرا رخ دیکھنے سے [illegible] اور ای سی جا والوں کے خیالات پر کوئی خوشگوار اثر پڑے۔"

راڈسا نے کہا:

"محترم اسقف! قرمونہ کی لڑائی کا مختصر حال یہ ہے کہ مسلمانوں نے قلعہ قرمونہ کا محاصرہ کر لیا۔ محاصرے نے طول کھینچا تو کچھ مسلمان کسی طرح رات کے وقت قلعے میں داخل ہو گئے۔ اس رات میری ڈیوٹی مغربی برج پر تھی۔ آدھی رات کے قریب اندر آنے والے مسلمانوں نے صدر دروازہ کھول دیا اور مسلمان فوج قلعے میں داخل ہو گئی۔ یہ سب اتنا اچانک ہوا کہ ہماری فوج بے بس ہو کر رہ گئی۔ قلعے کے اندر بمشکل ایک گھنٹہ لڑائی ہوئی۔ اس کے بعد مسلمانوں کا قبضہ ہو گیا۔ قلعے کے حاکم نے چابیاں مسلمان سالار طارق بن زیاد کے حوالے کر دیں۔ سالار نے قلعہ دار کی [illegible] کر دیا۔ سب کی مذہبی آزادی کا اعلان کر دیا۔ کوئی پادری قتل نہیں ہوا، کسی کلیسا کو ہاتھ نہیں لگایا گیا۔ جن لوگوں نے قرمونہ چھوڑنا چاہا انہیں جانے کی اجازت دے دی گئی۔"

پادری اور شعاعی کے لیے یہ باتیں بالکل نئی اور حیرت انگیز تھیں۔

پادری نے پوچھا:

"اور کنواری ننوں کے بارے میں جو یہ کہا جا رہا ہے کہ سپاہیوں نے انہیں کلیساؤں سے باہر کھینچ کھینچ کر ان کی کھلے عام عزت لوٹی؟"

راڈسا نے کہا:

"محترم اسقف! میں ایک سچا عیسائی ہوں۔ پھر کوئی عیسائی اپنے اسقف کے سامنے جھوٹ بولنے کی جرأت نہیں کر سکتا۔ آپ یقین کیجیے کہ اس قسم کا کوئی واقعہ تو اس وقت پیش آتا جب ان کے سردار نے سپاہیوں کو کلیساؤں میں داخلے کی اجازت دی ہوتی۔ قلعے پر قبضہ ہوتے ہی طارق بن زیاد نے سپاہیوں کو حکم دیا کہ بچوں، بوڑھوں اور عورتوں پر ہاتھ نہ اٹھایا جائے۔ مقدس مقامات میں داخل نہ ہوا جائے۔ کسی موبد، پادری، اسقف کو نہ تو گرفتار کیا جائے اور نہ ان سے بدتہذیبی سے گفتگو کی جائے۔ نہتے پر ہاتھ نہ اٹھایا جائے۔ جو اَمان اور پناہ طلب کریں انہیں لبیک کہا جائے۔"

اب تو پادری بھی راڈسا کی باتوں کا قائل ہو گیا۔ اس نے کہا:

"پیارے بچے! تم نے میرے دل کا بوجھ ہلکا کر دیا۔ تمام ای سی جا میں مسلمانوں کی وحشت و بربریت کے ذکر کے سوا اور کوئی بات ہی نہیں کی جاتی۔ قلعے میں فوجی تیاریاں زوروں پہ ہیں۔ پتہ نہیں کہاں کہاں سے فوجیں آ آ کر یہاں جمع ہو رہی ہیں۔"

راڈسا نے کہا:

"اس کا مطلب ہے کہ ای سی جا میں سخت جنگ ہو گی اور ہزاروں بے گناہوں کا خون بہے گا۔ آخر یہ لوگ یہ بات کیوں نہیں سوچتے کہ مسلمانوں کے ساتھ خود ہسپانوی دستے بھی ہیں۔ انھوں نے کوئی نہ کوئی خوبی دیکھ کر ہی تو مسلمانوں کا ساتھ دیا ہو گا!"

پادری نے دورانِ گفتگو کئی بار حاکم کی طرف دیکھا تھا جو خاموشی سے ان کی باتیں سن رہا تھا۔ آخر اس نے راڈسا سے پوچھا:

"میرے بچے! تمہارا ساتھی بڑی خاموش طبیعت کا معلوم ہوتا ہے۔ اس نے اب تک اپنی زبان سے ایک لفظ بھی نہیں کہا۔"

راڈسا سے پہلے شعاعی بولی:

"بابا! ان کی زبان ایک حادثے میں بند ہو گئی ہے۔ آپ انہیں دیکھیں۔ ان کے ساتھی کہتے ہیں کہ یہ مرض دور ہو سکتا ہے۔ آپ انہیں ضرور دیکھیے۔"

شعاعی نے جس لجاجت اور خلوص سے حاکم کے لیے باپ سے سفارش کی اس سے صاف ظاہر ہوگیا کہ اُسے
حاکم کے ساتھ، باوجود اس کے گونگا ہونے کے، کچھ نہ کچھ دلچسپی ضرور ہوگئی تھی۔ شعاعی کا پادری باپ ایک اچھا
طبیب بھی تھا اور قرب وجوار کے لوگوں کا مفت علاج کیا کرتا تھا۔

پادری اٹھ کر حاکم کے پاس آیا اور اسے زبان کھولنے کو کہا۔ حاکم اور راڈسا دونوں کو پسینہ آ گیا۔ وہ جو کہتے
ہے کہ دائی سے پیٹ نہیں چھپتا تو دونوں گھبرا رہے تھے کہ کہیں ان کی بنی بنائی ترکیب الٹی نہ ہو جائے لیکن اس
بھی خیر ہوئی۔ پادری نے زبان دیکھنے کے بعد بتایا:

"حلق، تالو، زبان اور گلے میں کوئی خرابی نہیں۔ آواز اپنے آپ ہی نکلنے لگے گی"۔

ان کے خیال میں یہ مرض کا اختتامی مرحلہ تھا اور اب حاکم کو اچھا ہو جانا چاہیے تھا۔ پادری کو کیا پتہ تھا کہ مرض
پیدا ہی کب ہوا تھا کہ وہ اختتام کو پہنچتا۔

دوسرے دن راڈسا شہر جانے کی تیاری کر رہا تھا کہ پادری اس کے پاس آیا۔ وہ کچھ پریشان سا تھا۔ شعاعی اور
حاکم بھی کمرے میں موجود تھے۔ راڈسا نے محسوس کیا کہ پادری کچھ کہنا چاہتا ہے اور حاکم کے لحاظ کی وجہ سے شاید
ہچکچا رہا ہے۔

راڈسا خود بولا:

"محترم اسقف! میں ای سی جا، جا رہا ہوں۔ دو تین دن شہر میں رہ کر آگے چلا جاؤں گا۔ آپ کوئی پیغام
کسی کو دینا چاہیں تو میں اسے پہنچانے کا فخر حاصل کرنے کو تیار ہوں"۔

پادری افسردگی سے بولا:

"میرے بچے! کیا تم واپسی میں مجھ سے نہیں ملو گے"۔

راڈسا نے فوراً جواب دیا:

"محترم! کل کا حال نہ آپ جانتے ہیں اور نہ میں لیکن مجھے حالات کا اندازہ آپ سے زیادہ ہے۔ ممکن ہے
دو چار دن میں یہاں پر یا ای سی جا میں حالات اتنے خراب ہو جائیں کہ میں آپ سے نہ مل سکوں"۔

راڈسا چاہتا تھا کہ پادری کو اعتماد میں لے کر اسے آنے والے خطرے سے آگاہ کر دے لیکن وہ کھل کر اس وقت
تک کچھ نہیں کہنا چاہتا تھا جب تک پادری خود اس سے نہ پوچھے۔ اس لیے یہ جواب اسی وجہ سے دیا تھا کہ پادری

اس سے بات چیت کرنے پر آمادہ ہو جائے اور ہوا بھی ایسا ہی!

پادری نے گھبراتے ہوئے پوچھا:

"پیارے راڈسا! تمہارا اشارہ مسلمانوں کے حملے کی طرف تو نہیں ہے"؟

راڈسا نے سر کو ہلکی سی جنبش دے کر شعاعی کی طرف دیکھا جس کا مطلب تھا کہ وہ شعاعی کی موجودگی میں کچھ
کہنا نہیں چاہتا۔ شعاعی ان لوگوں کو رخصت کرنے کے لیے آ گئی تھی اور اس وقت حاکم کے قریب ہی خاموشی سے
ان کی باتیں سن رہی تھی۔ شعاعی بڑی ذہین تھی۔ وہ فوراً اٹھ کر باہر جانے لگی۔

پادری نے اسے روکتے ہوئے کہا:

"شعاعی تم یہیں ٹھہرو۔ میں راڈسا سے کچھ باتیں تنہائی میں کرنا چاہتا ہوں"۔

اندھا کیا چاہے دو آنکھیں۔ راڈسا تو چاہتا ہی یہ تھا۔ وہ پادری کے ساتھ دوسرے کمرے میں چلا گیا۔ دوسرے
کمرے میں پہنچ کر پادری نے پوچھا:

"عزیز راڈسا! کیا تمہارا خیال ہے کہ مسلمان ای سی جا پر حملہ کریں گے؟"

راڈسا نے کہا:

"محترم! آپ نے یہاں کے جو حالات بیان کیے ہیں اس کے پیش نظر میں کچھ کہنا تو نہیں چاہتا تھا لیکن آپ
ہمارے ساتھ جس خلوص اور محبت سے پیش آئے ہیں وہ مجھے مجبور کر رہے ہیں کہ میں آپ کو صحیح حالات سے آگاہ
کردوں۔ اب میں آپ کو بتاتا ہوں کہ میرے یہاں آنے کا کیا مقصد ہے۔ میں عیسائی ہوں اور دل سے چاہتا ہوں کہ عیسائی
قوم خواہ مخواہ نہ ماری جائے۔ آپ کہتے ہیں کہ ای سی جا میں جنگی تیاریاں ہو رہی ہیں۔ مجھے ان نادانوں کی عقل پر
افسوس ہوتا ہے جب شہنشاہ راڈرک ایک لاکھ فوج سے مسلمانوں کو شکست نہ دے سکا تو یہ لوگ کس شمار و
قطار میں ہیں۔ اگر ان لوگوں نے ان سے مقابلے کی غلطی کی تو آپ دیکھیں گے کہ ای سی جا کی اینٹ سے اینٹ بج
جائے گی۔ مسلمان بجلی کی طرح چمکتے اور آندھی اور طوفان کی طرح آگے بڑھتے ہیں۔ کوئی قوم اور کوئی طاقت ان کا مقابلہ
نہیں کر سکتی"۔

پادری نے بے چینی سے پوچھا:

"وہ بھی تو ہسپانیوں کی طرح انسان ہیں۔ کوئی جن اور دیو تو نہیں۔ پھر ان کی اس طاقت کا کیا راز ہے؟ کیا ان
کے لشکر کے پاس ہمارے سپاہیوں سے اچھا اسلحہ ہے یا وہ ہسپانیوں سے زیادہ تربیت یافتہ اور بہادر ہیں؟"

راڈسا نے کہا:

"ان کی سب سے بڑی خوبی اور بہادری ان کا اخلاق اور کردار ہے۔ وہ نہ شراب پیتے ہیں نہ جوا کھیلتے ہیں۔

عورت کو اپنی ماں بہن سمجھتے ہیں۔ جب تک شادی نہ کر لیں عورت کے قریب نہیں جاتے"۔

پادری نے سر ہلاتے ہوئے کہا:

"یہی تعلیم خداوند یسوع مسیح کی ہے لیکن راڈھا اگر ای۔سی۔جا پہ حملہ ہوا تو ہمارا کیا ہو گا؟ ہم بزدل بیٹھے ہیں"۔

"آپ کیوں فکر کرتے ہیں؟ آپ تو پادری ہیں۔ آپ کی طرف کوئی آنکھ اٹھا کر بھی نہ دیکھے گا"۔ راڈھا نے پادری کو مطمئن کرنے کی کوشش کی۔

پادری بولا:

"میرے بچے! مجھے اپنی کوئی فکر نہیں۔ میں مارا بھی جاؤں تو کیا فرق پڑے گا۔ میں تو اپنی شعاعی کے لیے ہوں۔ شہر کے کلیساؤں میں جو کچھ ہوتا ہے اس سے میں واقف ہوں۔ میں نے اپنی بیٹی کو نہ تو نن بنایا ہے اور کلیساؤں کی ہوا لگنے دی ہے۔ شعاعی بڑی حساس بچی ہے۔ میں چاہتا تھا کہ مرنے سے پہلے یہ اپنے گھر کی ہو جائے۔ کئی رشتے آئے مگر میرا دل نہ ٹھکا۔ ہر ایک میں کوئی نہ کوئی ایسا عیب نکل آیا کہ یا تو میں نے انکار کر دیا یا شعاعی نے منظور نہ کیا۔ میں نے شعاعی کو بڑے لاڈ سے پالا ہے۔ میں اس کی مرضی کے خلاف اس کی شادی نہیں کرنا چاہتا۔ جہاں چاہے گی وہیں اس کی شادی ہو گی خواہ میری مرضی کے خلاف ہی کیوں نہ ہو"۔

راڈھا نے پادری کی باتیں بڑی توجہ سے سنیں۔ پھر بولا:

"محترم! آپ نے مجھے اپنا سمجھ کر گھر کی باتیں بیان کر دی ہیں۔ اس لیے اب میں آپ کو بتاتا ہوں کہ اسلامی لشکر ای۔سی۔جا پر قبضہ کرنے کے لیے روانہ ہو چکا ہے اور اس کے ہراول دستے اس کلیسا سے صرف ایک منزل کے فاصلے پر ہیں"۔

پادری کے پیروں تلے سے زمین نکل گئی۔ اس نے پریشان ہو کر کہا:

"میرے بچے! اب ہمارا کیا ہو گا۔ میں اپنی شعاعی کو کہاں چھپاؤں گا"۔

"آپ اور شعاعی کی جان اور عزت کی ذمے داری میں لیتا ہوں"۔ یہ جملہ راڈھا کی زبان سے بے ساختہ نکل گیا۔ بڑا افسوس ہوا کہ اسے یہ نہ کہنا چاہیے تھا مگر تیر تو کمان سے نکل چکا تھا۔

پادری کا منہ حیرت سے کھلا اور وہ بولا:

"راڈھا! یہ تم نے کیسے کہہ دیا تم میرے لیے مسلمانوں کے لشکر سے اکیلے لڑو گے۔ تم ہمیں بچانے کی ذمے داری کیسے لے رہے ہو؟"

راڈھا کے پاس اس کا کوئی جواب نہ تھا۔ اس نے بات بناتے ہوئے کہا: "محترم پادری! ذمے داری سے

نہیں۔ میں نے تو ایک حقیقت بیان کی ہے۔ مسلمان پادریوں کی عزت کرتے ہیں۔ مجھے یقین ہے کہ وہ آپ کو کوئی نقصان نہیں پہنچائیں گے"۔

پادری کو یقین تو نہیں آیا مگر وہ سوائے اعتبار کے اور کیا کر سکتا تھا۔ اس نے کہا:

"خداوند یسوع مسیح ہمیں اپنی حفاظت میں رکھے"۔

راڈھا نے ذمے داری کی بات کہہ کر جو غلطی کی تھی اسے نباہنے اور پادری کا شک دور کرنے کے لیے اسے بہت دیر تک اس سے باتیں کرنا پڑیں۔ اس نے اپنی طرف سے تو بڑی کوشش کی مگر پادری کے دل میں شبے کا جو چور بیٹھ گیا تھا وہ نہ ہی نکل سکا۔

راڈھا اور پادری کے چلے آنے کے بعد شعاعی کمرے میں حاکم کے ساتھ اکیلی رہ گئی۔ یوں تو کل سے اب تک اسے جب بھی موقع ملتا وہ حاکم کو چور نظروں سے ضرور دیکھتی لیکن اس وقت اسے کوئی دیکھنے والا نہ تھا۔ اس نے آنکھیں اٹھا کر حاکم کو بڑی پیار بھری نظروں سے دیکھا۔ حاکم اس کی طرف پہلے ہی دیکھ رہا تھا۔ دونوں کی نظریں ملیں اور جھک گئیں۔ شعاعی کو جوانوں سے نظریں چار کرنے کا بہت کم اتفاق ہوا تھا۔ اس کا باپ بچپن ہی میں اسے شہر سے اس دور افتادہ ویرانے میں لے آیا تھا۔ یہیں وہ پلی بڑھی اور جوان ہوئی۔ وہ جنگلی پھول تھی لیکن ایسا پھول جس کی خوشبو سے پورا جنگل مہکتا تھا۔ وہ کنول کا پھول تھی جسے دیکھنے کے لیے بے ساختہ نظریں اٹھ جاتی تھیں۔ وہ شہر کے پرتصنع تمدن سے بیگانہ تھی۔ اس کی پرورش قدرت کی فیاض فضاؤں میں ہوئی تھی۔ اس پر مکر و فریب کا سایہ تک نہ پڑا تھا۔ وہ منہ بند کلی بھونروں کی دسترس سے باہر تھی۔ اگر وہ ای۔سی۔جا میں ہوتی تو کسی کلیسا میں نن بن کر اپنی دوشیزگی گنوا چکی ہوتی۔ اس کا باپ پادری ہوتے ہوئے بھی کلیسا کی زندگی سے متنفر تھا۔ خانقاہوں اور کلیساؤں میں ہزاروں کنواری لڑکیاں بظاہر زہد و تقویٰ کی زندگی بسر کرتی تھیں لیکن پادری کو حقیقت کا علم تھا۔ اسے معلوم تھا کہ ان قسمت کی ماریوں پر کیا بیتتی ہے۔ ان کی جوانیوں کو کس طرح پامال کیا جاتا ہے اور عبادت کا فریب دے کر ان کی راتیں کن عیاش مردوں کے ساتھ بسر ہوتی ہیں۔

شعاعی کی نظریں مکاح سے ملیں تو اسے ان نظروں میں ایک عجیب سی چمک محسوس ہوئی۔ ای۔سی۔جا کے بے فکرے جوان سیر و شکار کرتے ہوئے اکثر اس کلیسا میں آ جاتے تھے۔ شعاعی کو مہمان نوازی کی تربیت دی گئی تھی۔ وہ اجنبیوں کے ساتھ بڑے خلوص کے ساتھ پیش آتی۔ اس کی آنکھیں ان سے بھی ملتیں لیکن ان کی آنکھوں میں ہوس کے اندھیرے ہوتے محبت کی چمک اسے پہلی مرتبہ دکھائی دی تھی۔

شعاعی کا دل چاہا کہ پھر مکاح کو دیکھے لیکن یہ سوچتے ہوئے اس کا دل دھڑکنے لگا۔ وہ دیر تک اسی طرح نظریں جھکائے بیٹھی رہی۔ اس نے سوچا۔ کاش مکاح بول سکتا اور وہ اس سے گفتگو کر سکتی۔ اس کا یہ بھی دل چاہا کہ وہ مکاح سے پوچھے کہ تم کب بولو گے؟ یہ بھی پوچھے کہ تم مجھے ایسی نظروں سے کیوں دیکھتے ہو جو میرے دل میں اترتی چلی جاتی

ہیں۔ مگر وہ پوچھتی کس سے؟ اسے جواب کون دیتا؟

وہ دل مسوس کر رہ گئی اور بڑی حسرت سے مکاج کو دیکھا۔ مکاج اب بھی اسے دیکھ رہا تھا۔ نظریں ہوا اور جھک گئیں۔

پھر شعاعی کے دل میں جو کچھ تھا وہ اس نے اگل دیا۔ اس نے اپنے خیالات کو الفاظ کا جامہ پہناتے ہوئے مکاج سے کہا:

"مکاج! میں جانتی ہوں کہ تم بول نہیں سکتے۔ میری بات کا جواب نہیں دے سکتے۔ پھر بھی میرا دل چاہتا ہے تم سے پوچھوں کہ تم کب بولو گے، تم میری بات کا جواب کب دو گے؟ مجھ سے گفتگو کب کرو گے؟ میں تم سے کچھ کہنا چاہتی ہوں اور تمہاری باتیں سننا چاہتی ہوں۔ کاش تم بول سکتے ـــــ خداوندِ یسوع مسیح تمہاری مدد کرے اور تم بولنے لگو!"

شعاعی کی ان پُر درد باتوں سے حاکم کا دل تڑپ اٹھا۔ اس کے سینے میں طوفان برپا ہو گیا۔ اس نے کوشش کی کیا کہ مصلحت کا دامن چاک کر ڈالے اور چیخ کر کہے کہ:

"شعاعی! میں تمہاری طرح بول سکتا ہوں، تم سے گفتگو کر سکتا ہوں۔ . . . . لیکن جو کچھ تم کہنا چاہتی ہو اسے کہنے کی ضرورت نہیں۔ تمہارا پیغام مجھے مل گیا۔ مجھے جو کچھ کہنا تھا وہ میں نے کہہ دیا۔ محبت الفاظ کا سہارا نہیں ڈھونڈتی۔ محبت کی زبان ہی کچھ اور ہوتی ہے۔ یہ باتیں کہنے کی نہیں سمجھنے کی ہوتی ہیں۔"

حاکم سب کچھ سوچنے کے بعد بھی کچھ نہ کہہ سکا۔ مصلحت نے اس کا دامن پکڑ لیا اور وہ شعاعی کا منہ دیکھتا رہا لیکن حاکم کی بے زبانی ہی اس کی زبان بن گئی۔ اس کی مجبور نظروں نے شعاعی کو وہ پیغام پہنچا دیا جس کی وہ منتظر تھی۔ شعاعی کو محسوس ہوا جیسے حاکم کی نظریں کہہ رہی ہیں:

"شعاعی! گھبراؤ نہیں۔ وہ وقت قریب ہے جب مصلحت میری زبان پر سے پابندی اٹھا لے گی پھر میں بولوں گا اور اتنی باتیں کروں گا کہ تم گھبرا جاؤ گی۔ میں اپنا دل کھول کر تمہارے سامنے رکھوں گا اور تم دیکھو گی کہ اس میں تمہاری تصویر ہے۔ تمہارا عکس ہے۔ تمہارا تصور ہے۔ تمہارا خیال ہے۔ بس تمہیں چند روز اور صبر کرنا ہے۔ تم میرا انتظار کرنا۔ میں تمہارے پاس واپس آؤں گا۔ تم سے ملوں گا۔"

شعاعی کا چہرہ حیا سے گلنار ہو گیا۔ وہ شرما گئی جیسے حاکم کی نظروں نے اس سے اپنے دل کی کوئی ڈھکی چھپی بات کہہ دی ہو۔ حاکم بھی مسکرانے لگا۔ اس کی آنکھوں کی چمک میں تیزی آ گئی۔ اس نے اپنا ہاتھ شعاعی کی طرف بڑھا دیا۔ جیسے دستِ سوال دراز کرے۔

شعاعی نے اک بے خودی اور کیف کے عالم میں اپنا ہاتھ حاکم کے ہاتھ پر رکھ دیا۔ حاکم کو اپنے سوال کا جواب مل گیا۔ دو بجلیاں آپس میں ٹکرائیں اور روح کی حرارتیں بڑھ گئیں۔

پھر پادری اور راڈھا آ گئے۔ پادری اور شعاعی نے انہیں بچشمِ نم رخصت کیا۔ وہ کلیسا کے دروازے تک انہیں چھوڑنے آئے۔ حاکم اور شعاعی میں وقتِ رخصت نظروں کا تبادلہ ہوا۔ کس نے کیا کہا؟ یہ تو وہ خود ہی جانتے ہوں گے لیکن راڈھا نے شعاعی کی آنکھوں میں دو موٹے موٹے آنسو لرزتے ہوئے دیکھے جنہیں وہ روکنے کی انتہائی کوشش کر رہی تھی۔

ای سی جا کے قہوہ خانے اور شراب خانے ہسپانوی سپاہیوں سے بھرے ہوئے تھے۔ کوچہ و بازار میں ہسپانوی سپاہی بے فکری سے گھومتے پھرتے نظر آتے تھے۔ پچھلی لڑائیوں کے شکست خوردہ سپاہی یہاں کثرت سے موجود تھے۔ شہر کا صدر دروازہ جو قلعے کا بھی دروازہ تھا، رات دن کھلا رہتا اور اطراف سے تازہ دم افواج برابر چلی آ رہی تھیں۔

راڈھا اور حاکم کو پہلے ہی دن اندازہ ہو گیا کہ ای سی جا کی یہ تیاریاں ایک خوف ناک جنگ کا پیش خیمہ ہیں۔ انھیں یہاں یہ بھی معلوم ہوا کہ لوگ اب تک اس غلط فہمی میں مبتلا ہیں کہ شہنشاہ ہسپانیہ شاہ راڈرک اب تک زندہ ہے۔ یہی نہیں بلکہ جو بھی تازہ دم فوج ای سی جا میں داخل ہوتی اس کے بارے میں یہ افواہ مشہور کی جاتی کہ یہ شہنشاہ راڈرک نے بھیجی ہے جو ہسپانیہ کے بڑے بڑے قلعوں کا دورہ کر کے وہاں سے فوجی دستے ای سی جا بھیج رہا ہے۔

ای سی جا فوجی نقطۂ نظر سے زیادہ اہمیت نہ رکھتا تھا لیکن شکست خوردہ فوج نے اس قلعے کو اپنا مرکز اس لیے بنایا تھا کہ یہ ایک مقدس مقام تھا۔ ان کا خیال تھا کہ اس قلعے کو بچانے کے لیے لوگ زیادہ جانفروشی کا مظاہرہ کریں گے۔

دراصل اب انھوں نے مسلمانوں کے خلاف ایک طرح کی مذہبی جنگ کا پراپیگنڈہ شروع کر دیا تھا۔ اسی لیے انھوں نے ای سی جا کو اپنا مستقر بنانا ضروری خیال کیا۔

مدینہ شذونہ اور قرمونہ کی لڑائیوں میں جو واقعات پیش آئے تھے انھیں اس طرح توڑ مروڑ کر ای سی جا والوں کے دل میں یہ بات بٹھا دی گئی تھی کہ مسلمان لشکری سپاہیوں کو کسی صورت میں امان نہیں دیتے بلکہ قتل کر دیتے ہیں، اس کے بعد عورتیں ان کی ہوس کا نشانہ بنتی ہیں۔ پھر ان کے ناک، کان اور پستان کاٹ کر انھیں ٹکڑے ٹکڑے کر دیا جاتا ہے۔ ان افواہوں سے عورتوں میں مسلمانوں کے خلاف بڑی نفرت و حقارت کا جذبہ پیدا ہو گیا۔

اور وہ شکست کی صورت میں مسلمانوں کے ہاتھوں میں پڑنے سے مرجانا زیادہ بہتر خیال کرنے لگیں۔

دراصل یہ ہسپانوی لشکر کی شکست خوردہ ذہنیت کا ردِعمل تھا۔ انہیں ہر میدان میں ناکامی کا منہ دیکھنا پڑا تھا لیکن طالع آزما سردار انہیں راڈرک کے زندہ ہونے کا مژدہ سنا کر پھر نئے محاذ پہ لے جاتے۔ ای سی جا ایک مذہبی مقام تھا اس لیے انھوں نے یہاں آکر لوگوں کے مذہبی جذبات کو ہوا دی۔ ایک طرف تو یہ افواہ اڑائی کہ مسلمان کلیساؤں کو ڈھا دیتے ہیں۔ دوسری طرف عورتوں میں مشہور کر دیا کہ مسلمان جنگلی اور وحشی ہیں۔ وہ عورتوں کی عزت نہیں کرتے۔ ان کی عزت لوٹنے کے بعد ان کے تمام خوبصورت اعضائے جسمانی تراش دیتے ہیں تاکہ وہ کسی کے قابل نہ رہیں۔

راڈسا اور حاکم نے ای سی جا کے قہوہ خانوں اور شراب خانوں میں ایک اور عجیب بات دیکھی۔ شراب خانوں میں سپاہیوں سے شراب کی کوئی قیمت وصول نہ کی جاتی۔ جس کا جتنی جی چاہتا پیتا اور جب وہ مدہوش ہو جاتا تو کلیسا کی کنواری ننیں ٹولیوں کی صورت میں اپنے سفید فراکوں کو پروں کی طرح اڑاتی ہوئی آتیں۔ ان کے ساتھ کلیسا کے پادری ہوتے۔ وہ سپاہیوں کو یہ تاثر دیتے کہ یہ حورانِ جنت ہیں اور ان کی مہمان نوازی کے لیے دنیا میں بھیجی گئی ہیں۔ اس کی تصدیق اپنی زبان سے خود یہ لڑکیاں کرتیں اور سپاہیوں کو ترغیب دیتیں کہ اگر انہیں ہوش کی دنیا میں ... ہے تو وہ مسلمانوں کا خاتمہ کر دیں تاکہ وہ اس دنیا میں ہی اپنی پسند کی حور حاصل کر سکیں۔

یہ بات دور دور تک اس قدر مشہور ہوئی کہ حوروں کے شیدائی شراب خانوں میں آکر حوریں منتخب کرتے اور مسلمانوں کو ختم کرنے کی قسم کھاتے۔

ترغیبِ عشرت کی یہ ایک ایسی تحریک تھی جسے دیکھ کر حاکم بہت پریشان ہوا۔ ان حوروں کا تصور اور حسن کا خیال ہسپانیہ کے سپاہیوں کے ذہن پر جنون کی حد تک سوار ہوتا جا رہا تھا اور ان عشرت پسند اور عیش پرستوں کو مسلمانوں کے خلاف لڑنے کا ایک خطرناک منصوبہ تیار کیا جا رہا تھا۔

کلیساؤں کا عالم اس سے بھی بدتر تھا۔ عام دنوں میں عبادت کے نام پر ان کنواریوں کی جو بے حرمتی ہوتی تھی اس پر رات کی تاریکی کا پردہ ڈالا جاتا تھا لیکن اب یہ حرکتیں دن کے اجالے میں بھی ہونے لگی تھیں۔ ای سی جا میں آنے والی فوج اور دستوں کے اہم سرداروں کو سب سے پہلے ای سی جا کے اسقف کے سامنے پیش کیا جاتا۔ اسقف ان کے سامنے مسلمانوں کے خلاف زہر اگلتا اور دنیا کے تمام عیب مسلمانوں کے سر تھوپ دیتا۔ اس کے بعد انہیں کلیسا کی سیر کی دعوت یہ کہہ کر دی جاتی کہ وہ ایک مذہبی جنگ کے لیے ای سی جا میں اکٹھے ہوئے ہیں اس لیے کلیسا کی ہر جاندار اور بے جان سب ان کی نذر ہیں۔۔۔۔۔ وہ جس جاندار یا بے جان کو جس طرح چاہیں استعمال کر سکتے ہیں۔ اس کا نتیجہ یہ ہوتا کہ ان معصوم لڑکیوں کو دن رات میں کئی کئی بار کرب کی منزلیں طے کرنا پڑتیں اور اسے مذہبی خدمت کا نام دیا جاتا۔

حاکم نے ای سی جا کے کلیساؤں کے بارے میں بہت کچھ سن رکھا تھا لیکن وہ خود بھی ان رازہائے درون خانہ کی ایک جھلک اپنی آنکھوں سے دیکھنا چاہتا تھا تاکہ وہ طارق بن زیاد کے سامنے ان حالات کا عینی شاہد بن کر گفتگو کر سکے۔ اس نے راڈسا سے اس کا ذکر کیا۔

راڈسا عیسائی تھا لیکن قہوہ خانوں میں جو مناظر دیکھنے میں آئے تھے ان سے وہ اپنی نظروں میں گر گیا تھا اور اسے تثلیث و عیسائیت کے اس رخ سے نفرت سی ہو گئی تھی۔ وہ دل سے تو نہ چاہتا تھا کہ حاکم پر ان پراگندہ چیزوں کا زیادہ انکشاف ہو لیکن وہ حاکم کا ماتحت تھا اس لیے انکار نہ کر سکا اور دوسری شب کہ حاکم کو لے کر ای سی جا کے ایک بڑے کلیسا میں جا پہنچا۔ راڈسا اور حاکم دونوں مسلح تھے۔ کلیسا والوں نے انہیں ہاتھوں ہاتھ لیا۔

ایک پادری اس کے پاس آیا اور ادب سے بولا:

"ہسپانیہ کے بہادر سردارو! آپ کا تعلق کس علاقے اور کہاں کے لشکر سے ہے؟"

راڈسا نے ایک مصنوعی آہ کھینچی اور بولا:

"اے محترم پادری! میں اس لشکر کا ایک بدنصیب سپاہی ہوں جس کی کمان شہنشاہِ ہسپانیہ شاہ راڈرک فرما رہے تھے۔"

حاکم حیرت سے راڈسا کا منہ دیکھنے لگا۔ راڈسا سفید جھوٹ بول رہا تھا۔ اس کا تعلق قرمونہ کی فوج سے تھا۔ راڈسا نے حاکم کو بے چین دیکھا تو آنکھ کا ہلکا سا اشارہ کیا۔ حاکم اس اشارے سے مطمئن ہو گیا۔

"معزز سپاہی!" پادری اور زیادہ ادب سے بولا:

"آپ تو اور زیادہ قابلِ احترام ہیں کہ آپ کو تو شہنشاہ کی کمان میں لڑنے کا فخر حاصل ہے۔"

راڈسا نے بڑی دیدہ دلیری سے کہا:

"جی ہاں۔ میں میدانِ جنگ میں آخری وقت تک موجود رہا۔"

پادری کو اور دلچسپی پیدا ہوئی۔ اس نے رازدارانہ لہجے میں پوچھا:

"عزیز سپاہی۔ اس بات میں کہاں تک صداقت ہے کہ شہنشاہ اب تک زندہ ہیں؟"

راڈسا گھبرا گیا۔ اسے اس بات کی امید نہ تھی مگر فوراً سنبھل کر بولا:

"اس بارے میں پادری محترم کا کیا خیال ہے؟"

پادری پُراعتماد لہجے میں بولا:

"میرا دل کہتا ہے کہ شہنشاہ زندہ ہیں اور وہ کسی وقت بھی سامنے آ سکتے ہیں۔"

"یہی میرا بھی خیال ہے پادری محترم!" راڈسا نے اس کی ہاں میں ہاں ملا کے اپنی گلو خلاصی کرالی۔

پادری خوش ہو گیا۔ اس نے کہا:

"تم پر یسوع کی برکت ہو۔ تم میرے دوست ہو۔ میں خود تمہارا رہبر بنتا ہوں۔ میرے ساتھ چلو اور ... لذتوں سے لطف حاصل کرو"۔

یہ کہتے ہوئے پادری نے راڈسا کا ہاتھ پکڑ لیا۔

راڈسا ذرا ہچکچاتے ہوئے بولا:

"میں اکیلا نہیں جا سکتا پادری محترم! میرے دوست کو بھی دعوت دیجیے"۔

"کیوں نہیں؟" کہہ کر پادری نے حاکم کی طرف دیکھا۔

راڈسا نے کہا:

"میرا دوست زبان سے نہیں بول سکتا۔ ایک حادثے میں اس کی قوتِ گویائی زائل ہو گئی ہے۔ آپ نے اجازت دیدی یہی کافی ہے"۔

راڈسا نے حاکم کو چلنے کا اشارہ کیا۔

پادری آگے آگے یہ دونوں پیچھے پیچھے شبستانِ کلیسا کے نظارے کو چلنے لگے۔ کلیسا کے دائیں بائیں قطاروں میں درجنوں کمرے بنے ہوئے تھے۔ کمروں کے آگے برآمدے تھے۔ ہر کمرے کا دروازہ نصف لکڑی اور نصف شیشے کا تھا اور فانوس نما قندیلیں آویزاں تھیں جن کی تیز روشنی سے کمرے جگمگ جگمگ کر رہے تھے۔

پادری نے چلتے چلتے کہا:

"ان کنواری لڑکیوں نے اپنا تن من دھن اور زندگی ملک و قوم کی خدمت کے لیے وقف کر دی ہے۔ اس ایثار کے بدلے انہیں یہاں ہر قسم کا سامانِ تعیش مہیا کیا جاتا ہے۔ اگر لڑکی کا باپ غریب ہے تو کلیسا سے اس کا وظیفہ مقرر کیا جاتا ہے"۔

راڈسا کا خون کھول گیا۔ اس نے کہا:

"کلیسا کی لڑکیاں عبادت و ریاضت کے لیے اپنی زندگی وقف کرتی ہیں۔ انہیں ملک و قوم سے کیا مطلب۔ ان کی دنیا تو کلیسا کی چار دیواری ہوتی ہے"۔

"یہ تو ٹھیک ہے عزیز راڈسا!" پادری نے اسے اعتماد میں لینے کی کوشش کرتے ہوئے کہا:

"لیکن حکومت کے اراکین کی خدمت کرنا بھی تو عبادت ہے۔ سلطنت کے اراکین کی جب طبیعت گھبراتی ہے تو دو چار راتیں یہاں آ کر گزارتے ہیں، پھر تازہ دم ہو کر عوام کے کاموں میں لگ جاتے ہیں"۔

راڈسا نے کوئی جواب نہ دیا مگر اس کا دل اندر ہی اندر کڑھتا رہا۔

جس برآمدے سے یہ لوگ گزر رہے تھے اس کے شروع کے دس بارہ کمرے خالی پڑے تھے۔ پھر وہ ایک ایسے کمرے کے سامنے پہنچے جس میں بے شمار دوشیزائیں بیٹھی ہوئی آپس میں اٹھکیلیاں کر رہی تھیں۔ ان شعلہ رخ اور شعلہ بدن لڑکیوں کے نیم عریاں لباس سے شباب کی کرنیں پھوٹ رہی تھیں۔

راڈسا نے کمرے کے سامنے رکتے ہوئے پوچھا:

"یہ خواتین کون ہیں؟"

پادری نے مسکرا کر کہا:

"یہ خواتین نہیں، کلیسا کی پاک دامن کنواریاں ہیں۔ ان کے دن رات عبادت و ریاضت میں گزرتے ہیں اور راتیں آپ جیسے مہمانوں کی خاطر مدارات میں بسر ہوتی ہیں"۔

راڈسا کا دل کچھ ایسا کھٹا ہوا کہ اس کے قدم بوجھل ہو گئے۔ اس نے حاکم کی طرف دیکھا۔ حاکم نے نظروں ہی نظروں راڈسا کو جواب دیا۔

راڈسا بولا:

"محترم پادری! ہم لوگ اس وقت بہت تھکے ہوئے ہیں۔ اس وقت ہمیں آرام کی اجازت دیجیے۔ کل شب ہم پھر آپ کے پاس حاضر ہوں گے"۔

پادری نے اس کے کاندھے پر محبت سے ہاتھ رکھتے ہوئے کہا:

"عزیز فوجی! آپ کو آرام کے لیے کسی اور جگہ جانے کی ضرورت نہیں۔ جس کمرے میں چاہیں آپ آرام کر سکتے ہیں۔ یہ کمرے آپ ہی جیسے معززین کے لیے وقف ہیں"۔

راڈسا بے بس ہو گیا۔ اس نے کہا:

"میرا مطلب ہے کہ ہم یہاں نہیں ......"

پادری بات کاٹتے ہوئے بولا:

"آپ آگے تو بڑھیے۔ جو جگہ پسند ہو وہاں آپ کی شب باشی کا انتظام کر دیا جائے گا"۔

راڈسا اور حاکم، زندہ بدست مردہ کے مصداق بوجھل قدموں سے آگے بڑھنے لگے۔ اگلا کمرہ عشرت کدہ کے نقطۂ نظر سے اور زیادہ جاذبِ نظر تھا۔ اس کمرے میں موجود لڑکیاں اور زیادہ حسین اور زیادہ عریاں لباس میں تھیں۔ پورا کمرہ حسن کی شعاعوں سے منور تھا اور دوشیزاؤں کی بے باک نظریں دعوتِ نظارہ دے رہی تھیں۔

راڈسا کی آنکھیں شرم اور ندامت سے جھکی جا رہی تھیں اور اسے محسوس ہو رہا تھا جیسے وہ ہر قدم پر گندگی کی دلدل

میں دھنسا جا رہا ہے۔

راڈسا تنگ آ کر بولا:

"ٹھیک ہے محترم پادری! ہم ان میں سے کسی کمرے میں رات بسر کریں گے لیکن ابھی کچھ دیر ہمیں شہر کی

سیر کرنا ہے۔"

پادری نے ہنستے ہوئے کہا:

"آپ کی مرضی۔ ورنہ اس سے زیادہ رونق اور رنگینی آپ کو شہر میں کہیں نظر نہیں آئے گی۔"

راڈسا اور حاکم اس کلیسا سے اس طرح نکلے جیسے قیدی، قید خانے سے نکلتا ہے۔ شہر کے شراب خانے ا

بھرے ہوئے تھے۔ جام پر جام لنڈھائے جا رہے تھے اور لڑکیوں سے چھیڑ چھاڑ جاری تھی۔

یہ لوگ تمام رات شہر کے مختلف حصوں میں گھومتے رہے۔ انہوں نے مختلف لوگوں سے گفتگو کی۔ شریف

بازاری ہر قسم کی عورتوں سے باتیں کر کے ان کے خیالات معلوم کیے۔ فوجی بیرکوں کے گرد چکر بھی لگائے۔

پو پھٹنے سے کچھ پہلے یہ کلیسا واپس آئے۔ وہاں اب خاموشی کی حکومت تھی لیکن کسی کسی کمرے سے شراب میں

ہوئی کوئی چیخ سنائی دے جاتی تھی۔ وہ بغیر پادری سے ملاقات کیے اپنے گھوڑے لے کر کلیسا سے باہر آ گئے۔ راڈسا

اب اس شہر میں ایک ایک منٹ بھاری ہو رہا تھا۔ وہ دل میں سوچ رہا تھا کہ عشرت کی فراوانی ہی بڑی سلطنتوں کو

بن کر چاٹ جاتی ہے۔

سورج کی پہلی کرن کے ساتھ وہ دونوں ای سی جا سے نکل کر اپنے مستقر کی طرف واپس جا رہے تھے۔

○

قرمونہ میں طارق بن زیاد نے آگے قدم بڑھانے کی تمام تیاریاں مکمل کر لی تھیں۔ انہیں صرف اپنے ہراول دستے

رپورٹ کا انتظار تھا۔ طارق نے حاکم کو حکم دے رکھا تھا کہ ای سی جا پر حملہ کرنے کے بجائے کچھ دور پیچھے ٹھہر کر

قلعے کے بارے میں مکمل اور مفصل معلومات حاصل کریں۔

انہیں یہ تو معلوم ہو گیا تھا کہ دشمن اپنے زخم چاٹ رہا ہے اور تمام محاذوں پر شکست کھانے والے سپاہی ای سی

میں اکٹھا ہو رہے ہیں تاکہ از سرِ نو قسمت آزمائی کریں اس لیے یہ قرمونہ میں ٹھہرے ہوئے حاکم کا انتظار کر رہے

حاکم نے قرمونہ پہنچ کر طارق بن زیاد کو پورے حالات سے آگاہ کیا۔ طارق کو دشمن کی طاقت کی تو

نہ تھی لیکن ای سی جا میں مسلمانوں کے کردار کو جس طرح مسخ کر کے پیش کیا جا رہا تھا اسے سن کر طارق کو بہت

طارق نے شام کو اپنے سرداروں کو مشورے کے لیے طلب کیا۔ قلعہ سبتہ کا حاکم نواب جولین اور گاتھک

پادری سردار مغیث الردی ان کے ساتھ تھے جنہیں طارق اپنے ہر مشورے میں شریک کرتے اور ان کے مشورے پر

پوری توجہ دیتے تھے۔

جب سب لوگ جمع ہو گئے تو طارق بن زیاد نے کہا:

ہمارے ہراول دستے کے سردار حاکم بن منذر نے دو دن اور دو راتیں قلعہ ای سی جا میں گزاری ہیں۔ انھوں

نے جو کچھ وہاں دیکھا یا سنا انہیں آپ حضرات انہی کی زبانی سنیے۔"

طارق بن زیاد نے حاکم کی طرف دیکھا۔ حاکم اپنی جگہ کھڑے ہو گئے اور کہنا شروع کیا:

"قلعہ ای سی جا مذہب عیسوی کا ایک اہم مرکز ہے۔ یہاں پادریوں کے علاوہ ہزاروں کی تعداد میں،

راہب اور راہبائیں موجود ہیں۔ یہ سب بظاہر مقدس مریمؑ اور حضرت عیسیٰؑ کے نام پر خشک اور

زاہدانہ زندگی بسر کرتی نظر آتی ہیں لیکن حقیقت یہ ہے کہ ہر کلیسا، معبد اور خانقاہ اعلیٰ قسم کی ایک

عشرت گاہ ہے اور کنواریوں کے کنوارپن اور دوشیزاؤں سے ان کی دوشیزگی چھین لی جاتی ہے۔

یہ مجبور لڑکیاں، پادریوں اور اسقفوں سے اپنی عزت محفوظ رکھنے میں ناکام ہیں۔ شہر کے سر برآوردہ

لوگ اور فوج کے اعلیٰ حکام ان عشرت گاہوں میں دادِ عیش دیتے ہیں۔ شہر کے ہر قہوہ خانے، کلیسا

شراب خانے اور خانقاہ میں یہ بات مشہور کر دی گئی ہے کہ مسلمان جنگلی اور وحشی ہیں۔ وہ عورتوں کو

دیبا و حریر کے بجائے ٹاٹ کے ٹکڑوں پر لٹاتے ہیں۔ ان کی عصمتوں کو داغ دار کر کے انہیں بیدردی

سے قتل کر دیتے ہیں۔ چنانچہ کنواری اور بیاہی تمام عورتوں میں اس قدر خوف و ہراس پیدا ہو گیا

ہے کہ انھوں نے اپنے طور پر یہ فیصلہ کر لیا ہے کہ اگر ای سی جا پر حملہ ہوا اور عیسائی شکست کھا گئے

تو وہ مسلمانوں کے ہاتھوں میں پڑنے سے پہلے اپنے حسن کو بگاڑ لیں گی۔ چہرے نوچ کھرچ ڈالیں گی

اور اگر مسلمانوں نے انہیں پھر بھی حاصل کرنے کی کوشش کی تو وہ خودکشی سے بھی دریغ نہ کریں گی۔"

نواب جولین نے پوچھا:

"قلعے میں فوجوں کی تعداد کتنی ہو گی؟"

حاکم نے جواب دیا:

"بیس پچیس ہزار کے قریب۔"

"فوجوں کی کمان کون کر رہا ہے؟" یہ سوال یہودی مغیث الردی کا تھا۔

"کوئی نہیں۔" حاکم نے جواب دیا:

"ابھی یہ طے نہیں ہو سکا کہ سپہ سالار کے فرائض کون انجام دے گا۔ ای سی جا والے ام[illegible] ہیں کہ مسلمان اس قلعے کا رخ نہ کریں گے۔"

طارق دیر تک سرداروں سے صلاح مشورہ کرتے رہے۔ پھر انھوں نے حاکم سے کہا:

"حاکم! تمہیں پانچسو سوار اور دیے جاتے ہیں۔ تم اپنے دستے کو لے کر ای سی جا کے اور قریب پہنچ[illegible] حملہ کرنے کی کوشش نہ کرنا۔ ہم بہت جلد آ کر تم سے مل جائیں گے۔ تم ہم سے برابر رابطہ رکھو۔"

حاکم مزید سوار اپنے ساتھ لے کر چلا گیا تو طارق نے لشکر کو تیاری کا حکم دیا — اور پھر پوری [illegible] ساتھ لشکرِ اسلام کا یہ مجاہد ای سی جا کی تسخیر کے لیے روانہ ہوا۔

حاکم نے اپنے ڈیڑھ ہزار کے ہراول دستے کے ساتھ قدم آگے بڑھائے۔ جوں جوں وہ آگے بڑھ [illegible] دل کی دھڑکنیں تیز ہوتی جا رہی تھیں۔ اس کا رخ اس خانقاہ کی طرف تھا جہاں اس کی جانِ بہار شعاعی رہتی تھی۔ [illegible] فیصلہ کیا تھا کہ خانقاہ پہنچ کر وہ سب سے پہلے شعاعی سے گفتگو کر کے اسے حیرت میں ڈال دے گا۔

حاکم کا نائب راڈسا اس کے ساتھ تھا۔ ای سی جا سے واپسی پہ حاکم نے راڈسا کو اپنے دستے میں چھوڑ دیا [illegible] طارق کے پاس گیا تھا۔

راڈسا، حاکم کے طارق کے پاس چلے جانے سے اب تک ایک ذہنی کشمکش میں مبتلا تھا۔ اس نے [illegible] کچھ دیکھا تھا اس نے اس کے خیالات کو جھنجھوڑ کر رکھ دیا تھا۔ اسے کلیساؤں اور پادریوں سے نفرت ہو گئی [illegible] مسلمانوں کے اخلاق اور کردار سے وہ بری طرح متاثر ہو رہا تھا۔ راڈسا نے اندازہ لگا لیا تھا کہ حاکم سیدھا خانقاہ [illegible] جا رہا ہے۔ پھر جب اسے دور سے خانقاہ بھی نظر آنے لگی تو اس نے اپنا گھوڑا روک لیا۔

حاکم نے حیرت سے پوچھا:

"کیا ہوا راڈسا! تم رک کیوں گئے؟"

راڈسا پژمردگی سے بولا:

"محترم سردار! میں خانقاہ میں عیسائی کی حیثیت سے داخل ہونا نہیں چاہتا تھا۔"

"کیوں راڈسا۔ تمہیں ڈر کس بات کا ہے؟" حاکم کو اور حیرانی ہوئی۔

راڈسا استقلال سے بولا:

"سردار۔ میں چاہتا ہوں کہ جب میں خانقاہ یا ای سی جا کے قلعے میں داخل ہوں تو مجھے بدکار عیسائی [illegible] ایک با اخلاق مسلمان سمجھا جائے۔"

حاکم یہ سن کر بہت خوش ہوا۔ اس نے کہا:

"راڈسا۔ اس سے زیادہ خوشی کی اور کیا بات ہو سکتی ہے۔ یوں بھی میں تمہیں بدکار عیسائی نہیں سمجھتا لیکن اگر تم واقعی دل سے اسلام قبول کر رہے ہو تو تمہیں میں خوش آمدید کہتا ہوں۔"

حاکم نے اپنے دستے کو رک جانے کا حکم دیا اور پھر اعلان کیا:

"راڈسا نے اسلام قبول کرنے کی خواہش ظاہر کی ہے۔"

لوگوں نے بھی اس پر اپنی خوشی و مسرت کا اظہار کیا۔

ہراول دستے میں ایک بزرگ پیش امام تھے۔ انھوں نے راڈسا کو باقاعدہ کلمہ طیبہ پڑھا کر مسلمان کیا اور راڈسا کا اسلامی نام حکیم رکھا گیا۔

راڈسا کا اس طرح حدودِ ای سی جا میں داخلے سے پہلے اسلام قبول کرنا ایک نیک فال تصور کیا گیا۔ بعض لوگوں نے اس بات کا اظہار کیا کہ جس طرح اسلام کے نور نے راڈسا کے دل کو منور کیا ہے اسی طرح قلعہ ای سی جا میں بھی یہ نور اپنا جلوہ دکھائے گا اور مسلمانوں کو فتح ہو گی۔

دن ڈھل چکا تھا۔ شام ہو رہی تھی اور سورج سنہری کرنوں کا تاج اتار کر سیاہ چادر اوڑھنے کے لیے بے چین تھا۔ حاکم نے اعلان کیا کہ راڈسا کے اسلام لانے کی یادگار کے طور پہ خیمے لگا دیے جائیں۔ حکم کی دیر تھی، کچھ ہی دیر میں یہ چٹیل میدان خیموں کی ایک چھوٹی سی بستی میں تبدیل ہو گیا۔

ہراول دستے کے خیمہ زن ہوتے ہی یہ خبر نہ معلوم کس طرح پھیل گئی کہ اسلامی لشکر مار مار کرتا ہوا یہاں تک آ پہنچا ہے۔ لوگوں میں خوف و ہراس پھیل گیا۔ لوگ گھر بار چھوڑ کر قلعہ ای سی جا کی طرف بھاگ کھڑے ہوئے۔ شعاعی کا باپ بھی اندر سے پریشان ہو گیا۔

خانقاہ میں شعاعی اور اس کے باپ کے علاوہ جو لوگ تھے وہ بھی خانقاہ چھوڑ کر جس کا جدھر منہ اٹھا ادھر چلا گیا۔ لہٰذا جب چراغ روشن ہوئے تو اس خانقاہ میں سوائے شعاعی اور اس کے باپ کے اور کوئی نہ تھا۔

پادری جس قدر پریشان تھا اتنا ہی شعاعی مطمئن نظر آتی تھی۔ پادری نے اسے اس قدر پرسکون اور مطمئن دیکھا تو پوچھا:

"بیٹی! تو بالکل مطمئن دکھائی دے رہی ہے۔ کیا تجھے مسلمانوں کا خوف نہیں؟"

شعاعی اطمینان سے بولی:

"پاپا۔ پریشان ہونے سے پریشانی کم تو نہیں ہو جاتی۔ تقدیر میں جو کچھ لکھا ہے وہ تو پورا ہو کر رہے گا۔ پہلے سے پریشان ہونے سے کیا حاصل؟"

پادری نے شفقت بھرے لہجے میں کہا:

"بیٹی! یہ تو ٹھیک ہے لیکن ہمیں ہاتھ پر ہاتھ دھرے نہ بیٹھنا چاہیے۔ تو آخری کمرے میں چلی جا۔ دروازہ مضبوطی سے بند کر لے۔ کمرے کی کھڑکی پائیں باغ میں کھلتی ہے۔ اس باغ کے بالکل سرے پر ایک برج ہے جس میں ایک زنگ آلود قفل لٹک رہا ہے۔ اس تالے کو ضرورت کے وقت ایک جھٹکے سے کھولا جا سکتا ہے۔ مطلب سمجھ گئی ہے نا؟"

"پاپا۔ میں سب کچھ سمجھ گئی۔" شعاعی نے استقلال سے کہا،

"لیکن میں آپ کو اکیلے چھوڑ کر کہیں نہیں جا سکتی۔ جو مصیبت آئے گی اسے ہم مل کر برداشت کریں گے۔ میں آپ کی جدائی برداشت نہیں کر سکتی۔"

پادری افسردگی سے بولا:

"شعاعی! تو لڑکی ہے اور لڑکیاں ماں باپ سے ایک نہ ایک دن تو جدا ہو ہی جاتی ہیں۔ میری عمر تو ڈھل چکی — اب مجھے جینے کی کوئی آرزو نہیں۔ اگر تو جہان بچا کر نکل گئی تو میری روح کو سکون حاصل ہوگا۔"

باپ بیٹی، اندھیرے برآمدے میں کھڑے باتیں کر رہے تھے۔ پوری خانقاہ میں صرف ایک چراغ پادری کے ہاتھ میں جل رہا تھا۔ برآمدہ، میدان، صدر دروازہ ہر جگہ تاریکی پھیلی ہوئی تھی اور ایک عجب ہُو کا عالم تھا۔

پادری کا جملہ پورا ہوا ہی تھا کہ خانقاہ کے بڑے دروازے پر دستک ہوئی اور باہر سے آواز آئی:

"دروازہ کھولیے پادری صاحب"۔

پادری کے پیروں تلے سے زمین نکل گئی۔ اس نے آہستہ سے شعاعی سے کہا:

"بیٹی! موت کا فرشتہ آن پہنچا۔ اب تو اپنی جان کی فکر کر۔ میں نے جو کہا ہے اس پر عمل کر۔"

شعاعی نے آہستگی سے جواب دیا:

"پاپا کچھ بھی ہو جائے میں تمہیں چھوڑ کر نہیں جاؤں گی۔"

دروازے پر پھر دستک ہوئی۔

پادری نے مجبور ہو کر کہا:

"جیسے تیری مرضی۔ جا کے چراغ اٹھا لا۔ میں دیکھوں تو اس وقت کون آیا ہے؟"

شعاعی چراغ اٹھا لائی۔ پادری بولا:

"بیٹی شعاعی۔ کمرے میں چلی جا۔"

شعاعی نے باپ کی شاید پہلی مرتبہ حکم عدولی کی تھی لیکن وہ مجبور تھی۔ باپ کو مصیبت میں اکیلا چھوڑ کر بھاگ جانا اس کی حمیت اور محبت نے گوارا نہ کیا۔ وہ برآمدے میں بڑی بے خوفی سے کھڑی رہی۔

پادری چراغ لیے ہوئے دروازے کے پاس گیا اور پوچھا:

"کون ہے بھائی! اس وقت خانقاہ میں کیا لینے آئے ہو؟"

باہر سے آواز آئی:

"پادری صاحب دروازہ کھولیے۔ میں ہوں آپ کا راڈسا، ہسپانوی سپاہی۔"

"راڈسا" پادری زیر لب بڑبڑایا۔ پھر خوش ہو کر کہا:

"راڈسا، تو تم ہو۔ وہی ہونا تم؟"

"جی ہاں، بالکل وہی جو کچھ دن پہلے آپ کا مہمان رہ چکا ہے۔" راڈسا نے کہا۔

"تو تم وہی ہو۔"

پادری راڈسا کی آواز اچھی طرح پہچان لی تھی مگر اس کا دماغ یہ سمجھنے سے قاصر تھا کہ آخر راڈسا اس وقت یہاں کیا لینے آیا ہے۔ پھر اسے ایک دم خیال آیا کہ یہ سب اس کا واہمہ ہے۔ اس نے سننے میں ضرور غلطی کی ہے۔ اس کے ایک ہاتھ میں لالٹین نما چراغ تھا اور دوسرا ہاتھ بھاری دروازے کی زنجیر کھولنے کے لیے اٹھا ہوا تھا۔

خانقاہ کے تمام ملازم اپنی جانیں لے کر بھاگ گئے تھے۔ پادری کا اٹھا ہوا ہاتھ جیسے ہوا میں معلق ہو کر رہ گیا تھا۔ اس کی نظروں کے سامنے امید و بیم کے سائے لہرا رہے تھے اور وہ خیالات میں غرق تھا۔

باہر سے پھر آواز آئی:

"پادری صاحب دروازہ کھولیے۔ میں دشمن نہیں دوست ہوں۔ امن، دوستی اور محبت کا پیام لایا ہوں آپ کے لیے۔ شعاعی کے لیے۔"

پادری جیسے خواب سے چونکا۔ اس نے کہا:

"ہاں ہاں تم راڈسا ہو۔ تم ہی راڈسا ہو..... راڈسا!"

خانقاہ کا دروازہ کھل گیا۔

راڈسا اور حاکم اندر آ گئے۔ پادری نے چراغ اوپر اٹھا کر راڈسا کا چہرہ دیکھا اور پھر اطمینان کا ایک گہرا سانس لیا۔ راڈسا نے پادری کو ادب سے سلام کیا۔

حاکم چپ چاپ راڈسا (حکیم) کے پیچھے کھڑا تھا۔ پادری نے پوچھا:

"یہ تمہارے ساتھ کون ہے؟"

راڈسا نے جواب دیا:

"آپ خود دیکھ لیجیے"۔

پادری نے چراغ اٹھایا اور حاکم کو پہچانتے ہوئے بولا:

"تمہارا دوست مکاح ہے"۔

راڈسا مسکرا کر رہ گیا۔ پادری کو جانے کیا خیال آیا اس نے جلدی سے خانقاہ کا دروازہ بند کر لیا اور کہا:

"میرے بچو۔ اندر چلو۔ باہر خطرہ ہے۔ مسلمانوں کی فوج سامنے خیمے ڈالے پڑی ہے"۔

راڈسا نے کہا:

"پادری صاحب دروازہ کھلا رہنے دیجیے۔ یہ محبت اور دوستی کا دروازہ ہے۔ اسے اب کھلا ہی رہنا ہے"

پادری نے گھبراتے ہوئے کہا:

"نہیں میرے بچو۔ فاتح فوج کا کیا اعتبار، کیا پتہ — کب بگڑ جائے۔ اسے کون سنبھال سکتا ہے"۔

راڈسا بولا:

"فوج کیا کرے گی پادری صاحب! فوج سنبھالنے والا تو آپ کے سامنے کھڑا ہے"۔

پادری کی سمجھ میں کچھ بھی نہ آیا۔ اس نے حیران نظروں سے راڈسا کو دیکھا۔

راڈسا نے حاکم کو اشارہ کیا۔ حاکم دو قدم آگے بڑھا اور بولا:

"مقدس مریم اور مقدس مآب ابنِ مریم کے پرستار کو مسلمان فوج کا ایک ادنیٰ سردار حاکم بن منذر سلام پیش کرتا ہے"۔

پادری کا منہ کمالِ حیرت و استعجاب سے کھل گیا۔ کبھی وہ راڈسا کو دیکھتا اور کبھی حاکم کو۔ اس کے ہاتھ میں چراغ لرزنے لگا۔ وہ بار بار چراغ اٹھا کر حاکم کا چہرہ دیکھتا۔ اسے اعتبار نہ آ رہا تھا کہ مکاح، حاکم کیسے اور اس سے زیادہ حیرت کی بات یہ تھی کہ مکاح بولنے کیسے لگا۔

راڈسا نے کہا:

"قابلِ احترام پادری صاحب! آپ نے اس وقت جو سنا اور دیکھا ہے یہ خواب نہیں ہے بلکہ ایک حقیقت ہے۔ مکاح اور حاکم، ایک ہی شخصیت کے دو نام ہیں۔ حاکم کے حروف الٹ کر ترتیب دیے بن جائے گا"۔

اس وقت دور برآمدے میں کھڑی شعاعی کی آواز آئی:

"بابا یہ کون لوگ ہیں؟"

حاکم نے آہستہ سے کہا:

"پادری صاحب! میری درخواست ہے کہ ابھی آپ میرے بارے میں شعاعی کو کچھ نہ بتائیں۔ میں خود ہی اسے کچھ بتا دوں گا"۔

پادری مسکرایا اور برآمدے کی طرف منہ کر کے بولا:

"گھبراؤ نہیں بیٹی! یہ اپنے دوست ہی ہیں، راڈسا اور مکاح"۔

مکاح کا نام سنا تھا کہ شعاعی نے برآمدے سے جست لگائی اور برآمدے اور دروازے کے درمیان میں واقع میدان میں بے تحاشا بھاگنے لگی۔ حاکم بڑی دلچسپی سے اسے ادھر آتا دیکھ رہا تھا۔

شعاعی بھاگتے ہوئے وہاں پہنچی تو اس کا سانس بری طرح پھول رہا تھا اور سینے کے زیر و بم پر اسے قابو پانا مشکل ہو رہا تھا۔

چراغ زمین پر رکھا تھا اس لیے ان کے چہرے صاف نظر نہ آ رہے تھے۔ شعاعی نے بڑی بے تابی سے چراغ اٹھایا اور ایک ایک کا منہ دیکھنے لگی۔ جب روشنی حاکم کے چہرے پہ پڑی تو شعاعی کا اٹھا ہوا ہاتھ ذرا دیر کے لیے ٹھہر گیا۔ حاکم نے دل کے جذبات کو دباتے ہوئے آہستہ سے کہا:

"شعاعی!"

"ہاں شعاعی! میں مکاح ہوں"۔ جا

حاکم کے منہ سے نکلا تھا کہ شعاعی کا ہاتھ تھرتھرایا اور چراغ اس کے ہاتھ سے چھوٹ گیا۔ اگر پادری اسے بڑھ کر سہارا نہ دیتا تو شاید وہ چکرا کر گر جاتی۔

چراغ کے گرنے سے اندھیرا پھیل گیا۔ حاکم اور شعاعی کے چہرے پر اس وقت کیا تاثرات پیدا ہوئے۔ انہیں اندھیرے ہی میں دیکھا اور سمجھا جا سکتا ہے۔

خوف اور خطرے کی گھمبیر فضا جو خانقاہ پر چھائی ہوئی تھی اب صاف ہو چکی تھی۔ سب لوگ آہستہ آہستہ کمرے میں آ گئے۔ دوسرا چراغ روشن کیا گیا۔ پھر کئی چراغ جل اٹھے اور خانقاہ کی تاریکی مدھم مدھم روشنیوں میں بدل گئی۔

شعاعی نے جلدی جلدی لکڑی کے برتنوں میں کھانا نکال کر مہمانوں کے سامنے رکھ دیا۔ یہ کھانا دوپہر کا پکا ہوا تھا۔ شعاعی کھانا نہ پکا سکی تھی کیونکہ خانقاہ کے کوٹھے پر سے مسلمانوں کے خیمے صاف نظر آ رہے تھے اور باپ بیٹی مستقبل کے خیال سے پریشان ہو گئے تھے۔ حاکم اور راڈسا (حکیم) کھانا کھا کر آئے تھے لیکن انہوں نے انکار نہ کیا۔

حاکم کھانے کے دوران شہری کلیساؤں اور اس خانقاہ کے تضاد پر غور کرتا رہا۔ اسی جا شہر کے کلیساؤں ... ظروف اور ہر طرح کے سامانِ تعیش سے بھرے پڑے تھے لیکن اس خانقاہ میں کھانا کھانے کے لیے کو... قسم کے برتن سامنے رکھے تھے۔

راڈسا خوش دلی سے بولا:

"پادری صاحب! میں نے آپ اور خانقاہ کی سلامتی کی ضمانت دی تھی۔ وہ میں نے پوری کر دی... میری باتوں پر تعجب ہو رہا تھا؟"

"ہاں راڈسا" پادری نے محبت سے کہا،

"مجھے اس وقت بھی حیرت ہوئی تھی اور آج بھی تمہارے اس طرح نبھانے سے کچھ کم حیران نہیں ہوں"

راڈسا نے ہنس کر کہا:

"آپ کو اس بات پر شاید اور حیرانی ہوگی کہ اب میرا نام حکیم ہے۔"

پادری کے ہاتھ میں نوالہ تھا اور اس کا ہاتھ منہ تک پہنچ چکا تھا لیکن راڈسا کے اس انکشاف پر... ہوا کہ اس کے ہاتھ سے نوالہ اس طرح نکل گیا جیسے شعاعی کے ہاتھ سے چراغ گرا تھا۔

"تو مکاح کی طرح تم بھی مسلمان ہو؟" پادری نے اپنی حیرت پر قابو پاتے ہوئے پوچھا۔

"الحمد للہ۔ اب میں مسلمان ہوں۔" راڈسا (حکیم) نے کہا:

"لیکن جب پہلے یہاں آیا تھا اس وقت عیسائی تھا۔ میری عیسائیت سے یہ بغاوت کسی جبر... سے نہیں ہوئی بلکہ غور و فکر اور مشاہدے نے مجھے ایسا کرنے پر مجبور کر دیا۔ میرا اسلامی نام حکیم ہے... مجھے اسی نام سے مخاطب کیا کیجیے۔"

پادری کچھ سوچنے لگا۔ حکیم نے دیکھا کہ شعاعی اور حاکم کچھ بے چین بے چین سے ہیں۔ اس نے کہا

"سردار۔ آپ نے اس خانقاہ کی پوری طرح سیر نہیں کی ہے۔ آپ ایک چکر لگا آئیے اس وقت... اسقف سے باتیں کر رہا ہوں۔"

شعاعی نے باپ کی طرف دیکھا۔ پادری نے کہا:

"ہاں بیٹی۔ تم مسلم سردار کو خانقاہ کی سیر کرا دو۔"

وہ دونوں تو دل ہی سے یہ چاہتے تھے۔ شعاعی مسکراتی ہوئی اٹھ کھڑی ہوئی۔ حاکم کو بھی حکیم کا اشارہ ملا... شعاعی کے پیچھے پیچھے چلنے لگا۔

شعاعی، حاکم کے ساتھ چلتی ہوئی بولی: "آپ نے گونگے کا کردار بڑی خوبی سے ادا کیا۔ مجھے ادا... لیکن آپ نے آخر یہ بہروپ کیوں بھرا؟"

حاکم نے جواب دیا:

شعاعی۔ یہ ایک وقتی مصلحت تھی۔ میں ہسپانوی زبان سے واقف نہیں ہوں۔ میں نے ہسپانوی سپاہی کا بہروپ تو بھر لیا لیکن اگر میں لوگوں سے بات کرتا تو راز کھل جانے کا اندیشہ تھا۔"

شعاعی بڑے انداز سے بولی:

"پھر اب وہ روپ کیوں ختم کر دیا؟"

"کیونکہ یہ تمہاری خواہش تھی۔" حاکم نے کہا:

"اور اب وہ مصلحت بھی ختم ہو چکی ہے۔"

شعاعی اٹھلا کر بولی:

"لیکن آپ تو اچھی خاصی ہماری زبان بول رہے ہیں۔"

دونوں باتیں کرتے ہوئے خانقاہ کے گرجا گھر کی سیڑھیوں پر آ گئے۔ رات کافی گزر چکی تھی اور آخری دنوں کا چاند گرجا کے پیچھے سے اپنا منور چہرہ دکھا رہا تھا۔

یہ ایک چھوٹا سا گرجا تھا۔ چھوٹے سے ہال میں چالیس پچاس آدمیوں کے بیٹھنے کی جگہ تھی۔ کرسیوں کے اختتام پر ایک چھوٹا سا اسٹیج بنا تھا اور ایک میز رکھی تھی جہاں کھڑے ہو کر پادری وعظ یا نماز کا فرض ادا کرتا ہوگا۔ اس کی پشت کی دیوار پر دو قدِ آدم تصویریں آویزاں تھیں۔ ایک میں حضرت عیسیٰؑ کو مصلوب دکھایا گیا تھا اور دوسری تصویر حضرت مریمؑ کی تھی۔

شعاعی نے کہا:

"ہم لوگ یہاں عبادت کرتے اور نماز پڑھتے ہیں۔"

"مجھے معلوم ہے شعاعی۔" حاکم نے جواب دیا۔

شعاعی بڑی حیران ہوئی۔ اس نے پوچھا:

"کیا مسلمان بھی نماز پڑھتے ہیں؟"

"کیوں نہیں؟" حاکم نے کہا:

"عیسائی ہفتے میں صرف ایک بار نماز ادا کرتے ہیں اور ہم رات دن میں پانچ وقت نماز ادا کرتے ہیں۔"

حاکم نے شعاعی کو مزید سمجھاتے ہوئے کہا:

"تم شاید یہ سن کر حیران ہوگی کہ مسلمان مقدس مریمؑ اور حضرت عیسیٰؑ کو اسی طرح برگزیدہ سمجھتے ہیں جس طرح عیسائی۔"

اس کے باوجود اسلام اور عیسائیت میں ایک بڑا فرق ہے۔"

شعاعی خوش ہو کر بولی:

"یہ تو بہت اچھی بات بتائی آپ نے۔ ہم نماز پڑھتے ہیں اور آپ بھی نماز پڑھتے ہیں اور ہم سے زیادہ پڑھتے ہیں۔ حضرت مریمؑ اور روح القدس خداوند یسوع مسیحؑ کو بھی آپ مانتے ہیں پھر فرق کہاں رہا ہم میں اور آپ میں"

حاکم بات ٹالتے ہوئے بولا:

"یہ بات میں تمہیں کسی اور وقت تفصیل سے بتاؤں گا۔ ہاں شعاعی! مجھے تمہاری ایک بات اچھی نہیں لگی"

شعاعی گھبرا گئی:

"کونسی بات بری لگی؟ میں نے کیا کہا ہے آپ کو؟"

حاکم نے ہنس کر کہا:

"بس یہی "آپ جناب" اچھا نہیں لگتا۔ میں تم سے بے تکلفی سے باتیں کرنا چاہتا ہوں اور تم مجھے اس طرح مخاطب کرتی ہو جیسے ایک غلام اپنے آقا سے بولتا ہے۔"

شعاعی نے شرماتے ہوئے کہا:

"آپ فاتح قوم کے سردار ہیں۔ آپ فتح حاصل کرتے کرتے یہاں تک آپہنچے ہیں اور نہ جانے ابھی کہاں تک فتح کریں گے پھر میں آپ کی عزت کیوں نہ کروں"

"شعاعی!" حاکم نے جذبات سے پُر لہجے میں کہا:

"تم بھی تو فاتح ہو۔ کیا تم نے ایک سردار کا دل فتح نہیں کر لیا؟"

شعاعی نے اور زیادہ شرما کر نظریں نیچی کر لیں۔

ماہتاب بلند ہوتا جا رہا تھا۔ شعاعی اور حاکم گرجا کی سیڑھیوں پر آکر بیٹھ گئے۔ وہ دونوں خاموش ہو گئے۔ خنک چاندنی پورے میدان میں بکھری ہوئی تھی۔ سامنے برآمدے کے اندر وہ کمرہ اور اس میں جلتا ہوا چراغ نظر آ رہا تھا۔ حکیم پادری سے باتیں کر رہا تھا یا اسے باتوں میں الجھائے ہوئے تھا۔

حاکم نے کہا:

"شعاعی! جب میں گونگا تھا تو تم نے مجھ سے باتیں کرنے کی خواہش کی تھی۔ تم نے کہا تھا کہ تمہارے دل میں بہت سی باتیں ہیں جو تم مجھ سے کہنا چاہتی ہو اور ان کا جواب چاہتی ہو۔ اب تم کیوں خاموش ہو؟ بولتی کیوں نہیں؟ میں تمہارے دل کی باتیں سننا چاہتا ہوں۔ بتاؤ اس وقت تمہارے دل میں کیا تھا۔ تم کیا کہنا چاہتی تھیں؟"

حاکم کی گفتگو جذبات کے دھارے میں آہستہ آہستہ بے ربط سی ہوتی جا رہی تھی۔ حاکم کو شاید اس کا احساس ہو گیا۔ وہ اس خیال سے خاموش ہو گیا کہ کہیں اس کی زبان سے کوئی غلط بات نہ نکل جائے۔

شعاعی نے نظریں اٹھا کر بڑی محبت سے حاکم کو دیکھا اور کہا:

"حاکم! خاموش ہو گئے۔ تم بولتے رہو۔ باتیں کرتے رہو۔ یہ باتیں اتنی طویل ہو جائیں کہ انہیں سنتے سنتے میری رات گزر جائے۔ یہی وہ باتیں ہیں۔ وہ جواب ہے جسے میں تمہاری زبان سے سننا چاہتی تھی۔ میرے دل میں کیا تھا میں کیا کہنا چاہتی تھی وہ تو تم نے بغیر میرے کہے ہی سمجھ لیا۔ تم سمجھتے نہ تو جواب کیسے دیتے؟"

حاکم کی طرح شعاعی بھی جذبات کی رو میں بہنے لگی۔ اس کی گفتگو کا ربط بھی آہستہ آہستہ ٹوٹنے لگا۔ ایک کیف اور مدہوشی جیسے عالم میں اس کا سر حاکم کے شانے کی طرف جھک گیا۔ اسے سہارے کی ضرورت تھی اور وہ سہارا اس کے برابر بیٹھا تھا۔

حاکم نے شعاعی کا سر اپنے شانے پر جھکتا دیکھا تو آہستہ سے سر کو اپنے ہاتھ کا سہارا دے کر سیدھا کر دیا اور دھیرے سے بولا:

"شعاعی! ایک دل دوسرے دل کو پیغام دیتا ہے۔ اگر اسے اپنے پیغام کا جواب مل جائے تو دل پُرسکون ہو جاتا ہے۔ میں نے جو پیغام دیا اس کا جواب مجھے مل چکا ہے۔ اب چلو، واپس چلیں اور وقت کا انتظار کریں۔ خدا سے دعا کرو کہ میں اپنے فرض کی ادائیگی میں کامیاب ہو جاؤں۔ اگر میں کامیاب لوٹا تو یقین رکھو کہ تم میری شریکِ حیات بن کر میری باہوں میں جھولو گی۔ مسرت اور شادمانی کے نغمے گاؤ گی اور اگر میں فرض کی ادائیگی میں میدانِ جنگ میں لڑتے لڑتے شہید ہو گیا تو جنت میں پہنچ کر وہاں کے دریچوں سے تمہیں جھانکتا رہوں گا۔ تمہیں دیکھتا رہوں گا اور قیامت تک تمہارا انتظار کروں گا۔"

شعاعی کی آنکھیں بھر آئیں۔ اس نے نظریں اوپر کیں تو آنسوؤں کا بوجھ نازک پلکیں نہ اٹھا سکیں اور محبت برسنے لگی۔ حاکم نے شعاعی کا ہاتھ پکڑ کر اسے سیڑھیوں سے اٹھایا۔ پھر اس طرح ہاتھ کو تھپ تھپایا کہ شعاعی کے رگ و پے میں بجلیاں سی کوند گئیں۔

○

طارق بن زیاد نے مفتوحہ علاقوں کے لیے یہ طریقہ اختیار کیا تھا کہ جو قلعے اور شہر فتح ہوتے اس کا انتظام عام طور پر مقامی لوگوں کے سپرد کر دیتے اور احتیاط کے طور پر ایک مجلسِ مشاورت بناتے جس میں عیسائیوں اور یہودیوں کے نمائندوں کے ساتھ کچھ مسلمان بھی شامل ہوتے۔ یہودی ہمیشہ سے اپنی فطری بدطینتی اور خباثت کی وجہ سے حکومت کی نگاہوں

میں مشکوک رہتے تھے۔ ان پر کوئی حکومت اعتبار نہ کرتی۔ ہسپانوی معاشرے میں ان کی حالت [illegible] ان کے ساتھ انسانیت سے گرا ہوا سلوک کیا جاتا اور لوگ انہیں نفرت کی نظر سے دیکھتے تھے۔

مسلمان خود بھی یہودیوں کو پسند نہ کرتے تھے لیکن ہسپانیہ میں ان کی زبوں حالی دیکھ کر مسلمانوں کو رحم [illegible] ہوتا تھا اور ان کی کوشش تھی کہ ہسپانیہ کے عوام پر جو ظلم و ستم ہو رہے ہیں ان کے خاتمے کے ساتھ ساتھ یہودیوں کو بھی حکومت کے تشدد سے محفوظ رکھا جائے اور انہیں معاشرے میں باعزت مقام دلایا جائے تاکہ ملکی نظام میں وہ نصرانیوں کے دوش بدوش کام کر سکیں۔

قلعہ قرمونہ کے حاکم نے طارق کے سامنے غیر مشروط طور پر ہتھیار ڈالے تھے اس لیے طارق نے اسے سابقہ عہدے پر بحال رکھا اور ایک ایسی مجلسِ مشاورت ترتیب دی جس میں عیسائیوں، یہودیوں اور مسلمانوں کی [illegible] برابر برابر تھی۔ فوجی گورنر کی حیثیت سے ایک مسلمان کا تقرر کیا گیا۔ یہ تقرر فوجی نقطۂ نظر سے ضروری تھا تاکہ [illegible] انتظام تو حاکم اپنے مشیروں کی مدد سے کرے لیکن فوج مسلمانوں کے قبضے میں رہے۔

طارق نے فوجوں کو تیاری کا حکم دے دیا تھا۔ انہوں نے ای سی جا کی طرف کوچ کرنے میں اس لیے بھی جلدی [illegible] کہ ہسپانوی فوجیں تیزی سے اکٹھا ہو رہی تھیں اور ان کی تعداد بڑھتی جا رہی تھی۔

طارق نے چند سو سواروں کا ایک دستہ قرمونہ میں چھوڑا اور اپنے حلیف نواب جولین اور یہودی سردار [illegible] کو ساتھ لے کر ای سی جا کی طرف چلے۔

طارق کو راستے میں اطلاع مل گئی کہ قلعہ ای سی جا والے مسلمانوں کے ہراول دستے کو پریشان کر رہے ہیں۔ ان پر شب خون مارتے ہیں اور کبھی انہیں گھیرنے کی کوشش کرتے ہیں۔ طارق کے حکم پر حاکم ان سے مدافعتی جنگ میں مصروف تھا۔ اس کا مقصد قلعے والوں کو اس وقت تک الجھائے رکھنا تھا جب تک اسلامی لشکر وہاں نہیں پہنچ جاتا۔ ادھر دو چار دن سے حاکم پر قلعے والوں کا دباؤ کچھ زیادہ بڑھ گیا تھا۔ حاکم کا پڑاؤ ایسیجا کی سرحد کے قریب تھا۔ [illegible] کا خیال تھا کہ مسلمان ان پر حملہ کرنے کے بجائے ان کی سرحد کے ساتھ ساتھ آگے بڑھ جائیں گے۔ ان کے اس خیال [illegible] تھی کہ ایسیجا ایک مذہبی شہر ہے اور مسلمان مذہبی مقامات پر حملے سے عام طور پر گریز کرتے تھے۔ ان کے ذہنوں [illegible] اسی بات سے ظاہر ہو جاتا ہے۔ ایک طرف تو وہ مسلمانوں کو عیسائیت کا سخت دشمن سمجھتے تھے۔ دوسری طرف یہ سوچتے کہ مذہبی تقدس کی وجہ سے مسلمان ای سی جا پہ حملہ نہ کریں گے۔

ای سی جا والوں کو جب معلوم ہوا کہ مسلمان لشکر جو کہ دراصل ہراول دستہ تھا آگے بڑھنے کے بجائے سرحد پر [illegible] بیٹھا ہے تو انہوں نے چھیڑ چھاڑ شروع کر دی۔ وہ دو دو چار سو کی ٹولیوں میں قلعے سے باہر نکلتے اور مسلمانوں کے [illegible] کے اردگرد گھومتے رہتے یا گھات لگا کر بیٹھ جاتے۔ حاکم نے اپنے دستوں کو دور دور تک اس طرح پھیلا رکھا تھا کہ

صحیح تعداد کا کسی کو اندازہ نہ ہوتا تھا۔ اس لیے قلعے والوں کو خود بھی کھلے میدان میں مسلمانوں سے جنگ کرنے کی ہمت نہ پڑتی تھی۔ ہاں انہیں کوئی اکا دکا سوار نظر آ جاتا تو اسے گھیرنے کی کوشش کرتے۔ عام طور پر وہ سوار زیادہ پریشان کیے جاتے جن کے سپرد سامانِ خورد و نوش کی فراہمی تھی۔

حاکم اس صورتِ حال کا بڑی حکمت اور دور اندیشی سے مقابلہ کر رہا تھا۔ ایک بار اس پر شب خون مارا گیا مگر مسلمان ہر وقت چوکنا رہتے تھے اس لیے دشمن کو ذرا بھی کامیابی نہ ہوئی اور وہ دس بارہ لاشیں چھوڑ کر بھاگ نکلے۔ حاکم نے ایک احتیاط یہ بھی کی کہ وہ جس جگہ پڑاؤ ڈالے تھا اس سے چار میل پیچھے ہٹ آیا۔ اس سے مسلمانوں کا لشکر شب خون اور چھیڑ چھاڑ سے تو محفوظ ہو گیا لیکن حاکم کا خانقاہ جانا بند ہو گیا۔

حاکم دن رات میں گھڑی دو گھڑی کے لیے خانقاہ ضرور جایا کرتا تھا۔ جب وہ جاتا تو شعاعی اس کا پُرجوش استقبال کرتی اور سر آنکھوں پہ بٹھاتی لیکن اب یہ سلسلہ بند ہو گیا۔ نصرانیوں کو کسی طرح معلوم ہو گیا تھا کہ مسلمان اس خانقاہ میں اکثر آتے جاتے رہتے ہیں اس لیے انہوں نے خانقاہ کے چاروں طرف پہرہ لگا دیا تھا اور کسی کو اندر جانے کی اجازت نہ تھی۔

شعاعی کا باپ پتہ نہیں اس بات سے خوش تھا یا نہیں لیکن اس نے شعاعی کو تاکید کر دی کہ وہ اپنے کمرے سے باہر نہ نکلے تاکہ کسی کو یہ علم نہ ہو سکے کہ خانقاہ میں پادری کے علاوہ بھی کوئی اور رہتا ہے۔

اور پھر ایک دن ای سی جا کے مخبر سواروں نے دیکھا کہ گرد و غبار کا ایک طوفان سامنے سے اٹھ رہا ہے۔ پہلے تو انہیں خیال ہوا کہ شاید یہ کوئی بڑا نصرانی لشکر ہے جو ان کی مدد کو آیا ہے کیونکہ ای سی جا کو بچانے کے لیے چھوٹی بڑی فوجیں روز کسی نہ کسی جگہ سے آتی رہتی تھیں لیکن جب گرد کا دامن چاک ہوا تو انہیں برق رفتار گھوڑے نظر پڑے اور اسلامی پرچم ہوا میں لہراتا دکھائی دیا۔

اسلامی لشکر جس میں بربر قوم کی اکثریت تھی اکے سوار گھٹنوں سے نیچی قباؤں میں ملبوس تھے۔ چہرے داڑھیوں سے منور تھے اور پیشانیاں جوشِ جہاد سے دمک رہی تھیں۔

مخبروں کے حواس جاتے رہے۔ وہ تو اس ہراول دستے کو ہی اسلامی لشکر سمجھے بیٹھے تھے جو کئی میل کے دائرے میں اس طرح پھیلا ہوا تھا کہ دور سے ہر طرف خیمے ہی خیمے نظر آتے تھے۔ پورے لشکرِ اسلام کو دیکھ کر ان کی روح فنا ہو گئی۔

مخبروں نے آڑ میں کھڑے ہو کر لشکرِ اسلام کی تعداد کا اندازہ کرنا چاہا لیکن وہ اس میں کامیاب نہ ہو سکے۔ مسلم فوج چھوٹے چھوٹے دستوں میں ذرا ذرا سے وقفے سے نمودار ہو رہی تھی۔ ایک دستہ مع ساز و سامان کے ان کے سامنے سے گزرتا کچھ دیر خاموشی رہتی۔ پھر اس کے بعد دوسرا دستہ آتا دکھائی دیتا۔ یہ سلسلہ طویل سے طویل تر ہوتا گیا۔

پھر مخبروں نے دیکھا کہ اسلامی فوج بجائے آگے پیچھے سے آنے کے چاروں طرف سے امڈ پڑی ہے اور وہ ایسا تھا جیسے فوجیوں کا ایک جنگل ہے جو ہر طرف سے لہراتا ہوا ان کی طرف بڑھتا چلا آ رہا ہے۔ انہیں اپنے گھر جانے کا خیال ہو گیا اور وہ سر پہ پیر رکھ کر گھوڑے سرپٹ دوڑاتے قلعہ ای سی جا کی طرف بھاگ اٹھے۔

قلعے میں پہنچ کر مخبروں نے فوجی سرداروں کو اس لشکر کی آمد کی اطلاع دی۔ انہوں نے کچھ تو حقیقت سے کام لیا۔ مسلمانوں کے خطرے کے پیشِ نظر انہوں نے پہلے اپنا ایک سپہ سالار منتخب کیا۔ یہ سردار مدینہ شذونہ کی لڑائی میں شریک تھا۔

سپہ سالار نے تمام سرداروں اور قلعے کے گورنر کو مشورے کے لیے طلب کر لیا۔ اس مشورے میں ای سی جا کے اسقفِ اعظم (لارڈ پادری) کو بھی شریک کیا گیا۔

اس وقت تک قلعے میں ایک لشکر جمع ہو چکا تھا۔ اس کے پیشِ نظر اس نے قلعے سے باہر نکل کر جنگ کا فیصلہ کیا۔ اسقف نے قلعہ بند ہو کر لڑنے کا مشورہ دیا۔ بحث و مباحثے نے بہت طول کھینچا اور کوئی فیصلہ نہ ہو سکا۔ آخر طے ہوا کہ مسلمانوں کے لشکر کو قلعے کے سامنے آنے دیا جائے تاکہ ایک تو ان کی صحیح تعداد کا اندازہ ہو سکے اور دوسرا یہ معلوم ہو سکے کہ وہ اس مذہبی شہر کا کس قدر احترام کرتے ہیں۔ ان کا خیال تھا کہ شاید مسلمان لشکر ان پر حملہ کیے بغیر ہی آگے نکل جائے گا۔

شام ہوتے ہوتے قلعے کے باہر کی تمام آبادی قلعے میں آ گئی۔ سپہ سالار نے فصیلوں پر فوج لگا دی اور دوسرے انتظامات کر لیے۔ اسقف کے حکم پر لوگ گرجوں، کلیساؤں اور خانقاہوں میں خاص دعا کے واسطے اکٹھے ہوئے۔ لیکن گرجوں کے تقدس کو تو انہوں نے پہلے ہی پامال کر دیا تھا۔ تمام پاک مقاماتِ عبادت گاہوں کے بجائے طرب اور عشرت کدے بن چکے تھے۔ خانقاہیں خود ان کے افعال کی وجہ سے ناپاک ہو گئی تھیں۔ پھر ان کی دعائیں کیا اثر کرتیں۔ تمام رات خاص دعائیں اور خاص نمازیں پڑھی گئیں۔ گھنٹے اور گھنٹیوں کے شور سے کان پڑی آواز نہ سنائی دیتی تھی۔ اسقف نے ایک بار پھر راہبوں، راہبات اور کنواری لڑکیوں (جو صرف نام کی کنواری تھیں) کے سامنے مسلمانوں کے خلاف زہر اگلا۔ انہیں وحشی، درندہ صفت، لالچی اور پرلے درجے کا عیاش بنا کے پیش کیا۔ اس نے عورتوں کو کہا: تم ان وحشیوں کے ہاتھ لگ گئیں تو یہ تمہارے قیمتی کپڑے اتار لیں گے، تمہیں کھردرے فرش پر گھسیٹیں گے، بے عزت کرنے کے بعد قتل کر دیں گے۔

راہبائیں، ننیں اور لڑکیاں اپنے انجام سے کانپ اٹھیں۔ انہوں نے یک زبان فیصلہ کیا کہ اسقف کے حکم کی تعمیل کریں گی اور حسن بگاڑ کر، چہرے مسخ کر کے مسلمانوں کے سامنے جائیں گی۔

قلعہ ای سی جا میں رات بھر یہ ہنگامہ ہوتا رہا۔

جب رات ڈھلی۔ صبح قریب ہوئی تو اللہ اکبر کی فلک شگاف آواز صبح کے دھندلکے چیرتی ہوئی بلند ہوئی۔ اس آواز سے دشت و جبل تھرا اٹھے۔ قلعے کے نصرانیوں کے دل ہیبت سے کانپنے لگے۔ مسلمانوں نے نماز قلعے کے سامنے ادا کی اور صف آرائی شروع کر دی۔

اذان کی آواز سنتے ہی اسقف نے کلیساؤں کی گھنٹیاں زور زور سے بجانے کا حکم دیا لیکن اذان کی ہیبت، جلال اور گھنٹیوں کا بے ہنگم شور دو مختلف چیزیں ہیں۔ مسلمانوں پر اس کا کوئی اثر نہ ہوا۔ انہوں نے اس شور و غل کے درمیان ہی اطمینان سے نماز ادا کی اور پھر قلعے کے سامنے صف آرا ہو گئے۔

طارق بن زیاد نے اتمامِ حجت کے لیے چار آدمیوں کی مصالحتی جماعت سفید پرچم دے کر قلعے کی طرف بھیجی۔ حاکم ہراول دستے کی سرداری کی وجہ سے ہسپانوی زبان سے بڑی حد تک واقف ہو گیا تھا۔ اسے اس جماعت کی نیابت سونپی گئی۔ طارق نے اسے سمجھا دیا تھا کہ گفتگو بڑی نرمی سے کی جائے۔ کلیساؤں، امور بلند اور راہبات کی عزت اور حفاظت کا یقین دلایا جائے۔ اسے یہ بھی حکم دیا کہ جہاں تک ہو سکے جنگ کی باتوں سے گریز کیا جائے تاکہ قلعہ بغیر لڑے حاصل ہو جائے۔

مصالحتی مشن کے لیے ای سی جا کے قلعے کا دروازہ کھول دیا گیا۔ حاکم اپنے ساتھیوں کے ساتھ اندر پہنچا۔ اسے فوراً سپہ سالار کے روبرو پیش کیا گیا۔ سپہ سالار بڑی رعونت سے ایک زرنگار کرسی پہ بیٹھا تھا۔ اس نے سفارت کو زمین پہ بیٹھنے کا حکم دیا۔

سپہ سالار کے اس غرور اور توہین آمیز سلوک کو حاکم نے برداشت کر لیا اور بولا:

"نصرانی سپہ سالار کے حکم کی تعمیل میں ہمیں فرشِ خاک پہ بیٹھنے سے کوئی انکار نہیں لیکن اس طرح یہ ایک ریت پڑ جائے گی اور جب کوئی نصرانی وفد مسلمانوں کے پاس جائے گا تو اس کے ارکان کو بھی اسی طرح فرش پہ بیٹھنا پڑے گا۔ ہمیں اجازت دی جائے کہ ہم اپنا مقصد کھڑے کھڑے بیان کریں۔"

سپہ سالار کچھ شرمندہ سا ہو گیا۔ اس نے وفد کو زمین پہ بیٹھنے کے لیے مجبور نہ کیا اور کھڑے کھڑے مقصد بیان کرنے کو کہا۔

حاکم نے طارق بن زیاد کے احکامات کو ذہن میں ترتیب دیا اور کہا:

"اے سپہ سالار۔ ہمارے سالارِ اعلیٰ نے آپ کو پیغام دیا ہے کہ جنگ حصولِ مقصد کا آخری قدم ہے۔ مسلمان ہسپانیہ سے ظلم و ستم اور فتنہ و فساد کی جڑیں اکھاڑنے کے لیے آئے ہیں۔ اس نیک مقصد اور اعلیٰ کام میں آپ ہمارا ساتھ دیں۔ یہ نہیں تو ایک معمولی رقم دے کر ہمیں اپنا محافظ بنا لیجیے لیکن اگر آپ نے جنگ کی غلطی کی تو پھر آپ کا وہی حشر ہو گا جو شاہ راڈرک کا ہوا۔"

نصرانی سپہ سالار نے بڑی نخوت سے کہا:

"شاید تمہیں ہماری طاقت کا اندازہ نہیں ورنہ اس قسم کا پیغام لے کر تمہیں آنے کی جرأت نہ ہوتی۔ [illegible] اتنا لشکر موجود ہے جو تمہیں چیونٹیوں کی طرح پیس کر رکھ دے گا۔"

حاکم کو سپہ سالار کے اس غرور پر غصہ تو بہت آیا مگر وہ تحمل سے بولا:

"مجھے آپ سے بحث کرنے کی اجازت نہیں۔ پھر بھی میں یہ ضرور کہوں گا کہ مسلمان فوج کی کثرت پر ایمان نہیں رکھتے۔ یہ ضروری تو نہیں کہ ایک بڑا لشکر چھوٹے لشکر کو شکست دیدے۔ اگر ایسا ہوتا تو شہنشاہ کے ایک لاکھ جنگجو پہ شکست نہ کھاتا۔ ظاہر ہے کہ تمہارے پاس اس سے بڑا لشکر نہیں ہو سکتا۔"

"تم غلطی پر ہو مسلمان سفارت کار۔" سپہ سالار بڑے رعب سے بولا:

"شہنشاہ کی شکست کی اصل وجہ یہ ہے کہ بعض سرداروں نے انہیں جنگ کے دوران دھوکا دیا۔ علاوہ شاہی لشکر، شہنشاہ کے لیے لڑ رہا تھا لیکن اسی سی جا کا لشکر اپنے وطن کے لیے لڑے گا۔ یہ اپنے وطن کے لیے لڑے گا۔"

حاکم سمجھ گیا کہ سپہ سالار مصلحت کے لیے آمادہ نہیں۔ اس نے کہا:

"آپ کا جواب مسلم سپہ سالار کو پہنچا دیا جائے گا۔ ہمیں جانے کی اجازت دی جائے۔"

"تم جا سکتے ہو۔" وہ پر غرور لہجے میں بولا:

"اپنے سپہ سالار سے یہ بھی کہہ دینا کہ اگر اسے دنیا کے مال و دولت کی حاجت ہو تو وہ حسب خواہش دی جا سکتی ہے۔"

حاکم کی سفارت ناکام ہو گئی۔ وہ اپنے ساتھیوں کو لے کر قلعے سے نکلا اور اسلامی لشکر میں پہنچ کر سالار کا جواب طارق بن زیاد کو پہنچا دیا۔

طارق نے فوراً حملے کا حکم دیا۔ شہر کی فصیل زیادہ اونچی تھی۔ طارق بن زیاد کا خیال تھا کہ نصرانی زیادہ دیر تک زیادہ مدافعت نہ کر سکیں گے لیکن نصرانیوں نے اس قدر بے جگری اور شجاعت کا مظاہرہ کیا کہ اسلامی لشکر قلعے کی فصیل تک پہنچنے میں ناکام رہا۔

مسلمان بار بار حملہ کرتے اور فصیل تک پہنچنے کی کوشش کرتے مگر قلعے سے اس قدر شدید مدافعت ہوتی کہ مسلمانوں کو پیچھے ہٹنا پڑتا۔ یہ آنکھ مچولی دن بھر ہوتی رہی لیکن کوئی نتیجہ نہ نکلا۔ رات ہوئی تو محاذ پر سکون ہو گیا۔

رات بھر دونوں لشکر جاگتے رہے۔ دونوں طرف شب خون کا خطرہ تھا۔

دوسرے دن پھر حملہ شروع ہوا اور شام تک وہی ہوتا رہا جو کل ہوا تھا۔ مسلمان فصیل تک نہیں آ سکے۔ [illegible] ان پہ [illegible] دباؤ پڑتا اور انہیں پیچھے ہٹنا پڑتا۔ اس کا لازمی نتیجہ تھا کہ اسلامی لشکر میں سستی پیدا ہو گئی اور نصرانی لشکر کے حوصلے بڑھ گئے۔

طارق بن زیاد محاصرے کو طول دے کر وقت برباد نہیں کرنا چاہتے تھے۔ تین دن کے بعد انہوں نے اعلان کر دیا کہ کل قلعے پر جس طرح بھی ہو قبضہ کر لیا جائے۔ مسلمان رات بھر دعا مانگتے رہے اور فتح و نصرت کی دعائیں مانگتے رہے۔ دل سے نکلنے والی دعائیں تو عرش کو ہلا کر رکھ دیتی ہیں۔

اگلی صبح کو جیسے فتح و نصرت خود مسلمانوں کے قدم چومنے میدانِ جنگ میں آ گئی۔ مسلمان تو رات بھر بارگاہِ الٰہی میں سر بسجود رہے لیکن قلعہ اسی سی جا کے اندر کا نقشہ بالکل اس کے برعکس تھا۔ تین دن کی لڑائی کے بعد نصرانی اس غلط فہمی میں مبتلا ہو گئے کہ مسلمان کمزور ہو گئے اور وہ کسی وقت محاصرہ اٹھا کر وہاں سے چلے جائیں گے۔ اس مسئلے پر قلعے کے اندر بڑی گرما گرم بحث ہوئی۔ اسقف اور نصرانی سپہ سالار کا خیال تھا کہ مسلمانوں کی اس کمزوری سے فائدہ اٹھایا جائے اور انہیں بچ کر نہ جانے دیا جائے۔ اس کے لیے یہ ضروری تھا کہ قلعے سے باہر نکل کر انہیں گھیرا اور پریشان کیا جائے لیکن قلعے کا گورنر اس کا مخالف تھا۔ اس نے سپہ سالار سے مسلمانوں کے ساتھ کھلے میدان میں لڑنے کی مخالفت کی لیکن اس کی کچھ نہ چلی اور یہ طے پایا گیا کہ صبح کو قلعے کا دروازہ کھول کر مسلمانوں پر بھرپور حملہ کیا جائے تاکہ ان کی طاقت ہمیشہ کے لیے ختم ہو جائے۔

اس فیصلے کی خوشی میں رات کو قلعے میں ایک بڑا جشن منایا گیا۔ ساغر گردش میں آ گئے۔ عشرت کا بازار گرم ہو گیا۔ نصرانی سپاہی خانقاہوں اور کلیساؤں میں گھس گئے۔ عبادت گاہوں میں معصیت کی دیوی کا راج ہو گیا۔ فریب خوردہ لڑکیوں نے اپنی باہیں سپاہیوں کے لیے پھیلا دیں۔ تمام رات ہوس اور عشرت کے شادیانے بجتے رہے۔ تہذیب عریاں رقص کرتی رہی اور شیطان قہقہے لگاتا رہا۔

فجر کی اذان ہوتے ہی مسلمان قلعے کے سامنے جمع ہونے لگے۔ انہوں نے بڑے خضوع و خشوع کے ساتھ نماز ادا کی اور دعا مانگی۔ پھر تیار ہو کے صف بستہ ہوئے۔ طارق بن زیاد کا گھوڑا سب سے آگے تھا۔ ان کے دائیں بائیں نواب جولین اور مغیث الرومی تھے اور پشت پر حاکم بن منذر اپنے ہراول دستوں کے ساتھ موجود تھا۔ مسلمانوں میں اس وقت بڑا جوش و خروش تھا اور وہ آج ہر قیمت پر قلعے پر قبضہ کرنا چاہتے تھے۔

طارق بن زیاد نے اللہ اکبر کا فلک شگاف نعرہ بلند کیا۔ ان کے نعرے کے جواب میں پورے لشکرِ اسلام نے اس نعرے کو دہرایا۔

اسی وقت قلعے کے تمام کلیساؤں اور خانقاہوں کے گھنٹے بجنا شروع ہو گئے۔ طارق نے حیرت سے قلعے پر

نظر ڈالی اور پھر ان کی حیرت کی کوئی انتہا نہ رہی، جب انہوں نے دیکھا کہ قلعہ اسیجا کا دروازہ ایک دم کھل گیا اور نصرانی لشکر بڑی سرعت سے باہر نکل کر اپنی صف بندی میں مصروف ہو گیا۔

یہ منظر بڑا حیرت انگیز اور کسی حد تک خوفناک تھا۔ وہ نصرانی لشکر جو چار دن سے چوہوں کی طرح مدافعتی لڑائی لڑ رہا تھا، وہ اس وقت مسلمانوں کے سامنے سینہ تان کر کھڑا تھا۔

طارق بن زیاد نے کسی کو کچھ سوچنے سمجھنے کا موقع ہی نہ دیا اور انہوں نے عام حملے کا حکم دے کر اپنے گھوڑے کو ایڑ لگا دی۔

دونوں لشکروں میں حرکت پیدا ہو گئی اور وہ تیر برساتے اپنے مقابل کی طرف بڑھنے لگے۔ مجاہدین میں طارق بن زیاد کا گھوڑا سب سے آگے دوڑ رہا تھا۔

جنگ، شدید جنگ۔ ایسی خوفناک جنگ شروع ہوئی جس کی مثال ہسپانیہ کی تاریخ میں نہیں ملتی۔ طارق بن زیاد نے افریقہ میں کئی جنگیں لڑی تھیں۔ ہسپانیہ میں انہوں نے ہسپانوی شاہ راڈرک سے بھی جنگ کی تھی۔ یہ جنگ ان سب سے زیادہ عظیم اور خوفناک تھی۔ یوں معلوم ہوتا تھا جیسے دو لشکر نہیں بلکہ شیروں کے دو گروہ ہیں جو ایک دوسرے کو پھاڑے کھا رہے ہیں۔ زخمی کر رہے ہیں۔ زخمی ہو رہے ہیں۔ مار رہے ہیں اور مارے جا رہے ہیں۔ دونوں لشکر ایک دوسرے میں گتھ کر رہ گئے۔ الجھ کر رہ گئے۔ پیوست ہو گئے۔ ہر سپاہی اور ہر سردار اور ہر سوار اپنی جگہ کھڑا تھا۔ پتھر کی دیوار کی طرح وہ کٹ کٹ کر گر رہے تھے مگر ان کے قدم پیچھے نہ ہٹتے تھے۔

طارق حیران اور ان کے سردار پریشان تھے کہ نصرانیوں میں اتنی شجاعت اور بہادری کہاں سے آگئی۔ اب تک وہ میدان سے کیوں نہیں اکھڑتے۔ سروں کے ڈھیر لگ گئے۔ دھڑوں کے انبار ہو گئے۔ خون کی ندیاں بہہ گئیں۔ نصرانی اس قدر بے جگری سے لڑے کہ طارق کو بھی ان کی بہادری کی داد دینا پڑی۔

دراصل یہ نصرانیوں کی گزشتہ شکستوں کا ردعمل تھا۔ وہ اپنی جانوں سے بیزار تھے۔ انہوں نے آخری بازی لگا دی تھی اور "مارو یا مرو" کے اصول کے تحت لڑ رہے تھے۔

دوپہر تک مسلمانوں نے لاشوں کے پشتے لگا دیے اور نصرانیوں کا زور توڑ دیا۔ مسلمانوں نے ان کے آدھے سے زیادہ لشکر کو کاٹ کر رکھ دیا۔ آخر سہ پہر کے وقت نصرانیوں کو شکست ہو گئی۔ ان کا تقریباً پورا لشکر تباہ ہو گیا لیکن مسلمانوں کو بھی یہ فتح بڑی مہنگی پڑی۔ بے شمار مسلمان اس جنگ میں شہید ہوئے۔

تاریخ بتاتی ہے کہ طارق نے اس وقت تک جتنی لڑائیاں لڑی تھیں ان سب میں جتنے مسلمان شہید ہوئے تھے ان کی مجموعی تعداد سے کہیں زیادہ طارق کو صرف اسیجا کی اس جنگ میں مسلمانوں سے ہاتھ دھونا پڑے۔ دشمن تو تباہ ہو گیا مگر اس نے مسلمانوں کا بھی کافی نقصان کیا۔

قلعے پر قبضہ ہوتے ہی طارق بن زیاد نے عام معافی کا اعلان کرایا۔ انہوں نے حاکم بن منذر کو حکم دیا کہ کلیساؤں اور خانقاہوں میں خواتین کی عزت و تحفظ کا خاص طور سے اعلان کیا جائے اور انہیں اپنی جان ہلکان کرنے یا چہرے مسخ کرنے سے روکا جائے۔

مسلمان قلعے کے برجوں پر چڑھ گئے اور چیخ چیخ کر آوازیں دینے لگے:

"بوڑھوں، بچوں اور عورتوں کو امان دی جاتی ہے۔"

"جو ہتھیار ڈال دیں انہیں قتل نہیں کیا جائے گا۔"

"کلیساؤں کا احترام برقرار رہے گا۔"

"کسی پادری یا راہب یا راہبہ کو نہیں مارا جائے گا۔"

"عورتوں کی عزت کی حفاظت کی جائے گی۔"

مسلمان سپاہی چاروں طرف پھیل گئے اور امن و امان کا پیغام ہر جگہ پہنچانے لگے لیکن بدطینت پادریوں نے مسلمانوں کے خلاف اس قدر زہر اگلا تھا کہ حاکم کی تمام کوشش کے باوجود کئی سو عورتیں اپنی صورتیں بگاڑ بیٹھیں۔ طارق بن زیاد کے سامنے جب انہیں پیش کیا گیا تو انہیں دیکھ کر ان کی آنکھیں اشکبار ہو گئیں۔ کسی نے کان کاٹ لیے تھے تو کوئی ناک سے محروم تھی۔ کسی نے پیشانی زخمی کی تھی تو کسی کے رخسار لہولہان تھے۔ کئی عورتیں ایسی دکھائی دیں جن کے سینے زخمی تھے۔ انہوں نے اپنی چھاتیاں تراش ڈالی تھیں۔ حد یہ تھی کہ کچھ عورتوں نے جسم کے نازک حصوں کو بھی چھید ڈالا تھا۔

طارق بن زیاد نے ڈبڈبائی ہوئی آنکھوں سے آسمان کو دیکھا اور کہا:

"اے اللہ۔ تو سمیع و بصیر ہے، میں اور میرا لشکر بے گناہ ہیں۔"

یہ روح فرسا منظر ایسا نہ تھا کہ انسان اور انسانیت نہ روتی۔ خواتین کے نچے کھچے چہرے اور لہولہان بدن دیکھ کر ہر ایک آبدیدہ ہو گیا۔ ہر دل سے ٹھنڈی آہیں نکلیں۔ اس افسوس ناک واقعے کی وجہ سے مسلمانوں کو فتح کی وہ خوشی حاصل نہ ہوئی جو ہونا چاہیے تھی۔ ہر مسلمان کا چہرہ رنج و غم سے پژمردہ دکھائی دیتا تھا۔

قیدیوں کو طارق کے سامنے پیش کیا گیا۔ ان میں بڑے کلیسا کا لارڈ پادری بھی تھا۔ طارق کو بتایا گیا کہ لارڈ پادری ہی نے مسلمانوں کے خلاف سب سے زیادہ پراپیگنڈہ کیا تھا اور عورتوں کو چہرے بگاڑنے کے لیے اکسایا

تھا۔

طارق بن زیاد کا اسے دیکھ کر خون کھولنے لگا۔ ان کا ہاتھ فوراً شمشیر پر گیا لیکن انہوں نے فوراً خیال بدلا اور تحمل سے بولے:

"لارڈ پادری! کاش میں تمہیں قتل کر کے اپنے دل میں لگی ہوئی آگ ٹھنڈا کر سکتا۔ ان معصوم لوگوں کے مجرم تم ہو۔ ان کی صورتیں تم نے بگاڑی ہیں۔ تم نے انہیں فریب دیا ہے۔ تمہارا یہ ظلم تاریخ میں لکھا جائے گا!"

لارڈ پادری کا سر جھکا ہوا تھا۔ اس نے ذرا گردن اٹھائی اور کہا:

"فاتح سردار۔ میں مجرم ہوں۔ میں نفرت کے دھارے میں بہ گیا۔ ہسپانوی سپاہیوں نے مجھے نہیں... آپ مجھے سزا دیجیے تو جائز اور معاف کر دیں تو...."

طارق نے نفرت سے پادری کو دیکھا اور بولا:

"میں تمہیں سزا نہیں دے سکتا پادری! میرا آقا موسیٰ بن نصیر بھی تم پہ ہاتھ نہیں اٹھا سکتا۔ میں اسلام کا خادم ہوں۔ اسلام نہ عبادت گاہوں کو ڈھانے کی اجازت دیتا ہے اور نہ معبدوں اور پادریوں کی بے عزتی کی۔ جائیے میں نے آپ کو معاف کیا!"

لارڈ پادری سر جھکائے ہوئے چلا گیا۔

قلعہ ای سی جا پر اسلامی پرچم لہرایا گیا۔ شہیدوں کی لاشیں اکٹھا کر کے ان کی گنتی کی گئی۔ پھر احترام سے دفن کر دیا گیا۔

اب ہر جگہ سکون تھا۔ سناٹا تھا!

سورج کی آنکھیں دن بھر کی خونریزی دیکھ دیکھ کے تھک گئی تھیں اور اب وہ مغرب کی طرف تیزی سے جھکتا جا رہا تھا۔ اسی تیزی سے حاکم کا گھوڑا خانقاہ کی طرف بھاگ رہا تھا۔

وہ خانقاہ کے دروازے پر پہنچا۔ دروازہ پاٹوں پاٹ کھلا ہوا تھا اور شعاعی سفید ریشمی چغے میں تھی۔ اس کے سر پہ سفید ہی کپڑے کا ایک گول تاج سا رکھا تھا۔

شعاعی نے حاکم کو گھوڑے سے اترتے دیکھا تو دونوں ہاتھوں سے چہرہ چھپا لیا اور پھوٹ پھوٹ کر رونے لگی۔ حاکم کو کچھ تعجب اور اس سے زیادہ پریشانی ہوئی۔ اسے فوراً شعاعی کے باپ کا خیال آیا۔

حاکم نے اس کے قریب پہنچ کر پوچھا:

"شعاعی! تمہیں کیا ہوا۔ تمہارے پاپا کیسے ہیں؟"

شعاعی حاکم کے شانے سے لگ گئی اور بھرائی ہوئی آواز میں بولی:

"بابا ٹھیک ہیں حاکم لیکن ـــ" آواز اس کے حلق میں اٹک گئی۔

حاکم نے اسے تسلی دیتے ہوئے کہا:

"شعاعی گھبراؤ نہیں۔ اب تمہیں کسی بات کا فکر کرنے کی ضرورت نہیں۔ میں کامیاب ہو کر آیا ہوں۔ انتظار کی گھڑیاں ختم ہو گئیں۔ میں تمہیں اپنے سپہ سالار سے مانگوں گا۔ بابا سے درخواست کروں گا۔ پھر ہم.....ہم۔"

حاکم کے جذبات میں جو طوفان برپا تھا اس نے شعاعی کو اپنے سے الگ کیا اور اس کے دونوں شانوں پہ ہاتھ رکھتے ہوئے بولا:

"شعاعی! خدا کے لیے اب آنسو پونچھ ڈالو۔ میں تمہارے آنسو نہیں دیکھ سکتا۔"

"حاکم۔ یہ آنسو تو اب میری قسمت میری تقدیر ہیں۔"

شعاعی پھر رونے لگی:

"مجھے ان آنسوؤں کے ساتھ زندگی گزارنا ہے۔ حاکم میں مجبور تھی۔ مجھے معاف کر دو حاکم۔"

"کیا ہوا۔ کیا کہہ رہی ہو شعاعی!" حاکم گھبرا گیا۔

"میں تمہاری نہیں ہو سکی حاکم۔ مجھے معاف کر دو۔ مجھے بھول جاؤ۔" شعاعی پھر اس کے شانے سے لگ گئی اور بچوں کی طرح بلک بلک کر رونے لگی۔

"کیوں؟ کیوں؟" حاکم نے اسے جھنجھوڑ ڈالا۔

"حاکم!" شعاعی نے بتایا:

"میرے بابا ایک مذہبی آدمی ہیں۔ انہیں پسند نہیں کہ میں کسی مسلمان سے شادی کروں۔ وہ تمہیں پسند تو کرتے ہیں لیکن شادی کے لیے تیار نہیں۔ انہوں نے مجھے ہیریس کے ساتھ شادی کرنے کا حکم دیا اور میں انکار نہ کر سکی۔ میں ان کے حکم کی تعمیل پہ مجبور تھی حاکم! مجھے معاف کر دو۔ اپنے خدا کے واسطے مجھے معاف کر دو۔"

حاکم کو جیسے سکتہ ہو گیا۔

وہ خالی خالی نظروں سے شعاعی کو دیکھ رہا تھا۔ جب ذرا اس کا دل ٹھہرا تو اس نے مدھم آواز میں پوچھا:

"یہ ہیریس کون ہے؟"

"میرا خالہ زاد بھائی!" شعاعی نے کہا: "بابا کہتے ہیں وہ بچپن سے میرا منگیتر ہے۔ دو دن پہلے وہ نہ جانے

کہاں سے آگیا۔ بابا مجھے اس کے حوالے کر رہے ہیں۔ میں انہیں ناراض نہیں کر سکتی۔ باپ کی ناراضگی خداوند مسیح کی ناراضگی ہے۔ میں اپنی محبت فرض پر قربان کرنے کے لیے مجبور ہو گئی تھی۔"

حاکم نے ایک جھرجھری لی اور پھر ٹھہرے ٹھہرے لہجے میں بولا:

"شعاعی! مجھے خوشی ہے کہ تم نے فرض پہ محبت قربان کر دی۔ میں بھی تمہاری زم باہیں جھٹک کر ہی میں اپنا فرض ادا کرنے گیا تھا۔ فرض کی جیت ہونا ہی تھی۔ خوش رہو شعاعی! میں تمہارے لیے ہمیشہ دعا گو رہوں گا۔ بابا کو میرا سلام کہنا۔ اچھا۔ خدا حافظ شعاعی!"

حاکم تیزی سے گھوڑے کی طرف مڑا اور جست کر کے اس پر بیٹھ گیا۔

شعاعی کا دل بیٹھنے لگا۔

اسی وقت شعاعی کا باپ اور اس کا منگیتر دروازے کی طرف آتے ہوئے دکھائی دیے۔

پادری نے شعاعی کے پاس پہنچ کر پوچھا:

"کون آیا تھا بیٹی؟"

"حاکم" شعاعی کی زبان سے نکلا اور وہ چیخ مار کر باپ کے سینے سے چمٹ گئی۔

شعاعی اور ہیریس کی شادی اسی شب ہو گئی۔ طارق بن زیاد نے حاکم کو اسی جا کا گورنر مقرر کر کے وہیں قیام کا حکم دیا۔

○

حاکم گورنر ہو جانے کے باوجود ہر ہفتے پادری اور شعاعی سے ملنے آتا اور تھوڑی دیر گفتگو کرنے کے بعد واپس چلا جاتا۔ حاکم فاتح فوج کا گورنر تھا۔ با اختیار تھا لیکن اس نے کبھی شعاعی سے تنہائی میں بات کرنے کی کوشش نہیں کی۔ وہ اپنے دن شعاعی کے ساتھ گزارے ہوئے چند سنہری لمحات کے سہارے گزار رہا تھا۔

○

5

قرطبہ کا شہزادہ

○

بیچ دریا میں کوئی چیز بہتی ہوئی آ رہی تھی۔

الفانسو نے گھبرا کر دیکھا۔ ایک لمحے کو کچھ سوچا پھر دریا میں چھلانگ لگا دی۔ وہ بلا کا تیراک تھا تیزی سے تیرتا ہوا اس کے پاس پہنچ گیا۔

وہ ایک انسانی جسم تھا۔ زندہ یا مردہ۔ اس کا فیصلہ ابھی اس کے لیے مشکل تھا۔ الفانسو نے بہتے ہوئے جسم کو اپنی گرفت میں لینے کی کوشش کی۔ یہاں دریا کا موڑ تھا اور دھاروں میں تیزی آ گئی تھی۔ جسم تیزی سے الٹ پلٹ اور اوپر نیچے ہو رہا تھا اور الفانسو کی پکڑ میں نہیں آ رہا تھا۔ پھر اس کا ہاتھ بالوں سے الجھا۔ اس نے بال مضبوطی سے پکڑ لیے۔ لمبے لمبے سنہرے سنہرے بال۔

"یقیناً یہ کوئی عورت ہے۔" الفانسو نے سوچا۔

دریا کا تیز دھارا کاٹنے میں الفانسو کو ذرا دقت محسوس ہوئی لیکن تھوڑی سی کوشش کے بعد وہ اس خوبصورت جسم کو لے کر کنارے پر آ گیا۔

الفانسو نے آنکھیں بند کر کے اس کے سینے پہ ہاتھ رکھا۔ اس کا سینہ اور جسم کے دوسرے حصے تقریباً برہنہ تھے۔ کلائی کے پاس ڈوریاں کسی ہوئی تھیں جس سے اندازہ ہوتا تھا کہ کھلی آستینوں کی قمیض کو ڈوریوں سے باندھا گیا ہو گا۔ جسم کے نچلے حصے پہ صرف ریشمی زیر جامہ چپک کر رہ گیا تھا۔

الفانسو جوان تھا لیکن اسے اس کے سینے پہ ہاتھ رکھتے ہوئے جھجک محسوس ہو رہی تھی۔ وہ دل کی دھڑکن دیکھنا چاہتا تھا۔ سینے پہ ہاتھ رکھتے ہوئے اس نے آنکھیں بند کر لی تھیں۔

لڑکی کا دل دھڑک رہا تھا۔

الفانسو کا دل بھی خوشی سے دھڑکنے لگا۔ اسے یوں محسوس ہوا جیسے اس نے کوئی میدان مار لیا ہو۔ لیکن صرف دل کے دھڑکنے سے کیا ہوتا ہے۔ لڑکی کا پیٹ پانی سے پھولا ہوا تھا۔ الفانسو نے اس کا پیٹ دبا کر بہت سا پانی نکال دیا لیکن لڑکی کو ہوش نہ آسکا۔ وہ مُردوں کی طرح زمین پہ پڑی تھی۔

الفانسو نے پریشانی کے عالم میں مغرب کی طرف دیکھا۔ سورج کی آخری سنہری کرنیں دریا کے پانی پر رہی تھیں۔ اس کی سمجھ میں نہیں آرہا تھا کہ کیا کرے۔ اس کی بھیڑ بکریاں دور دور تک پھیلی ہوئی گھاس چر رہی تھیں۔ اس کی جھونپڑی یہاں سے پانچ میل دور تھی۔ سورج غروب ہو رہا تھا۔ اسے اپنے جانور اکٹھا کرکے انہیں رات ہونے سے پہلے پانچ میل جانا تھا اور زمین پہ پڑی نیم مردہ لڑکی انسانیت کا واسطہ دے رہی تھی۔ دور دور تک آبادی کا نام و نشان نہ تھا۔

آخر اسے کوئی نہ کوئی فیصلہ تو کرنا ہی تھا۔ وہ جانوروں کو لے کر جاتا تو لڑکی کے مرجانے کا خطرہ تھا۔ پھر اس نے ایک فیصلہ کیا اور اپنی مخصوص سیٹی بجائی۔ سیٹی ہوا کے دوش پر اڑتی ہوئی دور تک چلی گئی اور بے زبان جانور بھاگ کر الفانسو کے گرد اس طرح جمع ہونے لگے جیسے شہد کی مکھیاں اپنے چھتے پر جمع ہوتی ہیں۔ یہ جانور اس سے مانوس تھے۔ وہ چرواہا تھا۔ محض ایک چرواہا۔ جب سے اس نے ہوش سنبھالا تھا خود کو چرواہا ہی دیکھ رہا تھا۔

الفانسو نے لڑکی کو کندھے پر لاد لیا۔ آدھا جسم اس کی پشت پر اور آدھا اس کے سینے پر لٹک گیا۔ لانبے بال الفانسو کے گھٹنوں سے نیچے تک لٹک رہے تھے۔ اس کا ایک ہاتھ لڑکی کی پیٹھ کو سہارا دیے ہوئے تھا۔ وہ آگے آگے اور بھیڑ بکریاں اس کے پیچھے سعادت مند طالب علموں کی طرح چل رہی تھیں۔

لڑکی کے بوجھ سے اس کی رفتار نصف رہ گئی تھی۔ پانچ میل کا سفر اس کے لیے دس میل بن گیا۔ اس کا دماغ طرح طرح کے خیالات کی آماجگاہ بنا ہوا تھا۔

"یہ لڑکی کون ہے؟"

"ضرور کسی اعلیٰ گھرانے سے تعلق رکھتی ہے۔"

"ریشمی زیرِ جامہ پکار رہا ہے کہ اس کا تعلق کسی اونچے گھرانے سے ہے۔"

میدان کے درمیان باڑے کے بیچوں بیچ اس کی جھونپڑی تھی۔ اس جھونپڑی میں اس کے ساتھ ایک عورت رہتی تھی جس کی آنکھیں اپنے شوہر کے غم میں روتے روتے جاتی رہی تھیں۔ وہ الفانسو کی ماں تو نہیں تھی لیکن وہ اس کی ماں کی طرح عزت کرتا تھا۔

اس کی ماں کا انتقال پانچ سال پہلے ہوا تھا۔ الفانسو نے اپنے باپ کو نہیں دیکھا تھا۔ مرنے سے پہلے ماں نے اس کے باپ کی شکل و صورت کے بارے میں بتایا تھا۔ الفانسو نے اسے ذہن میں ترتیب دے کر ایک ہیولا تخلیق کر لیا تھا۔ اس کی ماں نے الفانسو پہ کچھ اور بھی انکشافات کیے تھے جنہوں نے اس کی قناعت پسندی کو جھنجھوڑ کر رکھ دیا تھا۔

ماں کے مرنے کے بعد وہ اس کی باتوں پر غور کرتا لیکن ہر بات غور و فکر سے آگے نہ بڑھتی اور وہ یہ سوچ کر رہ جاتا کہ وہ چرواہا ہے۔ صرف چرواہا اور جانور چرانا ہی اس کی قسمت میں لکھا گیا ہے۔

اس کی جھونپڑی یہاں سے پانچ میل دور تھی۔ بھیڑ بکریوں کے گلے میں پڑی ہوئی گھنٹیوں نے جھونپڑی کے اندر نابینا عورت کو الفانسو کی آمد کی اطلاع دے دی تھی۔ وہ ٹٹولتی ہوئی دروازے پہ آئی۔ جھونپڑی کا دروازہ بھی گھاس کی ایک ٹٹی کا بنا تھا۔ بڑھیا دن بھر اسے بند کیے الفانسو کی منتظر رہتی۔ دروازہ بند اس لیے کرتی تھی کہ اکثر گیدڑ گھومتے پھرتے آجاتے تھے اور مٹی کے برتن الٹتے رہتے تھے۔ یہ برتن اور ایک چوبی پیٹی ہی ان کی کل کائنات تھی۔

الفانسو نے باڑے کے اندر جانور بند کیے اور لڑکی کو اسی طرح کاندھے پہ لٹکائے جھونپڑی میں آیا۔ بوجھ اٹھائے ہوئے اس کا شانہ اور جسم دکھنے لگا تھا۔

جھونپڑی کے فرش پر ایک دری بچھی تھی۔ بڑھیا کو اس دری سے بڑی محبت تھی۔ وہ اسے اپنے شوہر کی نشانی کے طور پر سینے سے لگائے ہوئے تھی۔ دن بھر میں کئی کئی بار اسے جھاڑتی اور بچھاتی تھی۔

الفانسو نے آہستگی سے لڑکی فرش پر ڈال دیا۔ پھر بھی ایک آواز پیدا ہوئی۔ بڑھیا چونکی:

"کیا لائے ہو الفانسو؟"

الفانسو کا سانس پھول رہا تھا۔ اس نے سانس پہ قابو پانے کی کوشش کرتے ہوئے کہا:

"ایک لڑکی ہے ماں۔"

لڑکی کے نام پر بڑھیا اور حیران ہوئی۔ اس نے پوچھا:

"لڑکی تجھے کہاں سے ملی بیٹا، تو اسے زبردستی تو نہیں لایا؟"

الفانسو کی سانس اب تک قابو میں نہ آئی تھی۔ اس نے پانی سے بھری مٹی کی ہانڈی منہ سے لگالی۔ پانی پینے سے کچھ سکون ملا تو اس نے کہا:

"ماں پریشان نہ ہو۔ میں اسے بھگا کر نہیں لایا۔ یہ دریا میں بہتی جارہی تھی۔ میں نکال لایا۔"

ماں کی فکر دور نہ ہوئی۔ اس نے پوچھا:

"پر یہ بولتی کیوں نہیں۔ خاموش کیوں ہے؟"

"بے ہوش ہے۔ بولے کیسے؟"

الفانسو نے پتھر رگڑ کر شعلہ پیدا کیا اور تنکا جلا کر چراغ روشن کر دیا۔ پیلی پیلی روشنی جھونپڑی میں پھیل گئی۔ بڑھیا نے لڑکی کے جسم کا جائزہ لینا شروع کیا۔

بڑھیا نے اپنا رومال اس پر ڈال دیا۔ پھر اس نے لڑکی کے جسم پر اپنا متحرک ہاتھ روکے ہوئے الفانسو کو بتایا:

"یہ زندہ ہے۔"

"مجھے معلوم ہے۔" الفانسو نے تھکے ہوئے لہجے میں جواب دیا۔

"یہ جوان ہے الفانسو!" بڑھیا کا ہاتھ کسی اور جگہ جا کر رک گیا۔

"اس سے کیا فرق پڑتا ہے ماں۔" الفانسو کا انداز اکھڑا اکھڑا سا تھا۔

"یہ کسی رئیس کی لڑکی ہے۔" بڑھیا بولی۔

"کیا پتہ۔ ہوگی کوئی۔ ابھی تو یہ بے ہوش ہے۔ اس کو ہوش میں لاؤ ماں۔" الفانسو اکتا کر بولا۔

بڑھیا نے الفانسو کی بات سنی ان سنی کر دی۔ اس کا ہاتھ لڑکی کے جسم پر اس طرح متحرک تھا جیسے ہاتھ نہیں بلکہ آنکھیں ہیں جو لڑکی کے ہر عضو کا بغور مشاہدہ اور مطالعہ کر رہی تھیں۔

"یہ شہزادی ہے الفانسو۔" بڑھیا چیخ کر بولی۔

الفانسو گھبرا گیا۔ اس نے حیرت سے بڑھیا کو دیکھا:

"کیا کہہ رہی ہو ماں؟"

الفانسو کی نظریں بڑھیا کے چہرے سے پھسل کر اس جگہ آ کر ٹک گئیں جہاں اس کا ہاتھ رکھا تھا۔ لڑکی کی چھنگلیا میں ایک انگشتری چمک رہی تھی۔ ہیرے کی انگوٹھی۔ لڑکی کے ہاتھ پر آستین کے چیتھڑے لپٹے تھے شاید اسی وجہ سے وہ اس انگوٹھی کو پہلے نہ دیکھ سکا تھا۔

بڑھیا کی انگلیاں انگوٹھی کے ابھرے ہوئے نگینے پر گھوم رہی تھیں۔ الفانسو نے پوچھا:

"ماں۔ تم نے یہ کیسے کہا کہ یہ شہزادی ہے۔ اس طرح کی انگوٹھیاں تو بڑے گھرانوں کی تمام عورتیں پہنتی ہیں۔"

"نہیں بیٹا تجھے معلوم نہیں۔" بڑھیا نے جواب دیا:

"ہشت پہلو انگوٹھی ہمارے ملک میں صرف شہزادے اور شہزادیاں ہی پہن سکتی ہیں۔ کسی رئیس کو بھی پہننے کی اجازت نہیں ہے۔"

الفانسو سوچ میں پڑ گیا۔ اس نے شہزادی پہلے کبھی نہیں دیکھی تھی۔ سنا ضرور تھا کہ ہسپانیہ کا ایک

جو یہاں سے ہزاروں میل دور رہتا ہے۔ یہ بات بھی اس نے بگناش کے مکتب میں سنی تھی۔ بگناش، قرطبہ کا مشہور استاد تھا۔ اس نے اپنے گھر میں ایک درس گاہ کھول رکھی تھی۔ لوگ دور دور سے اس کی باتیں سننے آتے تھے۔ چھٹی کے دن وہ بگناش کے لیے بکری کا دودھ لے کر جاتا تھا

بگناش اس کا پرانا گاہک تھا۔ شروع شروع میں الفانسو کو اس کے یہاں چھ میل شمال میں دودھ پہنچانا بہت کھلتا تھا لیکن ایک اتوار کو جب اس نے اس دانشور کی باتیں سنیں تو اسے بڑی اچھی معلوم ہوئیں۔ اب تو وہ چھٹی کے دن وہاں پہنچ جاتا اور دن بھر اس کی باتیں دور بیٹھا سنتا رہتا۔

اس دوران بڑھیا لڑکھڑاتی ہوئی لکڑی کے بکس کے پاس گئی اور ایک بوتل نکال لائی۔ وہ بوتل الفانسو کی طرف بڑھاتے ہوئے بولی:

"لے الفانسو۔ اس میں سے ایک گھونٹ شہزادی کو پلا دے۔ ہوش آ جائے گا اسے۔"

بوتل میں شراب تھی۔ یہ بوتل اس کے پاس پچھلے بارہ چودہ سال سے رکھی تھی۔ اسے وہ دوا کے طور پر استعمال کرتی تھی۔ جب کسی کو تیز بخار یا نزلہ زکام ہوتا تو اس کے چند قطرے مریض کے حلق میں ڈال دیے جاتے۔ تیز برانڈی فوراً اپنا اثر کرتی۔ اب تو یہ دوا ہر مرض کے لیے اکسیر بن کر رہ گئی تھی۔

الفانسو نے لڑکی کے جبڑے کھول کر تھوڑی برانڈی زبردستی اس کے حلق میں انڈیل دی۔ لڑکی کو واقعی ہوش آ گیا۔ اس کے جسم میں حرکت ہوئی اور اس نے آہستہ آہستہ آنکھیں کھول دیں۔ اس کے چہرے کی پژمردگی، تازگی میں بدلنے لگی۔ الفانسو جھکا ہوا اس کا چہرہ غور سے دیکھ رہا تھا۔

لڑکی نے نحیف آواز میں پوچھا:

"میں کہاں ہوں۔ کیا میں زندہ ہوں؟"

"ہاں تم زندہ ہو۔" الفانسو نے جواب دیا۔ پھر ذرا ٹھہر کر پوچھا:

"کیا تم شہزادی ہو؟"

"نہیں۔" لڑکی اس کے سوا کچھ اور نہ کہہ سکی۔ اس کی طاقت نے جواب دے دیا اور اس کی آنکھیں بند ہونے لگیں۔

"تم نے سنا ماں!" الفانسو نے ضعیفہ کو مخاطب کیا:

"میں نہ کہتا تھا کہ یہ شہزادی نہیں ہے۔ اس طرح کی انگوٹھیاں سب ہی امیر گھرانے کی عورتیں پہنتی ہیں۔"

ضعیفہ نے کوئی جواب نہ دیا۔ شاید وہ سوچ رہی تھی کہ اس نے غلط اندازہ لگایا۔

لڑکی نے پھر آنکھیں کھولیں اور اٹھنے کی کوشش کی۔ الفانسو نے اسے سہارا دے کر بٹھا دیا۔ اس پر

پڑا ہوا رومال نیچے ڈھلک گیا۔ اس نے گھبرا کر فوراً اپنا جسم سکیڑنے اور چرانے کی کوشش کی۔ الفانسو نے اپنی چادر
اتار کر لڑکی کو دے دی۔

لڑکی نے وہ چادر اپنے پورے جسم کے گرد لپیٹ لی۔ پھر الفانسو سے پوچھا:

"میں یہاں کیسے آ گئی؟"

الفانسو نے جواب دیا،

"تم دریا میں ڈوب رہی تھیں۔ میں تمہیں پانی سے نکال کر یہاں لے آیا۔ میں چرواہا ہوں۔ اپنی ماں کے ساتھ اس
جھونپڑی میں رہتا ہوں اور کوئی سوال تو نہیں پوچھنا ہے"

"تمہارا نام کیا ہے؟" لڑکی نے اندازہ لگا لیا تھا کہ جوان چرواہا بڑے اکھڑ دماغ کا ہے لیکن اسے اخلاقاً
محسن کا نام پوچھنا پڑا۔

"الفانسو" اس نے رکھائی سے جواب دیا۔ پھر کچھ خیال آیا تو پوچھا:

"تم دریا میں کیسے گریں۔ کیا خودکشی کی کوشش کی تھی؟"

"نہیں۔ خودکشی بزدل کرتے ہیں"۔ لڑکی بڑے وقار سے بولی:

"مجھے تو صرف اتنا یاد ہے کہ میرا گھوڑا بدک کر بھاگا تھا۔ اس کے بعد مجھے نہیں معلوم کیا ہوا"۔

"ہوں" کہہ کر الفانسو ادھر ادھر دیکھنے لگا۔

"کیا دیکھ رہے ہو الفانسو؟" لڑکی نے پوچھا۔

"میں۔۔۔ میں دیکھ رہا ہوں کہ بیٹھوں گا کہاں؟" الفانسو نے گھبراتے ہوئے کہا۔

ماں اب تک خاموشی سے ان کی باتیں سن رہی تھی۔ اب اس سے نہ رہا گیا۔ اس نے کہا:

"الفانسو بیٹے۔ تجھے کیا ہو گیا ہے ابھی سے بیٹھنے کی فکر کرنے لگا۔ کھانا نہیں کھائے گا؟ لڑکی بھی بھوکی ہو گی
پتہ نہیں بچاری کب گری تھی۔ چوٹیں بھی آئی ہوں گی اسے۔ ذرا دیکھ کہاں کہاں چوٹ لگی ہے؟"

الفانسو بد دماغ نہ تھا مگر جھونپڑی میں لڑکی کی موجودگی نے اسے پریشان اور بدحواس سا کر دیا تھا۔ کوئی لڑکی
اب تک اس کے اتنے قریب نہ آئی تھی۔ وہ دراصل لڑکی سے راہِ فرار اختیار کر رہا تھا۔ ہمدردی کا وہ جذبہ جو اسے
دریا سے نکالتے وقت اس کے دل میں پیدا ہوا تھا، اس نے کوئی اور رخ اختیار کر لیا تھا۔ وہ چاہتا تھا کہ جہاں تک
ہو سکے وہ لڑکی سے کم سے کم گفتگو کرے کیونکہ اسے دیکھنے اور اس سے باتیں کرتے وقت وہ اپنے دل میں ایک
نامعلوم سا اضطراب محسوس کرتا تھا۔ ایک عجیب سا جذبہ یہ بات اس کے لیے بالکل نئی سی تھی۔

ماں نے اسے لقمہ دیا تو اسے ہوش آیا۔ اس نے سوچا "واقعی آج مجھے یہ کیا ہو گیا ہے۔ نہ خود کھایا نہ ماں کو

کچھ کھلایا۔ لڑکی سے بھی کچھ نہیں پوچھا۔ یہ بھی نہیں دیکھا کہ وہ زخمی تو نہیں ہے"۔

الفانسو جلدی سے اٹھا۔ دودھ گرم کیا۔ باسی روٹی نکالی۔ وہ ہفتے بھر کے لیے روٹی بازار سے لے آتا تھا۔ دودھ
اور روٹی ان کی واحد غذا تھی۔

پہلے اس نے ماں کو دودھ روٹی دی۔ پھر لڑکی کے سامنے یہی چیزیں رکھ کے بولا:

"لو دودھ پی لو۔ تم بھوکی ہو گی۔ کہاں کہاں چوٹ لگی ہے تمہیں؟"

"مجھے کیا پتہ کہاں چوٹ لگی ہے"۔ یہ کہتے ہوئے لڑکی نے جسم کے گرد لپٹی ہوئی چادر اتار دی:

"خود ہی دیکھ لو کہاں چوٹ لگی ہے"۔

"نہ نہ۔۔۔۔ چادر نہ اتارو" الفانسو گھبرا گیا:

"تمہیں شرم نہیں آتی"۔

اس کے کہنے پر لڑکی نے چادر اپنے جسم پر لپیٹ لی۔ الفانسو کے دل میں ایک خیال کوندے کی طرح لپکا جیسے
اس کے دل نے کہا ہو:

"یہ چادر نہ اوڑھتی تو اچھا تھا"۔

دس منٹ میں وہ کھانے سے فارغ ہو گئے۔ دودھ اور باسی روٹی ان دونوں کی روز کی غذا تھی لیکن لڑکی نے
یہ کس طرح کھائی۔ اس کا کچھ پتہ نہیں۔

"یہ جھونپڑی تمہیں کیسی لگتی ہے؟" الفانسو نے خواہ مخواہ سوال کیا۔ اب اس میں کچھ حوصلہ پیدا ہو گیا تھا اور
اس کا دل باتیں کرنے کو چاہ رہا تھا۔

"بہت اچھی ہے یہ جگہ"۔ لڑکی خوش ہو کر بولی:

"میرا دل چاہتا ہے میں زندگی بھر یہیں رہوں۔ تم لوگوں میں کتنا خلوص ہے، کیسی محبت ہے"۔

بادل گرجے۔ بجلی چمکی اور پھوار پڑنے لگی۔

ماں ان کی باتوں میں دخل دیتے ہوئے بولی:

"الفانسو۔ اس سے پوچھ یہ کون ہے۔ کہاں رہتی ہے۔ اس کے ماں باپ اسے ڈھونڈتے پھر رہے ہوں گے
اسے گھر چھوڑ آ"۔

"اس وقت ماں۔ باہر بارش ہو رہی ہے"۔ الفانسو نہ جانے کیوں نہیں چاہتا تھا کہ لڑکی اس وقت واپس
چلی جائے۔

ماں بگڑ کر بولی: "بارش میں جانے تجھے کیا ڈر لگتا ہے۔ دیکھ الفانسو! جس طرح تیرے آنے میں ذرا دیر ہو

جلتے تو میں پریشان ہو جاتی ہوں اسی طرح اس کے ماں باپ بھی پریشان ہوں گے۔"

الفانسو کا جذبۂ ہمدردی پھر عود کر آیا۔ وہ کھڑے ہوتے ہوئے بولا:

"چلو۔ میں تمہیں تمہارے گھر چھوڑ آؤں۔"

لڑکی نے الفانسو کو کچھ اس طرح دیکھا کہ اس کا دل بے چین ہو گیا۔ رگیں پھڑکنے لگیں۔

لڑکی نے کہا:

"نہیں۔ میں اس وقت نہیں جاؤں گی۔"

الفانسو کا دل خوشی سے جھوم اٹھا لیکن وہ یہ نہ سمجھ سکا کہ لڑکی کے چلے جانے یا یہاں رہنے سے اسے کیا فرق پڑے گا۔ لڑکی نے جانے سے انکار کیا تو وہ بھی چپ ہو گئی۔

پھٹی دری پر لڑکی لیٹی تھی۔ اس کے برابر ماں لیٹ گئی۔ الفانسو کھلے فرش پر لیٹنے کا عادی تھا۔ لڑکی نے تو دری پر ماں لیٹتی۔

تیز ہوا کے جھونکے جھونپڑی سے ٹکراتے اور جھونپڑی جیسے لرزنے لگتی۔ چراغ بھڑکنے لگتا۔ الفانسو لڑکی سے ذرا ہٹ کے اور اس کی طرف پیٹھ کر کے لیٹا ہوا تھا۔

ایک بار چراغ اتنی زور سے بھڑکا جیسے وہ بجھ جائے گا۔ الفانسو نے لڑکی کی طرف کروٹ لیتے ہوئے کہا:

"چراغ بجھ گیا تو تم ڈر گی تو نہیں؟"

"نہیں۔" لڑکی نے پیار سے کہا:

"تم جو میرے پاس ہو۔"

الفانسو نے پھر کروٹ لے لی لیکن اسے لڑکی کی یہ بات پسند آئی۔ اس کا دل چاہا کہ وہ یہ بات ایک بار اور کہے۔ اسے نیند نہیں آ رہی تھی۔ اب اس کا دل چاہا کہ لڑکی سے باتیں کرے مگر کیا؟ یہ اس کی سمجھ میں نہیں آ رہا تھا۔

پھر اسے گفتگو کا ایک بہانہ ہاتھ آ گیا۔ وہ لڑکی کی طرف گھوم کر بولا:

"تم نے میرا نام پوچھ لیا لیکن اپنا نام نہیں بتایا۔"

لڑکی کو پہلی بار الفانسو کے لہجے میں اپنائیت سی محسوس ہوئی۔ اس نے مسکرا کر کہا:

"شیبا۔"

الفانسو کو شیبا کی مسکراہٹ بڑی دلفریب محسوس ہوئی۔

"شیبا۔ بڑا پیارا نام ہے تمہارا۔" الفانسو نے جیسے سرگوشی کی۔ "تم بڑی اچھی لڑکی ہو۔" الفانسو کی

بے اختیاری طور پر نکل گیا۔

چراغ کی مدھم روشنی میں دونوں کی نظریں ملیں۔ شیبا کی مسکراتی نظریں اس کے دل میں ایک طوفان برپا کر رہی تھیں۔

شیبا نے پوچھا:

"میں تمہیں اچھی لگتی ہوں۔"

"کیوں نہیں۔ میں چرواہا ہوں مگر اچھے اور برے میں تمیز تو کر ہی سکتا ہوں۔" الفانسو نے بڑے فلسفیانہ انداز میں کہا۔

شیبا کو ایک جاہل چرواہے کی زبان سے یہ بات سن کر بڑا تعجب ہوا۔ اس نے الفانسو کو آزمانے کے لیے کہا:

"الفانسو۔ ہر چمکنے والی چیز سونا تو نہیں ہوتی۔ نظریں دھوکا بھی کھا سکتی ہیں۔"

"نہیں شیبا۔" الفانسو متانت سے بولا:

"سونے کی رنگت میں جو چمک دمک ہے وہ پیتل کو کہاں نصیب۔ سونے اور پیتل میں وہی فرق ہے جو تم میں اور مجھ میں۔"

شیبا دنگ رہ گئی۔ اسے یقین نہیں آ رہا تھا کہ الفانسو چرواہا ہے۔ شیبا، الفانسو کی احسان مند تھی۔ وہ چاہتی تھی کہ اپنی دل خوش کن باتوں سے اس احسان کے بوجھ میں کچھ کمی کر دے۔

الفانسو نے اسے محسوس کر لیا تھا اور بڑے خوبصورت الفاظ میں شیبا کو یہ سمجھایا تھا کہ شیبا، شیبا ہے۔ اور الفانسو، الفانسو۔ سونا اور پیتل ایک ساتھ نہیں رہ سکتے۔ نگاہِ بینا پیتل اور سونے میں تمیز کرنے کی اہلیت رکھتی ہے۔ اس طرح اس نے اپنے اور شیبا کے درمیان فاصلے بڑھا لیے تھے تاکہ نہ تو خود کسی غلط فہمی کا شکار ہو اور نہ شیبا اسے سمجھنے میں کوئی غلطی کرے۔

بجلی چمکی۔ پھر زور زور سے بادل گرجنے لگے۔ شیبا میں کچھ بے چینی پیدا ہوئی۔ الفانسو نے ہنس کر کہا:

"ڈر لگ رہا ہے تمہیں؟"

"نہیں الفانسو۔" شیبا نے خمار آلود لہجے میں کہا:

"ایسے موسم میں ڈر کا احساس نہیں ہوتا مگر فرض کرو اگر مجھے ڈر لگ رہا ہے تو تم کیا کرو گے؟"

الفانسو کو کوئی جواب نہ سوجھا۔ اس نے یونہی بات بڑھانے کے لیے پوچھا:

"تم کہاں رہتی ہو؟"

"قلعہ قرطبہ میں" شیبا نے مسکرا کر جواب دیا۔

قلعہ کے لفظ سے الفانسو کو ایک جھٹکا سا لگا۔ وہ خود پر قابو پاتے ہوئے بولا:

"قلعے میں تو پورا شہر آباد ہے۔ تم کس جگہ رہتی ہو؟"

شیبا سوچ میں پڑ گئی۔ وہ اپنی شخصیت سے اس وقت پردہ اٹھانا نہیں چاہتی تھی۔ اسے خوف
اس نے یہ بتایا کہ وہ کہاں رہتی ہے اور کون ہے تو الفانسو کے خلوص کا یہ جذبہ کسی اور جذبے میں
جائے گا۔ لالچ، خوف یا احساس کمتری اس پر غالب آ سکتی تھی۔

الفانسو نے اسے خاموش دیکھا تو کہا:

"شیبا! میں جانتا ہوں کہ تم کسی رئیس کی لڑکی ہو۔ اس انگوٹھی کی مالک اور گھوڑے پر سواری کرنے
کوئی رئیس زادی ہی ہو سکتی ہے۔ پھر بھی اگر تم یہ سوچ رہی ہو کہ میں اپنے اس سلوک کا معاوضہ طلب کروں
غلط ہے۔ جو کچھ میں نے کیا وہ ایک انسانی فرض ہے۔"

"میں اتنی تنگ نظر نہیں ہوں الفانسو۔" شیبا جز بز ہو کر بولی:

"تم نے مجھے نئی زندگی دی ہے۔ احسان کیا ہے۔ احسان کا بدلہ روپے سے نہیں دیا جا سکتا۔ سنو
میں حاکمِ قرطبہ کی بیٹی ہوں۔"

"شیبا۔۔۔۔ حاکمِ قرطبہ۔۔۔۔۔ تم حاکمِ قرطبہ کی لڑکی ہو۔" الفانسو کو جیسے بچھو نے ڈنک مار دیا
کھڑا ہو گیا اور بولا:

"شیبا اٹھو۔ میں ابھی تمہیں قلعے پہنچاؤں گا۔"

الفانسو کا لہجہ ایک دم تلخ اور جارحانہ ہو گیا۔

شیبا سمجھی کہ الفانسو حاکمِ قرطبہ کا نام سن کر خوفزدہ ہو گیا ہے اور بازپرس سے اپنا دامن بچانا چاہتا ہے
اسے تسلی دیتے ہوئے بولی:

"الفانسو گھبراؤ نہیں۔ تمہیں کوئی کچھ نہیں کہے گا۔ میرے لیے جھونپڑی اور محل برابر ہیں۔"

"نہیں شیبا۔ اب تم یہاں نہیں رہ سکتیں۔" الفانسو اس قدر چیخ کر بولا کہ بوڑھی ماں کی آنکھ کھل گئی۔

ماں ہڑبڑا کر اٹھ بیٹھی۔ اس نے پوچھا:

"کیا ہوا الفانسو! اس قدر زور سے کیوں بول رہا ہے۔"

الفانسو کی حالت واقعی غیر ہو رہی تھی۔ اس کی آنکھوں میں ایک قسم کی وحشیانہ چمک پیدا ہو گئی تھی۔
ماں کو کوئی جواب نہیں دیا۔

شیبا نے ماں سے کہا:

"ماں۔ الفانسو مجھے ابھی گھر پہنچانے کے لیے کہہ رہا ہے۔ میں ابھی جانا نہیں چاہتی۔"

ماں نے کہا:

"الفانسو! تو آج کیسی بہکی بہکی باتیں کر رہا ہے۔ بادل گرج رہے ہیں۔ بجلی چمک رہی ہے۔ یہ وقت باہر
نکلنے کا ہے۔ اس بے چاری نے تیرا کیا بگاڑا ہے پہلے تو تُو اس کی جان بچا کے لایا۔ اب اس آندھی طوفان
میں لے جا کر اسے مارنا چاہتا ہے۔"

ماں ٹھیک کہہ رہی تھی۔ باہر طوفان کا عالم تھا لیکن الفانسو کے دل میں اس وقت جو طوفان اٹھ رہا تھا وہ
ماں کو کیسے دکھاتا۔ کیسے بتاتا؟ یہ طوفان تھا نفرت، بغاوت اور انتقام کا۔ اسے حاکمِ قرطبہ سے نفرت تھی۔
وہ اس کا نام تک سننا پسند نہیں کرتا تھا اور شیبا اسی حاکم، اسی گورنر کی بیٹی تھی۔ کاش اسے یہ بات پہلے معلوم
ہو جاتی۔۔۔ لیکن اس میں شیبا کی کیا خطا تھی۔ اس کا کیا قصور تھا۔ اگر حاکمِ قرطبہ نے الفانسو کے ساتھ کوئی
زیادتی کی تھی تو شیبا مجرم کیسے ہوئی؟

الفانسو کے جذبات میں کچھ سکون پیدا ہوا تو اس نے کہا:

"ماں۔ تو سو جا۔ شیبا تم بھی سو جاؤ۔ صبح چلیں گے قرطبہ۔"

شیبا کو اس تغیر پر سخت پریشانی تھی لیکن اس سلسلے میں اس وقت الفانسو سے گفتگو کرنا کسی طرح
مناسب نہ تھا۔ وہ کروٹ لے کر لیٹ گئی اور رنجانے پھر کب سو گئی۔

الفانسو کے تصور میں اپنی مردہ ماں کی تصویر بار بار ابھرتی۔
سارا عالم سو رہا تھا لیکن الفانسو کی آنکھوں سے نیند کوسوں دور تھی۔ جب سے اسے علم ہوا تھا کہ شیبا
گورنر قرطبہ کی بیٹی ہے اس کے تن بدن میں آگ لگی ہوئی تھی۔ یہ آگ دم بدم بڑھتی رہی پھر اتنی بڑھی کہ اس کا
جی چاہا کہ سوتی ہوئی شیبا کا گلا دبا دے۔ حاکمِ قرطبہ سے انتقام لینے کا یہ بہترین موقع تھا۔
اس نے انتقامی جذبات سے بے قابو ہو کر شیبا کی طرف ہاتھ بڑھایا۔ ایک ہلکا سا جھٹکا شیبا کو ہمیشہ کے
لیے اس کے باپ سے جدا کر سکتا تھا لیکن اس کی ہمت جواب دے گئی۔ شاید اس کا ضمیر بیدار ہو گیا تھا۔ اس
نے سر جھٹک کر خیالات سے چھٹکارا پانے کی کوشش کی لیکن کامیاب نہ ہو سکا۔

الفانسو نے دیکھا کہ اس کی ماں اس کے سامنے کھڑی ہے۔ اس نے چاہا کہ دوڑ کے ماں سے لپٹ جائے لیکن ماں پیچھے ہٹ گئی۔ پھر یوں محسوس ہوا جیسے اس کی ماں کے ہونٹ ہل رہے ہوں اور وہ الفانسو سے کچھ کہہ رہی ہے۔

الفانسو کے بڑھتے ہوئے قدم رک گئے۔ پھر ماں کے ہیولے نے کہا:

"الفانسو! ذرا اور صبر کر۔ انتقام کا وقت آ پہنچا۔ استقلال سے کام لے۔ شیبا تیرے دشمن کی بیٹی ہے لیکن اس میں اس کی کیا خطا۔ قاتل تو اس کا باپ ہے۔ تجھے اس کے باپ سے انتقام لینا ہے۔ خبردار، اس معصوم لڑکی کا دل نہ دکھانا۔"

ماں کا ہیولا اس کی نظروں سے غائب ہو گیا۔

پھر اس نے دیکھا کہ قلعہ قرطبہ آگ کی لپیٹ میں ہے۔ محلسرا کو باغیوں نے گھیر لیا ہے۔ الفانسو کی ماں بچے کو سینے سے چمٹائے ایک کمرے سے دوسرے کمرے میں بھاگ رہی ہے۔ یہ ڈرا اور سہما ہوا بچہ خود الفانسو تھا۔ اس کی ماں نے مرنے سے پہلے اسے یہی بتایا تھا۔ پھر اس نے اپنی ماں کو محلسرا سے نکل کر فصیل کی طرف بھاگتے دیکھا۔ بچہ اس کی گود میں تھا۔ اس کا باپ تنہا باغیوں سے مقابلہ کر رہا تھا۔ یہ باغی غیر نہ تھے بلکہ اس کے دشمن بھائی کے بھیجے ہوئے آدمی تھے۔ ایک اکیلا اتنے آدمیوں کا کب تک مقابلہ کرتا۔ اس کے جسم پر زخم بڑھتے گئے یہاں تک کہ وہ بے دم ہو کر گر گیا۔ دشمنوں نے اس کے ٹکڑے کر دیے لیکن الفانسو اپنی ماں کے سینے سے چمٹا ہوا فصیل تک پہنچ گیا۔

اس طرف دریا فصیل کے قریب سے گزرتا تھا۔ بارش کے موسم میں دریا میں سیلاب آتا تو فصیل ٹوٹ جاتی اور دریا کا پانی اندر داخل ہو جاتا۔ پھر پانی اتر جانے پر فصیل کی مرمت شروع ہوتی اور ٹوٹی ہوئی فصیل از سر نو ہو کر تیار ہو جاتی۔ فصیل اور سیلاب میں ہر سال یہ کشمکش ہوتی۔ دریا ہر موسم برسات میں فصیل کو منہدم کر دیتا پھر اس کی تعمیر نو شروع ہوتی۔

الفانسو اور اس کی ماں کے قلعے سے بچ نکلنے میں سیلاب اور فصیل کی اس لڑائی نے مدد کی۔ دریا میں سیلاب آ چکا تھا اور فصیل ٹوٹ چکی تھی۔ اس وقت فصیل کی مرمت ہو رہی تھی۔

الفانسو کی ماں اسے لے کر قلعے سے نکل بھاگی۔ قلعے سے نکل کر وہ دریا کے ساتھ ساتھ رات بھر بھاگتی رہی۔ صبح ہوئی تو اس نے ایک چرواہے کی جھونپڑی میں پناہ لی۔

الفانسو کی ماں قلعے سے نکلتے وقت اپنی تمام شاہی نشانیاں محل میں چھوڑ آئی تھی تاکہ اگر وہ قسمت سے بچ جائے تو کوئی اسے پہچان نہ سکے۔

ان دنوں ہسپانیہ میں شہنشاہیت تھی۔ دارالخلافہ طلیطلہ تھا۔ طلیطلہ کا بادشاہ، شہنشاہ کہلاتا تھا اور تمام ہسپانیہ اس کے زیر نگیں تھا لیکن ہر صوبے اور ہر علاقے میں خود مختار بادشاہ ہوتے تھے جن کا مرکزی شہنشاہیت سے برائے نام تعلق ہوتا تھا۔ ہر ایک اپنے مقام پر آزاد اور اپنی من مانی کرتا تھا۔ شہنشاہ کو ان کے اندرونی معاملات میں دخل دینے کا اختیار نہ تھا۔ تمام علاقوں کے گورنر "حاکم" کہلاتے تھے لیکن حقیقت میں وہ بادشاہ تھے۔

قلعہ قرطبہ کی محلسرا میں جس وقت آگ لگی اس وقت قلعہ قرطبہ کا گورنر یا حاکم الفانسو کا باپ تھا لیکن الفانسو کا چچا اس کا سخت مخالف تھا۔ اس نے آہستہ آہستہ طاقت حاصل کی اور امیروں وزیروں کو ملا کر حاکم قرطبہ کے قتل کا منصوبہ بنایا۔ قتل کے لیے اس نے آگ کا ہتھیار استعمال کیا۔ حرم سرا میں آگ لگائی گئی۔ حاکم قرطبہ باہر نکل آیا۔ وہاں دشمن کے آدمی پہلے ہی موجود تھے۔ انہوں نے حاکم قرطبہ کو گھیر لیا۔ حاکم قلعہ ایک شجاع جوان تھا۔ اس نے دشمنوں کا دیر تک مقابلہ کیا۔ وہ تو مارا گیا لیکن ان لمحات سے فائدہ اٹھا کر اس کی بیوی شہزادے الفانسو کو لے کر نکل گئی۔

الفانسو نے دس برس اپنی جھونپڑی میں پرورش پائی۔ ماں کے مرنے تک اسے یہی معلوم تھا کہ اس کا باپ چرواہا تھا اور جن کے ساتھ وہ رہ رہا ہے وہ اس کے چچا اور چچی ہیں۔ اس کی بقیہ زندگی بھی شاید اسی طرح گزر جاتی لیکن اس کی ماں نے مرتے وقت اس پر تمام واقعات کا انکشاف کیا۔ اس نے الفانسو کو ہدایت کی کہ وہ وقت کا انتظار کرے اور اس وقت تک اپنی شخصیت ظاہر نہ کرے جب تک اسے پوری طاقت حاصل نہ ہو جائے۔

پچھلے پانچ سال سے وہ ماں کی ہدایت پر عمل کر رہا تھا۔ پہلے اس کی ماں مری۔ پھر منہ بولا چچا بھی چل بسا۔ اب بوڑھی چچی جسے ماں کہتا تھا، اس جھونپڑی میں صبر و قناعت کے ساتھ اپنے دن کاٹ رہا تھا۔

قلعہ قرطبہ میں جس رات یہ حادثہ پیش آیا۔ اس کی صبح کو حرم سرا کے دروازے پر الفانسو کے باپ کی لاش ملی۔ لاش جل کر خاکستر ہو گئی تھی۔ حرم سرا کی چھتیں اور دیواریں زمیں بوس ہو گئی تھیں۔ اس سے یہ اندازہ لگایا گیا کہ ملکہ اور شہزادہ الفانسو بھی جل مرے ہیں۔

یہ تاثر الفانسو کے چچا نے ایک سوچی سمجھی سازش کے تحت دیا تھا۔ قلعے پر اس کا قبضہ ہو گیا اور طلیطلہ کی مرکزی حکومت نے اسے باقاعدہ طور پر قلعے کا حاکم تسلیم کر لیا۔ اس وقت سے اب تک قرطبہ پر الفانسو کے چچا کا قبضہ تھا۔ شیبا اسی کی بیٹی تھی۔

الفانسو نے وہ رات بڑے کرب میں گزاری۔

اس کا ہاتھ بار بار شیبا کا گلا دبانے کو بڑھتا لیکن رک جاتا۔ یہ شیبا کی موہنی صورت تھی

اندر دبی ہوئی انسانیت کہ وہ باپ کے خون کا بدلہ شیبا سے نہ اور اس نے کروٹیں بدل بدل کے

گزار دی۔

شیبا کہنے کو تو شہزادی تھی لیکن محل میں اسے کوئی اختیار نہ تھا۔ اس کی ماں مر چکی تھی اور سوتیلی ماں

کیے ہوئے تھی۔ شیبا کا باپ بوڑھا تھا اور نئی ملکہ جوان بلکہ ایک نوجوان عورت تھی۔ وہ شیبا سے صرف

بڑی تھی۔ اسے رنگ رلیوں ہی سے فرصت نہ تھی کہ شیبا پر توجہ دیتی۔ سوتیلے رشتے نے اسے شیبا کی

لاپروا کر دیا تھا۔ ملکہ نے محل کی رنگین فضا میں اپنے ساتھ شیبا کو بھی رنگنا چاہا مگر شیبا پر اس کا رنگ

اس طرح شیبا روز بروز تنہا ہوتی چلی گئی۔

شیبا نے علوم و فنون کی وادی میں پناہ حاصل کی۔ اس وقت وہ قرطبہ کی انتہائی ذہین عورتوں

کی جاتی تھی۔ علم کے علاوہ شیبا نے سپہ گری کے میدان میں بھی کافی مہارت حاصل کی تھی۔ وہ ایک

شہ سوار بھی تھی۔

شیبا صبح و شام گھوڑے پر سوار ہو کر سیر کو جاتی تھی۔

ایک دن وہ صبح سیر کرنے گئی تو رات تک واپس نہ آئی۔ ملکہ اور حاکم قرطبہ کو اس کی گمشدگی کی

ملی جب محل میں سجی ہوئی محفلِ نشاط بہت رات گزرنے کے بعد برخاست ہوئی۔ شیبا کے باپ کو

ہوئی۔ اس نے چند سوار اس کی تلاش میں دوڑائے لیکن رات کو کیا پتہ لگتا۔

ملکہ نے حاکم کو یہ کہہ کر مطمئن کر دیا کہ شہزادی کوئی بچی نہیں۔ کہیں ٹھہر گئی ہوگی۔ صبح تک واپس

بات صبح پر ٹل گئی۔

صبح ہوئی تو پھر سوار ہر طرف دوڑائے گئے۔ حاکم قرطبہ کو یہ خیال بار بار پریشان کر رہا تھا کہ کہیں

مسلمان سپاہیوں کے ہاتھ نہ پڑ گئی ہو۔ اسے جاسوسوں نے خبر دی تھی کہ مسلمانوں نے ای سی جا پر قبضہ کر

ممکن ہے کہ وہ اب قرطبہ کا رخ کر لیں۔ حاکم نے قرطبہ میں فوجی تیاریاں شروع کر دی تھیں اور وہ مسلمانوں

کے لیے پوری طرح تیار تھا۔

دوپہر کے وقت حاکم قرطبہ کو شہزادی کے واپس آنے کی اطلاع ملی۔ حاکم قرطبہ اس وقت اپنے

ساتھ صلاح مشورے میں مصروف تھا۔ خبر پاتے ہی وہ سرداروں کے ساتھ کمرے سے باہر نکل آیا۔ شیبا

کے سامنے آئی۔

ایک چادر میں لپٹی ہوئی تھی۔ یہ چادر اسے الفانسو نے دی تھی۔ الفانسو خود بھی اس کے ساتھ تھا۔ باپ

شیبا کو گلے لگا لیا۔ اس نے پوچھا:

"شیبا تم کہاں رہ گئی تھیں۔ ہم لوگ رات بھر بہت پریشان رہے۔"

شیبا کے آنسو چھلک آئے اس نے کہا:

"ابا میں تو موت کے منہ میں چلی گئی تھی۔"

پھر الفانسو کی طرف اشارہ کرتے ہوئے بولی:

"ایک جوان نہ ہوتا تو آپ آج مجھے یہاں نہ دیکھتے۔"

سب کی نظریں الفانسو کی طرف اٹھ گئیں۔

حاکم قرطبہ نے کہا:

"تم پہ کیا گزری بیٹی۔ تمہارے کپڑے کہاں ہیں اور یہ میلی غلیظ چادر....."

شیبا نے کہا:

"ابا، میرا گھوڑا بھڑک کر دریا میں گر گیا۔ پھر پتہ نہیں کیا ہوا۔ میری آنکھ کھلی تو میں اس جوان کی جھونپڑی

میں تھی۔ اس نے مجھے دریا سے نکالا تھا۔"

شیبا کی سوتیلی ماں اس کی واپسی کی اطلاع پا کر وہاں آ گئی۔ وہ بڑی بے تابی سے شیبا سے لپٹ گئی۔ شیبا

کو محض دکھاوا اور مکاری ہے۔

ملکہ نے رونے کی اداکاری کرتے ہوئے پوچھا:

"شیبا، تم رات بھر کہاں رہیں؟ ہم لوگوں نے اس پریشانی میں کھانا بھی نہیں کھایا۔" یہ سفید جھوٹ تھا۔ ملکہ

نے محل عیش و نشاط میں شراب و کباب سے محظوظ ہوتی رہی تھی۔

شیبا نے جل کر کہا:

"مجھے افسوس ہے ممی کہ آپ میرے غم میں رات کو کھانا نہ کھا سکیں لیکن میں نے تو رات اس غریب چرواہے

کی جھونپڑی میں جو بھر کے گرما گرم دودھ پیا تھا۔"

ملکہ اس کا طنز سمجھ گئی اور دل ہی دل میں پیچ و تاب کھا کر رہ گئی۔ پھر اس نے پوچھا:

"شیبا، تم نے کیا اس آدمی کے ساتھ جھونپڑی میں رات بسر کی ہے؟" یہ کہتے ہوئے اس نے حاکم قرطبہ

کی طرف دیکھا۔

شیبا جی چاہا کہ ملکہ کا منہ نوچ لے۔ وہ کڑک کر بولی: "جی ہاں ممی! اس نے میری جان بچائی ہے۔ میرا

محسن ہے۔ اس نے مجھے اپنی جھونپڑی میں پناہ دی۔ میں رات بھر وہیں رہی۔ آپ کو کوئی اعتراض ہے؟
ملکہ نے دیکھا کہ اس وقت شہزادی کے منہ لگنا ٹھیک نہیں۔ اس نے فوراً پینترا بدلا اور بولی:
"تم پر تو کوئی اعتراض نہیں شیبا۔ لیکن یہ آدمی کتنا نمک حرام ہے۔ اس نے تمہیں محل پہنچانے کے
بجائے رات بھر اپنی جھونپڑی میں روکے رکھا۔ اسے اس گستاخی کی سزا ملنی چاہیے"۔
الفانسو بڑے صبر و تحمل سے ان کی باتوں کو سن رہا تھا۔ محل میں آنے کا اس کا یہ پہلا اتفاق تھا۔ شیبا نے
روتے ہوئے کہا:

"پاپا۔ آپ دیکھ رہے ہیں ممی میرے محسن کو نمک حرام کہہ رہی ہیں"۔
حاکمِ قرطبہ دونوں کے جھگڑے سے پہلے ہی پریشان ہو رہا تھا۔ وہ بولا:
"شیبا فکر نہ کرو۔ ہم اس آدمی کو انعام دیں گے"۔
ملکہ نے پانسہ پلٹتے دیکھا تو فوراً اعلان کیا:
"اس آدمی کو شیبا کی سفارش پر دس طلائی سکے انعام دیے جائیں"۔
یہ کہہ کر وہ مسکرائی اور شیبا کی طرف دیکھنے لگی جیسے کہہ رہی ہو کہ میں شکست کھانے کے بجائے
سے افضل ہوں۔

الفانسو کا پیمانۂ صبر چھلک پڑا۔ اس نے کہا:
"میں ملکہ اور حاکمِ قرطبہ کا شکریہ ادا کرتا ہوں لیکن مجھے افسوس ہے کہ میں انعام قبول نہیں کر
تمام لوگ حیرت سے الفانسو کو دیکھنے لگے۔
ملکہ کو ناگوار تو گزرا لیکن اس نے بات بناتے ہوئے کہا:
"دس طلائی سکے تمہاری حیثیت سے کہیں زیادہ ہیں لیکن ہم ازراہِ کرم، شیبا کے محسن کو بیس
سکے انعام دیتے ہیں"۔
"مجھے انعام نہیں چاہیے"۔ الفانسو نے تقریباً چیختے ہوئے کہا:
"میں نے صلے کے لیے شہزادی کی جان نہیں بچائی۔ میں نے اپنا فرض ادا کیا۔ انسانیت کا فرض"۔
حاکمِ قرطبہ نے کہا:
"ہم تمہاری فرض شناسی کی داد دیتے ہیں لیکن تم ہمارے ہاں سے خالی ہاتھ نہیں جا سکتے۔ تمہیں منہ مانگا
انعام دیا جائے گا۔ بولو تم کیا مانگتے ہو"۔
الفانسو غصے سے کانپ رہا تھا۔ اس کے باپ کا قاتل اسے انعام دے رہا تھا۔ منہ مانگا انعام۔ اس کا

بس چلتا تو وہ مانگتا۔ اپنے باپ کے قاتل کا سر۔ پھر وہ کیا انعام مانگتا۔
الفانسو نے دل پر جبر کرتے ہوئے کہا:
"اگر حاکمِ قرطبہ مجھے منہ مانگا انعام دینا چاہتے ہیں تو میرا انعام یہ ہے کہ مجھے باعزت طریقے سے اپنی
جھونپڑی میں واپس جانے دیا جائے"۔
حاکمِ قرطبہ اس کا منہ دیکھ کر رہ گیا۔
حاضرین بھی اسے حیرت سے دیکھ رہے تھے۔
اسی وقت شیبا کی نرم و نازک آواز فضا میں ابھری:
"تم بہت عظیم ہو الفانسو"۔
الفانسو کے نام پر حاکمِ قرطبہ کو ایک جھرجھری سی آئی جیسے اسے کوئی بھولی بسری بات یاد آ گئی ہو۔
الفانسو نے پیٹھ گھمائی اور تیز تیز قدموں سے محل سے نکل گیا۔

O

تاریخِ اسلام میں فتوحات کے سلسلے میں اموی خلیفہ ولید بن عبدالملک سب سے زیادہ خوش قسمت ہے۔
یہی وہ خلیفہ ہے جس کے دورِ خلافت میں حجاج بن یوسف جیسا ظالم اور جابر گورنر گزرا لیکن اس کے چار سپہ سالاروں
نے اسلامی حکومت کا دائرہ اس قدر وسیع کر دیا جس کی نظیر مشکل ہی سے مل سکے گی۔
حجاج کا داماد محمد بن قاسم وادیٔ مہران کو اسلام کے نور سے منور کر رہا تھا
قتیبہ بن مسلم شہنشاہِ چین سے خراج وصول کر رہا تھا۔
افریقہ میں موسیٰ بن نصیر فتح و نصرت کے پرچم اڑا رہا تھا اور
اس کا غلام طارق بن زیاد ہسپانیہ میں شہنشاہ راڈرک کو شکست دینے کے بعد آگے ہی آگے بڑھتا
جا رہا تھا۔

ہسپانیہ کا شہنشاہ جنگ گوجنڈہ میں مارا جا چکا تھا لیکن ہسپانیہ کے نصرانی اب تک یہ امید لگائے بیٹھے
تھے کہ شہنشاہ کہیں روپوش ہو گیا ہے اور فوجیں اکٹھا کر کے جلد ہی دوبارہ طارق بن زیاد کے مقابلے پر آئے گا۔
طارق بن زیاد نے مدینہ شدونہ پر قبضہ کیا۔ پھر قرمونہ ہوتا ہوا اشبیلیہ جا پہنچ گیا۔ یہ معرکہ بھی اس نے سر کر لیا۔
لیکن نصرانیوں کا خواب شرمندۂ تعبیر نہ ہوا۔ راڈرک کو نہ آنا تھا نہ آیا۔ وہ تو گوجنڈہ کی جنگ میں شکست کھا کر

ایسا بدحواس ہو کر بھاگا کہ معہ گھوڑے کے دریا میں ڈوب کر مر گیا لیکن نصرانیوں کی خوش فہمی کا کیا علاج کہ وہ اب تک اس کی واپسی کے منتظر تھے۔

ای سی جا کو تاریخ سپین میں ایک خاص اہمیت حاصل ہے۔ یہی وہ جگہ ہے جہاں ہسپانیہ کی ایک دلخراش جنگ لڑی گئی۔

ای سی جا ایک متبرک مقام تھا۔ اسلام مسلمانوں کو عبادت گاہوں اور معبدوں کے احترام کا سبق دیتا ہے۔ طارق بن زیاد اس قلعے کو بغیر جنگ کے حاصل کرنا چاہتے تھے کیونکہ یہاں کے کلیساؤں اور خانقاہوں میں ہزاروں راہب اور راہبات بظاہر مصروفِ عبادت رہتے تھے لیکن حقیقتاً ہر خانقاہ اور کلیسا ایک عشرت گاہ تھی۔ طارق نے انتہائی کوشش کی کہ قلعہ بغیر لڑائی کے حاصل ہو جائے۔ انہوں نے اپنی طرف سے انتہائی نرم شرائط رکھیں لیکن ای سی جا والے مذہبی جنگ پر تُل گئے۔ انہوں نے راہبات میں یہ افواہ پھیلائی کہ مسلمان وحشی درندے ہیں۔ وہ عورتوں کی عزت لوٹتے ہیں پھر انہیں تہ تیغ کر دیتے ہیں۔

ای سی جا کی راہبات اس فریب میں آ گئیں اور جب قلعے پر مسلمانوں کا قبضہ ہوا تو طارق بن زیاد کی انتہائی کوشش کے باوجود کئی سو راہبات نے اپنے جسم داغدار اور چہرے مسخ کر لیے۔

ای سی جا کی اہمیت اور شہرت کی دوسری وجہ یہ تھی کہ اسی مقام پر طارق بن زیاد کو قیروان (افریقہ) سے اپنے آقا موسیٰ بن نصیر کا پیغام ملا۔ طارق بن زیاد اپنے آقا سے رابطہ قائم کیے ہوئے تھے۔ وہ ہر فتح کی خبر تیز رفتار سواروں کے ذریعے برابر قیروان بھیج رہے تھے۔ اموی خلیفہ ولید بن عبدالملک ہسپانیہ پر فوج کشی کو مناسب نہیں سمجھتا تھا لیکن موسیٰ بن نصیر کے زور دینے پر اس نے اجازت دے دی تھی۔ چنانچہ موسیٰ بن نصیر، طارق بن زیاد کی پیش قدمی اور فتوحات کی خبریں فوراً دربارِ خلافت میں بھیج دیتا۔

ہسپانیہ پر حملہ کی تحریک موسیٰ بن نصیر کی تھی اور اس کا سہرا ابھی انہی کے سر ہے لیکن طارق بن زیاد کو جب مسلسل فتوحات حاصل ہوئیں اور افریقہ سے کئی ہزار بربر بھی قسمت آزمائی کے لیے طارق بن زیاد کے پاس پہنچ گئے تو موسیٰ کو طارق کی طرف سے خطرہ پیدا ہوا۔

طارق کے پاس بربروں کا ایک بڑا لشکر ہو گیا اور ان کے قدم ہسپانیہ میں آگے ہی بڑھتے جا رہے تھے اس سے موسیٰ بن نصیر کے دل میں رشک اور کسی حد تک حسد کا جذبہ پیدا ہو گیا۔ وہ دراصل ہسپانیہ کی تمام فتوحات کا سہرا اپنے سر باندھنا چاہتے تھے۔ حسد اور رشک کے اس جذبے سے مجبور ہو کر موسیٰ بن نصیر نے طارق کو ایک حکم نامہ روانہ کیا:

"جہاں تک بڑھ چکے ہو وہیں رک جاؤ۔ حالات کی نزاکت

کے پیشِ نظر مزید پیش قدمی کی ضرورت نہیں۔ نہتے مسلمانوں کو ہلاکت میں ڈال دینے کا خطرہ مول لینا عقلمندی نہیں اور جب تک ہم نہ پہنچیں آگے قدم نہ بڑھایا جائے۔"

اس حکم نامے میں کتنا خلوص یا رشک و حسد تھا اس کا فیصلہ کرنا مؤرخین کا کام ہے لیکن فتوحات کا جو دھارا طارق بن زیاد نے بہایا تھا اس پر بند باندھنا کچھ مناسب نظر نہیں آتا۔ موسیٰ بن نصیر کا یہ حکم نامہ لے کر قاصد بڑی تیز رفتاری سے ہسپانیہ پہنچ گیا۔ اسے معلوم ہوا کہ طارق ای سی جا کے محاذ پر ہیں اس لیے اس نے ای سی جا کا رخ کیا اور اس وقت طارق بن زیاد کے خیمے پر پہنچا جب وہ ای سی جا کو فتح کرنے کے بعد مزید پیش قدمی کا منصوبہ تیار کر رہے تھے۔

طارق بن زیاد نے حکم نامہ پاتے ہی اپنے سرداروں کو مشورے کے لیے طلب کیا۔ طارق کے دونوں زبردست حلیف نواب جولین اور مغیث الرومی اس کے ساتھ تھے۔ ان کے علاوہ طارق نے بعض اہم مسلمانوں کو بھی اس مشورے میں شریک کیا۔ تمام لوگ ان کے خیمے میں اکٹھا ہو گئے تو انہوں نے موسیٰ بن نصیر کا حکم نامہ سب کے سامنے پڑھا۔ مسلمانوں کو طارق بن زیاد پر پورا اعتماد تھا۔ نصرانی نواب جولین اور یہودی مغیث الرومی بھی نہیں چاہتے تھے کہ پیش قدمی روکی جائے۔

نواب جولین نے واضح الفاظ میں کہا:

"سردارِ اعلیٰ موسیٰ بن نصیر یہاں سے ہزاروں میل دور قیروان میں بیٹھے ہیں۔ انہیں یہاں کے صحیح حالات کا علم نہیں ورنہ وہ ایسا حکم نامہ کبھی نہ بھیجتے۔ اس وقت ہسپانیہ والوں پر مسلمان لشکر کا رعب اور خوف بیٹھا ہوا ہے۔ اگر مسلم لشکر نے آگے بڑھنے سے گریز کیا تو ان کا خوف اور رعب ختم ہو جائے گا۔ اس لیے مناسب نہیں معلوم ہوتا کہ ای سی جا میں ٹھہر کر سردارِ اعلیٰ کا انتظار کیا جائے۔"

طارق بن زیاد نے یہودی سردار کی طرف دیکھا۔ مغیث الرومی نے بڑی متانت سے کہا:

"سپہ سالار، پورا لشکر آپ پر جان نچھاور کرتا ہے۔ اس وقت وہ فتح و نصرت کے نشے میں چور ہے اور فوجی نقطہ نظر سے ہمیں آگے بڑھنا چاہیے۔ یہ کوئی عقلمندی نہیں کہ ہسپانیہ کے منتشر لشکریوں کو سانس لینے اور پھر ایک جگہ اکٹھا ہونے کا موقع دیا جائے۔ اگر انہیں وقت مل گیا تو اس منتشر طاقت کو وہ پھر یکجا کر لیں گے اور ان پر فتح حاصل کرنے میں دشواری پیش آ سکتی ہے۔ ای سی جا کی جنگ ہمیں سبق دیتی ہے کہ جس قدر جلد ہو سکے ہم ہسپانیہ کی فوجی طاقت کا خاتمہ کر دیں۔ ابھی قرطبہ، غرناطہ، ملاگہ اور دارالسلطنت طلیطلہ جیسے مضبوط قلعے موجود ہیں۔ ان میں سے ہر قلعہ ایک آہنی اور سنگی دیوار ہے جس سے ہمیں ٹکرانا ہے۔ اس وقت ان قلعوں کی

بنیادیں لشکرِ اسلام کے خوف سے لرز رہی ہیں۔ انہیں جتنا وقت ملے گا وہ اتنا ہی مضبوط ہو جائیں گے۔"

ایک بربر سردار کچھ زیادہ ہی جوشیلا تھا اس نے کہا:

"موسیٰ بن نصیر نے ہمارے حالار کی توہین کی ہے۔ ہم ان کا کہنا نہیں مانتے۔ موسیٰ بن نصیر کے حکم کی جانے اور لشکر کو آگے بڑھنے کا حکم دیا جائے۔"

طارق بن زیاد نے اس کو ڈانٹ دیا اور کہا:

"میں اپنے آقا کے حکم عدولی کا تصور بھی نہیں کر سکتا۔ وہ میرے امیر ہیں اور امیر کی حکم عدولی تعلیمات کے خلاف ہے لیکن یہ ضرور ہے کہ یہاں کے حالات کا تقاضا ہے کہ ہم اپنے قدم آگے بڑھائیں۔ اب چاہتے ہیں کہ میں آگے بڑھوں تو میں آپ کے ساتھ ہوں۔ یہی حالات کا تقاضا ہے اور اسی میں ہمارا موتی اور خلیفہ معظم کا مفاد پوشیدہ ہے۔ رہا میرے آقا کی ناراضگی کا معاملہ تو اسے آپ مجھ پر چھوڑ دیں میں ان کے مزاج سے پوری طرح واقف ہوں۔ انہیں کسی نہ کسی طرح سمجھا اور منا لوں گا۔"

مغیث الروی نے کہا:

"قابلِ احترام سپہ سالار، ہسپانیہ میں اس وقت تک جو فتوحات حاصل ہوئی ہیں وہ سب آپ کی حکمتِ عملی، دور اندیشی اور شجاعت کا نتیجہ ہیں۔ پھر بھی ہماری یہ خواہش نہیں کہ آپ اور موسیٰ بن نصیر میں اختلاف پیدا ہو۔ میری ناچیز رائے یہ ہے کہ آپ کسی با اعتماد اور قابلِ بھروسہ آدمی کو موسیٰ بن نصیر کے پاس روانہ کریں۔ وہ موسیٰ بن نصیر کو یہاں کے حالات سے پوری طرح آگاہ کرے اور اس دوران پیدا ہونے والے جملہ شکوک و شبہات دور کرنے کی کوشش کرے۔"

طارق بن زیاد اس رائے سے بہت خوش ہوئے۔ انہوں نے کہا:

"یہ مشورہ نہایت مناسب ہے اس پر ضرور عمل کیا جائے گا۔ ہمارے ساتھ اس وقت نواب جولین ہیں ان سے زیادہ یہاں کے حالات سے اور کون واقف ہو سکتا ہے۔ اس کے علاوہ نواب جولین ہمارے آقا سے بارہا ملاقات کر چکے ہیں۔ کیوں نہ ہم انہیں قیروان بھیجیں تاکہ آقائے محترم کے دل میں اگر میری طرف سے کوئی بدگمانی پیدا ہو گئی ہو تو دور ہو جائے۔"

مغیث الروی نے تائید کرتے ہوئے کہا:

"سپہ سالار کے اس انتخاب سے مجھے پورا اتفاق ہے۔ میرا خیال ہے کہ سب ہی سردارانِ فوج اس سے اتفاق کریں گے۔"

تمام سردارانِ فوج نے نواب جولین کے انتخاب کو پسند کیا۔ نواب جولین کو کیا اعتراض ہو سکتا تھا۔

وہ خود اپنے گھر والوں سے ملنے کو چاہ رہا تھا۔ وہ افریقہ کے ساحل پر واقع قلعہ سبتہ کا حاکم تھا اور اس کی دونوں بیویاں اور بیٹی اس وقت بھی اس قلعے میں رہائش پذیر تھیں۔

یہ مسئلہ طے ہو جانے کے بعد اب یہ بات قابلِ غور تھی کہ مسلمان کس طرف پیش قدمی کریں؟

طارق بن زیاد اس وقت اپنے لشکر کے ساتھ ای سی جابن مقیم تھے۔ اس شہر کی کیفیت ایک چوراہے کی سی تھی۔ وہاں سے ہسپانیہ کے چار بڑے بڑے شہروں کو راستے جاتے تھے۔ قرطبہ، غرناطہ، ملاغہ اور طلیطلہ کو یہیں سے راستے جاتے تھے۔

طارق بن زیاد نے اپنی حکمتِ عملی اور منصوبے میں کچھ تبدیلی کی۔ اب تک وہ پورے لشکر کے ساتھ کسی بڑے قلعے پر حملہ کر کے اس پر قبضہ کرتے تھے لیکن اب انہوں نے سوچا کہ اگر اسی رفتار سے ہسپانیہ کو زیر کیا گیا تو برسوں میں کئی سال لگ جائیں گے۔ پہلے ان کے پاس لشکر کی کمی تھی لیکن اب افریقہ سے ہزاروں بربر جوان آ کر ان کے لشکر میں شامل ہو گئے تھے۔ مسلمانوں کے طرزِ عمل اور اخلاق نے ہسپانیہ کے نصرانیوں پر بھی اچھا اثر ڈالا تھا۔ انہوں نے بھی اسلامی لشکر میں شامل ہونا شروع کر دیا۔ اس طرح اب طارق کے پاس ایک بڑا لشکر جمع ہو گیا تھا۔

آخر بڑے سوچ بچار کے بعد طارق بن زیاد نے ایک لشکر کے ساتھ زید بن کسادہ کو جنوب کی طرف روانہ کیا۔ انہیں حکم دیا گیا کہ راہ کے چھوٹے چھوٹے قلعوں کو فتح کرتے ہوئے وہ غرناطہ پہنچیں۔ غرناطہ ہسپانیہ کا انتہائی اہم شہر اور قلعہ تھا۔ زید بن کسادہ کی روانگی کے بعد طارق نے نواب جولین کو ضروری ہدایات دے کر موسیٰ بن نصیر کے پاس بھیج دیا۔ پھر انہوں نے ای سی جا سے خیمے اکھڑوائے اور قرطبہ کی طرف بڑھے۔ یہودی سردار مغیث الروی ان کے ساتھ تھا۔

طارق بن زیاد کی روانگی سے پہلے ہی یہ اطلاع قرطبہ پہنچ چکی تھی کہ شاہین کا اگلا ہدف قرطبہ ہے۔ اس خبر سے قلعے کے شہری زندگی پر اداسی طاری ہو گئی۔ بازاروں، قہوہ خانوں اور عشرت کدوں کی رونق میں فرق پڑ گیا۔ اور خوف و دہشت کی فضا طاری ہو گئی۔

حاکمِ قرطبہ نے فوجوں کو کیل کانٹے سے لیس کر کے برجوں اور فصیل پر تعینات کر دیا۔ قرطبہ کی فصیل بہت مضبوط اور بلند تھی بلکہ فصیل در فصیل تھی۔ قرطبہ کے تین طرف چوڑی خندق تھی اور چوتھی طرف دریا بہتا تھا۔ دریا کی سمت سے حملے کا کوئی خطرہ نہ تھا نہ کسی نے آج تک اس سمت سے حملے کی کوشش کی تھی۔ فصیل کی بلندی اتنی تھی کہ اسے توڑنا

یا اس پہ پہنچنا جوئے شیر لانے سے کم نہ تھا۔

حاکمِ قرطبہ نے ایک سال کا راشن پانی قلعے میں جمع کر لیا تھا تاکہ طویل محاصرے کے دوران انہیں کسی
کی پریشانی نہ ہو۔ اس قلعے میں سب سے بڑی خوبی یہ تھی کہ اس میں ایک قدرتی چشمہ موجود تھا جس کی وجہ سے پانی
کی فراوانی تھی اور اس کے ختم ہونے کا کوئی سوال ہی نہ تھا۔

قرطبہ کے اندر اور باہر انسانی زندگی کے معمولات میں فرق پڑ گیا تھا۔ ہر شخص دہشت زدہ نظر آتا تھا۔
کی تمام آبادی سمٹ کر قلعے کے اندر آ گئی تھی لیکن الفانسو اور شیبا کے معمول میں کوئی فرق نہ پڑا تھا۔ الفانسو
حسبِ معمول جانوروں کا ریوڑ لے کر صبح نکل جاتا اور شام کو واپس آتا۔ شیبا سے ملاقات کے بعد اس میں
تبدیلی ضرور آئی تھی کہ اب وہ اپنے ریوڑ کو دوسری طرف لے جانے کے بجائے قلعے کی سمت ہنکا کر لے آتا۔ ریوڑ
چرتے رہتے اور وہ قلعے کی فصیل کے بالکل مقابل ایک جگہ بیٹھ جاتا۔ اس کی نظریں فصیل پر جم جاتیں اور وہ
میں گم ہو جاتا۔

اکثر تو ایسا ہوتا کہ صبح سے شام تک ایک ہی جگہ بیٹھا فصیل کو تکتا رہتا۔ فصیل اور اس کے درمیان
دریا حائل تھا۔ کبھی کبھی تو اس کے دل میں ایسی ہوک اٹھتی کہ اس کا دل چاہتا کہ وہ دریا پار کر کے فصیل پر پہنچ
جائے اور پھر قلعے والوں کو آواز دے کر کہے کہ یہ قلعہ اس کا ہے۔ حاکمِ قلعہ غاصب ہے۔ قاتل ہے۔ اس نے اپنے
بھائی کو قتل کر کے قلعے پر قبضہ کیا ہے۔

ایک دن تو الفانسو کو ایسا جنون ہوا کہ اس نے دریا میں چھلانگ لگا دی اور تیر کر دوسری طرف پہنچ گیا۔
عام دنوں میں دریا اور فصیل کے درمیان بیس فٹ کا راستہ رہتا تھا لیکن بارش کے دنوں میں دریا چڑھتا تو
پانی فصیل کو چھونے لگتا۔ اب بارشیں شروع ہو چکی تھیں اور یہ راستہ پانچ چھ فٹ سے زیادہ نہ تھا۔ فصیل کے
ساتھ ساتھ دور تک انجیر کا باغ لگا تھا۔ الفانسو فصیل کے قریب پہنچا تو اس کا دل نامعلوم جذبات سے دھڑکنے لگا
اور ماں کی تصویر آنکھوں کے سامنے گھوم گئی۔ اسے یوں محسوس ہوا جیسے قلعے میں محل سرا آگ کی لپیٹ میں ہے
اور اس کی ماں اسے سینے سے لپٹائے فصیل کی طرف بھاگتی چلی آ رہی ہے۔ اس کی زبان سے آہستہ سے نکلا:

"ماں!"

اور اس نے فصیل کے ساتھ اپنا سر ٹکا دیا۔ پھر اس کے آنسو نکل آئے اور وہ فصیل سے لپٹا دیر تک روتا رہا۔

یہ دیکھ کر اور ابھر آیا کہ فصیل بعض جگہ سے اس وقت بھی شکستہ ہے۔ بالکل اسی طرح جیسے وہ اس شب
تھی جب اس کی ماں اسے لے کر فصیل سے نکلی تھی۔ بارش کی وجہ سے بعض جگہ تو فصیل کی اونچائی بہت ہی کم ہو گئی تھی۔
اس کا بیرونی حصہ ٹوٹ کر گر گیا تھا۔

حاکمِ قرطبہ کی خوبرو بیٹی شیبا کو شہسواری کا شوق جنون کی حد تک تھا۔ ایک بار وہ دریا میں گر کر اس شوق کی
سزا بھگت چکی تھی۔ اگر الفانسو اس کی مدد نہ کرتا تو اسے زندگی سے بھی چھٹکارا مل گیا ہوتا لیکن اس کے شوق میں اب
بھی کمی نہ ہوئی۔

وہ الفانسو کی احسان مند تھی اور اس سے شرمندہ بھی۔ الفانسو کی جھونپڑی سے واپس آنے کے بعد اس کی
سوتیلی ماں نے جس انداز سے الفانسو کی تحقیر کی تھی اس سے شیبا کے دل کو بہت تکلیف پہنچی تھی۔ وہ ایک بار
الفانسو سے ملنے اس کی جھونپڑی پر بھی گئی تھی۔ اس نے الفانسو سے معذرت بھی کی تھی اور اسے قرطبہ کی فوج میں ایک
اچھی ملازمت کی پیشکش بھی کی تھی لیکن الفانسو نے یہ تجاویز شکریے کے ساتھ مسترد کر دی تھیں۔

الفانسو کو معلوم تھا کہ شیبا اس کے باپ کے قاتل کی بیٹی ہے۔ اس نے شیبا کے سامنے اس کا کوئی ذکر
نہ کیا۔ لیکن جب شیبا اس کے سامنے آتی تو وہ نفرت و محبت کے دو متضاد جذبوں میں گھر کر رہ جاتا۔ ایک بار
وہ قرطبہ کے قلعے کے دروازے پر تھا کہ شیبا کہیں سے آ گئی۔ اس نے الفانسو کو اپنے ساتھ چلنے کی دعوت دی۔
اس کا دل چاہا وہ اس دعوت کو قبول کر لے اور کچھ دیر شیبا سے باتیں کرے۔ وہ شیبا سے کیوں اور کیا باتیں کرنا
چاہتا تھا اس کا اسے خود بھی کوئی علم نہ تھا۔ پہلے وہ شیبا کے ساتھ چلنے پہ آمادہ ہو گیا لیکن پھر اس کے باپ
کا خیال آتے ہی ضروری کام کا بہانہ کر کے آگے بڑھ گیا۔

آج بھی جب وہ قرطبہ کی فصیل سے سر ٹکرا کر اور پرانی یادیں تازہ کر کے واپس آیا تو شیبا گھوڑا بھگاتے
ہوئے اس کے پاس آ گئی۔ الفانسو کا غم پہلے ہی کچھ ہلکا ہو گیا تھا۔ شیبا کے آنے سے اسے بڑی خوشی ہوئی۔ اس نے
بڑے تپاک سے شیبا کو خوش آمدید کہا۔

شیبا کو اس بات پہ تعجب سا ہوا۔ اس نے پوچھا:

"الفانسو! آج تم بہت خوش نظر آ رہے ہو۔ کیا مجھے اپنی خوشی میں شریک نہیں کرو گے؟"

الفانسو بڑے اچھے موڈ میں تھا۔ اس کے دل میں آیا کہ کہہ دے: "شیبا! میں تمہیں دیکھ کر ہمیشہ خوش ہوتا
ہوں لیکن حالات اس کی اجازت نہیں دیتے کہ میں اپنی خوشی کی وجہ بتاؤں۔"

یہ بات وہ صرف سوچ سکا مگر یہ سوچ الفاظ کا جامہ نہ پہن سکی۔ پھر بھی اس نے بڑے اچھے انداز میں کہا:

"شیبا! مجھے اس دریا اور اس فصیل سے بہت محبت ہے۔ جب میں اس دریا میں نہاتا ہوں تو مجھے تم یاد آ

جاتی ہو۔ اور میرا دل خوشی سے جھوم اٹھتا ہے"۔

"اس دل کے جھوم اٹھنے کی کوئی وجہ بھی تو ہوگی الفانسو؟" شیبا نے ہنس کر پوچھا۔

الفانسو میں ذرا سی گھبراہٹ پیدا ہوئی لیکن وہ سنبھل کر بولا:

"شیبا۔ اچھی باتوں کو سن کر اور اچھی چیزوں کو دیکھ کر کس کا دل خوشی سے نہیں جھومتا۔ کیا تم ... غنچوں کو دیکھ کر خوش نہیں ہوتیں؟"

الفانسو نے بڑی خوبصورتی سے شیبا کے سوال کو ٹال دیا۔ شیبا، الفانسو کی ہر بات بڑے غور ... اسے تعجب تھا کہ ایک اَن پڑھ چرواہا جسے جانوروں کے ریوڑ چرانے کے سوا اور کوئی کام نہ تھا اس قدر ... باتیں کیسے کرتا ہے۔

شیبا بھی بڑی عقلمند لڑکی تھی۔ وہ تعلیم یافتہ بھی تھی اور قدرت نے اسے شعوری فیاضیوں سے ... وہ کچھ سوچتے ہوئے بولی:

"الفانسو! تمہیں دریا سے محبت ہے اس کی وجہ تو کچھ کچھ سمجھ میں آتی ہے لیکن تمہیں فصیل سے ... ہے بظاہر مجھے اس کی کوئی وجہ نظر نہیں آتی"۔

الفانسو اس سوال پر چونک پڑا۔ اس نے دریا کے ساتھ فصیل کا نام لے کر خود ہی یہ سوال پیدا کیا تھا ... اس کی فطری ذہانت نے اس کا ساتھ دیا اور وہ ہنس کر بولا:

"اس کی وجہ بھی شاید تم ہی ہو۔ کیا تم اس فصیل میں قید نہیں رہتی ہو؟"

شیبا لاجواب سی ہو گئی۔

اس کی نظر اس کے بھیگے ہوئے کپڑے پر پڑی جسے باندھ کر وہ دریا پار گیا تھا۔ اس نے پوچھا:

"کیا تم نہا رہے تھے؟"

"ہاں"۔ الفانسو بولا:

"دریا میں نہانا یا دریا پار جانا تمہارے قانون میں کہیں جرم تو نہیں؟"

شیبا کو اس کی بات پر ہنسی آ گئی۔ اس نے کہا:

"الفانسو تم قانون اور جرم کا ذکر میرے سامنے کیوں کرتے ہو۔ میں نہ کسی کو مجرم سمجھتی ہوں نہ ق... پیروی کرتی ہوں۔ انسان خود اپنا مجرم ہوتا ہے۔ اپنے ضمیر کا اور ضمیر کی آواز سب سے بڑا قانون ہے"۔

الفانسو نے بہت دماغ لڑایا مگر اسے کوئی جواب نہ بن پڑا۔ وہ پڑھا لکھا نہ تھا۔ ہفتے میں ایک بار ... کی صحبت میں ضرور بیٹھتا تھا۔ اس کا اثر تھا کہ وہ کبھی کبھی فلسفیانہ گفتگو کر لیتا تھا یا ایسی باتوں کو سمجھ لیتا تھا۔

... مشکل ہی سے آتی ہیں۔

... نے بات ٹالتے ہوئے کہا:

"... چھوڑو ان باتوں کو۔ یہ بتاؤ تم قلعے سے کیسے نکلیں۔ سنا ہے کہ کوئی لشکر قرطبہ پر حملہ کرنے کے لیے ... ہے۔ لوگ بھاگ بھاگ کر قلعے میں پناہ لے رہے ہیں اور تم قلعے سے باہر سیر کر رہی ہو"۔

شیبا سنجیدہ ہوتے ہوئے بولی:

"الفانسو۔ میں اسی لیے تمہارے پاس آئی ہوں کہ تمہیں آنے والے خطرے سے آگاہ کروں۔ افریقہ کی کوئی ... قوم سمندر پار کر کے ہسپانیہ آ گئی ہے۔ اس نے ہمارے شہنشاہ کو بھی شکست دے دی ہے۔ اب وہ قرطبہ ... لینے ادھر آ رہی ہے"۔

الفانسو جب پچھلے ہفتے دانشور کے گھر گیا تھا تو اس نے کچھ باتیں مسلمانوں کے بارے میں سنی تھیں۔ دانشور لوگوں کو بتا رہا تھا کہ ہسپانیہ پر حملہ کرنے والی قوم بڑی جنگجو ہے۔ وہ موت سے اتنا ہی پیار کرتے ہیں ... جتنا ہم زندگی سے محبت کرتے ہیں۔

دانشور نے اس سے یہ نتیجہ نکالا تھا کہ جو قوم موت کو زندگی پر ترجیح دیتی ہے اسے شکست دینا ناممکن نہیں ... تو مشکل ضرور ہوتا ہے۔

الفانسو نے کہا:

"مجھے اس کی خبر ہے شیبا! لیکن ان کے آنے نہ آنے سے ہم جیسے غریب لوگوں پر کیا اثر پڑتا ہے۔ ڈر تو ... قرطبہ والوں کو ہونا چاہیے۔ غریب تو سدا سے غریب ہے اور سدا غریب ہی رہے گا"۔

شیبا نے الفانسو کو سمجھاتے ہوئے کہا:

"الفانسو! جان سے بڑھ کر اس دنیا میں کوئی اور قیمتی چیز نہیں۔ اسے خواہ مخواہ ضائع کرنا گناہ ہے۔ میں ... تمہیں اور ماں کو لینے آئی ہوں۔ قلعے میں تم لوگ زیادہ محفوظ رہو گے"۔

الفانسو نے ہنس کر کہا:

"شیبا! میں ایک جاہل اور اَن پڑھ چرواہا ہوں مگر میں تو یہ جانتا ہوں کہ جب ہسپانیہ کا شہنشاہ اس حملہ آور ... قوم کو شکست نہ دے سکا تو قرطبہ کا قلعہ ان کے ہاتھوں سے کیسے محفوظ رہے گا؟"

شیبا اس کی یہ بات سن کر دنگ رہ گئی۔ اس نے پوچھا:

"الفانسو! تمہیں یہ باتیں کیسے معلوم ہوئیں۔ کیا تم روز قرطبہ جاتے ہو؟"

"نہیں شیبا!" الفانسو نے اسے بتانا شروع کیا: "گلتاش دانشور میرا پرانا گاہک ہے۔ میں ہفتے میں ایک بار ...

اس کے گھر جاتا ہوں۔ وہ لوگوں کو جو بتاتا ہے اور سمجھاتا ہے وہ میں سنتا رہتا ہوں۔ اس نے اپنے ... سے کہہ دیا ہے کہ قلعہ قرطبہ سے زیادہ محفوظ مقامات قلعے سے باہر کی آبادیاں ہیں۔ اس نے اب تک ... نہیں چھوڑا۔ پھر میں اپنی جھونپڑی چھوڑ کر قلعے میں کیسے جا سکتا ہوں؟"

"الفانسو" شیبا نے ہتھیار ڈالتے ہوئے کہا:

"میں تم سے بحث نہیں کرتی۔ تم نہیں جانتے تمہاری زندگی مجھے کتنی عزیز ہے، شاید ... بھی زیادہ"۔

الفانسو اس کی بات سے بہت متاثر ہوا۔ شیبا نے جو کہا وہ کسی عقیدت یا احسان مندی کا ردِ عمل نہ ... اس کے دل کی آواز تھی۔ یہ وہ جذبہ تھا جو ایک لڑکی میں اس وقت پیدا ہوتا ہے جب وہ کسی سے محبت ...

وہ سوچ میں پڑ گیا۔

شیبا اگر اس سے محبت کرتی ہے تو کیوں؟

وہ ایک معمولی چرواہا اور شیبا اس حاکمِ قرطبہ کی بیٹی جسے بادشاہ کے اختیارات حاصل تھے۔ کتنی ... اور انمل بات تھی۔

اس نے سوچا کہیں شیبا کو اس کی اصلیت تو نہیں معلوم ہو گئی۔ اسے کسی طرح یہ پتہ تو نہیں چل ... قرطبہ کا اصل حق دار میں ہوں ــــ لیکن یہ ناممکن تھا۔ اس راز کی خبر تو اس نابینا بڑھیا کو بھی نہ تھی ... کے ساتھ جھونپڑی میں رہتی تھی۔ الفانسو کی ماں نے اس راز سے صرف اسے ہی آگاہ کیا تھا اور ... کے ساتھ کہ اس راز کو تب تک نہ کھولا جائے جب تک الفانسو کو طاقت نہ حاصل ہو جائے۔

شیبا گھوڑے سے اتر کر الفانسو کے سامنے کھڑی باتیں کر رہی تھی۔ اب وہ آگے بڑھ کر اس ... برابر بیٹھ گئی۔

الفانسو پہ ایک ایسی کیفیت طاری ہو گئی جس سے وہ پہلے واقف نہ تھا۔ اسے یوں محسوس ہو ... قرطبہ کا حاکم ہے۔ بادشاہ ہے۔ تختِ شاہی پر بیٹھا ہے اور شیبا ملکہ قرطبہ کے روپ میں اس کے ساتھ ... جلوہ فگن ہے۔ درباری سر جھکائے اس کے حکم کے منتظر ہیں، لیکن یہ کیف، یہ تصور، یہ منظر زیادہ ... پیشِ نظر نہ رہ سکا۔ شیبا کی آواز نے اسے چونکا دیا۔

شیبا نے کہا:

"الفانسو۔ اپنی خاطر نہیں تو تم میری خاطر قلعے میں چلو۔ میں تمہیں زندہ اور سلامت دیکھنا چاہتی ... ہوئے شیبا نے اپنا کپکپاتا ہوا ہاتھ الفانسو کے شانے پر رکھ دیا۔

الفانسو کی اپنی مجبوریاں نہ ہوتیں تو شاید وہ کہہ بیٹھتا کہ شیبا مجھے بھی تمہارا اتنا ہی خیال ہے۔ تم سے اتنی ہی محبت ہے جتنی تمہیں مجھ سے ہے لیکن وہ یہ نہ کہہ سکا۔

الفانسو نے شیبا کو مخمور آنکھوں سے دیکھتے ہوئے کہا:

"شیبا! میں قلعے میں آؤں گا ضرور آؤں گا لیکن ابھی نہیں ــــ انتظار کر سکتی ہو تو میرا انتظار کرنا۔ میں ... دن کا تم سے ملوں گا اور ..."

مصلحت نے اس کی زبان روک لی۔ الفانسو خاموش ہو گیا۔ شیبا نے سمجھ لیا کہ الفانسو کو قائل کرنا ناممکن ہے۔ اس نے بھی کچھ نہ کہا۔

دونوں دیر تک ایک دوسرے کو دیکھتے رہے۔

دلوں کی دھڑکنیں سنتے رہے۔

شیبا کا ایک ہاتھ الفانسو کے شانے پر تھا اور الفانسو کو یوں محسوس ہو رہا تھا جیسے شیبا روح بن کر اس کے جسم میں سرایت کرتی چلی جا رہی ہے۔

O

طارق بن زیاد کی فوج چار حصوں میں تقسیم ہو گئی تھی۔ ہر حصے پر ایک سردار مقرر کر کے طارق نے اسے ایک سمت روانہ کیا۔ اس طرح اسلامی لشکر ہسپانیہ میں چاروں طرف پھیل گیا۔ طارق نے اپنے حصے کی فوج لے کر قرطبہ کے سامنے ڈیرے ڈال دیے۔

قرطبہ ہسپانیہ کا دل سمجھا جاتا تھا۔ سرسبز و شاداب سبزہ زار۔ جگہ جگہ قدرتی چشمے، پھولوں اور پھلوں کی اس قدر کثرت تھی کہ اگر غذا میسر نہ آئے تو ہفتوں پھلوں پر گزارا کیا جا سکتا تھا۔

قرطبہ کے گرد و نواح کے قدرتی مناظر نے طارق کو مسحور کر دیا۔ انھوں نے فیصلہ کیا کہ اگر انھیں ہسپانیہ میں ٹھہرنا نصیب ہوا تو وہ قرطبہ کو اپنا مستقر بنائیں گے۔ اتنا دلکش اور خوبصورت قطعۂ زمین انہیں اب تک ہسپانیہ میں نظر نہ آیا تھا۔ انھیں یہ بھی معلوم ہوا کہ ہسپانیہ کے امیر ترین شہروں میں سے ایک یہ شہر قرطبہ ہے۔

ارضِ قرطبہ جس قدر دلفریب تھی اس کا قلعہ اتنا ہی مضبوط تھا۔ اس کی دیواریں اس قدر بلند اور چوڑی تھیں کہ عقل حیران رہ جاتی تھی۔ قلعے کی فصیل پر چڑھنا ناممکن نظر آتا تھا۔

طارق نے مغیث الرومی کو ساتھ لیا اور قلعے کے گرد چکر لگانے لگے تاکہ یہ معلوم ہو سکے کہ قلعے پر کس طرف

سے حملہ بہتر رہے گا۔

طارق اور مغیث نے قلعہ کے تین اطراف میں چکر لگائے اور قلعے کی فصیل کو خوب اچھی طرح دیکھا۔ انہیں کسی جگہ فصیل میں کوئی کمی نظر آئے جو ان کے لیے مفید مطلب ہو۔ چوتھی طرف وہ اس لیے نہ جا سکے۔ دریا بہتا تھا اور دریا عبور کر کے قلعے پر حملہ کرنا موت کو دعوت دینے کے مترادف تھا۔

طارق کو بڑی مایوسی ہوئی۔ انہوں نے واپسی کا ارادہ کیا۔ پھر نہ جانے انہیں کیا خیال آیا کہ گھوڑا طرف موڑ دیا۔

دریا کو پار کرنے کے دو پل تھے لیکن یہ دونوں پل قلعے سے کافی دور تھے۔ انہیں شاید مصلحتاً قلعے دور بنایا گیا تھا۔ طارق اور مغیث نے بجائے پل پر جانے کے گھوڑے دریا میں ڈال دیے اور تازی گھوڑوں نے دم کے دم میں دریا پار کر لیا۔

دوسری طرف پہنچ کے انہوں نے گھوڑے قلعے کی پشت کی طرف موڑ دیے اور ایک لمبا چکر کاٹ کر جگہ پہنچ گئے جہاں دریا، فصیل کے ساتھ ساتھ بہتا تھا۔ طارق اور مغیث کو بڑی مایوسی ہوئی۔ دریا نے فصیل اور زیادہ محفوظ بنا دیا تھا اور اس سمت سے حملہ قطعی ناممکن تھا۔

طارق واپس آ رہے تھے کہ ان کی نظر بھیڑ بکریوں کے ایک ریوڑ پر پڑی۔ انہیں بڑا تعجب ہوا اور کہ تمام آبادی ڈر کر قلعے میں پناہ گزیں ہو چکی تھی لیکن ایک چرواہا ان بھیڑ بکریوں کو یوں ہانک رہا تھا جیسے اسے مسلمانوں کی آمد کی کوئی خبر نہیں ۔

طارق گھوڑا بڑھا کر چرواہے کے پاس پہنچے۔ انہوں نے ہسپانوی زبان میں معمولی شُد بُد پیدا کر لی اور وہ اب اس زبان کو سمجھنے کے علاوہ بول بھی سکتے تھے۔ ضرورت کے وقت وہ یہودی سردار مغیث الرومی کی مدد لیتے تھے۔

طارق نے چرواہے سے پوچھا :

"کیا تمہیں معلوم ہے کہ قرطبہ کو دشمن کی فوجوں نے گھیر لیا ہے اور قلعے کے باہر کی تمام آبادی بھاگ کر کے اندر چلی گئی ہے"۔

الفانسو انہیں آتا دیکھ کر رک گیا تھا اور اس کے جانور ادھر ادھر پھیل کر چرنے لگے تھے۔ طارق کے پر الفانسو نے ایک لمحے کو سوچا پھر کہا :

"جب ظلم حد سے بڑھ جائے تو ظالم کو سزا دینے کوئی نہ کوئی ضرور آتا ہے"۔

طارق اور مغیث ایک چرواہے کی زبان سے یہ الفاظ سن کر بے حد حیران ہوئے۔ مغیث الرومی

اس بات پر اکڑ گیا کہ وہ گھوڑے سے اتر کر اس کے پاس آیا اور بڑے نرم لہجے میں پوچھا:

"اے عقلمند نوجوان! تیرا نام کیا ہے؟"

"الفانسو" اس نے جواب دیا۔

"کس خاندان سے تعلق ہے تیرا؟" مغیث نے دریافت کیا۔

الفانسو لاپروائی سے مسکرایا اور کہا:

"غریب کا کوئی خاندان نہیں ہوتا۔ غربت ہی سب سے بڑا خاندان ہے"۔

طارق کی نظریں الفانسو کے چہرے پر جمی ہوئی تھیں۔ قیافہ شناسی اور انسان کی خفتہ اور لاشعوری صلاحیتوں کی پرکھ کا انہیں بڑا تجربہ تھا۔ ان کے آقا موسیٰ بن نصیر نے انہیں سمجھایا تھا کہ جہاں جاؤ، جوہر قابل تلاش کرو لیکن جوہر اکثر و بیشتر گدڑیوں میں چھپے ہوتے ہیں۔ طارق خود ایک غلام تھے جنہیں موسیٰ بن نصیر کی جوہر شناس نظروں نے غلام کے درجے سے بلند کر کے فاتح ہسپانیہ بنا دیا تھا۔

طارق نے جیسے الفانسو کے چہرے کے خطوط پڑھ لیے یا اپنی فطری ذہانت سے الفانسو میں چھپی ہوئی خوبیوں کا اندازہ لگا لیا۔

انہوں نے الفانسو سے کہا :

"اگر میں یہ کہوں کہ تمہارا تعلق کسی شاہی خاندان سے ہے تو تم کیا جواب دو گے؟"

الفانسو گھبرا گیا۔ وہ اپنی ساری ذہانت بھول گیا۔ اسے یوں معلوم ہوا جیسے اس کا مخاطب بگتاش دانشور سے بھی زیادہ عقلمند ہے۔ اسے بہرحال اپنی شخصیت کو پوشیدہ رکھنا تھا۔

الفانسو نے کہا:

"میں یہ تو نہیں کہہ سکتا کہ آپ کا اندازہ غلط ہے لیکن میں تو بس یہ جانتا ہوں کہ جس دن سے میں نے ہوش سنبھالا ہے خود کو چرواہا دیکھا اور پایا ہے"۔

مغیث نے سوال کیا :

"تم نصرانی ہو؟"

الفانسو ادب سے بولا :

"جی ہاں لیکن آپ نصرانی نہیں معلوم ہوتے"۔

"یہ تم نے کیسے اندازہ لگایا؟" مغیث نے گھبرا کر پوچھا۔

الفانسو نے کہا: "میں ایک جاہل چرواہا ہوں لیکن یہ جانتا ہوں کہ کم از کم قرطبہ کا کوئی نصرانی دوسرے

سے یہ نہیں پوچھا کہ تم نصرانی ہو۔"

مغیث نے طارق بن زیاد کی طرف اشارہ کیا۔ وہ الفانسو سے کچھ فاصلے پر گھوڑے پر سوار تھے۔

مغیث نے پوچھا:

"ان کے متعلق کیا خیال ہے۔ یہ کون ہو سکتے ہیں؟"

الفانسو نے سر جھکاتے ہوئے جواب دیا:

"یہ وہ ہیں جن کے نام سے آج پورا قرطبہ کانپ رہا ہے۔ ان کے آنے کا تو بعض لوگوں کو بڑا انتظار تھا۔"

طارق کو الفانسو کی باتوں میں بڑی دلچسپی پیدا ہو گئی۔ انہوں نے پوچھا:

"تمہیں ہمارا نام معلوم ہے۔"

"نہیں۔" الفانسو نے جواب دیا:

"آپ کے نام کا شاید بہت کم لوگوں کو علم ہے لیکن سرخ بال اور سرخ چہرے والے اس سپاہی کو چرچا ہے جس نے ہسپانیہ کے شہنشاہ کو شکست دی ہے۔"

طارق بن زیاد ہسپانیہ میں روزِ اوّل ہی سے اپنے نام سے زیادہ "سرخ بال اور سرخ چہرے والے" کے نام سے مشہور ہو گئے تھے۔

طارق نے پوچھا:

"کیا قرطبہ والے یہ چاہتے تھے کہ مسلمان قرطبہ پر حملہ کریں؟"

"ہاں۔" الفانسو نے جواب دیا:

"کم از کم میرے استاد کی اور میری خواہش تو یہی تھی۔"

"تمہارا استاد؟" طارق نے پوچھا:

"کہاں ہے تمہارا استاد کیا نام ہے اس کا؟"

الفانسو نے بتایا:

"ان کا نام بگتاش دانشور ہے۔ وہ قلعے کے باہر رہتے تھے۔ انہوں نے بہت ہاتھ پیر مارے کہ انہیں زبردستی پکڑ کر اندر لے گئے۔"

طارق بن زیاد نے ایک اور سوال پوچھا:

"حاکمِ قرطبہ سے تمہیں کیا پرخاش ہے جو تم چاہتے ہو کہ مسلمان قلعۂ قرطبہ پر حملہ کریں؟"

الفانسو اٹھ کر کھڑا ہو گیا اور اپنی بکریوں کی طرف دیکھتے ہوئے بولا:

"اے فاتح سپہ سالار! اگر آپ میری بکریوں پر زبردستی قبضہ کر لیں تو میں یہی خواہش کروں گا کہ آپ اور آپ کا لشکر تباہ ہو جائیں۔"

طارق اور مغیث الرومی، الفانسو کی باتوں سے بڑے مسرور ہوئے۔ طارق نے کہا:

"اے نوجوان! اگر تم خواہش کرو تو میں تمہیں اپنے لشکر میں شامل کر سکتا ہوں۔ تم نے ثابت کر دیا ہے کہ تم سچے استاد کے شاگرد ہو۔"

الفانسو نے کہا:

"میں آپ کا شکر گزار ہوں کہ آپ نے ہسپانیہ کے ایک ادنیٰ چرواہے کی اتنی عزت افزائی کی۔ میں فوجی خدمات انجام دینا چاہتا ہوں لیکن ابھی نہیں۔ جب بھی ضرورت پڑی میں آپ کی خدمت میں حاضر ہو جاؤں گا۔"

الفانسو نے منہ سے مخصوص سیٹی بجائی۔

سیٹی کی آواز سنتے ہی بھیڑ بکریاں اس کی طرف ایک ایک کر کے آنے لگیں۔ ذرا دیر میں اس کے تمام جانور اس کے گرد اکٹھے ہو گئے۔ طارق اور مغیث یہ منظر بڑی دلچسپی سے دیکھ رہے تھے۔

الفانسو نے کہا:

"سپہ سالار! مجھے اجازت دیجیے کہ میں اپنے ریوڑ کو لے کر واپس جاؤں۔ میری نابینا ماں میرا انتظار کر رہی ہو گی۔"

مغیث الرومی نے کہا:

"تم جا سکتے ہو لیکن وعدہ کرو کہ قرطبہ کی فتح کے بعد تم ہم سے ملنے ضرور آؤ گے۔"

طارق بن زیاد نے کہا:

"مغیث! تم نے ہمارے منہ کی بات چھین لی۔ ہم چاہتے ہیں کہ جب ہم قلعے میں داخل ہوں تو الفانسو ہمارے ساتھ ہو۔ ہم اس کے استاد بگتاش سے بھی ضرور ملاقات کریں گے۔"

الفانسو نے کہا:

"میں آپ کی قدم بوسی کے لیے ضرور حاضر ہوں گا۔ آپ نے میرے استاد کا نام لیا ہے تو اس کا ایک قول بیان کرنے کی اجازت دیجیے۔ اجازت اس لیے مانگ رہا ہوں کہ شاید میرے استاد کی بات آپ کو ناگوار گزرے۔"

طارق مسکرا کر بولے:

"الفانسو، دانشوروں کا قول نہ سننے والے دنیا میں کبھی کامیاب نہیں ہوتے۔ ان کی باتیں تلخ سہی لیکن حقیقت

پر مبنی ہوتے ہیں۔ بے خوف ہو کر استاد کا قول بیان کرو"۔

الفانسو نے مغیث الرومی کو دیکھتے ہوئے کہا:

"سپہ سالار! آپ کے یہ ہسپانوی سردار بگناتش دانشور کا یہ قول ضرور جانتے ہوں گے کہ بادشاہ کی
مثال ایک چرواہے جیسی ہوتی ہے اور رعیت اس کا ریوڑ ہے جس کی حفاظت کی ذمے داری چرواہے کی
ہے"۔

مغیث الرومی نے بگناتش کا یہ قول نہ سنا تھا۔ اس نے ذرا حیرانی سے پہلے الفانسو کو اور پھر طارق بن زیاد
کو دیکھا۔

طارق مسکرائے اور بولے:

"الفانسو! تم نے جو قول بیان کیا ہے وہ ہم مسلمانوں کے لیے نیا نہیں۔ یہ تو ہمارے ایمان کا جُزو ہے۔ ہمارے
مذہب نے ہمیں یہی تعلیم دی ہے"۔

الفانسو اپنی بھیڑ بکریوں کو لے کر اپنی جھونپڑی کی طرف چل پڑا۔ مغیث الرومی بڑی الجھن میں پڑ گیا۔ وہ کبھی
الفانسو کے استاد کے قول پر غور کرتا اور کبھی طارق بن زیاد کے بارے میں سوچتا۔

طارق بن زیاد کو فصیل کا کوئی حصہ کمزور نظر نہ آیا۔ فصیل کی اونچائی اور مضبوطی ان کے سدِ راہ تھی لیکن انہیں اسے
تو آخر کرنا ہی تھا۔ ابھی نہ جانے ایسے ایسے کتنے قلعوں کو فتح کرنا تھا۔

طارق نے حملے کا حکم دے دیا۔ مسلمانوں نے بڑے جوش و خروش سے حملہ کیا لیکن قلعے والوں کی شدید
مدافعت کی وجہ سے انہیں کامیابی حاصل نہ ہوئی۔ قلعے کے اوپر سے اس قدر تیر برسائے کہ خندق پار کرنا مشکل
ہو گیا۔

طارق کے لیے یہ صورتحال بڑی پریشان کن تھی۔ ابھی اتنا بڑا ملک فتح کرنے کو باقی تھا۔ دو دن
اسلامی فوجیں فصیل تک پہنچ گئیں لیکن اس کی بلندی اتنی زیادہ تھی کہ اس پر نہ پہنچا جا سکا۔
اسی جا کے معرکے میں مسلمانوں کا کافی نقصان ہوا تھا۔ طارق محتاط ہو گئے۔ وہ خواہ مخواہ جانی نقصان
نہیں کرنا چاہتے تھے۔ اس کا حساب انہیں اپنے آقا موسیٰ بن نصیر اور روزِ حشر آقاؤں کے آقا کو دینا تھا۔
قلعے پر حملے جاری رکھے لیکن اس طرح کہ مسلمانوں کا جانی نقصان نہ ہو۔ قلعے والے ان مسلسل حملوں

سے پریشان ضرور تھے لیکن ان کا نقصان نہیں ہو رہا تھا۔

آخر طارق نے مصلحت کا دامن تھاما اور قلعے والوں کے پاس صلح کا پیغام بھیجا۔ ان کی جان و مال کی حفاظت
کا وعدہ کیا۔ حاکم قلعہ کو بھی اس شرط کے ساتھ بحال رکھنے کا اعلان کیا کہ قلعے پہ اسلامی پرچم لہرایا جائے اور
ایک فوجی دستہ قرطبہ میں مستقل طور پر قیام کرے۔ حاکمِ قلعہ کو قلعے کی مضبوطی پر ناز تھا۔ اس نے کان نہ دھرے
اور گفتگو ناکام ہو گئی۔

حملے پھر شروع ہوئے مگر بے نتیجہ!

تاریخ کی رُو سے طارق بن زیاد نے نو[9] دن تک قرطبہ پر قبضہ کرنے کی کوشش کی مگر قلعہ ہاتھ نہ آسکا۔ طارق
کو سب سے زیادہ فکر دارالخلافہ طلیطلہ کی تھی۔ شہنشاہِ ہسپانیہ شکست کھا کر مارا جا چکا (ڈوب گیا) تھا لیکن طلیطلہ پہ
ابھی تک ہسپانیوں کا قبضہ تھا۔ طارق کا خیال تھا کہ جب تک دارالخلافہ پر قبضہ نہ ہوگا، ہسپانیوں کا زور نہ ٹوٹے گا۔
لیکن وہ قرطبہ سے محاصرہ بھی نہیں اٹھانا چاہتے تھے۔ بدقسمتی سے پچھلے دو دن سے قرطبہ میں بارش کا سلسلہ جاری تھا۔
یہ اور زیادہ پریشان کن بات تھی۔ مسلمان کھلے میدان میں خیموں میں تھے۔

آخر طارق بن زیاد نے ایک عجیب فیصلہ کیا۔

انہوں نے مغیث الرومی کے پاس تھوڑی سی فوج چھوڑی اور اسے حکم دیا کہ قرطبہ کا نہ صرف محاصرہ جاری رکھا جائے
بلکہ روزانہ ایک حملہ کر کے قلعے والوں کو ہراساں اور خوفزدہ کیا جائے۔ طارق نے قرطبہ کا محاصرہ کرنے والے دستوں کی
سرداری مغیث الرومی کو عطا کی۔ مغیث یہودی تھے لیکن بڑے وفادار اور شجاع تھے۔ طارق نے انہیں صلح و جنگ کے
تمام اختیارات سونپ دیے اور خود بقیہ لشکر لے کر ایک رات قرطبہ سے طلیطلہ کی طرف روانہ ہو گئے۔

شاہی نسل کا شہزادہ الفانسو اس جنگ میں بڑی دلچسپی لے رہا تھا۔ اسے مغیث اور طارق بن زیاد دونوں نے
ملاقات کی دعوت دی تھی۔ وہ یہ انتظار کر رہا تھا کہ قلعہ فتح ہو جائے تو وہ ان لوگوں سے مل کر اپنی داستان
سنائے۔

اس کا خیال تھا کہ اگر طارق بن زیاد کو اس کی باتوں کا یقین آ گیا تو وہ الفانسو کو اس کی گئی ہوئی خوشیاں لوٹا
دیں گے لیکن الفانسو اس وقت بہت مایوس ہوا جب اسے پتہ چلا کہ طارق بن زیاد قرطبہ کے محاصرہ سے دل برداشتہ
ہو کر طلیطلہ چلے گئے ہیں۔

مسلمانوں کے ہاتھوں قلعہ فتح نہ ہونے کا اسے بھی افسوس تھا۔ امید کی ایک شمع جو اس کے دل میں روشن تھی وہ ٹمٹمانے لگی۔ وہ خود بھی اس نتیجے پر پہنچا کہ جب طارق پورے لشکر کے ساتھ قلعے پر قبضہ نہ کر سکا تو سردار مغیث، چند دستوں کے ساتھ قلعے کا کیا بگاڑ لے گا۔

"قلعہ فتح ہونا چاہیے"۔

یہ الفانسو کے دل کی آواز تھی۔ فتح ہی اس کے دن پھیر سکتی تھی لیکن یہ فتح کیسے حاصل ہو؟ اس کی کچھ سمجھ میں کچھ نہ آتا تھا۔

بارش شروع ہونے کی وجہ سے وہ جانوروں کو باڑے سے کم ہی نکالتا لیکن خود اس جگہ کا روز چکر لگاتا جہاں اس کی ملاقات مغیث اور طارق بن زیاد سے ہوئی تھی۔ یہ جگہ قلعے کی پشت پر تھی جہاں دریا فصیل کے ساتھ بہتا تھا۔

آہستہ آہستہ اس جگہ کا طواف کرنا الفانسو کا ایک معمول سا بن گیا۔ وہ وہاں شام کو جاتا تھا۔ فصیل پر تھوڑے تھوڑے فاصلے پر برج بنے ہوئے تھے اور ان پر ہسپانوی فوج تعینات تھی۔ وہ ان کی نظروں سے بچا جا رہا تھا۔ پھر اس نے شام کے بجائے رات کو وہاں جانا شروع کر دیا۔ اسے نہ بارش کی پرواہ تھی نہ رات کے اندھیرے کی۔ وہ ادھر جاتا اور صبح ہوتے ہوتے واپس آتا تھا۔ اس کی نابینا ماں اس سے پوچھتی تو وہ بہانہ کر دیتا۔

طارق بن زیاد کے چلے جانے سے قلعہ والے مطمئن ہو کر بیٹھ گئے تھے۔ اب انھوں نے یہ طے کیا تھا کہ بارش رکتے ہی وہ قلعے کا دروازہ کھول کے مسلمانوں پہ بھرپور حملہ کریں گے۔ مسلمان فوج کی تعداد نصف سے بھی کم رہ گئی تھی۔ ان کے لیے یہ ایک اچھا موقع تھا لیکن بارش تھی کہ رکنے کا نام نہ لیتی تھی۔ کبھی دن کو بارش ہوتی تو کبھی رات کو۔ حاکم قلعہ نہایت دور اندیش انسان تھا۔ وہ کسی طرح کا خطرہ مول لینے کے لیے تیار نہ تھا۔ اس کی فوج نے اسے اکسایا کہ باہر نکل کر ان مٹھی بھر فوجیوں کا خاتمہ کر دیا جائے لیکن حاکم قلعہ نے انہیں سختی سے منع کر دیا۔ وہ چاہتا تھا کہ بارش رک جائے اور زمین خشک ہو جائے۔ اسے معلوم تھا کہ کھلے میدان میں مسلمانوں کا مقابلہ مشکل ہی نہیں بلکہ ناممکن ہے۔ وہ بارش کے رکنے کا بے چینی سے انتظار کر رہا تھا۔

ایک صبح الفانسو بھاگا بھاگا اپنی جھونپڑی میں آیا۔ اس کی ماں اس کے روز رات کو غائب ہونے سے پریشان تھی اور اس کے واپس آنے پر بڑبڑاتی تھی لیکن اس دن اس کے صبر کا پیمانہ اس وقت چھلک پڑا جب الفانسو نے بتایا کہ وہ دو چار دن کے لیے باہر جا رہا ہے۔

ماں بہت روئی پیٹی۔ ڈانٹ پھٹکار بھی کی۔ محبت کا واسطہ بھی دیا لیکن الفانسو اپنے فیصلے پر ڈٹا رہا۔ چار دن کے لیے ماں کے کھانے پینے کا انتظام کیا۔ باڑے کے جانوروں کے چارے کا بھی کچھ بندوبست

کر دیا اور اسے رام کر کے جھونپڑی سے نکل گیا۔

بوندا باندی رات بھر ہوتی رہی تھی۔ اب تیز بارش شروع ہو گئی۔ الفانسو کی چادر بھیگ گئی تھی۔ وہ چھپ چھپا کر اونچی نیچی منڈیریں اور کھائیاں پھلانگتا سر جھکائے چلا جا رہا تھا۔ اس کے دل میں امید و بیم کے جذبات تھے۔ کبھی اس کا دل کہتا کہ قلعہ فتح ہو گا اور وہ اسلامی لشکر کے ساتھ فاتحانہ انداز میں داخل ہو گا لیکن کبھی دل دھڑکنے لگتا۔ کیا پتہ مسلمان اس کی بات کا یقین نہ کریں۔ اسے فریبی سمجھیں۔ یہ بھی ہو سکتا ہے کہ وہ الفانسو کی شرط نہ مانیں۔ اگر مان بھی لیں اور بعد میں انکار کر دیں تو وہ ان کا کیا بگاڑ لے گا۔ یہ سوچ کر اس کا دل بیٹھنے لگتا۔

الفانسو کو دریا کے پل کا چکر کاٹ کر قلعے کے سامنے جانا چاہئے تھا۔ اسے اسلامی لشکر کے سردار سے ملنا تھا۔ ان سے گفتگو کرنا تھی۔ کچھ لو اور کچھ دو کا سودا چکانا تھا۔

پل پار کر کے اس کی رفتار میں اور تیزی آ گئی۔ اسے محسوس ہوا جیسے وہ اپنی منزل کی طرف بھاگ رہا ہے۔ اس کی رفتار تیز ہوتی گئی۔ راستے میں کیچڑ تھا اور جگہ جگہ پانی بھرا تھا۔ کئی جگہ تو اسے کمر کمر پانی سے گزرنا پڑا۔

قلعے کے سامنے اسلامی فوج کے خیمے بدستور لگے ہوئے تھے۔ ہر طرف جل تھل تھا۔ پانی خیموں کے اندر پہنچ گیا تھا اور سپاہی پانی اُلیچ اُلیچ کر باہر پھینک رہے تھے۔

ایک اجنبی کو خیموں کی طرف آتے دیکھ کر کچھ سپاہی پانی میں بھیگتے ہوئے اس کے پاس آ گئے۔ الفانسو نے انہیں بتایا کہ وہ اسلامی فوج کے سردار اعلیٰ سے ملنا چاہتا ہے۔ مسلم سپاہیوں نے الفانسو کو مشکوک نظروں سے دیکھا۔ کیونکہ وہ ایک میلی بھیگی چادر میں لپٹا ہوا تھا اور اس کے پیر کیچڑ میں لتھڑے ہوئے تھے۔

الفانسو نے انہیں ہچکچاتے دیکھا تو کہا:

"اسلامی لشکر کے سپہ سالار طارق بن زیاد اور نائب مغیث الروی نے اسے خود ملاقات کے لیے بلایا ہے"۔

مغیث الروی کا نام سن کر سپاہیوں کا شک دور ہو گیا کیونکہ طارق بن زیاد کے جانے کے بعد وہی اس وقت مسلم لشکر کے سپہ سالار تھے۔

ایک سپاہی مغیث کو اطلاع دینے جانے لگا تو الفانسو نے اسے سمجھایا کہ اگر مغیث الروی اس کے بارے میں پوچھیں تو انہیں بتایا جائے کہ الفانسو چرواہا ملنے آیا ہے

بارش اور تیز ہو گئی۔ چھما چھم مینہ برسنے لگا۔ جوں جوں بارش تیز ہوتی جاتی تھی۔ الفانسو کا دل خوشی سے

بے قابو ہوا جا رہا تھا۔ وہ دعا مانگ رہا تھا کہ بارش اسی طرح ہوتی رہے۔ ہر طرف دریا سے بہ جائیں اور بادل
آجائے کیونکہ ایسے ہی خراب موسم میں اس کا منصوبہ تکمیل پا سکتا تھا۔ اس کی امید پوری ہو سکتی تھی اور قلعہ فتح کیا
جا سکتا تھا۔

الفانسو سپاہیوں کے ساتھ بارش میں کھڑا بھیگ رہا تھا کہ وہ آدمی واپس آیا جو مغیث الروی کے
کے آنے کی خبر لے کر گیا تھا۔ اس نے بتایا کہ سردارِ اعلیٰ نے اس چرواہے کو فوراً اپنے خیمے میں بلایا ہے۔
اس کا شکریہ ادا کیا اور اس کے پیچھے پیچھے چلنے لگا۔

تمام خیمے پانی میں ڈوبے ہوئے تھے۔ یوں معلوم ہوتا تھا جیسے خیمے پانی میں تیر رہے ہیں۔ مغیث
اپنے خیمے کے سامنے پانی میں کھڑے الفانسو کا انتظار کر رہا تھا۔ الفانسو نے اپنی پہلی ملاقات میں مغیث کو
متاثر کیا تھا کہ وہ خیمے کے اندر اس کا انتظار نہ کر سکا اور فوراً باہر آگیا۔

اس آندھی اور طوفان میں الفانسو کے آنے پر وہ خوش بھی تھا اور متحیر بھی۔ وہ خوش تھا کہ اس موقع پر
کی باتیں سنے گا۔ ممکن ہے کہ الفانسو کوئی ایسی عقل کی بات بتلائے کہ ان کا تکدّر اور فکر بالکل دور ہو جائے۔

الفانسو بھیگ کر بالکل چوہا بنا ہوا تھا۔ اس نے مغیث کو ادب سے سلام کیا۔ مغیث اسے ساتھ لیے ہوئے
خیمے میں پہنچا۔ وہاں ہر چیز بھیگی ہوئی تھی یا نیز رہی تھی۔ درخت کی شاخیں کاٹ کر خیمے میں ڈالی گئی تھیں اور
اس خیمے کا فرش تھا۔

مغیث نے پوچھا:

"مجھے خوشی ہے کہ تم نے ہمیں یاد رکھا لیکن اس آندھی، پانی میں کیا ضرورت پیش آگئی۔ تمہاری جھونپڑی
سے کافی دور ہے؟"

الفانسو کسی خیال کے پیشِ نظر دل ہی دل میں خوش ہو رہا تھا۔ اس نے کہا:

"یہ فاصلہ کم بھی ہو سکتا ہے سردار۔ میرا گھر اس لیے دور ہے کہ مجھے پل پہ جا کر ایک لمبا چکر کاٹنا پڑتا ہے۔
اگر میں ہمت کروں اور دریا میں چھلانگ لگا دوں تو پھر یہ گھر دور نہیں رہتا۔ دریا پار کرتے ہی تو میرا گھر یعنی
جھونپڑی نظر آنے لگتی ہے۔"

"ٹھیک کہتے ہو الفانسو۔ عزم اور ہمت ہی کامیابی کی دلیل ہیں۔" مغیث الروی نے ایک آہ بھری۔ پھر
نظریں قلعہ قرطبہ کے دیوہیکل دروازے پر جم گئیں۔ یہ دروازہ اس کے خیمے سے صاف نظر آ رہا تھا۔

"کیا آپ تیرنا جانتے ہیں؟" الفانسو نے ایک دم سوال کیا۔

سوال عجیب بے تکا سا تھا۔

مغیث نے کیوں نہیں۔"
مغیث الروی نے جواب تو دے دیا لیکن اس کی طبیعت کچھ پھیکی سی پڑ گئی۔ اسے امید تھی کہ الفانسو کچھ
دانش کی باتیں کرے گا جس سے اس کا تھکا ہوا اور متفکر دماغ فرحت حاصل کرے گا لیکن یہ تو نہایت ہی
لایعنی سوال پوچھ رہا ہے "کیا تیرنا جانتے ہو"۔ اسے اتنا بھی نہیں معلوم کہ میں فوجی سردار ہوں اور ایک فوجی کو
تیرنے سے واقف ہونا ضروری ہے۔

"کتنے جاں نثار آپ کے ساتھ دریا میں چھلانگ لگا سکتے ہیں؟" الفانسو نے دوسرا سوال کیا۔ یہ سوال
پہلے سے بھی زیادہ حماقت انگیز تھا۔

مغیث الروی کچھ چڑ کر بولا:

"فوجی جاں نثار نہ ہو تو سردار فتح کیسے حاصل کرے لیکن الفانسو تم اس طرح کے سوال کیوں کر رہے ہو؟"

الفانسو شاید ایک زمانے کے بعد بھرپور انداز میں مسکرایا اور کہا:

"سردار، قرطبہ کا قلعہ جاں نثاروں کے ساتھ دریا میں چھلانگ لگا کر ہی فتح ہو سکے گا۔"

مغیث نے چونک کر الفانسو کو دیکھا ـــ الفانسو کے چہرے کی مسکراہٹ ایک بار پھر سنجیدگی میں تبدیل
ہو چکی تھی۔

مغیث نے پوچھا:

"الفانسو! تم قرطبہ کی فتح کے بارے میں کچھ کہہ رہے تھے۔"

"جی ہاں سردار، قلعہ فتح ہو سکتا ہے لیکن . . . ." الفانسو کہتے کہتے رُکا۔

مغیث الروی نے کہا:

"الفانسو، تم جانتے ہو کہ قرطبہ تو بہرحال فتح ہونا ہے۔ آج نہیں تو کل ـــ لیکن اگر تم اس سلسلے میں کوئی مشورہ
دے سکو تو ہم تمہارے شکر گزار ہوں گے اور اگر تم اس کا کوئی صلہ چاہو گے تو ہم وہ بھی دینے کے لیے تیار ہیں۔"

الفانسو نے کچھ سوچتے ہوئے کہا:

"سردار۔ مجھے کسی صلے کی ضرورت نہیں لیکن ایک خواہش ضرور ہے۔ اگر آپ فتح کے بعد میری یہ خواہش
پوری کر دیں تو مجھے اس کی اتنی ہی خوشی ہوگی جتنی آپ کو قلعہ فتح ہونے کی۔"

پھر الفانسو اور مغیث الروی میں دیر تک باتیں ہوتی رہیں۔

جب وہ باتیں کر کے کھڑے ہوئے تو مغیث کا چہرہ پُرسکون تھا۔ الفانسو نے انہیں جو باتیں بتائی تھیں وہ ان
کے اطمینان کا باعث بن گئی تھیں۔

وہ رات بڑی بھیانک اور خوفناک تھی۔

بارش میں شام ہی سے تیزی آگئی تھی۔ بجلی چمکتی تو یوں معلوم ہوتا جیسے ہوا میں چنگاریاں
بادلوں کی گرج سے دشت و جبل میں لرزہ سا پیدا ہو جاتا۔ مسلمانوں کے خیمے آدھے آدھے پانی میں ڈ
پانی میں سیلابی کیفیت پیدا ہو گئی تھی۔ بہت سے خیمے پانی کے ریلے میں بہ گئے تھے لیکن مسلمان
استقلال سے محاصرہ کیے ہوئے تھے۔ یہ کیفیت محاصرہ کرنے والوں کی تھی۔ قلعے والے یقیناً ان
اندازہ کر کے ضرور ہنس رہے ہوں گے۔

قلعے کی پشت پر دریا ٹھاٹھیں مار رہا تھا۔ باد و باراں کا طوفان ہر لحظہ بڑھتا جا رہا تھا لیکن کچھ
کے اس غصے کا مضحکہ اڑانے پر تُلے ہوئے تھے۔ وہ دریا کے دوسرے سرے پر نمودار ہوئے۔ تلواریں
اور ایک کے بعد ایک دریا کی طوفانی لہروں کا سینہ چیرنے لگے۔ ان کا رخ دوسرے کنارے کی طرف
تیز موجیں انھیں بار بار دھارے میں بہا لے جاتیں۔ اوپر سے تیز بارش۔ بجلی کی چمک، بادل کی گرج
میں کمزور دل تو آنکھیں کھولتے ہوئے گھبراتے ہیں مگر یہ جاں باز طوفان کی آنکھوں میں آنکھیں ڈال
سے لڑتے بھڑتے آخر دوسرے کنارے پر پہنچ گئے۔

بجلی چمکی تو معلوم ہوا کہ دوسرے کنارے پر پہنچنے والا جاں باز الفانسو تھا۔ اس کے ساتھ
کا سردار مغیث الرومی، ان کے پیچھے چند اور بہادر اور شجاع جوان تھے جو لہروں کو زیر کر کے اور طوفان
کر اس کنارے پر آ گئے تھے۔

دریا چڑھا ہوا تھا اور فصیل اور دریا کے درمیان صرف تین چار فٹ کا فاصلہ تھا۔ دریا سے نکل
یہ لوگ پیٹ کے بل رینگتے ہوئے فصیل کے پاس پہنچے۔ پھر فصیل کے ساتھ ساتھ مشرق کی طرف ان
لگے۔ اس وقت بھی الفانسو آگے آگے ان کی رہبری کر رہا تھا۔ فصیل اور برجوں پر ہسپانوی سپاہی تعینات
کسی وقت بھی کوئی حادثہ پیش آ سکتا تھا۔

اسلام دنیا سے فتنہ و فساد کی جڑیں اکھاڑنے کے لیے آیا ہے اس لیے تائید ایزدی قدم قدم
ساتھ تھی۔ الفانسو کی اطلاع اور رہنمائی ہی تائید ایزدی کا کھلا ثبوت تھا۔ ورنہ فصیل کے اس حصے
کا تصور بھی نہ کیا جا سکتا تھا۔

فصیل کے ساتھ ساتھ انجیر کا باغ تھا جس کے آدھے درخت تو پانی میں ڈوب گئے تھے اور جو باقی تھے ان کی
... تھیں۔ جہاں یہ لوگ پہنچے تھے وہاں پانی تقریباً فصیل تک پہنچ گیا تھا۔ مشکل سے کہیں کہیں
... حصہ باقی تھا۔

... الفانسو فصیل کے ساتھ چپک کر کھڑا ہو گیا۔ اس نے منہ اٹھا کر فصیل کی بلندی دیکھی۔ اسی وقت
... فصیل کا اوپری حصہ شکستہ نظر آیا۔ تیز بارش کی وجہ سے فصیل کا تھوڑا اور حصہ گر گیا تھا۔ یہی وہ
... جس کے ساتھ الفانسو کی تمام امیدیں وابستہ تھیں۔ فصیل کے اس حصے کو وہ کئی بار دن میں اور کتنی ہی مرتبہ
... اندھیرے میں آ کر اچھی طرح دیکھ چکا تھا۔

مغیث الرومی، الفانسو کے پاس آ کر کھڑا ہوا۔ الفانسو نے انجیر کے ایک درخت کی طرف اشارہ کیا۔ درخت
کی بڑی شاخ فصیل کے ٹوٹے ہوئے حصے تک پہنچتی تھی۔

مغیث الرومی نے درخت کو غور سے دیکھا۔ پھر تلوار منہ میں دبا کر اوپر چڑھنے لگا۔ درخت کی شاخ بڑی مشکل
... جسم کا بوجھ سنبھال رہی تھی لیکن اس کے جھکنے سے وہ فصیل کے بالکل قریب ہو گیا۔ اس نے اپنا توازن
... ہوئے ایک پیر فصیل کے ٹوٹے ہوئے حصے پر جمایا اور پھر آہستہ سے اس پر پہنچ گیا۔ الفانسو کا دل خوشی
... گیا۔ یہ اس کی آدھی کامیابی تھی۔

برق و باد کے طوفان کی وجہ سے فصیل کے محافظ سپاہی کونے کھدروں میں دبکے ہوئے تھے۔ وہ تصور بھی
... سکتے تھے کہ اس طوفان بلا خیز میں چند سر پھرے دریا عبور کر کے فصیل پر قدم جما رہے ہیں۔ مغیث الرومی
... الفانسو اوپر پہنچا۔ پھر وہ تمام بہادر اوپر آ گئے جنھیں مغیث نے اس اہم مہم کے لیے منتخب کیا تھا۔ یہ
... نہایت پھرتیلے اور جسامت کے لحاظ سے ہلکے پھلکے تھے۔

مغیث الرومی اور تمام لوگوں کے جسموں پر سیاہ کپڑے تھے تاکہ کسی کو نظر نہ آ سکیں۔ مغیث کے سیاہ عمامے
... سپاہیوں کو فصیل پر چڑھانے اور پھر انہیں اندر اتارنے میں بڑا کام کیا۔

قلعے کے اندر سناٹا طاری تھا۔ بازار اور گلیاں ویران و سنسان تھیں۔ گلیاں پار کرتے قلعے کے صدر دروازے
... جب تک یہ لوگ دروازے پر نہیں پہنچے، کسی کو بھی خبر نہ ہوئی لیکن جب ان لوگوں نے دروازہ کھولنے
... تو محافظ سپاہی جاگ پڑے۔ پہلے تو وہ پھٹی پھٹی نظروں سے کالے کپڑوں میں ملبوس لوگوں کو دیکھنے
... سمجھ میں نہ آ رہا تھا کہ یہ جن ہیں یا بھوت جو اس طوفان میں قلعے کے اندر آ گئے ہیں لیکن جب انھوں نے
... تو وہ تلواریں سونت کر ان پر ٹوٹ پڑے۔

مغیث الرومی اپنے ساتھ منتخب شمشیر زن لائے تھے۔ انھوں نے ہسپانوی محافظوں کو تلوار کی دھار پر

پرر کھ لیا۔ اور ان کی سخت مدافعت کے باوجود قلعے کا دروازہ کھولنے میں کامیاب ہوگئے۔ قلعے
مسلمان دستے پہلے ہی تیار کھڑے تھے وہ اللہ اکبر کا نعرہ لگاتے ہوئے قلعے میں داخل ہوگئے۔ اب قلعے
لڑائی شروع ہوگئی۔ قرطبہ کے گلی کوچے میدانِ جنگ بن گئے۔

ہسپانوی دستے مسلمانوں کی شجاعت اور بہادری کے قصے سن سن کر پہلے ہی بدحواس ہوگئے
مسلمانوں کا اس طوفان میں قلعے کے اندر کسی نامعلوم سمت سے داخل ہونا ان کے لیے دہشت کا ایک
بن گیا۔ انہوں نے اپنی انفرادی قوت کے زور پر مقابلہ تو کیا لیکن بے دلی سے، یہاں تک کہ صبح ہونے ہو
قلعے پر مسلمانوں کا قبضہ ہوگیا۔

مغیث الردی نے عام معافی اور ہر ایک کی جان و مال کی حفاظت کا ذمہ لیا۔ جن لوگوں نے ہتھیار ڈ
انہیں امان دی گئی جو مقابلے پر ڈٹے رہے وہ آخر قتل ہو کر واصلِ جہنم ہوئے۔

جب جنگ رک گئی اور قلعے پر مسلمانوں کا پورا قبضہ ہوگیا تو حاکمِ قلعہ اور اس کے اہلِ خانہ کی تلا
ہوئی۔ تلاش بسیار کے بعد مغیث الروی کو بتایا گیا کہ حاکمِ قرطبہ نے چالیس آدمیوں کے ساتھ (اور بقول
چار سو؟) قلعے کے وسط میں بنے ہوئے سینٹ جارج کے گرجا گھر میں پناہ لے رکھی ہے۔

اس خبر سے مغیث کو تو جو افسوس ہوا ہوگا وہ ایک الگ بات ہے لیکن الفانسو کو اس اطلاع سے
تکلیف اور صدمہ پہنچا۔ اس کا دل جیسے ٹوٹ گیا۔

مغیث الردی نے الفانسو کو پریشان دیکھا تو پوچھا:

"الفانسو۔ تم پریشان کیوں ہو۔ تمہاری کوششیں بار آور ہوئیں۔ قلعے پر ہمارا قبضہ ہوگیا۔ ہم اپنے
قائم ہیں۔ اب تمہاری ہر خواہش پوری کی جاسکتی ہے"۔

الفانسو نے مردہ دلی سے کہا:

"سردارِ محترم میری خواہش پوری نہیں کر سکتے۔ حاکمِ قرطبہ کا گرفتار ہونا ضروری ہے۔ وہ گرفتار نہ
یہ کوشش بیکار ہو جائے گی۔ میری زندگی کا مقصد ہی ختم ہو جائے گا"۔

مغیث الروی نے الفانسو کو کوئی جواب نہ دیا لیکن اس نے سینٹ جان کا محاصرہ سخت کر دیا۔ یہ گرجا
قلعے کی مانند تھا۔ اس کی دیواریں قلعے کی فصیل جیسی تھیں۔ اندر کھانے پینے کا سامان افراط سے تھا۔ محصور
عرصہ تک زندہ رہ سکتے تھے۔

مغیث کو طارق بن زیاد نے تاکید کی تھی کہ عبادت گاہوں کی کسی صورت میں بھی بے حرمتی نہ کی جائے
تو وہ گرجا پر حملہ کر سکتے تھے اور نہ آگ لگوا سکتے تھے۔

مغیث الردی نے محصورین کو امان دینے کا وعدہ کیا اور باہر نکلنے کو کہا لیکن حاکم قرطبہ کو مسلمانوں کی اس
اس کے کان پر جوں تک نہ رینگی۔ غذا اور پانی کی تکلیف نہ تھی۔ وہ چپ سادھے بیٹھا رہا۔

جوں جوں طوالت پکڑتا جا رہا تھا مسلمانوں کے صبر کا پیمانہ بھرتا جا رہا تھا۔ انہوں نے مغیث سے
حملے کی درخواست کی لیکن مغیث نے طارق بن زیاد کے احکامات سے انحراف کی کوشش نہ کی اور مسلمانوں
کو تلقین کی۔

مغیث نے گرجا گھر کی اچھی طرح ناکہ بندی کر دی تھی لیکن یہ سمجھ میں نہیں آ رہا تھا کہ گرجا میں پانی کا کتنا ذخیرہ
تک ختم نہیں ہوا۔ قرطبہ والوں سے دریافت کرنے پر معلوم ہوا کہ قلعے کے اندر پانی اس چشمے سے جاتا ہے
باہر باغ میں موجود ہے۔

مغیث نے غوطہ خوروں کی خدمات حاصل کیں تاکہ وہ گرجا کے اندر پانی جانے کا راستہ معلوم کریں۔ غوطہ خور
غوطے لگا لگا کر تھک گئے لیکن انہیں کوئی راستہ نظر نہ آیا۔

کوشش کسی کی رائیگاں نہیں جاتی اور تلاش ایک نہ ایک دن کامیابی سے ہمکنار ہوتی ہے۔ گرجا کے اندر
جانے کا راستہ غوطہ خوروں نے تلاش کر لیا۔ چشمہ کا جو کنارہ گرجا کی سمت تھا تلاش کا تمام زور اسی سمت تھا،
راستہ بنانے والے نہایت چالاک تھے۔ انہوں نے یہ راستہ اس کنارے کی سمت بنایا تھا جو گرجا سے بہت دور تھا
ایک پائپ پورے چشمے کے گرد گھومتا ہوا اندر جاتا تھا۔ مغیث الردی نے فوراً اس پائپ کو بند

پائپ کا بند ہونا تھا کہ تیسرے دن حاکمِ قلعہ نے صلح کی درخواست کی اور جان کی امان چاہی۔ مغیث نے
مسترد کر دی اور غیر مشروط ہتھیار ڈال دینے کا حکم دیا۔

پھر گرجا کا پھاٹک کھل گیا۔

حاکمِ قرطبہ سر جھکائے سب سے پہلے باہر نکلا۔ اس کے دائیں جانب اس کی نوجوان بیوی اور بائیں سمت اس
تھی۔ پیچھے پیچھے دوسرے لوگ بغیر ہتھیار کے آ رہے تھے۔

کے سامنے مغیث اپنے سرداروں کے ساتھ کھڑے تھے۔ الفانسو اپنی پرانی چادر اوڑھے مغیث کے
کھڑا تھا۔ الفانسو کے برابر قرطبہ کا دانشور بگناش تھا جسے الفانسو ڈھونڈ لایا تھا۔

گرجا سے آنے والے تمام لوگ مغیث کے سامنے آ کر کھڑے ہو گئے۔ ان کی گردنیں جھکی ہوئی تھیں صرف
ہونے الفانسو کو مغیث کے برابر کھڑا دیکھ کر حیران ہو رہی تھی۔ حاکمِ قرطبہ کا رنگ زرد ہو رہا تھا اور اس
ٹانگیں کانپ رہی تھی۔

یکایک الفانسو کے پیروں میں حرکت ہوئی۔ وہ چار قدم آگے بڑھ کر مغیث الرومی کے سامنے ... ادب سے بولا:

"سردارِ محترم! آپ نے مجھ سے ایک وعدہ کیا ہے۔"

مغیث مسکرایا اور بولا:

"کیوں نہیں الفانسو۔ ہم وعدہ پورا کریں گے۔ تم اپنی خواہش بیان کرو۔"

الفانسو کا تمام جسم شدتِ جذبات سے لرزنے لگا۔ اس نے خود پر قابو پانے کی کوشش کی ... بڑی گرجدار آواز میں کہا:

"اے سردار۔ یہ شخص جو آپ کے سامنے کھڑا ہے، حاکمِ قرطبہ نہیں ایک خونی ہے۔ قاتل ہے۔ ... سال پہلے بھی ایک شب ایسا ہی طوفان آیا تھا جیسا طوفان گزشتہ شب اٹھا تھا۔ اس شب اس ظالم نے ... اصل حاکم کی محلسرا میں آگ لگوا دی اور وہ آگ کے شعلوں میں سسک سسک کر مر گیا۔ اس کا خیال تھا ... خاندان آگ میں بھسم ہو گیا لیکن حاکمِ قرطبہ کی بیوی اپنے شیر خوار بیٹے کو سینے سے لگائے محلسرا سے بھاگ نکلنے ... ہو گئی۔ اس خونی نے اسے ایک اتفاقی حادثہ قرار دے کر قلعے پر قبضہ کر لیا۔ اصل حاکم تو اس کے ظلم کی بھینٹ ... چڑھ گیا لیکن معصوم شہزادہ اپنی ماں کے ساتھ ایک چرواہے کے گھر جانوروں کی طرح پرورش پاتا رہا اور آج وہ ... شہزادہ آپ کے سامنے الفانسو چرواہے کے روپ میں کھڑا ہے۔"

سب کی نظریں الفانسو پر پہلے ہی لگی تھیں۔ اس آخری انکشاف پر ان کی حیرت کی حد نہ رہی۔ مغیث ... بڑی دلچسپی سے الفانسو کو دیکھ رہا تھا۔

الفانسو نے ذرا دم لے کر پھر کہنا شروع کیا:

"معزز سردار۔ اس سے پوچھیے کیا اسے اپنے جرم سے انکار ہے۔ کیا اس نے میرے باپ کو قتل ... کیا۔ کیا اس نے میری ماں کو بھاگنے پر مجبور نہیں کیا اور مجھے اس حال پر نہیں پہنچایا۔ مجھے چرواہا بنانے ... ظالم ہے۔ اسے میں اپنے ہاتھ سے سزا دوں گا۔ یہی میری خواہش ہے۔ یہی میری تمنا تھی۔"

شہزادہ الفانسو جذبات سے بے دم ہو گیا۔

قرطبہ کے تمام ہسپانوی معززین اور امراء و وزراء جنہیں مغیث الرومی نے معافی دے دی تھی اس ... مغیث کے ساتھ تھے۔ انہیں جب معلوم ہوا کہ قرطبہ کا اصل حاکم شہزادہ الفانسو ہے تو انہوں نے شہزادہ ... نعرہ لگایا اور ایک ایک نے اس کے ہاتھ عقیدت سے چومنا شروع کر دیے۔

مغیث الرومی جو اس تقریر سے کافی متاثر ہوا تھا، اس نے شہزادے الفانسو کو دیکھا پھر بڑھ کر ... سے لگا لیا۔

عجیب رقت انگیز منظر تھا۔ ایک طرف ظالم اور قاتل اپنے انجام کے انتظار میں سر جھکائے کھڑا تھا اور دوسری طرف ایک ادنیٰ چرواہا فاتح قرطبہ کے سینے سے لگا تھا۔

مغیث نے کہا:

"الفانسو۔ تم شہزادے کی حیثیت سے پیدا ہوئے۔ تم چرواہے کے روپ میں بھی شہزادے ہی تھے۔ ہم اپنے ... حکامِ اعلیٰ سے سفارش کریں گے کہ تم کو شہزادہ تسلیم کر لیا جائے۔"

پھر مغیث نے اپنی کمر سے تلوار نکالی اور الفانسو کی طرف بڑھاتے ہوئے کہا:

"شہزادے الفانسو! یہ تلوار لو اور اپنے باپ کے قتل کے قصاص میں قاتل کا سر خود اپنے ہاتھ سے اتار دو۔ ہم تمہاری خواہش کا احترام کرتے ہیں۔ حاکمِ قرطبہ کا خون تمہیں معاف کیا جاتا ہے۔"

الفانسو نے مغیث کے ہاتھ سے تلوار لی۔ اسے بے نیام کیا، سر سے اونچا بلند کیا اور حاکمِ قلعہ کی طرف بڑھا۔

حاکمِ قرطبہ کی بیوی چیخ مار کر دوڑ پڑی اور الفانسو کے قدموں پر گر پڑی۔

الفانسو کے بڑھتے ہوئے قدم رک گئے۔ اس نے حقارت سے قدموں میں پڑی ہوئی ملکہ کو دیکھا۔ پھر نظریں اوپر اٹھائیں تو ایک دم اس کی نظریں شیبا سے مل گئیں۔ شیبا کی آنکھوں میں دو موٹے موٹے آنسو لرز رہے تھے۔

الفانسو کے ہاتھ میں تلوار لرز گئی۔

اسی وقت ہسپانیہ کے دانشور بگتاش کی آواز اس کے کانوں میں آئی۔ وہ کہہ رہا تھا:

"اس عادل کا درجہ سب سے بلند ہے جو اپنے دشمن کو معاف کر دے۔"

الفانسو کے ہاتھ سے تلوار چھوٹ گئی۔ اس نے جھک کر چچی کو زمین سے اٹھایا۔ چچی نے فوراً الفانسو کو سینے سے لپٹا لیا۔

الفانسو نے مغیث الرومی کو دیکھتے ہوئے مردہ آواز میں کہا:

"سردار، میں اپنے مجرم کو معاف کرتا ہوں۔"

شیبا آہستہ آہستہ قدم اٹھاتی الفانسو کے پاس آ کر کھڑی ہو گئی!

6

اوری ہیولا کا شاطر

پانچوں سوار زخموں سے چور تھے۔

شہزادی لیڈیا نے پوچھا:

"یہ کون لوگ ہیں؟ انہیں کہاں سے گرفتار کیا گیا؟"

نکولس نے سواروں کو نفرت سے دیکھتے ہوئے کہا:

"یہ ہمارے دشمن ہیں..... مسلمان"۔

زخمی سواروں میں سے ایک دخل دیتے ہوئے بولا:

"میں مسلمان نہیں۔ یہودی ہوں"۔

ہسپانوی سردار نکولس نے یہودی کو گھورا اور کہا:

"خداوند یسوع مسیح کی تجھ پر لعنت ہو۔ تو ان سے بھی زیادہ قابلِ نفرت ہے"۔

شہزادی لیڈیا کو نکولس کا سخت لہجہ ناگوار گزرا۔ وہ بولی:

"نکولس: تحمل اور بردباری سے کام لو۔ تم نے مسلمانوں کو زخمی کر کے آگ میں ہاتھ ڈالا ہے۔ ایسا نہ ہو کہ یہ آگ طلیطلہ کو جلا کر خاک کر دے"۔

نکولس بڑا جوشیلا جوان تھا۔ اس نے نخوت سے کہا:

"شہزادی صاحبہ! مسلمانوں نے ہماری بستیاں اجاڑی ہیں۔ ہمارا خون بہایا ہے۔ ہم ان سے [illegible] لے کر رہیں گے"۔

[illegible] وقت تک ہے جب تک قلعہ کے سامنے مسلمانوں کے نیزے چمکتے دکھائی نہیں دیتے۔ خداوند مسیح ہمیں ایسے [illegible] دشمن سے محفوظ رکھے۔ یاد رکھو نکولس! اگر حملہ آور طلیطلہ کی فصیلوں تک پہنچ گئے تو یہ فصیلیں موم ہو کر ان کے قدموں میں سرنگوں ہو جائیں گی اور تمہارے جیسے تمام جوشیلے لشکری ہمیں ایک دم چھوڑ کر بھاگ چکے ہوں گے"۔

نکولس گھبرا گیا۔ اس نے پوچھا:

"شہزادی لیڈیا۔ تو کیا ہمیں بغیر جنگ کے قلعہ ان کے حوالے کرنا پڑے گا"۔

"یہ تو وقت ہی بتائے گا"۔ شہزادی لیڈیا نے ٹھنڈی سانس لیتے ہوئے کہا:

"لیکن ہم قلعے کے بدلے میں مسلمانوں سے زیادہ سے زیادہ مراعات حاصل کرنے کی کوشش کریں گے"۔

نکولس کا دل ڈوبنے لگا۔ اس نے کہا:

"شہزادی لیڈیا۔ آپ ایسی باتیں نہ کریں..... اگر سپاہیوں کو اس کی بھنک پڑ گئی تو ان کے حوصلے پست ہو جائیں گے"۔

شہزادی زہرخند کرتے ہوئے بولی:

"نکولس۔ ہمارے لشکری اچھی طرح جانتے ہیں کہ جس سیلاب کو ہمارے شہنشاہ راڈرک ڈیڑھ لاکھ فوج سے نہ روک سکے۔ اسے یہ مٹھی بھر فوج کیا روک سکے گی"۔

شہزادی، غلام گردش کی طرف بڑھی۔ نکولس بھی اس کے ساتھ ہو لیا۔

نکولس نے چلتے چلتے پوچھا:

"کیا ملکہ لونا بھی یہی چاہتی ہیں کہ قلعہ مسلمانوں کو بغیر لڑے ہوئے حوالے کر دیا جائے"۔

"ملکہ کیا چاہتی ہیں، اس کا مجھے علم نہیں"۔ شہزادی نے بے دلی سے کہا:

"میں ان سے کئی بار اس سلسلے میں گفتگو کرنے کی کوشش کر چکی ہوں لیکن وہ ہوں۔ ہاں کر کے ٹال گئی ہیں۔ انہیں اپنے حسن کی آرائش سے فرصت ملے تو کچھ اور سوچیں"۔

نکولس نے چلتے چلتے آہستہ سے اس کا ہاتھ پکڑ لیا اور بڑی محبت سے بولا:

"ملکہ لونا بے شک حسین ہیں لیکن میری نظروں میں شہزادی لیڈیا سے زیادہ کوئی حسین نہیں"۔

شہزادی رک گئی۔

اس نے نکولس کا ہاتھ جھٹک دیا اور تنک کر بولی:

"نکولس! مجھے تمہاری یہ چھچھوری باتیں پسند نہیں۔ دیکھتے نہیں یہ غلام گردش ہے۔ کسی کنیز یا غلام کی نظر

شہزادی نے نکولس کو جھڑک دیا۔ پھر بولی:

"نکولس! انتقام میدانِ جنگ میں لیا جاتا ہے۔ پانچ آدمیوں کو گھیر کر زخمی کر دینا کون سی بہادری ہے۔ تمہیں ان سے پوچھنا چاہیے تھا کہ یہ کون ہیں۔ یہاں کیوں آئے ہیں۔ ظاہر ہے کہ یہ پانچ سوار طلیطلہ کو فتح کرنے تو نہیں آئے ہوں گے"۔

"یہ سب جاسوس ہیں"۔ نکولس نے حقارت سے کہا۔

"عین ممکن ہے کہ یہ جاسوس ہوں"۔ شہزادی نے نرمی سے کہا:

"انہیں زخمی کرنے کے بجائے اگر تم ان سے اچھا سلوک کرتے تو شاید ہمیں ان سے مفید معلومات مل سکتیں"۔

شہزادی نے سواروں کو غور سے دیکھا تو اسے بہت افسوس ہوا۔ زخمی سواروں کے ہاتھ اور پیر زنجیروں سے جکڑے ہوئے تھے۔ ایک سوار کے شانے میں تو ایک تیر اب تک آویزاں تھا۔

شہزادی لیڈیا نے حکم دیا:

"انہیں فوراً آزاد کیا جائے اور زخموں کی مرہم پٹی کے لیے شاہی طبیب کے پاس بھیجا جائے"۔

نکولس بگڑ پڑا۔

اس نے غراتے ہوئے کہا:

"یہ کیسے ہو سکتا ہے۔ آزاد ہوتے ہی یہ بھاگ جائیں گے"۔

شہزادی کو ہنسی آ گئی۔ اس نے کہا:

"ہسپانوی سالار...... اگر تم پانچ زخمیوں کو قابو میں نہیں رکھ سکتے تو پھر قلعہ طلیطلہ کی حفاظت کا کس منہ سے دعویٰ کرتے ہو؟"

نکولس سے کوئی جواب نہ بن پایا۔ وہ اپنے ہونٹ کاٹ کر رہ گیا۔

زخمیوں کی زنجیریں کھول دی گئیں اور انہیں محافظ سواروں کے ساتھ شاہی طبیب کے پاس بھیج دیا گیا۔

شہزادی نے نکولس سے کہا:

"نکولس! میں تمہارے قومی اور ملّی جذبات کی قدر کرتی ہوں لیکن مصلحت بھی ایک چیز ہے۔ تم اچھی طرح جانتے ہو کہ ہم حملہ آوروں کا مقابلہ کھلے میدان میں نہیں کر سکتے"۔

"کیوں نہیں کر سکتے۔ ہم طلیطلہ کے میدان میں مسلمانوں سے انتقام لیں گے"۔ نکولس نے بڑے جوشیلے لہجے میں کہا۔ یہ کہتے وقت اس کی آنکھوں سے شعلے نکلنے لگے۔

شہزادی کو نکولس کی ناعاقبت اندیشی پر افسوس ہونے لگا۔ اس نے کہا: "نکولس! تمہارا یہ جوش صرف

...ہو گئی تو کیا سوچے گا؟"

نکولس نے زہرخند سے کہا:

"سوچے گا کیا۔ پورا قلعہ جانتا ہے کہ آپ میری منگیتر ہیں"۔

شہزادی لیڈیا چڑ گئی۔

وہ بگڑ کر بولی: "میں نے بارہا کہا ہے کہ میں نے ابھی تک کوئی فیصلہ نہیں کیا۔ تمہیں اس بارے میں اتنا سنجیدہ نہیں ہونا چاہیے"۔

نکولس نے کہا:

"شہزادی! فیصلہ تو ہو چکا ہے۔ ملکہ لونا اس کا اعلان کر چکی ہیں اور شہنشاہ راڈرک نے اپنی گمشدگی سے پہلے اس کی تصدیق بھی کر دی تھی"۔

شہزادی لیڈیا کو اور غصہ آ گیا۔ وہ جھلا کر بولی:

"ملکہ اور شہنشاہ کا کہنا کوئی خدائی حکم تو نہیں جو ٹالا نہیں جا سکتا۔ میں تمہیں صرف ایک اچھا دوست سمجھتی ہوں۔ صرف دوست"۔

نکولس حیرت سے شہزادی کا منہ دیکھ کر رہ گیا۔

شہزادی یہ کہہ کر تیز قدموں سے آگے بڑھ گئی۔

نکولس اور شہزادی لیڈیا کی منگنی، شہنشاہ ہسپانیہ راڈرک اور ملکہ جی۔ لونا نے اپنے طور پہ طے کر دی تھی۔ شہزادی کو نکولس دل سے پسند نہ تھا۔

نکولس خود پسند، جلد باز اور ضدی نوجوان تھا۔ وہ ہسپانیہ کے سپہ سالار کا بیٹا تھا اس وجہ سے اس میں غرور کا مادہ بھی پیدا ہو گیا تھا لیکن اب نہ سپہ سالارِ ہسپانیہ تھا اور نہ شہنشاہِ ہسپانیہ۔ دونوں کا خاتمہ مسلمانوں کے مجاہد کبیر طارق بن زیاد کے ہاتھوں لاگو جنڈہ کے میدان میں ہو چکا تھا۔ نکولس اس کے باوجود خود کو اب تک اسی مرتبے پر سمجھتا تھا۔

نکولس پہلے تو چپ چاپ کھڑا سوچتا رہا پھر آہستہ آہستہ اس طرف چلنے لگا جدھر شہزادی لیڈیا گئی تھی۔ وہ شہزادی سے کئی بار اظہارِ عشق کر چکا تھا۔ اسے شہزادی کا منگیتر ہونے کا زعم تھا اس لیے جب بھی شہزادی اسے تنہا کہیں ملتی، وہ محبت کے دفتر کھول دیتا۔ شہزادی کو اس کی باتوں سے کوفت ہوتی لیکن وہ ملکہ اور شہنشاہ کے ڈر کی وجہ سے خاموش ہو جاتی یا ادھر ادھر کی باتیں کر کے ٹال جاتی۔ اس سے نکولس کا حوصلہ اور بڑھ گیا تھا لیکن اب شہزادی نے اسے کھری کھری سنا دی تھیں جس سے اس کی آنکھیں کھل جانی چاہیے تھیں لیکن خود سر اور ضدی آدمی کا

دل کا بھی بہت کمزور ہوتا ہے۔ پھر شہزادی نے اسے "دوست" کہا تھا۔ نکولس نے اسی لفظ کے سہارے پیار کا پیچھا کرنا شروع کر دیا۔

شہزادی لیڈیا ملکہ سپانیہ جی لونا کی بھانجی تھی۔ لیڈیا کی پرورش شاہی محل میں ہوئی تھی۔ اس کے حسن کا چرچا شاہی محل میں ہی نہیں بلکہ محل کے باہر بھی پھیلا ہوا تھا۔ لیڈیا تھی بھی حسن کا ایک دلفریب پیکر..... اس کے سیاہ لمبے بال گھٹنوں سے بھی نیچے تک لٹکتے تھے۔ وہ اپنے بال ہر وقت کھولے رکھتی۔ بالوں کی لٹیں اس کے ماہتابی چہرے پر لہراتی رہتیں..... انہی بالوں میں طلیطلہ کے کتنے ہی جوانوں کے دل اٹکے ہوئے تھے۔ سیاہ بالوں اور نیلی آنکھوں والی یہ دوشیزہ جدھر سے نکلتی ادھر قیامت برپا ہو جاتی۔ چھریرا بدن، کھلتے ہوئے رنگ میں شباب کی سرخی نے اس کے سراپا کو دل آویزی کا مکمل نمونہ بنا دیا تھا۔

پھر نکولس جیسا دل پھینک جوان اس کی زلفِ گرہ گیر میں کیوں نہ گرفتار ہوتا۔ وہ سپہ سالار کا اکلوتا بیٹا تھا اس لیے بچپن ہی سے اس کا محل میں آنا جانا تھا۔

نکولس نے ہوش سنبھالتے ہی باپ کے ذریعے لیڈیا کا رشتہ مانگا۔ شہنشاہ اور ملکہ کو نکولس میں جوہر نظر آیا۔ انہوں نے ہنکاری بھر لی۔ نکولس نے اسی کو محبت کی معراج سمجھ لیا اور خود کو لیڈیا کا حقدار خیال کرنے لگا۔

غلام گردش کے اختتام پہ ایک طرف ایک چھوٹا سا محل تھا۔ یہ شہزادی لیڈیا کی رہائش گاہ تھی۔ دور کچھ دور ایک اور عمارت تھی جس کے چند کمرے شاہی طبیب کو رہنے کے لیے دیے گئے تھے۔ شاہی طبیب کے قریب اسی وجہ سے رکھا گیا تھا تاکہ وقتِ ضرورت اس کی خدمات فوری طور پر حاصل کی جا سکیں۔

نکولس نے شہزادی کے محل کا رخ کیا تاکہ اس سے مل کر اپنے اوچھے پن کی معافی مانگ لے اور تعلقات پھر سے استوار کرے۔

شہزادی کے آج کے رویّے کو دیکھ کر اس نے فیصلہ کر لیا تھا کہ اگر لیڈیا نے اپنی رضامندی ظاہر نہ کی تو بھی وہ اسے ہر قیمت پر حاصل کرے گا۔

نکولس کا تعلق شاہی خاندان سے نہ تھا لیکن اپنے سپہ سالار باپ کے مارے جانے کے بعد شہنشاہ راڈرک کی بیوہ ملکہ جی لونا نے ازراہِ الطافِ خسروانہ اسے ہسپانوی لشکر کا سپہ سالار مقرر کر دیا تھا۔ حالانکہ ہسپانوی مسلمانوں کے ہاتھوں تقریباً ختم ہو چکا تھا اور طلیطلہ کے قلعے میں دس بارہ ہزار سے زیادہ فوج نہ تھی۔

نکولس کو شہزادی کے محل میں پہنچ کر معلوم ہوا کہ شہزادی اب تک وہاں نہیں پہنچی۔

اب اسے فکر ہوئی۔

پھر اسے خیال آیا کہ شہزادی کہیں مسلمان زخمیوں کو نہ دیکھنے گئی ہو کیونکہ شہزادی نے ان میں بہت زیادہ دلچسپی ظاہر کی تھی۔

نکولس کا خیال درست نکلا۔

جب وہ شاہی طبیب کے جراحی کے کمرے میں داخل ہوا تو اس نے دیکھا کہ شہزادی لیڈیا کی سیاہ زلفیں ایک مسلمان زخمی کے چہرے پر لہرا رہی ہیں اور وہ اس پر جھکی ہوئی ہنس ہنس کر باتیں کر رہی ہے۔ نکولس کو اسے پہچاننے میں کوئی دقت نہ ہوئی۔ یہ وہی مسلمان تھا جس کے شانے میں تیر چبھا ہوا تھا۔ اس وقت تک تیر نکالا جا چکا تھا اور تمام زخمیوں کی مرہم پٹی ہو چکی تھی۔

نکولس یہ منظر دیکھ کر دل میں حسد سے جل اٹھا مگر زبان سے کچھ نہ بولا۔ وہ شہزادی سے کچھ دور ایک سٹول پر خاموشی سے بیٹھ گیا۔ اس کے دل میں رقابت کا لاوا سا ابلنے لگا۔ وہ جلد باز طبیعت کا مالک تھا اس لیے فوراً ہی ایک فیصلہ کر لیا۔

"اس مسلمان جوان کا فوری خاتمہ"۔ اس نے دل میں سوچا اور اس کی مٹھیاں آہستہ آہستہ بند ہونے لگیں۔

شہزادی کی پشت نکولس کی طرف تھی۔ وہ نکولس کو کمرے میں داخل ہوتے نہ دیکھ سکی لیکن بستر پر لیٹے ہوئے زخمی جوان نے اسے دیکھ لیا اور شہزادی کو کچھ اشارہ کیا۔

شہزادی نے پلٹ کر نکولس کو دیکھا، مسکرائی اور فوراً ہی منہ گھما کر پھر مسلم جوان سے باتیں کرنے لگی۔ بالکل اس طرح جیسے اسے نکولس کی کوئی پرواہ نہ ہو۔

شہزادی، زخمی جوان سے ہسپانوی میں باتیں کر رہی تھی۔ مسلمان جوان یہ زبان نہ جانتا تھا۔ اس کے بستر کے دوسری طرف بیٹھا ہوا یہودی دونوں کی ترجمانی کے فرائض انجام دے رہا تھا۔ زبان ذریعۂ اظہار ہے۔ جب تک دو آدمی ایک دوسرے کی زبان سے واقف نہ ہوں وہ اپنا مدعا اور مفہوم سمجھانے سے قاصر رہتے ہیں لیکن دنیا کی تمام رائج زبانوں سے ایک الگ زبان بھی ہے جو ضرورت کے وقت وجود میں آتی ہے اور پھر خود ہی روپوش ہو جاتی ہے۔ شاعر اور عشاق اسے دل کی زبان یا محبت کی زبان کہتے ہیں۔

یہودی مترجم کی موجودگی کے باوجود شہزادی لیڈیا اور مسلم جوان میں اسی محبت کی زبان میں گفتگو ہو رہی تھی۔ تیر کے نکلنے اور زخموں پر مرہم لگنے کے بعد مسلم جوان کا رنگ نکھر آیا تھا اور چہرے پر بشاشت آ گئی تھی۔ شہزادی لیڈیا اگر حور پیکر تھی تو مسلم جوان بھی کسی پری زاد سے کم نہ تھا۔ اس کی مردانہ وجاہت ایسی نہ تھی کہ کوئی

دوشیزہ اس سے ایک بار بات کرنے کے بعد دوبارہ گفتگو کی آرزو نہ کرے۔ بربری جوان کے ...
دراز قد، چوڑا سینہ اور ہنستا ہوا چہرہ ایسا نہ تھا کہ شہزادی لیڈیا اسے دیکھ کر متاثر نہ ہوتی ...
تاثر قبول کیا اور اس کے اس مردانہ حسن سے ایسی مرعوب ہوئی کہ اسے پس پشت ڈال کر خود اپنے ...
گدگدیوں کو اجاگر کرنے لگی۔

شہزادی لیڈیا یہ سوچ کر مطب میں آئی تھی کہ اپنی فراست اور حسن کے زور پر مسلمانوں سے جنگ ...
کی کوشش کرے گی لیکن وہ مسلم جوان سے سوائے اس کے اور کچھ معلوم نہ کر سکی کہ یہ لوگ دراصل تیر ...
ہوئے مسلم سردارِ اعلیٰ موسیٰ بن نصیر کے قاصد تھے۔

موسیٰ بن نصیر اسلام کے حملہ آور لشکر کے سپہ سالار طارق بن زیاد کے آقا تھے۔ موسیٰ ہی کے حکم ...
بحیرہ روم کو عبور کر کے ہسپانیہ پر حملہ کیا تھا۔ یہ وہی مجاہد کبیر ہے جس نے ساحلِ ہسپانیہ پر اتر ...
بیڑے کی تمام کشتیوں میں آگ لگوا دی تھی اور اس وقت مسلمانوں کا لشکر، شہنشاہِ ہسپانیہ راڈرک کو شکست ...
ایک طرف قرطبہ، دوسری طرف غرناطہ اور تیسری سمت ہسپانیہ کے دارالخلافہ طلیطلہ کی طرف تیزی ...
کر رہا تھا۔

موسیٰ بن نصیر افریقہ میں قیروان کی چھاؤنی میں مقیم تھے۔ اسلامی لشکر کی ہسپانیہ میں فتوحات ...
برابر پہنچ رہی تھی۔ ایک موقع پر انہوں نے محسوس کیا کہ اب ہسپانیہ میں مزید پیش قدمی کا سلسلہ ...
اور طارق بن زیاد ان کی آمد کا انتظار کریں۔

یہ اطلاع طارق کو مل چکی تھی لیکن وہ بعض جنگی مصلحتوں کی بنا پر اپنے قدم نہ روک سکے اور آگے ...
گئے۔

اب موسیٰ بن نصیر نے خود ایک نیا لشکر لے کر ہسپانیہ جانے کا فیصلہ کیا تاکہ وہ بھی فتوحات ...
سکیں اور پورے ہسپانیہ پر مسلمانوں کا جلد از جلد قبضہ ہو جائے۔

نکولس کے ہاتھوں گرفتار ہونے والے یہ پانچوں سوار دراصل موسیٰ بن نصیر کے قاصد تھے۔ ...
جس مسلم جوان میں اتنی دلچسپی لے رہی تھی اس کا نام حفصون تھا اور وہ اس جماعت کا سردار تھا۔ حفصون کو ...
یہ پیغام دے کر بھیجا گیا تھا کہ طارق اپنی پیش قدمی فوراً بند کر دیں کیونکہ سردارِ اعلیٰ موسیٰ بن نصیر خود جلد ...
پہنچ رہے ہیں۔

حفصون کے ساتھ ایک یہودی رہبر بھیجا گیا تھا۔ یہ جنوبی ہسپانیہ کا رہنے والا تھا لیکن جب ...
زیاد کی تلاش میں شمال کی طرف چلے تو یہودی سوائے مترجم کا کام کرنے کے، رہبری سے قاصر ہو گیا۔ شمالی ...

... یہودی واقف نہ تھا اور اس طرح یہ لوگ بھٹکتے بھٹکتے طلیطلہ پہنچ گئے حالانکہ اس وقت طارق بن زیاد قرطبہ
... کے قرب و جوار میں تھے۔

نکولس دو گھنٹے تک سٹول پر بیٹھا شہزادی کی گفتگو ختم ہونے کا انتظار کرتا رہا لیکن شہزادی کی باتیں ختم ہونے
... آ رہی تھیں۔ وہ ہنس ہنس کر اور بڑی بے باکی سے مسلم جوان سے باتیں کر رہی تھی۔ خدا خدا کر کے شہزادی حفصون
... کے پاس سے ہنستی ہوئی اٹھی۔ اس نے بڑی محبت سے حفصون کو سلام کیا اور پھر نکولس کے پاس آئی۔

نکولس نے محسوس کیا کہ شہزادی کا ہنستا ہوا چہرہ اس کے پاس آتے آتے سنجیدہ ہو گیا۔ نکولس نے پھر بھی دل پہ
... لیا اور بغیر کچھ کہے شہزادی کے ساتھ مطب سے باہر آ گیا۔

مطب سے نکلتے ہی صبر کا دامن اس کے ہاتھ سے چھوٹ گیا اور وہ قدرے برہمی سے بولا:

"شہزادی لیڈیا! آپ مسلم قیدی سے تو بڑی گھل مل کر باتیں کر رہی تھیں لیکن مجھے دیکھتے ہی آپ کے چہرے
... ملال کے بادل گھِر آئے۔"

"نکولس!" شہزادی نے تقریباً چیختے ہوئے کہا:

"مجھے تمہاری عقل پر رونا آتا ہے۔ ہاں میں اداس ہوں۔ فکرمند ہوں تو میں اس کا سبب معلوم کرنا ہے تو میرے
... ملکہ عالیہ کے پاس چلو!"

"اگر آپ مجھے یہیں بتا دیں تو کیا حرج ہے؟" نکولس نے پھر جلد بازی کا مظاہرہ کیا۔

"نکولس، میں تم سے تنگ آ گئی ہوں!"

شہزادی کو غصہ آ گیا:

"کبھی تو صبر و تحمل سے کام لیا کرو۔ میں نے کہہ دیا کہ ملکہ کے سامنے بتاؤں گی۔ تم مجھے ایسے حکم دے رہے ہو
... میں تمہاری ماتحت ہوں۔ یاد رکھو میری رگوں میں شاہی خون ہے۔"

نکولس ڈر گیا.....

شاہی خاندان کے افراد کو عیسائی کلیسا نے دیوتاؤں کا درجہ دے رکھا تھا۔ ان کی ناراضگی (نعوذ باللہ) خدا کی
... سمجھی جاتی تھی۔ اسے شاید پہلی مرتبہ اپنی جلد بازی پر افسوس ہوا۔ اسے اس بات کا بھی افسوس تھا کہ وہ تو شہزادی
... کے پیچھے آیا تھا اور خود ہی ایک نیا ہنگامہ کھڑا کر دیا۔

شہزادی لیڈیا اور نکولس ، اسی عالم گردش سے ہوتے ہوئے پھر شاہی محل میں آگئے ۔ شہزادی تو ملکہ کے کمرے میں بے دھڑک چلی گئی لیکن نکولس باہر کھڑے ہو کر ملکہ کی اجازت کا انتظار کرنے لگا ۔ اسے زیادہ انتظار نہ کرنا پڑا ملکہ نے کنیز کے ذریعے اسے اندر بلوالیا۔

یہ شہنشاہ ہسپانیہ راڈرک کی خواب گاہ تھی ۔ شہنشاہ تو وادی بکہ میں شکست کھا کر دریا بُرد ہو چکا تھا لیکن ہسپانیہ کے حواریوں اور خصوصاً کلیسا کے پادریوں نے یہ افواہ پھیلا رکھی تھی کہ شہنشاہ راڈرک زندہ ہے اور وہ بہت جلد تازہ دم لشکر کے ساتھ مسلمانوں سے بدلہ لینے کے لیے آنے والا ہے ۔ اس کا مقصد یہ تھا کہ ہسپانیہ کے بچے کھچے لشکر کے حوصلے بلند رہیں ۔ ملکہ ایجیلونہ (جی لونا) کو یقین تھا کہ شہنشاہ راڈرک ختم ہو چکا ہے لیکن اس نے اس افواہ کا سہارا لے لیا تاکہ اسے بیوگی کی زندگی بسر نہ کرنی پڑے اور وہ حسبِ سابق خود کو آراستہ کرتی رہی۔

جی لونا، شہنشاہ راڈرک کی آخری نوجوان اور بے انتہا خوبصورت بیوی تھی ۔ شاہی خاندان میں اس سے زیادہ کوئی خوبصورت عورت نہ تھی ۔ شہنشاہ راڈرک نے تخت و تاج سنبھالتے ہی گلشنِ حسن کے اس تر و تازہ پھول کو اپنے لیے منتخب کیا تھا لیکن وہ اس کے باغِ جوانی سے زیادہ دن خوشہ چینی نہ کر سکا اور دریا میں ڈوب کر مر گیا۔

ملکہ کی خواب گاہ نادر اشیا اور ساز و سامان سے جگمگا رہی تھی ۔ کہتے ہیں کہ ہسپانیہ کی نصف دولت شاہی کمرے میں موجود تھی ۔ خواب گاہ کی ہر چیز مرصع اور زرنگار تھی حتٰی کہ در و دیوار تک قیمتی جواہر ریزوں سے مزین تھے۔

ملکہ ایک ہشت پہل قدِ آدم آئینہ کے سامنے زرنگار مونڈھے پر بیٹھی تھی اور چار مشاطائیں اس کا بناؤ سنگھار کر رہی تھیں ۔ کوئی زلفوں کو درست کرتی تو کوئی رخساروں پر غازہ چھڑکتی ۔ ایک ہاتھ پر مساج کر رہی تھی اور ایک ملکہ کی پنڈلیوں پر خوشبودار ابٹن مل رہی تھی ۔ تمام خواب گاہ طرح طرح کی خوشبوؤں میں بسی ہوئی تھی ۔

ملکہ نے بغیر ان کی طرف رخ کیے ، شہزادی کو بیٹھنے کا اشارہ کیا۔

لیڈیا تو بیٹھ گئی لیکن نکولس ساکت کھڑا رہا۔

ملکہ آئینے ہی میں مسکراتی ہوئی بولی :

" نکولس ! تم کیوں نہیں بیٹھتا۔ کیا لیڈیا سے لڑائی ہو گئی ہے ؟ "

نکولس کو دل کے پھپھولے پھوڑنے کا موقع ہاتھ آ گیا ۔ اس نے کہا :

" ملکہ عالیہ ! شہزادی لیڈیا کو شاید آپ کا طے کیا ہوا رشتہ پسند نہیں ۔ یہ مجھ سے سیدھے منہ ...

لیڈیا جل کر رہ گئی ۔

نکولس کی اس بے تکی بات سے اس کے تن بدن میں آگ لگ گئی ۔ وہ جواب دینے کے لیے الفاظ سوچ ہی رہی تھی ... نے اپنا رخ اس کی طرف کر لیا۔

لیڈیا کہتے کہتے رک گئی ۔

... نے ہنس کر کہا :

" نکولس تو خوش قسمت ہے ۔ ہم نے ہسپانیہ کا سب سے چمکدار ہیرا تجھے بخشا ہے ۔ حسن کی قدر کر ۔ جو لوگ ... ناز برداری نہیں کر سکتے ۔ وہ زندگی کا صحیح لطف نہیں اٹھا سکتے ۔ یاد رکھ ۔ ابھی لیڈیا کا تو وارث نہیں بنا ۔ ... کا دل نہ جیت سکا تو یہ رشتہ ٹوٹ بھی سکتا ہے "۔

لیڈیا نے اطمینان کا سانس لیا۔

نکولس کے پیروں تلے سے زمین نکل گئی ۔ وہ گھگھیاتے ہوئے بولا :

" ملکہ عالیہ ! میں تو شہزادی کی ہر وقت دلداری کرتا رہتا ہوں لیکن یہ مجھے ہر بات پر جھڑک دیتی ہیں "۔

" یہی تو غرورِ حسن کا اظہار ہے نادان ! "

ملکہ نے پھر آئینے کی طرف اپنا منہ کر لیا :

" دل کے آئینے میں لیڈیا کی تصویر اتار ۔ تب کامیابی حاصل ہو گی ۔ مجھے پتہ نہیں کہ شہنشاہ راڈرک نے ہماری ... کتنی خوشامد کی تھی ۔ ہمارے گھر کے ہزار پھیرے ڈالے ۔ سینکڑوں سفارشیں کرائیں تب جا کر کہیں ہم راضی ہوئے ... وہ فوجوں کا سپہ سالار ہے ۔ عورت تو تخت و تاج کو بھی ٹھوکر مار دیتی ہے "۔

نکولس منہ لٹکا کر بیٹھ گیا۔

ملکہ نے پوچھا :

" لیڈیا ! تم کوئی خاص خبر لائی تھیں ؟ "

" جی ..... ملکہ عالیہ ! " لیڈیا سنبھل کر بولی :

" خبر ملی ہے کہ اب مسلمانوں کا رخ طلیطلہ کی طرف ہے "۔

" کوئی اور بات کرو لیڈیا "۔ ملکہ بے پروائی سے بولی :

" یہ سنتے سنتے ہمارے کان پک گئے ہیں ۔ ہمارے خاص جاسوسوں نے خبر دی ہے مسلمان ٹکڑا ٹکڑا ہسپانیہ ... لوٹ مار کے لیے آئے ہیں ۔ انہیں کافی مال و دولت مل چکا ہے ۔ اب وہ آگے بڑھنے کے بجائے واپس

جانے والے ہیں"۔

لیڈیا، ملکہ کے حضور گستاخی نہیں کرنا چاہتی تھی لیکن اس غلط خبر کو سن کر اسے بڑا افسوس ہوا۔ اس نے ہمت کر کے کہا:

"ملکہ عالیہ کے جاسوسوں نے درست ہی خبر پہنچائی ہو گی لیکن آج طلیطلہ میں جو چار مسلمان آئے ہیں انہوں نے ہمیں کچھ اور ہی بتایا ہے"۔

ملکہ جی لونا گھبرا کر لیڈیا کی طرف گھومی اور حیرت سے پوچھا:

"کیا مسلمان طلیطلہ میں داخل ہو گئے ہیں؟"

"جی ہاں ملکہ عالیہ"۔ لیڈیا پُرسکون لہجہ میں بولی:

"لیکن وہ صرف چار ہیں اور وہ بھی زخمی حالت میں ہیں"۔

ملکہ جی لونا بڑی تیزی سے لیڈیا کی طرف گھومی تھی۔ اس لیے اس کی زلفیں چہرے پہ بکھر گئیں جس سے حسن میں چار چاند لگ گئے۔ یوں محسوس ہوتا تھا جیسے گھنیری بدلیوں سے چاند گھبرا گھبرا کر جھانک رہا ہے۔

ملکہ نے پوچھا:

"وہ زخمی کس طرح ہوئے؟ کیا ہمارے لشکر سے ان کا مقابلہ ہوا تھا؟"

لیڈیا نے جواب دیا:

"وہ ابھی باقاعدہ فوجی نہیں ہیں بلکہ مسلمانوں کے ملک افریقہ سے اس لیے آئے ہیں کہ طارق بن زیاد کے لشکر میں بھرتی ہو کر ہمارے خلاف جنگ کریں۔ جب سے جنگ کا جھنڈا ہوا ہے افریقہ کے مسلمان گروہ در گروہ ہسپانیہ آ کر طارق کے لشکر میں شامل ہو رہے ہیں"۔

"تمہیں یہ باتیں کس نے بتائیں۔ کیا تم ان سے مل چکی ہو؟" ملکہ نے لیڈیا کو مشکوک نظروں سے دیکھتے ہوئے پوچھا۔

لیڈیا پہلے گھبرائی لیکن پھر پُرسکون لہجے میں بولی:

"جی..... ملکہ عالیہ! یہ باتیں مجھے انہی سے معلوم ہوئیں۔ یہ لوگ طارق بن زیاد کو ڈھونڈتے ہوئے طلیطلہ آ گئے کیونکہ انہیں بتایا گیا تھا کہ مسلمان سپہ سالار طلیطلہ کی طرف گیا ہے۔ اس سے میں نے نتیجہ نکالا ہے کہ مسلمان حملہ آور طلیطلہ پہنچنے والے ہیں"۔

ملکہ جی لونا کچھ دیر غور کرتی رہی۔ پھر بولی:

"ہمیں بتایا گیا ہے کہ لمبی لمبی عباؤں اور داڑھیوں میں مسلمان حملہ آور بڑے خوفناک نظر آتے ہیں۔

کیا وہ واقعی اتنے ہی بھیانک ہیں؟"

"جی نہیں ملکہ عالیہ!" لیڈیا نے تردید کی:

"آپ کو غلط اطلاع دی گئی ہے"۔

"کیا کہا..... ہمیں غلط اطلاع پہنچائی گئی ہے؟"

ملکہ کو لیڈیا کی اس صاف گوئی پر قدرے تعجب ہوا:

"تو کیا وہ ہمارے مردوں کی طرح خوبصورت ہیں؟"

"ان سے بھی زیادہ زیادہ خوبصورت"۔ لیڈیا کی زبان سے ایکدم نکل گیا۔

وہ اپنی جگہ بڑی پشیمان ہوئی مگر اب کیا ہو سکتا تھا۔ تیر تو کمان سے نکل چکا تھا۔

ملکہ جی لونا نے مسکرا کر کہا:

"پھر وہ یقیناً جوان ہوں گے"۔

"جی ہاں ملکہ عالیہ"۔ لیڈیا مختصر جواب دے کر خاموش ہو گئی۔

ملکہ کے چہرے پہ ایک چمک سی پیدا ہوئی۔ اس نے پوچھا:

"اگر مسلمان مرد اتنے ہی خوبصورت ہیں تو ہمارے یہاں کی لڑکیاں انہیں ضرور پسند ہوں گی"۔

پتہ نہیں، ملکہ جی لونا نے یہ سوال شہزادی لیڈیا کا دل ٹٹولنے کے لیے کیا تھا یا خود اس کے اپنے دل میں مسلمانوں کو دیکھنے کے لیے گدگدی پیدا ہوئی تھی۔

لیڈیا، ملکہ کے سوال پر بری طرح بوکھلا گئی۔ اس نے کہا:

"جی، میں یہ کیسے کہہ سکتی ہوں۔ آپ انہیں خود ملاحظہ کر سکتی ہیں۔ حکم ہو تو انہیں حاضر کیا جائے"۔

ملکہ کسی اور خیال میں کھوئی ہوئی تھی۔ اس نے لیڈیا کی سنی ان سنی کر دی اور بولی:

"پھر ان کا سردار طارق تو ان سب سے زیادہ خوبصورت جوان ہو گا"۔

لیڈیا نے بڑی حیرت سے ملکہ کو دیکھا۔

اس کی سمجھ میں نہ آیا کہ ملکہ نے یہ سوال کس خیال کے تحت کیا ہے۔ پھر بھی اس نے متانت سے جواب دیا:

"ملکہ عالیہ! طلیطلہ میں دو چار سپاہی ایسے موجود ہیں جنہوں نے میدانِ جنگ میں طارق کو دیکھا ہے انہوں نے بتایا ہے کہ طارق کا جسم گٹھا ہوا، چہرہ سرخ اور ان کے تمام بال بھی سرخ ہیں لیکن شاید وہ ادھیڑ عمر کے ہیں"۔

ملکہ کو شاید یہ سن کر صدمہ ہوا۔

اس نے فوراً ہی بات پلٹ دی اور کہا: "لیڈیا! تم نے بتایا ہے کہ مسلمان زخمی ہیں..... ان کے زخم بھرنے کی

ہمارے سامنے پیش کیا جائے۔ ممکن ہے ان سے کوئی بات معلوم ہو سکے۔"

"ملکہ عالیہ نے درست فرمایا۔" لیڈیا نے نکولس کو گھورتے ہوئے کہا:

"ان سے کوئی مفید بات ضرور معلوم ہوتی بشرطیکہ انھیں خواہ مخواہ زخمی نہ کیا جاتا۔ وہ اپنے جزائر
باندھے طلیطلہ کے قریب پہنچے تھے لیکن آپ کے بہادر سپہ سالار نکولس نے ان پر حملہ کر کے ز
کر دیا۔"

"نکولس نے تنہا حملہ کیا تھا؟" ملکہ نے دلچسپی سے پوچھا۔

لیڈیا جل کر بولی:

"جی ہاں۔ یہ تو تنہا دور کھڑے رہے۔ ان کے سو سواروں کے رسالے نے انھیں زخمی کر کے
ہاتھ پیروں کو زنجیروں سے باندھ دیا حالانکہ انھوں نے تلوار بھی نہ اٹھائی تھی۔ . . . ہمارے
کتنی بہادری دکھائی۔"

ملکہ کو نکولس اور لیڈیا کی نوک جھونک میں بڑا لطف آ رہا تھا مگر اس نے اسے طول نہ دیا اور کہا

"لیڈیا۔ ہم انھیں ضرور بلوائیں گے لیکن ابھی نہیں۔ ابھی ہمیں یہ فیصلہ کرنا ہے کہ ان کے سا
کیا جائے؟"

"ان کے ساتھ جتنا بہتر سلوک کیا جائے ہمارے حق میں اتنا ہی بہتر ہوگا۔" لیڈیا نے دلی
مشورہ دیا۔

نکولس سے پھر صبر نہ ہو سکا۔ اس نے لیڈیا کی یہاں بھی مخالفت کی۔ وہ ذرا تیز آواز میں بولا:

"ملکہ عالیہ! جنگ کے دوران دشمن کے ساتھ اچھا سلوک کرنا خود اپنے ساتھ دشمنی کرنا ہوتا
رائے میں انھیں قتل کر دینا چاہیے۔ دشمن خواہ ایک ہی کیوں نہ ہو، اس کا زندہ رہنا کسی طرح مناسب

لیڈیا کا چہرہ غصے سے سرخ ہو گیا۔

ملکہ نے یہ بات محسوس کر لی اور بات کو ختم کرنے کے لیے فوراً بولی:

"نکولس۔ اس وقت جنگ نہیں ہو رہی ہے۔ وقت ہے کہ ہم ان کا فیصلہ سوچ کر کریں۔"

پھر ملکہ جی لونا نے شہزادی لیڈیا کو محبت سے دیکھا اور کہا:

"پیاری لیڈیا! شہنشاہ کی گمشدگی سے ہم بہت پریشان ہیں۔ لوگوں نے ہمیں شہنشاہ کا درجہ
لیکن ہم دیکھ رہے ہیں کہ ہمیں صحیح خبروں سے باخبر نہیں رکھا جا رہا۔ تاہم ہمیں خوشی ہے کہ ہمارے
جیسی عقلمند شہزادی موجود ہے۔ تم ہماری ولی عہد ہو اور ہم تمہاری ولی عہدی پر فخر کر سکتے ہیں۔ تمہارا

[illegible] کرائیں گے"۔

شہزادی کا دل بلیوں اچھل گیا۔ اس نے ملکہ جی لونا کو متشکر نگاہوں سے دیکھا پھر ادب سے گردن جھکا

ملکہ جی لونا کے پاس سے واپسی پر نکولس بہت دل گرفتہ اور کچھ سہما ہوا تھا۔ ملکہ نے لیڈیا کو ولی عہد بنانے کا
رسمی اعلان تو کر ہی دیا تھا۔ اس لیے اب لیڈیا کا درجہ اس قدر بلند ہو گیا تھا جس کے مقابلے میں نکولس خود کو کمتر
سمجھنے پر مجبور تھا۔

ملکہ کے پاس آتے وقت وہ لیڈیا کے برابر چل رہا تھا لیکن واپسی پر وہ خود ایک قدم پیچھے رہ کر چلنے لگا۔
شہزادی نے اسے فوراً محسوس کیا۔ پہلے تو وہ دل ہی دل میں مسکرائی لیکن اس خیال سے کہ آئندہ اسے نکولس سے بہت کام
لینے ہیں، اس نے اس سے بگاڑ نا زیادہ مناسب نہ سمجھا۔ اس نے نکولس کے زخموں پر مرہم رکھنے کی کوشش کی۔

شہزادی لیڈیا چلتے چلتے رک گئی اور نکولس کی طرف پلٹ کر بولی:

"نکولس تم میرے برابر کیوں نہیں چلتے؟"

نکولس، لیڈیا کے اس تغیر پہ بڑا متعجب ہوا۔ اس کا خیال تھا کہ شہزادی، ولی عہد کے اعلان ہونے پر اور
زیادہ مغرور ہو گئی ہو گی اور شاید اب وہ اس سے بات بھی کرنا پسند نہ کرے لیکن شہزادی کا لہجہ بڑا نرم اور
دوستانہ تھا۔

نکولس نے ہمت کر کے کہا:

"شہزادی عالیہ! میں اپنی گستاخیوں کی معافی چاہتا ہوں۔"

لیڈیا کو اس پر ترس آ گیا۔

اس نے کہا:

"نکولس! اب تک تو میں شہزادی تھی۔ اب تم مجھے شہزادی عالیہ کے لقب سے کیوں مخاطب کر رہے ہو؟"
یہ کہہ کر وہ مسکرانے لگی۔

نکولس کی اور ہمت بڑھی۔ وہ بولا:

"میں تو آپ کو ملکہ عالیہ کہنے کا بے چینی سے انتظار کر رہا ہوں؟"

"نکولس. . . . ." شہزادی نے نرمی سے کہا:

"ہم اچھے دوستوں کی طرح رہ رہے ہیں۔ میں آئندہ بھی تمہیں دوست ہی رکھنا چاہتی ہوں بشرطیکہ تم اپنی
بعض عادتوں کی اصلاح کر لو۔"

نکولس نے خوش ہو کر جواب دیا:

"آپ کا دل کتنا وسیع ہے شہزادی عالیہ! میں تو سمجھا تھا کہ آپ شاید مجھے منہ لگانا بھی پسند نہ کریں۔"

شہزادی نے اور نرم لہجہ اختیار کیا اور کہا:

"نکولس! تم ہسپانیہ کی افواج کے سپہ سالار ہو۔ ہم بہت بُرے وقت سے دوچار ہیں۔ اس لیے [...] تعاون کی ضرورت ہے۔"

نکولس نے اپنے سر کو خم کرتے ہوئے کہا:

"شہزادی! آپ مجھ پر اعتماد کر سکتی ہیں۔ میں آپ پر اپنی جان قربان کرنے سے بھی دریغ نہ کروں گا۔"

شہزادی نے اسے ٹوکا:

"نکولس! تمہاری جان کی مجھے نہیں، ہسپانیہ کو ضرورت ہے۔"

نکولس فوراً سنبھل گیا۔

اس نے کہا: "میرے لیے شہزادی عالیہ، ہسپانیہ ہی کی طرح قابلِ احترام ہیں۔"

"صرف ایک مخلص دوست کی حد تک۔" شہزادی نے چلتے ہوئے کہا:

"اس سے آگے فی الحال سوچنے کی کوشش نہ کرنا ورنہ فاصلہ بڑھ بھی سکتا ہے۔"

شہزادی ایک بار پھر شاہی مطب میں داخل ہوئی۔ اس نے دیکھا کہ حفصون آنکھیں بند کیے لیٹا ہے۔ اس نے حفصون کو جگانا مناسب نہ خیال کیا اور فوراً ہی واپس آ گئی۔

دوسرے دن ملکہ جی لونا نے شہزادی لیڈیا کی ولی عہدی کا اعلان کر دیا۔

ملکہ کے اعلان پر سب ہی نے سرِ تسلیم خم کیا۔ . . . . مخالفت کرتا بھی کون؟ ہسپانیہ کی شہنشاہی کا [...] تو راڈرک کے ساتھ ہی نکل گیا تھا۔ طلیطلہ میں پانچ ہزار سے زیادہ فوج نہ تھی۔ سپہ سالار کی طرف سے اطمینان تھا لیکن سپہ سالاری کے عہدے پر نکولس فائز تھا اور وہ شہزادی کی ایک نگاہِ کرم کا منتظر رہتا تھا۔

حفصون اور اس کے ساتھیوں کے زخم تقریباً بھر گئے تھے۔

انھیں ملکہ کے حضور پیش کیا گیا لیکن ملکہ کو بھی ان سے کوئی مفید بات نہ معلوم ہو سکی۔ حفصون نے بتایا کہ وہ فوج میں بھرتی ہونے کے لیے طارق بن زیاد کے پاس آیا ہے۔ ملکہ کو ان کے بارے میں فیصلہ کرنے [...]

نکولس نے شہزادی کے کہنے سے حفصون کی مخالفت سے ہاتھ اٹھا لیا تھا۔ شہزادی لیڈیا نے ملکہ سے یہ [...] اور اس کے ساتھیوں کی رہائی کا پروانہ حاصل کر لیا کہ ان پانچ بے گناہوں کو قتل کرنے سے حملہ آوروں [...] تو نہیں رک سکتا۔ اس لیے ان سے کیوں نہ اچھا سلوک کیا جائے تاکہ ان کے دل پر ملکہ ہسپانیہ کی رحمدلی [...] بیٹھ جائے اور ممکن ہے کہ مستقبل میں اس سے کوئی فائدہ حاصل ہو۔

اس دوران شہزادی لیڈیا نے حفصون سے کئی بار طویل ملاقاتیں کیں۔ دن کے علاوہ وہ رات کے وقت بھی حفصون کے بستر کے قریب دیر تک بیٹھی رہتی۔ دراصل اب شہزادی کے دل میں حفصون کے لیے ہمدردی اور انسان دوستی کے علاوہ محبت کا بھی جذبہ پیدا ہو گیا تھا۔ حفصون کو معلوم ہو گیا تھا کہ شہزادی کو ولی عہد بنا دیا گیا ہے اس لیے وہ شہزادی کا پہلے سے زیادہ احترام کرتا اور اس کے اخلاق کو انسان دوستی ہی سمجھتا لیکن شہزادی اکثر کوئی ایسی چونکا دینے والی بات کہہ دیتی کہ حفصون کی نیند حرام ہو جاتی اور جب نیند آتی تو اسے رنگین خواب نظر آنے لگتے۔

ایک ہفتے کی مسلسل ملاقاتوں اور شہزادی کی طرف سے بے تکلفی اور کبھی کبھی اظہارِ سپردگی نے آخر ان دونوں کے درمیان پڑا ہوا حجاب کا پردہ اٹھا دیا۔ اب وہ دونوں شفا خانے کے افسردہ ماحول سے نکل کر باغ میں پہنچ جاتے اور گھل مل کر پیار و محبت کی باتیں کرتے رہتے۔

ایک رات باغ کی روشوں کے درمیان ٹہلتے ہوئے حفصون نے کہا:

"شہزادی! اب تو آپ ولی عہد ہو گئی ہیں۔ ہم لوگوں کے بارے میں کوئی فیصلہ کیوں نہیں کر لیتیں۔ اگر ہمیں دشمن سمجھ کر قتل ہی کرانا ہے تو پھر براہِ کرم آپ اپنے ہاتھ سے مجھے قتل کیجیے تاکہ مجھے مرنے کا کوئی افسوس نہ ہو۔"

لیڈیا افسردہ ہو گئی۔

اس نے کہا: "حفصون! کیا یہ ممکن ہے کہ لیڈیا تمہارے قتل کا حکم دے۔ تمہاری طرف نظر اٹھانے کی ہمت تو ملکہ عالیہ میں بھی نہیں۔"

حفصون، شہزادی کے اتنا قریب آ جانے کے باوجود اس سے "آپ جناب" ہی سے گفتگو کرتا تھا۔ اس وقت اسے شہزادی پر بڑا پیار آیا۔ اس نے چاہا کہ شہزادی کو اپنی طرف کھینچ کر سینے سے لگا لے۔ . . . . لیکن وہ فوراً ہی سنبھل گیا۔

اس نے ادب سے کہا:

"شہزادی لیڈیا! اگر میں زندہ رہا تو آپ کے احسان اور حسنِ اخلاق کو کبھی نہ بھولوں گا لیکن اب میں اس قید سے [...] گیا ہوں۔ جو فیصلہ ہو، جلد ہونا چاہیے۔"

شہزادی نے ابلتے ہوئے جذبات سے حفصون کا ہاتھ پکڑ کر دبایا اور بولی:

"حفصون۔ تم قید میں نہیں ہو۔ قیدی تو میں ہو گئی ہوں۔ تمہاری آزادی کا پروانہ تو میں کر چکی ہوں۔ ۔ ۔ ۔ لیکن اپنے دل سے مجبور رہوں۔ تم بالکل آزاد ہو۔ جب چاہو جا سکتے ہو لیکن کہ تم طلیطلہ میں ٹھہر کر اپنے سردار کا انتظار کرو۔ میں تمہاری جدائی کس طرح برداشت کروں گی!"

حفصون کچھ سوچنے لگا۔

اس کی سوچ گہری ہوتی گئی۔

جب وہ دیر تک نہ بولا تو لیڈیا نے کہا:

"حفصون۔ میں تمہیں مجبور نہیں کر سکتی۔ میں جانتی ہوں کہ تم اور تمہارے ساتھی آزادی کے لیے میں کل شام تمہیں یہاں سے رخصت کر دوں گی۔"

حفصون کا دل ایک بار پھر لیڈیا کو گلے لگانے کے لیے مضطرب ہو گیا لیکن اس نے مصلحتاً قابو حاصل کیا۔

دوسرے دن حفصون کی رخصتی کا منظر بڑا دلچسپ تھا۔

لیڈیا اپنی عمر سے کہیں زیادہ عقلمند ثابت ہوئی۔ اس نے رات کو ملکہ سے مل کر حفصون کی رخصتی ڈرامہ کھیلنے کی اجازت حاصل کی۔

حفصون اور اس کے ساتھیوں کو تازہ دم گھوڑے مہیا کیے گئے۔ سامانِ خورد و نوش کے بھرے زین کے ساتھ لٹکا دیے گئے۔ ملکہ کے دستخط اور مہرِ شاہی کے ساتھ حفصون کو ایک شاہی پروانہ د تھا کہ ان لوگوں سے کسی جگہ باز پرس نہ کی جائے۔

رخصت کے وقت ملکہ جھروکے میں آ بیٹھی۔

حفصون اپنے ساتھیوں کے ساتھ گھوڑے پر سوار ہو کر قلعے کے دروازے کی طرف چلا۔ شہر دائیں جانب تھی۔ حفصون جس وقت اس قلعے میں لایا گیا تھا تو اسے وہاں بہت مختصر فوج دکھائی دی۔ اس نے کے بعد وہ اس نتیجے پر پہنچا کہ قلعے میں زیادہ سے زیادہ چار پانچ ہزار فوج ہو گی لیکن اس وقت اس کی پھٹی رہ گئیں، جب اس نے قلعے کی فصیل پر حدِ نظر تک چاق و چوبند فوجیوں کو گشت کرتے دیکھا۔

حفصون کی طرح اس کے ساتھی بھی طلیطلہ میں اس قدر لشکر کے اجتماع کو دیکھ کر حیران ہو رہے تھے۔ ج کہ لیڈیا سے لشکر کی اس تیاری کا سبب دریافت کرے لیکن پھر اسے یہ بات بے موقع اور خلافِ مصلحت تاہم لشکر کے اس اہتمام سے ان کے دل میں یہ خدشہ ضرور پیدا ہو گیا کہ طلیطلہ کے میدان میں مسلمانوں او درمیان ایک قیامت خیز جنگ ہو گی۔

دراصل شہزادی لیڈیا یہی تاثر ان پر چھوڑنا چاہتی تھی۔

اس کا منصوبہ یہ تھا کہ جب حفصون کی طارق بن زیاد سے ملاقات ہو تو وہ اپنے سپہ سالار کے سامنے یہ بات وثوق کے ساتھ کہہ سکے کہ طلیطلہ میں فوجوں کا عظیم الشان اجتماع ہے اور اپنی اس کوشش میں وہ بڑی حد تک کامیاب ہوئی تھی لیکن قدرت کو کچھ اور ہی منظور تھا، جس کا علم نہ حفصون کو تھا اور نہ شہزادی کو۔

شہزادی لیڈیا نے کمالِ فراست سے تمام شہری آبادی کو مسلح کر کے قلعے کی فصیل پر کھڑا کر دیا تھا۔ اس طرح قلعے کی پانچ ہزار فوج، پچاس ہزار سے کم نظر نہ آتی تھی۔

شہزادی لیڈیا نے حفصون اور اس کے ساتھیوں کی آنکھوں میں دھول جھونکنے کی جو کوشش کی تھی اس سے وہ خود فائدہ نہ اٹھا سکی لیکن جب یہ دلچسپ ڈرامہ اسپانیہ کے ایک مدبر گورنر تھیوڈومیر نے قلعہ اوری ہیولا کے محاصرہ کے دوران دہرایا تو اس کے نہایت حیرت انگیز نتائج برآمد ہوئے۔

حفصون، شہزادی لیڈیا کی یاد دل میں لیے اور کسی اچھے وقت میں اس سے دوبارہ ملاقات کا تصور باندھے رخصت ہوا۔ شہزادی کو اس جدائی کا صد درجہ ملال تھا لیکن وہ کیا کر سکتی تھی۔ حفصون کو روکنا اس کے بس میں نہ تھا۔ اس نے بچشمِ نم حفصون کو رخصت کیا اور حفصون نے ایک نامعلوم منزل کی طرف گھوڑے کی باگیں موڑ دیں۔ اس نے طلیطلہ میں طارق بن زیاد کے بارے میں معلومات حاصل کرنے کی بہت کوشش کی مگر طلیطلہ والوں کو خود ہی کچھ پتہ نہ تھا۔ حالانکہ طارق بن زیاد اپنے یہودی سردار مغیث الرومی کو قرطبہ میں چھوڑ کر بڑی تیزی سے طلیطلہ کی طرف بڑھے چلے آ رہے تھے۔

○

طارق بن زیاد کو ہسپانیہ میں داخل ہونے کے بعد پہلا بڑا معرکہ شہنشاہ ہسپانیہ راڈرک کے ساتھ پیش آیا۔ یہ جنگ وادی بکہ میں لاگو جنڈہ کے میدان میں لڑی گئی اور شہنشاہ راڈرک شکست کھا کر دریا برد ہو گیا۔

طارق بن زیاد فتح و نصرت کے ڈنکے بجاتے قرمونہ پہنچے۔ یہاں کوئی خاص مزاحمت کا سامنا نہ ہوا۔ وہاں سے انہوں نے استجہ کا رخ کیا۔ یہاں ایک اور خونریز معرکہ پیش آیا۔ ہسپانوی بہادری سے لڑے لیکن شکست کا منہ دیکھنا پڑا۔

استجہ ہسپانیہ کا ایک اہم مقام اور قلعہ تھا۔ اس کے اطراف میں مالقہ، غرناطہ، طلیطلہ اور قرطبہ کے مشہور شہر تھے جنہیں تسخیر کیے بغیر ہسپانیہ پر مکمل قبضے کا تصور بھی نہ کیا جا سکتا تھا۔ طارق بن زیاد نے سوچا کہ اگر انہیں

ایک ایک کر کے فتح کیا گیا تو اس میں کافی وقت لگے گا۔ اس لیے انھوں نے اپنی فوج کے ایک حصے کو
مر گردگی میں جنوب کی طرف غرناطہ روانہ کیا اور خود مغیث الروی اور کاؤنٹ جولین کو لے کر قرطبہ کی طرف بڑھے۔

کہتے ہیں کہ اسی جا کے محاصرہ کے دوران ہی طارق بن زیاد کو قیروان سے اپنے آقا موسیٰ بن نصیر کا پیغام ملا تھا کہ وہ مزید پیش قدمی روک دیں اور ان کی آمد کا انتظار کریں کیونکہ موسیٰ چاہتے تھے کہ فتح ہسپانیہ میں شریک ہو کر اپنا نام فاتحانِ ہسپانیہ میں شامل کریں۔

طارق بن زیاد نے اس سلسلے میں اپنے سرداروں خصوصاً کاؤنٹ جولین اور مغیث الروی سے مشورہ کیا۔ جولین افریقہ کے ایک قلعہ سبتہ کا عیسائی قلعدار تھا اور اسی کی رہبری اور تحریک پر طارق بن زیاد کو تسخیر ہسپانیہ کے لیے بھیجا گیا تھا۔ اسی طرح مغیث الروی، یہودی النسل تھا۔ وہ ہسپانیہ کے یہودیوں کی خستہ حالت اور ان کی بہتری کرنے کے لیے مسلمانوں کے ساتھ شامل ہوا تھا۔

ہر دو سردار اگرچہ غیر مسلم تھے لیکن پچھلی لڑائیوں نے ان کی وفاداری ثابت کر دی تھی۔ ان دونوں نے طارق بن زیاد کو مشورہ دیا کہ آقا کا حکم ماننا درست ہے لیکن اگر اس وقت مسلمانوں نے اپنے قدم روک لیے تو دشمن کے لشکر کا بکھرا ہوا شیرازہ از سرِ نو یکجا ہو جائے گا۔ پھر انھیں شکست دینے میں مشکلات پیش آنے کے امکانات ہیں اس لیے پیش قدمی کو روکنا فوجی نقطۂ نظر سے کوئی عقلمندی نہیں۔

طارق بن زیاد خود بھی یہی چاہتے تھے۔ اس لیے وہ زید بن کسادہ کو جنوب میں بھیج کر مغیث کے ساتھ قرطبہ پہنچے۔

طارق نے احتیاط کے طور پر کاؤنٹ جولین کو افریقہ بھیج دیا تاکہ وہ قیروان پہنچ کر موسیٰ بن نصیر کو صورتِ حال سے پوری طرح آگاہ کر دیں اور اس بات کی بھی وضاحت ہو جائے کہ طارق بن زیاد نے پیش قدمی جاری رکھنے کا کیوں فیصلہ کیا تھا۔

قلعہ قرطبہ، ہسپانیہ کے مضبوط ترین قلعوں میں سے ایک تھا۔ موسمِ برسات نے قلعہ کی تسخیر میں مشکلات پیدا کر دیں اور محاصرہ طول کھینچ گیا۔

طارق بن زیاد کو طلیطلہ پہنچنے کی جلدی تھی اس لیے وہ مغیث الروی کو قرطبہ کے محاصرہ پر چھوڑ کر طلیطلہ کی طرف چلے گئے۔

مغیث الروی، طارق بن زیاد کے جانے کے بعد قرطبہ پر قبضے کی کوشش کرتے رہے۔ آخر دو ماہ بعد قلعہ فتح ہوا اور اسلامی پرچم قلعہ قرطبہ پر لہرا دیا گیا۔

مغیث نے چند مسلمان محافظ دستے قرطبہ میں مقرر کیے پھر آرچی دونہ کا رخ کیا۔

آرچی دونہ گو کہ ایک مضبوط قلعہ تھا لیکن قلعہ قرطبہ کی تسخیر کی خبر وہاں پہنچ چکی تھی۔ اس لیے قلعدار نے صلح کی درخواست کی۔ مغیث نے معمولی شرائط پر صلح کر کے آرچی دونہ پر بھی اسلامی پرچم لہرا دیا۔

اب مغیث الروی کا سامنا ہسپانیہ کے ایک انتہائی باتدبیر شخص سے تھا۔ مرسیہ کا گورنر تھیوڈمیر تھا۔

مسلمانوں سے اس کا مقابلہ پہلے بھی ہو چکا تھا اور اسی نے شہنشاہ راڈرک کو مسلمانوں کی ہسپانیہ میں آمد کی اطلاع دی تھی۔ یہ شخص بڑا دوراندیش اور بہادر تھا۔ یہ مغیث الروی کی آمد سے قطعی نہ گھبرایا اور خم ٹھونک کر مقابلے پر آ گیا۔ پہلا معرکہ بڑا شدید ہوا۔

مغیث الروی کو زبردست مدافعت کا سامنا کرنا پڑا۔ مرسیہ کا صوبہ، ہسپانیہ میں ایک ملک کی صورت رکھتا تھا اور تھیوڈمیر کے ساتھ کافی فوج تھی۔

دن بھر سخت جنگ ہوئی لیکن کوئی فیصلہ ہوتا نظر نہ آتا تھا۔ مغیث الروی لڑائی کو طول نہ دینا چاہتا تھا اس لیے اس نے ایک سخت حملے کا حکم دیا۔ آخر مسلمانوں نے تھیوڈمیر کے لشکر کو نیزوں اور تلواروں پر رکھ لیا اور شام ہونے سے پہلے ہسپانیہ کے لشکر کے قدم میدانِ جنگ سے اکھڑ گئے۔ مغیث کو کامیابی تو حاصل ہوئی لیکن تھیوڈمیر بچ نکلا۔

اب حال یہ تھا کہ آگے آگے تھیوڈمیر اور پیچھے پیچھے مغیث۔ ہر دوسرے دن ایک معرکہ ہوتا۔ تھیوڈمیر کو شکست ہوتی لیکن وہ نہ تو ہاتھ آتا اور نہ ہتھیار ڈالتا۔

تھیوڈمیر پر قابو حاصل کرنے کے لیے مغیث کو بڑے پاپڑ بیلنا پڑ رہے تھے۔ تھیوڈمیر کو ہر میدان میں شکست ہوتی لیکن وہ اس قدر باہمت تھا کہ پھر فوج اکٹھا کر کے مقابلے پر نکل آتا۔

مغیث اور تھیوڈمیر کی یہ آنکھ مچولی کافی دنوں تک چلتی رہی۔ ان چھوٹی موٹی جنگوں میں مسلمانوں کا جانی نقصان تو کم ہوتا لیکن انھیں پریشانی کا سامنا ضرور کرنا پڑتا۔

دوسری طرف تھیوڈمیر کی فوجی طاقت، روز بروز کم ہوتی جا رہی تھی اور ہر معرکے میں اس کے کچھ فوجی کام آ جاتے یا پھر اس کا ساتھ چھوڑ جاتے۔

آخر تھیوڈمیر کی پوری فوج ختم ہو گئی یا اس کا ساتھ چھوڑ گئی اور وہ صرف اپنے ایک غلام کے ساتھ مغیث کے مقابلے پر رہ گیا۔ اس نے پھر بھی ہمت نہ ہاری اور بھاگ کر قلعہ اوری ہیولا پہنچا۔

یہ قلعہ ایسا تھا کہ اگر تھیوڈمیر کے پاس تھوڑی بہت فوج ہوتی تو وہ قلعہ بند ہو کر مغیث کو کافی عرصے تک پریشان

کرسکتا تھا۔۔۔ لیکن مسلمان حملہ آوروں کا ہسپانوی فوج اور عوام پر ایسا خوف سوار ہو گیا تھا کہ وہ ان کے پہنچنے سے پہلے ہی آبادیاں اور قلعے خالی کر جاتے تھے۔

تھیوڈومیر قلعہ اوری ہیولہ میں پہنچا تو یہ دیکھ کر سخت مایوس ہوا کہ قلعے میں سوائے عورتوں اور بچوں کے کوئی مرد نہیں ہے۔

تھیوڈومیر کے لیے یہ صورتِ حال کافی پریشان کن تھی لیکن اس کے چہرے پر شکن تک نہ آئی اور وہ ... ہو کر مغیث سے مقابلے کی ٹھانی۔

مغیث آندھی اور طوفان کی طرح تھیوڈومیر کی تلاش میں مرسیہ میں گھستا چلا جا رہا تھا۔ وہ جانتا تھا کہ جب تک ... گرفتار نہیں ہوتا یا ہتھیار نہیں ڈالتا، اس وقت تک مرسیہ پر مستقل قبضہ ممکن نہ ہو گا۔

راستے میں آنے والے چھوٹے موٹے قلعوں پر قبضہ کرتا ہوا مغیث، اوری ہیولہ کے سامنے نمودار ہوا۔ چھوٹے قلعدار عام طور پر صلح کی درخواست کرتے۔ شرائط طے ہوتیں اور قلعہ مسلمانوں کے حوالے کر دیا جاتا۔ اس طرح کتنے ہی ... پر مغیث کا قبضہ بغیر لڑے بھڑے ہو گیا لیکن تھیوڈومیر ان کے ہاتھ نہ لگا اور نہ ہی یہ خبر مل سکی کہ تھیوڈومیر کہاں پوشیدہ ہے؟

آخری لڑائی کے وقت تھیوڈومیر کے ساتھ صرف چند سو سوار رہ گئے تھے۔ مغیث نے سوچا تھا کہ شاید اب تھیوڈومیر مقابلے پر آنے کی جرأت نہیں کرے گا لیکن وہ اس کی طرف سے غافل بھی نہیں ہونا چاہتا تھا اس لیے جہاں جاتا پہلے تھیوڈومیر کو تلاش کراتا اور جس طرف اس کے جانے کی خبر ملتی، ادھر فوج لے کر چل پڑتا۔

اوری ہیولہ کے قلعے پر جب مغیث آیا تو اس کے وہم و گمان میں بھی نہ تھا کہ تھیوڈومیر اس قلعے میں تھا۔ اسلامی فوج شام کے وقت قلعے کے قریب پہنچی۔ مغیث نے قلعے کے محاصرے کا حکم دیا اور رات ہوتے ہوتے اوری ہیولہ کا مکمل محاصرہ ہو گیا۔

○

رات بھر اسلامی فوج آرام کرتی رہی۔

انھیں شب خون کا خدشہ نہ تھا پھر بھی مغیث نے پہرے چوکی کا پورا پورا انتظام کیا۔ اس کا خیال تھا کہ صبح ہی قلعدار صلح کی درخواست پیش کرے گا کیونکہ قلعہ اتنا مضبوط نہ تھا کہ اس کی تسخیر ناممکن معلوم ہو۔

رات کو کوئی حادثہ پیش نہ آیا۔

... ہوا اور دھوپ نکلی تو مغیث الرومی قلعے کی فصیل کو دیکھ کر حیران رہ گیا۔
... فصیل پر ہسپانوی لشکر پرے کے پرے جمائے بڑی ترتیب سے مدافعت کے لیے موجود تھا۔ اس ... قلعے میں اتنے بڑے لشکر کا اکٹھا ہونا واقعی حیرت انگیز تھا۔

مغیث الرومی نے گھوڑے پر سوار ہو کر قلعے کا چکر لگایا۔ اسے ہر طرف فصیل پر ہسپانوی لشکر بڑے ... کے ساتھ دکھائی دیا۔

... کے بعد مغیث نے واپس آ کر اپنے سرداروں کو اکٹھا کیا۔ سردار خود بھی فصیل پر ہسپانوی لشکر ... دیکھ چکے تھے۔ طارق بن زیاد نے مغیث کو تاکید کی تھی کہ تسخیر اور محاصرے کے دوران جس قدر ممکن ہو جنگ ... کیا جائے تاکہ خلقِ خدا کا خون نہ بہے۔ مغیث اسی حکم کی پابندی کرتا چلا آ رہا تھا۔ وہ ہر قلعے پر پہنچ ... قلعدار کی طرف سے صلح کے پیغام کا انتظار کرتا اور اگر وہ خود سری دکھاتا تو مغیث اتمامِ حجت کے لیے ... سفارت قلعے میں بھیجتا۔

... مشورے میں یہ طے ہوا کہ آج کے دن حملے اور سفارت کی روانگی ملتوی رکھی جائے۔ اگر دن بھر قلعے ... کوئی پیغام نہ آئے تو دوسرے دن اسلامی لشکر کی طرف سے سفارت جائے اور اگر یہ سفارت بھی ناکام ... پھر بزورِ شمشیر قلعے پر قبضے کا ڈول ڈالا جائے۔

مغیث نے بھی اس خیال سے اتفاق کیا اور پہلے دن حملے کا حکم نہ دیا۔

صبح سے دوپہر ہو گئی۔

قلعے کے سامنے مغیث اپنے سواروں کے ساتھ مستعد کھڑا تھا۔ ادھر قلعے کی فصیل پر ہسپانوی سپاہی اسلحہ ... بڑے سکون اور اطمینان سے مغیث کی فوج کی طرف نظریں جمائے ہوئے تھے جیسے وہ حملے کا جواب دینے ... تیار ہوں۔ مگر نہ باہر سے حملے کا آغاز ہوا اور نہ قلعے کی فوج نے باہر نکل کر فوجِ اسلامی سے مقابلے کا ...

مغیث بڑی بے چینی سے قلعے کی سفارت کا انتظار کر رہا تھا۔ وہ خود حملے سے گریز کر رہا تھا اور چاہتا تھا ... لڑائی کے اگر قلعہ ہاتھ آ جائے تو زیادہ بہتر ہے۔

اسی کشمکش میں دن ڈھل گیا اور شام ہو گئی۔

... کی کرنیں ترچھی اور زرد ہو گئیں جب قلعے کی فصیل پر لرزاں تھیں تو یکا یک قلعے کے اوپر کے برج پر ایک ... لہرا دیا گیا۔ مغیث نے سفید جھنڈا دیکھا تو بڑا اطمینان ہوا۔

... بات کی دلیل تھی کہ قلعے والے صلح کی بات چیت کے لیے تیار ہیں۔

دیکھتے ہی دیکھتے قلعے کا صدر دروازہ کھلا اور دو سوار سفید جھنڈے ہاتھوں میں لیے باہر آ گئے۔ ان کے باہر آتے ہی دروازہ بند کر دیا گیا۔

ہسپانوی سوار سفید جھنڈے لیے آہستہ آہستہ اسلامی لشکر کی طرف بڑھ رہے تھے۔

مغیث الرومی خوشی خوشی اپنے خیمے میں واپس آ گیا اور حکم دے دیا کہ جب قلعے کے سفیر آئیں تو انھیں عزت کے ساتھ اس کے خیمے میں پہنچا دیا جائے۔

ہسپانوی سفیر اسلامی لشکر کے پاس پہنچے تو مغیث کے نائب نے انھیں خوش آمدید کہا اور حکم کے مطابق انھیں مغیث کے خیمے پر احترام کے ساتھ پہنچا دیا۔ سوار خیمے کے سامنے گھوڑوں سے اترے اور خاموشی سے مغیث الرومی کے خیمے میں داخل ہوئے۔

مغیث نے انہیں عزت سے بٹھایا اور رسمی طور پر ان کی اور قلعہ دار کے مزاج پرسی کی۔ اس موقع پر مترجم کی ضرورت نہ پڑی کیونکہ مغیث خود ہسپانوی تھا اور یہاں کی زبان سے بخوبی واقف تھا۔

دو میں سے ایک ہسپانوی، جو وضع قطع سے افسر معلوم ہوتا تھا، اس نے گفتگو کا آغاز کیا اور ادب سے بولا:

"اے اسلامی لشکر کے سردار! ہمارے قلعدار نے آپ کی خدمت میں صلح اور دوستی کا پیغام بھیجا ہے کہ اگرچہ اسلامی فوج تعداد میں زیادہ ہے اور پیہم فتوحات سے اس کے حوصلے بھی بلند ہیں لیکن قلعے میں کافی لشکر موجود ہے۔ نہ اسلحے کی کمی ہے اور نہ سامانِ خورد و نوش کی۔ قلعے کی فصیلیں بھی مضبوط ہیں۔ اگر حملہ کیا تو ہمارے پاس مدافعت کے لیے کافی سامان موجود ہے۔ محاصرہ طول کھینچے گا اور دونوں طرف خون بہے گا۔"

مغیث نے مسکرا کر جواب دیا:

"اے معزز سفارت کار! آپ کے قلعدار نے قلعے کی مضبوطی اور مدافعتی سامان کی فراوانی کی جو کیفیت آپ کے ذریعے ہم تک پہنچائی ہے، اگر اسے تسلیم بھی کر لیا جائے تو بھی انہیں یہ علم ہونا چاہیے کہ یہ قلعہ، قلعہ استجہ سے زیادہ مضبوط نہیں۔ اس پر ہم بہرصورت قبضہ کر لیں گے اور جب تک ہم اس پر قابض نہیں ہو جاتے، قدم آگے نہیں بڑھیں گے۔"

سفارت کار فوراً بولا:

"سردارِ محترم نے جو کچھ فرمایا اس میں ذرہ برابر غلط نہیں۔ ہمارے قلعے دار کو اس بات کا پوری طرح احساس ہے۔ آپ کا یہ کہنا بالکل درست ہے کہ قلعہ بہرصورت آپ کے قبضے میں آ جائے گا۔ قلعہ دار نے مجھے اسی وجہ سے

بھیجا ہے کہ کیا کوئی ایسی صورت ہے کہ جنگ و جدل نہ ہو۔ قلعہ بھی آپ کے قبضے میں آ جائے اور قلعدار اور قلعہ والوں کی عزت و وقار اور جان و مال بھی محفوظ رہے۔"

مغیث نے کہا:

"قلعہ دار کا رویہ دوستانہ معلوم ہوتا ہے اس لیے ہم بھی ان کی طرف دوستی کا ہاتھ بڑھاتے ہیں۔ اگر قلعہ بغیر لڑے ہمارے حوالے کر دیا جائے تو ہم قلعے کے تمام لوگوں کی عزت و آبرو اور جان و مال کی حفاظت کی ذمے داری قبول کرنے پر آمادہ ہو سکتے ہیں۔"

سفارت کار کا چہرہ مسرت سے چمک اٹھا۔

اس نے کہا: "اے سردار! آپ کی انصاف پسندی اور دور اندیشی کے لیے میں قلعہ دار کی طرف سے آپ کا شکریہ ادا کرتا ہوں۔ اب آپ فرمایئے کہ آپ قلعے کی حوالگی کے سلسلے میں ہم پر کیا شرائط عاید کرتے ہیں؟"

مغیث نے متانت سے جواب دیا:

"اسلامی لشکر جبر و تشدد سے گریز کرتا ہے اور کسی کی ذاتی املاک پر قبضہ نہیں کرنا چاہتا۔ قلعہ ہمارے حوالے کر دیا جائے تو قلعے میں جتنے لوگ موجود ہیں ان کی ذاتی املاک اور جان کی سلامتی کا ہم ذمہ لیتے ہیں۔"

"اور اگر ہم قلعہ خالی کر دیں تو آپ ہمیں کیا مراعات عطا کر سکتے ہیں؟" سفارت کار نے بات کو مختصر کیا۔

مغیث نے بھی اختصار سے کام لیتے ہوئے اعلان کیا:

"جو لوگ قلعہ چھوڑ کر جانا چاہیں انہیں اپنی ذاتی املاک کو ساتھ لے جانے کی پوری پوری آزادی ہو گی۔ یہ ہمارا وعدہ ہے۔"

سفارت کار نے کہا:

"ہمیں سردار کے وعدے کا یقین ہے پھر بھی معاہدہ ضابطۂ تحریر میں آ جائے تو زیادہ بہتر ہو گا۔"

"ہم اپنے وعدے کو تحریری شکل دیتے ہیں۔" مغیث نے وضاحت کی:

"ہم نے وعدے کا لفظ محض تمہیں یقین دلانے کے لیے کہا تھا۔"

سفارت کار نے فوراً کہا:

"قلعہ دار اس شرط پر قلعہ خالی کرنے کو آمادہ ہیں۔ براہِ کرم فوراً معاہدہ تحریر کرنے کا حکم صادر کیجیے۔"

مغیث الرومی کو معاہدہ تحریر کرنے میں کیا عذر ہو سکتا تھا۔ مسلمانوں نے تو ہسپانیہ میں یہ اصول ہی بنا لیا تھا کہ قلعوں کی تسخیر سے پہلے صلح کی کوشش کرتے۔ مسلمانوں کی شرطیں نہایت نرم ہوتیں۔ مثلاً جو لوگ قلعے میں رہنا چاہیں، ان کی املاک ان کے پاس رہیں گی۔ جو جانا چاہیں وہ اپنا مال و اسباب ساتھ لے جا سکتے ہیں۔ کسی کے مذہب

میں قطعاً داخل نہیں دیا جائے گا۔

معاہدہ تحریر ہو کر آ گیا۔

شرط صرف یہ رکھی گئی کہ جو لوگ قلعہ چھوڑ کر جانا چاہیں گے انھیں اپنا مال و اسباب لے جانے کی ا
مغیث نے معاہدے پر دستخط کیے اور اس انگوٹھی کی مہر ثبت کی جو اسے طارق بن زیاد چلتے وقت دے گ
طارق بن زیاد نے جب زید بن کسادہ کو جنوب کی طرف بھیجا تھا تو انہیں بھی ایسی ہی ایک انگوٹھی دی تھی تاکہ
بن زیاد کے قائم مقام کے طور پر معاہدوں کی تصدیق کر سکیں۔

مغیث نے معاہدہ سفارت کار کی طرف بڑھاتے ہوئے کہا:

"اسلامی سالار فوج کی حیثیت سے میں نے دستخط کر کے مہر لگا دی ہے۔ اب تم اسے لے کر قلعہ دار
اور ان کے دستخط اور مہر ثبت کرا کے واپس آؤ۔ پھر ہم اپنی دستخط شدہ ایک نقل تمہیں دے دیں گے
۔۔ رہے۔"

سفارت کار نے معاہدہ لیتے ہوئے کہا:

"آپ فکر نہ کریں۔ قلعے میں جانے کی ضرورت نہیں۔ قلعہ دار میں خود ہی ہوں۔"

"تم قلعہ دار ہو؟" مغیث نے حیرت سے پوچھا۔

سفارت کار نے دستخط کیے اور اپنی انگوٹھی اتار کر مہر لگا دی۔

پھر بولا: "معزز سردار! سفارت کار وہ کام انجام نہیں دے سکتے جو کام دو فریقوں میں آمنے سامنے
کیا جا سکتا ہے۔۔۔۔ میں سفارت پر اعتماد کر کے جو پیغام آپ کو بھیجتا پتہ نہیں وہ آپ کے سامنے کس طرح
اور آپ کا جواب مجھے کن الفاظ میں پہنچتا۔ میں نے یہی بہتر سمجھا کہ میں خود ہی آپ کے پاس آ کر بالمشافہ
گفتگو کروں۔"

"میں آپ کی ذہانت اور دور اندیشی کی داد دیے بغیر نہیں رہ سکتا۔" مغیث نے رواداری کا ثبوت د
قلعہ دار کو جو دراصل تھیوڈومیر، گورنر مرسیہ تھا، اپنے برابر بٹھا لیا۔

تھیوڈومیر کو کوئی بھی نہ پہچان سکا۔

تھیوڈومیر نے کہا:

"معزز سردار! معاہدہ طے پا چکا ہے۔ مجھے اس کی نقل کی ضرورت نہیں۔ ہم قلعہ صبح خالی کر دیں گے
اپنے ساتھ صرف اپنا سامان لے جائیں گے۔"

مغیث نے جواب دیا: "محترم قلعہ دار! ہماری طرف سے اجازت ہے کہ جو شخص جتنا بھی سامان اپ

لے جائے۔ اسے پوری آزادی ہوگی۔"

تھیوڈومیر جانے کے لیے اٹھا اور بولا:

آپ صبح اپنے دستے لے کر صدر دروازے پر تشریف لے آئیے گا۔ صدر دروازہ آپ کو کھلا ملے گا۔ میں خود
استقبال کروں گا۔"

رات مسلمان لشکریوں نے قدرے سکون سے گزاری۔

مغیث خوش تھا کہ اسے اوری ہیولہ کا قلعہ خون بہائے اور ایک بھی جان ضائع کیے بغیر مل گیا۔ سفارت کی
کے بعد اس نے اپنے سرداروں کو خیمے میں بلا کر انہیں معاہدے کی تکمیل اور شرائط سے آگاہ کیا۔ سب سرداروں
نے کی ذہانت کی داد دی اور معاہدے کی تکمیل پر اپنی خوشی کا اظہار کیا۔

صبح کی پہلی کرن کے ساتھ اسلامی لشکر نے قلعے کا قبضہ لینے کے لیے قلعے کی طرف آہستہ آہستہ بڑھنا شروع
باوجود معاہدہ طے ہو جانے کے لشکر بڑی احتیاط سے قلعے کی طرف بڑھ رہا تھا۔ احتیاط کے طور پر مغیث نے
ن لشکر خیموں کے پاس ہی چھوڑ دیا کیونکہ جنگ کے زمانے میں ہر بات جائز سمجھی جاتی ہے اور ہر قدم پر کوئی مصیبت
ا ہو سکتی ہے۔

قلعے کے سب سے اونچے برج پر لہراتا ہوا ہسپانوی پرچم اتار دیا گیا تھا۔ اس کی جگہ سفید پرچم لہرا رہا تھا۔
ناگھوڑا سب سے آگے تھا۔

جب وہ قلعے کے صدر دروازے پر پہنچا تو اس نے قلعہ دار (تھیوڈومیر) کو دروازے کے باہر کھڑے ہوئے
قلعہ دار نے اپنے گھوڑے سے اتر کر مغیث کا استقبال کیا۔

قلعہ دار نے کہا:

"محترم سردار! قلعے کا دروازہ کھولنے کا حکم دیجیے اور معاہدہ کی شرط کے مطابق اجازت مرحمت فرمایئے کہ قلعہ
رہنے والے اپنا سامان لے کر نکل جائیں۔"

مغیث نے نرمی سے جواب دیا:

"معاہدے کی تکمیل کے بعد ہم اس کے پابند ہیں۔ آپ مطمئن رہیے۔ جب تک قلعے کے لوگ اور آپ کا لشکر
خالی نہیں کر دیتا ہم قلعے میں داخل نہیں ہوں گے۔"

قلعہ دار نے اپنے سفید پرچم کو قلعے کی جانب کر کے تین بار اسے ہوا میں گردش دی۔

اس کے ساتھ ہی اوری ہیولا کے قلعے کا صدر دروازہ کھل گیا۔ دروازہ کھلتے ہی عورتیں اپنے سروں پر سامان
اٹھائے برآمد ہوئیں۔ عورتیں ایک قطار بنا کر باہر آ رہی تھیں۔ جتنا سامان جو عورت اٹھا سکتی تھی، وہ اٹھائے

ہوئے تھی۔

مغیث اس منظر کو بڑی دلچسپی اور انبساط کے ساتھ دیکھ رہا تھا۔ قلعے سے باہر آنے والوں میں بوڑھی
ادھیڑ عمر کی عورتیں تھیں۔ چونکہ وہ ایک قطار میں آگے پیچھے باہر آ رہی تھیں اور ان کے سروں پر بوجھ بھی تھا
اس میں کافی دیر لگ گئی۔

عورتوں کی قطار ختم ہوئی تو اب بچوں نے قلعے سے باہر نکلنا شروع کیا۔ بچے بھی ہر عمر کے تھے۔ ان میں
بچہ بارہ سال سے زیادہ عمر کا نہ تھا۔ وہ اپنے سروں اور بغلوں میں سامان دبائے آہستہ آہستہ آ رہے تھے۔
بھی بہت دیر میں ختم ہوئی۔

بچوں کی آمد ختم ہو گئی تو اس کے بعد تھیوڈومیر کا وہ غلام جو رات کو تھیوڈومیر کے ساتھ سفارت کار
کر رہا تھا، باہر آ گیا۔

اس وقت تک دو گھنٹے سے زیادہ گزر چکے تھے۔ تھیوڈومیر نے دیکھا کہ مغیث کے چہرے پر بے چینی
ہیں اور شاید وہ جلد از جلد قلعے میں داخل ہونے کو بے قرار ہے۔ اس کی بے چینی کو محسوس کرتے ہوئے تھ
نے مسکرا کر کہا:

"سردارِ معظم کو اتنے انتظار کی زحمت اٹھانا پڑی۔ میں اس کے لیے معذرت خواہ ہوں۔ دراصل بچوں اور
کی رفتار سست ہوتی ہے۔"

مغیث نے خوشدلی سے جواب دیا:

"آپ فکر نہ کریں۔ جب تک جانے والوں کا سلسلہ بند نہ ہو جائے گا ہم باہر ہی ٹھہریں گے۔"

قلعہ دار اپنے گھوڑے پر سوار ہوتے ہوئے بولا:

"اب آپ کو باہر ٹھہرنے کی ضرورت نہیں۔ قلعہ میں آپ کے حوالے کرتا ہوں۔ آپ اندر تشریف لے چلیے"

"کیا مطلب ہے آپ کا؟" مغیث نے ذرا حیرانی سے پوچھا:

"کیا آپ کی فوج قلعے کے اندر ہی رہے گی؟"

"فوج ....." تھیوڈومیر نے ہنس کر جواب دیا:

"میری فوج تو باہر جا چکی ہے۔ قلعہ خالی ہے۔ آپ اندر تشریف لے جا سکتے ہیں۔"

مغیث کو غصہ آ گیا۔

وہ سمجھا کہ شاید قلعہ دار ان سے کوئی مذاق کر رہا ہے یا پھر کوئی گہری چال چل رہا ہے۔

مغیث نے قدرے ترشی سے کہا: "کیا کہنا چاہتے ہو۔ صاف صاف کہو۔ یاد رکھو کہ ہمارے ساتھ

کے سنگین نتائج برآمد ہوں گے۔"

تھیوڈومیر نے سنجیدگی اختیار کی اور بولا:

"سردارِ محترم! میں آپ سے مذاق کرنے کی جرأت نہیں کر سکتا۔ میں سچ کہہ رہا ہوں کہ قلعہ بالکل خالی ہے۔ اندر
کوئی موجود نہیں۔"

مغیث کا غصہ تو کم ہو گیا مگر اس کا تعجب بڑھ گیا۔ اس نے دریافت کیا:

"کیا آپ نے اپنی فوج رات ہی کو قلعے سے باہر بھیج دی ہے؟"

"جی نہیں سردار۔" تھیوڈومیر نے جواب دیا:

"میری فوج تو بس یہی عورتیں اور بچے تھے جو قلعے سے باہر نکل چکے ہیں۔ آپ میری بات کا یقین کریں۔"

"لیکن کل شام تک تو قلعے کے اوپر مسلح دستے نظر آ رہے تھے۔" مغیث نے الجھتے ہوئے کہا:

قلعہ دار نے اپنی وضاحت کرتے ہوئے بتایا:

"سردارِ عالی مقام! دراصل بات یہ ہے کہ جب میں اس قلعے میں آیا تو یہاں عورتوں اور بچوں کے سوا اور کوئی موجود
مردوں میں یا تو میں خود تھا یا میرا ایک غلام۔ مجھے معلوم تھا کہ آپ تھیوڈومیر کی تلاش میں ہیں۔ پس میں نے یہاں
تمام عورتوں کے بال گالوں تک لال کر کے داڑھیاں بنا دیں اور انھیں جنگی لباس پہنا دیا۔ جب آپ نے قلعے
کا ارادہ کیا تو میں نے عورتوں اور بچوں کی اس فوج کو مسلح کر کے فصیلوں پر پہنچا دیا۔ میری یہ ترکیب کارگر ہوئی اور
یقین ہو گیا کہ قلعہ میں کافی فوج موجود ہے۔ پھر کل رات میں نے معاہدہ کر کے اپنی اور ان سب کی جان بچا لی۔
قلعہ بالکل خالی ہے۔"

مغیث، قلعہ دار کی عقل و دانش پر عش عش کر اٹھا اور اس نے خلوصِ دل سے تھیوڈومیر کی اس کامیاب اداکاری
بہت شاباشی دی۔

تھیوڈومیر گھوڑے پر سوار ہو چکا تھا۔

اس نے مغیث کو الوداعی سلام کیا اور گھوڑا موڑ کر اس طرف کا رخ کیا، جدھر قلعے کی عورتیں اور بچے سروں پر
سامان لادے رواں دواں تھے۔

مغیث اسے حیرت اور ایک خاص جذبۂ احترام سے دیکھ رہا تھا۔

تھیوڈومیر نے تھوڑی دور جانے کے بعد ایک دم اپنا گھوڑا روک لیا اور پھر نہ جانے کیا سوچ کر آہستہ
مغیث کے پاس واپس آ گیا۔

مغیث نے ہنس کر کہا: "شاید قلعہ دار کوئی چیز اپنے ساتھ لے جانا بھول گئے ہیں۔ ہم اب تک قلعے سے باہر

ہیں۔ آپ جو کچھ بھی اپنے ساتھ لے جانا چاہیں، اس کی اجازت ہے۔ اس کے علاوہ اگر آئندہ بھی آپ کو
ضرورت ہو تو ہم سے بے تکلف طلب کر سکتے ہیں"۔

تھیوڈومیر بولا:

"میں سالارِ لشکر کے خلوص سے بہت متاثر ہوا ہوں۔ میں نے اپنی اور قلعے والوں کی جان و مال کی حفاظت
جو ترکیب استعمال کی، اس پر آپ نے کسی ناراضگی کی بجائے خوشی صاد کیا ہے۔ مجھے یقین ہو گیا ہے کہ آپ
عالی ظرف سردار ہیں اور ایک عالی ظرف سردار کو زیادہ دیر تک فریب میں مبتلا رکھنا میرا ضمیر قبول نہیں کر رہا ہے"۔

تھیوڈومیر کی بات بہت الجھی ہوئی تھی۔

مغیث نے کہا:

"قلعہ دار محترم۔ ہمیں یقین نہیں آتا کہ آپ جیسا ذی شعور، عقلی چالوں کے بجائے کسی فریب کا سہارا لے۔
کوئی ہرج نہ ہو تو اپنی بات کی وضاحت فرمایئے"۔

تھیوڈومیر نے بڑی سنجیدگی سے کہا:

"سالارِ عالی مقام! آپ گورنر مرسیہ تھیوڈومیر کو کئی بار شکست دے چکے ہیں مگر وہ ضدی اور وطن پرست
سے باز نہیں آتا"۔

مغیث نے فخر سے کہا:

"بہادر حریف کا مقابلہ کرنے میں جتنا لطف آتا ہے اس سے شاید آپ واقف نہیں۔ ہم تھیوڈومیر کی دل سے قدر
کرتے ہیں۔ ہم اسی کی تلاش میں یہاں تک پہنچے ہیں۔ مرسیہ کے طول و عرض میں اس وقت تک جنگ ہوتی رہے گی
جب تک وہ زندہ یا مردہ ہمارے ہاتھ نہیں آتا"۔

تھیوڈومیر نے مغیث کی آنکھوں میں آنکھیں ڈالتے ہوئے کہا:

"اے مغیث الرومی! اگر یہودیوں کو آپ پر فخر ہے تو ہسپانیہ بھی میرا نام میرے مرنے کے بعد لیتا رہے گا۔
اگر آپ خود اپنے کیے ہوئے معاہدے کی سیاہی مٹا سکتے ہوں تو تھیوڈومیر کو گرفتار کر لیجیے۔ گورنر مرسیہ
آپ کے سامنے موجود ہے"۔

تھیوڈومیر کے اس انکشاف پر مغیث الرومی اور اس کے ساتھ کے تمام سردار حیرت زدہ رہ گئے۔
بچوں اور عورتوں کو جنگی لباس پہنا کر فصیلوں پر بھیج دینا ہی کیا کم حیرت انگیز بات تھی کہ قلعہ دار کے روپ
میں تھیوڈومیر کی موجودگی نے تو انہیں سراپا حیرت بنا دیا۔

تھیوڈومیر نے انہیں خاموش دیکھا تو خود ہی بولا: "میری گرفتاری کا حکم دیجیے۔ میں نے اپنا فرض ادا کیا۔

ہر چند میں دھوکے دے رہا ہے کہ ایک عالی ظرف دشمن کو فریب نہ دیا جائے، سو میں نے فریب کا پردہ چاک کر دیا۔
مجھے اب بھی کوئی خوف نہیں ہے کہ اگر آپ نے معاہدہ کا پاس کرتے ہوئے مجھے یہاں سے نکل جانے کا موقع دیا
تو یقین رکھیے کہ میں پھر فوج اکٹھا کر کے آپ کا مقابلہ کروں گا اور اس وقت لڑتا رہوں گا، جب تک میرے جسم میں
خون کا ایک قطرہ بھی باقی ہے"۔

مغیث بڑی گہری سوچ میں ڈوب گیا۔

اس نے سر اٹھاتے ہوئے کہا:

"تھیوڈومیر! یہ معاہدہ میرا ذاتی مسئلہ نہیں بلکہ اس پر جو مُہر ثبت ہے وہ اسلامی لشکر کی عزت اور حرمت کا نشان ہے
اس کی خلاف ورزی کرنے کی جرأت نہیں کر سکتا۔ تھیوڈومیر! آپ نہ صرف آزاد ہیں بلکہ ہم نے قلعے کے تمام مکینوں
کی جان و مال کی حفاظت کا وعدہ کیا ہے اس لیے آپ جہاں جانا چاہیں وہاں تک اپنی حفاظت میں پہنچانے کے لیے
آمادہ ہیں"۔

تھیوڈومیر نے کہا:

"آپ کی بلند حوصلگی کا میں ایک بار پھر شکریہ ادا کرتا ہوں۔ میں آپ کو مزید زحمت دینا نہیں چاہتا۔ میں اپنی منزل
کا خود ہی تعین کر لوں گا"۔

تھیوڈومیر گھوڑا موڑ کر واپس جانا چاہتا تھا کہ مغیث نے اسے ہاتھ کے اشارے سے روکتے ہوئے کہا:

"اے گورنر مرسیہ! مسلمان لشکر آپ جیسے ذہین اور بہادر انسان کی دوستی کو قدر کی نظر سے دیکھے گا۔ اگر
آپ ہمارے حلیف بن جائیں تو آپ کا علاقہ آپ کو واپس کر دیا جائے گا اور آپ کے عہدے یا وقار میں کوئی کمی
نہیں کی جائے گی"۔

تھیوڈومیر مغیث کی اس پیش کش پر حیران رہ گیا۔
اسے یقین نہ آ رہا تھا کہ مسلمان لشکر کا فاتح سردار اپنے دشمن کے ساتھ اس قدر رواداری کا مظاہرہ کرے گا۔

مغیث نے اسے سوچ میں ڈوبا دیکھا تو کہا:

"تھیوڈومیر! آپ کی طرح میں بھی ہسپانوی ہوں لیکن ہسپانوی عوام اور خصوصاً یہودیوں پر جو مظالم اس
سرزمین پر توڑے جا رہے ہیں، انہوں نے مجھے مجبور کر دیا کہ میں اپنے آدمیوں کے خلاف تلوار بلند کروں۔ اس ظلم اور
غضب کو آپ بھی نہ پسند کرتے ہوں گے۔ اس لیے کیوں نہ آپ ظلم اور بے راہروی کی بیخ کنی میں مسلمانوں کا ساتھ دیں
کیا آپ یہ چاہتے ہیں کہ امیر و غریب کی تفریق ختم ہو جائے اور ہر ایک کو اپنا جائز حق ملے — کیا آپ یہ نہیں
چاہتے ہیں؟"

"کیوں نہیں معزز سردار"۔ تھیوڈومیر کی زبان سے فوراً نکلا:

"میں خود ہسپانیہ کے سیاسی اور معاشرتی حالات سے مطمئن نہیں ہوں"۔

"بس پھر آپ ہمارے حلیف بن جایئے"۔ مغیث خوش ہوتے ہوئے بولا:

تھیوڈومیر نے ایک بار نظریں اٹھا کر مغیث الرومی کو دیکھا۔ پھر گھوڑے کی زین سے لٹکی ہوئی تلوار نکالی۔ تلوار لے کر وہ گھوڑے سے اترا اور تلوار کو زمین پر مغیث کے گھوڑے کے پیروں کے پاس

مغیث فوراً گھوڑے سے اتر پڑا۔ اس نے پہلے بڑھ کر تھیوڈومیر کو گلے سے لگایا، پھر عزت سے تلوار زمین سے اٹھا کر تھیوڈومیر کی کمر میں لگا دی۔

تھیوڈومیر نے اطاعت کے طور پر مغیث کے سامنے اپنا سر تھوڑا سا خم کر دیا۔

تاریخ بتاتی ہے کہ اس معاہدے کی رو سے تھیوڈومیر اگورزمرسیہ کے عہدے پر تاعمر ...

بربری جوان حفصون کے جسمانی زخم تو مندمل ہو گئے لیکن طلیطلہ کی ماہ پارہ نے جو زخم اس کے دل پر ... تھا اس کی کسک اور چبھن روز بروز بڑھتی جا رہی تھی۔ وہ طلیطلہ سے نکلا تو اس کی کوئی منزل نہ تھی۔

وہ ایک نامعلوم منزل کی تلاش میں اپنے ساتھیوں کے ساتھ بھٹکتا پھر رہا تھا۔ اس اجنبی سرزمین پر یقیناً مشکلات پیش آئیں لیکن اس کی ہر مشکل ملکہ جی لونا کے فرمان کی وجہ سے حل ہو جاتی۔ جس جگہ طارق بن ... موجودگی کی خبر ملتی، وہ ادھر چل پڑتا لیکن وہاں جا کر اسے معلوم ہوتا کہ طارق بن زیاد وہاں سے گزر کر کسی اور سمت روانہ ہو گئے ہیں۔

عجیب بات یہ تھی کہ وہ طلیطلہ سے جس قدر دور ہوتا جا رہا تھا، طارق بن زیاد اتنے ہی طلیطلہ کے قریب ہوتے جا رہے تھے۔

پھر ایک روز طلیطلہ میں یہ زوردار افواہ اڑی کہ طارق بن زیاد بڑی تیزی سے طلیطلہ کی طرف آ رہے ہیں۔ یہ افواہ نہیں بلکہ حقیقت تھی۔ اس حقیقت کی خبر طلیطلہ کے بعض ذمے دار فوجی سرداروں کو بھی تھی۔ انھیں کئی روز پہلے معلوم ہو چکا تھا کہ طارق بن زیاد اپنے یہودی سردار کو قرطبہ کے محاصرے پر چھوڑ کر طلیطلہ کی طرف چل پڑے ہیں۔ فوجی سردار اپنی مصلحت کے تحت اس خبر کو عام نہیں کر رہے تھے۔ یہ وہ نیچے کھچے سردار تھے جو لاگو جنگ کے ...

... شہنشاہ راڈرک کو چھوڑ کر فرار ہو گئے تھے اور ملکہ جی لونا کو بھی اس غلط فہمی میں مبتلا کر دیا تھا کہ شہنشاہ ابھی زندہ ہے اور فوجیں اکٹھی کر رہا ہے۔

اس خبر کی بازگشت جب شاہی محل میں سنائی دی تو ایک کہرام سا مچ گیا۔

ملکہ جی لونا نے ان سرداروں کو محل میں طلب کر لیا جنھوں نے ملکہ کو یہ تاثر دینے کی کوشش کی تھی کہ طارق طلیطلہ نہیں آئیں گے اور وہ واپس جانے کا ارادہ کر رہے ہیں۔

ملکہ کو اس بات پر بہت غصہ تھا۔

نکولس، سپہ سالار فوج تھا۔ اس نے تمام سرداروں کو فرداً فرداً اطلاع بھیج کر بلوا لیا اور انھیں ساتھ لے کر ملکہ کے حضور میں پیش ہوا۔

ملکہ بلا کی خوبصورت تھی۔

اس وقت غصے نے اس کے حسن کو اور زیادہ نکھار دیا تھا۔ اس کی آنکھیں سرخ، چتونیں کھنچی ہوئی اور چہرہ لال بھبھوکا ہو رہا تھا۔ . . . شہزادی لیڈیا اس کے دائیں جانب کھڑی تھی۔ اس کے چہرے پر غصے کے بجائے سنجیدگی اور کسی حد تک غم کے سائے لہرا رہے تھے۔

نکولس سب سے آگے تھا۔

اس کو دیکھتے ہی ملکہ نے چیخ کر کہا:

"نکولس! تم نے ہمیں بتایا تھا کہ مسلمان واپس جا رہے ہیں۔ طلیطلہ کو کوئی خطرہ نہیں"۔

نکولس پوری طرح سے مسلمانوں کے خطرے سے آگاہ تھا لیکن مفاد پرست سرداروں نے اسے اپنا ہمنوا بنا لیا تھا۔

نکولس نیا نیا سپہ سالار بنا تھا اس لیے وہ اپنے سرداروں کی مخالفت بھی نہیں کر سکتا تھا۔ اسی وجہ سے اسے اپنے سرداروں کی ہر بات سے اتفاق کرنا پڑا۔

طلیطلہ کے سرداروں نے اس خبر کو اس لیے پوشیدہ رکھا تھا کہ اگر طلیطلہ والوں کو یقین ہو گیا کہ مسلمان اس طرف آ رہے ہیں تو قلعے میں بدامنی پھیل جائے گی اور ممکن ہے کہ لوٹ مار شروع ہو جائے۔ اس سے بچنے کے لیے انھوں نے قلعے کے لوگوں کو تاریکی میں رکھا تھا اور وہ چپکے چپکے طلیطلہ سے اپنی تمام املاک دوسرے قلعوں میں منتقل کرنے میں مصروف تھے۔

ملکہ جی لونا نے نکولس کو پھٹکارا تو وہ گھبرا گیا اور ڈرتے ڈرتے بولا:

"ملکہ عالیہ! مجھے سرداروں نے یہی اطلاع دی تھی"۔

"تم سپہ سالار ہو نکولس!" ملکہ نے ڈانٹتے ہوئے کہا۔

"ہر کام سرداروں پر نہیں چھوڑنا چاہیے۔ تمہیں دشمن کی نقل و حرکت سے خود باخبر ہونا چاہیے۔ اب یہ کریں؟ ہم کسی وقت بھی دشمن کے گھیرے میں آ سکتے ہیں"۔

"ملکہ عالیہ نے درست فرمایا"۔

نکولس نے ملکہ کی ہاں میں ہاں ملانے ہی میں اپنی بہتری دیکھی:

"طارق بن زیاد کے ساتھ عظیم الشان لشکر ہے۔ ہم طلیطلہ میں رہ کر مدافعت نہیں کر سکتے"۔

ملکہ چڑ کر بولی:

"یہی فیصلہ کرنا تھا تو اب تک کس بات کا انتظار تھا۔ موت سر پہ آ گئی تو ہوش آیا"۔

"ہمیں فوراً جلیقیہ چلا جانا چاہیے" نکولس نے سرداروں کو دیکھتے ہوئے ملکہ کو مشورہ دیا۔

"بزدل۔۔۔۔" ملکہ نفرت سے بولی:

"بغیر مقابلہ کیے دارالخلافہ دشمن کے حوالے کرنا چاہتے ہو"۔

"اس کے سوا اور کوئی چارہ نہیں ملکہ عالیہ" ایک اور سردار نے ہمت کر کے کہا:

"یہ بات ہم ہسپانیہ کی ناموس بچانے کی خاطر کہہ رہے ہیں۔ ہم نہیں چاہتے کہ ہماری شکست کا ہر ملکہ عالیہ کو دشمن کے آگے سرنگوں ہونا پڑے"۔

لیڈیا بڑے صبر و تحمل سے ان لوگوں کی باتیں سن رہی تھی لیکن اب اس سے برداشت نہ ہو سکا۔

وہ چیخ کر بولی:

"ملکہ عالیہ کے ناموس کے دامن میں اپنی بزدلی چھپانے والو! صاف کیوں نہیں کہتے کہ تم مسلمانوں کا مقابلہ کر سکتے۔ تم صرف کمزوروں پر حملہ کر سکتے ہو۔۔۔۔ لیکن شہ زور کے سامنے جاتے ہوئے تمہاری جان نکلتی ہے۔ لاگو جنڈہ کی شکست کے ذمے دار تم ہو۔ تم شہنشاہِ ہسپانیہ کے قاتل ہو۔ اگر تم میدانِ جنگ میں شہنشاہ کو اکیلا کر نہ بھاگتے تو آج دشمن طلیطلہ کا رخ نہ کر سکتا۔ تم بزدل ہی نہیں، جھوٹے اور مکار بھی ہو۔ تم نے اپنی بزدلی چھپانے کے لیے ملکہ عالیہ کو اس غلط فہمی میں مبتلا کر دیا ہے کہ شہنشاہِ ہسپانیہ اب تک زندہ ہیں۔ حالانکہ حقیقت یہ ہے کہ ملکہ عالیہ بیوہ ہو چکی ہیں۔ اگر شہنشاہ زندہ ہوتے تو نصف ہسپانیہ ہمارے ہاتھوں سے نہ نکل چکا ہوتا!"

ملکہ نے بڑی افسردگی سے لیڈیا کو دیکھا۔

ملکہ کی آنکھیں بھیگ گئی تھیں۔ اس نے آہستہ سے کہا:

"لیڈیا! کیا میں واقعی بیوہ ہو گئی ہوں"؟

لیڈیا کی آنکھیں بھی بھر آئیں۔ اس نے بھرائی ہوئی آواز میں کہا:

"ملکہ عالیہ! مجھے معاف فرمائیے میں حقیقت بیان کرنے پہ مجبور ہو گئی تھی"

نکولس اور دوسرے سرداروں کو جیسے سانپ سونگھ گیا تھا۔ انہیں لیڈیا کی باتیں بہت ناگوار گزریں لیکن لیڈیا کی ولی عہدی کا اعلان ہو چکا تھا پھر ملکہ کی موجودگی میں وہ زبان نہ ہلا سکتے تھے۔

ملکہ نے سب لوگوں کو نظر انداز کرتے ہوئے لیڈیا سے کہا:

"عزیز شہزادی! تیرے خیال میں اب ہمیں کیا کرنا چاہیے؟"

شہزادی لیڈیا نے جواب دیا:

"ملکہ عالیہ! سرداروں کو چاہیے تھا کہ وہ میدان میں نکل کر مقابلہ کرتے لیکن وہ تو راہِ فرار اختیار کرنے کے حق میں ہیں۔ جس فوج کے سردار ایسے بزدل ہوں، وہ فوج کیا لڑ سکتی ہے؟"

"پھر تم نے کیا سوچا ہے؟" ملکہ کو اپنی جان کی فکر پڑ گئی۔

شہزادی لیڈیا نے کہا:

"اب ہمیں مقابلہ کرنے کے بجائے قلعہ بند ہو جانا چاہیے۔ طلیطلہ کا قلعہ بہت مضبوط ہے۔ مسلمان اسے حاصل کرنے کے لیے ہماری شرائط ضرور منظور کر لیں گے"۔

ملکہ کچھ سوچتے ہوئے بولی:

"لیڈیا! اس میں دو باتوں کا خطرہ ہے پہلے تو یہ کہ اگر مسلمانوں نے سختی سے محاصرہ کیا تو ہمارے پاس اتنا سامان نہیں ہے کہ جو زیادہ دن تک کام آ سکے۔ دوسرے یہ کہ اگر انہوں نے بزورِ شمشیر قلعے کو حاصل کرنا چاہا تو بھی ہم زیادہ دن مدافعت نہ کر سکیں گے اور ہمیں ان کی شرائط پہ صلح کرنی پڑے گی۔ ایسی صورت میں ہماری عورتوں کا کیا بنے گا۔ سنا ہے کہ مسلمان بڑے وحشی ہوتے ہیں"۔

تمام درباری سر جھکائے خاموش کھڑے تھے۔ لیڈیا اور ملکہ اتنی بے تکلفی سے باتیں کر رہی تھیں جیسے انہیں درباریوں کی موجودگی کا قطعی احساس نہیں۔

لیڈیا نے جواب دیا:

"ملکہ عالیہ! یہ سب ہمارا وہم ہے۔۔۔۔ مسلمانوں نے جو علاقے فتح کیے ہیں، وہاں سے بہت سے لوگ بھاگ کر طلیطلہ میں آ گئے ہیں۔ انہوں نے مجھے بتایا ہے کہ مسلمان، قلعے کا محاصرہ کرنے کے بعد صلح کی کوشش کرتے ہیں۔ اگر صلح نہ ہو سکے تو پھر تلوار اٹھاتے ہیں۔ میرا خیال ہے کہ آپ بہتر شرائط پر ان سے صلح کرنے میں کامیاب ہو جائیں گی۔ آپ ہسپانیہ کی ملکہ ہیں۔ وہ آپ کا لحاظ بھی کریں گے"۔

لیڈیا کی بات ملکہ کی سمجھ میں آ گئی۔

اس نے اعلان کیا:

"قلعہ بند ہو کر مسلمانوں کی آمد کا انتظار کیا جائے"۔

نکولس کو سرداروں کا تعاون حاصل تھا۔ اس نے بگڑ کر کہا:

"ملکہ عالیہ! میں لیڈیا کے مشورے پر عمل کرنے پر آمادہ نہیں ہوں"۔

"گستاخ نکولس۔۔۔۔!"

ملکہ کو طیش آ گیا:

"تمہیں ہماری مخالفت کی جرأت کیسے ہوئی؟"

نکولس نے اور زیادہ گستاخ لہجہ اختیار کیا اور کہا:

"میں یہ اجازت نہیں دے سکتا کہ ایک ناوان لڑکی کی رائے پر عمل کر کے ملکہ عالیہ اپنی جان اور عزت مول لیں۔ یہ فوجی مسئلہ ہے۔ اس کا فیصلہ فوجی سرداروں کو کرنا ہے"۔

نکولس نے اپنے سرداروں کی طرف دیکھا جیسے وہ ان کی حمایت حاصل کرنا چاہتا ہو۔

ایک سردار نے ہمت کی اور بولا:

"نکولس ہمارے سردار ہیں۔ ہم ان کا حکم مانیں گے"۔

دوسرے سردار کو بھی جرأت ہوئی۔ اس نے کہا:

"ہم ملکہ عالیہ کو اپنے ساتھ جلیقیہ لے جائیں گے"۔

پھر تو ہر سردار نے اپنی بولی بولی۔

ایک ہنگامہ سا مچ گیا۔

ملکہ گھبرا گھبرا کر ایک ایک کا منہ دیکھتی رہی۔

سوائے لیڈیا کے، کوئی بھی اس کی بات ماننے پر آمادہ نظر نہ آتا تھا۔

ملکہ کو مجبوراً اپنا فیصلہ بدلنا پڑا۔

اس نے دوسرا اعلان کیا:

جلیقیہ کی طرف روانگی کا فوراً اعلان کیا جائے۔ طلیطلہ کا قلعہ شام تک خالی ہو جانا چاہیے۔ فوج کسی اٹھانے کی پابند نہیں"۔

لیڈیا کا چہرہ اتر گیا۔

دل بیٹھنے لگا۔۔۔۔۔

اس نے اپنی تمام قوت جمع کی اور گرج کر بولی:

"طلیطلہ میرا ہے۔ مجھے اس کے در و دیوار، کوچہ و بازار سے محبت ہے۔ میں طلیطلہ نہیں چھوڑ سکتی۔ اگر تمام طلیطلہ خالی کر دے تو بھی میں یہیں رہوں گی اکیلی اور تنہا"۔

ملکہ نے بڑی حسرت سے لیڈیا کو دیکھا اور آہستہ سے کہا:

"لیڈیا! یہی میرا فیصلہ ہے لیکن میں فوج کے ہاتھوں مجبور ہوں۔ میں جہاں رہوں گی تیرے لیے دعا کروں گی"۔

لیڈیا کی نرگسی آنکھوں سے اشک کے موتی گرنے لگے۔

دارالخلافہ میں بھگدڑ مچ گئی۔۔۔۔۔

گاڑی، چھکڑے، اونٹ، گھوڑے۔۔۔۔ جس کو جو سواری میسر آئی اس نے اپنا سامان لادا۔ اتنا سامان کہ رفتار سست پڑ گئی۔

فوج کے سردار اپنا مال و متاع پہلے ہی جلیقیہ منتقل کر چکے تھے۔ اہلِ ثروت جن کے پاس سواریاں تھیں مال و اسباب لاد پھاند کر بھاگ کھڑے ہوئے۔

شہر میں ایک قیامت برپا تھی۔

جس کو دیکھو، بھاگنے کی جلدی۔۔۔۔۔

جیسے طوفان آ گیا ہو یا اولے پڑ رہے ہوں۔

لیڈیا اپنے کمرے میں جا کر ایک کونے میں دبک گئی۔

اسے سب سے زیادہ غصہ نکولس پر تھا۔

اگر نکولس ساتھ دیتا تو شاید طلیطلہ خالی نہ ہوتا۔۔۔۔ لیکن اس کو تو اپنی سپہ سالاری کی فکر تھی۔ پھر وہ خود غرض ان کی مخالفت کیسے کرتا۔

لیڈیا انہی خیالات میں گم تھی کہ اس کی ایک کنیز بھاگتی ہوئی داخل ہوئی۔

لیڈیا کا دل دھک سے ہو گیا۔

اس نے پوچھا:

"خیر تو ہے۔ گھبرائی ہوئی کیوں ہو؟"

کنیز سانس درست کرتے ہوئے بولی:

"شہزادی صاحبہ! غضب ہو گیا۔ نکولس نے آپ کی گرفتاری کا پروانہ ملکہ سے زبردستی حاصل کر لیا ہے"۔

شہزادی سن پڑ گئی۔

کنیز نے کہا:

"شہزادی صاحبہ! خاموشی سے کچھ نہ ہوگا۔ کوئی تدبیر کیجیے۔"

لیڈیا نے ٹھنڈی سانس لی اور بولی:

"میں کیا کر سکتی ہوں، فوج نکولس کے ساتھ ہے۔ شہر بھی میرا مخالف ہے۔ مجھے کہاں پناہ ملے گی۔"

کنیز نے کھڑکی سے جھانک کر دیکھا۔

پھر گھبرا کر سر اندر کیا اور کہا:

"شہزادی! فوجیوں نے آپ کے محل کو گھیر لیا ہے۔"

اسی وقت دروازے پر دستک ہوئی۔

کنیز دروازے کے پاس گئی اور جھانک کر دیکھا۔

باہر سے آواز آئی:

"شہزادی لیڈیا سے کہا جائے کہ تیار ہو جائیں۔ انھیں سپہ سالار کے پاس چلنا ہے۔"

شہزادی نے بھی یہ آواز سن لی۔

اس نے کنیز کے ذریعے کہلوایا:

"دس منٹ انتظار کیا جائے۔"

کنیز نے دروازہ بند کر دیا۔

شہزادی نے ایک چوغے نما لمبا کرتہ پہنا، کمر میں دائیں بائیں دو خنجر لگائے۔

لمبے کرتے میں خنجر پوری طرح چھپ گئے۔

شہزادی نے کنیز سے کہا:

"اس وقت بھاگنا اپنی موت کو دعوت دینا ہے۔ نکولس مجھے اپنے ساتھ جلیقیہ لے جانا چاہتا ہے۔"

کنیز نے تمام کھڑکیوں کو ذرا ذرا کھول کر باہر کی طرف نظریں دوڑائیں۔

محل کے چپے چپے پر سپاہی موجود تھے۔

کنیز بولی:

"کینے نکولس نے پورا انتظام کیا ہے لیکن آپ بے خوف اس کے پاس جایئے۔ میں ہر وقت آپ کے ساتھ رہوں گی۔ اگر اس نے کسی زیادتی کا ارادہ کیا تو پہلے میں آپ پر قربان ہو جاؤں گی۔"

شہزادی نے مسکرا کر کہا:

"میرینا! تمھارا شکریہ..... لیکن اس کی ضرورت پیش نہیں آئے گی۔ نکولس تنہا مجھ پر قابو نہیں حاصل

میرینا نے باہر آ کر سپاہی کو اطلاع دی کہ شہزادی چلنے کے لیے تیار ہیں۔

میرینا ایک نازک اندام کنیز تھی۔ سپاہی اسے دیکھتے ہی ریشہ خطمی ہو گیا۔

سپاہی نے کنیز سے پوچھا:

"کیا شہزادی کے ساتھ تم جلیقیہ نہیں چلو گی؟"

میرینا نے سپاہی پر ایک بھرپور نظر ڈالی۔ پھر بولی:

"میں تو ایک ادنیٰ کنیز ہوں۔ مجھے کون پوچھتا ہے؟"

سپاہی خوشی سے پھول گیا۔

اس نے کہا: "پوچھنے والے تو بہت ہیں۔ کیا تم مجھ پر اعتماد کر سکتی ہو؟"

میرینا نے ایک انگڑائی لے کر سپاہی کے حواس کو مخبول کر دیا۔ پھر لگاوٹ سے بولی:

"میں شہزادی لیڈیا کی کنیز خاص ہوں۔ میرے قریب آنے کے لیے بڑا حوصلہ چاہیے۔"

میرینا کی والہانہ انگڑائی نے اس کے تمام اعضا کے نقوش اور نشیب و فراز سپاہی کے دل میں اتار دیے تھے۔

اس کے جذبات کے تمام تار جھنجھنا کر رہ گئے تھے۔ اس کی آنکھوں میں خمار اور آواز میں جذبات کی تھرتھراہٹ پیدا

سپاہی نے جیسے خواب میں کہا:

"اے پری پیکر! تیری قربت حاصل کرنے کے لیے اگر مجھے موت کی وادی میں بھی جانا پڑے تو مجھے کوئی عذر

میرینا نے آنکھیں ٹکائیں اور بولی:

"پھر سوچ لو۔ کہنے اور اس پر عمل کرنے میں بڑا فرق ہوتا ہے۔"

سپاہی کے جذبات چھلک پڑے۔

اس نے جھٹ کمر سے خنجر نکالا اور میرینا کی طرف بڑھاتے ہوئے کہا:

"آزما کر دیکھ لو۔ خنجر میرے سینے میں اتار دو۔"

پھر کر سپاہی کے اوچھے پن پر ہنسی آ گئی۔

اس نے کہا: "تم تو سچے عاشق معلوم ہوتے ہو لیکن فوج میں تمھاری کیا حیثیت ہے؟"

سپاہی نے فخریہ انداز میں جواب دیا:

"میں تمہاری شہزادی کے محافظ دستے کا سردار ہوں۔ یہ تمام سپاہی جو اس وقت شہزادی کے گیرے ہوئے ہیں، میرے ماتحت ہیں۔"

"اچھا....." سرینا کی زبان سے ایک دم نکلا اور وہ سوچ میں ڈوب گئی۔

"کیا سوچنے لگیں۔ تمہارا نام کیا ہے؟" محافظ سردار نے محبت سے پوچھا۔

اسی وقت اندر سے شہزادی کی آواز آئی:

"کیا کہنے لگی ہو سرینا؟"

"سرینا....." سردار نے اس کا نام دہرایا:

"بڑا پیارا نام ہے تمہارا۔"

سرینا مسکراہٹ کے پھول بکھیرتے ہوئے بولی:

"اور میرے محافظ سردار کا کیا نام ہے؟"

"راڈلیس....." محافظ سردار کی باچھیں کھل گئیں۔

"راڈلیس بھی کچھ کم پیارا نام نہیں ہے۔"

اور سرینا بل کھاتی ہوئی اندر چلی گئی۔

سرینا، شہزادی کے پاس پہنچی تو بہت خوش تھی۔ وہ بار بار مسکرا رہی تھی۔

شہزادی نے تیوریاں چڑھا کر کہا:

"سرینا..... تعجب ہے۔ میری گرفتاری کا حکم ہوا ہے اور تو خوشی سے پھولے نہیں سما رہی۔"

سرینا کو اپنی غلطی کا احساس ہوا۔

اس نے شرمندگی سے کہا:

"شہزادی! معاف کر دیجیے۔ مجھ پر لعنت ہو، اگر میں آپ کی گرفتاری سے خوش ہوں لیکن باہر ایک لطیفہ ہوا ہے جسے سوچ کر مجھے بار بار ہنسی آ رہی ہے۔"

"لطیفہ..... کس کے ساتھ لطیفہ ہوا ہے۔" شہزادی نے حیرانی سے پوچھا۔

سرینا نے بتایا:

"لطیفہ میرے ہی ساتھ ہوا ہے شہزادی صاحبہ! آپ کو بلانے جو شخص آیا ہے وہ سپاہی نہیں بلکہ محافظی دستے کا سردار ہے۔"

"پھر اس میں لطیفے کی کیا بات ہے۔" شہزادی ذرا بگڑ کر بولی۔

"جی..... وہ بات یہ ہے کہ....." سرینا کو لطیفہ بیان کرنے کے لیے الفاظ نہ مل رہے تھے۔

"جی وہ..... سردار..... مجھے..... یعنی مجھ پر....."

اور سرینا پھر مسکرانے لگی۔

شہزادی اس کا مطلب سمجھ گئی اور بولی:

"یعنی تو اتنی دیر سے باہر کھڑی عشق لڑا رہی تھی؟"

سرینا سنجیدہ بنتے ہوئے بولی:

"شہزادی صاحبہ..... یہ آدمی عقل کا کچا، مگر ہے کام کا آدمی۔"

"تو پھر دیر کیوں کرتی ہے۔ چلی جا اس کے ساتھ۔" شہزادی نے طنزیہ لہجے میں کہا۔

"نہیں شہزادی صاحبہ۔" سرینا سوچتے ہوئے بولی:

"اس آدمی سے ہم جیسا چاہیں، ویسا کام لے سکتے ہیں۔ میں نے اسی لیے اس سے فوراً دوستی کر لی ہے۔ اب دانا میں ایک بڑی اچھی ترکیب آئی ہے۔"

شہزادی نے اکتاتے ہوئے کہا:

"کیا فضول باتیں لے بیٹھی سرینا۔ بے وقت کی بھیرویں اچھی نہیں لگتی۔ کہہ دے اس سے۔ میں چلنے کے لیے تیار ہوں۔"

"ذرا ٹھہریے شہزادی صاحبہ۔" یہ کہتے ہوئے سرینا لپک جھپک کرتی پھر باہر نکل گئی۔

شہزادی اسے دیکھتی ہی رہ گئی۔

سرینا بڑی دیر تک محافظ سردار سے کھسر پھسر کرتی رہی۔ پھر جب وہ واپس آئی تو پہلے سے بھی زیادہ خوش تھی۔

اس نے آتے ہی کہا:

"لیں اب کام بن گیا۔ بڑا کاٹھ کا الو ہے راڈلیس۔ میں نے اسے اچھی طرح شیشے میں اتار لیا ہے۔"

شہزادی ہکا بکا سرینا کو دیکھ رہی تھی۔

اسے محسوس ہو رہا تھا جیسے سرینا پاگل ہو کر بہکی بہکی باتیں کر رہی ہے۔

شہزادی نے کہا:

"سرینا، کوئی عقل کی بات کرو۔ تمہیں کیا ہو گیا ہے۔ یہ راڈلیس کون ہے؟"

"وہی محافظ سردار۔" سرینا جلدی سے بولی:

"میں نے تمام باتیں طے کر لی ہیں۔ آپ بیمار بن کر نکولس کے سامنے جائیں گی۔"

"بیمار......" شہزادی کو غصہ آ گیا:

"میں اچھی بھلی ہوں۔ تو مجھے بیمار کیوں بنانا چاہتی ہے"۔

"یہ میں آپ کو بعد میں بتاؤں گی"۔

سرینا نے جلدی سے شہزادی کی زلفیں بکھیر دیں۔

شہزادی اسے روکتی ہی رہ گئی۔

سرینا نے کہا:

"شہزادی صاحبہ! آپ اپنا ایک ہاتھ پیچھے کی طرف کمر پر رکھ لیں اور تھوڑا سا آگے کو جھک کر چلیں... آپ شدید تکلیف میں مبتلا ہیں۔ میں آپ کو سہارا دیے رہوں گی"۔

شہزادی کی سمجھ میں کچھ نہ آیا۔ پھر بھی اس نے سرینا کے کہنے کے مطابق کمر پر ہاتھ رکھ کر اپنے چہرے پر... کے آثار پیدا کر لیے۔

سرینا ہنس کر بولی:

"بہت خوب شہزادی صاحبہ۔ آپ تو بہترین اداکاری کر سکتی ہیں۔"

شہزادی بے بسی سے بولی:

"سرینا۔ میرا مذاق نہ اڑا۔ کم از کم مجھے یہ تو بتا دے کہ یہ سب کیا ہے۔ تو یہ ڈرامہ کیوں کرنا چاہتی ہے؟"

"سنیے شہزادی صاحبہ!" سرینا نے کہا:

"آپ بیمار بن کر نکولس کے سامنے جائیں گی اور راڈلیس آپ کی تیمارداری کے لیے نکولس سے میری سفارش کرے گا۔ اس کے بعد وہی ہو گا جو تقدیر میں ہے"۔

شہزادی کو اطمینان ہو گیا۔

وہ اپنی کنیز کی عقلمندی پر دل ہی دل میں بہت زیادہ خوش ہوئی۔

○

نکولس اپنے سرداروں کے ساتھ گفتگو کر رہا تھا کہ شہزادی اس کے سامنے پیش کی گئی۔ آگے آگے...

...اس کے پیچھے شہزادی لیڈیا۔ شہزادی کی کمر جھکی ہوئی تھی۔ بال بکھرے ہوئے تھے اور چہرے پر ...کرب کے آثار تھے۔

نکولس گھبرا کر کھڑا ہو گیا۔

اس نے پوچھا: "کیا ہوا شہزادی کو؟"

سرینا، جو شہزادی کو سہارا دیے ہوئے آ رہی تھی۔ اس نے سسکیاں بھرتے ہوئے کہا:

"سالارِ اعظم! شہزادی کے سینے میں شدید درد ہو رہا تھا۔ شہزادی چلنے پھرنے کے قابل نہ تھیں مگر آپ کے سردار نے ایک نہ سنی اور انھیں اسی حالت میں آنے پر مجبور کر دیا"۔

نکولس ایک لمحے تک کچھ سوچتا رہا پھر بولا:

"راڈلیس۔ ہمارے لیے گھوڑا تیار کیا جائے اور ہماری گاڑی میں بڑی احتیاط سے شہزادی کو سوار کیا جائے۔ ...میں انھیں کوئی تکلیف نہ ہونے پائے"۔

راڈلیس نے سر جھکا کر کہا:

"سالارِ اعظم! میں مرد ہوں۔ میں راستے میں شہزادی عالیہ کی دیکھ بھال کس طرح کر سکوں گا۔ ان کے پاس کسی ...کا رہنا ضروری ہے"۔

"ٹھیک کہہ رہے ہو تم۔" نکولس بولا۔

پھر سرینا کی طرف دیکھتے ہوئے اس نے پوچھا:

"یہ عورت کون ہے؟"

"میں شہزادی کی کنیز ہوں۔" سرینا نے ایسی بھرائی ہوئی آواز میں کہا جیسے اس پر غموں کے صدہا پہاڑ ٹوٹ پڑے ہوں۔

نکولس، راڈلیس سے مخاطب ہوا:

"راڈلیس! اس کنیز کو شہزادی کے ساتھ گاڑی میں سوار کرا دیا جائے اور اسے تاکید کی جائے کہ شہزادی کا پورا خیال رکھے۔ ہم بھی شہزادی کی گاڑی کے قریب ہی رہیں گے"۔

نکولس، اپنے سرداروں کے پاس باہر چلا گیا۔ شاید اسے شہزادی کی گرفتاری کا انتظار تھا۔

کمرہ خالی ہو گیا۔

سرینا، شہزادی اور راڈلیس کے علاوہ اب اس کمرے میں کوئی اور نہ تھا۔

...کمرہ خالی کرتے وقت بڑی افراتفری کا عالم تھا۔ کسی کو کسی کی خبر نہ تھی۔

جو جس کے ہاتھ لگا' وہ لے کر بھاگ کھڑا ہوا۔

میلوں تک گاڑیوں اور چھکڑوں کی قطاریں دکھائی دیتی تھیں۔ سواری کی کمی کی وجہ سے لوگ عام
چل رہے تھے۔ صرف اراکینِ سلطنت اور ملکہ جی لونا گاڑیوں پر سوار تھے

نکولس، کئی میل تک شہزادی لیڈیا کی گاڑی کے پیچھے پیچھے چلتا رہا لیکن پھر سرداروں کے کہنے سننے پر
شہزادی کی حفاظت کی ذمے داری راڈلیس پر ڈالی اور خود دوسرے سرداروں کے پاس چلا گیا۔

طلیطلہ سے نکلتے ہی پہاڑی علاقہ شروع ہو گیا۔ وادیِ الحجارہ کا یہ حصہ فوجی نقل و حمل کے لیے بہت دشوار
اس میں جگہ جگہ تنگ درے اور اونچے نیچے راستے تھے جن سے دو برابر گاڑیوں کا نکلنا مشکل تھا۔

اس وادی سے نکل کر یہ لوگ مائدہ پہنچے۔ کچھ لوگ یہیں رہ پڑے، باقی آگے بڑھے۔

نکولس ہر منزل پہ آ کر شہزادی کے متعلق معلومات حاصل کرتا۔

شہزادی اس سے گفتگو کرتے وقت اپنے اوپر بیماری کے آثار طاری کیے رکھتی اور جب نکولس چلا جاتا
سربنا کے ساتھ ہنس ہنس کر باتیں کرتی۔

اس ڈرامے کا ایک اہم کردار راڈلیس بھی تھا۔ اس لیے اکثر وہ گھوڑا بڑھا کر شہزادی کی گاڑی کے ساتھ
چلنے لگتا۔ پھر اس میں اور سربنا میں پیار و محبت کے دفتر کھل جاتے۔ شہزادی خاموشی سے دونوں کی گفتگو
سنتی رہتی۔

سربنا نے اس حد تک راڈلیس کو اپنے قابو میں کر لیا تھا کہ اگر سربنا، راڈلیس کو کسی کھڈ میں چھلانگ لگانے کو
کہتی تو وہ بغیر سوچے سمجھے اس میں کود جاتا۔

مائدہ سے یہ لوگ مایہ پہنچے۔

مایہ بڑا خوبصورت شہر تھا.....

تھا تو یہ بھی پہاڑی علاقہ لیکن اس کے خوشنما باغات اور سرسبز وادیاں بڑی دلفریب نظر آتی تھیں۔

مایہ میں ان لوگوں نے تھکن دور کرنے کے لیے دو دن قیام کیا۔

پھر تیسرے دن صبح کو جب روانگی کا وقت آیا تو معلوم ہوا کہ شہزادی لیڈیا معہ اپنی کنیز سربنا کے غائب
ہے!

...کہ شہزادی کے محافظ دستے کا سردار راڈلیس بھی غائب تھا۔
...ف کی بات یہ
...غصے سے دیوانہ ہو گیا۔
...نے کئی آدمیوں کو بلاوجہ پیٹ ڈالا۔ چاروں طرف تیز رفتار سوار دوڑائے گئے مگر شہزادی لیڈیا کا کہیں

...لس نے وہاں دو دن قیام کیا۔
...وہ ابھی کچھ دن مایہ میں ٹھہرنا چاہتا تھا تاکہ شہزادی کو کہیں سے ڈھونڈ نکالے لیکن اس کے سرداروں اور ملکہ
...نے اسے آگے بڑھنے کا مشورہ دیا۔
...لس کو شہزادی کے غائب ہونے کا بڑا صدمہ ہوا۔ اس نے ملکہ جی لونا کو اپنا ہمنوا بنا لیا تھا اور یہ طے پایا تھا کہ
...پہنچتے ہی شہزادی لیڈیا کے ساتھ اس کی شادی کرا دی جائے گی،.... اس کے ہاتھ آیا شکار نکل گیا تھا۔
اس کے ملنے کی اب کوئی امید نہ تھی۔
آخر ایک دن اور ٹھہرنے کے بعد وہ طلیطقیہ کی طرف روانہ ہوئے!

7

فرار در فرار

پایۂ تخت طلیطلہ قوم گاتھ کا صدیوں کا پرانا دارالخلافہ۔ اس کی شان و شوکت بیان کرنے کے لیے
ازمنۂ قدیم میں دارالخلافہ پر قبضہ، ملک پر قبضہ کے مترادف تصور ہوتا تھا۔ اس کی مثال برصغیر کے شہر د
دی جا سکتی ہے۔ "تاریخ اٹھا کر دیکھیے تو معلوم ہوگا کہ جو بیرونی حملہ آور ہندوستان میں داخل ہوا اس
سیدھے دہلی کا رخ کیا۔ جو دہلی پر قابض ہو گیا وہ تاجدارِ ہند کہلایا۔

یہی حال ہسپانیہ کے دارالسلطنت طلیطلہ کا تھا۔ جس قدر خوبصورت اس کے محلات اور باغات
کہیں زیادہ مضبوط اس قلعہ کی فصیلیں تھیں۔

طلیطلہ کا قلعہ انتہائی بلندی پر واقع تھا۔ یہ دریائے ٹیگس کے کنارے واقع تھا لیکن اسے محفوظ رکھ
اسے ایک جزیرے میں منتقل کر دیا گیا تھا۔

طلیطلہ دریا کے شمال میں واقع تھا لیکن ماہرین نے اس سے شاخ نکال کر جنوب میں بس ایک جوڑ
دی تھی۔ اس طرح یہ شہر ایک جزیرہ نما بن گیا تھا۔

قلعہ کی بلندی آسمان سے باتیں کرتی تھی۔ دوہری سنگین فصیلیں۔ فصیل میں چٹانیں کاٹ کاٹ کر لگائ
فصیل کے باہر خندق اس قدر چوڑی تھی کہ پار کرنا ناممکن نظر آتا تھا۔

گوتھ خاندان کے بادشاہ اپنے اپنے زمانے میں قلعہ کی مضبوطی میں اضافہ کرتے رہے تھے۔ شہنشاہ ویبانی
اپنے خیال میں ناقابلِ تسخیر بنا دیا تھا۔ قلعہ کے شمال میں کچھ ناہموار زمین تھی۔ اس پر گوکھرو اور نوکدار لوہے کے
طرح بچھائے تھے کہ بغیر زخمی ہوئے نہ تو گھوڑے گزر سکتے تھے اور نہ پیادہ دستے!

طارق بن زیاد کو قلعہ طلیطلہ کی مضبوطی کی اطلاعات مل چکی تھیں لیکن طارق نے تو کشتیاں جلا کر اپنی واپسی کا راستہ
مسدود کر دیا تھا۔ انھوں نے سر سے کفن اس لیے باندھا تھا کہ ان کے قدم آگے اور آگے ہی بڑھتے رہیں گے
قلعہ چٹانیں اور پہاڑ کاٹ کر بنایا گیا تھا۔ پھر اس کی پروا طارق کو کیا ہوگی؟ وہ تو پہاڑوں اور چٹانوں سے ٹکرانے
کے کر یہاں تک پہنچے تھے۔

اور وہ ایک سنہری شام تھی۔

دوپہر ڈھلی ہی تھی کہ لشکرِ اسلام کے نیزے بردار قلعہ طلیطلہ کے سامنے نمودار ہوئے۔ شمشیر زنوں کی تلواریں
دھوپ میں اس طرح چمک رہی تھیں جیسے کوندتی ہوئی بجلیاں۔ مسلمانوں کے پُر رعب عمامے، دیکھنے والوں کے
لرزہ طاری کرتے تھے۔ سب سے آگے سرخ رُو اور سرخ بالوں والے سپہ سالار طارق بن زیاد کا گھوڑا تھا۔ گھوڑا
کی رانوں میں بے چین تھا۔ انھوں نے اس کی راسیں کھینچ رکھی تھیں۔ گھوڑے کو قلعہ نظر آ گیا تھا اور ہر قلعہ
جنگ ہوتا ہے۔ اس سے طارق کا گھوڑا اچھی طرح واقف تھا۔ وہ بار بار پچھلی ٹانگوں پہ کھڑا ہو جاتا جیسے طارق سے
ا ہو کہ

اے آقا! اب دیر کس بات کی ہے۔ قدم بڑھایئے۔ میدانِ جنگ سامنے ہے"۔

لیکن طارق تو اس وقت اپنے آقا کے حضور میں تھے۔ ان کی نظریں آسمان کی طرف اٹھی تھیں اور لب کلمۂ طیبہ کا
ر رہے تھے۔

طارق کی فوج آہستہ آہستہ اس فلک بوس قلعہ کے گرد حلقہ بنانے میں مصروف تھی۔ طلیطلہ میں انہیں زبردست
ت کی امید تھی اور وہ خود کو اس معرکے کے لیے پہلے ہی تیار کر چکے تھے۔

طارق بن زیاد کی نظریں، بارگاہِ الٰہی میں نذرانۂ عجز پیش کر کے قلعہ پہ آ کر جم گئیں۔ طارق کی دعا تو طلیطلہ آنے
پہلے ہی مستجاب ہو چکی تھی۔ طارق بن زیاد کو قلعہ کا جائزہ لیتے ہوئے چند ہی لمحے گزرے تھے کہ قلعے پر لہراتا ہوا
ائی پرچم آہستہ آہستہ نیچے اتار دیا گیا۔

اسلامی فوج کا ہر سوار و پیادہ یہ دیکھ کر اپنی جگہ بت بن کر رہ گیا۔

طارق بن زیاد گھوڑے سے جست لگا کر زمین پہ آ گئے اور فرشِ خاک پہ پیشانی ٹیک دی۔ ان پہ رقت
تھی۔ آنکھیں شکر و عجز کے اشک بکھیر رہی تھیں اور وہ ایک عالمِ بے خودی میں پیشانی کو بار بار خاک پہ رگڑ
ہے تھے۔

بندہ اپنے آقا کے حضور سجدۂ شکر پیش کر رہا تھا۔

اور پھر۔۔۔ جب اس عاجز و مجبور نے سر اٹھایا تو کیا دیکھتا ہے کہ قلعے کے دروازے سے تین سوار ہاتھوں

میں سفید پرچم اٹھائے، گھوڑے دوڑاتے ہوئے لشکرِ اسلام کی طرف آ رہے ہیں۔

اس کی پیشانی پھر زمین پر لگ گئی۔

شاید دعا کی قبولیت کی اسے اتنی جلدی امید نہ تھی۔

طارق بن زیاد نے اپنے نائب کو حکم دیا کہ سواروں کا آگے بڑھ کر استقبال کیا جائے اور پورے اعزاز سے ان کے پاس لایا جائے۔

نائب نے پانچ سواروں کے ساتھ آگے جا کر صلح سفارت کو خوش آمدید کہا اور انھیں اپنے جلو میں لے کر طارق کے پاس آیا۔

قلعہ سے آنے والے سواروں میں جو سوار سب سے آگے تھا اس کے چہرے پر نقاب پڑا تھا۔ اس کے جسم کی ساخت بتا رہی تھی کہ وہ عورت ہے۔

دوسرے سوار کے چہرے پر نقاب نہ تھا اور وہ عورت تھی، شہزادی لیڈیا کی عقلمند کنیز سرینا۔ تیسرا شہزادی کے محافظ دستے کا سردار اور سرینا کا سرپھرا عاشق راڈلیس تھا جس کے تعاون سے شہزادی اکولس کی قید سے فرار ہونے میں کامیاب ہوئی تھی۔

تینوں سوار طارق بن زیاد کے قریب پہنچ کر گھوڑوں سے اتر پڑے۔ یہ لوگ آگے بڑھ کر طارق کے گھوڑے کے پاس پہنچے اور جھک کر آداب بجا لائے۔

طارق نے متانت سے کہا:

"ہم امن کے سفیروں کو خوش آمدید کہتے ہیں۔"

جواب میں لیڈیا کی مترنم آواز گونجی:

"میں فاتحِ ہسپانیہ طارق بن زیاد کی خدمت میں اہالیانِ طلیطلہ کی طرف سے نذرانۂ سلام و عقیدت پیش کرتی ہوں۔"

پھر لیڈیا نے پلٹ کر سرینا کو اشارہ کیا۔

سرینا نے زرنگار رومال میں بندھی ہوئی ایک پوٹلی لیڈیا کی طرف بڑھا دی۔ لیڈیا نے پوٹلی سرینا کے ہاتھ سے لی اور جھک کر زمین پر رکھ دی۔

طارق بن زیاد اور دوسرے سرداروں نے حیرت سے پوٹلی کو دیکھا۔

طارق نے حیرانی پر قابو پاتے ہوئے پوچھا:

"اے معزز خاتون! اس رومال میں کیا ہے؟"

شہزادی لیڈیا نے گھٹی ہوئی آواز میں کہا:

"اے فاتح! اس رومال میں طلیطلہ کے شہریوں کی جان، مال اور ناموس ہے۔ یہ تینوں چیزیں اب آپ کے ... ہیں۔"

لیڈیا نے زمین سے رومال اٹھا کر کھولا اور طارق کی طرف بڑھا دیا۔

طارق بن زیاد ششدر رہ گئے۔ رومال میں قلعہ طلیطلہ کی چابیاں تھیں۔ انھوں نے اپنے نائب کو اشارہ کیا۔ نائب نے آگے بڑھ کر چابیوں والا رومال، لیڈیا کے ہاتھ سے لے لیا۔

طارق بن زیاد نے شاہانہ لہجے میں کہا:

"اے خاتون! طلیطلہ کے شہریوں نے ہم سے جان و مال اور ناموس کی حفاظت طلب کی ہے۔ ہم نے ان کی ... جو انھوں نے مانگا وہ انھیں ملے گا لیکن اس کے ساتھ ہی ہم اعلان کرتے ہیں کہ ہمارا کوئی سپاہی ... کے اندر اس وقت تک نیام (میان) سے تلوار نہ نکالے گا جب تک اس کے سامنے تلوار نہ آئے۔ کسی ایسے ... ہاتھ نہ لگایا جائے گا جس کا مالک موجود نہ ہو۔ ایسی زمینوں پر قبضہ نہ ہو گا جس کے کاشت کار طلیطلہ میں موجود ... کوئی گرجا، کلیسا یا خانقاہ نہ تو منہدم کی جائے گی اور نہ اس پر قبضہ ہو گا۔ ہر پادری اور راہب کی عزت ہو گی۔ ... امیر میں تمیز نہ کی جائے گی۔ کسی کے مذہب میں دخل اندازی نہ ہو گی اور — اور بیٹی تم مانگو، اس کے سوا ... سلامتی کے لیے اور کیا مانگتی ہو"۔

لیڈیا نے فوراً چہرے سے نقاب اتار دیا اور جذبات سے بولی:

"آپ..... آپ نے مجھے بیٹی کہا"

طارق نے خلوص سے کہا:

"ہاں بیٹی۔ ہسپانیہ کی ہر دوشیزہ ہماری بیٹی اور ہر ضعیفہ ہماری مادرِ مہربان ہے۔ ہم ناموس لوٹنے نہیں ... ہسپانیہ کی اجڑی مانگ میں شرم و حیا کا غازہ بھرنے آئے ہیں۔ ہم لٹیرے نہیں۔ اخوت، مساوات اور بھائی چارے کے ... ہیں۔ ہم فتنے جگانے نہیں۔ فتنے مٹانے آئے ہیں۔ اسلام صلح و آشتی کا پیام ہے۔ اسلام جہل و بربریت ... کو علم و فن اور شعر و ادب کے نور سے روشن کرنے کا نام ہے۔"

طارق سانس لینے کے لیے رکے تو لیڈیا بولی:

"مبارک ہے وہ سرزمین جس پر ایسے بابرکت قدم پڑیں اور خوش نصیب ہیں وہ فضائیں جن میں علم و ہنر کے چراغ جلائے ... آپ کو خوش آمدید کہتے ہیں سپہ سالارِ اسلام! اہلِ شہر آپ کی راہوں میں آنکھیں بچھانے کے لیے ... ہیں۔

طارق نے کچھ سوچتے ہوئے کہا :

"ہم نے سنا ہے کہ طلیطلہ میں شہنشاہِ ہسپانیہ کی بیوہ ملکہ جی لونا مقیم ہیں۔ انہوں نے ہمیں کوئی [پیغام] نہیں بھیجا"۔

شہزادی لیڈیا مسکرائی اور بولی :

"اے سپہ سالار۔ آپ نے صحیح سنا تھا لیکن ملکہ جی لونا اپنے بزدل سپہ سالار کے ساتھ [کل] طلیطلہ سے فرار ہو چکی ہیں۔ اب تو وہ جلیقیہ پہنچ چکی ہوں گی"۔

طارق نے پوچھا :

"اس وقت قلعے میں کتنی فوج موجود ہے اور قلعہ کس کے قبضے میں ہے"۔

"قلعہ اُس کے قبضے میں ہے جس کے پاس اس وقت قلعے کی چابیاں ہیں" لیڈیا نے جواب دیا۔ "جہاں تک فوج کا تعلق ہے تو قلعے میں فوج کا ایک سپاہی بھی موجود نہیں"۔

"تو کیا قلعہ آدمیوں سے خالی ہے؟" طارق نے حیرت سے پوچھا۔

"نہیں سپہ سالار"۔ لیڈیا نے بتایا :

"ملکہ جی لونا اراکینِ سلطنت اور تمام اہلِ ثروت لوگ قلعہ چھوڑ چکے ہیں لیکن مزدور، کاشتکار [...] اور پادری و راہب شہر میں موجود ہیں۔ آپ قلعہ میں تشریف لے چلیے۔ وہ آپ کا پُرخلوص استقبال کریں گے۔

طارق بن زیاد نے کہا :

"نہیں بیٹی۔ یہ رات ہم طلیطلہ کی فصیل کے نیچے گزاریں گے اور صبحدم . . . تم سے ملنے قلعے میں [آئیں گے]۔ تم واپس جا کر قلعہ والوں کو اطمینان دلا دو کہ مسلمانوں نے ان کی عزت، دولت اور جان کی حفاظت کی ذمہ داری ہی نہیں لی بلکہ قسم بھی کھائی ہے"۔

لیڈیا سلام کر کے گھوڑے پر سوار ہوئی اور صلح و دوستی کا پیغام لے کر قلعہ کی طرف واپس ہوئی۔

صبح جب طارق بن زیاد اپنے لشکر کے ساتھ گوتھ قوم کے قدیم پایۂ تخت میں داخل ہوئے تو ایک [تلوار] بھی نیام سے باہر نہ نکلی۔ نہ کسی گھر میں آگ لگی اور نہ کسی کی نکسیر پھوٹی . . . . . . لیکن مغرب کا مؤرخ تعصب کی عینک لگا کر دیکھنے کا عادی ہے۔ اس سے مسلمانوں کی یہ رواداری بھی برداشت نہ ہو سکی۔

سکاٹ نے لکھا کہ :

"طلیطلہ میں داخل ہونے سے پہلے مسلمانوں نے قرب و جوار کی بستیوں میں آگ لگا دی۔ لہلہاتی کھیتیوں کو روند ڈالا۔ انسانوں کو

قتل کیا۔ نہتوں کو موت کے گھاٹ اتار دیا۔ مکانوں اور گرجاؤں کو منہدم کر کے آگ لگوا دی"۔

لیکن جادو وہ جو سر چڑھ کر بولے۔ یہی مورخ طلیطلہ کی تسخیر کے سلسلے میں آگے بڑھ کر اس بات کا بھی اعتراف کرتا ہے کہ :

"مسلمانوں نے معمولی شرائط پیش کیں جو طلیطلہ والوں نے بلا پس و پیش قبول کر لیں۔ جن لوگوں نے شہر چھوڑنا چاہا انہیں اجازت دے دی گئی۔ جنھوں نے شہر میں رہنے کی خواہش کی انہیں معمولی ٹیکس ادا کر کے رہنے کی اجازت مل گئی۔ یہودیوں اور عیسائیوں کو مذہبی رسوم کی ادائیگی کی پوری آزادی دی گئی"۔

ایک دوسرے مؤرخ ڈاکٹر کونڈے، اس کی تصدیق کرتے ہوئے لکھتے ہیں کہ :

"مسلمانوں نے مذہبی رسوم پر کسی قسم کی پابندی نہ لگائی۔ دوسروں کے عقاید میں کوئی تعرض نہ کیا۔ صرف نئے گرجا اور کلیسا کی تعمیر کی اجازت نہ دی۔ مسلمان نہ ہونے کی شکل میں بے انتہا رعایتیں دی گئیں لیکن کسی کا مذہب جبری تبدیل نہیں کیا گیا۔ نہ دکانداروں سے دکانیں چھینی گئیں اور نہ کسانوں کو زمین سے بے دخل کیا گیا"۔

حیرت کی بات ہے کہ جب مسلمان فاتحین کا رویہ اس قدر فیاضانہ اور مساویانہ تھا تو انہیں قتل و غارتگری کی کیا ضرورت تھی۔ نہتوں پر کیوں ہاتھ اٹھایا جاتا۔ کاشتکاروں پر ظلم کیوں روا رکھا گیا۔ خود ان کے بیان میں اسقدر تضاد موجود ہے جو اُن کے جھوٹ کا پول کھول دیتا ہے اور تعصب کی غمازی کرتا ہے۔

○

طارق قلعے کے میدان میں خیمے نصب کر کے قیام کرنا چاہتے تھے لیکن لیڈیا کے پیہم اصرار پر اسلامی لشکر کو [شہر کے] مکانوں میں ٹھہرایا گیا۔ اور طارق بن زیاد اپنے چیدہ چیدہ سرداروں کے ساتھ لیڈیا کے محل میں [ٹھہرے]۔

طلیطلہ سے بھاگنے والے جتنا مال ممکن تھا، اپنے ساتھ لے کر فرار ہوئے تھے۔ اس کے باوجود پایۂ تخت سے

اس قدر دولت مالِ غنیمت کے طور پر مسلمانوں کو حاصل ہوئی کہ اس کا شمار دشوار ہے۔

یہاں صدیوں کی جمع شدہ دولت تھی۔ سونا چاندی، ریشم، جواہرات، نیلم، پکھراج، زمرد، زبرجد، یاقوت، جواہرات جڑے ہوئے برتن، مرصع اور زرنگار ریشمی تھان، ایک ایسا بیش قیمت کپڑا ملا جس کے حاشیے پر موتی تھا اور اس میں نیلم اور زمرد ٹنکے ہوئے تھے۔ موتیوں سے بھرا ہوا سونے کا ایک طباق حاصل ہوا۔ سادہ لوح موتیوں کی قیمت نہ جانتے تھے۔ انھوں نے موتی پھینک دیے اور طباق مالِ غنیمت میں شامل کر لیا۔ اس کے علاوہ پچیس شہنشاہوں کے تاج دستیاب ہوئے۔ تاجوں پر بے انتہا قیمتی کام کیا گیا تھا اور کوئی ہیرا ایسا نہ تھا جو نہ جڑا گیا ہو۔

یہ تاج مختلف ادوار کے مختلف بادشاہوں کے تھے۔ جب بادشاہ مر جاتا تو تاج کو تبرک سمجھ کر شاہی خزانے میں رکھ دیا جاتا۔ نئے بادشاہ کے لیے نیا تاج بنایا جاتا۔ خزانے سے سونے اور جواہرات کی زنجیریں، لٹکے ہوئے ہیرے، ترشے ہوئے نگینے، مرصع تلواریں اور قیمتی زرہ بکتر دستیاب ہوئے۔

شاہی محل کا ایک بڑا کمرہ فرش سے چھت تک سونے، چاندی اور جواہرات سے بھرا ہوا تھا۔ اس دولت کو ملکہ جی لونا اور نکولس اپنے ساتھ لے جانا چاہتے تھے مگر مسلمانوں کی آمد کی خبر سے ایسے بدحواس ہوئے کہ ان کو اس کا موقع نہ ملا اور اسے جوں کا توں چھوڑ گئے۔

دوپہر کے کھانے کے بعد شہزادی لیڈیا نے طارق بن زیاد سے ایک عجیب و غریب خواہش کا اظہار کیا۔ اس نے کہا:

"سپہ سالارِ اعظم! مجھے اجازت دی جائے کہ میں آپ کے لشکریوں سے فرداً فرداً ملاقات کروں!"

طارق کو اس خواہش پر بڑا تعجب ہوا۔

انھوں نے کہا: "بیٹی! مجھے اجازت دینے میں کوئی تکلف نہیں لیکن کوئی راز کی بات نہ ہو تو مجھے اس سے آگاہ کر دو۔"

لیڈیا نے کہنے کو منہ کھولا مگر شاید ہمت نہ پڑی۔ اس نے صرف اتنا کہا:

"محترم سپہ سالار۔ یہ ایک راز ہی کی بات ہے۔ واپس آنے پر میں آپ کو سب کچھ بتا دوں گی۔"

طارق نے اسے اجازت دے دی۔

شہزادی نے چلتے وقت کہا:

"میرے ساتھ میری کنیز بھی جائے گی۔ آپ اسے بھی اجازت دیجیے۔"

طارق بن زیاد نے اس کی کنیز کو بھی ساتھ جانے کی اجازت دے دی اور اپنا ایک معتمد بھی ان کے

پیدل باہر آئی۔ سرینا اس کا انتظار کر رہی تھی۔ شہزادی نے بتایا کہ ہم دونوں کو اجازت مل گئی ہے۔ پھر معتمد کے ساتھ فوجی بیرکوں کی طرف چل پڑیں۔

مسلمان لشکری کچھ تو کھانا کھا رہے تھے۔ کچھ کھانے کے بعد نمازِ ظہر کے لیے وضو کر رہے تھے۔ لیڈیا، سرینا کے ساتھ لیے بیرکوں بیرکوں گھومتی رہی مگر گوہرِ مقصود ہاتھ نہ آیا۔ جس کی اسے تلاش تھی وہ کہیں بھی نظر نہ آیا۔

لیڈیا بڑی مایوس ہوئی۔ اس کا دل ڈوبنے لگا۔

پھر لیڈیا نے پژمردگی سے کہا:

"اب کیا ہوگا سرینا۔ وہ تو ان فوجیوں میں نہیں۔"

سرینا نے اسے تسلی دیتے ہوئے کہا:

"شہزادی صاحبہ! مایوس کیوں ہوتی ہیں۔ یہ بھی تو ہو سکتا ہے کہ حفصون اب تک طارق بن زیاد کے پاس نہ پہنچا ہو۔"

یہ دونوں چپکے چپکے باتیں کر رہی تھیں کیونکہ طارق بن زیاد کا معتمد ان کے ساتھ تھا۔ اب مزید تلاش بیکار تھی۔ لیڈیا نے معتمد کا شکریہ ادا کیا اور اسے رخصت کر دیا۔

معتمد کے جانے کے بعد لیڈیا نے کہا:

"سرینا! تمہارا خیال ٹھیک معلوم ہوتا ہے۔ حفصون یہاں کے راستوں سے واقف نہیں۔ ہو سکتا ہے کہ وہ کہیں اور پہنچ گیا ہو۔"

سرینا بولی:

"اس شبہ کی تصدیق بھی کی جا سکتی ہے۔"

"وہ کس طرح؟" لیڈیا نے چونک کر پوچھا۔

سرینا نے ہنس کر کہا:

"سچ ہے۔ عشق، عقل کا دشمن ہوتا ہے۔ آپ کی سمجھ میں اتنی سی بات نہیں آئی۔ اگر حفصون کی ملاقات طارق بن زیاد سے ہوئی ہوگی تو انہیں ضرور پتہ ہوگا کہ اب حفصون کہاں ہے۔ شام کو ان سے پوچھ دیکھیے۔"

لیڈیا نے اپنا محل طارق بن زیاد کو دے دیا تھا اور خود شاہی محل کے ایک کمرے میں منتقل ہو گئی تھی۔ حفصون کی تلاش میں گھومتی پھری تھی۔ پورا جسم پھوڑے کی طرح دکھ رہا تھا۔ شام کو کھانے کے بعد اس نے طارق سے ملنے کا ارادہ کیا لیکن تھکن سے اس کی آنکھیں بند ہونے لگیں۔

سرینا اس کا جسم دباتی رہی۔ لیڈیا کی آنکھ لگ گئی اور ایسے گھوڑے بیچ کر سوئی کہ صبح تک آنکھ نہ کھ

○

ہسپانیہ کے یہودی اور خصوصاً وہ یہودی جو طارق بن زیاد کے ساتھ افریقہ سے آئے تھے۔ انھ
مسلمانوں کا بھرپور ساتھ دیا۔ ہسپانیہ میں ان کی حالت جانوروں سے بھی بدتر تھی۔ مسلمانوں نے ان کے ر
رواداری کا سلوک کیا اور ان کے وقار کو بلند کرنے میں مدد دی۔ انہیں عیسائیوں کے برابر درجہ دے دیا
قوانین جن سے یہودیوں کے مذہبی اصولوں اور معاشرتی حالت پر اثر پڑتا تھا، منسوخ کر دیے گئے۔

طارق بن زیاد نے طلیطلہ کا عارضی انتظام بھی یہودیوں کے ہاتھ میں دے دیا تاکہ ان کا احساس کم
اور وہ خود کو سماجی اور معاشرتی طور پر عیسائیوں کا ہم پلہ سمجھیں۔

طارق زیادہ دن ایک جگہ نہ ٹھہرنا چاہتے تھے۔ ابھی اتنا بڑا ملک فتح کرنے کے لیے پڑا تھا۔ انھوں نے
نگرانی اور حفاظت کے انتظامات اس پر قبضہ ہوتے ہی شروع کر دیے۔ کچھ کام رات کو نپٹایا۔ باقی کام میں وہ
لگے ہوئے تھے۔ وہ جلد از جلد طلیطلہ سے آگے بڑھنا چاہتے تھے۔

شہزادی لیڈیا اپنی کنیز کے مشورہ کے مطابق طارق بن زیاد کے پاس پہنچی۔ اس نے ادب سے سلام کیا۔
نے بڑی شفقت سے جواب دیا۔

لیڈیا نے سر جھکا کر کہا:

"سالارِ محترم! اگر اجازت ہو تو کچھ عرض کروں۔"

طارق بن زیاد نے اسے اپنے پاس بلا کر بٹھایا اور بولے:

"شہزادی لیڈیا نے کل نہ ہمیں اپنے کام سے آگاہ کیا اور نہ شخصیت بتائی۔ اگر ہمارے آدمیوں سے
گستاخی ہوئی ہو تو اسے درگزر کرنا۔ ملکائیں اور شہزادیاں بہرصورت ہمارے لیے قابلِ احترام ہیں۔"

لیڈیا نے پُرجوش انداز میں کہا:

"اے فاتحِ ہسپانیہ! اگر میں کل بتا دیتی کہ میں مفرور ملکہ کی بھانجی ہوں تو شاید میں وہ عزت حاصل
جو آپ نے مجھے "بیٹی" کہہ کر عطا کی ہے۔"

طارق کچھ ٹھہر کر بولے:

"شہزادی لیڈیا کچھ کہنا چاہتی تھیں۔"

فاتح ہسپانیہ اگر مجھے بیٹی کہہ کر پکاریں تو میری زیادہ عزت افزائی ہوگی۔" لیڈیا نے فوراً گرفت کی۔

"ہم اپنی بیٹی ہی سے مخاطب ہیں۔" طارق مسکرا کر بولے:

"تم ہم سے کچھ پوچھنا چاہتی ہو؟"

"جی ہاں سپہ سالار۔" لیڈیا نظریں نیچی کرتے ہوئے بولی:

"مجھے صفون نامی ایک مسلمان جوان کی تلاش ہے۔ اسے آپ کے لشکر میں ہونا چاہیے لیکن مجھے کہیں

بتا...

"صفون!" طارق بن زیاد نے زیرِ لب دہرایا:

"ہمیں کچھ یاد نہیں پڑتا۔ بہرحال تم اطمینان رکھو۔ اگر اس نام کا کوئی جوان ہماری فوج میں ہے تو ابھی آ

...

طارق نے اپنے نائب کو حکم دیا:

"صفون نام کا ایک جوان یا جتنے جوان ہماری فوج میں موجود ہوں اُن سب کو ہمارے پاس بھیج دیا جائے۔"

نائب حکم کی تعمیل کے لیے باہر چلا گیا۔ طارق بن زیاد اپنے دوسرے سرداروں کو طلیطلہ کے انتظامات کے بارے
ہدایات دیتے رہے۔

سرداروں سے گفتگو کر چکے تو انھوں نے لیڈیا سے پوچھا:

"بیٹی! تمہارا یہ محل، اس کا تمام اثاثہ تمہارے پاس رہے گا۔ اس کے علاوہ جو جاگیر تم پسند کرو ہم اس کے
صادر کر دیں۔"

شہزادی نے فوراً جواب دیا:

"اے مشفق باپ! مجھے نہ محل کی خواہش ہے اور نہ زر و جواہر کی آرزو۔ میں تو صرف..." لیڈیا کی
نہ رہ سکی اور وہ خاموش ہو گئی۔

"ہاں ہاں، کہو بیٹی!" طارق نے اس کی حوصلہ افزائی کی:

"تم طلب کرو گی اس کے دینے میں ہمیں کوئی عذر نہ ہوگا۔"

طارق بن زیاد کے نائب نے واپس آ کر اطلاع دی کہ:

"صفون نامی کوئی شخص اسلامی لشکر میں موجود نہیں۔"

طارق بن زیاد نے شہزادی کی طرف دیکھا۔

شہزادی کا چہرہ کملا گیا تھا۔

طارق بن زیاد نے دریافت کیا:

"شہزادی بیٹی۔ غمزدہ نہ ہو۔ اگر حفصون نام کا کوئی جوان ہسپانیہ میں موجود ہے تو اسے ضرور بالضرور تمہارے حوالے کر دیا جائے گا۔"

شہزادی لیڈیا نے کوئی جواب نہ دیا۔

طارق کے دل کو شہزادی کی افسردگی سے تکلیف پہنچی۔

انھوں نے کہا: "شہزادی۔ ہوسکتا ہے کہ اس نے تمہیں دھوکا دیا ہو اور اپنا نام غلط بتایا ہو، تم بے وہ دھوکے باز ہم سے بچ کر کہیں نہیں جا سکتا۔ اسے ہم گرفتار کر کے ضرور تمہارے حوالے کر دیں گے۔"

"نہیں نہیں۔" شہزادی گھبرا کر بولی:

"حفصون دھوکے باز نہیں۔ وہ ایک سچا مسلمان ہے۔"

"لیکن یہ سمجھ میں نہیں آتا کہ حفصون جب کل یہاں موجود تھا تو آج کہاں چلا گیا۔" طارق بن زیاد کچھ ہوتے بولے:

"میں کل ان سے نہیں ملی تھی۔" شہزادی نے ڈرتے ڈرتے انکشاف کیا:

"ہماری ملاقات کو دو ماہ سے زیادہ کا عرصہ ہو گیا ہے۔"

طارق نے حیران ہو کر دریافت کیا:

"لیکن ہم یہاں کل پہنچے ہیں۔ تم اس سے کہاں ملی تھیں؟"

"سالارِ اعظم!" لیڈیا نے مزید انکشاف کرتے ہوئے کہا:

"دو ماہ پہلے میری ملاقات حفصون سے یہیں قلعہ طلیطلہ میں ہوئی تھی۔ حفصون اپنے چار ساتھیوں کے جن میں ایک یہودی بھی تھا، طلیطلہ آئے تھے۔ طلیطلہ کے محافظوں نے انھیں جاسوس سمجھ کر گرفتار کر لیا تھا۔ انھوں نے مجھے بتایا تھا کہ وہ افریقہ سے آ رہے ہیں اور آپ سے مل کر فوجی خدمات سر انجام دینا چاہتے ہیں۔ انھیں پتا تھا کہ آپ طلیطلہ میں ہیں اس لیے وہ بھٹکتے ہوئے یہاں آ کر ہمارے سپاہیوں کے ہاتھوں گرفتار ہو گئے۔ حفصون ان کے ساتھی زخمی ہو گئے تھے۔ اس لیے انھیں دو ہفتے یہاں ٹھہرنا پڑا۔ پھر میں نے اور ملکہ جی ذرانے نے نکولس کی شدید مخالفت کے باوجود انھیں آزاد کر دیا۔ ایسا معلوم ہوتا ہے کہ وہ آپ تک نہیں پہنچ سکے۔"

طارق بن زیاد نے بڑے غور سے یہ تفصیل سنی۔

اس بیان میں انھیں ایک بات کھٹکتی تھی۔ انھیں شہزادی کے بیان پر تو پورا اعتماد تھا لیکن یہ سمجھ نہ آتا تھا کہ اگر حفصون اور اس کے ساتھیوں کو محض فوج میں بھرتی ہو کر جنگ میں حصہ لینا تھا تو انھیں طلیطلہ

کسی بھی محاذ پر پہنچ کر لشکر میں شامل ہو سکتے تھے۔

... تھی! وہ ... ہی تھا۔ حفصون تو طارق بن زیاد کے آقا موسیٰ بن نصیر کا قیروان سے پیغام لے کر آئے تھے ... طارق بن زیاد کو پہنچایا جا سکتا تھا۔

... طارق بن زیاد نے بھی ان خطوط پر غور کیا اور اب انھیں فکر ہوئی کہ حفصون کیوں ملنا چاہتا تھا۔ کیا ... کوئی خاص پیغام پہنچانا تھا۔

طارق بن زیاد نے احتیاطاً پوچھا:

"حفصون نے افریقہ کے کسی خاص شہر کا ذکر بھی کیا تھا؟"

"جی ہاں۔" لیڈیا سوچتے ہوئے بولی:

"انھوں نے بتایا تھا کہ افریقہ کا صدر مقام اور فوجی چھاؤنی قیروان میں ہے اور وہاں مسلمانوں کے امیر موسیٰ ...:"

"موسیٰ بن نصیر میرے آقا اور شمالی مغربی افریقہ کے گورنر ہیں۔" طارق نے لیڈیا کو سمجھایا:

"کیا حفصون نے گورنر سے اپنی ملاقات کا ذکر بھی کیا تھا؟" طارق نے اور کریدی۔

"جی ہاں، وہ گورنر سے مل کر آ رہے تھے۔" لیڈیا نے جواب دیا:

"وہ کہہ رہے تھے کہ انھیں گورنر ہی نے ہسپانیہ بھیجا ہے تاکہ فوج میں بھرتی ہو کر جنگ میں شرکت کریں۔"

طارق بن زیاد کا ماتھا ٹھنکا۔

وہ سمجھ گئے کہ حفصون ضرور کوئی اہم پیغام لے کر آیا ہے ورنہ وہ اس طرح محاذوں محاذوں پر نہ بھٹکتا پھرتا۔ ... ان کی سمجھ میں آ گئی تھی اس لیے انھوں نے اس مسئلہ پر مزید تحقیق کی ضرورت محسوس نہ کی۔

ذرا دیر بعد انھوں نے دریافت کیا:

"ہم ایک دو روز بعد آگے بڑھیں گے۔ شہزادی نے اپنے بارے میں کیا فیصلہ کیا ہے؟"

شہزادی شوخی سے بولی:

"بھلا باپ وہاں بیٹی۔ میں آپ کے سایہ میں رہنا چاہتی ہوں۔"

طارق بن زیاد نے طلیطلہ میں یہودیوں کو آباد کر کے قلعہ ان کی نگرانی میں دے دیا۔ مسلمانوں کی بھی ایک فوجی

چوکی قائم کی اور پھر آگے قدم بڑھائے۔

شہزادی لیڈیا، اس کی کنیز سریٹ اور راڈلیس اسلامی لشکر کے ساتھ تھے۔

طارق بن زیاد نے وہی راستہ اختیار کیا جس سے ملکہ جی لونا اور نکولس فرار ہوئے تھے۔ انھوں نے ...
شمال میں وادی الحجارہ کو پار کیا۔ جبل الشلات کے تنگ درے سے گزر کر مدینۃ المائدہ پہنچے۔

مدینۃ المائدہ میں طارق بن زیاد کے ہاتھ ایک انتہائی نادر چیز آگئی۔

یہ ایک طویل و عریض اور وزنی میز تھی۔

یہ خالص سونے کی بنی تھی۔ صرف اس کے پایوں کا وزن ۲۶۵ پونڈ تھا۔ میز میں یاقوت اور زمرد
جڑے ہوئے تھے۔ چاروں پلے زبرجد کے تھے اور تمام کے تمام زمرد میں غرق تھے۔

مشہور تھا کہ جب کوئی نیا بادشاہ تخت نشین ہوتا تو اس بابرکت میز کی خوبصورتی اور سجاوٹ بڑھا...
اس میں جواہرات اس کثرت سے جڑے گئے تھے کہ دور سے یہ جواہرات کا ایک مکمل ٹکڑا نظر آتی تھی۔ یہ...
جواہرات کی جڑاؤ رحل رکھی تھی اور رحل پہ ایک کتاب تھی۔

یہ میز گرجا کی ملکیت تھی اور حضرت سلیمان علیہ السلام سے منسوب کی جاتی تھی۔

عام خیال یہ تھا کہ جب یروشلم میں ٹیٹس (TITUS) نے لوٹ مار مچائی تو یہ میز اس کے ہاتھ...
پھر یہ عیسائیوں کے ہاتھ پڑی اور روم ہوتی ہوئی ہسپانیہ پہنچ گئی۔

اس میز کی قیمت کا اندازہ اس وقت لگانا بہت دشوار ہے۔ ایک مورخ نے اُس وقت اس...
پانچ لاکھ اشرفیاں لکھی ہے۔

بعض لوگوں کا خیال ہے کہ اسے حضرت سلیمان علیہ السلام سے کوئی نسبت نہیں بلکہ یہ اہل ہسپ...
کاریگری کا ایک نمونہ ہے۔

یہ بھی کہا جاتا ہے کہ یہ میز طلیطلہ کے گرجا گھر میں موجود تھی۔ کیونکہ لفظ مائدہ کے معنی میز کے...
لیکن زیادہ مؤرخین کا اس بات پہ اتفاق ہے کہ جب طارق بن زیاد طلیطلہ سے آگے بڑھے اور جبل ال...
تنگ درہ عبور کیا تو انھیں وہاں طلیطلہ سے بھاگنے والوں کا ایک گروہ ملا۔ یہ لوگ اس میز کو جلیقیہ لے...
تھے۔ انھیں گرفتار کر کے میز پر قبضہ کیا گیا اور اس مقام کا نام مدینۃ المائدہ (میز کا شہر) رکھا گیا۔ جس
درے سے طارق بن زیاد کا لشکر گزرا تھا اس کا نام فج طارق پڑ گیا جو عرصے تک زبان زدِ خاص...

مدینۃ المائدہ کے آگے مایہ کا قلعہ تھا۔ پھر جلیقیہ تھا لیکن طارق بن زیاد کے طوفانی لشکر کو...
کسی جگہ کوشش نہیں کی گئی۔ تمام مقامات پہ ان کا قبضہ بغیر لڑائی کے ہو گیا۔

...طلیطلہ سے جلیقیہ تک کا سفر دشوار گزار اور بڑا تکلیف دہ تھا۔ طارق بن زیاد نے جلیقیہ میں فوجوں کو
...آرام کرنے کا حکم دیا۔ طارق کے سرداروں نے اس حکم کو بہت سراہا اور خیمے ڈیرے لگا کر آرام کرنے لگے۔
...کی قسمت میں آرام نہ لکھا تھا۔

طارق بن زیاد کو جلیقیہ آئے ہوئے تیسرا دن تھا۔ طارق اپنے سرداروں کے ساتھ خیمہ میں بیٹھے آئندہ
کے لیے صلاح و مشورہ کر رہے تھے کہ شہزادی لیڈیا نے اندر آنے کی اجازت طلب کی۔ طارق نے اسے
اندر بلا لیا۔

شہزادی لیڈیا بہت خوش نظر آ رہی تھی۔

طارق نے دریافت کیا:

"آج ہماری بیٹی بہت خوش نظر آ رہی ہے۔ کیا بات ہے شہزادی؟"

شہزادی مسکرا کر بولی:

"سپہ سالار محترم کے زیر سایہ مجھے جس قدر مسرت حاصل ہوئی ہے اس کا ذکر میں زبان سے نہیں
...تی۔ اس وقت آپ کو تکلیف دینے حاضر ہوئی ہوں۔"

"بے تکلف کہو شہزادی"۔ طارق نے خوشدلی سے کہا:

"ہم تمہاری ہر خواہش پوری کرنے کے لیے تیار ہیں۔"

شہزادی بولی:

"آپ کا دیا میرے پاس سب کچھ ہے۔ میری اپنی کوئی خواہش نہیں۔ میری ایک کنیز سریتا ہے جس کا
...میں نے اپنی رہائی کے سلسلے میں کیا تھا۔"

"ہمیں یاد ہے شہزادی"۔ طارق بن زیاد نے کہا:

"اس کنیز کے ساتھ تم نے ایک محافظ سردار راڈلیس کا نام بھی لیا تھا۔ ان دونوں نے تمہارے لیے اعلیٰ
...کام دی ہیں۔ ذرا سکون ملتے ہی ہم ان دونوں کو انعامات سے نوازیں گے۔"

شہزادی مسکراتے ہوئے بولی:

"میں انھی دونوں کے بارے میں کچھ عرض کرنے حاضر ہوئی تھی۔"

"کیا ہمارا انہیں کوئی تکلیف پہنچی کیا؟" طارق نے چونک کر پوچھا۔

"جی نہیں"۔ شہزادی نے کہا:

"وہ تو آپ کی کرم نوازیوں کے لیے دعا گو ہیں۔ اگر آپ اجازت دیں تو ان دونوں کو شادی کے بندھن میں

باندھ دیا جائے"۔

"بہت خوب"۔

طارق بن زیاد کے چہرے پر ہلکی سی مسکراہٹ پھیل گئی:

"ہمارا خیال تھا کہ شاید وہ میاں بیوی ہیں لیکن اس شادی میں اجازت حاصل کرنے کی کیا ضرورت
ہم کسی کے مذہبی معاملات یا شادی بیاہ میں دخل نہیں دیا کرتے"۔

شہزادی کے چہرے پر غم کی ایک ہلکی سی لکیر ابھر کر ڈوب گئی۔

اس نے افسردگی سے کہا: "اے فاتح ہسپانیہ! ہمارے ملک میں دستور ہے کہ نچلے درجے کے لوگ
سرکار کی اجازت کے اپنی مرضی سے شادی نہیں کر سکتے۔ سرکار کی اجازت ضروری ہوتی ہے۔ سرہنا میری کنیز
اور کنیز کو حق نہیں کہ وہ حکومت کی مرضی کے بغیر کسی سے عقد کر سکے"۔

طارق بن زیاد کو یہ سن کر تعجب کے ساتھ افسوس بھی ہوا۔

انہوں نے کہا: "یہ تو رعیت کے حقوق میں سراسر دخل اندازی ہے"۔

پھر انھوں نے اپنے نائب سے مخاطب ہوتے ہوئے کہا:

"اعلان کر دیا جائے کہ اپنی مرضی سے شادی کرنا رعیت کا حق ہے۔ اس کے لیے حکومت سے اجازت
مانگنے کی ضرورت ہے جو جس سے چاہے شادی کر سکتا ہے"۔

شہزادی اس اعلان سے بہت خوش ہوئی۔

اس نے کچھ شرماتے ہوئے پوچھا: "اے امیرِ لشکر! کیا کوئی مسلمان جوان کسی عیسائی لڑکی سے شادی
سکتا ہے؟"

"کیوں نہیں۔ بشرطیکہ عیسائی لڑکی خود بھی شادی کے لیے رضامند ہو"۔ طارق نے معاملے کی وضاحت
کرتے ہوئے کہا۔

شہزادی کو شاید اطمینان نہ ہوا۔ اس نے پھر کہا:

"مگر اے امیر! عیسائی مذہب اور آپ کے مذہب میں شاید فرق ہے۔ پھر وہ دونوں کس طرح شادی
کر سکتے ہیں"۔

طارق بن زیاد نے شہزادی کو سمجھایا:

"شہزادی! یہ باتیں ذرا تفصیل طلب ہیں۔ تم بس یہ سمجھ لو کہ ایسے مذہب جو کسی آسمانی صحیفے کے
ہیں۔ ان کے ماننے والے آپس میں شادی بیاہ کر سکتے ہیں"۔

ی وقت طارق بن زیاد کے خیمے میں ایک دھماکہ خیز خبر پہنچی۔

خیمہ کا محافظ اندر آیا اور بولا:

ایک جوان جو اپنا نام حفصون بتاتا ہے، امیرِ لشکر سے فوراً ملاقات کا پا ہے"۔

شہزادی لیڈیا اپنی جگہ سے اچھل پڑی۔

طارق بن زیاد بھی حیران ہو کر محافظ کو دیکھنے لگے۔

"حفصون کو فوراً لایا جائے"۔ طارق نے اجازت دیدی۔

خیمہ کا پردہ سرکا اور ایک خوبصورت بربر جوان اندر داخل ہوا۔ دو قدم آگے بڑھنے کے بعد اس نے سامنے
نظریں اٹھائیں اور پھر وہ بت بن گیا۔ زمین نے جیسے اس کے قدم پکڑ لیے۔

یہ حفصون تھا۔

اس کی نظریں لیڈیا پر جم گئیں۔

وہ بھول گیا کہ وہ کس کے خیمے میں ہے۔ شاید اسے لیڈیا کے سوا اس خیمے میں کوئی اور دکھائی ہی نہیں
رہا تھا۔

طارق بن زیاد نے شہزادی اور حفصون کی محویت کو دلچسپی سے دیکھا پھر نرمی سے کہا:

"بربر جوان! تم ہم سے کس لیے ملنا چاہتے ہو"۔

حفصون کی محویت کا عالم ختم ہو گیا۔ وہ خجل تھا کہ اس نے خیمے میں آنے کے بعد اب تک امیرِ لشکر کو سلام بھی
نہ کیا تھا۔ اس نے فوراً طارق کو سلام کیا۔ . . . . اور دبے لہجے میں بولا:

"اے سپہ سالار۔ میں شرمندہ ہوں کہ آپ سے پہلے نہ مل سکا حالانکہ مجھے آپ سے کئی ماہ پیشتر ملنا
چاہیے تھا"۔

طارق نے نرمی سے کہا:

"حفصون! ہمیں اطلاع ہے کہ تم نے ہمارے پاس آنے کی بہت کوشش کی۔ یہاں تک کہ تم ہم سے پہلے طلیطلہ
پہنچ گئے۔ تمہیں شرمندہ ہونے کی ضرورت نہیں"۔

حفصون نے کہا:

"اے امیر! میں آپ سے تنہائی میں کچھ عرض کرنا چاہتا ہوں"۔

شہزادی لیڈیا کی نظریں اب تک حفصون پر جمی ہوئی تھیں۔ طارق بن زیاد نے تنہائی کی خواہش کی تو سب سردار
اٹھ کر خیمے سے جانے لگے۔

طارق بن زیاد نے لیڈیا سے کہا:

"شہزادی! ہماری طرف سے تمہیں شادی کی اجازت ہے۔"

شادی کے نام پر حفصون کا رنگ فق ہو گیا۔ اس نے گھبرا کر شہزادی کی طرف دیکھا لیکن شہزادی دیکھ جا چکی تھی۔

حفصون کے دل و دماغ میں شہزادی کو دیکھ کر امنگوں اور جذبات کا جو طوفان اٹھا تھا وہ شاید سے بیٹھ گیا۔

طارق بن زیاد نے پوچھا:

"حفصون! ہمارا خیال ہے کہ تم قیروان سے ہو کر آئے ہو؟"

حفصون اپنے خیالات سے چونک پڑا اور بولا:

"سپہ سالار نے صحیح اندازہ لگایا۔ میں قیروان ہی سے آ رہا ہوں۔ امیرِ قیرواں موسیٰ بن نصیر نے مجھے آپ کے پاس بھیجا ہے۔"

طارق بن زیاد کے دل میں جو خدشہ تھا اس کی تصدیق ہو گئی۔

موسیٰ بن نصیر نے انھیں ایک پیغام اس وقت بھی بھیجا تھا جب وہ اسی جا کی تسخیر میں مصروف تھے، اور حکم دیا تھا کہ مزید فتوحات سے گریز کیا جائے اور مفتوحہ علاقوں کا نظم و نسق درست کیا جائے۔

طارق بن زیاد اس حکم کی تعمیل نہ کر سکے تھے کیونکہ لاگو جنڈہ کے میدان میں اگرچہ ہسپانوی شہنشاہ راڈرک شکست کھا کر مارا جا چکا تھا لیکن اس کے لشکر کا پوری طرح قلع قمع نہ ہوا تھا اور وہ ہسپانیہ کے بڑے بڑے قلعوں میں جمع ہو کر از سرِ نو طاقت حاصل کر رہا تھا۔

یہ سب سوچتے ہوئے اور اپنے مشیروں کی رائے سے اتفاق کرتے ہوئے طارق بن زیاد نے اپنے آقا کی حکم عدولی کی تھی اور وہ برابر فتوحات حاصل کرتے رہے تھے۔

طارق نے افسردگی سے پوچھا:

"آقائے محترم نے کیا پیغام بھیجا ہے؟"

حفصون نے آنکھیں نیچی کر کے عرض کیا:

"اے فاتحِ ہسپانیہ! امیرِ قیرواں نے آپ کو حکم دیا ہے کہ آپ جہاں تک پہنچ چکے ہیں اس سے ایک قدم بھی آگے نہ بڑھائیے۔ اس کے ساتھ ہی یہ اطلاع بھی بھیجی ہے کہ وہ بذاتِ خود تازہ لشکر کے ساتھ بہت جلد پہنچ رہے ہیں۔ ان کا انتظار کیا جائے۔"

طارق نے بڑی حسرت سے حفصون کو دیکھا۔ حفصون خود بھی بربر قوم کا جوان تھا۔ اس کی رنگت طارق بن زیاد کی طرح سانولی تھی اور اس کے کچھ بال بھی سرخی مائل تھے۔

طارق نے کہا:

"حفصون! میرا خیال ہے کہ تم بربر قوم سے تعلق رکھتے ہو اور تم پر اعتماد کیا جا سکتا ہے۔"

حفصون نے سینے پر ہاتھ رکھ کے بڑے عزم سے کہا:

"بربر قوم کو آپ کی بہادری پر فخر اور فتوحات پر ناز ہے۔ میں آپ کا ایک ادنیٰ خادم ہوں۔ تعمیلِ حکم کے لیے حاضر ہوں۔"

طارق بن زیاد کی آواز بتدریج گھٹتی جا رہی تھی۔ وہ آہستہ سے بولے:

"حفصون! جس وقت میرے آقا موسیٰ بن نصیر نے تمہیں یہ پیغام دیا اس وقت ان کے چہرے کے کیا تاثرات تھے؟"

حفصون نے ذہن پر زور دیتے ہوئے کہا:

"جہاں تک مجھے یاد پڑتا ہے، امیر اس وقت آپ سے سخت ناراض معلوم ہوتے تھے۔ انہیں اپنے پہلے حکم کی عدولی کی اطلاع نواب جولین کے ذریعے مل چکی تھی۔ نواب جولین نے امیر کو سمجھانے کی کوشش کی تھی کہ طارق کو اگر آگے بڑھنے سے اس وقت روکا گیا تو اس کے نتائج مسلمان فوجیوں کے لیے خطرناک ہو سکتے ہیں لیکن انہیں نواب جولین کی بات سے اطمینان نہیں ہوا تھا۔ امیر موسیٰ بن نصیر نے یہ بھی کہا تھا کہ وہ بہت جلد ایک زبردست لشکر کے ساتھ پہنچ رہے ہیں۔ میرا خیال ہے کہ اب تو وہ روانہ بھی ہو چکے ہوں گے۔"

طارق بن زیاد کافی افسردہ ہو گئے اور کسی گہری سوچ میں پڑ گئے۔

حفصون نے سوچا تھا کہ وہ پیغام دینے کے بعد طارق سے لیڈیا کی شادی کے بارے میں پوچھے گا لیکن انہیں سوچ میں ڈوبا دیکھ کر مزید گفتگو مناسب نہ سمجھی۔

حفصون نے کہا:

"اے امیرِ لشکر! اب میرے لیے کیا حکم ہے؟"

طارق بن زیاد نے نظر اٹھا کر حفصون کو دیکھا اور کہا:

"اگر تم واپس جانا چاہتے ہو تو ہمارا یہ پیغام امیرِ قیرواں کو پہنچا دو کہ طارق نے اپنے قدم روک لیے ہیں اور بے تابی سے ان کی آمد کا منتظر ہے۔"

حفصون نے کہا: "اے امیر! میں واپس قیرواں نہیں جانا چاہتا۔ میں امیرِ قیرواں سے یہاں رہنے کی اجازت

لے کر آیا ہوں۔ آپ مجھے اپنی خدمت میں رہنے کی اجازت دیں۔"

"ٹھیک ہے" طارق بن زیاد نے کہا اور اٹھ کر خیمے میں ٹہلنے لگے۔

اس وقت ان کے چہرے سے پریشانی سی جھلک رہی تھی۔ وہ خیمے کے دروازے کے پاس رکے

کو بلا کر اس سے کچھ کہا۔

چند لمحوں کے بعد ایک سردار خیمے میں آ گیا۔

طارق نے سردار سے کہا:

"اس جوان کو ہمارے خاص دستے میں جگہ دی جائے"۔

اتنا حکم دے کر وہ ٹہلنے لگے۔ سردار نے حفصون کو باہر چلنے کا اشارہ کیا۔ جب وہ دونوں باہر جا

تو طارق کی آواز آئی:

"تمام سرداروں کو فوراً ہمارے پاس بھیج دیا جائے"۔

شہزادی لیڈیا نے حفصون کو کیا دیکھا جیسے اسے اپنی دنیا مل گئی۔ وہ ہنستی، گنگناتی اور جھومتی

میں پہنچی۔ سرینا اس کا بے چینی سے انتظار کر رہی تھی۔ سرینا ہی نے شہزادی کو سپہ سالار کے پاس بھ

راڈیس کے ساتھ شادی کرنے کی اجازت حاصل کر لے۔

لیڈیا مسکراتی اور آنکھیں مٹکاتی خیمے میں آئی تو سرینا کا چہرہ بھی کھل گیا۔ وہ سمجھ گئی کہ شہزادی کو

مل گئی ہے جبھی وہ اس قدر خوش ہے۔

شہزادی نے خیمے میں پہنچتے ہی دوڑ کر سرینا کو لپٹا لیا اور خوشی سے پاگل ہو کر ناچنے لگی۔ اس وقت ا

انگ انگ سے مسرت ٹپک رہی تھی۔ شوخ آنکھیں چمک رہی تھیں اور اس کا سراپا تھرک رہا تھا۔

لیڈیا نے سرینا کو پکڑ کر دو چار چکر دیے تو وہ گھبرا گئی۔ خوش سرینا کو ہونا چاہیے تھا مگر خوشی

لیڈیا کو رہے تھے۔

اس نے شہزادی کو روکتے ہوئے پوچھا:

"شہزادی صاحبہ! مجھے بھی بتائیے۔ کیا جواب دیا سپہ سالار نے؟"

"جواب؟" شہزادی گھبرا گئی:

جواب کس بات کا؟" اس نے سرینا سے الٹا سوال کر دیا۔

سرینا بے چاری پریشان ہو گئی۔ وہ تو سمجھ رہی تھی کہ شہزادی اس کی شادی کی اجازت حاصل کر کے آئی ہے

اسی لیے اتنی خوش ہے لیکن اس الٹے سوال سے تو یوں محسوس ہوتا ہے جیسے شہزادی نے شادی کے بارے میں

سپہ سالار سے کوئی بات ہی نہیں کی۔

سرینا نے منہ لٹکا کر کہا:

"شہزادی صاحبہ! آپ تو میری اور راڈیس کی شادی کی اجازت حاصل کرنے سپہ سالار کے پاس گئی تھیں

مجھ سے پوچھ رہی ہیں کہ کیسا جواب، کس کا جواب؟"

شہزادی کسی حد تک اپنی خوشی پر قابو پا چکی تھی۔ اسے سب کچھ یاد پڑ گیا۔ حفصون کو دیکھ کر وہ بات بھلا

بیٹھی تھی۔

لیڈیا نے ہنس کر کہا:

"تو کیوں رہی ہے۔ اجازت تو میں نے حاصل کر لی تھی پھر۔۔۔۔" اور لیڈیا پھر سرینا سے لپٹ کر اسے

چکر دینے لگی۔

سرینا نے قدم جماتے ہوئے کہا:

"شہزادی کیا بات ہوئی۔ آپ اتنی خوش کیوں ہیں؟"

لیڈیا نے اپنی سانس درست کرتے ہوئے کہا:

"سرینا۔ وہ واپس آ گیا ہے۔۔۔۔ وہی حفصون!"

"حفصون۔ کیا سچ!"

سرینا بھی خوش ہو گئی۔ اس کے لیے یہ دوسری خوشی کی بات تھی۔

"ہاں سرینا" شہزادی نے بتایا:

"میں تیری اور راڈیس کی شادی کی اجازت حاصل کر کے واپس آنے والی تھی کہ ایک پہریدار نے اندر آ کر

کہا۔ حفصون نام کا ایک جوان فوراً سپہ سالار سے ملنا چاہتا ہے۔ پھر نہ پوچھ میرے دل کا کیا حال ہوا"۔

سرینا شوخی سے بولی:

"آپ کا دل چاہا ہوگا کہ آگے بڑھ کے اپنے دیوتا کے قدموں میں سر رکھ دیں"۔

شہزادی ٹھنڈی سانس لے کر بولی:

"ہائے سرینا! دل تو یہی چاہا تھا لیکن دل کا ارمان دل ہی میں رہ گیا۔ میں تو اس سے بات بھی نہ کر سکی"۔

"کیوں؟" سرینا ٹھٹک کر بولی:

"اتنے دن بعد ملے تھے پھر باتیں کیوں نہ کیں؟"

لیڈیا نے بتایا:

"کیا بتاؤں سرینا۔ جب حفصون خیمے میں آیا تو پورا خیمہ سرداروں سے بھرا تھا۔ بس آنکھوں ہی آنکھوں میں سلام دعا ہو سکی"۔

سرینا بولی:

"واہ شہزادی صاحبہ! آپ کو تو عشق کرنا بھی نہیں آتا۔ جب آنکھیں ملی تھیں تو آنکھوں ہی سے باہر آنے کو کہا ہوتا"۔

"تُو تو پاگل ہے"۔ شہزادی جھلا کر بولی:

"وہ تو سپہ سالار سے ملنے آیا تھا۔ میں اسے اشارے سے کیسے باہر لے جاتی۔ تمام لوگ کیا سوچتے"۔

سرینا نے پوچھا:

"اب کہاں ہیں وہ؟"

شہزادی نے بتایا:

"میں تو انہیں خیمے کے اندر ہی چھوڑ آئی تھی"۔

"پھر وہی غلطی"۔ سرینا نے شہزادی کو ٹوکا:

"آپ وہیں بیٹھی رہتیں۔ جب وہ باہر آتے تو آپ بھی آجاتیں۔ یا پھر باہر آ کر ان کا انتظار کر لیتیں"۔

"ہاں سرینا۔ میں باہر کھڑے ہو کر انتظار کر سکتی تھی"۔ شہزادی نے اپنی غلطی کا اعتراف کر لیا۔

سرینا نے کہا:

"شہزادی صاحبہ! آپ کو یقیناً وہیں ٹھہرنا چاہیے تھا۔ ہو سکتا ہے کہ وہ سپہ سالار سے بات کرنے کے بعد کہیں اور چلے جائیں۔ پھر آپ کیا کریں گی؟"

شہزادی گھبرا کر کھڑی ہو گئی۔

اس نے کہا: "میں واپس جا رہی ہوں۔ وہ کہیں اور چلا گیا تو کہاں ڈھونڈتی پھروں گی"۔

سرینا نے شہزادی کا ہاتھ پکڑ لیا اور بولی:

"یہ دوسری غلطی ہو گی شہزادی صاحبہ کہ آپ جا کے خیمے کے پاس کھڑی ہوں گی تو دیکھنے والے کیا کہیں گے؟"

...نے پھر کیا کرنا چاہیے"۔ محبت کی ماری لیڈیا کی سمجھ میں کچھ نہ آ رہا تھا۔

...سرینا نے اسے سمجھایا:

"شہزادی صاحبہ! تالی دونوں ہاتھوں سے بجتی ہے۔ اگر حفصون کے دل میں آپ کے لیے ذرا سی بھی جگہ ہے ...آپ کو تلاش کرتا ہوا یہاں پہنچ جائے گا"۔

سرینا کی بات معقول تھی لیکن محبت معقول اور غیر معقول میں ذرا مشکل ہی سے تمیز کرتی ہے۔ شہزادی بولی:

"اگر حفصون یہاں نہ آیا تو کیا ہو گا؟"

"تو پھر سمجھ لیجیے کہ حفصون کو آپ کی کوئی پرواہ نہیں"۔ سرینا نے کہا:

"آپ جس قدر اس کی طرف بھاگیں گی وہ آپ سے دور ہوتا جائے گا۔ عورت کی یہ توہین ہے کہ وہ کسی مرد کو ...اپنی طرف راغب کرے اور اس کے سامنے محبت کا رونا روئے۔ آپ شہزادی ہیں۔ اپنے وقار کا بھی ذرا ...کھیے"۔

شہزادی خاموش ہو کر بیٹھ گئی مگر دل کی بے چینی تھی کہ کسی طرح کم نہ ہوتی۔ اسے طرح طرح کے خیالات نے ...لیا۔

"حفصون کس سے پوچھے گا؟

کیا پوچھے گا؟

اگر کسی نے کہا کہ تیرا شہزادی سے کیا تعلق ہے تو کیا جواب دے گا؟

سپہ سالار کو خبر ہوئی تو وہ کیا سوچیں گے؟"

شہزادی اور سرینا دونوں اپنے اپنے خیالات میں کھوئی ہوئی تھیں۔ شہزادی کے خیالات کا مرکز حفصون تھا تو ...اپنے ہونے والے شوہر راڈیس کے بارے میں سوچ رہی تھی۔

شہزادی نے اسے بتا تو دیا تھا کہ انہیں شادی کی اجازت مل گئی ہے لیکن شہزادی کو پریشان دیکھ کے اس سے ...ملاقات کا ذکر کرنا یا شادی کے انتظامات کے بارے میں معلومات حاصل کرنا کچھ بے موقع نظر آیا۔

وہ ایسے ہی خیالات میں کھوئی ہوئی تھیں کہ سرینا کا ہونے والا شوہر راڈیس، شہزادی کے خیمے پر آگیا۔ سرینا ...کے خیمے میں رہا کرتی تھی۔ راڈیس نے خیمے کے باہر ہی سے سرینا کو آواز دی۔ سرینا بھاگ کر باہر ...نکلی۔

راڈیس نے کہا:

"سرینا! میں کتنی دیر سے تمہاری راہ دیکھ رہا ہوں۔ تم نے کہا تھا کہ جیسے ہی شہزادی اجازت لے کر آئیں گی تو

تم میرے پاس آؤ گی۔"

سرینا کو راڈلیس سے پہلے کوئی دلچسپی نہ تھی۔ وہ اسے کاٹھ کا الو سمجھتی تھی لیکن جب [illegible] کے لیے اپنی جان پر کھیل گیا تو سرینا کے دل میں بھی راڈلیس کی محبت کی چنگاری جل اٹھی اور پھر یہ محبت بڑھتے بڑھتے سرینا کے دل تک پہنچ گئی۔ اب سرینا بھی راڈلیس کے لیے اسی طرح بے [illegible] جس طرح راڈلیس اس کے لیے تڑپتا تھا۔

سرینا بڑی خود دار اور کسی حد تک مغرور تھی۔ وہ محبت کے اس کھیل میں بھی اپنا وقار برقرار [illegible] چاہتی تھی۔

سرینا نے تیوریاں چڑھا کر کہا:

"شادی کی اتنی بھی کیا جلدی ہے۔ اگر دو چار دن بعد ہو جائے گی تو کیا قیامت ٹوٹ پڑے گی؟"

راڈلیس تو اس سے ٹوٹ کر محبت کرتا تھا۔ اسے سرینا کے غصے سے بھی محبت تھی۔ وہ خوشامد کرتے ہوئے بولا:

"سرینا۔ دو چار دن کیا۔ اگر تم حکم دو تو میں دو چار سال تک انتظار کروں گا مگر ناراض نہ [illegible] اس سے میرا دل ٹوٹنے لگتا ہے۔"

سرینا کو اپنے رویے پر افسوس ہوا۔ اس کا جی چاہا کہ دوڑ کر راڈلیس کے گلے میں بانہیں ڈال جائے اور اپنی سانسوں کو اس کی سانسوں سے ملا دے مگر اندر سے شہزادی کے نکل آنے کا دھڑکا اور چلنے پھرنے والوں کا خوف۔ وہ دل میں اٹھتی ہوئی محبت کی موجوں کو دل ہی میں دبا کر رہ گئی۔

سرینا، راڈلیس کے قریب پہنچی۔ پیار سے اس کا ہاتھ پکڑا اور محبت سے کہا:

"راڈلیس۔ اطمینان رکھو۔ سرینا تمہاری ہے اور صرف تمہاری۔ ہمیں شادی کرنے کی اجازت [illegible] لیکن شہزادی کا مزاج اس وقت کچھ بگڑا ہوا ہے۔ شام کو ان سے بات کروں گی۔"

راڈلیس نے ایک عالمِ بے خودی میں سرینا کے کاندھے پر اپنا بایاں ہاتھ رکھا لیکن ہاتھ رکھتے [illegible] اسے کرنٹ سا لگا۔ اس نے جلدی سے ہاتھ نیچے کر لیا۔

راڈلیس کو سرینا سے اندھی محبت تھی۔ وہ اتنے دن سے سرینا کے ساتھ تھا۔ دن اور رات میں بیشتر وہ ایک ساتھ رہتے اور باتیں ہوتی رہتیں لیکن راڈلیس نے آج تک بھول کر بھی سرینا کے جسم کے کسی [illegible] ہاتھ نہ لگایا تھا۔ سرینا ہی کبھی کبھی محبت کے اظہار کے طور پر اس کا ہاتھ پکڑ لیتی تھی۔ راڈلیس نے [illegible] کاندھے پر ہاتھ رکھ کر پہلی بار غلطی کی تھی۔ وہ جھر سا بن گیا۔ شرمندگی سے اس کی نظریں جھک گئیں۔

سرینا کو راڈلیس کی یہ ادا بہت پسند آئی۔

سرینا نے چاہا کہ راڈلیس سے کہے کہ وہ اس کے کاندھے پر ہاتھ رکھے۔ راڈلیس کے لمس سے اس کے بدن کے [illegible] تھے لیکن وہ کہہ نہ سکی۔ اسے بھی اندر اور باہر کا کھٹکا تھا۔

سرینا نے خمار آلود آنکھوں سے اسے دیکھتے ہوئے کہا:

"راڈلیس! جہاں تم نے اتنا صبر کیا ہے، کچھ اور سہی۔ چند گھنٹوں یا کچھ دنوں کا۔ شہزادی کی پریشانی دور [illegible] میں سب انتظام کر لوں گی۔"

راڈلیس کے دل کو تسلی ہوئی کہ سرینا ناراض نہیں ہوئی۔ اس نے پوچھا:

"شہزادی کا مزاج کیوں بگڑ گیا۔ تم نے انھیں ناراض تو نہیں کر دیا؟"

"راڈلیس!" سرینا کھوئے کھوئے انداز میں بولی:

"شہزادی بھی ہماری جیسی آگ میں جل رہی ہے۔ ہمیں تو یہ امید ہو گئی ہے کہ ہم آج نہیں تو کل ایک دوسرے [illegible] گے لیکن شہزادی ابھی طوفانی موجوں میں غوطے کھا رہی ہے۔ اسے ایک ایسے شخص سے محبت ہے [illegible] کے بارے میں یہ بھی پتہ نہیں کہ وہ شہزادی کو چاہتا بھی ہے یا نہیں۔"

راڈلیس حیرانی سے سرینا کا منہ دیکھ کر رہ گیا۔

"جب ہم طلیطلہ میں تھے تو حفصون نامی ایک مسلم جوان گرفتار ہو کر قلعہ میں آیا تھا۔ اس کے زخم بھر گئے اور وہ [illegible] لیکن جاتے جاتے اپنی محبت کا داغ شہزادی کو دے گیا۔"

راڈلیس سینہ تان کر بولا:

"سرینا! تم مجھے اس کا نام پتہ بتاؤ۔ میں اسے شہزادی کے لیے ڈھونڈ نکالوں گا۔"

"اسے ڈھونڈنے کی ضرورت نہیں۔" سرینا نے بتایا:

"آج صبح وہ طارق بن زیاد سے ملنے آیا تھا۔ شہزادی اسی وجہ سے پریشان ہے۔ دو ایک دن بعد شہزادی [illegible] کروں گی۔"

راڈلیس خوش ہو گیا۔ اس نے کہا:

"چلو یہ اچھا ہی ہوا۔ اب ہم طلیطلہ پہنچ کے شادی کریں گے۔ میرے ماں باپ بھی اس خوشی میں شریک [illegible] گے۔"

"راڈلیس! تمہاری الٹی سیدھی باتوں سے میرا دل جل جاتا ہے۔" سرینا اس کا ہاتھ جھٹکتے ہوئے بولی:

"[illegible] آگے کی طرف بڑھ رہے ہیں اور تم طلیطلہ کے خواب دیکھ رہے ہو۔ پتہ نہیں ہمیں طلیطلہ جانا

نصیب بھی ہوگا کہ نہیں"۔

"معاف کرنا سرینا"۔ راڈلیس نے کہا:

"میں تمہیں یہ بتانا بھول گیا کہ ہم طلیطلہ واپس جا رہے ہیں"۔

سرینا پھر چڑ گئی اور بولی:

"پھر وہی بے وقوفی! ہم طلیطلہ سے آ رہے ہیں واپس نہیں جا رہے"۔

"میری بات کا یقین کرو سرینا"۔ راڈلیس نے کہا:

"سپہ سالار نے اعلان کرا دیا ہے کہ کل صبح ہم طلیطلہ واپس جائیں گے"

"کیوں؟" سرینا حیران رہ گئی۔

راڈلیس کے پاس اس کا کوئی جواب نہ تھا۔

وہ ایک سیدھا سادا سپاہی تھا۔ اس نے جو سنا تھا وہ سرینا کو بتا دیا۔ اس نے کسی سے یہ پوچھنے کی ضرورت ہی محسوس نہ کی کہ ہم واپس کیوں جا رہے ہیں؟

راڈلیس نے شکست خوردہ انداز میں جواب دیا:

"مجھے نہیں معلوم ـــ لیکن طلیطلہ واپس جانے کی تیاریاں شروع ہو چکی ہیں۔ سپہ سالار کا حکم ہے عمل تو ہونا ہی ہے"۔

"اچھا اب تم جاؤ"۔

سرینا، راڈلیس کو ہکا بکا چھوڑ کر اندر چلی گئی۔

"کچھ سنا شہزادی آپ نے"۔ سرینا، شہزادی کے پاس پہنچ کے بولی:

"سپہ سالار طلیطلہ واپس جا رہے ہیں"۔

شہزادی لیڈیانے اس کی جانب حیرت سے دیکھا۔

"راڈلیس ابھی آیا تھا"۔ سرینا خوش ہوتی ہوئی بولی:

"کل صبح ہم اپنے وطن واپس جا رہے ہیں۔ واپسی کی تیاریاں شروع ہو گئی ہیں"۔

شہزادی کا سر تیزی سے گھومنے لگا۔ وہ کسی فیصلے پر پہنچنے کی کوشش کر رہی تھی۔

"آپ کیا سوچنے لگیں شہزادی؟" سرینا نے پوچھا۔

شہزادی نے بوجھل بوجھل سی آنکھیں اٹھائیں اور کہا:

"اگر یہ سچ ہے تو میں طلیطلہ روانہ ہونے سے پہلے ایک بار حضون سے ملنا چاہتی ہوں"۔

"ٹھیک ہے آپ ضرور ملیں گی لیکن پہلے میں اس کا پتہ ٹھکانہ معلوم کرنے جاؤں گی"۔

سرینا شہزادی کا جواب سنے بغیر فوراً خیمے سے نکل گئی۔ راڈلیس ابھی دور نہ گیا تھا۔ وہ بھاگ کر اس کے پاس

راڈلیس نے اسے پلٹ کر دیکھا۔ سرینا کی سانس پھولی ہوئی تھی۔

"کیا ہوا تمہیں؟" راڈلیس نے محبت سے پوچھا۔

سرینا نے کہا:

"میں حضون کو ڈھونڈنے جا رہی ہوں۔ تم میرے ساتھ رہو۔ میں اسے پہچانتی ہوں"۔

راڈلیس اور سرینا ساتھ ساتھ چلنے لگے۔

○

حضون دوسرا نامہ بر تھا جو موسیٰ بن نصیر کی طرف سے طارق بن زیاد کے پاس بھیجا گیا تھا۔ طارق کو اس سے پہلے اپنے آقا موسیٰ بن نصیر کا حکم مل چکا تھا۔ حضون کے ذریعے دوسرا حکم سن کر اس نے اپنے سرداروں کو مشورے کے لیے بلایا۔ مسئلہ بہت اہم تھا۔ بعض سرداروں کا اب بھی یہ خیال تھا کہ پیش قدمی جاری رکھی جائے کیونکہ ابھی غاطہ، بلیہ جیسے ہسپانوی قلعے موجود تھے جن کا فوری خاتمہ ضروری تھا۔

بعض سرداروں نے مزید پیش قدمی کی مخالفت کی کیونکہ یہ سپہ سالارِ اعلیٰ کی سراسر حکم عدولی تھی اور فوجی قوانین میں حکم عدولی سب سے بڑا جرم تھا۔

طارق بن زیاد عجیب کش مکش میں مبتلا تھے۔

ان کے دونوں مشیر مغیث الرومی اور نواب جولین اس وقت ان کے ساتھ نہ تھے۔ مغیث الرومی قرطبہ کی تسخیر کے لیے آگے قدم بڑھا چکا تھا اور نواب جولین کو طارق بن زیاد نے موسیٰ بن نصیر کے پاس قیروان (افریقہ) بھیج دیا تھا۔

پھر یہ مسئلہ قدرت کی طرف سے آپ ہی آپ حل ہو گیا۔ وہ بحث و مباحثے میں مصروف تھے کہ ایک اور تیز رفتار سوار ساحلِ ہسپانیہ سے طارق کے پاس پہنچا اور اس نے اطلاع دی کہ موسیٰ بن نصیر، ہسپانیہ کے ساحل پر لنگر انداز ہو گئے ہیں اور طلیطلہ کی طرف آ رہے ہیں۔

طارق کے پاس اب اس کے سوا اور کوئی چارہ نہ تھا کہ وہ طلیطلہ واپس جائیں اور وہاں موسیٰ بن نصیر کی آمد کا

انتظار کریں۔

انہوں نے اسی وقت واپسی کا اعلان کر دیا۔

راڈیس اور سرینا آگے بڑھے تو انھوں نے دیکھا کہ بکھرا ہوا سامان اکٹھا کیا جا رہا ہے۔ صاف ظاہر تھا واپسی کے انتظامات شروع ہو گئے ہیں۔

سرینا، خیموں کے درمیان سے گذر رہی تھی کہ ٹھٹک کر کھڑی ہو گئی۔ راڈیس کے قدم بھی رک گئے۔

"راڈیس"۔ سرینا نے مسرت سے اس کا ہاتھ پکڑتے ہوئے کہا:

"ادھر دیکھو۔ اس طرف سپہ سالار کے خیمے پر"

راڈیس کی نظریں طارق بن زیاد کے خیمے کا طواف کرنے لگیں۔ سرینا بولی:

"خیمے کے باہر چند آدمی کھڑے ہیں۔ ان میں سب سے لانبے قد کا آدمی۔ بال سرخی مائل۔ اسے دیکھا تم نے"۔

"ہاں دیکھا"۔ راڈیس نے جواب دیا:

"یہ آدمی آج ہی کہیں باہر سے آیا ہے۔ اسے سپہ سالار نے فوراً اندر بلایا تھا"۔

"ٹھیک ٹھیک"۔ سرینا بولی:

"یہی حفصون ہے۔ شہزادی کے دل کو اسی ظالم نے زخمی کیا ہے"۔

"ظالم تو تم خود بھی کچھ کم نہیں ہو"۔ راڈیس ہنستے ہوئے بولا۔

سرینا مسکرائے بغیر نہ رہ سکی۔

کہنے لگی: "بس رہنے دو یہ باتیں۔ اب تم اس کے پاس جاؤ۔ اس کا نام پوچھو۔ اگر وہ اپنا نام حفصون بتلائے تو کہنا کہ شہزادی لیڈیا اس سے ملنا چاہتی ہے"۔

راڈیس نے کوئی حرج نہ کی اور چپ چاپ خیمے کی طرف چلا۔ حفصون کے پاس پہنچ کر وہ تھوڑی دیر اس سے باتیں کرتا رہا۔ پھر آہستہ آہستہ واپس آیا۔

"کیا کہا اس نے؟" سرینا نے بے چینی سے پوچھا۔

راڈیس نے منہ لٹکائے ہوئے کہا:

"عجیب آدمی ہے۔ ہے تو وہ حفصون ہی۔ لیکن بڑی اکھڑی اکھڑی باتیں کر رہا تھا۔ میں نے کہا شہزادی ملنا چاہتی ہیں تو بگڑ گیا۔ کہنے لگا: میں نہیں مل سکتا۔ میری سورج غروب ہونے تک ڈیوٹی ہے"۔

سرینا سوچ میں پڑ گئی۔ اس کی سمجھ میں حفصون کا یہ رویہ نہ آیا۔

کچھ سوچتے ہوئے سرینا نے پوچھا:

"اس نے شہزادی کے بارے میں کوئی بات نہیں کی؟"

"ہاں۔ ایک بات کی تھی"۔ راڈیس نے ذہن پر زور دیتے ہوئے جواب دیا:

"لیکن وہ بات میری سمجھ میں آئی نہیں۔ میں اسے جواب کیا دیتا"۔

"ارے بات تو بتاؤ"۔ سرینا بے چین ہو گئی۔

راڈیس نے بتایا:

"وہ پوچھ رہا تھا کہ شہزادی کی شادی کب ہو رہی ہے"۔

"شہزادی کی شادی؟"

سرینا کا سر گھومنے لگا۔ اس کی سمجھ میں نہ آیا کہ حفصون نے شہزادی کے بارے میں یہ سوال کیوں کیا؟

سرینا نے پوچھا:

"پھر تم نے کیا جواب دیا؟"

"میں کیا جواب دیتا"۔ راڈیس نے منہ بنا کر کہا:

"مجھے تو اس پر بڑا غصہ آیا"۔

سرینا، راڈیس کو چھوڑ کر شہزادی کے خیمے کی طرف چل پڑی۔ اس کا دماغ بہت الجھا ہوا تھا۔

طارق بن زیاد اپنی فتوحات اور اپنے دوسرے سرداروں کے کارناموں سے اپنے آقا کو برابر آگاہ کرتے رہتے تھے۔ ہسپانوی شہنشاہ راڈرک اور طارق بن زیاد کے درمیان جھیل لاگو جنڈہ، وادی بکہ میں جو معرکہ کارزار گرم ہوا اور جس طرح اس جنگ میں مٹھی بھر مسلمانوں نے ایک لاکھ سے زیادہ ہسپانوی لشکر کو کاٹ کے رکھ دیا۔ اس کا حال پڑھ کر موسیٰ بن نصیر کو اپنی اس مہم کی اہمیت کا پہلی بار احساس ہوا۔ پھر مسلمانوں نے قدم آگے بڑھائے۔ مال و دولت اور شہر ان کے ہاتھ لگے۔ ان کی تفصیل سے موسیٰ بن نصیر کی آنکھیں چمک اٹھیں۔

اگرچہ تسخیر ہسپانیہ ان کا ایجان تھا مگر ان کی خود پسندی نے یہ گوارا نہ کیا کہ یہ عظیم کارنامہ ان کے غلام طارق بن زیاد کے نام لکھا جائے۔

تاریخ اسے جذبۂ رقابت سے تعبیر کرتی ہے۔

موسیٰ بن نصیر نے ایک طرف تو اس عظیم الشان فتح کی خبر دربارِ خلافت دمشق روانہ کر کے کی، دوسری طرف انہوں نے طارق بن زیاد کو دبے الفاظ میں لکھا کہ ہسپانیہ ایک اجنبی ملک ہے پھونک کر قدم اٹھایا جائے۔ بہتر ہے کہ مفتوحہ علاقوں کے انتظام و انصرام پر توجہ دی جائے اور مزید پیش قدمی اس وقت تک بند کی جائے جب تک وہ خود لشکر لے کر ان کی کمک کو نہ پہنچ جائیں۔

طارق بن زیاد کے لیے اپنے آقا کی حکم عدولی کسی طرح ممکن نہ تھی لیکن اہلِ ہسپانیہ پہلی شکست زخمی شیر کی طرح زخم چاٹ رہے تھے اور بڑے بڑے قلعوں میں لشکر اکٹھا ہو رہے تھے تاکہ مسلمانوں جا سکے اور انہیں ہسپانیہ سے بے دخل کیا جا سکے۔ چنانچہ جب طارق بن زیاد نے آگے بڑھنے سے گریز سرداروں کو بتایا کہ ان کے آقا کا یہ حکم ہے کہ آگے نہ بڑھا جائے تو مخلص سرداروں نے جن میں قلعہ کا عیسائی قلعدار نواب جولین اور گاتھک سردار مغیث الرومی بھی شامل تھے، طارق کو مشورہ دیا کہ اس وقت رکنا مسلمانوں کے لیے بہتر نہ ہوگا۔ کیونکہ اگر ہسپانوی قلعداروں کو وقت مل گیا تو وہ اپنی طاقت بڑھا پھر ان پر قابو پانا ناممکن ہو جائے گا۔

طارق بن زیاد کو اس مشورے پر مصلحتاً عمل پیرا ہونا پڑا۔ جس کے بہت سے مفید نتائج برآمد ہوئے ان کا یہ اقدام موسیٰ بن نصیر کو بہت ناگوار گزرا۔ انہوں نے اسے اپنے حکم کی سرتابی اور نافرمانی سمجھا اور ایک قاصد کے ذریعے طارق بن زیاد کو آگے نہ بڑھنے کا حکم نامہ بھیجا۔

یہ قاصد حفصون نامی بربر جوان تھا جو راستہ بھٹک گیا اور دو ماہ کی تاخیر سے جلیقیہ پہنچ کر طارق سے ملا۔ اس دوران موسیٰ بن نصیر ساحلِ ہسپانیہ پر اتر چکے تھے جس کی اطلاع بھی طارق کو جلیقیہ ہی میں ملی۔ یہ اطلاع پاتے ہی اپنے لشکر کے ساتھ طلیطلہ پہنچ گئے اور وہاں اپنے آقا کا انتظار کرنے لگے۔

موسیٰ بن نصیر رمضان المبارک ۹۳ھ مطابق ۷۱۲ء موسمِ گرما کی ایک چلچلاتی دوپہر کو نواب جولین میں جبرالٹر عبور کر کے جزیرۃ الخضراء (ALGELIRAS) کے مقام پر لنگر انداز ہوئے۔

طارق بن زیاد کے ساتھ جو لشکر آیا تھا اس میں زیادہ تر بربر قبائل اور قبطی (افریقی) باشندے تھے، موسیٰ بن نصیر کے اٹھارہ ہزار لشکر میں شرفائے حجاز بھی تھے، روسائے شام بھی اور ثقہ ایرانی بھی۔ تھے اور اولادِ صحابہؓ بھی۔ انہیں تسخیرِ ہسپانیہ کے بعد وہاں مستقلاً قیام بھی کرنا ہوگا۔ اگرچہ طارق بن زیاد چاہتے تھے کہ مفتوحہ علاقوں میں مسلمان آباد ہو جائیں تاہم موسیٰ کے ساتھ آنے والے پہلے ہی سے یہ عزم کر کے آئے تھے کہ ہسپانیہ کو اپنا وطن بنائیں گے اور وہاں اسلامی معاشرہ کی بنیاد ڈالیں گے۔

موسیٰ بن نصیر نے زیادہ تر وہی راستہ اختیار کیا جس سے گزر کر طارق بن زیاد آگے بڑھے تھے۔

نگری کی تھی۔ وہ شہر اور قلعے فتح کرنے کے بعد زیادہ تر مقامی لوگوں کے سپرد کر دیتے اور کچھ مسلمان وہاں چھوڑ دیتے لیکن استحکام نہ پیدا ہوتا اور طارق کے پیٹھ پھیرتے ہی ہسپانیہ والوں کی نظریں پھر جاتیں اور وہ اپنی من مانی کرنے لگتے۔

موسیٰ بن نصیر مدونہ صدونہ سے ہوتے ہوئے قرمونہ پہنچے۔ قرمونہ بھی طارق کے ہاتھوں فتح ہو چکا تھا۔ یہاں سے انہوں نے ایک نئے محاذ یعنی اشبیلیہ کی طرف باگیں موڑ دیں۔

اشبیلیہ، ہسپانیہ کے انتہائی خوبصورت اور دولتمند شہروں میں سے ایک تھا۔ یہ ایک عظیم قلعہ تھا جس کی فصیلیں بہت مضبوط تھیں۔ اس شہر کی شادابی اور زرخیزی دور دور تک مشہور تھی اور اسے خوبصورتی کی وجہ سے جنت نشان کہا جاتا تھا۔

اشبیلیہ میں مسلمانوں کو سخت مدافعت کا سامنا کرنا پڑا لیکن موسیٰ بن نصیر کی سخت ناکہ بندی نے اہلِ قلعہ کو اطاعت پر مجبور کر دیا۔ ان کی ہمتیں جواب دے گئیں۔ آخر اشبیلیہ پر بڑی سخت لڑائی کے بعد قبضہ ہو گیا۔ یہ شہر آگے چل کر کچھ دنوں تک ہسپانیہ میں اسلامی سلطنت کا دارالسلطنت رہا۔ اس کے آگے میریڈا کا عظیم الشان شہر تھا جو فنِ تعمیر میں اپنی مثال نہ رکھتا تھا۔

میریڈا کا معرکہ ہسپانیہ کی تاریخ کا ایک اہم باب ہے۔

یہ شہر گرجوں اور کلیساؤں کی وجہ سے مذہبی حیثیت رکھتا تھا۔ میریڈا کا معرکہ اس وجہ سے اور زیادہ مشہور ہوا کہ اس قلعہ میں شہنشاہ ہسپانیہ راڈرک کی پری چہرہ بیوہ جی لونا موجود تھی اور اپنی فوجوں میں چکر لگا کر ان کا حوصلہ بلند کرتی تھی۔

ملکہ جی لونا طلیطلہ سے بھاگ کر جلیقیہ پہنچی لیکن جب طارق بن زیاد طلیطلہ پر قبضہ کر کے آگے بڑھے تو ملکہ نے اپنے ناتجربہ کار سپہ سالار نکولس کے کہنے پر اشبیلیہ کا رخ کیا۔ پھر وہاں سے میریڈا آ گئی۔

نکولس ناتجربہ کار ہونے کے ساتھ ساتھ بڑا کم ظرف اور گھٹیا ذہن کا انسان نکلا۔ شہزادی لیڈیا اس کے چنگل سے فرار ہو کر طارق بن زیاد کے لشکر میں پہنچ گئی تھی۔

اس طرف سے مایوس ہو کر نکولس نے ملکہ جی لونا پر ڈورے ڈالنا چاہے۔ ملکہ آخر شہنشاہ راڈرک کی بیوہ تھی۔ اسے جب نکولس کے گھٹیا خیالات کا علم ہوا تو اسے سخت طیش آیا۔ نکولس اس کا ایک ادنیٰ غلام تھا جسے اس نے خود اپنی کوشش سے ہسپانیہ کا سپہ سالار مقرر کر دیا تھا۔

پہلے تو ملکہ نے نکولس کو اس خیالِ خام سے باز رکھنے کی کوشش کی لیکن اس کے دماغ میں پانچ ہزار بھگوڑے لشکریوں کا زعم تھا۔ اس زعم میں اس نے ملکہ پر زبردستی ہاتھ ڈالنے کی کوشش کی اور اسی کوشش میں وہ اپنی جان سے

ہاتھ دھو بیٹھا۔

میریڈا کی ناکہ بندی طول کھینچ گئی۔

پہلے تو ہر روز ہسپانوی لشکر قلعہ سے نکل کر مقابلہ کرتا اور رات ہونے پر واپس چلا جاتا۔ پھر ... قلعہ بند ہو گئے۔ اس محاذ پر موسیٰ بن نصیر کا بڑا بیٹا عبدالعزیز پیش پیش تھا۔ اس نے ایسی سخت ناکہ بندی ... قلعے والے بھوکوں مرنے لگے۔ آخر انھوں نے صلح کا ہاتھ بڑھایا لیکن شرائط اتنی سخت رکھیں کہ جسے مسلمانوں کی ... نہ کر سکی اور محاصرہ پہلے سے زیادہ سخت کر دیا گیا۔

کچھ روز بعد پھر صلح کی گفتگو شروع ہوئی۔

موسیٰ بن نصیر کو معلوم ہو چکا تھا کہ قلعے کے اندر ملکہ ہسپانیہ موجود ہے اور اسی کی وجہ سے قلعے والے ... تک مقابلہ کر رہے ہیں۔ اس لیے انھوں نے کہلوا بھیجا کہ اگر ملکہ بہ نفسِ نفیس اسلامی لشکر میں آجائے تو نرم شرائط پر صلح کی جا سکتی ہے۔

ملکہ ایک قلعے سے دوسرے قلعے اور ایک جگہ سے دوسری جگہ پھرتے پھرتے تنگ آچکی تھی۔ اس نے خود ... مسلمانوں کے حوالے کر دیا۔ صلح ہو گئی۔ قلعہ مسلمانوں کے ہاتھ آگیا۔ بے انتہا مال و دولت مسلمانوں کے ہاتھ لگا۔ اس دولت میں ہسپانیہ کا سب سے قیمتی ہیرا یعنی راڈرک کی جوان سال بیوہ ملکہ جی لونا بھی تھی لیکن یہ ہیرا آگے ... چل کر اسلامی سلطنت اور خصوصاً مسلمانوں کے لیے بڑا منحوس ثابت ہوا۔

ملکہ جی لونا کو بڑی عزت سے ایک خیمے میں رکھا گیا لیکن اس کے گرد سخت پہرہ لگا دیا گیا۔ موسیٰ بن نصیر ... تھا کہ جب اس جنگ کا مالِ غنیمت دربارِ خلافت دمشق بھیجا جائے تو اموی خلیفہ ولید بن عبدالملک کے سامنے جی لونا ... ایک کنیز کے طور پر پیش کیا جائے۔

میریڈا میں ہسپانیوں نے سخت مقابلہ کیا تھا۔ اس کا اثر دوسرے مفتوحہ علاقوں پر پڑا اور ابھی موسیٰ ... سے روانہ بھی نہ ہوئے تھے کہ اشبیلیہ، ملاغہ، غرناطہ اور جیین سے بغاوت کی خبریں پہنچنے لگیں۔ موسیٰ نے عبدالعزیز کو اس طرف روانہ کیا جس نے کمالِ مہارت اور تیز رفتاری سے باغی قلعوں پر دوبارہ قبضہ کر کے باغیوں کو قرار واقعی سزا دی۔

اور اب موسیٰ بن نصیر کا رخ طلیطلہ کی طرف تھا۔

موسیٰ کو طارق بن زیاد پر سخت غصہ تھا حالانکہ طارق اس معاملے میں قطعی بے قصور تھے۔ انھوں نے موسیٰ کے احکام کی خلاف ورزی ضرور کی تھی مگر اس کی وجہ فوجی مصلحت اور مسلمانوں کی جانوں کی حفاظت تھی۔ اگر وہ آگے بڑھ کر بڑے بڑے قلعوں کو زیر نہ کرتے اور ایک جگہ ہاتھ پر ہاتھ دھر کے بیٹھ جاتے تو ان کے گھر جانے کا امکان تھا۔ ہسپانوی لشکر

... سے یلغار کر کے مسلمانوں کو سخت نقصان پہنچا سکتا تھا۔

طارق بن زیاد طلیطلہ پہنچ کر موسیٰ بن نصیر کی آمد کا انتظار کرنے لگے۔ انھوں نے اپنے آقا کے استقبال ... شروع کر دیں۔ وہ چاہتے تھے کہ موسیٰ کا اتنا شاندار استقبال کیا جائے جس کی مثال تاریخ میں موجود ... میں ان کا خلوص بھی شامل تھا اور یہ خیال بھی کہ انھوں نے فوجی مصلحت کے تحت موسیٰ کی حکم عدولی کی ... بھی تدارک ہو جائے۔

طارق نے اپنے تمام بڑے بڑے سرداروں کو طلیطلہ پہنچنے کا حکم دیا تاکہ وہ استقبال میں شریک ہوں۔ یہوزی ... ث الردی اور زید بن کساوہ، ان کا حکم پاتے ہی طلیطلہ پہنچ گئے۔ طلیطلہ میں بڑی رونق ہو گئی۔ ... ں اور یہودیوں کی مذہبی آزادی تھی۔ ایک طرف کلیسا اور گرجا میں بھیڑ بڑھ گئی تھی تو دوسری طرف مسلمانوں کی مسجدوں سے اللہ اکبر کی صدائیں بلند ہونے لگیں۔

شہزادی لیڈیا نے کئی بار حفصون سے ملنے کی کوشش کی لیکن وہ کامیاب نہ ہو سکی۔ اس کا ایک بار حفصون سے سامنا بھی ہوا مگر حفصون نے اسے یوں نظر انداز کر دیا جیسے اس نے لیڈیا کو دیکھا ہی نہیں۔

شہزادی اس کے رویے پر بڑی متعجب ہوئی لیکن دل کو جھوٹی تسلیاں دے کر بہلا لیا۔ لیڈیا نے اپنی ... زمرینا کے ذریعے حفصون کو اپنے محل میں بلانے کی بھی کوشش کی لیکن حفصون کوئی بہانہ کر کے ٹال گیا ... طلیطلہ پہنچ کر اپنے محل میں قیام پذیر تھی اور طارق بن زیاد نے قلعے کے میدان میں خیمے لگوائے تھے۔ کہتے ہیں کہ تلاش میں خلوص ہو تو ڈھونڈنے والے کو خدا بھی مل جاتا ہے۔

ایک دن لیڈیا اور حفصون اس طرح آمنے سامنے ہوئے کہ نہ تو اب کترایا جا سکتا تھا اور نہ کوئی بہانہ ہی تراشا جا ... اور لیڈیا تو حفصون کی تلاش میں نکلی تھی لیکن حفصون کسی کام سے جا رہا تھا کہ دونوں کی مڈبھیڑ طلیطلہ کے ... رجا کے پاس ہو گئی۔

شہزادی اسے دیکھتے ہی جذباتی ہو گئی۔ بولی:

"حفصون۔ میں نے تمہارے ساتھ کیا برائی کی ہے جو تم اس قدر بے مروتی اور لاپروائی برت رہے ہو!"

حفصون نے سخت لہجے میں کہا:

"شہزادی صاحبہ! اگر آپ اپنے کیے ہوئے احسان کی طرف اشارہ کر رہی ہیں تو میں اس کا ہمیشہ اعتراف

کروں گا کہ جس طرح ممکن ہو اُس کا بدلہ اتار دوں"۔

شہزادی کے دل کو دھچکا لگا۔ اس نے کہا:

"حفصون۔ افسوس ہے کہ تم مجھے اتنا ذلیل سمجھتے ہو۔ میں نے تم پر کوئی احسان نہیں کیا۔ پھر اگر احسان کرنے والا احسان جتانے بیٹھ جائے تو پھر احسان نہیں رہ جاتا۔ میں تو تمہاری لاپرواہی کا شکوہ کر رہی تھی۔ آخر ہم نے کچھ دن اچھے گزارے ہیں۔ میں ان دنوں کی یاد کا سہارا لیے اب تک تمہاری منتظر ہوں۔ اگر تم نے کوئی اور راستہ اختیار کر لیا تھا تو تمہیں حق حاصل ہے۔ میں اب بھی شکوہ نہ کروں گی"۔

حفصون کچھ سوچنے پر مجبور ہو گیا۔

اس کے دل میں بھی بیتے دنوں کی یاد تھی لیکن اس کے کانوں نے تو کچھ اور ہی سنا تھا، کیا وہ غلط تھا؟

حفصون نے نرم ہوتے ہوئے کہا:

"شہزادی صاحبہ۔ میں بھی ان دنوں کو نہیں بھول سکتا۔ وہ گھڑیاں میری زندگی کا نچوڑ اور خوشیوں کا سرمایہ ہیں لیکن ایک ایسی لڑکی سے گفتگو کرنا جو کسی اور سے شادی کر رہی ہو، کسی طرح مناسب نہیں۔ آپ کسی اور کی ہونے والی ہیں اور آپ پر اس کا حق ہے"۔

لیڈیا نے گھبرا کر حفصون کو دیکھا اور تعجب سے پوچھا:

"یہ تم سے کس نے کہا، تمہیں غلط فہمی ہوئی ہے حفصون!"

حفصون افسردگی سے بولا:

"شہزادی صاحبہ۔ میں نے کسی اور سے یہ بات سنی ہوتی تو شاید یقین نہ کرتا لیکن یہ تو میں نے خود اپنے کانوں سے سنا ہے۔ آپ شادی کا فیصلہ کر چکی ہیں۔ میں آپ کے راستے میں نہیں آنا چاہتا"۔

"کیسی باتیں کر رہے ہو حفصون!" شہزادی پریشان ہوتے ہوئے بولی:

"کیسی شادی، کس کی شادی، تم نے کس سے سنا؟ کہاں سنا؟" شہزادی نے ایک ساتھ کئی سوال کر ڈالے۔

حفصون نے شہزادی کو حسرت بھری نظروں سے دیکھتے ہوئے کہا:

"شہزادی صاحبہ۔ کیا یہ غلط ہے کہ جس دن میں سپہ سالار سے پہلی مرتبہ خیمے میں ملا تھا آپ نے اپنی شادی کی اجازت مانگی تھی اور سپہ سالار نے علی الاعلان اس کی اجازت دی تھی"۔

شہزادی نے ایک گہری سانس لی۔

پھر اس کے لبوں پر مسکراہٹ آ گئی اور پورا چہرہ گلنار ہو گیا۔

...نے کہا:

"...تو تم مجھ سے اسی لیے دور دور رہتے ہو۔ کتنے بھولے ہو تم حفصون۔ بات کو غور سے سنا کرو اور ...یقین نہ کرو۔ تمہیں شاید پتہ نہیں کہ ہمارے پرانے دستور میں مرد اور عورت اس وقت تک شادی ...نہیں کر سکتے جب تک کلیسا یا حکومت سے اجازت نہ حاصل کر لیں۔ میں نے اُس دن سپہ سالار سے شادی کی اجازت ...اپنے لیے نہیں۔ وہ اجازت میری کنیز مرینا اور ہسپانوی سردار راڈیس کے بارے میں تھی۔ وہ ...ایک دوسرے سے محبت کرتے ہیں اور شادی کے خواہش مند ہیں۔ میں اپنے لیے نہیں، ان دونوں کے لیے ...اجازت مانگ رہی تھی"۔

...حفصون کی آنکھیں چمک اٹھیں۔ وہ خوش ہو کر بولا:

"...تو کیا مجھے دھوکا ہوا تھا؟"

"...ہوا نہیں غلط فہمی"۔ شہزادی ہنس کر بولی:

"...تمہارا دل صاف ہو گیا"۔

...حفصون کو بڑا افسوس ہوا۔ وہ شرمندہ بھی تھا۔ بولا:

"...شہزادی! میری غلطی معاف کر دو۔ مجھے اس کا پتہ ہوتا تو اب تک میں کئی بار مل چکا ہوتا"۔

...دونوں ہنس ہنس کر ایک گھنٹے تک باتیں کرتے رہے۔

...حفصون نے شہزادی کو بتایا:

"...سپہ سالارِ اعلیٰ موسیٰ بن نصیر بہت جلد طلیطلہ آ رہے ہیں۔ پھر اسلامی لشکر آگے بڑھے گا۔ اس وقت ...میں ...رہ جاؤں گا"۔

"...؟" شہزادی نے پوچھا:

"...فوجی ملازمت چھوڑ دو گے؟"

"...ملازمت کیوں چھوڑوں گا"۔ حفصون نے اسے سمجھایا:

"...اسلامی لشکر کسی مقام سے آگے بڑھتا ہے تو انتظام کے لیے ایک فوجی دستہ وہاں چھوڑا جاتا ہے۔ طلیطلہ ...میں بھی ایک فوجی دستہ وہاں ترتیب دیا گیا ہے۔ اس میں، میں نے اپنا نام لکھا دیا ہے۔ سپہ سالار ...نے منظور کر دیا ہے۔ اب میں طلیطلہ ہی میں گھر بنا کے رہوں گا"۔

...کا دل باغ باغ ہو گیا۔ اس نے کہا:

"...مطلب ہے تم طلیطلہ میں رہ کر فوجی خدمات انجام دو گے؟"

"ہاں ہاں"۔

"اور گھر بھی بناؤ گے"۔

"ضرور"۔

شہزادی کی شوخ آنکھوں میں شرارت مچلنے لگی۔ اس نے کہا:

"لیکن جانتے ہو گھر بنانا کس کو کہتے ہیں"۔

حفصون بوکھلا گیا اور سر میں انگلیاں پھیرنے لگا۔

شہزادی نے اسے چھیڑا:

"گھر عورت سے بنتا ہے۔ تمہیں افریقہ جاکر اپنے بیوی بچوں کو یہاں لانا ہو گا"۔

"بیوی بچے"۔ حفصون مسکرایا:

"افریقہ جانے کی کیا ضرورت ہے؟ وہاں تو میرا کوئی نہیں۔ رہی بیوی ــــ تو ہونے والی بیوی طلیطلہ میں پہلے سے موجود ہے۔ بچوں کا سلسلہ بھی شروع ہو جائے گا"۔

حفصون ہنسنے لگا اور شہزادی لیڈیا نے شرم سے گردن جھکالی۔

واپسی پر شہزادی نے جب حفصون سے اپنی ملاقات کا حال سرینا سے مزے لے کر بتایا تو دونوں خوب قہقہے مار مار کر ہنستی رہیں۔

طارق بن زیاد کے لشکری، موسیٰ بن نصیر کی آمد سے سہمے سہمے اور گھبرائے گھبرائے تھے۔ سب سے زیادہ فکرمند خود طارق بن زیاد تھے۔ انھیں اس بات کا نہ تو افسوس تھا اور نہ ملال کہ موسیٰ بن نصیر کے آنے سے ان کی سالاری اور امارت ختم ہو جائے گی۔ وہ جہاد کے لیے نکلے تھے اور جہاد کا ثواب سپاہی سے امیرِ لشکر تک ہر ایک کو یکساں طور پر ملتا ہے۔ ان کو غم

ان کو غم بھی نہ تھا کہ ان کی فتوحات کا سلسلہ ختم ہو گیا اور آئندہ جتنی فتوحات حاصل ہوں گی وہ موسیٰ بن نصیر کے نام لکھی جائیں گی۔ مقصد نورِ اسلام کو پھیلانا تھا۔ پس یہ شمع خواہ طارق کے ہاتھ میں ہو یا موسیٰ بن نصیر کے ہاتھ میں ایک ہی بات تھی۔

وہ اس وجہ سے بھی پریشان نہ تھے کہ ان کا مرتبہ ایک خود مختار سپہ سالار سے گھٹ کر محض ایک ماتحت

جرنیل کا رہ جائے گا۔ موسیٰ بن نصیر ان کے پہلے بھی آقا تھے۔ اب بھی انہیں آقا تسلیم کرنے میں انہیں کسی قسم کا اعتراض نہ تھا۔

ممکن ہے کہ شیطان نے ان کے دل میں وسوسے پیدا کیے ہوں۔ یہ بھی ہو سکتا ہے کہ حاسد یہودیوں اور عیسائیوں نے انہیں موسیٰ بن نصیر کے خلاف ورغلایا ہو مگر تاریخ اس قسم کے تذکروں سے قطعی پاک ہے۔ ان کی فوج ان پر جان دیتی تھی۔ وہ بربر لشکر کے محبوب سالار تھے۔ اس وقت ان کے پاس اتنا بڑا لشکر موجود تھا کہ اگر وہ مقابلہ پر اتر آتے اور موسیٰ بن نصیر کی امارت کی مخالفت کرتے تو موسیٰ کو ان پر قابو پانا مشکل ہی نہیں ناممکن ہو جاتا۔ لیکن ان کے دل میں اپنے ولی نعمت کے بارے میں اس قسم کا کوئی خیال نہ پیدا ہوا۔ جاتی ہوئی امارت اور سالاری ان کو ذرا بھی نہ کھٹکی اور انھوں نے خلوصِ دل سے خود کو ایک مجرم کی حیثیت سے موسیٰ بن نصیر کے سامنے پیش کرنے کا ارادہ کر لیا۔

طلیطلہ میں طارق بن زیاد کا امیرِ لشکر کی حیثیت سے یہ آخری دن تھا۔ کل صبح کو انہیں موسیٰ بن نصیر کے استقبال کے لیے طلیطلہ سے ایک منزل آگے جانا تھا۔

انھوں نے اپنے تیز رفتار قاصد آگے بھیج دیے تھے جو انہیں دم دم کی خبریں پہنچا رہے تھے۔ ان خبروں سے طارق موسیٰ کے طلیطلہ پہنچنے کی تاریخ کا اندازہ لگا رہے تھے۔

طارق نے نمازِ فجر کے بعد فوراً اپنے لشکریوں سے فرداً فرداً ملنا شروع کیا۔ نماز میں سوائے غیر مسلموں کے تمام لشکری شریک ہوتے تھے۔ جو مسلمان نماز میں شریک تھے ان سے تو طارق وہیں ملے اور اس طرح ملے جیسے کوئی ہمیشہ کے لیے رخصت ہو رہا ہو یا کسی لمبے سفر پہ جا رہا ہو۔

طارق بن زیاد میں صبر و تحمل کی زبردست طاقت موجود تھی۔ ملاقات کے وقت انہوں نے صبر کا دامن ہاتھ سے نہ چھوڑا۔ ان کے اکثر سپاہی ان سے گلے ملتے وقت دھاڑیں مار مار کر رونے لگے مگر طارق بن زیاد نے اپنی آنکھوں کو اشکبار نہ ہونے دیا، حالانکہ دل رو رہا تھا اور آنسوؤں کا طوفان امنڈ رہا تھا۔

وہ سپاہی جو بیماری یا زخمی ہونے کی وجہ سے نماز میں شریک نہ ہو سکے تھے ان سے ملنے کے لیے وہ ہر ایک کے خیمے یا بیرک میں گئے۔

مسلمانوں سے ملاقات کے بعد انھوں نے عیسائیوں اور یہودیوں سے ملنا شروع کیا۔

عجیب بات تھی کہ نہ تو طارق نے اور نہ کسی اور نے اس بات کا اظہار کیا کہ اس ملاقات اور اس غم و اندوہ کی وجہ کیا ہے، لیکن یہ بات سب کو خود بخود معلوم ہو گئی تھی کہ طارق بن زیاد ان سے جدا ہو رہے ہیں اور ہمیشہ کے لیے۔

طارق بن زیاد اپنے آقا موسیٰ بن نصیر کی تند مزاجی اور سخت گیری سے اچھی طرح واقف تھے۔ ہر چند کہ ان
صاف تھا۔ انھوں نے موسیٰ بن نصیر کے حکم سے سرتابی کی تھی مگر اس کی معقول وجہ تھی، پھر بھی طارق کے دل میں
نامعلوم خوف تھا۔ اس وجہ سے انھوں نے یہ طے کیا کہ وہ اپنے آقا کے حضور صرف چند سواروں کے ساتھ پیش ہوں
تاکہ اگر کوئی ناخوش گوار واقعہ پیش آئے تو اس کی خبر ان کے لشکریوں کو نہ ہو سکے۔

دوپہر کے بعد طارق نے دربارِ عام لگایا اور اعلان کیا کہ جس کا بھی ان پر کوئی قرض ہو وہ اسے وصول کرنے
دربار میں آجائے۔

قرض سے مراد یہ تھی کہ اگر کسی پر ظلم ہوا ہے تو فریاد پیش کرے۔
نقصان ہوا ہے تو نقصان پورا کرنے آئے۔
اور اگر کسی کی کوئی جائز خواہش ہو، اس کا اظہار کر کے دلی مراد حاصل کرے۔

طلیطلہ کے غیر مسلم عوام کا میلہ سا لگ گیا۔ اس نے رعیت کی ہر جائز خواہش پوری کی۔ مقدمات کا قاضی کے مشورے سے فوری فیصلہ کیا۔ ایک ہزار ایسی شادیاں، جنھیں حکومت یا کلیسا سے اجازت حاصل کرنی تھی، ان کے اجازت نامے جاری کیے گئے اور کلیسا کو حکم دیا گیا کہ اس قانون پر آیندہ سے عمل نہ کیا جائے۔

اس شام طلیطلہ میں بیک وقت ایک ہزار دلھنیں کلیساؤں میں داخل ہو کر شاد کام ہوئیں۔ ان میں شہزادی لیڈیا کی کنیز مرینا اور محافظ سردار راڈلیس بھی تھا۔

حفصون کو طلیطلہ کے محافظ دستوں کے ساتھ طلیطلہ میں مستقل رہائش کی اجازت مل گئی تھی۔ شہزادی لیڈیا، مسلمانوں کے حسنِ اخلاق، رواداری اور مساوات سے خوش ہو کر حلقۂ اسلام میں داخل ہوئی۔ اسی رات حفصون کے ساتھ اس کی شادی شرعی طریقے سے انجام پائی جس میں طارق بن زیاد کے نائب نے خاص طور سے شرکت کی۔

⑧ ملکۂ حسن

ایک کہاوت ہے: بھاگا بھاگ جائے اور بھاگ ساتھ جائے۔
اس کی زندہ مثال ہسپانیہ کے شہنشاہ راڈرک کی جواں عمر بیوہ ملکہ جی لونا تھی۔
اپنے ملک کے خوف سے ایک قلعے سے دوسرے قلعے اور ایک شہر سے دوسرے شہر کی طرف بھاگ رہی تھی۔
بھاگ تھے کہ اسے چین کہیں نہ ملتا تھا۔ طارق بن زیاد کا اسلامی لشکر آگے ہی بڑھتا جا رہا تھا اور
ہر قلعہ ایک ایک کر کے مسلمانوں کے قبضے میں آ رہے تھے۔
بھاگتے ملکہ قلعہ میریڈا پہنچی۔
یہ مضبوطی اور شوکت کے لحاظ سے دارالسلطنت طلیطلہ سے کسی طرح کم نہ تھا۔ اس قلعے میں رومی طرز
پر تعمیر کیے گئے تھے۔ باغات، سبزہ زار اور قدرتی چشموں نے اس کے حسن کو چار چاند لگا دیے تھے۔
یہ عالم تھا کہ اس کی تسخیر کا تصور بھی نہیں کیا جا سکتا تھا۔
گورنر تو بس برائے نام تھا۔ اصل طاقت میریڈا کے بطریقِ اعظم کے ہاتھ میں تھی۔ بطریقِ اعظم میریڈا
کا پیشوا بھی تھا اور سیاسی شخصیت بھی۔ گورنر اس کی مرضی کے بغیر لقمہ تک نہ کھاتا تھا۔
اس نے ملکہ جی لونا کو ہاتھوں ہاتھ لیا۔
شاہ ہسپانیہ کی بیوہ۔ دوسرے ماہ پیکر، پری جمال، ملکۂ حسن۔ اس بیوگی اور پریشانی کے عالم
میں بھی چاند کی طرح چمکتا اور سورج کی طرح دمکتا تھا۔
قدرت نے نزاکت، ناز و غمزے اور عشوے بخشے تھے تو اسی حسن نے اس کے لیے پریشانی کے سامان

بھی پیدا کر دیے تھے۔

وہ جہاں پہنچتی لوگ ملکہ ہسپانیہ سمجھتے ہوئے سر آنکھوں پر بٹھاتے مگر بہت جلد اس کی محبت بھرا [illegible] بہن نیاز ختم کر دیتے۔ ملکہ اپنے عشاق سے تنگ آ چکی تھی۔ کسی کو جھڑکیاں، کسی کو ڈانٹا اور کسی کو [illegible] لیکن جہاں شمع ہوتی ہے وہاں پروانے تو نثار ہونے آ ہی جاتے ہیں۔

بطریق اعظم کی سفارش پر ملکہ کو میریڈا کے ایک عالی شان محل میں اتارا گیا۔ غلام و کنیزوں کا [illegible] تراش خراش کے لباس سلوائے گئے۔ مشاطائیں اور آرائش حسن کے تمام لوازمات اس محل میں اکٹھے کر دیے گئے [illegible] دعا، سلام یا جمالِ جہاں آرا کے دیدار کے لیے روز ایک پھیرا ڈالتا۔ گورنر میریڈا ابھی تاک جھانک میں لگا رہتا [illegible] بطریق اعظم کی حاضری کے بعد خود بھی مزاج پرسی کے بہانے ملکہ کے حضور میں سلامِ عقیدت پیش کرتا۔

میریڈا کے تمام بڑے بڑے فوجی افسر، ملکہ کو ایک نظر دیکھنے کے لیے بے چین رہتے اور [illegible] تلاش کرتے۔

ملکہ جی لونا زمانے کے نشیب و فراز دیکھتے دیکھتے جہاندیدہ اور سمجھدار ہو گئی تھی۔ پھر بھلا وہ مردوں کی نظروں کو پہچانتی۔ وہ اپنے ملنے والے کے چہرے پر نظر ڈالتے ہی اس کے دل کی گہرائیوں تک پہنچ جاتی تھی اور دل ہی دل میں ہنستی۔ وقت اور حالات نے اسے صبر و مصلحت کا سبق سکھا دیا تھا۔

یکایک خبر اڑی کہ گرد و غبار کا ایک طوفان میریڈا کی طرف بڑھ رہا ہے۔

جاسوسوں نے بطریق اعظم کو خبر دی کہ اجنبی لوگوں کا ایک لشکر بڑی تیزی سے میریڈا کی طرف آ رہا ہے۔ بطریق اعظم نے تصدیق کے لیے صبا رفتار سوار اس رخ دوڑائے۔ انھوں نے واپس آ کر خبر کی تصدیق کی اور بتایا کہ اسلامی لشکر موسیٰ بن نصیر کی سرداری میں میریڈا سے صرف تین منزل دور ہے۔

قلعے میں کھلبلی مچ گئی۔ ان لوگوں نے اور زیادہ اودھم مچایا جو مسلمانوں کے ہاتھوں مار کھا چکے تھے اور اب یہاں پناہ گزین تھے۔

بطریق اعظم اور گورنر میں صلاح مشورے ہونے لگے۔ گورنر نے قلعہ بند ہونے کا مشورہ دیا لیکن بطریق ضد کی کہ آگے بڑھ کر مسلمانوں کو روکا جائے۔ فیصلہ کوئی نہ ہو سکا اور بات بیچ میں لٹک کر رہ گئی۔

جاسوسوں کی اطلاع تین منزل دوری کی تھی لیکن دوسرے دن شام کے وقت جب مسلمانوں کے ہراول دستے قلعے کے سامنے نمودار ہوئے تو دیکھنے والے حیران رہ گئے۔

قلعے کے دروازے جلدی جلدی بند کیے گئے۔ محافظ دستے فصیل پر پہنچائے گئے۔ تیل کے کڑھاؤ چولہوں پر چڑھائے گئے اور ان کے نیچے آگ روشن کر دی گئی۔

بطریق اعظم اور گورنر حملہ آوروں کو دیکھنے کے لیے اونچے برج پر چڑھے۔ ڈھلتے سورج کی روشنی میں مسلمانوں کے دستے [illegible] رہے تھے۔ وہ بڑے اطمینان سے قلعے کے سامنے خیمے لگا رہے تھے۔

گورنر کے چہرے پر پریشانی نمودار ہوئی لیکن بطریق اعظم مسلمانوں پر حقارت کی نظر ڈالتا ہوا برج سے اتر آیا۔ [illegible] پریشانی کے بجائے غصے اور نفرت کے آثار تھے۔

بطریق کا محل، میریڈا کے بڑے کلیسا کے برابر میں تھا۔ محل میں بطریق کا ایک خاص حجرہ تھا۔ اس کے متعلق یہ [illegible] اس میں ایسی ایسی نادر و نایاب چیزیں موجود ہیں جن کا جواب طلیطلہ کے شاہی محل میں بھی ممکن نہیں۔ بطریق [illegible] کمروں پر مشتمل تھا۔ محل کے تمام کمرے لمبی راہداریوں کے ذریعے غلام گردش سے ملے ہوئے تھے۔ جہاں [illegible] اور اتنی ہی کنیزیں، بطریق کی خدمت گزاری کے لیے ہر وقت موجود رہتیں۔ بطریق کا اپنا ذاتی حفاظتی دستہ تھا جس کا کام صرف اس کی جان کی محافظت تھا۔

بطریق اعظم نے برج پر کھڑے ہو کر مسلمانوں کا تمسخر اڑایا تھا لیکن دل میں وہ بھی ڈر رہا تھا۔ وہ جب سوچتا کہ انہوں نے لاگو جنڈہ کی جنگ میں شہنشاہ ہسپانیہ کی ایک لاکھ فوج کو شکست دی ہے تو وہ ایک نامعلوم خوف سے [illegible] تھا۔ پریشانی اور فکر نے اس کی بھوک پیاس بھی اڑا دی تھی۔ رات ہو گئی تھی لیکن اس نے کھانا لگانے کا حکم نہیں دیا تھا۔ خدمت گزار کنیزیں اور غلام بار بار اس کے سامنے سوالیہ نشان بن کر آ کھڑے ہوتے لیکن اسے اب [illegible] کی خواہش پیدا نہ ہوئی تھی۔

بطریق ابھی ادھیڑ بن میں تھا کہ ایک کنیز گھبرائی ہوئی اندر آئی۔ بطریق اسے پریشان دیکھ کر اور زیادہ پریشان [illegible] اس وقت وہ کوئی بری خبر سننے کے لیے بالکل تیار نہ تھا۔

بطریق بے دلی سے بولا:

میری طبیعت ٹھیک نہیں۔ مجھے بار بار پریشان کرنے کی ضرورت نہیں:

بطریق دل سے تو یہی چاہتا تھا کہ کنیز وہ منحوس خبر جلدی سے سنا دے جس کی وجہ سے وہ پریشان ہو [illegible] اس سے سوال کرنے کی ہمت نہ ہوئی۔ اس کے دل میں مسلمانوں کے ڈر کا چور بیٹھ گیا تھا۔

کنیز ادب سے بولی:

بطریق اعظم! ہم جانتے ہیں کہ آپ کی طبیعت ٹھیک نہیں اور شاید آپ آج رات کھانا بھی تناول نہ فرمائیں لیکن [illegible] انتہائی معزز مہمان آپ سے ملاقات پر اصرار کر رہا ہے۔ میں نے مجبور ہو کر آپ کی تنہائی میں مخل ہونے [illegible]

[illegible] کے نام پر وہ چونکا۔ اس کے ذہن میں کئی نام آئے۔ گورنر، سپہ سالار۔ کوئی اہم پادری۔ لیکن

یہ لوگ اس کے لیے کوئی اہمیت نہ رکھتے تھے۔ وہ خود کو ان تمام سے افضل سمجھتا تھا۔

بطریق نے پوچھا:

"وہ کون سا مہمان ہے جسے ہمارے آرام کا بھی خیال نہیں"۔

"ملکہ.... جی لونا، آپ سے ملنے کے لیے تشریف لائی ہیں"۔ کنیز نے بلا تکلف بتایا۔

"ملکہ ہسپانیہ"۔

بطریق اعظم گھبرا کر کھڑا ہو گیا:

"کہاں بٹھایا ہے تم نے انہیں۔ مجھے فوراً خبر کیوں نہ کی؟"

بطریق گھبراہٹ میں ایک ساتھ کئی سوال کر گیا۔

کنیز اس کی بوکھلاہٹ پر دل میں ہنسی اور بولی:

"پاپائے اعظم! آپ کے معزز مہمان کو آپ کے حجرۂ خاص میں بٹھایا گیا ہے۔ اس کے بعد ہی میں آپ کی خدمت میں حاضر ہوئی ہوں"۔

بطریق اعظم کے غلاموں، کنیزوں اور کلیسا کے چھوٹے راہبوں اور ننوں کو یہ یقین ہو گیا تھا کہ بطریق اعظم، ملکۂ ہسپانیہ میں غیر معمولی دلچسپی لے رہا ہے۔

بطریق کی عمر پچپن سال سے تجاوز کر چکی تھی لیکن مضبوط ہاتھ پیروں کا مالک تھا۔ اطمینان اور با... عمر کی رفتار تو نہیں روک سکتی لیکن آثار پر ضرور قابو پا لیتی ہے..... بطریق کی عمر چالیس سال سے معلوم ہوتی تھی۔

بطریق اعظم نے کنیز کی ذہانت کی داد دے کر رخصت کر دیا۔ پھر جلدی جلدی دوسرا لباس پہنا، ... کا اس بے دردی سے استعمال کیا کہ مجسم خوشبو بن گیا۔ ہر طرح سے خود کو درست کر کے بطریق نے اپنے ... مصنوعی مسکراہٹ پیدا کی۔ اب وہ نپے تلے قدموں سے ملکۂ ہسپانیہ اور ملکۂ حسن سے ملاقات کے لیے حجرے کی طرف بڑھ رہا تھا۔

ملکہ کا بلا اطلاع آنا اس کے لیے حیرت انگیز بھی تھا اور پُرمسرت بھی۔

ملکہ، بطریق کے حجرے کو دیکھ دیکھ کر حیران ہو رہی تھی۔ اس کی سمجھ میں نہیں آتا تھا، یہ کسی مقدس آدمی کا حجرہ ہے یا شاہی حرم۔

حجرے کو بڑی نفاست اور سلیقے سے آراستہ کیا گیا تھا۔ نادر چیزوں کے علاوہ ملکہ کو حجرے میں ایسی چیزیں بھی نظر آئیں جن کی موجودگی ایک مذہبی آدمی کے کمرے میں کسی طرح درست نہ تھی۔

بطریق مسکراتا ہوا حجرے میں داخل ہوا۔ ملکہ اس کے استقبال کے لیے کھڑی ہو گئی۔

ملکہ ایک گدے دار زرنگار چوکی پر بیٹھی تھی۔ بطریق اس کے سامنے ویسی ہی ایک چوکی پر بیٹھ گیا۔

ملکہ شانِ خسروانہ سے گویا ہوئی:

"بطریق اعظم! مجھے معاف فرمایئے میں آپ کی تنہائی اور آرام میں مخل ہوئی"۔

ملکہ نے لفظ تنہائی پر خصوصیت سے زور دیا اور اس لفظ کی زبان سے ادائیگی کے وقت اس کے لبوں پر ایک مسکراہٹ کھیل گئی۔

ملکہ جب شروع شروع میں یہاں آئی تھی تو تعظیم و احترام کے خیال سے بطریق کو "مقدس باپ" کے لقب سے مخاطب کرتی تھی۔ پھر پتہ نہیں ملکہ نے بطریق اعظم کی آنکھوں میں جھانکا یا دل میں اتر کر کیا دیکھا کہ اس نے اسے "مقدس باپ" کہنا چھوڑ دیا۔

بطریق اعظم نے انکسار کا اظہار کیا:

"ملکۂ ہسپانیہ نے غریب خانے کو رونق بخشی، میں اس کے لیے شکر گزار ہوں۔ میں شرمسار بھی ہوں کہ ... نے مجھے اس قابل نہ سمجھا کہ اپنے محل میں بلواتیں، جو اس سے زیادہ میرے لیے عزت افزائی کا سبب ہوتا"۔

ملکہ نے غمزے کا تیر پھینکا:

"شکریہ تو مجھے ادا کرنا چاہیے کہ میریڈا میں مجھے شاہی محل جیسا آرام ملا اور یہ سب آپ کی نوازش کا نتیجہ ہے"۔

بطریق کے دل کی دھڑکن تیز ہو گئی:

"آپ مزید شرمندہ نہ کیجیے۔ کہاں طلیطلہ کا شاہی محل اور کہاں میریڈا کی یہ قیام گاہ۔ پہلے میں نے سوچا تھا گورنر کا محل آپ کے لیے خالی کرا دوں لیکن اس کے طور طریقے مجھے پسند نہیں۔ وہ آپ کی تنہائیوں میں خواہ مخواہ مخل ہوتا رہتا"۔

"جی ہاں، یہ گورنر کچھ اسی قسم کا نظر آتا ہے"۔ چالاک ملکہ نے دونوں کے درمیان، خلیج کو اور زیادہ وسیع کرنے کے لیے کہا:

"مجھے معلوم ہے وہ آپ کو دل سے پسند نہیں کرتا"۔

"کیا کہا، وہ مجھے پسند نہیں کرتا؟" بطریق غصے سے بولا۔

"میں یہ نہیں کہتی کہ آپ میری بات کا یقین کر لیں"۔ ملکہ ہسپانیہ نے اپنی بات کو یقینی بنانے کے لیے [illegible]۔

وہ شخص یقیناً احساسِ جمال سے قطعی عاری ہوگا جو حسین لبوں سے نکلی ہوئی بات پر یقین نہ کرے۔ ہسپانیہ، ملکۂ حسن تھی۔ قدرت کا ایک حسین شاہکار۔ بطریقِ اعظم کی کیا مجال تھی کہ وہ اسے جھٹلاتا۔ بطریقِ اعظم، ملکہ جی لونا کی مترنم آواز میں کھو گیا۔ پھر اس نے خود کو سنبھالا اور بولا:

"آپ کی بات پر یقین نہ کرنا کفر کے برابر ہے۔ میں جلد ہی اس کا انتظام کر دوں گا۔ کہیں آپ کو کوئی تکلیف نہیں پہنچائی؟"

ملکہ الفاظ کے موتی بکھیرتے ہوئے بولی:

"آدمی آدمی میں فرق ہوتا ہے بطریقِ اعظم۔ کچھ لوگ ایسے ہوتے ہیں جنہیں منہ لگانے کو دل نہ... کچھ ایسے ہوتے ہیں جن کے پاس خود چل کر جانے میں خوشی محسوس ہوتی ہے۔"

ملکہ نے بڑے شاطرانہ طریقے سے گورنر اور بطریق کے فرق کی وضاحت کر دی تھی۔ اس پہ بطریقِ اعظم خوش ہوتا کم تھا۔ وہ خوشی سے جھوم اٹھا اور اس کا سر ذرا اکڑ گیا۔

بطریق بولا:

"میں ملکۂ ہسپانیہ کی عقل و فراست کی داد دینے پر مجبور ہوں۔ مجھے خوشی ہے کہ ملکہ نے کھرے... میں بہت جلد تمیز کر لی۔"

پھر ذرا رک کر پوچھا:

"ملکہ نے یہاں آنے کی زحمت فرمائی۔ کیا اس کا کوئی سبب ہے۔ فرمایئے میں کیا خدمت کر سکتا ہوں؟"

ملکہ اپنی برق پاش نظروں سے اور مسلسل مسکراہٹ کے تیروں سے بوڑھے بطریق کے دل پر گرا رہی تھی۔ بولی:

"کوئی خاص وجہ نہیں۔ دل گھبرایا آپ کے پاس چلی آئی۔ مسلمانوں نے قلعہ گھیر لیا ہے۔ اس سے طبیعت پریشان ہو گئی ہے۔"

بطریق اکڑ کر بولا:

"ان کیڑے مکوڑوں کی آپ بالکل فکر نہ کریں۔ میں نے قلعے کے برج سے انہیں خیمے لگاتے دیکھا ہے۔ ڈھیلی عبائیں اور لمبی لمبی داڑھیوں والے یہ اجنبی ہمارا کچھ نہ بگاڑ سکیں گے۔"

حالانکہ یہ ڈینگ مارتے وقت اس کا دل اندر سے بیٹھا جا رہا تھا۔

ملکہ نے فوراً سنجیدگی اختیار کی:

"دشمن کو کمزور نہ سمجھنا چاہیے بطریقِ اعظم۔ یہ ڈھیلی ڈھالی عبائیں اور لمبی لمبی داڑھیاں ہی تھیں جنہ...

...نے شہنشاہِ ہسپانیہ کا غرور ہمیشہ کے لیے توڑ دیا۔ ہمارے ایک لاکھ بہادر ان کا کچھ نہ بگاڑ سکے۔"

اس حقیقت سے بطریق کیسے انکار کرتا لیکن اب اس کے وقار کا سوال تھا۔ اسے کسی نہ کسی طرح اپنی [illegible] تو بچانا ہی تھی۔ بولا:

"وہ تو ٹھیک ہے لیکن اگر معاف کریں تو میں یہ ضرور کہوں گا کہ ہمارے شہنشاہ نے کھلے میدان میں ان سے مقابلہ کر کے سخت غلطی کی۔ قلعہ بند ایک لاکھ فوج میدان کی دو لاکھ فوج کے برابر طاقت رکھتی ہے۔ اگر شہنشاہ قلعہ بند ہو کر لڑتے تو شکست کا سوال ہی پیدا نہ ہوتا۔"

ملکہ کو بطریق کی نافہمی پر بڑا غصہ آیا۔ بڑا ضبط کرتے ہوئے بولی: "میدان اور قلعے سے کوئی فرق نہیں پڑتا۔ قرطبہ میں ہم قلعہ بند ہو کر لڑے پھر بھی قلعہ ہمارے ہاتھ سے نکل گیا۔"

بطریقِ اعظم کے پاس اس کا کوئی جواب نہ تھا۔ وہ نرم پڑ گیا:

"آپ ٹھیک فرما رہی ہیں لیکن قرطبہ اور میریڈا کے قلعوں میں بڑا فرق ہے۔ ہمارے قلعے کی فصیلوں سے سال برسوں ٹکراتے اور سر پھوڑتے رہیں لیکن ہمارا کچھ نہ بگاڑ سکیں گے۔ یوں بھی میریڈا ایک بڑا مذہبی مرکز ہے۔ ہماری فوج کے حوصلے بلند ہیں۔ وہ جان توڑ کر مقابلہ کرے گی۔"

ملکہ جی لونا مسلمانوں کی شجاعت اور بہادری دیکھ چکی تھی۔ اسے بطریقِ اعظم کی باتوں سے ذرا بھی تسلی نہ ہوئی۔ جس وقت اسے معلوم ہوا کہ قلعے کو مسلمانوں نے گھیر لیا ہے وہ اسی وقت سے قلعے سے ناامید ہو گئی تھی۔ اسے پورا یقین تھا کہ قلعہ ایک نہ ایک دن ضرور فتح ہو جائے گا۔ اسے تو اپنی فکر تھی۔ وہ ملکہ ہسپانیہ تھی۔ اسے ڈر تھا کہ اگر وہ مسلمانوں کے ہاتھوں میں پڑ گئی تو اس کا بُرا حشر ہوگا۔

ملکہ انہی باتوں پر غور کر کے بطریقِ اعظم کے پاس آئی تھی۔ دراصل وہ قلعے سے فرار ہونا چاہتی تھی اور اس سلسلے میں بطریق کا تعاون چاہتی تھی۔

ملکہ نے دیکھا کہ اس کے غصے سے بات بگڑ گئی ہے اور بطریق کی گفتگو نے کچھ اور ہی رنگ اختیار کر لیا ہے تو اس نے فوراً پلٹا کھایا:

"بطریقِ اعظم۔ میں اس سے اتفاق کرتی ہوں کہ ہماری فوج بہادر ہے اور وہ میریڈا کے مذہبی مرکز کو آسانی سے ہاتھ سے نہ نکلنے دے گی لیکن آپ جانتے ہیں کہ مسلمان میری تلاش میں ہیں اور برابر میرا تعاقب کرتے چلے آ رہے ہیں۔ خداوند یسوع مسیح ہمیں اس آفت سے محفوظ رکھیں لیکن میں یہ جاننا چاہتی ہوں کہ اگر قلعے پر کوئی بُری گھڑی آ گئی تو میری حفاظت کا کیا بندوبست کریں گے۔ مجھے کسی محفوظ مقام پر کس طرح پہنچا سکیں گے؟"

ملکہ نے دو ٹوک بات کی تھی لیکن بطریق اپنے ہی خیالوں میں گم تھا۔ اس نے کہا:

"ملکہ آپ میری جان۔ ۔ ۔ ۔ ۔ میرا مطلب ہے کہ آپ مجھے جان سے زیادہ عزیز ہیں۔ میرے ہوتے دشمن کا ہاتھ آپ تک نہیں پہنچ سکتا۔ آپ بالکل مطمئن رہیں۔"

ملکہ کو بطریق کی باتوں سے بڑی مایوسی ہوئی۔ اس کا مقصد اپنے فرار میں بطریق کا تعاون حاصل کرنا تھا۔ بطریق کی باتوں سے یوں معلوم ہوتا تھا جیسے وہ ملکہ کے سامنے اپنا حالِ دل بیان کر رہا ہے۔

ملکہ اسے ناراض نہ کرنا چاہتی تھی۔ کھڑے ہوتے ہوئے بولی:

"آپ کا بہت بہت شکریہ۔ آپ کی باتوں نے مجھے بالکل مطمئن کر دیا ہے۔"

بطریق خوشی سے اور زیادہ پھول گیا۔

وہ ملکہ کو دروازے تک رخصت کرنے گیا۔ واپس آنے کے بعد اس نے آنکھیں بند کر لیں اور رنگین جوان خوابوں کی وادی میں کھو گیا۔

○

تمام رات مسلمان لشکر کی آمد کا سلسلہ جاری رہا۔

صبح ہوئی تو میریڈا کے باسیوں کے کانوں میں ایک ایسی آواز آئی جو اُن کے لیے غیر مانوس تھی۔ مسلم لشکر کا مؤذن لحنِ داؤدی میں فجر کی اذان دے رہا تھا۔

اللہ اکبر کے الفاظ سے دشت و جبل تھرا اُٹھے اور قلعے کے محافظ گھبرا کر دور دور تک پھیلے ہوئے مسلمانوں کے خیموں کو دیکھنے لگے۔

اذان ہوتے ہی قلعے کے سامنے چہل پہل ہو گئی۔ دیکھتے ہی دیکھتے تمام مسلمان اپنے خالقِ حقیقی کی بارگاہ میں سربسجود ہو گئے۔ ایک ساتھ تمام لشکر کا رکوع و سجود، نظم و ضبط کا ایک ایسا مظاہرہ تھا جس نے قلعے والوں کے دل میں پہلے ہی دن خوف پیدا کر دیا۔

نماز کی صفیں ٹوٹیں تو سواروں اور پیادوں نے اپنی اپنی صفیں قائم کر لیں۔

مسلم سردارِ اعلیٰ موسیٰ بن نصیر نے صفوں کا معائنہ کیا۔ اس کے جلو میں ان کا جواں عمر اد بیٹا عبد العزیز اور قلعہ سبتہ کا عیسائی سردار نواب جولین تھا۔ نواب جولین نے طارق بن زیاد کی بھی ہسپانیہ تک رہنمائی کی تھی اب وہ موسیٰ بن نصیر کے ساتھ بھی یہی خدمت انجام دے رہا تھا۔

اسلامی لشکر تھکا ہونے کے باوجود حملے کے لیے بے چین تھا لیکن موسیٰ نے حملے کا حکم نہ دیا۔ اور اپنے خیمے میں چلے گئے۔

خلیفہ ولید بن عبد الملک کی طرف سے سخت احکامات موصول ہوئے تھے کہ مسلمانوں کی جانوں کا کم سے کم نقصان ہو۔ ان کی کوشش تھی کہ جہاں تک ہو سکے مصالحت کا راستہ اختیار کیا جائے اور ہسپانوی قلعوں پر بغیر لڑے قبضہ ہو جائے۔

میریڈا کے سامنے انہیں پہلا دن تھا۔ انہوں نے فیصلہ کیا کہ وہ چند دن قلعے والوں کی طرف سے مصالحتی سفارت کا انتظار کریں گے۔ اس کے بعد حملہ شروع ہو گا۔

باہر تو یہ حال تھا اور قلعے کے اندر محلاتی سازشوں کا جال بچھ رہا تھا۔

قلعہ گھیرا جا چکا تھا اور میریڈا پر جنگ کے بادل منڈلا رہے تھے۔ میریڈا کا گورنر اپنی مرضی سے لڑائی لڑنا چاہتا تھا لیکن بطریق اعظم قدم قدم پر اس کی کاٹ کر رہا تھا۔ وہ دونوں ایک دوسرے کے شدید مخالف تو پہلے بھی تھے لیکن جب سے ملکہ جی لونا نے میریڈا میں قدم رکھا تھا اس وقت سے ان کی مخالفت میں اور زیادہ اضافہ ہو گیا تھا۔

○

ملکہ ہسپانیہ کی وہ رات بڑی بے چینی سے گزری۔ وہ بطریق اعظم کے پاس بڑی امیدیں لے کر گئی تھی۔ اپنی عقل و فراست، ناز و غمزے اور عشوہ طرازی کے تیر بھی چلائے لیکن اس کا مطلب حل نہ ہوا۔ اس کی پریشانی کم نہ ہوئی۔ اس کے دل میں مسلمانوں کی ایسی دہشت بیٹھ گئی تھی جو اسے چین نہ لینے دیتی تھی۔ اسے فکر تھی اپنی جان کی جو اس صورت میں بچ سکتی تھی کہ۔ ۔ ۔ ۔ وہ یہاں سے فرار ہو کر کسی محفوظ مقام پر پہنچ جائے۔ اسے ایسے مقام کی تلاش تھی جہاں وہ نہ تو مسلمانوں کی صورت دیکھے اور نہ ان کی آواز سنے۔

صبح ہو گئی تھی اور وہ اب تک بستر پر پڑی کروٹیں بدل رہی تھی۔ رات بھر کی بے خوابی نے اس میں کسلمندی پیدا کر دی تھی۔ اس کی آنکھیں سرخ ہو رہی تھیں۔

جب دن کافی چڑھ آیا تو ملکہ اٹھی۔ منہ ہاتھ دھو کر فارغ ہوئی تھی کہ کنیز نے گورنر میریڈا کے آنے کی خبر دی۔ ملکہ کا ماتھا ٹھنکا۔

اسے خطرہ ہوا کہ اس کی جاسوسی ہوئی ہے اور گزشتہ شب اس کی اور بطریقِ اعظم کی ملاقات کا علم گورنر کو ہو

گیا ہے اور وہ شاید اسی سلسلے میں ملنے آیا ہے۔

کنیز، ملکہ کے سامنے کھڑی جواب کا انتظار کر رہی تھی لیکن وہ اپنے خیالات میں کھوئی ہوئی سے ملاقات کرنا ضروری تھا۔ اسے اس کی ناراضگی کا بھی ڈر تھا۔ گورنر آخر گورنر تھا۔ اس کے نہیں تو وسیع ضرور تھے۔

"کیا جواب دوں گورنر کو؟" کنیز نے تنگ آ کر کہا:

"وہ باہر کھڑے انتظار کر رہے ہیں۔"

ملکہ کے خیالات کا سلسلہ ٹوٹ گیا لیکن اس دوران میں اسے ایک تدبیر سوجھ گئی۔

ملکہ نے کہا:

"مہمان کو دوسرے کمرے میں ٹھہراؤ۔ میں ابھی تیار ہو کے آتی ہوں۔"

ملکہ اسے جواب دے کر آرائش کے کمرے میں گھس گئی۔ اس نے ایک مشاطہ کو بلایا اور اسے کا حکم دیا۔ ملکہ نے ایک بھاری کامدار دلفریب جوڑا نکلوایا۔ جوڑے کا رنگ چمپئی تھا۔ مشاطہ نے کپڑے پہننے میں مدد دی۔

ایک گھنٹہ کے بناؤ سنگھار کے بعد جب ملکہ آرائشی کمرے سے نکلی تو وہ نئی نویلی دلہن یا حسینہ معلوم ہوتی تھی۔ ملکہ کی عمر اتنی زیادہ بھی نہ تھی اور حسن تو قدرت نے اسے لاجواب دیا تھا۔ اپنے حسن ہی کی بدولت وہ شاہی حرم تک پہنچ کر ملکۂ ہسپانیہ بنی تھی۔

گورنر نے اسے دیکھا تو دیکھتا ہی رہ گیا۔ پھر اس پر غشی سی طاری ہو گئی۔ اس کی آنکھیں بند ہونے لگیں۔ حسن اور یہ جوانی اس کی نظر سے پہلے کبھی نہ گزری تھی۔

ملکہ مسکرائی:

"میں معزز مہمان گورنر میریڈا کو خوش آمدید کہتی ہوں۔"

سحر زدہ گورنر تو اس کے حسن کی رعنائیوں میں کھویا ہوا تھا۔ اسے جواب دینے کا کب ہوش تھا۔ وہ کے سامنے پیر کے اوپر پیر رکھ کر اس انداز سے بیٹھی کہ گورنر بالکل ہی ریشہ خطمی ہو گیا۔ وہ سوچ رہا تھا ہے یا کوئی آسمانی مخلوق۔ ارضی حسن میں تو یہ کشش اور جمال نہیں ہوا کرتا۔

ملکہ نے بات چھیڑی:

"گورنر میریڈا کو مجھ غریب کا آج کیسے خیال آ گیا؟"

اور وہ کھلکھلا کر ہنس پڑی۔

...ر نے گھبراتے ہوئے کہا:

...راجی گھبرایا اور آپ کے پاس چلا آیا۔"

...ہنس پڑی۔ یہی جملہ اس کے بطریق کے سوال کے جواب میں رات کو کہا تھا۔۔۔ "کیا گورنر کے ...اس کی اور بطریق کی گفتگو چھپ کر سنی ہے؟" یہ خیال اس کے لیے بڑا سوہانِ روح تھا۔ ملکہ نے ...ے ٹٹولا:

...نے کیوں زحمت فرمائی۔ مجھے بلوا لیا ہوتا۔ میں حاضر ہو جاتی۔"

گورنر فوراً سنبھل کر بولا:

...میرے ایسے نصیب کہاں کہ ملکۂ ہسپانیہ میرے پاس خود چل کے آئیں۔" گورنر کا انداز طنزیہ تھا۔

...کہ گورنر کو رات کی ملاقات کا علم ہو چکا ہے۔

ملکہ نے پینترا بدلا:

"میں اب ملکۂ ہسپانیہ نہیں۔ آپ اور بطریقِ اعظم کی محکوم ہوں۔ جو بلائے گا اس کے حضور حاضری دینا ...رات کو بطریق نے حاضری کا حکم دیا تھا تو مجھے جانا پڑا۔ اس وقت آپ بلواتے تو میں کیسے انکار کر سکتی تھی۔"

"کیا آپ کو خود بطریقِ اعظم نے بلوایا تھا؟" گورنر نے تعجب سے پوچھا۔ ملکہ نے اسے جھنجھوڑ کر رکھ دیا تھا۔

ملکہ نے ایک ہلکی انگڑائی لی اور بولی:

"اس میں تعجب کی کیا بات ہے۔ آپ کا کیا خیال ہے۔ کیا مجھے بطریق اعظم کے پاس جانے سے انکار کر دینا چاہیے تھا؟"

کنیز سونے کے طشت میں صراحی اور دو گلاس لے کر آ گئی۔

ملکہ یہاں آنے سے پہلے اسے حکم دے آئی تھی۔ ملکہ نے مرمریں ہاتھ بڑھا کر صراحی پکڑی اور ساغر میں شراب ...تے ہوئے بولی:

"آپ نے میری بات کا جواب نہیں دیا۔"

ملکہ نے ساغر گورنر کی طرف بڑھا دیا۔ گورنر نے ساغر لے کر جلدی سے حلق میں انڈیل لیا۔

"آپ میری بات کا جواب کیوں نہیں دیتے"۔ ملکہ نے دوسرا ساغر بھی گورنر کے ہاتھ میں تھما دیا اور گورنر وہ ...غٹ پی گیا۔

ایک تو تیز شراب۔ اس پر ملکۂ حسن کی موجودگی۔

...شراب دو آتشہ بن گئی۔ گورنر کچھ کہنے کو تھا کہ ملکہ نے جلدی سے خالی ساغر بھر کر پھر اس کی طرف

بڑھا دیا۔

گورنر نے تین ساغر چڑھائے تو ہر طرف پھول ہی پھول اور گلشن ہی گلشن نظر آنے لگا۔ ملکہ بھی اس کی نظروں میں حوروں اور پریوں سے بھی زیادہ حسین نظر آنے لگی۔

گورنر مستی کے عالم میں بولا:

"ملکۂ ہسپانیہ! مجھے معاف کر دیجیے۔ میں آپ کے بارے میں بڑا غلط نظریہ قائم کر چکا تھا۔ آپ بالکل اس کے برعکس ہیں۔ آپ کتنی اچھی ہیں، کتنی ..... "گورنر کہتے کہتے سنبھلا۔

ملکہ ہنس کر بولی:

"منہ میں آئی ہوئی بات مرد روکا نہیں کرتے۔ آپ بات پوری کیجیے"۔

گورنر کی ہمت بڑھی۔ اس نے حوصلے کا اظہار کیا:

"میں اگر آپ کی تعریف کروں تو آپ کو ناگوار تو نہ گزرے گا؟"

"دل سے تعریف کی جائے تو ناگوار نہیں گزرتی"۔

ملکہ گورنر کے ذرا قریب کھسک آئی۔

"آپ بہت خوبصورت ہیں۔ بہت حسین ہیں"۔ گورنر نے آخر کہہ ہی ڈالا۔

ملکہ نے بناوٹی شرم سے نظریں جھکا لیں۔ بولی:

"رات کو یہی بات بطریق اعظم نے کہی تھی تو مجھے اس پر سخت غصہ آیا تھا لیکن آپ ..... آپ میں اور بطریق میں بڑا فرق ہے۔ اس عمر میں ان کے منہ سے ایسی باتیں اچھی نہیں لگتیں۔ انھیں شرم آنی چاہیے"۔

"وہ بوڑھا بڑا ذلیل، بڑا کمینہ ہے"۔ ملکہ کی شہ پا کر گورنر پھٹ پڑا:

"میں چاہتا ہوں اس کو اس کی گستاخی کی سزا دوں۔ اس کی زبان کھینچ لوں"۔

"نہ نہ۔ ایسا ارادہ نہ کیجیے"۔

ملکہ نے گورنر کو سمجھایا:

"جنگ سر پر منڈلا رہی ہے۔ اس وقت خانہ جنگی کسی طرح مناسب نہیں۔ آپ مطمئن رہیں۔ میں اس کے ہتھکنڈے نہ چلنے دوں گی"۔

گورنر کو ملکہ کی باتوں میں رغبت اور اپنائیت محسوس ہوئی تو وہ سنجیدگی سے بولا:

"میں آپ سے کچھ عرض کرنا چاہتا ہوں"۔

ملکہ نے آہستہ سے گورنر کے ہاتھ پر اپنا ہاتھ رکھ دیا۔ گورنر کے جسم میں بجلیاں سی کوند گئیں۔

ملکہ نے کہا:

"گورنر۔ آپ کو کہنے کی ضرورت نہیں۔ میں محبت کی نظر پہچانتی ہوں۔ مجھے شہنشاہ راڈرک کی موت کا اب پوری طرح احساس ہو گیا ہے۔ مجھے اپنی زندگی کی راہیں خود بنانا ہیں۔ پہلے میں سوچتی تھی کہ بقیہ زندگی راڈرک کے نام پر گزار دوں گی لیکن زندگی جذبات کے سہارے نہیں گزرا کرتی۔ آپ ہی بتلایئے میں اپنی جوانی آخر راڈرک کے غم میں گھل گھل کر کیوں گزاروں؟"

"ٹھیک ہے غم کی ایک حد ہوتی ہے"۔ گورنر نے ہاں میں ہاں ملائی:

"آپ ابھی جوان ہیں۔ خوبصورت ہیں۔ آپ کی خدمت کے لیے ہزاروں دل و جان سے تیار ہو سکتے ہیں"۔

"ہاں گورنر"۔ ملکہ نے ایک مکارانہ ٹھنڈی سانس بھری:

"میں بھی یہی سوچ رہی ہوں۔ مجھے اب کوئی مضبوط سہارا ڈھونڈنا پڑے گا۔ ایسا سہارا جو ..... ظالموں سے میری جان بچا سکے۔ مسلمان میری جان کے دشمن ہیں۔ مجھے پاتے ہی قتل کر دیں گے"۔

"اگر آپ مجھ پر اعتماد کریں تو میں آپ کی حفاظت کی ذمے داری اٹھاتا ہوں"۔ گورنر نے فوراً پیش کش کی۔

"ہاں گورنر"۔

ملکہ کو اس پیش کش کا انتظار تھا:

"آپ میری حفاظت کر سکتے ہیں۔ آپ جیسے مضبوط ہاتھوں ہی میں، میں اپنی بقیہ زندگی آرام و سکون سے گزار سکتی ہوں"۔

گورنر اتنا خوش ہوا کہ اس کا ناچنے کو دل چاہا۔ اسے ملکہ کی باتوں کا یقین نہ آ رہا تھا۔ آخر پوچھ ہی بیٹھا:

"تو کیا ملکہ ہسپانیہ محبت کے اس رشتہ کو شادی میں بدلنے کے لیے تیار ہیں؟"

"میں نے یہی فیصلہ کیا ہے گورنر"۔ ملکہ نے اسے یقین دلایا۔ ..... لیکن ذرا ٹھہر کر اصل مقصد کی طرف اشارہ کیا:

"گورنر۔ میں آپ سے شادی کر کے یقیناً خوش رہوں گی لیکن اس میں ایک قباحت ہے"۔

"کیا قباحت ہے؟" گورنر کی امیدوں پر اوس پڑنے لگی۔

ملکہ بڑے پیار سے بولی:

"گورنر۔ میں جنگیں دیکھتے دیکھتے تنگ آ گئی ہوں۔ اب مزید کوئی جنگ دیکھنے کی مجھ میں ہمت نہیں۔ میں چاہتی ہوں آپ مجھے اپنے کسی ایسے با اعتماد آدمی کے پاس بھجوا دیں جہاں میں اس وقت تک آرام سے رہوں جب تک آپ جنگ سے فارغ ہو کر میرے پاس نہیں پہنچ جاتے۔ آپ آ جائیں گے تو ہماری شادی ہو جائے گی"۔

"آپ کا مطلب ہے کہ میں آپ کو میریڈا سے کسی طرح نکال کے کسی محفوظ جگہ بھیج دوں"۔ گورنر نے وضاحت طلب کی۔

"بالکل"۔

اور اب ملکہ کھسکتے کھسکتے گورنر کے برابر پہنچ گئی تھی:

"دیکھیے نا، جنگ کے ہنگامے میں کوئی چیز اچھی نہیں لگتی۔ میں آپ کے کسی دوست کے پاس رہ کے آپ کا انتظار کروں گی"۔

ملکہ نے اپنا ہاتھ گورنر کے شانے پر رکھ دیا۔

گورنر میریڈا، ملکۂ ہسپانیہ کی محبت میں پوری طرح گرفتار ہو چکا تھا۔ وہ ملکہ کے اصل مقصد کو نہ سمجھ سکا اور اقرار کر لیا کہ موقع پاتے ہی وہ اسے قلعے سے نکال کر کسی محفوظ جگہ پر پہنچوا دے گا۔

ملکہ اور گورنر میریڈا ہمیں جنم جنم کا ساتھ دینے کے عہد و پیمان ہو گئے۔ گورنر وہاں سے اٹھا تو خود کو دنیا کا سب سے خوش نصیب انسان سمجھ رہا تھا۔

تین دن گزر گئے۔

قلعے کی طرف سے کوئی سفارت نہ آئی۔ موسیٰ بن نصیر اور زیادہ انتظار نہ کر سکتے تھے۔ انھوں نے اپنے سرداروں سے مشورہ کیا اور دو دن بعد حملے کا فیصلہ کیا گیا لیکن جس دن موسیٰ نے یہ فیصلہ کیا اس کے دوسرے ہی دن قلعہ بند کا لشکر قلعے سے باہر نکل کر خود موسیٰ پر حملہ آور ہو گیا۔

قلعے والوں نے تین دن مسلمانوں کی طرف سے حملے کا انتظار کیا۔ جب ان پر حملہ نہ ہوا تو وہ سمجھ بیٹھے کہ مسلمان حملہ کرنے سے خائف ہیں۔ اس غلط فہمی نے انھیں پہل کرنے پر آمادہ کیا۔

ہسپانوی حملے سے پہلے قلعے کے اندر بطریقِ اعظم اور گورنر میریڈا کے درمیان بڑی تو تو میں میں اور تلخ کلامی ہوئی۔ گورنر کھلے میدان میں لڑنے کا مخالف تھا۔ بطریقِ اعظم پہلے ہی دن سے باہر نکل کر مقابلے پر زور دے رہا تھا۔ مسلمانوں کے حملہ نہ کرنے کا اسے بڑا بہانہ مل گیا۔ اس نے قلعے کے دوسرے سرداروں کو اپنے ساتھ ملا لیا۔ گورنر کو مجبوراً اپنے سرداروں کی رائے سے اتفاق کرنا پڑا۔ اس طرح ہسپانیہ کے ایک اچھے لشکر نے مسلمانوں کے سامنے آنے کی غلطی کی۔

پہلے دن عیسائیوں نے زبردست حملہ کیا۔ کوئی اور قوم ہوتی تو اس کے قدم اکھڑ جاتے لیکن مسلمان ... کے نکلے تھے۔ ان کے پاس عیسائیوں جیسا اعلیٰ اسلحہ نہ تھا مگر قوتِ ایمانی تھی۔ وہ شام تک اپنے ... اس حملے کو روکتے رہے۔ پھر اندھیرا پھیل گیا۔ عیسائی لشکر قلعے میں واپس چلا گیا۔ موسیٰ کو ... اس حملے کا قطعی امکان نہ تھا۔

عیسائی حملہ آور ہوئے اس وقت اسلامی لشکر کی اچھی طرح صف بندی بھی نہ ہوئی تھی۔ پھر مسلمانوں نے ... کے ساتھ شام تک ان کا مقابلہ کیا۔

دوسرے دن موسیٰ بن نصیر نے پہلے تو مدافعت کی پھر اپنے لشکر کو آگے بڑھنے کا حکم دیا۔ مسلمان آگے بڑھے تو ... انتشار پیدا ہو گیا۔ ان کا زور پہلے دن کی بہ نسبت کم رہا۔ اس روز بھی لڑائی کا کوئی نتیجہ نہ نکلا لیکن ... کو یہ علم ہو گیا کہ میدان میں مسلمانوں پر حاوی آنا ناممکن ہے۔

تیسرے دن قلعے والے باہر نہ نکلے۔ عیسائی لشکر فصیلوں پر چڑھا دن بھر مسلمانوں کو دیکھتا رہا۔ دوپہر ڈھلے ... نے زبردست حملہ کیا۔ پتھر پھینکے اور تیر برساتے وہ فصیلوں تک پہنچ گئے لیکن فصیلیں بہت اونچی اور مضبوط ... مسلمان اوپر نہ چڑھ سکے۔

بطریقِ اعظم اور وہ عیسائی سردار جنھوں نے گورنر میریڈا کو میدان میں نکل کر مسلمانوں پر حملہ کرنے پر مجبور ... اپنی اپنی جگہ شرمندہ تھے۔ میدانی لڑائی میں کئی عیسائی پیدل اور سوار مارے گئے تھے۔ بطریقِ اعظم ... لوگوں کی نظروں میں گھٹ گیا۔ اب لوگوں کی نظریں گورنر میریڈا پر لگی تھیں۔ وہی ان کا ہیرو تھا۔ قلعے کو وہی ... تھا۔

گورنر میریڈا نے محسوس کیا کہ قلعے کو زیادہ عرصہ مسلمانوں سے نہ بچایا جا سکے گا۔ اس نے اپنے سرداروں کو مشورہ دیا۔ سردار پہلے ہی سے صلح کے خواہشمند تھے۔ شرائطِ صلح پر گفتگو ہوئی۔ ایک وفد موسیٰ بن نصیر کے پاس پیغام لے کر پہنچا۔

... رات کا وقت تھا۔

موسیٰ بن نصیر کے خیمے میں ایک شمع ٹمٹما رہی تھی۔ وہ چٹائی پر بیٹھے اپنے سرداروں سے باتیں کر رہے تھے۔ میریڈا ... کو انھوں نے اپنے خیمے میں بلوا لیا۔

وفد میں تین آدمی تھے۔ ان کا خیال تھا کہ اسلامی سردارِ اعلیٰ کا خیمہ عالیشان اور پُرشکوہ ہو گا لیکن جب انھیں ... درمیان میں بیٹھا ہوا یہ سفید داڑھی اور سفید بالوں والا موسیٰ بن نصیر سردارِ اعلیٰ عساکرِ اسلامی ہے تو وہ ... رہ گئے۔

موسیٰ نے وفد کے ارکان سے بڑی نرمی سے گفتگو کی۔ قلعے والوں نے قلعہ حوالے کرنے کی ز
سخت رکھی تھیں۔ موسیٰ نے اعتراض کیا اور اس میں ترمیم پیش کی۔ وفد اعتراضات اور ترمیم کے ساتھ وا
دوسری صبح آنے کا وعدہ کر گیا۔

قلعے میں رات بھر موسیٰ کے اعتراضات پر گفتگو ہوتی رہی۔ آخر پہلے صلح نامہ کے بجائے دوسرا
صبح ہوتے ہی وفد پھر موسیٰ بن نصیر کی رہائش گاہ پہنچ گیا۔

وہی خیمہ، وہی چٹائی لیکن سفید داڑھی اور سفید بالوں والے بزرگ صورت موسیٰ بن نصیر کے بجائے اس
وقت ایک جوان آدمی بیٹھا تھا۔ اس کی داڑھی بھی سیاہ تھی اور سر کے بال بھی کالے تھے۔ اس جوان کی شکل
موسیٰ بن نصیر سے ضرور ملتی جلتی تھی۔

وفد کے ارکان حیران و پریشان اس کے سامنے بیٹھ گئے۔ نیا صلح نامہ پیش ہوا۔ شرطیں اب بھی سخت
جوان نے صلح نامہ پڑھ کر نواب جولین اور اپنے بیٹے عبدالعزیز کی طرف بڑھا دیا۔ انھوں نے بھی ان شرطوں پر
اور اظہارِ ناراضگی کیا۔

وہ دراصل موسیٰ بن نصیر ہی تھے۔ انھیں خضاب لگانے کا شوق تھا۔ گزشتہ شب انھوں نے وفد کے
کے بعد داڑھی اور سر کے بالوں کو پہلے سرخ خضاب لگایا پھر سیاہ خضاب لگا کر کالا کر لیا۔ وفد کے ارکان
یہ معمہ نہ آسکا۔

موسیٰ نے وفد کو صلح نامہ واپس کر دیا اور اعلان کیا:

"صلح صرف ان شرائط پر ہو سکتی ہے جو کل ہم نے لکھ کر دی تھیں۔ گورنر سے کہہ دیا جائے کہ اگر کل تک
جواب نہیں ملا تو حملے کا آغاز کر دیا جائے گا۔"

وفد چپ چاپ قلعے میں واپس چلا گیا۔ قلعے کے اندر پہنچتے ہی انھوں نے واویلا کرنا شروع کر دیا۔
چیخ چیخ کر کہہ رہے تھے:

"مسلمان جن بھوت ہیں۔ وہ اپنی صورتیں بدل سکتے ہیں۔ ان سے لڑنا بیکار ہے۔ جنوں بھوتوں سے کون
لڑ سکتا ہے۔"

یہ شور پورے قلعے میں مچ گیا۔

ہر طرف یہی چرچا تھا۔ مسلمان صورت بدل سکتے ہیں۔ یہ جن بھوت ہیں۔ گورنر میریڈا کے پاس وفد کے
کے پہنچنے سے پہلے ہی یہ خبر پہنچ گئی۔ جس نے سنا وہ حیران رہ گیا۔

وفد کے ارکان گورنر کے پاس پہنچے تو وہ بری طرح خوفزدہ تھے۔ ان کے منہ سے آواز نہ نکلتی تھی۔

گورنر نے نرمی سے پوچھا:

"آخر ہوا کیا۔ تم نے کیا دیکھا وہاں؟"

ایک ہمت کر کے بولا:

"وہ جن ہیں۔ بھوت ہیں۔ اپنی صورت بدل لیتے ہیں۔ بوڑھے سے جوان بن جاتے ہیں۔"

گورنر کی سمجھ میں نہ آیا:

"تمہیں دھوکا ہوا ہوگا۔ کہیں بوڑھا بھی جوان ہو سکتا ہے۔"

دوسرے نے گورنر سے سوال کیا:

"آپ نے موسیٰ بن نصیر کو دیکھا ہے؟"

"ہاں دیکھا ہے۔"

گورنر نے کئی بار موسیٰ بن نصیر کو دیکھا تھا۔ موسیٰ بن نصیر اسلامی پرچم لیے لشکر کے آگے آگے ہوتے تھے۔ فصیل کے
پر سے بھی اس نے موسیٰ کو دیکھا تھا۔

"موسیٰ کی عمر کتنی ہوگی گورنر صاحب؟" وفد کے اسی رکن نے گورنر سے دوسرا سوال کیا۔

گورنر سوچتے ہوئے بولا:

"عمر۔ اس کی داڑھی بالکل سفید ہے۔ بوڑھا آدمی ہے۔"

آدمی نے کہا:

"جی ہاں، کل رات تک وہ بوڑھا تھا۔ اس کی داڑھی سفید تھی اور سر کے بال بھی سفید تھے لیکن اب وہ جوان ہو
گیا ہے۔ ہٹا کٹا جوان۔ سیاہ داڑھی والا۔"

دوسرے نے تصدیق کی:

"یہ بالکل سچ ہے۔ کل رات کو وہ بوڑھا تھا۔"

تیسرا بولا:

"جن اور بھوت صورت بدلنے کی طاقت رکھتے ہیں۔ یہ سب جن بھوت ہیں۔ موسیٰ نے کہا ہے کہ کل تک اسکی
پر صلح نہ ہوئی تو پھر حملہ شروع ہو جائے گا۔"

گورنر گھبرا گیا۔ بطریق اعظم بھی وہاں موجود تھا۔ اس کا وقار لوگوں کی نظروں میں گر چکا تھا۔

بطریق نے سب سے پہلے تبصرہ کیا:

"جن بھوتوں سے پرہیز کیا جائے تو بہتر ہے۔ گورنر جو فیصلہ کریں مجھے قبول ہوگا۔"

کہاں تو بطریقِ اعظم گورنر کو حکم دیا کرتا تھا اور اب یہ وقت آیا کہ وہ گورنر کے ہر فیصلے کو قبول کرا
بطریقِ اعظم کو خود اپنی جان کی فکر پڑ گئی تھی۔ مسلمانوں کی شجاعت اور دلیری کا اسے اندازہ ہو گیا تھا۔ اسے
یقین تھا کہ میریڈا والے دو چار دن سے زیادہ مقابلہ نہ کر سکیں گے۔

گورنر نے کہا:

"ہمارے پاس کل تک کی مہلت ہے۔ اس مسئلے میں بہت غور و فکر کی ضرورت ہے۔ میں اپنا فیصلہ
سناؤں گا۔"

گورنر نے مجلس برخاست کر دی۔

میریڈا کا گورنر تذبذب کے عالم میں گرفتار تھا۔ اسے صلح و جنگ کے پورے اختیارات حاصل ہو گئے
فیصلہ کرتے ہوئے وہ گھبرا رہا تھا۔ جنگ کا نتیجہ اسے معلوم تھا۔ فوج میں بددلی پھیل گئی تھی اور ہر ایک صلح کا خواہ
تھا۔

گورنر کو یہ بھی معلوم تھا کہ مسلمانوں کا یہ لشکر جس کی سرداری موسیٰ بن نصیر کے ہاتھ میں ہے، یہ اس لشکر کا
ہے جس کا سردار طارق بن زیاد ہے۔ اس کا مطلب یہ تھا کہ سرزمین ہسپانیہ پر اس وقت مسلمانوں کے دو الگ
لشکر موجود ہیں۔ جب وہ صلح کے مسئلے پر غور کرتا تو سب سے پہلے اسے ملکہ ہسپانیہ ایجیلونا (جی لونا) سے کیے ہو
وعدے کا خیال آتا۔ اس نے ملکہ کو میریڈا سے دوسری جگہ منتقل کرنے کا وعدہ کیا تھا۔ ملکہ کے دل میں نہ جانے
نے یہ خوف بٹھا دیا تھا کہ مسلمان اسے گرفتار کرتے ہی قتل کر دیں گے۔ حالانکہ مسلمانوں کا رویہ گرفتار شدگان
شاہی خاندان کے امیروں کے ساتھ انتہائی روادارانہ تھا۔

طارق بن زیاد اور موسیٰ بن نصیر دونوں سردارانِ اسلام گرفتار ہونے والے امیروں، وزیروں اور شاہی
سے تعلق رکھنے والے لوگوں سے بڑی عزت سے پیش آتے۔ ان کے آرام کا پورا پورا خیال رکھا جاتا۔ سوائے
نگرانی کے ان پر اور کوئی پابندی نہ تھی۔

گورنر نے آخر فیصلہ کیا:

"میں ملکہ ہسپانیہ کو ضرور بچاؤں گا۔" اس نے اپنے آپ سے کہا۔ پھر بلا توقف اس نے اٹھ کر ملکہ کے
کا رخ کیا۔

گورنر نے جس دن ملکہ سے وعدہ کیا تھا اسی دن سے وہ ملکہ کے فرار کے انتظام میں مصروف ہو گیا
اس نے اپنے خیال میں ایسا معقول انتظام کر لیا تھا جس میں ناکامی کے سرِ فصد امکانات تھے۔

ملکہ سے کیے ہوئے وعدے کے علاوہ گورنر کو یہ بھی امید تھی کہ اگر ملکہ قلعے سے بچ کر نکل گئی تو

ہوتے ہی اس کے پاس پہنچ جائے گا اور اس سے شادی رچا کے بقیہ دن آرام و آسائش سے
رہے گا۔

ملکہ ہسپانیہ بڑی بے چینی سے گورنر کا انتظار کر رہی تھی۔ جب سے اس نے سنا تھا کہ کل سے مسلمان پھر
حملہ شروع کر دیں گے، اسے پسینے چھوٹ گئے تھے۔ اس نے کئی بار ارادہ کیا کہ خود گورنر کے پاس جائے اور اس سے
التجا کرے لیکن کچھ تو بطریقِ اعظم کا خوف اور کچھ غرورِ حسن اس کے قدم پکڑے ہوئے تھا۔

گورنر کے آنے کی اطلاع ملی تو اس کا دل خوشی سے پھولے نہ سمایا۔ خود دوڑ کر محل کے دروازے پر
استقبال کے لیے گئی۔ بڑی محبت اور مسکراہٹ سے اسے خوش آمدید کہا لیکن گورنر تفکر میں ڈوبا ہوا تھا۔ ذمے داریوں
کے بوجھ نے اس کی عقل گم کر دی تھی۔

ملکہ نے بے دھڑک گورنر کے ہاتھ میں ہاتھ ڈال دیا اور اسی طرح اسے لیے ہوئے اپنے خاص کمرے میں
لے گئی۔

جوان عورت کی قربت، مرد کو وارفتہ کر دیتی ہے۔ گورنر پریشانی اور فکر کے باوجود اس قربت کو محسوس
کیے بغیر نہ رہ سکا۔

گورنر میریڈا نے مسکرا کر کہا،

"ملکہ ہسپانیہ! وقت آ پہنچا ہے کہ میں اپنا وعدہ پورا کروں۔"

ملکہ کے لیے یہ بہت بڑی خوشخبری تھی جو بات پوچھنے اور کہنے کے لیے وہ گورنر سے ملنے کے لیے تڑپ رہی
تھی، وہ بات گورنر نے بغیر پوچھے کہہ دی تھی۔ اب ملکہ کے لیے پوچھنے کو کیا رہ گیا تھا۔

ملکہ اپنی لانبی مشکیں زلفیں گورنر کے شانوں پر لہراتے ہوئے بولی:

"گورنر۔ اب مجھے ملکہ ہسپانیہ نہ کہا کرو۔"

ملکہ کے بدن سے اٹھتی ہوئی جوان خوشبو سے گورنر مست ہو گیا اور بولا:

"پھر کیا کہا کروں آپ کو؟"

"جو تمہیں کہنا چاہیے۔" ملکہ نے اٹھلا کر کہا۔

"آپ کا نام لے کر پکارا کروں؟" گورنر نے جیسے مدہوشی کے عالم میں پوچھا۔

"صرف لونا!"

ملکہ ہسپانیہ کی سانس تیز ہو گئی۔

ملکہ کو وقت نے بڑا شاطر بنا دیا تھا۔ وہ اس وقت انتہائی کامیاب اداکاری کر رہی تھی۔ اس کا مقصد گورنر کو اپنی

محبت بلکہ بے پناہ محبت کا یقین دلاتا تھا۔ یہاں تک کہ وہ قلعے سے فرار کے صلے میں آج اپنا نام اور وقار گنوانے پر بھی آمادہ تھی۔

اس کی ہر حرکت اور ہر بات سپردگی کی دعوت دے رہی تھی۔

گورنر میریڈا جن پیے جھومنے لگا۔ سنا تو دا کا نشہ شراب سے کہیں زیادہ تیز ہوتا ہے۔

گورنر شرابیوں جیسے لہجے میں بولا:

"لونا، تیار ہو جاؤ۔ پہلی رات گزرنے پر تمہیں قلعے سے فرار ہونا ہے۔"

ملکہ خوشی سے دیوانی ہو گئی۔

اس نے چاہا کہ خود کو گورنر کے سپرد کر دے لیکن فوراً سنبھل گئی۔ مرد کی فطرت سے وہ خوب واقف تھی۔

"کہیں یہ فریب نہ ہو۔" ملکہ کو معاً خیال آیا۔

ملکہ نے کہا:

"اگر میں جان بچا کر نکل گئی تو یقین کرو کہ زندگی بھر تمہارا انتظار کروں گی۔ کسی اور مرد کا منہ دیکھنا مجھ پر حرام ہو گا لیکن ــــــ"

"لیکن کیا ....؟" گورنر نے گھبرا کر سوال کیا۔

"لیکن چاندنی رات ہے۔" ملکہ نے خدشے کا اظہار کیا۔

گورنر نے اس کا شانہ تھپ تھپاتے ہوئے کہا:

"لونا، یہ خطرہ تو تم کو مول لینا ہی پڑے گا لیکن آج زیادہ خطرے کا امکان نہیں۔ مسلمانوں کو امید ہے کہ صبح تک صلح کر لیں گے۔ اب انھیں ہماری زیادہ فکر نہیں۔ میرا غلام تمہیں جس راستے سے لے جائے گا ادھر مسلمانوں کا پہرہ بھی کم ہے۔"

ملکہ نے خطرے کا اظہار تو بس یونہی کر دیا تھا ورنہ وہ تو جان بچانے کے لیے اس سے بھی زیادہ خطرے مول لینے پر آمادہ ہو چکی تھی۔

اس نے فیصلہ کر لیا تھا کہ گورنر نے اگر اس سے تعاون نہ کیا تو وہ خود قلعے سے بھاگنے کی کوشش کرے گی خواہ اس میں اس کی جان ہی کیوں نہ جاتی رہے۔

میریڈا کے لشکریوں کو پوری امید تھی کہ کل تک صلح ہو جائے گی۔ صلح کا کوئی مخالف نہ تھا۔ بطریق اعظم نے بھی صلح کی حمایت کی تھی۔ اس اطمینان نے انہیں کچھ بے فکر اور غافل کر دیا تھا۔ نکھری اور چھٹکی ہوئی چاندنی میں رات کے وقت کسی حملے کا امکان بھی نہ تھا۔ محافظ دستے فصیل کے برجوں میں بیٹھے اور لیٹے خوش گپیوں میں مشغول تھے۔

نصف شب کے قریب میریڈا کا گورنر قلعے کی فصیل پر نمودار ہوا۔ اس کے ساتھ کوئی اور بھی تھا۔ فوجی وردی پہنے تھا۔ یہی وردی جو عام طور پر قلعے کے سردار پہنتے ہیں۔

گورنر روزانہ رات کو کسی نہ کسی حصے میں ایک بار فصیل پر گشت کرنے ضرور آتا۔ کبھی اکیلا کبھی کسی سردار کے ساتھ۔ یہ اس کا روز کا دستور تھا۔ محافظ اس کے گشت کا انتظار کرتے رہتے۔ جب تک گورنر گشت کر کے واپس نہ جاتا وہ آرام سے نہ سوتا۔

گورنر اپنے ساتھی کو لیے ہوئے فصیل کے آخری برج کے پاس پہنچ گیا۔ برج کے بیس محافظوں نے اسے دیکھ کے اپنی مستعدی کا اظہار کیا۔

گورنر نے حکم دیا:

"تم لوگ پہلے برج پر چلے جاؤ اور وہاں سے بیس محافظوں کو اس برج میں بھیج دو۔"

محافظ بلا عذر برج چھوڑ کر پہلے برج کی طرف چل پڑے۔ انہیں عذر یا اعتراض کرنے کی کیا ضرورت تھی۔ اس کا موقع تھا نہیں۔ محافظوں کی جگہیں تو روزانہ ہی ادل بدل ہوا کرتی تھیں۔

محافظوں کے روانہ ہوتے ہی گورنر نے ڈوری نکالی۔ برج سے باندھی اور فصیل کے ساتھ باہر کی طرف لٹکا دی۔ اس میں بیچ بیچ پھندے ڈال کر سیڑھی سی بنا دی گئی تھی۔

گورنر نے سرگوشی کی:

"جلدی کرو لونا!"

لونا نے اپنا ہاتھ گورنر کی طرف بڑھا دیا۔ گورنر کا چہرہ اس کے ہاتھ پر جھک گیا۔

ملکہ جو لونا ہسپانوی سردار کی وردی پہنے پہنے ڈوری سے لٹک گئی۔ تیزی سے نیچے اتر کر درختوں کے ایک جھنڈ کی طرف بھاگنے لگی۔ یہ جھنڈ قلعے کی فصیل سے تھوڑے فاصلے پر تھا۔ چند لمحوں میں ملکہ کو جھنڈ نے اپنے دامن میں لے لیا۔

دو گھوڑے پہلے سے تیار تھے۔ ایک پر گورنر کا وفادار غلام سوار تھا جسے رہبری کے فرائض ادا کرنے تھے۔ گورنر کے دوست تک پہنچانا تھا۔

دوسرے گھوڑے پر ملکہ سوار ہو گئی۔

ملکہ گھوڑے کو ایڑ لگانے والی تھی کہ فصیل پہ کچھ شور ہوا۔ اس نے پلٹ کر دیکھا۔ کھلی ہوئی چمکتی ہوئی
تلواریں فصیل پر چمک رہی تھیں۔

ملکہ کا جسم خوف سے لرز اٹھا مگر دیکھنے اور سمجھنے کا وقت نہ تھا۔ اس نے گھوڑے کو ایڑ لگائی اور
لے کر اڑا۔ غلام اس کے پیچھے پیچھے تھا۔

ملکہ ہسپانیہ قلعے سے تو اپنی جان بچا کر نکل آئی تھی لیکن اس کے بھاگ اب بھی اس کے ساتھ تھے۔
تھوڑی دور پہنچی تھی کہ اسے اپنے دائیں بائیں کچھ اور سوار بھی بھاگتے ہوئے محسوس ہوئے۔ ملکہ کے جسم پر
گیا۔ سوار دم بدم اس کے قریب ہوتے جا رہے تھے۔ اب اسے نظر آنے لگے۔ پانچ سوار بائیں طرف اور پانچ
سے اس کی طرف تیزی سے بڑھ رہے تھے۔ اس نے گھوڑے کی رفتار تیز کر دی لیکن یکایک سوار اس
پہنچ گئے۔

"رک جاؤ!" ملکہ کے کان میں ایک رعب دار آواز آئی۔

ملکہ کو لگامیں کھینچنا پڑیں۔ گھوڑا رک گیا۔ ملکہ کا دل بیٹھنے لگا۔

ایک جوان گھوڑا بڑھا کر ملکہ کے قریب آ گیا۔

تیز گھوڑا بھگانے کی وجہ سے ملکہ کے بال کھل کر شانوں پر بکھر گئے تھے۔ جوان عمر سوار کو یہ سمجھنے میں دیر نہ
ہوئی کہ گھوڑے پہ مرد کے بجائے کوئی عورت سوار ہے۔

"خاتون!" جوان عمر سوار اخلاق سے بولا:

"اگر میرا خیال غلط نہیں تو آپ قلعے سے فرار ہو کر آ رہی ہیں۔"

سوار کا لہجہ بڑا نرم اور درد گداز تھا۔ ملکہ نے سوچا جس کا لہجہ اتنا نرم ہے اس کا دل بھی نرم ہو گا۔
کہ اپنی اصلیت بیان کر دے لیکن جوان بہرصورت مسلمان تھا۔

ملکہ ڈر گئی۔ اس نے خاموشی اختیار کر لی۔

ملکہ کا رہبر غلام گھبرا گیا۔ اس نے خیال کیا کہ ملکہ کہیں جھوٹ بول کر جان بچانے کی کوشش نہ کرے۔
جھوٹ سے بڑی چڑ تھی۔ وہ جھوٹے کو معاف نہیں کرتے تھے۔

غلام نے جرأت کر کے انکشاف کیا:

"مسلمان سردار نے صحیح اندازہ لگایا۔ قلعے میں ہماری زندگی کو خطرہ پیدا ہو گیا تھا اس لیے ہم
آئے ہیں۔"

ملکہ نے دیکھا کہ بات تو اب کھل ہی گئی ہے۔ جو کچھ ہو گا وہ تو ہو گا لیکن وہ ہتھیار کیوں ڈالے۔

ہوا تیر تھا۔

حسن کا تیر—!

جس کی تاب لانا مشکل تھا۔ ملکہ نے اپنا گھوڑا اس طرح گھمایا کہ اس کا چہرہ چاند کے سامنے ہو گیا۔ جوان عمر سوار
آنکھیں خیرہ ہو گئیں۔ اسے یوں محسوس ہوا جیسے ایک چاند اور نکل آیا ہے۔

"آپ کون ہیں خاتون؟" سوار لڑکھڑائی آواز میں بولا۔ ملکہ کے حسن کا جادو اثر کر گیا تھا۔

"تم کون ہو؟" ملکہ نے بڑی رعونت سے کہا۔ اس کے رعب میں بھی نغمگی گھلی ہوئی تھی۔

"میں ...... میں مسلمان سردار ہوں" سوار نے خود پہ قابو پانے کی کوشش کی۔

"اور میں عیسائی ہوں۔" ملکہ، جوان عمر سوار کو دلچسپی سے دیکھ رہی تھی۔

مسلمانوں کے متعلق اس کا یہی خیال تھا کہ وہ وحشی صورت اور خونخوار طبیعت کے مالک ہوتے ہیں لیکن سوار کا
کندن کی طرح دمک رہا تھا۔ اس کے چہرے سے نہ وحشت اور نہ کسی قسم کی خونخواری ظاہر ہوتی تھی۔

ملکہ کے جواب نے سوار کو یہ سوچنے پر مجبور کر دیا کہ اس کی مخاطب تعلیم یافتہ اور مہذب ہے۔ سوار بولا:

"اگر آپ ہمیں صحیح شناخت نہ کرائیں گی تو ہم مجبوراً آپ کو حراست میں لے لیں گے۔"

ملکہ سوچ میں پڑ گئی۔ پھر اسے خیال ہوا کہ اگر اس نے بتانے میں ٹال مٹول کی تو اس کا رہبر غلام بھانڈا پھوڑ دے
اس نے کہا:

"میں پہلے ہی تمہارے قبضے میں ہوں سوار لیکن عورت پر سختی کرنا کسی مذہب میں بھی جائز نہیں۔"

سوار پریشان ہو گیا۔ جلدی سے بولا:

"محترم خاتون۔ میں نے آپ پر سختی نہیں کی۔ اگر آپ کو میرا لہجہ ناگوار گزرا ہو تو میں معذرت خواہ ہوں۔ خواتین کا
احترام مسلمانوں پر فرض ہے۔"

ملکہ نے سوار کو اپنے حسن سے متاثر دیکھا تو کہا:

"سوار۔ میرا تعلق ہسپانیہ کے ایک انتہائی معزز گھرانے سے ہے۔ اس سے زیادہ میں تمہیں نہیں بتا سکتی۔
مجھے کسی ایسے سردار کے پاس لے چلو جو ذمے دار ہو اور میرے حالات سن کر فیصلہ کر سکے۔"

سوار نے ہنس کر کہا:

"خاتون۔ آپ کی باتوں سے ظاہر ہوتا ہے کہ آپ کا تعلق قلعے کے حاکم گھرانے سے ہے۔ ممکن ہے کہ آپ گورنر
کی بیٹی یا ......"

"ہرگز نہیں۔" ملکہ نے دخل دیا: "میرا تعلق گورنر میریڈا سے ہرگز نہیں۔ میں ان سے بہت بلند ہوں۔"

مسلمان سوار کو محسوس ہوا کہ اس کی مخاطب خواہ مخواہ ڈینگ مار رہی ہے اور اسے مرعوب کرنے کی کوشش کر رہی ہے۔ اس نے بھی رعب ڈالا:

"خاتون۔ آپ اپنی شناخت کرائیے۔ میں آپ کے تصور سے بھی بڑا ذمے دار مسلمان سردار ہوں!"

ملکہ ہسپانیہ بڑے رعب سے باتیں کر رہی تھی لیکن اب سوار اتنی تمکنت سے بولا کہ ایک بار تو وہ سوچ میں رہ گئی کہ یہ سوار کون ہو سکتا ہے؟

موسیٰ بن نصیر؟

نہیں۔ وہ تو بوڑھا ہے۔

کیا یہ نواب جولین ہے؟

ہرگز نہیں۔ جولین کو وہ شاہی دربار میں دیکھ چکی تھی۔

ملکہ نے ہوا میں تیر چلایا:

"اسلامی لشکر میں صرف دو با اختیار سردار ہیں۔ ایک موسیٰ بن نصیر اور دوسرا ہسپانیہ کا باغی سردار نواب جولین۔ تم ان دونوں میں سے کوئی نہیں۔ پھر میں تمہیں کیسے ذمے دار سمجھ لوں؟"

سوار کو جیسے غصہ آگیا۔ اس کی آواز سخت ہوگئی:

"میں موسیٰ بن نصیر نہیں۔ موسیٰ بن نصیر کا بیٹا عبدالعزیز ہوں۔ اسلامی لشکر میں موسیٰ بن نصیر کے بعد مجھ سے زیادہ کوئی اور با اختیار نہیں!"

ملکہ کو پہلے چکر آیا تھا اب اس پر غشی سی طاری ہونے لگی۔ . . . یہ وقت غشی کا نہ تھا۔ ملکہ نے خود کو سنبھالا، جلدی سے گھوڑے سے اتری اور ہاتھ باندھ کر کھڑی ہوگئی۔

حسن پرست عبدالعزیز کو حسن کی یہ توہین پسند نہ آئی۔ بولا:

"خاتون۔ آپ گھوڑے پر سوار ہو جائیں۔"

ملکہ کے چہرے پر مسکراہٹ پھیل گئی۔ اس نے نظروں کے ترچھے تیر اچھالے:

"جب تک آپ مجھے معاف نہ کریں گے میں گھوڑے پر سوار نہ ہوں گی۔"

عبدالعزیز کو ملکہ کی یہ ادا اور بھا گئی:

"خاتون! آپ نے کوئی غلطی نہیں کی۔ معافی کس بات کی؟"

"تو آپ نے مجھے معاف کر دیا۔" ملکہ نے عشوہ طراز انداز میں کہا۔

پھر لگام سنبھال۔ رکاب میں پیر ڈالا اور گھوڑے پہ سوار ہوتے ہوئے بولی:

"اسلامی لشکر کے خوبرو سردار عبدالعزیز کا ملکہ ہسپانیہ تہ دل سے شکریہ ادا کرتی ہے۔"

ملکہ گھوڑے پر سوار ہوگئی لیکن عبدالعزیز کے ہاتھ سے جیسے لگامیں نکل گئیں۔ وہ مبہوت ہوا اور بت بنا ہسپانیہ کو تک رہا تھا۔

عبدالعزیز کے ساتھی بھی اس انکشاف پہ بہت حیران تھے۔

جواں سال عبدالعزیز کو ہوش آیا تو بولا:

"ملکہ ہسپانیہ کو اگر میرا لہجہ ناگوار گزرا ہو تو میں اس کے لیے معافی کا خواستگار ہوں۔ آپ میرے ساتھ اسلامی لشکر میں تشریف لے چلیے۔ آپ کے عزت و احترام میں کوئی فرق نہ آنے دیا جائے گا۔"

ملکہ صبحِ بہار کی طرح مسکرائی:

"آپ لشکر میں لے جا کر مجھے قتل تو نہ کر دیں گے؟"

ملکہ کو عبدالعزیز کے مرتبے کا احساس ہوگیا تھا۔ اس نے تم کے لفظ کو آپ میں بدل دیا۔

"ہرگز نہیں۔ ہم شاہی خاندان کی خواتین کو قتل نہیں کیا کرتے۔" عبدالعزیز نے ملکہ کا خوف دور کرنے کی کوشش کی:

"عورتوں پر ہاتھ اٹھانا یوں بھی ہمارے مذہب میں جائز نہیں۔"

ملکہ کو اطمینان نہ ہوا:

"مجھے تو یہی بتایا گیا ہے کہ مسلمان میرے خون کے پیاسے ہو رہے ہیں۔ میں اسی لیے شہر شہر اور قلعے قلعے ماری ماری پھر رہی ہوں۔"

"آپ کو غلط اطلاع دی گئی ہے ملکہ ہسپانیہ۔" عبدالعزیز نے وضاحت کی:

"ہم صرف اپنے خلاف تلوار بلند کرنے والوں سے لڑتے ہیں۔ عورتوں، بچوں، بوڑھوں پر ہاتھ نہیں اٹھاتے۔"

"آپ فرماتے ہیں تو یقین کیے لیتی ہوں ورنہ دل قبول نہیں کرتا۔" ملکہ، عبدالعزیز کی آنکھوں میں آنکھیں ڈالے اسے برابر مسحور کر رہی تھی۔

عبدالعزیز نے کہا:

"حسن نہ اسیر ہوتا ہے نہ قتل۔ حسن تو حکومت کرنے کے لیے ہوتا ہے۔ دلوں پر حکومت!"

عبدالعزیز نے ملکہ ہسپانیہ، راڈرک کی بیوہ کی محبت میں پہلا قدم رکھا۔

پھر۔

پھر وہ عشق کی رنگین وادی میں اس کا قدم آگے اور آگے بڑھتا گیا۔

صبح ہوئی۔

میریڈا کے قلعے کا دروازہ کھلا۔ بطریقِ اعظم، قلعے کے دوسرے سرداروں کے ساتھ موسیٰ بن نصیر کے حضور [illegible] حاضر ہوا۔

موسیٰ نے اپنے پاس ہی بطریق کو جگہ دے کر اس کی عزت افزائی کی۔ بطریق اعظم نے قلعے کی چابیاں موسیٰ [illegible] کے سامنے رکھ دیں۔ بولا:

"اے لشکرِ اسلام کے سالارِ اعلیٰ! آپ کی شرائط ہمیں منظور ہیں۔ میری اور میرے سرداروں کی جاں بخشی کے [illegible] جاری کیجیے۔"

موسیٰ بن نصیر نے بطریق کو گھورا۔ تیز لہجے میں پوچھا:

"صلح نامہ پر دستخط کرنے کے لیے میریڈا کے گورنر کو آنا چاہیے تھا۔"

بطریق نے اظہارِ افسوس کرتے ہوئے کہا:

"اے سالار! مجھے افسوس سے کہنا پڑتا ہے کہ میریڈا کے گورنر نے پچھلی رات قلعے سے فرار ہونے کی [illegible] کی۔ اس کوشش میں وہ محافظوں کے ہاتھوں مارا گیا۔ قلعے کے تمام سرداروں نے مجھے گورنر منتخب کر لیا اور صلح نامہ کی تصدیق کے اختیارات دیے ہیں۔"

"ہمیں یہ سن کر افسوس ہوا۔" موسیٰ نے افسردگی سے کہا:

"اس نے بھاگنے کی بیکار کوشش کی۔ ہم تو فتح کے بعد ہر حاکم کو اس کے عہدے پر بحال کر دیتے ہیں۔"

صلح نامہ مکمل ہو گیا۔

مسلمانوں نے میریڈا کے قلعے پر اسلامی پرچم لہرا دیا۔ سوائے شاہی خزانے کے کسی اور چیز کو ہاتھ نہ لگایا۔ سب کی جاں بخشی کی گئی۔ بڑے زمینداروں کی زمین کاشت کاروں میں تقسیم کر دی گئی۔

موسیٰ بن نصیر نے میریڈا میں مسلمان حفاظتی دستے تعینات کیے۔ موسیٰ بن نصیر کے ساتھ افریقہ سے لشکر کے علاوہ مسلمان علما و فضلا کی ایک معتد بہ تعداد اشاعتِ اسلام کے لیے آ گئی تھی۔ موسیٰ جو قلعہ و شہر فتح کرتے، علما کو ان کی مرضی کے مطابق آباد کر دیتے۔

گورنر میریڈا کے قتل کی خبر تو صحیح تھی لیکن بطریقِ اعظم نے اس کا صحیح پس منظر نہ بیان کیا تھا۔ بطریق نے گورنر کے پیچھے اپنے جاسوس لگا رکھے تھے۔ بالکل اسی طرح جیسے گورنر کے جاسوس بطریق کے محل میں مقرر تھے۔ جاسوسوں کی طرح پتہ لگ گیا کہ گورنر آج یا تو قلعے سے خود بھاگنا چاہتا ہے یا کسی کو بھگانے کا انتظام کر رہا ہے۔ یہ خبر بطریقِ اعظم کو پہنچائی گئی۔

بطریق کے آدمی گورنر کی نقل و حرکت پر نظر رکھنے کے لیے گورنر کے محل سے قلعے کی فصیل تک پھیل گئے۔

جب گورنر، ملکہ کو ہسپانوی سردار کے لباس میں لے کر فصیل پر پہنچا تو بطریقِ اعظم حرکت میں آ گیا۔ اس نے [illegible] محافظ دستے کے ساتھ گورنر کا پیچھا کیا۔ ملکہ ہسپانیہ تو جلدی سے فصیل سے نیچے اتر گئی لیکن گورنر برج سے بندھی ہوئی اس ڈوری کو نہ کھول سکا جس کے ذریعے ملکہ اتری تھی۔ اس سے پہلے ہی بطریق اس کے پاس پہنچ گیا۔ برج میں بندھی ہوئی ڈوری گورنر کے فرار کا کھلا ہوا ثبوت تھا۔

گورنر نے اپنی صفائی میں کتنے ہی بہانے تراشے لیکن بچ نہ سکا۔ گورنر کے کچھ حمایتی وہاں اکٹھے ہو گئے۔ بطریق کے محافظوں اور گورنر کے حمایتیوں میں تھوڑی دیر تلوار چلی جس کے نتیجہ میں گورنر مارا گیا۔

میریڈا کے گورنر کے مارے جانے کی خبر عبدالعزیز نے ملکہ ہسپانیہ کے خیمے میں پہنچائی۔ ملکہ کو ایک عالی شان خیمے میں رکھا گیا تھا جس میں اس کی ضرورت کی ہر چیز مہیا کر دی گئی تھی۔

ملکہ کو اپنے اسیر ہونے کا قلق تھا لیکن عبدالعزیز جس تیزی سے اس کے قریب آ رہا تھا، اس نے بڑی حد تک اسے مطمئن کر دیا تھا۔ ملکہ کو اپنا مستقبل بڑا شاندار نظر آ رہا تھا۔

صلح کے بعد ملکہ کو گورنر کے محل میں منتقل کر دیا گیا۔ عبدالعزیز صبح و شام باقاعدگی سے دربارِ حسن میں حاضری دیتا اور محبت کے پھول بارگاہِ حسن میں پیش کرتا۔

یہ سلسلہ زیادہ دن نہ چل سکا۔

موسیٰ بن نصیر نے طلیطلہ کوچ کرنے کا حکم دیا اور لشکرِ اسلام ہسپانیہ کے دارالسلطنت کی طرف آہستہ آہستہ بڑھنے لگا۔

طارق بن زیاد اپنے آقا کے استقبال کو طلیطلہ سے آگے بڑھ آئے تھے۔

موسیٰ بن نصیر کے لشکر کے ساتھ مالِ غنیمت کے علاوہ لونڈی، غلاموں اور ہسپانیہ کے یرغمالیوں کی ایک بڑی تعداد ہو گئی تھی۔ ان میں گرفتار ہونے والے ہسپانوی سردار، قلعہ دار اور وہ بیگمات تھیں جن کے والی جنگ میں

مارے گئے تھے۔ ملکہ ہسپانیہ بھی ان امیروں میں شامل تھی۔

ملکہ کا درجہ ان سب میں بلند تھا اس لیے اس کا احترام بھی اسی طریقے سے کیا جاتا۔ پیر پڑاؤ کے دوران اسے گورنر کے محل میں رکھا گیا۔ اب وہ لشکرِ اسلام کے ساتھ تھی۔ موسیٰ بن نصیر اسے اپنے ساتھ لے جا رہے تھے۔

کہتے ہیں کہ عشق اور مشک چھپے نہیں رہتے۔ یہ لوگوں کو خود اپنی طرف متوجہ کر لیتے ہیں۔ موسیٰ کے لڑکے عبدالعزیز اور ملکہ ہسپانیہ کی میل ملاقات بھی چھپی نہ رہ سکی۔ پہلے لوگوں میں چہ میگوئیاں ہوئیں پھر یہ بات اڑتے اڑتے موسیٰ بن نصیر کے کانوں تک پہنچی۔

موسیٰ بن نصیر جہاندیدہ آدمی تھے۔ جوانی کی سرمستیوں سے آگاہ اور عشق خانہ خراب کی سنم آرائیوں سے واقف۔ انھوں نے اپنے عیسائی حلیف نواب جولین سے مشورہ کیا۔ نواب جولین، ملکہ ہسپانیہ کے حسن جہاں سوز کو دیکھ چکا تھا اور جانتا تھا کہ اگر عبدالعزیز اس کے عشق میں گرفتار ہو چکا ہے تو یہ سودا اب اس کے سر سے نکلنا مشکل ہی نہیں ناممکن ہے۔

موسیٰ بن نصیر نے نادان بیٹے پر سختی کرنا چاہی۔ وہ نہیں چاہتے تھے کہ جنگ و جدل کی ہنگامہ خیزیوں میں عشق و محبت کی آمیزش ہو اور عبدالعزیز کا جذبۂ جہاد سرد پڑ جائے۔

نواب جولین، موسیٰ بن نصیر کی فطری تندی سے واقف تھا۔ ذرا سی بات کا بتنگڑ بن سکتا تھا۔ نواب جولین نے بڑے تدبر سے کام لیا اور موسیٰ کو سختی کرنے سے باز رکھا۔ موسیٰ ایسے معاملات میں رُو رعایت کے بالکل قائل نہ تھے۔ نواب جولین انھیں اونچ نیچ نہ سمجھاتا اور عبدالعزیز اور موسیٰ میں چل جاتی تو سخت مزاج اور بااصول موسیٰ بیٹے کو قتل کرنے سے بھی گریز نہ کرتے

بات طلیطلہ پہنچنے تک ٹل گئی۔

طلیطلہ ابھی ایک منزل سے بھی زیادہ دور تھا کہ جنوب سے ایک تیز رفتار قاصد نے آ کر موسیٰ بن نصیر کو اشبیلیہ میں بغاوت ہو جانے کی خبر دی۔

موسیٰ بن نصیر نے اشبیلیہ کو فتح کرنے کے بعد وہاں کچھ مسلمانوں کو آباد کیا تھا اور ایک حفاظتی دستہ چھوڑ دیا تھا۔ ہسپانیہ میں یہودیوں کی کافی تعداد موجود تھی۔ وہ ہر شہر اور قلعے میں موجود تھے۔ عیسائیوں نے ان کا ناک میں دم کر رکھا تھا۔ مسلمان پہنچے تو انہیں سکون ملا۔ عیسائیوں کے ظلم و ستم سے آزاد ہو کر بھی وہ اپنی فطری فتنہ سازی سے باز نہ آئے۔ اشبیلیہ سے مسلمانوں کے آگے بڑھتے ہی وہ عیسائیوں سے مل گئے۔ مسلمان محافظ دستے کو قتل کر دیا گیا اور مسلمان آبادکاروں کو لوٹ لیا گیا۔

موسیٰ بن نصیر کے طلیطلہ کی طرف بڑھتے ہوئے قدم رک گئے۔ اس نئے فتنے کا سر کچلنا ضروری تھا۔

قاصد اشبیلیہ کی بغاوت کی روداد بیان کر چکا تو موسیٰ بن نصیر نے نواب جولین کی طرف دیکھا۔ نواب جولین صرف رہنما نہ تھا وہ موسیٰ بن نصیر کا مشیر بھی تھا۔ اس سے پہلے وہ یہ خدمت طارق بن زیاد کے ساتھ انجام دے چکا تھا۔

نواب جولین نے کہا:

"سردارِ معظم! اشبیلیہ میں یہودیوں کی کثیر تعداد موجود ہے۔ مجھے یقین ہے کہ اس فتنہ پرور قوم نے عیسائیوں کو بغاوت پر اکسایا ہو گا"۔

موسیٰ بن نصیر کی تیوریاں چڑھ گئیں۔ وہ کڑک کر بولے:

"نواب جولین۔ ہسپانیہ میں عیسائی بھی ہیں، یہودی بھی۔ ہماری نظر میں سب برابر ہیں۔ وفاداری اور غداری دونوں ہی کر سکتے ہیں۔ سوال یہ ہے کہ اشبیلیہ میں بغاوت کیوں ہوئی؟ وہاں کا حاکم عیسائی تھا۔ ہم نے اسے بحال کر دیا تھا۔ پھر غداری کس نے کی؟ مسلمانوں کا خون اتنا ارزاں نہیں۔ اشبیلیہ سے انتقام لیا جائے گا"۔

نواب جولین گھبرا گیا۔

اس نے یہودیوں کے سر الزام تھوپنے کی کوشش کی تھی اور یہ حقیقت بھی تھی۔ ہسپانوی یہودیوں کے ساتھ مسلمانوں نے بڑی رواداری برتی۔ انہیں عیسائیوں کے استبداد سے چھٹکارا دلایا مگر یہ قوم سدا کی احسان فراموش ہے۔ اشبیلیہ، ملاغہ، غرناطہ۔ جہاں جہاں بھی مسلمانوں کے خلاف بغاوت ہوئی اس میں یہی احسان فراموش یہودی پیش پیش تھے۔

نواب جولین کو خاموش دیکھ کر موسیٰ نے کہا:

"نواب جولین۔ ہم یہودیوں کے طرفدار نہیں۔ اشبیلیہ کی بغاوت میں جو بھی ملوث پایا گیا اس کے ساتھ رعایت نہ کی جائے گی"۔

موسیٰ بن نصیر کے خیمہ میں تمام سرکردہ سردار موجود تھے۔ ان کا جوان بیٹا عبدالعزیز بھی حاضر تھا لیکن موسیٰ اس سے مخاطب نہ ہوئے۔ انہوں نے دوسرے سرداروں کی طرف دیکھتے ہوئے کہا:

"ہم اشبیلیہ ایک لشکر بھیجنا چاہتے ہیں۔ اس کی سرداری کے لیے ہمیں ایک آدمی کی ضرورت ہے جو وہاں ہماری نمائندگی کرے۔ یہ مہم بہت اہم ہو گی۔ اگر ہمیں کوئی مناسب اور معقول سردار نظر نہ آیا تو ہم خود اشبیلیہ جائیں گے"۔

عبدالعزیز کسی سوچ میں تھا لیکن موسیٰ بن نصیر کے ایک ایک لفظ کو غور سے سن رہا تھا۔ اس نے سر اٹھایا اور ہموار لہجے میں کہا:

"پدرِ محترم۔ اگر یہ خدمت اس خاکسار کو عطا کی جائے تو یہ میری خوش نصیبی ہوگی۔"

"شاباش عبدالعزیز. . . . ." موسیٰ بن نصیر مسرت سے بولے:

"ہم سوچ رہے تھے کیا ہمارے بیٹے کا خون اس قدر سرد پڑ گیا ہے جو بے گناہ مسلمانوں کے خون بہائے جانے سے بھی گرم نہیں ہوتا۔ شکر ہے کہ ہمارا اندازہ غلط ثابت ہوا۔ عبدالعزیز۔ یہ فریضہ تم ہی انجام دو گے لیکن خبردار انتقام میں حد سے ایک قدم بھی آگے نہ بڑھنا۔ کسی بے گناہ کی شکایت ہمارے کانوں تک نہ آئے۔"

"ابا جان آپ بالکل مطمئن رہیے۔"

عبدالعزیز نے باپ کو یقین دلایا:

"حدود کی پابندی ہی تو اسلام کا نصب العین ہے۔ میں اس سے تجاوز کرنے کی جرأت کیسے کر سکتا ہوں۔"

موسیٰ بن نصیر، اپنے بیٹے کی اس حوصلہ مندانہ پیش کش سے بہت خوش ہوئے۔ نواب جولین سے پوچھا:

"نواب جولین۔ عبدالعزیز کی پیش کش کے بارے میں تمہاری کیا رائے ہے؟"

"نہایت مناسب ہے سردارِ محترم۔" نواب نے کہا:

"اگر عبدالعزیز خود کو پیش نہ کرتے تو میں اپنی طرف سے اس مہم کے لیے ان کی سفارش کرتا۔ میں نے جوانہ… عبدالعزیز کو میدانِ جنگ میں دیکھا ہے۔ ان کی شجاعت اور بہادری میں کوئی شبہ نہیں۔"

"مجھے کب روانہ ہونا ہے ابا جان؟" عبدالعزیز کے سینے میں شوقِ جہاد کی چنگاری شعلہ بنتی جا رہی تھی۔ اشبیلیہ میں قتل کیے جانے والے مسلمانوں کی چیخیں جیسے اس کے کان کے پردوں سے ٹکرا رہی تھیں۔

"تم جس قدر جلد تیار ہو سکو۔" موسیٰ نے روانگی کا فیصلہ عبدالعزیز پر چھوڑ دیا۔

عبدالعزیز تیاری کی آڑ لے کر خیمہ سے اٹھ آیا۔

اسے تیاری کیا کرنا تھا۔ سپاہی تو ہر وقت تیار ہی رہتا ہے لیکن اشبیلیہ جانے سے پہلے وہ اپنی جان سے … ملکہ ہسپانیہ سے ایک بار ضرور ملنا چاہتا تھا۔ ملکہ کا خیمہ کچھ زیادہ دور نہ تھا۔ باپ کے خیمے سے نکل کر وہ سیدھا … خیمے میں پہنچ گیا۔

ملکہ ہسپانیہ جی لونا یا تو واقعی عبدالعزیز کی محبت میں خود بھی گرفتار ہو گئی تھی یا پھر مصلحتاً وہ اس سے اظہار کرتی تھی۔ کچھ بھی ہو لیکن یہ ضرور تھا کہ عبدالعزیز کو اگر وقت مقررہ پر اس کے پاس پہنچنے میں ایک لمحہ کی بھی دیر ہو جاتی تو وہ بے … ہو جاتی۔ اس کے دل میں طرح طرح کے خیالات آنے لگتے اور وہ خیمہ کے دروازہ پر آ کر کھڑی ہو جاتی۔ ان کی ملاقات … دورانِ سفر تو ممکن ہی نہ تھی لیکن جہاں پڑاؤ ہوتا۔ عبدالعزیز اس سے ملنے ضرور آتا۔

عبدالعزیز شام کو نمازِ مغرب سے فارغ ہو کر اس کے پاس آ جایا کرتا تھا۔ آج عشا کا وقت ہو رہا تھا اور جی … بے چینی سے ٹہل رہی تھی۔

عبدالعزیز کے خیمہ میں داخل ہوتے ہی ملکہ نے شکوہ کیا:

"جان سے زیادہ عزیز! اتنی دیر نہ کیا کیجیے۔ جب تک آپ نہیں آتے میں سولی پر چڑھی رہتی ہوں۔"

عبدالعزیز نے مسکرا کر کہا:

"صبر کی عادت ڈالو ملکۂ ہسپانیہ۔ اب تو ایک طویل عرصے تک تمہیں انتظار کرنا پڑے گا۔"

"کیوں۔ کیسا انتظار؟" ملکہ اور زیادہ پریشان ہو گئی۔

"میں اشبیلیہ واپس جا رہا ہوں۔" عبدالعزیز کے چہرے پر بدستور مسکراہٹ کھیل رہی تھی۔

ملکہ کو اصل حالات کا علم نہ تھا۔ خوش ہوتے ہوئے بولی:

"یہ تو اچھا ہے۔ میں بھی ساتھ چلوں گی۔"

"کیا کہہ رہی ہو جی لونا!"

عبدالعزیز سنجیدہ ہو گیا:

"اشبیلیہ میں بغاوت ہو گئی ہے۔ ہمارے محافظ دستے کو قتل کر دیا گیا ہے۔ میں بغاوت فرو کرنے جا رہا ہوں۔"

ملکہ کا دل بیٹھنے لگا:

"میں یہاں اکیلے کیسے رہوں گی۔"

ملکہ کی آنکھیں واقعی بھر آئیں۔

"تمہیں کوئی تکلیف نہ ہوگی جی لونا۔" عبدالعزیز نے تسلی دی:

"میں نے نواب جولین کو تمام باتوں سے آگاہ کر دیا ہے۔ انھوں نے ابا جان کو رضامند کرنے کا وعدہ بھی کر … ہے۔"

"آپ نواب جولین کو نہیں جانتے۔ وہ شاہی خاندان کے مخالف ہیں۔" ملکہ نے دبی زبان سے کہا۔

عبدالعزیز کو جیسے ناگوار گزرا۔ بولا:

"مجھے سب علم ہے جی لونا۔ ان کی مخالفت شہنشاہ راڈرک سے تھی۔ جب وہ نہیں تو مخالفت کیسی؟ انھیں تم سے پیار ہے۔ مجھ سے بھی محبت کرتے ہیں۔"

ملکہ بڑی چالاک تھی۔ اس لیے شوشہ چھوڑا:

"آپ کے سوا اور بھی تو سردار تھے۔ انہیں اشبیلیہ کیوں نہیں بھیجا گیا۔ اس میں دشمنوں کی ضرور سازش ہے۔ وہ … سے دور رکھنا چاہتے ہیں۔"

"جی لونا....." عبدالعزیز کو غصہ آ گیا:

"میرا ساتھ دینا ہے تو یہ باتیں دل سے نکال دو۔ موسیٰ بن نصیر میرے باپ بھی ہیں اور سردارِ اعلیٰ بھی۔ حکم دیں کہ کنوئیں میں کود پڑو تو میں آنکھیں بند کر کے چھلانگ لگا دوں گا۔ جی لونا! مجھے تم سے بہت محبت ہے۔ تمہاری خاطر تمام دنیا سے لڑ سکتا ہوں لیکن یاد رکھو اگر میرے اور تمہارے درمیان موسیٰ بن نصیر کھڑے ہو گئے تو میرا پیار تم تک نہیں پہنچ سکے گا۔"

ملکہ ڈر گئی۔ سہم گئی۔ آہستہ سے بولی:

"معاف کر دیجیے۔ غلطی ہو گئی۔ میرا مطلب یہ نہیں تھا۔"

ملکہ ہسپانیہ واقعی ہاتھ جوڑ کر عبدالعزیز کے سامنے کھڑی ہو گئی۔

عبدالعزیز سے حسن کی یہ توہین برداشت نہ ہو سکی۔ غصے کی جگہ مسکراہٹ نے لے لی۔ اس نے بڑی محبت سے ملکہ کے ہاتھ پکڑ لیے۔

○

تلویرا وہ مقام ہے جہاں تاریخِ ہسپانیہ کا ایک المناک واقعہ پیش آیا۔

ابن القوطیہ کا خیال ہے کہ یہ جگہ ای۔ سی۔ جا تھی۔ مقام کوئی سہی، واقعے کی سنگینی اور المناکی تو کم نہیں ہو سکتی۔

وادیِ لکہ میں طارق بن زیاد نے اپنے مختصر لشکر کے ساتھ ہسپانیہ کے ایک لاکھ زرہ پوشوں کو تہ تیغ کر کے شہنشاہ راڈرک کا غرور خاک میں ملا دیا تھا لیکن وہی طارق بن زیاد تلویرا کے مقام پر ایک مجرم کی طرح سر جھکائے کھڑے تھے۔

طارق فاتحِ ہسپانیہ تھے لیکن اس وقت ان کی نظریں شرم و ندامت سے زمین میں گڑی ہوئی تھیں۔ وہ گھوڑا ایک میل پیچھے چھوڑ کر پاپیادہ یہاں تک آئے تھے۔ ان کے جسم پر زرہ بکتر کے سوا کوئی اسلحہ نہ تھا۔ ان کی نظریں اوپر نہ اٹھتی تھیں۔

وہ نہ تو بزدل تھے اور نہ ان کے پاس طاقت کی کمی تھی۔ اسلامی لشکر ان پر جان نثار کرنے کو آمادہ تھا۔ نہ تو وہ احسان فراموش تھے اور نہ نمک حرام۔ وہ اپنے محسن اور آقا موسیٰ بن نصیر سے کیسے آنکھیں چار کر سکتے تھے۔ آقا کی حکم عدولی کی تھی۔ وہ نافرمانی کے مجرم تھے۔

ایک طرف شرم و ندامت میں ڈوبی ہوئی طارق کی نظریں تھیں۔

دوسری طرف موسیٰ بن نصیر کی آنکھوں سے شعلے نکل رہے تھے۔

موسیٰ بن نصیر کے دل میں طارق بن زیاد کی نافرمانی کے علاوہ دو اور کانٹے کھٹک رہے تھے۔ ایک تو وہ بے پناہ دولت جو طارق کو ہسپانیہ میں حاصل ہوا تھا ـــ دوسرے طارق کی لشکرِ اسلام میں ہر دلعزیزی۔

موسیٰ بن نصیر کا تجربہ کہتا تھا کہ سالارِ فوج کی فوج میں ہر دلعزیزی بغاوت کا پیش خیمہ ہوتی ہے۔ طارق بن زیاد کو اس بات کا خیال تھا۔ اسی لیے جب وہ طلیطلہ سے موسیٰ بن نصیر کے استقبال کے لیے چلے تو انہوں نے اپنا لشکر وہیں چھوڑ دیا۔ اس وقت ان کے ساتھ صرف پچاس جانباز سردار تھے لیکن یہ وہ سردار تھے جو ہسپانیہ میں قدم رکھنے سے اب تک ہر جنگ میں اپنی شجاعت کے ڈنکے پیٹ چکے تھے۔ یہ طارق کے وفادار تھے اور ان کے ایک اشارے پر موت سے ٹکرا سکتے تھے۔

طارق بن زیاد جب طلیطلہ سے آگے بڑھ کر اس مقام پر پہنچے جہاں انھیں موسیٰ بن نصیر کے لشکر کی گرد اڑتی نظر آئی تو انھوں نے اپنا گھوڑا چھوڑ دیا اور جسم سے اسلحہ بھی الگ کر دیا۔

موسیٰ بن نصیر نے انہیں حکم بھجوا دیا تھا کہ وہ لاگو جنڈہ سے آگے نہ بڑھیں لیکن بعض فوجی ضرورتوں کے تحت وہ وہاں قدم نہ روک سکے اور فتوحات کرتے ہوئے آگے بڑھتے رہے۔ یہاں تک کہ موسیٰ بن نصیر خود بھی ایک لشکرِ جرار لے کر ہسپانیہ پہنچ گئے۔

طارق بن زیاد نے مصلحت کے تحت حکم عدولی کی تھی اور حکم عدولی کی سزا فوجی قانون میں کچھ بھی ہو سکتی ہے۔ وہ خود کو مجرم سمجھتے تھے۔ وہ مجرم کی حیثیت سے موسیٰ بن نصیر کے سامنے پیش ہوئے۔ ان کے ساتھ آنے والے سرداروں نے غیر مسلح ہونے سے انکار کر دیا تھا۔ وہ اس وقت بھی مسلح تھے لیکن طارق بن زیاد کی طرح پاپیادہ۔

طارق بن زیاد سب سے آگے سر جھکائے کھڑے تھے۔ ان سے کچھ دور پیچھے طارق کے سردار تھے۔ لشکرِ اسلام کے سالارِ اعلیٰ اور قیروان کے گورنر موسیٰ بن نصیر اپنے گھوڑے کو قدم بہ قدم بڑھاتے طارق کی طرف بڑھ رہے تھے۔ ان کے ہمرکاب جولین اور جلو میں افریقہ کے بڑے بڑے عالم و فاضل، محدث و فقیہ آ رہے تھے۔

موسیٰ بن نصیر کی نظریں طارق پر جمی ہوئی تھیں۔

آنکھیں شعلے برسا رہی تھیں۔

طارق کی نظریں زمین پر لگی ہوئی تھیں۔

سہمی سہمی۔ خجل خجل!

موسیٰ بن نصیر کے ہاتھ میں چمڑے کا کوڑا تھا۔ زین سے تلوار لگی تھی۔ جسم پہ پورا اسلحہ تھا۔ ان کے پیچھے پندرہ ہزار

کاٹھ نہیں مارتا لشکرِ اسلام تھا۔

طارق نہتے تھے۔ ان کی پشت پر صرف پچاس مسلح پیادے تھے۔ لشکر کو وہ طلیطلہ میں چھوڑ آئے تھے۔ موسیٰ بن نصیر کا گھوڑا طارق کے سامنے آکر رکا۔

طارق تعظیم بجا لائے اور بڑھ کر رکاب کو بوسہ دیا۔ موسیٰ بن نصیر نے لگامیں کھینچ کر گھوڑا پیچھے ہٹالیا۔

موسیٰ بن نصیر نے گرج کر کہا:

"طارق! تو نے ہمارے حکم کے باوجود گاڈلیٹ سے آگے بڑھنے کی جرأت کیوں کی؟"

(گاڈلیٹ میں جنگ لاگوجنڈہ ہوئی تھی جس میں طارق نے راڈرک کو شکست دی تھی)۔

موسیٰ نے طارق کو یوں مخاطب کیا جیسے کوئی آدمی اپنے نوکر سے بولتا ہے۔ موسیٰ کو اس کے لیے الزام تو نہ دیا جاسکتا۔ طارق بن زیاد واقعی موسیٰ بن نصیر کے غلام تھے جن کو موسیٰ نے آزاد کرکے ان کی خدمات اور شجاعت کے صلے میں حاکم طلیحہ بنادیا تھا اور پھر جب ہسپانیہ پر لشکر کشی کا وقت آیا تو موسیٰ نے طارق کو سردار منتخب کیا۔

طارق نے بھی دم نہ مارا۔ انہوں نے حقِ نمک ادا کردیا۔ موسیٰ کا لہجہ اور انداز انہیں ذرا ناگوار نہ گزرا۔ انہوں نے خاموشی اختیار کی جو اقرارِ جرم کے مترادف تھی۔

نواب جولین نے دخل دیا:

"امیرِ محترم! سالار طارق بن زیاد کا اس انداز سے اظہارِ اطاعت کرنا ہی ان کی بے گناہی کا زندہ ثبوت ہے۔ عرض کرچکا ہوں کہ اس وقت حالات ایسے تھے کہ اگر ہسپانیہ کی طاقت کو منتشر نہ کیا جاتا تو اسلامی لشکر مشکل میں ہوسکتا تھا۔"

موسیٰ نے جواباً جولین کو ڈانٹ دیا:

"چپ رہو جولین۔ ہم تمہاری بات سن چکے ہیں۔ یہ ہمارا اور طارق کا معاملہ ہے۔ آقا اور غلام کا معاملہ ... اجازت نہیں کہ وہ آقا کے حکم سے سرتابی کرے۔"

نواب جولین خاموش ہوگیا۔

طارق کے سرداروں کو موسیٰ کا ایک ایک لفظ تیر جیسا لگ رہا تھا۔

موسیٰ نے پھر طارق کو جھڑکا:

"طارق۔ کیا تم نے ہماری نافرمانی نہیں کی؟"

"معاف فرمادیجیے میرے آقا" طارق نے بغیر سر اٹھائے جواب دیا۔

موسیٰ کو طارق کی درخواست قبول کرکے انہیں معاف کردینا چاہیے تھا لیکن ان کا غصہ کم نہ ہوا۔ تیز لہجے میں

"نافرمانی اور حکم عدولی کی سزا معافی نہیں۔ جرم کی سزا ملے گی۔"

"غلام کا سر حاضر ہے" طارق بن زیاد نے بلاعذر اپنا سر خم کردیا۔

موسیٰ بن نصیر گھوڑے پر سوار تھے۔ انہوں نے چرمی کوڑا ہوا میں گھمایا اور پوری طاقت سے طارق کو کھینچ مارا۔ طارق کے جسم میں لپٹتا چلا گیا۔ اگر وہ زرہ پہنے نہ ہوتے تو کوڑے کے ساتھ کھال ادھڑ جاتی۔

ہر شخص دم بخود رہ گیا۔

اتنی توہین اور ایسی سزا کا کسی کو خیال ہی نہ تھا۔ معمولی سرزنش کافی تھی لیکن موسیٰ بن نصیر نے شاید اپنی انا کی تسکین کی خاطر یہ اوچھا قدم اٹھایا۔ سوائے طارق کے مخالفین کے (اگر کوئی تھے) کسی نے موسیٰ کی اس حرکت کو پسند نہ کیا۔

جولین کا چہرہ پھیکا پڑ گیا۔

اور پھر —

اس وقت اس منظر میں زبردست قسم کی سنگینی پیدا ہوگئی، جب طارق بن زیاد نے اپنے جسم سے الگ ہونے والی کوڑے کی نوک کو اپنے دونوں ہاتھوں میں مضبوطی سے پکڑ لیا۔

ہر شخص اپنی جگہ کانپ اٹھا۔ انھوں نے سمجھ لیا کہ اب دو شیر ایک دوسرے کے مقابل آگئے ہیں۔ موسیٰ بن نصیر سنبھل کر اپنی زین پر بیٹھ گئے تاکہ اگر طارق کوڑے کو جھٹکا دے کر کھینچنا چاہے تو وہ ان کے ہاتھ سے چھوٹ جائے اور نہ وہ کوڑے کے ساتھ گھوڑے سے گر سکیں۔

اس کے ساتھ ہی موسیٰ نے فوراً بائیں ہاتھ سے زین سے لٹکتی ہوئی تلوار کو کھینچ لیا۔ نواب جولین کا پھیکا چہرہ اڑ گیا۔ اسے ہسپانیہ کی فضاؤں میں مسلمانوں کی خانہ جنگی کے بادل اٹھتے ہوئے محسوس ہونے لگے۔

طارق کے پیادہ باڈی گارڈوں نے جب دیکھا کہ طارق نے موسیٰ کا کوڑا پکڑ لیا ہے تو ان کے ہاتھ بھی اپنی تلواروں کے دستوں پر بے ساختہ چلے گئے۔ وہ تعداد میں صرف پچاس تھے لیکن ہر سوار، سو سو پر بھاری تھا۔ موسیٰ کے ساتھ ہزار سے زیادہ کا لشکر تھا لیکن طارق کے سردار قطعی ہراساں نہ ہوئے۔ انھوں نے فیصلہ کرلیا کہ اگر موسیٰ نے طارق پر وار کیا تو وہ موسیٰ کے سامنے آجائیں گے اور طارق کی حفاظت کرتے کرتے قربان ہوجائیں گے۔

طارق کے سوار تیزی سے تلواریں سونتے طارق کے پاس پہنچ گئے۔ موسیٰ کے لشکری بھی غافل نہ تھے۔ انھیں سنگینی کا احساس ہوگیا تھا۔ موسیٰ بن نصیر کے دو سو سواروں نے آگے بڑھ کر طارق اور ان کے سرداروں کو گھیرے

عیسائی سردار نواب جولین بڑی بے بسی اور بے کسی سے اپنے ہاتھ مل رہا تھا۔ اس کی سمجھ میں نہ آتا تھا کہ وہ
کے ان دو شیروں کو کیسے الگ کرے؟
کس طرح اس خونی لڑائی کو روکے؟
ٹھیک اس وقت جبکہ موسیٰ بن نصیر کی تلوار طارق پر اٹھنے والی تھی، موسیٰ کے لشکری طارق کے سرداروں پر وار
کرنے والے تھے، حالات میں ایک دم ڈرامائی تبدیلی پیدا ہوئی ـــــ ایسی تبدیلی جس کا کسی کو وہم و گمان بھی نہ تھا۔
طارق بن زیاد کوڑے کی نوک کو دونوں ہاتھوں سے مضبوطی سے پکڑے ہوئے تھے۔ انھوں نے اپنے ہاتھ
بلند کیے۔ ان کے ہاتھ منہ تک پہنچے۔
پھر طارق نے بڑی عقیدت سے کوڑے کو بوسہ دیا۔
آنکھوں سے لگایا۔
اور چھوڑ دیا!
کوڑے کی نوک زمین پر گر کر ناگن کی طرح بل کھانے اور تڑپنے لگی۔ یہ تڑپ کوڑے کی نہ تھی بلکہ یہ موسیٰ بن نصیر
کے ہاتھوں کی لرزش تھی۔
طارق کے ہاتھ سے کوڑا چھوٹتے ہی موسیٰ کے ہاتھ کانپنے لگے۔ ان کے ہاتھوں میں اتنی لرزش پیدا ہوگئی کہ وہ کوڑا
کو واپس اپنی طرف کھینچ بھی نہ سکے۔ طارق کو دوبارہ کوڑا مارنا ان کے بس میں نہ تھا۔
نواب جولین کے چہرے پر رونق آگئی۔ چہرے کی سیاہی پھر سرخی میں تبدیل ہوگئی۔ تلواریں نیاموں میں واپس
چلی گئیں۔ طارق کے سردار اور موسیٰ کے سوار اپنی جگہ واپس چلے گئے۔ ماحول پُرسکون ہوگیا لیکن کھنچاؤ میں اب بھی
کمی نہ آئی۔
موسیٰ بن نصیر کو ایک اور موقع ہاتھ آیا۔ وہ طارق کو اس وقت بھی معاف کر دیتے تو اپنی تاریخی غلطیوں میں سے
ایک غلطی سے تو بچ جاتے مگر اقتدار کا نشہ اور انا کی تسکین بہت بڑی لعنت ہے۔ انسان اس کا اکثر و بیشتر شکار
ہی جاتا ہے۔
موسیٰ نے حکم دیا:
"طارق کو گرفتار کر لیا جائے۔"
موسیٰ کے سوار آگے بڑھے۔ طارق کے ہاتھ پیروں میں بیڑیاں ڈال دی گئیں۔
طارق۔
فاتح ہسپانیہ پابہ زنجیر ہوگیا!

موسیٰ بن نصیر کے دوسرے حکم پر لشکر اسی جگہ خیمہ زن ہو گیا۔
نواب جولین کو طارق کی گرفتاری کا سخت صدمہ تھا کیونکہ یہ گرفتاری محض گرفتاری نہ تھی بلکہ ایک
بُرے انجام کا شاخسانہ۔ اس دور میں سپہ سالار کی موت کا دوسرا نام گرفتاری اور اسیری ہوا کرتا تھا۔

○

موسیٰ بن نصیر کا جواں سال بیٹا عبدالعزیز اشبیلیہ پہنچا۔
عبدالعزیز کی خبر پاتے ہی بغاوت کے سرغنہ کونوں کھدروں میں چھپ گئے۔ عبدالعزیز نے ایک ایک کو
ڈھونڈ نکالا اور سخت سزائیں دیں۔
تیرہ سردار جن میں چار یہودی بھی تھے قتل کر دیے گئے۔ مسلمانوں کی لاشیں اب تک بے گور و کفن پڑی تھیں۔
انہیں احترام سے دفن کیا گیا۔ جو لوگ پہاڑوں میں پناہ گزیں ہوگئے تھے، وہ واپس آگئے۔
عبدالعزیز نے نہایت عقلمندی سے اشبیلیہ کا انتظام کیا۔ باغیوں کو عبرت ناک سزائیں دی گئیں تو فتنہ
ختم ہو گیا۔
عبدالعزیز نے اشبیلیہ کے حفاظتی دستوں میں اضافہ کر دیا۔ عیسائی حاکم معزول کر کے مسلمان حاکم مقرر
کیا۔ یہاں سے فارغ ہو کر اس نے نیبلا کا رخ کیا۔ نیبلا کے باغیوں نے بھاگنے کی کوشش کی مگر گرفتار ہو کر
قتل ہوئے۔
عبدالعزیز کو بغاوتوں سے فرصت ملی اور دردسری ختم ہوئی تو دردِ دل شروع ہو گیا۔ ملکہ ہسپانیہ کا
چہرہ اس کی آنکھوں میں گھوم گیا۔ طبیعت میں اضطراب اور بے چینی پیدا ہوئی۔ وہ دل کو جتنا سمجھاتا دل اتنا ہی ضد
کرتا۔ بار بار ہر وقت آنکھوں میں پھرنے لگا۔
ان کا کام ختم ہو چکا تھا۔ فرصت کے دن تھے۔ اس فرصت نے اور غضب ڈھا رکھا تھا۔ انسان مصروف ہو تو ذہن
بٹا رہتا لیکن کچھ کرنے کو نہ ہو تو دل گھبراتا ہے۔ عبدالعزیز نے باپ کی طرف قاصد بھیجا کہ اسے واپسی کی
اجازت دی جائے۔
موسیٰ بن نصیر نے کچھ ضرورتاً اور کچھ مصلحتاً عبدالعزیز کو اشبیلیہ میں ٹھہرنے کا حکم دیا۔ موسیٰ عبدالعزیز
کی محبت سے واقف تھے۔
عبدالعزیز کو اجازت نہ ملی تو دل کی بے چینی اور بڑھ گئی۔ دو ہفتے بعد عبدالعزیز نے دوسرا قاصد

بھیج دیا۔

موسیٰ بن نصیر طلیطلہ پہنچ چکے تھے۔ طارق اب تک طوق و سلاسل پہنے ہوئے تھے۔ طارق کا لشکر بے سردار تھا۔ موسیٰ پریشانی میں گرفتار تھے۔ وہ عبدالعزیز کے قاصد کو فوری جواب نہ دے سکے۔

اُدھر غضب یہ ہوا کہ ملکہ نے اپنا ایک قاصد عبدالعزیز کے پاس روانہ کر دیا۔ قاصد نے ملکہ کا خط عبدالعزیز کو پہنچایا۔ عبدالعزیز نے خط پڑھا تو تڑپ اٹھا۔ ملکہ نے بڑی منت سماجت سے عبدالعزیز کو طلیطلہ بلایا تھا۔

ملکہ کو طلیطلہ میں شاہی محل میں رکھا گیا تھا۔ وہی محل جس کی وہ کبھی مالک تھی۔ جہاں اس کی حکومت چلتی تھی۔ اس محل کی رہائش میں اس کے دماغ میں ایک نیا خیال آیا۔ اس نے سوچا۔ میں اس محل میں ہمیشہ رہ سکتی ہوں اگر۔۔۔ اس خیال کے آتے ہی ملکہ نے عبدالعزیز کو محبت نامہ لکھ بھیجا۔ عبدالعزیز موسیٰ بن نصیر کا بڑا بیٹا تھا۔ وہی زمانہ تھا۔ طارق بن زیاد تو گرفتار ہو چکے تھے۔ اب عبدالعزیز کا زمانہ تھا۔ ملکہ کا خیال درست ہی تھا۔

طلیطلہ کے حالات کچھ اچھے نہ تھے۔ موسیٰ نے طارق کو گرفتار کر کے قید میں تو ڈال دیا تھا لیکن اب وہ بھی دل ہی دل میں پچھتا رہے تھے۔ دل ہی دل میں۔ کسی سے کہتے تو ان کا وقار ختم ہو جاتا۔

انہیں طلیطلہ میں ٹھہرے کئی ہفتے ہو گئے۔ آگے قدم بڑھانے کا انہوں نے اب تک فیصلہ نہ کیا تھا۔ فوج اور دوسرے سردار طارق کی گرفتاری سے دل برداشتہ ہو گئے تھے۔ ہر ایک اپنی جگہ سہم گیا تھا۔ کیا پتہ کون، کب گرفتار ہو جائے۔

موسیٰ کے پاس ایک تیز رفتار قاصد تھا۔ نام اس کا خالد تھا مگر وہ صبا رفتار کے نام سے مشہور تھا۔ موسیٰ نے اسے کئی بار خلیفہ ولید بن عبدالملک کے پاس پیغام دے کر دمشق بھیجا تھا۔ وہ افریقہ اور ایشیا کے تمام راستوں سے بخوبی واقف تھا۔

موسیٰ اور طارق کے سرداروں نے آپس میں مشورہ کیا۔ سب کو طارق بن زیاد سے ہمدردی تھی۔ انہوں نے صبا رفتار کو بھاری رقم کی پیش کش کی۔ صبا رفتار نے ہامی بھر لی۔ فوراً سرداروں کی طرف سے ایک خفیہ پیغام خلیفہ ولید کو لکھا گیا جس میں طارق بن زیاد کی وفاداری اور کارناموں کی تفصیل کے ساتھ طارق کی رہائی کے پروانہ کی التجا کی گئی۔

صبا رفتار، مثلِ صبا اڑتا ہوا دمشق پہنچا۔ سرداروں کا خفیہ پیام دیا اور بہت کچھ زبانی بھی کہا۔ خلیفہ نے سب سے آگاہ ہو کر طارق کی رہائی اور عہدہ پر بحالی کا فرمان جاری کیا۔

صبا رفتار نے فرمان آنکھوں سے لگا کر جیب میں رکھا اور جس رفتار سے آیا تھا اسی رفتار سے واپس طلیطلہ پہنچ گیا۔

طلیطلہ کے حالات بڑی تیزی سے پلٹا کھا رہے تھے۔ راڈرک کی بیوہ پھر سے ملکہ ہسپانیہ بننے کے خواب دیکھ رہی تھی۔ عبدالعزیز اس کی زلفِ گرہ گیر کا اسیر تھا اور عبدالعزیز سے شادی کر کے جی لونا، ملکہ ہسپانیہ بن سکتی تھی۔ ملکہ نے محبت نامہ عبدالعزیز کے پاس بھیجتی۔ اسے اپنی بے پناہ محبت کا یقین دلاتی اور جدائی کی گھڑیوں پر آنسو بہاتی۔ محبت نامے اپنا رنگ دکھا کر رہے۔ محبت اچھے بھلے انسان کو عقل سے بیگانہ کر دیتی ہے۔ عبدالعزیز بھی دل کے ہاتھوں مجبور ہو گیا۔

ایک شام عبدالعزیز نے اپنے نائب کو بلایا۔ نائب اس کا ہم عمر تھا۔ وہ بھی کسی ہسپانوی حسینہ کے عشق میں گرفتار تھا۔ عبدالعزیز کی کوششوں سے وہ حسینہ اب اس کی دلنواز بیوی بن چکی تھی۔ نائب اسی وجہ سے عبدالعزیز کا ممنون بھی تھا۔

عبدالعزیز نے اس سے اپنا حالِ دل بیان کیا۔ دونوں دیر تک صلح و مشورے کرتے رہے۔ پھر رات کے اندھیرے میں عبدالعزیز ایک سپاہی کا لباس پہن کے طلیطلہ کی طرف چل دیا۔ اس نے اپنے آنے کی اطلاع ملکہ کو اسی کے قاصد کے ہاتھ بھیج دی۔

پانچویں دن عبدالعزیز طلیطلہ پہنچ گیا۔

طلیطلہ میں اس دن بڑی رونق تھی۔ خلیفہ ولید بن عبدالملک کا فرمان، موسیٰ بن نصیر تک پہنچ چکا تھا اور طارق بن زیاد کی بیڑیاں کاٹی جا چکی تھیں۔ لشکری طارق کی رہائی کی خوشی میں جشن منا رہے تھے۔ موسیٰ بن نصیر خود طارق کو رہا کرنا چاہتے تھے۔ خلیفہ کا فرمان آ گیا تو انہوں نے فوراً رہائی کا حکم دے دیا۔

طارق بن زیاد رہا ہو کر سلامی کے لیے دربار میں پہنچے۔ موسیٰ بن نصیر نے آگے بڑھ کر طارق کو گلے لگا لیا۔ گلے شکوے خود ہی ختم ہو گئے۔

طارق بن زیاد نے فتوحات میں حاصل کی ہوئی تمام دولت منگوا کر موسیٰ بن نصیر کے سامنے ڈھیر لگوا دیا۔ موسیٰ اور ان کے ساتھ آنے والے سرداروں کی آنکھیں حیرت سے کھل گئیں۔

موسیٰ بن نصیر نے مائدہ سلیمانی یعنی جواہرات کی وہ کرسی جو حضرت سلیمانؑ سے منسوب کی جاتی تھی، بڑی حیرت اور دلچسپی سے دیکھی۔ دنیا کا کون سا ایسا ہیرا تھا جو اس میں نہ جڑا گیا تھا۔ کرسی کے صرف تین پائے تھے لیکن اس میں جڑے ہیرے جواہرات کی قیمت کا اندازہ لگانا ناممکن تھا۔

مالِ غنیمت کا ڈھیر دربار میں لگا تھا۔ اسے دیکھنے کی عام اجازت تھی۔ جو سنتا وہی دیکھنے بھاگا چلا آتا۔ ایک میلہ سا لگ گیا۔ اس موقع سے فائدہ اٹھاتے ہوئے ملکہ ہسپانیہ کے حواریوں نے عبدالعزیز کو ایک خفیہ راستے سے ملکہ کے محل میں پہنچا دیا۔

ملکہ جی لونا نے عبدالعزیز کو دیکھا تو خوشی سے ہاتھ پھیلا کر اس کی طرف دوڑی۔ پھر دونوں اس طرح ملے جیسے دو برسوں کے بچھڑے ملتے ہیں۔ ملکہ کی محبت نے عبدالعزیز کو موسیٰ بن نصیر کے غیظ و غضب سے بے پروا کر دیا۔

ملکہ جی لونا نے الگ ہوتے ہوئے شکوہ کیا:

"عبدالعزیز۔ اب یہ جدائی برداشت نہیں ہوتی۔ آپ طلیطلہ واپس آ جائیے"۔

عبدالعزیز کو یہ فاصلے خود بھی پسند نہ تھے مگر کیا کرتا۔ اس نے مجبوری کا اظہار کیا:

"جانِ عزیز۔ میں بھی کانٹوں پر لوٹ رہا ہوں لیکن حکم عدولی نہیں کر سکتا۔ ابا جان کی نافرمانی کا انجام تم نے دیکھی۔ طارق بن زیاد بھی ان کے غضب سے نہیں بچ سکے"۔

ملکہ نے نخرے دکھائے:

"میرے لیے یہ سزا تو بھگتنا ہی پڑے گی۔ طارق کو معافی مل گئی۔ آپ بھی معاف کر دیے جائیں گے!"

عبدالعزیز کو طارق کی رہائی کا علم نہ تھا۔ تعجب سے پوچھا:

"یہ کب ہوا۔ مجھے تو اس کی کوئی خبر نہیں"۔

ملکہ اٹھلا کر بولی:

"آپ کو تو میرے دل کی خبر نہیں، کسی دوسرے کی کیا خبر ہوگی۔ خود خلیفہ نے طارق کی رہائی کا پروانہ بھیجا ہے۔ طارق آج ہی آزاد ہوئے ہیں"۔

عبدالعزیز سوچ میں پڑ گیا۔

اسے اس بات کی تو خوشی تھی کہ طارق آزاد کر دیے گئے لیکن اس بات پر تعجب تھا کہ ہسپانیہ کی یہ خبر ہزاروں میل دور دربارِ دمشق میں کیسے پہنچی؟

"آپ سوچتے رہیں گے کہ کچھ بولیں گے بھی"۔ ملکہ نے بھرپور انگڑائی لی۔

عبدالعزیز چونک کر ملکہ کو دیکھنے لگا۔ بولا:

"ملکہ میں سوچ رہا ہوں۔ اگر ابا جان کو میرے یہاں آنے کی خبر ہو گئی تو کیا ہوگا"۔

ملکہ نے ترنم ریز قہقہہ لگایا:

"عاشق اتنے بزدل نہیں ہوا کرتے۔ ڈرتے ہیں تو محبت کرنا چھوڑ دیجیے۔ ڈرنا تو مجھے چاہیے۔ محکوم ہوں، اسیر ہوں۔ ایک اشارے پر میری گردن اڑائی جا سکتی ہے۔ آپ تو سپہ سالارِ اعظم کے بیٹے ہیں۔ خا... ڈانٹ ڈپٹ کر چھوڑ دیں گے"۔

"خیر چھوڑو ان باتوں کو"۔

عبدالعزیز وہاں زیادہ دیر ٹھہرنا نہ چاہتا تھا:

"وہ خاص بات بتاؤ جس کے لیے تم نے بلایا ہے"۔

ملکہ جی لونا "عبدالعزیز" کہہ کر ہنسنے لگی۔

عبدالعزیز نے پھر پوچھا۔

ملکہ پہلے سے زیادہ ہنستے ہوئے بولی:

"آپ آ گئے۔ دل کو سکون مل گیا۔ اس سے اہم بات اور کیا ہو سکتی ہے"۔

عبدالعزیز کا دل ملکہ کی طرف اور زیادہ کھنچنے لگا۔ بڑے پیار سے بولا:

"جی لونا۔ بس چند دنوں کی اور بات ہے۔ پھر ہم دونوں یکجا ہو جائیں گے"۔

"یہ تو میں کب سے سن رہی ہوں۔ پتہ نہیں وہ وقت میری زندگی میں آئے گا بھی یا نہیں"۔ ملکہ نے ...ادگی کا چولا اوڑھنے کی کوشش کی۔

عبدالعزیز، ملکہ کا ہاتھ اپنے ہاتھ میں لے کر بولا:

"نواب جولین میرے لیے کوشش کر رہے ہیں۔ انہیں کامیابی کی پوری امید ہے"۔

"مگر مجھے امید نہیں"۔ ملکہ نے منہ پھلا لیا:

"نواب جولین سے ــــــ"

ملکہ کی بات ادھوری رہ گئی۔ بند کمرے کا دروازہ دھڑاک سے کھلا۔ ایک کنیز گھبرائی ہوئی داخل ہوئی اور ...کر ملکہ کے کان پر جھک گئی۔

ملکہ کا رنگ اڑ گیا۔ اس نے جلدی سے عبدالعزیز کا ہاتھ پکڑا اور بغلی دروازے سے دوسرے کمرے میں ... پھر وہاں سے تیسرے کمرے میں۔ ملکہ اور عبدالعزیز نے کئی کمرے اور راہداریاں تیز تیز قدموں سے ...

محل کے چور دروازے کے باہر عبدالعزیز کا گھوڑا موجود تھا۔ ملکہ کے محافظ سوار بھی وہاں تھے۔ ملکہ نے ایک ... سے کچھ سمجھایا۔

عبدالعزیز گھوڑے پر سوار ہوا۔ ایک راہبر اس کے آگے آگے چلا۔ دونوں دم کے دم میں محل سے باہر ...

جس وقت نواب جولین ایک مسلم سردار کے ساتھ ملکہ کے کمرے میں داخل ہوا، اس وقت عبدالعزیز اور راہبر قلعہ طلیطلہ سے کئی میل دور نکل چکے تھے۔

نواب جولین اور مسلم سردار بغیر اطلاع دیے کمرے میں آ گئے۔ دروازہ پہلے سے کھلا تھا۔ ملکہ جیلوہا آئینہ کے سامنے بیٹھی اطمینان سے بالوں میں کنگھی کر رہی تھی۔ اس نے آئینہ میں ان دونوں کو آتے دیکھا۔ ملکہ نے پلٹ کر نواب جولین سے سخت لہجہ میں کہا:

"نواب۔ ہمیں یقین دلایا گیا تھا کہ ہماری عزت میں کوئی فرق نہیں آنے دیا جائے گا۔ پھر یہ کیوں ہوا بغیر اجازت ہماری تنہائی میں کیوں مخل ہوئے"۔

"معذرت خواہ ہوں ملکہ ہسپانیہ"۔ نواب جولین نے جواب دیا:

"میں سردارِ اعلیٰ کے حکم کی تعمیل پر مجبور ہوں۔ مجھے آپ کے کمرے کی تلاشی لینا ہے"۔

"مگر کیوں؟" ملکہ نے حیرت کا اظہار کیا۔

"سردارِ اعلیٰ کو بتایا گیا ہے کہ عبدالعزیز آپ کے کمرے میں موجود ہیں"۔ نواب جولین نے اپنے آنے کی وضاحت کی۔

ملکہ مسکرانے لگی۔

اس کے جواب دینے سے پہلے ہی نواب جولین کے ساتھ آنے والے مسلم سردار نے کمرے کی تلاشی لینا شروع کر دی۔ اس نے ایک ایک چیز کو اٹھا اٹھا کر دیکھنا شروع کیا جیسے عبدالعزیز سوئی تھا جو کسی چیز کے نیچے چھپ گیا۔ زرنگار چوکیاں، دیدہ زیب مسہریاں، ریشمی پردے، چوبی الماریاں۔ ہر چیز کو کھنگالا گیا مگر کچھ نہ کوئی نظر نہ آیا۔

عبدالعزیز جس بغلی دروازہ سے نکلا تھا وہ ایک بڑی الماری کے اندر پوشیدہ تھا۔ یہ طلیطلہ کا شاہی محل تھا اور ملکہ کا اپنا خاص کمرہ۔ یہاں کے ہر کمرے میں اس طرح کے چور دروازے تھے جنہیں صرف شاہی خاندان کے افراد جانتے تھے۔ عبدالعزیز کو صرف ملکہ کے کمرے ہی میں نہیں پورے محل میں تلاش کیا گیا لیکن کچھ پتہ نہ چلا۔ نواب جولین معذرت کر کے واپس چلا گیا۔

○

موسیٰ بن نصیر کو طارق بن زیاد کے جھگڑے سے فرصت ملی تو اب عبدالعزیز اور ملکہ ہسپانیہ کا معاملہ

عبدالعزیز کا اشبیلیہ چھوڑ کر طلیطلہ آنا ایسا نہ تھا جسے نظرانداز کیا جا سکتا۔ موسیٰ بن نصیر ایسے معاملات میں سخت گیر تھے لیکن مشکل یہ تھی کہ سوائے جاسوس کی اطلاع کے کوئی اور ثبوت یا شہادت نہ مل سکی جس کی بنا پر عبدالعزیز کو ملزم گردانا جا سکتا۔

قلعہ طلیطلہ کے گیٹ پر متعین پہریداروں نے صرف اتنا بتایا کہ وقوعہ کے وقت ایک مسلمان سوار اور ایک ہسپانی سردار قلعہ کے مغربی دروازے سے نکلے تھے لیکن آنے جانے والوں پر کوئی پابندی نہ تھی۔ اس لیے نہ تو انہیں روکا گیا اور نہ ان کی صورتوں کو بغور دیکھا گیا۔ یہ کوئی ایسی بات نہ تھی جس پر موسیٰ، عبدالعزیز کو سزا دیتا۔ ملکہ جیلوہا پر بھی وہ کوئی سختی نہ کر سکتا تھا۔ ملکہ، شہنشاہ ہسپانیہ کی بیوہ تھی اور شاہی اسیر۔ وہ عیسائیوں میں بدنام نہ ہونا چاہتی تھی۔

طارق اپنے عہدے پر بحال ہونے کے بعد، موسیٰ بن نصیر کی خلوت و جلوت میں شریک ہونے لگے تھے۔ موسیٰ بے چین تھے۔ طارق کو وجہ معلوم تھی۔ نواب جولین نے انہیں سب کچھ بتا دیا تھا۔ نواب جولین نے ملکہ ہسپانیہ اور عبدالعزیز کی شادی کا مسئلہ موسیٰ بن نصیر کے سامنے رکھا تھا۔ انہوں نے پہلے اسے سیاسی اور فوجی مصلحت کے خلاف قرار دے کر رد کر دیا تھا لیکن اب وہ خود بھی اس مسئلے پر سنجیدگی سے غور کر رہے تھے۔

ایک شام طارق بن زیاد نے جرأت کی:

"سردارِ اعلیٰ کی پریشانی سے تمام وابستگانِ لشکر سخت پریشان ہیں۔ میں نے اور نواب جولین نے اس مسئلے میں کافی غور کیا ہے۔ عبدالعزیز، شجاع و بہادر ہونے کے ساتھ ساتھ متقی اور پرہیزگار ہیں۔ ان کی پرہیزگاری ہر صورت برقرار رہنی چاہیے"۔

موسیٰ بن نصیر نے نظر اٹھا کر طارق کو دیکھا۔ وہ سخت فکرمند نظر آ رہے تھے۔ انہوں نے کہا:

"طارق! مجھے عبدالعزیز اور ملکہ کی شادی پر کوئی اعتراض نہیں۔ میں نے نواب جولین کی معرفت ملکہ کو پیغام بھی بھیجا ہے لیکن ملکہ نے شادی کے لیے ایسی شرط لگائی ہے جسے میں قبول نہیں کر سکتا"۔

طارق بن زیاد نے سوالیہ نظروں سے نواب جولین کی طرف دیکھا۔ نواب جولین نے طارق سے اس شرط کا ذکر نہیں کیا تھا۔

نواب جولین نے کہا:

"ملکہ شادی کے لیے رضامند ہیں لیکن کہتی ہیں کہ انہیں مذہب تبدیل کرنے پر مجبور نہ کیا جائے"۔

طارق بے دھڑک بولے:

"یہ تو کوئی ایسا اہم مسئلہ نہیں۔ اسلام میں اس بات کی اجازت ہے۔ اہلِ کتاب کے ساتھ شادی کا رشتہ

جوڑا جاسکتا ہے۔ اس کی بہت سی مثالیں موجود ہیں:

موسیٰ جز بز ہو کر بولے:

"مجھے بھی علم ہے کہ تمام اہلِ کتاب کے درمیان بغیر مذہب تبدیل کیے رشتہ ہو سکتا ہے لیکن کچھ سیاسی و فوجی مصلحتیں ہوتی ہیں۔ عبدالعزیز کے گھر میں ایک عیسائی عورت، بیوی بن کر آئے گی تو مسلمان کیا کہیں گے، سوچیں گے۔"

"میرا خیال ہے"۔ طارق ٹھہر ٹھہر کر بولے:

"اس معاملہ میں دوسروں کی پرواہ نہ کرنی چاہیے۔ سپہ سالار کو شادی کی اجازت دے دینی چاہیے۔"

موسیٰ بن نصیر اب اس معاملے کو اور طول نہ دے سکے۔ سرداروں کے مجبور کرنے پر انہوں نے عبدالعزیز کو شادی کی اجازت دے دی۔

پھر ایک سادہ اور پُر وقار محفل میں عبدالعزیز اور ملکہ ہسپانیہ کا نکاح پڑھایا گیا۔ تمام بڑے بڑے سردار اس میں شریک ہوئے۔ کچھ دل سے اور کچھ بے دلی سے۔ محفل میں عیسائی پادری بھی موجود تھے۔ انہوں نے عقد کے بعد اپنی رسمیں ادا کیں۔

⑨

سُنہرا خواب

جنوبی پہاڑی سے دو سوار آہستہ آہستہ اتر رہے تھے۔ ان کی رفتار بہت سست تھی۔

حسین نے اپنا گھوڑا روک لیا اور ساتھ والے سے کہا:

"غفران۔ یہ سوار کسی قریبی آبادی کے معلوم ہوتے ہیں۔"

حسین کا ساتھی غفران بڑا منچلا جوان تھا۔ وہ ڈھلوان کی طرف گھوڑا موڑتے ہوئے بولا:

"سردار۔ میں ابھی جاکر ان سے پوچھتا ہوں۔ یہ کون ہیں اور کدھر جا رہے ہیں۔"

"نہیں غفران۔ ممکن ہے یہ خوفزدہ ہو جائیں اور ہمیں کسی غلط راستے پر ڈال دیں۔" حسین نے غفران کو منع کیا اور نظریں آنے والے سواروں پر جما دیں۔

حسین کو تجربہ تھا کہ ہسپانیہ کے لوگ جب اجنبی مسلمانوں کی ڈھیلی ڈھالی عبائیں اور لمبی داڑھیاں دیکھتے ہیں تو ڈر کر بھاگ کھڑے ہوتے ہیں یا پھر صحیح بات کا غلط جواب دیتے ہیں۔

پہاڑی سے اتر کر دونوں سوار ترائی میں آ گئے۔ ترائی سے آگے ایک چھوٹا سا سبزہ زار تھا جو اس ڈھلوان تک پھیلا ہوا تھا جس کے اوپر حسین اور ان کے ساتھی ایک چٹان کے ساتھ کھڑے تھے۔

ترائی کی زمین ہموار تھی لیکن سواروں کی رفتار بڑھنے کے بجائے اور کم ہو گئی۔

حسین بولے:

"معلوم ہوتا ہے ان سواروں کو اپنی منزل پر پہنچنے کی کوئی جلدی نہیں۔"

غفران کی سمجھ میں اپنے سردار کی بات نہ آئی۔ اس نے کہا:

"جی سردار۔ یہ بھی ہو سکتا ہے ان میں سے کوئی ایک یا دونوں بیمار ہوں اور گھوڑے تیز نہ دوڑ رہے ہوں۔"

"یہ قیاس بھی درست ہو سکتا ہے۔" حسین بولے:

"کچھ بھی ہو لیکن سواروں کی سست رفتاری اور بے دلی کی کوئی وجہ ضرور معلوم ہوتی ہے ورنہ ان سنگلاخ علاقوں میں لوگ جلد سے جلد اپنے گھروں میں پہنچنے کی کوشش کرتے ہیں۔"

حسین، موسیٰ بن نصیر کے ہراول دستے کے سردار تھے۔ ان کی کمان میں ایک سو سواروں کا دستہ تھا لیکن حسین کے ساتھ غفران کے علاوہ صرف تین اور سوار تھے۔ باقی سوار لشکرِ اسلام کے ساتھ تھے جو تھوڑی دور ایک ویران آبادی کے قریب خیمہ زن تھے۔

حسین کا قد لمبا، گٹھا ہوا بدن، بڑی بڑی روشن آنکھیں اور لمبی داڑھی تھی۔ داڑھی کے بال نصف سے زیادہ سفید ہو چکے تھے۔ پیشانی پر ابھرا ہوا سرمئی نشان ان کی بزرگی اور دینداری کی علامت تھا۔

سبزہ زار میں پہنچنے کے بعد بھی سواروں کی رفتار میں کوئی فرق نہ آیا بلکہ رفتار پہلے سے بڑھنے کے بجائے رکتی گئی۔ یکایک ان کا رخ سیدھا اس ڈھلوان کی طرف ہو گیا جس کے اوپر حسین کھڑے تھے۔

حسین نے کہا:

"معلوم ہوتا ہے کہ یہ لوگ سبزہ زار پار کر کے ہماری طرف آئیں گے۔"

حسین نے ادھر ادھر نظر دوڑائی۔ قریب ہی ایک جھکی ہوئی چٹان دکھائی دی:

"وہ جگہ زیادہ محفوظ ہے۔"

حسین نے ادھر اپنا گھوڑا موڑتے ہوئے کہا:

"انہیں ہماری موجودگی کا علم نہ ہونا چاہیے۔ ہم چھپ کر ان کا پیچھا کریں گے۔ کیا عجب کہ یہ دراصل کہیں جا رہے ہوں۔"

قلعہ ارغوان، ہسپانیہ کے مضبوط ترین قلعوں میں سے ایک تھا۔ ارغوان جانے کا راستہ عجیب تنگ دروں، خطرناک جنگلات اور بیابان میدانوں سے گزرتا تھا۔ ان میدانوں کی یہ کیفیت تھی کہ جب آندھیاں چلتیں تو گرد و غبار کے بگولوں میں چمکتا سورج بھی چھپ جاتا تھا۔ ارغوان کے قلعے کو انہی وجوہات کی بنا پر ناقابلِ تسخیر سمجھا جاتا تھا لیکن طارق بن زیاد اور موسیٰ بن نصیر کے قدم جس طرف اٹھتے رکنے کا نام نہ لیتے۔ دریا پایاب ہو جاتے، آندھیاں رک جاتیں اور پہاڑ انہیں راستہ دے دیتے۔

بیچ سبزہ زار میں آ کر دونوں سواروں نے اپنے گھوڑے روک لیے۔ حسین اور سبزہ زار میں بیٹھے ... دیا گیا تھا۔ حسین کو سواروں کے دھندلے چہرے نظر آ رہے تھے۔

پھر حسین چونک کر بولے:

"غفران ذرا غور سے دیکھنا۔ ان سواروں میں ایک عورت معلوم ہوتی ہے۔ ایسے رنگین اور ریشمی کپڑے یہاں کے لوگ عام طور پر نہیں پہنا کرتے۔"

غفران کی نظریں بھی سواروں پر لگی تھیں۔ اس نے بغیر نظریں گھمائے جواب دیا:

"آپ نے ٹھیک اندازہ لگایا۔ میرا خیال ہے اس عورت کے ساتھ والا مرد، عمر رسیدہ بوڑھا ہے۔ مجھے اس کی سفید داڑھی صاف نظر آ رہی ہے۔"

حسین نے غفران کے خیال کی تصدیق کر دی لیکن حیران تھے کہ اس سنسان سبزہ زار میں ایک بوڑھا ایک جوان عورت کے ساتھ کیوں آیا ہے۔ بھڑکیلے اور شوخ رنگ کے لباس سے انہوں نے عورت کے جوان ہونے کا اندازہ لگایا تھا۔

"مجھے تو یہ عورت کوئی نئی دلہن معلوم ہوتی ہے۔" غفران نے خیال ظاہر کیا:

"میں نے طلیطلہ میں ایک شادی دیکھی تھی۔ وہ دلہن کچھ اسی طرح کے کپڑے پہنے ہوئے تھی۔"

سبزہ زار چاروں طرف سے خشک پہاڑیوں اور چٹانوں سے گھرا ہوا تھا۔ سواروں نے گھوڑے روک کر چاروں طرف متجسس نظروں سے دیکھنا شروع کیا۔

حسین نے کہا:

"یہ کسی کو تلاش کر رہے ہیں یا پھر انہیں کسی کے آنے کا انتظار ہے۔"

یہ کہہ کر حسین نے اپنا گھوڑا ذرا اور آڑ میں کر لیا تاکہ ان پر کسی آنے والے کی نظر نہ پڑے۔ غفران اور دوسرے سوار بھی چٹان کی آڑ میں ہو گئے۔

حسین کا خیال ٹھیک نکلا۔

چند لمحوں بعد دائیں جانب کی پہاڑی سے ایک سوار اترتا ہوا دکھائی دیا۔ ابھی ان کی نظر اس سوار پر پوری طرح پڑی بھی نہ تھی کہ بائیں جانب سے بھی ایک سوار نمودار ہوا۔ دونوں سوار تیزی سے اتر رہے تھے۔ ان کے ہاتھوں میں ننگی تلواریں تھیں، جو سر پر آتے ہوئے سورج کی روشنی میں بار بار چمک رہی تھیں۔

ان آنے والے سواروں کا سبزہ زار میں انتظار کرنے والوں پر شدید ردِعمل ہوا۔ پہلے وہ بے چینی اور بے تابی سے آنے والوں کا انتظار کر رہے تھے لیکن ان کے ظاہر ہوتے ہی جیسے وہ سہم گئے۔ دونوں نے اپنے گھوڑے ملا لیے اور آنے والوں کو دیکھنے کے بجائے انہوں نے نظریں جھکا لیں۔

حسین کو محسوس ہوا جیسے بوڑھے سوار کا بدن خوف سے کانپ رہا ہے۔ دوری کی وجہ سے حسین صحیح اندازہ نہ کر

سکے لیکن انہیں یہ یقین ہو گیا کہ ان آنے والوں سے وہ بہت زیادہ خوفزدہ ہیں۔

حسین کی حیرت میں اضافہ ہوتا جا رہا تھا۔ سبزہ زار پر سحر انگیز سناٹا چھایا ہوا تھا۔

آنے والے سوار، جوان اور پھرتیلے معلوم ہوتے تھے۔ وہ تلواریں ہوا میں گردش دیتے ہوئے آ رہے تھے۔ تلواریں بلند کیے ہوئے سبزہ زار میں داخل ہوئے اور تیزی سے گھوڑے بھگاتے ہوئے ان کے قریب آ گئے۔ بوڑھے کا پورا بدن کانپ رہا تھا۔

حسین نے دیکھا کہ بوڑھے کے تھرتھراتے ہاتھوں سے لگام چھوٹ گئی ہے۔ بوڑھے کے ساتھ والی عورت بالکل پُرسکون تھی۔

شمشیر بردار تلواریں سونتے ہوئے عورت کے ادھر ادھر آ کر کھڑے ہو گئے۔ ان کے پاس نہ تو نیزے تھے اور نہ ڈھالیں۔

عورت بوڑھے کی طرف ذرا سا جھکی۔ بوڑھے نے اپنے کانپتے ہاتھوں میں عورت کا چہرہ لیا پھر بڑی بے صبری سے اس کا منہ چومنے لگا۔ ممکن تھا کہ وہ عورت کو سینے سے بھی لگاتا لیکن شمشیر بردار نے بوڑھے کو دھکا دے کر عورت سے الگ کر دیا۔ بوڑھا چیخیں اور دھاڑیں مار مار کے رونے لگا۔

"یقیناً یہ باپ بیٹی ہیں" حسین بن عبداللہ نے دل میں سوچا۔

عورت اب بھی پُرسکون تھی۔ اس کے آنسو جیسے خشک ہو چکے تھے یا پھر دل پتھر بن گیا تھا۔ عورت گھوڑا بڑھا کر سبزہ زار کے اس سرے پر آ گئی، جس کے عین اوپر حسین اس منظر کو دلچسپی اور حیرت سے دیکھ رہے تھے۔

عورت نے اپنے چہرے سے سفید جالی کا نقاب ہٹا دیا۔

"بڑا حسین چہرہ ہے۔" منچلے عفران کی زبان سے بے ساختہ نکلا۔ سردار حسین نے اسے گھور کر دیکھا۔ عفران نے شرمندہ ہو کر نظریں نیچی کر لیں۔

شمشیر بردار جوان، عورت کے پیچھے پیچھے آ رہے تھے۔ عورت نے اپنا گھوڑا روک کر اپنا رخ مشرق کی طرف کیا۔ اس نے سر پر چمکتے ہوئے سورج پر ایک نظر ڈالی۔ پھر آنکھیں بند کر لیں۔

اس کے دائیں بائیں کھڑے ہوئے شمشیر برداروں نے تلواریں بلند کیں۔ تلواروں کی نوکیں عورت کے سر پر آ کر مل گئیں اور ایک قوس سی بن گئی۔

عورت نے شاید اپنے سر پر سایہ کرتی ہوئی تلواروں کی نوکیں تصور میں ملتی دیکھیں۔ اس نے اچانک آنکھیں کھولیں اور گھوڑے کو ایڑ لگا دی۔ اس کا گھوڑا بجلی کی طرح تلواروں کے نیچے سے نکل گیا اور اس کے ساتھ ہی دونوں شمشیر برداروں نے ایک دوسرے پر حملہ کر دیا۔

ان کی تلواریں ملتیں۔ جدا ہوتیں۔ پھر ملتیں اور الگ ہو جاتیں۔ وہ بڑھ بڑھ کر حملے کر رہے تھے خطرناک اور جان لیوا حملے۔

زرق برق لباس میں ملبوس عورت گھوڑا بھگا کر بوڑھے کے پاس پہنچی اور اپنا سر اس کے سینے سے لگا دیا۔ بوڑھا پھر رونے لگا۔ ضبط کا بندھن ٹوٹ گیا اور عورت بھی سسکیاں بھرنے لگی۔

مقابلہ جاری تھا۔

تلواروں کی نوکیں سرخ ہو گئی تھیں۔ ڈھال نہ ہونے کی وجہ سے وہ تلوار سے حملہ کرتے اور تلوار ہی کو ڈھال بنا کر حملہ روکتے۔ ان کے جسم زخمی ہو رہے تھے۔ کپڑوں پر جگہ جگہ سرخ دھبے ابھر آئے تھے۔

مقابلہ کچھ زیادہ دیر جاری نہ رہا۔ ایک جوان زخمی ہو کر زمین سے ٹک گیا۔ دوسرے نے بڑھ کر تلوار اس کے سینے میں اتار دی۔

وہ فاتح تھا۔ اس نے فتح کا پُرزور نعرہ بلند کیا۔

باپ بیٹی ایک دوسرے سے لپٹے سہمے ہوئے کھڑے تھے۔ فاتح جوان شمشیر لہراتا ان کے پاس آیا اور بڑی بیدردی سے بیٹی کو باپ کے سینے سے کھینچا۔ بیٹی روتی بلکتی باپ سے جدا ہوئی۔ شمشیر زن نے لڑکی کو اس کے گھوڑے سے کھینچا۔ وہ اسے کھینچ کر اپنے گھوڑے پر بٹھانا چاہتا تھا۔ مظلوم لڑکی نے خاموش مدافعت کی۔ اس نے اپنا ہاتھ چھڑانے کی کوشش کی۔ شمشیر زن جھلا گیا۔ اس نے لڑکی کا ہاتھ چھوڑ دیا اور تلوار کی نوک لڑکی کے سینے پر رکھ دی۔

لڑکی مجبور ہو گئی۔

لیکن قدرت تو مجبور نہ تھی۔ ظالم کو سزا ضرور ملتی ہے۔ خواہ جلدی ملے یا دیر میں۔ اس وقت قدرت نے بھی تاخیر نہ کی۔

دس سوار گھوڑے اڑاتے اس سمت سے آتے نظر آئے جدھر سے قتل ہونے والا شمشیر زن آیا تھا۔ یہ مرنے والے کے ساتھی تھے۔

شمشیر زن کو مجبوراً اپنی تلوار کا رخ آنے والوں کی طرف کرنا پڑا اور پھر ایک اور دس کا مقابلہ شروع ہو گیا۔ لڑکی کے لیے یہی موقع غنیمت تھا۔ وہ دونوں اپنے گھوڑے بھگا کر چڑھائی چڑھنے لگے۔ یہ چڑھائی سیدھی حسین اور ان کے ساتھیوں کی طرف آتی تھی۔

عفران نے اپنے سردار حسین کی طرف دیکھا۔ عفران کی نظروں میں ہزاروں التجائیں تھیں۔

حسین نے آنے والوں کو دیکھتے ہوئے کہا:

"یہ مظلوم ہیں۔ اب ان کی حفاظت ہمارا فرض ہے"۔

عفران کے چہرے پر رونق سی آ گئی۔ فوراً بولا:

"میں انہیں آپ کے پاس لے آؤں"۔

"وہ ادھر ہی آ رہے ہیں۔ تمہیں جانے کی ضرورت نہیں"۔ حسین نے ایک بار پھر عفران کو جانے سے روکا۔

بوڑھا اور لڑکی گھوڑے اوپر چڑھا لائے۔ وہ بار بار پلٹ کر پیچھے دیکھ رہے تھے۔ نیچے سبزہ زار میں ... گھیر کر ایک کو ختم کر دیا تھا اور اب وہ ان دونوں کو پکڑنے اوپر کی طرف آ رہے تھے۔

حسین اپنے پانچ سواروں کے ساتھ پناہ گاہ سے نکل کر بوڑھے اور لڑکی کے سامنے پہنچ گئے۔ لڑکی کی ... چیخ نکل گئی۔ شاید وہ مسلمان سواروں کی ڈھیلی عبائیں اور لمبی داڑھیاں دیکھ کر ڈر گئی تھی۔

بوڑھے نے لڑکی کو تسلی دی:

"مت گھبرا بیٹی۔ ہم انسانوں میں آ گئے ہیں"۔

پھر وہ حسین سے مخاطب ہوا:

"تم یقیناً مسلمان ہو اور خداوند یسوع مسیح نے تمہیں فرشتہ بنا کر ہماری مدد کو بھیجا ہے"۔

حسین کو تعجب ہوا۔ مسلمانوں کے قدم ابھی تک یہاں نہ پہنچے تھے پھر اس بوڑھے نے انہیں کیسے ... لیا تھا۔

حسین نے نرمی سے پوچھا:

"اے بزرگ! تمہارے ساتھ یہ لڑکی کون ہے اور تم نے کیسے پہچانا کہ ہم مسلمان ہیں؟"

بوڑھا بولا:

"یہ ارغونی ہے میری لڑکی۔ میں نے تمہیں کس طرح پہچانا۔ اس کا جواب یہ ہے کہ میں اس جنگ میں ... جو سرخ بالوں والے طارق اور شہنشاہِ ہسپانیہ کے درمیان لاگو جنڈہ میں لڑی گئی تھی۔ اس وقت میں ... کی حیثیت سے دعا کے لیے عیسائی لشکر میں موجود تھا"۔

حسین کو قدرے اطمینان ہوا۔ بولے:

"اب بتاؤ۔ ہم تمہارے لیے کیا کر سکتے ہیں؟"

بوڑھے نے بڑی لجاجت سے کہا: "ہمیں ان ظالموں سے بچاؤ مسلمانو! خدا تمہیں ...

حسین نے بوڑھے کو سمجھایا:

"بزرگ محترم۔ یہ تم لوگوں کا آپس کا معاملہ ہے۔ اس میں ہم کیسے دخل دے سکتے ہیں"۔

"سردار۔ ابھی آپ نے فرمایا تھا کہ اب ان کی حفاظت ہمارا فرض ہے"۔ یہ آواز عفران کی تھی جو ارغونی کو بار بار نظروں سے دیکھ رہا تھا۔

حسین نے فوراً جواب دیا:

"عفران۔ ہم نے جو کچھ کہا تھا اس پر اب بھی قائم ہیں لیکن جب تک ہمیں یہ نہ معلوم ہو جائے کہ ان میں ظالم ہے اور مظلوم کون۔ اس وقت تک ان کی حفاظت ہم پر فرض نہیں ہوتی"۔

"ہم مظلوم ہیں مسلمانو۔ ہمیں بچاؤ۔ ورنہ یہ مجھے مار ڈالیں گے اور ارغونی کو زبردستی پکڑ کر لے جائیں

بوڑھا گھوڑے سے اتر کر جلدی سے حسین کے پاس آیا اور ان کا رکاب میں پڑا ہوا پیر پکڑ لیا۔

حسین گھبرا کر خود بھی گھوڑے سے اتر پڑے۔ بولے:

"بزرگ محترم! انسان، انسان کے پیر نہیں پکڑا کرتا۔ براہِ کرم مجھے بتاؤ کہ تم پر کیا ظلم ہوا ہے۔ یہ لوگ کون ہیں ... لڑکی کون ہوتی"۔

بوڑھے کا پیچھا کرنے والے دس سوار چڑھائی کے اوپر نمودار ہوئے۔

بوڑھا منت کرتے ہوئے بولا:

"میں سب کچھ بتا دوں گا مسلمانو۔ پہلے تم مجھے ان سے بچا لو۔ میں مظلوم ہوں۔ میری لڑکی مظلوم ہے"۔

بوڑھا دوڑ کر گھوڑے پر سوار ہو گیا اور ارغونی کو ساتھ لے کر مسلمانوں کے پشت پر پہنچ گیا۔

عیسائی سوار گھوڑے دوڑاتے ان کے قریب آ گئے۔ وہ مسلمانوں کی وضع قطع اور لباس کو حیرت کی نظروں سے دیکھنے لگے۔

ایک سوار نے بڑھ کر پوچھا:

"تم لوگ اجنبی معلوم ہوتے ہو؟"

حسین کا گھوڑا سب سے آگے تھا۔ انہوں نے جواب دیا:

"ہاں۔ ہم تمہارے لیے اجنبی ہیں بالکل اس طرح جیسے تم ہمارے لیے اجنبی ہو"۔

"میں پوچھتا ہوں تم کون ہو؟" سوار کو جیسے غصہ آ گیا۔ اس کا لہجہ بڑا کرخت تھا۔

حسین نے نرم لہجہ اختیار کیا:

"یہی سوال میں تم سے پوچھتا ہوں۔ تم کون ہو اور میرے پاس کیوں آئے ہو؟"

پیچھے کھڑے ہوئے عیسائیوں میں سے کسی نے کہا:

"سکاٹ! اجنبی سے کہہ دو، یہ لڑکی ہماری کنیز ہے۔ یہ ہمارے حوالے کر دی جائے۔"

حسین کچھ تلملا گئے۔ ذرا رعب سے بولے:

"یہ کون بدتمیز ہے جو مجھے اپنی رعایا سمجھ کر حکم دے رہا ہے"۔

حسین کی رعب دار آواز سے عیسائی ذرا گھبرا گئے۔ سوار نے بتایا:

"یہ اس علاقے کے جاگیردار ہیں۔ دربارِ ارغون میں ان کا درجہ وزیر کے برابر ہے۔"

"ان سے کہہ دو۔ لڑکی اپنی مرضی سے جانا چاہے تو جا سکتی ہے"۔

حسین کی آواز ذرا بلند ہو گئی:

"اور اگر زبردستی لے جانے کی کوشش کی تو انجام کی ذمے داری تم لوگوں پر ہو گی"۔

ارغونی اپنی جگہ سے چیخ کر بولی:

"نہیں۔ میں ان ظالموں کے ساتھ نہیں جاؤں گی"۔

حسین نے طنزیہ انداز میں کہا:

"سن لیا تم نے۔ واپس چلے جاؤ۔ لڑکی تمہارے ساتھ نہیں جائے گی"۔

جاگیردار چیخ کر بولا:

"پکڑ لو اسے۔ قتل کر دو ان سب کو"۔

حسین سے باتیں کرنے والے عیسائی سوار نے کہا:

"ہٹ جاؤ سامنے سے۔ جاگیردار نے حکم دے دیا ہے۔ ہم لڑکی کو ساتھ لے کر جائیں گے"۔

سوار نے گھوڑا بڑھایا۔ اس کے ہاتھ میں ننگی تلوار تھی۔ حسین نے بجلی جیسی سرعت سے اپنی تلوار نکالی۔ سوار ایک لحظ کے لیے جھجکا۔ پھر اس نے حسین پر بھرپور وار کیا۔

سوار کی تلوار حسین کی تلوار سے ٹکرائی اور پھر سوار کی تلوار اس کے ہاتھ سے چھوٹ کے دور جا گری۔ سوار گھبرا کر پیچھے ہٹ گیا۔

باقی عیسائی سوار پہلے تو حسین کو حیرت سے دیکھتے رہے۔ پھر سب نے مل کر اس پر یلغار کر دی۔ قبل اس کے کہ وہ حسین تک پہنچتے، غفران اور دوسرے مسلم سوار ان کے سامنے آ گئے۔ تلواروں سے تلواریں ٹکرانے لگیں۔

ارغونی اور اس کا باپ دور کھڑے خوف کے مارے کانپ رہے تھے اور حسین اطمینان سے کھڑے اپنے جو...

...رہے تھے۔

مسلمان سواروں نے حملہ کرنے والوں کو پیچھے دھکیل دیا۔ غفران کی تلوار کوندے کی طرح لپک رہی تھی۔ اس کا چہرہ اس وقت جوش سے سرخ ہو رہا تھا اور پھر بوڑھے نے دیکھا کہ غفران عیسائیوں کو دھکیلتا ہوا جاگیردار تک پہنچ گیا۔ اس کی تلوار چمکی اور جاگیردار کا بایاں ہاتھ جھول گیا۔ جاگیردار نے سنبھلنے کی کوشش کی لیکن غفران کا ... روک نہ سکا۔ اس کا بھاری جسم زین سے لٹک گیا۔

بوڑھے نے زور سے نعرۂ تحسین بلند کیا۔

عیسائی بھاگ کھڑے ہوئے پانچ لاشیں چھوڑ کے۔

مسلم سوار فتح یاب ہو کے اپنے سردار حسین کے گرد جمع ہو گئے۔

بوڑھا بہت خوش تھا۔ وہ گھوڑا بڑھا کے غفران کے قریب آیا۔ جیب میں ہاتھ ڈال کے پانچ نگینے نکالے۔ یہ مختلف رنگوں کے تھے۔

بوڑھے نے نگینے ہتھیلی میں رکھ کے ہاتھ غفران کی طرف بڑھا دیا۔ اس نے پوچھا:

"بیٹا تمہیں کونسا رنگ پسند ہے؟"

"ارغوانی"۔ غفران شوخی سے بولا اور کن انکھیوں سے ارغونی کو دیکھنے لگا۔

ارغونی نے گھبرا کر غفران کو دیکھا۔ نظریں ملیں۔ پھر ارغونی کی حجاب آلود نظریں جھک گئیں۔

حسین نے غفران کو گھور کر دیکھا پھر خود ہی مسکرا دیے اور ارغوانی رنگ کا نگینہ بوڑھے نے ہتھیلی سے اٹھا کر غفران کی طرف بڑھا دیا۔

حسین نے بوڑھے سے پوچھا:

"آپ کا گھر کہاں ہے۔ چلیے ہم آپ کو وہاں تک پہنچا دیں"۔

بوڑھے نے افسردگی سے سر جھکا لیا اور آہستہ سے بولا:

"مکان تو یہاں سے کچھ دور دریا کے کنارے ایک چھوٹی سی بستی ہے۔ وہاں میرا گھر تھا لیکن اب وہ ویران ہو گیا ہے ... پوری بستی ویران ہو گئی ہے"۔

ویران بستی کا نام سن کر حسین چونکے۔ پوچھا:

"بزرگ محترم۔ تم اس ویران بستی کا ذکر تو نہیں کر رہے جو یہاں سے مشرق کی جانب آدھی منزل کی مسافت پر ہے"۔

بوڑھے نے حسین کو بڑی حیرانی سے دیکھا:

"ہاں، وہی بستی لیکن تم اس بستی کو کیسے جانتے ہو؟"

حسین مسکرائے:

"بزرگ تم کہتے ہو کہ لاگو جنڈہ کی جنگ میں تم شریک تھے۔ تم نے دیکھا ہوگا کہ مسلمانوں نے جنگ جیتنے کے بعد نہ کسی نہتے کو مارا نہ کسی بستی کو آگ لگائی۔ پھر تمہاری بستی والوں نے مسلمانوں کی آمد کی خبر سن کر بستی کیوں چھوڑی۔ تم ہمارے ساتھ چل کر دیکھ لو ہم نے تمہاری بستی کو ہاتھ تک نہیں لگایا۔ ہمارا لشکر تمہاری بستی کے بالکل قریب خیمہ زن ہے"۔

بوڑھا بڑی حیرانی سے حسین کی باتیں سن رہا تھا۔ اس نے پوچھا:

"مسلمانو۔ کیا طارق بن زیاد کا لشکر یہاں تک پہنچ گیا ہے"۔

"ہاں بزرگ محترم" حسین نے جواب دیا:

"طارق بن زیاد کے ساتھ اب ہمارے بڑے سپہ سالار موسیٰ بن نصیر کا لشکر بھی شامل ہو گیا ہے"

"یسوع مسیح کی تم پہ رحمت ہو"۔

بوڑھے نے اطمینان کی سانس لی:

"اب ہمارے بھی دن پھر جائیں گے اور ان ظالم جاگیرداروں اور گورنروں کے ظلم و ستم سے بھی نجات حاصل ہوگی"۔

پھر ذرا ٹھہر کے بولا:

"......اے آسمانی فرشتو! ہم نے تمہارے ڈر سے اپنی بستی ویران نہیں کی بلکہ ان ظالموں کے خوف سے بستی والے اپنا گھر بار چھوڑ کر پہاڑوں میں چھپ گئے ہیں۔ جاگیرداروں کی لڑائی کا کچھ بھی نتیجہ نکلتا۔ کوئی بھی جاتا لیکن ہماری بستی میں ضرور آگ لگا دی جاتی"۔

"مگر کیوں"۔ حسین کی کچھ سمجھ میں نہ آیا۔

بوڑھے نے کہا:

"یہ حقیقت ہے میرے محسنو کہ پورے ملک ہسپانیہ میں عام رعایا کی کوئی عزت نہیں۔ وہ لونڈی غلاموں سے بدتر ہیں۔ صرف جاگیردار، امرا اور کلیسا والے حکومت کرتے ہیں۔ جنگِ لاگو جنڈہ کے بعد وہ تمام پادری جو دعا کرنے کے لیے اس جنگ میں شریک ہوئے تھے، منحوس اور مجرم قرار دیے گئے۔ ان سے ان کی عزت اور دولت چھین لی گئی۔ میں بھی اپنے عہدے سے معزول کر دیا گیا اور طلیطلہ چھوڑ کر اس بستی میں آ بسا۔ میری بدقسمتی کہ خدا نے ارغونی جیسی پارسا مگر خوبصورت بیٹی دی ہے۔ ہسپانیہ کے قانون نے جاگیرداروں کو یہ اجازت دے رکھی ہے کہ وہ غریب گھرانے کی جس لڑکی کو چاہیں زبردستی اٹھا لے جائیں۔ اس کی کوئی داد فریاد نہیں۔ یہ

دو جاگیردار ارغونی گرجا میں عبادت پڑھ رہے تھے۔ پتہ نہیں یہ دونوں جاگیردار جو ابھی سبزہ زار میں ڈوئل میں (دوبدو مقابلے میں) قتل ہوئے، کیسے گرجا میں پہنچ گئے۔ انھوں نے ارغونی کو دیکھا اور ارغونی ان دونوں کو ایک ساتھ پسند آ گئی۔ وہ دونوں آپس میں گہرے دوست تھے لیکن ارغونی کو حاصل کرنے کے لیے ڈوئل لڑنے پر آمادہ ہو گئے۔ مجھے اطلاع دی گئی اور ارغونی کو بڑے جاگیردار کے پاس بطور امانت رکھا گیا۔ پھر ڈوئل کی تاریخ مقرر ہوئی اور دونوں کو میدان میں بھیج دیا گیا۔

اس علاقے میں یہ سبزہ زار ڈوئل لڑائیوں کے لیے مخصوص ہے۔ ڈوئل میں ایک کے بجائے دونوں جاگیردار مارے گئے۔ تیسرا جاگیردار جو عفران کے ہاتھوں مارا گیا، یہ پہلے جاگیردار کا بھائی تھا۔ اور اپنے سواروں کے ساتھ پہلے ہی سے یہاں آ کر چھپ گیا تھا۔ جب اس کا بھائی مارا گیا تو اس نے دوسرے کو بھی ختم کر دیا۔ اب اس لڑائی کی خبر دونوں جاگیرداروں کے عزیزوں کو ہوگی۔ وہ آپس میں لڑیں گے۔ ہماری آبادی میں اس لیے آگ لگا دیں گے کہ لڑائی کی وجہ ارغونی ہے جس کا تعلق اس بستی سے ہے"۔

حسین اور ان کے ساتھیوں نے بوڑھے کی داستان بڑے غور و تعجب سے سنی۔ حسین بولے:

"بزرگ محترم۔ اب آپ اپنی بستی میں واپس چلیے۔ وہاں ہمارا قبضہ ہے۔ ادھر کوئی آنکھ اٹھا کر بھی نہ دیکھ سکے گا"۔

فتح ہسپانیہ کا پہلا مرحلہ طارق بن زیاد نے مکمل کیا۔

وہ جبرالٹر پر اترے۔ خدا پہ توکل کر کے تمام کشتیوں کو نذرِ آتش کر دیا اور سر سے کفن باندھے آگے بڑھے۔ جدھر رخ کیا، اللہ نے مدد کی اور کامیابی نے قدم چومے۔ ان فتوحات میں عیسائی سردار نواب جولین اور رومی سردار مغیث الرومی نے وفاداری کا ثبوت دیا۔ طارق بن زیاد نے بھی انہیں خوب خوب نوازا۔

ہسپانیہ کی قسمت کا فیصلہ تو دراصل جنگِ لاگو جنڈہ میں ہو گیا تھا جس میں طارق نے اپنے بارہ ہزار مجاہدوں سے شہنشاہ ہسپانیہ راڈرک کے ایک لاکھ مسلح لشکر کو شکستِ فاش دی تھی لیکن طارق کو اس جنگ کے بعد معلوم ہوا کہ شہنشاہ راڈرک کے بعد بھی ابھی ایسے ایسے گورنر اور صوبیدار موجود ہیں جنہیں زیر کرنا راڈرک کو ہرانے سے کم نہیں۔

طارق نعرۂ تکبیر بلند کرتے آگے بڑھے اور مدونہ شدونہ، قرمونہ، قرطبہ، اسی جا اور طلیطلہ پر پرچمِ اسلام

لہرادیا۔

انھوں نے طلیطلہ سے قدم بڑھائے تو اپنے آقا، والیِ قیروان کے ہسپانیہ آنے کی خبر ملی، چنانچہ انھوں نے پیش قدمی روک دی اور آقا کی قدمبوسی کے لیے چلے۔

اسی جا کے قریب دونوں سرداروں کی ملاقات ہوئی۔ موسیٰ بن نصیر کو طارق سے شکایت تھی کہ ان کے روکنے کے باوجود طارق نے لاگو جنڈہ سے آگے بڑھنے کی کیوں کوشش کی۔ موسیٰ کا شکوہ بجا تھا لیکن طارق نے مصلحتاً فتوحات کا سلسلہ جاری رکھا تھا تاکہ مفتوحہ علاقے رعب میں رہیں اور کوئی بغاوت یا سازش نہ ہو سکے۔ دونوں اپنی اپنی جگہ صحیح تھے۔

موسیٰ نے پھر بھی طارق کو سرزنش کی۔ یہاں تک کہ ..... کوڑا بھی اٹھایا اور قید میں بھی ڈالا لیکن اس مردِ مجاہد نے اف تک نہ کی بلکہ جب اسے قید سے رہائی ملی تو پہلے سے زیادہ وفاداری کا اظہار کیا۔

موسیٰ بھی طارق کے تجربے سے فائدہ اٹھاتے تھے۔ دلوں کی کدورتیں دور ہوئیں تو دونوں سردار سر جوڑ کر بیٹھے اور نئی فتوحات کا منصوبہ بنایا۔

ارغوان کا صوبہ چاروں طرف سے پہاڑوں اور جنگلوں میں گھرا ہوا تھا۔ وہاں تک رسائی ممکن نہ معلوم ہوتی اسی لیے والیِ ارغوان ہمیشہ سرکشی پر آمادہ رہتا تھا۔ شہنشاہیت کے زمانے میں بھی اس نے کئی بار علمِ بغاوت بلند کیا لڑائیاں ہوئیں اور پھر صلح ہو گئی ...... لیکن اس کی سرکشی دور نہ ہوئی۔

موسیٰ بن نصیر نے سب سے پہلے ارغوان کی فتح کا ارادہ کیا۔ طلیطلہ سے لشکرِ اسلام نے کوچ کیا راستے کے چھوٹے چھوٹے قلعے مدافعت کی تاب نہ لاتے ہوئے مطیع ہو گئے اور موسیٰ بڑھتے بڑھتے ارغوان کی حدود تک پہنچ گئے یہاں مشکل یہ پیش آئی کہ عیسائی راہبر جو طلیطلہ سے ساتھ لیے گئے تھے وہ خود راستہ بھول گئے۔ لشکر کئی دن ادھر ادھر بھٹکتا رہا۔ پھر موسیٰ نے ایک ویران بستی کے قریب قیام کیا اور حسین بن عبداللہ کو آگے بھیجا تاکہ راستہ تلاش کریں یا کسی معقول راہبر کی خدمات حاصل کریں۔

حسین بن عبداللہ کو ارغونی اور اس کا باپ ملے تو انہیں امید کی ایک کرن نظر آئی۔ ارغونی کا باپ ارغوان کے تمام راستوں سے پوری طرح واقف تھا۔ وہ حسین کا احسانمند تھا۔ اس نے حسین سے وعدہ کیا کہ وہ لشکرِ اسلام کو ارغوان کے اندر لے جائے گا۔

حسین نے واپس آتے ہی موسیٰ سے بوڑھے پادری اور اس کی بیٹی کا ذکر کیا اور جو کچھ سبزہ زار میں ہوا تھا وہ بیان کر دیا۔

موسیٰ نے پادری کو اسی وقت اپنے پاس بلوایا۔

حسین بوڑھے کو لے کر موسیٰ کے پاس آئے۔ بوڑھے نے موسیٰ کو ادب سے سلام کیا۔

موسیٰ نے کہا:

"بزرگ پادری۔ ہم نے لشکرِ اسلام میں منادی کرا دی ہے کہ کسی بوڑھے، بچے یا عورت پر ہاتھ نہ اٹھایا جائے کھیتوں اور کھیتیوں کو برباد نہ کیا جائے۔ کلیساؤں اور پادریوں کا احترام کیا جائے۔ آپ پہاڑوں پر جائیں۔ اپنی بستی والوں سے کہہ دیں کہ وہ بے خطر واپس آ جائیں"۔

بوڑھے نے کہا:

"قابلِ احترام سردارِ اعلیٰ! میں جانتا ہوں کہ جو باتیں آپ نے بیان کی ہیں، ان کی منادی آپ نے ضرور کرائی ہو گی۔ آپ کے سردار طارق بن زیاد بھی جنگِ گاڈلیٹ کے بعد انہی باتوں کی منادی کراتے تھے لیکن میری بستی والے شاید واپس نہ آئیں۔ ان کے دلوں سے آپ کا خوف تو دور کیا جا سکتا ہے لیکن وہ جاگیرداروں کے خوف کی وجہ سے واپس نہیں آئیں گے"۔

موسیٰ کچھ سوچتے ہوئے بولے:

"جاگیرداروں کے پاس کتنا بڑا لشکر ہے"۔

"ان کے پاس لشکر نہیں ہے"۔ بوڑھے نے بتایا:

"یہاں کے ہر جاگیردار کو پانچ سو سوار رکھنے کی اجازت ہے"۔

موسیٰ نے کہا:

"اس کا مطلب ہے کہ وہ پانچ سو سواروں سے حملہ کریں گے اور اگر دونوں جاگیردار مل گئے تو ان کے سواروں کی تعداد ایک ہزار ہو جائے گی"۔

"جی ہاں۔ ایسا ممکن ہے۔ چونکہ دونوں طرف کے جاگیردار مارے گئے ہیں۔ اس لیے ممکن ہے کہ وہ آپس میں مل جائیں۔ ارغونی کو حاصل کرنے یا انتقام لینے کے لیے بستی پر حملہ کر دیں"۔

موسیٰ نے طارق سے کہا:

"طارق۔ ایک ہزار کا دستہ بستی کی حفاظت کے لیے بھیج دیا جائے"۔

پھر وہ بوڑھے سے مخاطب ہوئے:

"بزرگ پادری۔ ہم نے آپ کی بستی کی حفاظت کا انتظام کر دیا ہے۔ اب آپ اپنی بستی کے لوگوں کو سمجھا بجھا کر بستی میں لے آیئے"۔

بوڑھا اس انتظام سے بہت خوش ہوا۔ اس نے موسیٰ کو دعا دی: "آپ پر یسوع مسیح کی برکت ہو۔ میں بستی والوں

کو واپس لانے کی کوشش کروں گا۔"

بوڑھا اٹھ کر چلنے لگا۔ پھر نہ جانے کیا خیال آیا کہ پریشان سا ہو گیا۔ بولا:

"مگر سردار۔ میری بیٹی۔ ۔ ۔ ۔"

"تمہاری بیٹی ہماری بیٹی ہے محترم بزرگ۔"

موسیٰ بن نصیر نے پادری کی زبان بند کر دی۔

پادری کو کوئی جواب نہ سوجھا۔ اب جواب کی ضرورت بھی نہ تھی۔ وہ چپ چاپ اپنی بستی والوں کی طرف چلا گیا۔ اس کی بیٹی ارغونی نے اپنی بستی میں رہنے کی خواہش کی۔ اس کا بھی انتظام کر دیا گیا۔

بستی کے لیے حفاظتی دستہ تیار ہونے لگا تو غفران نے حسین کی خوشامد کر کے خود کو اس دستے میں شامل کر لیا۔ وہ ارغونی کے قریب رہنا چاہتا تھا۔

☾

بوڑھے پادری کو علم تھا کہ اس کے لوگ کہاں پوشیدہ ہیں۔ اسے تلاش کرنے میں کوئی پریشانی نہ ہوئی۔ جب اس نے بستی والوں کو بتایا کہ ارغونی کو حاصل کرنے کے خواہشمند ہر دو جاگیردار مارے جا چکے ہیں اور لشکر اسلام ان کی بستی کے پاس آ کر خیمہ زن ہوا ہے تو پہلے وہ بہت پریشان ہوئے۔ ہسپانیہ کے شکست خوردہ لشکری جو پورے ملک میں پھیل گئے تھے، انھوں نے مسلمانوں کے متعلق بہت سے غلط تاثرات پیدا کر دیے تھے اور مسلمانوں کا انتہائی بھیانک نقشہ ان کے سامنے پیش کیا تھا کہ مسلمانوں سے نفرت کے ساتھ ساتھ وہ ان سے بہت زیادہ خوف زدہ بھی ہو گئے تھے۔

پادری کو انھیں قائل کرنے میں کافی سر مارنا پڑا۔ پھر جب پادری نے انھیں یقین دلایا کہ مسلمانوں کی موجودگی میں جاگیردار بستی کی طرف رخ کرنے کی جرأت نہیں کر سکتے اور اگر انھوں نے ایسی حماقت کی تو مسلمانوں کا ایک ہزار کا دستہ ان کی اچھی طرح مزاج پرسی کرے گا۔ تب جا کے وہ کچھ مطمئن ہوئے اور ایک ایک دو دو کر کے بستی میں واپس آتے گئے۔ اس طرح تمام بستی والوں کو واپس آنے میں ایک ہفتہ لگ گیا۔ موسیٰ بن نصیر کا لشکر اس وقت تک وہیں رہا تھا۔

جاگیرداروں کو شاید یہ خبر ہو گئی تھی کہ اجنبی لشکر بستی کے قریب خیمے لگائے پڑا ہے اس لیے انھوں نے بستی کو نذر آتش کرنے اور ارغونی کو حاصل کرنے کی کوشش نہ کی۔

غفران اور ارغونی کو اس دوران کئی بار کھل کر باتیں کرنے کا موقع ملا۔ ارغونی اگرچہ غفران کو اس کی بہادری اور دین کی وجہ سے پسند کرنے لگی تھی لیکن ابھی تک اسے غفران پر پوری طرح اعتماد نہ ہوا تھا۔ ارغونی اکثر اپنے غفران کے بارے میں سوال کرتی۔ اس کا دل فوراً غفران جیسے جوان کو پسند کرنے کا مشورہ دیتا لیکن ارغونی کا ذہن اسے روکتی اور سمجھاتی کہ اجنبیوں اور پردیسیوں کا کیا اعتبار۔ یہ لوگ کسی وقت بھی واپس جا سکتے تھے۔ اس کی عقل نے فی الحال اسے غفران کی طرف بڑھنے سے روک دیا۔

غفران، بستی کے حفاظتی دستے میں شامل تھا اور بستی ہی میں رہا کرتا تھا۔ وہ دن میں کئی بار ارغونی کے گھر کے آگے سے گزرتا لیکن وہ گھر کے اندر نہ جاتا۔ موسیٰ بن نصیر نے لشکریوں کو حکم دے رکھا تھا کہ کوئی فوجی، کسی شہری کے گھر اس کی مرضی کے بغیر قدم نہ رکھے۔ اگر گھر کے باہر اسے کہیں ارغونی مل جاتی تو ضرور باتیں کرتا۔ پھر جب ارغونی کا باپ اسے کسی دن کھانے پر مدعو کرتا تو وہ پادری کے ساتھ چلا جاتا۔

اس دن بوڑھا پادری، موسیٰ بن نصیر سے مل کے واپس آیا تو غفران اس کے گھر کے قریب گشت پر تھا۔ عام موقعوں پر پادری اسے اپنے پاس بلاتا اور کھانے کی دعوت دے کر ساتھ ہی گھر لے جاتا لیکن اس گھڑی پتہ نہیں پادری کو کیا ہوا کہ وہ آہستہ آہستہ سر جھکائے اپنے گھر کے قریب پہنچا اور بغیر کسی طرف دیکھے اندر چلا گیا۔ یہ پادری کے معمول کے خلاف تھی۔

غفران کو فکر پیدا ہوئی۔ پادری صبح کو جب موسیٰ کے پاس گیا تھا تو بڑا خوش و خرم تھا۔ دو دن پہلے موسیٰ نے اعلان کرایا تھا کہ جن کاشتکاروں کے پاس جتنی زمین ہے وہ اس کے مالک بنائے جاتے ہیں۔ جاگیرداروں سے اس کا تعلق ختم کر دیا گیا۔

غفران کی پادری سے کئی دن سے ملاقات نہ ہوئی تھی۔ اس نے سوچا تھا کہ آج جب پادری لشکر گاہ سے واپس آئے گا تو وہ اسے جاگیرداری کے خاتمے کی مبارکباد دے گا اور اگر پادری نے اسے کھانے کی دعوت دی تو ارغونی سے بھی دو دو باتیں ہو جائیں گی۔

لیکن غفران کی امیدوں پر اوس پڑ گئی۔ اس کے ارمانوں کا خون ہو گیا۔ پادری بغیر اس کی طرف توجہ دیے اندر چلا گیا تھا اور صبح تک اس کے باہر آنے کی امید نہ تھی۔

پادری کی افسردگی ایسی نہ تھی جسے ارغونی محسوس نہ کرتی۔ لے دے کے اس کے لیے باپ ہی تو ایک ہستی تھی۔ وہی ماں وہی باپ۔

ارغونی نے باپ کے گلے میں بانہیں ڈال دیں:

"کیا ہوا بابا۔ بستی والے تو آج رات جشن منانے کا انتظام کر رہے ہیں۔ تم کیوں خاموش ہو بابا؟"

"ان کی خوشی بجا ہے بیٹی"۔ پادری افسردگی سے بولا:

"انہیں جاگیرداروں کے چنگل سے نجات ملی ہے۔ وہ چراغاں کریں۔ جشن منائیں۔ سب ٹھیک ہے۔ مسلمانوں کا یہ احسان بستی والے نہیں بھول سکتے"۔

"لیکن تم کیوں خاموش ہو بابا"۔ ارغونی نے پوچھا:

"بابا۔ کیا تمہیں خوشی نہیں ہوئی؟"

"ہوئی ہے خوشی بیٹی"۔ پادری نے ارغونی کو سینے سے لگاتے ہوئے کہا:

"لیکن اب مسلمان مجھے ایک ایسی خدمت سونپ رہے ہیں جس کے لیے میرا دل نہیں مانتا"۔

"بابا۔ مسلمان جو بھی خدمت آپ کے سپرد کریں آپ کو فوراً قبول کر لینی چاہیے"۔ ارغونی باپ کے سینے سے الگ ہوتے ہوئے بولی:

"کیا ان کے احسانات ہم پہ کچھ کم ہیں؟"

"لیکن بیٹی۔ ۔ ۔ ۔ ۔" پادری کہتے کہتے رکا۔

ارغونی غمگین ہو گئی:

"بابا۔ اگر آپ کوئی بات مجھ سے چھپانا چاہتے ہیں تو میں ضد نہ کروں گی لیکن اگر آپ نے مسلمانوں کی خدمت میں ذرا بھی کوتاہی کی تو مجھے افسوس ہو گا۔ کیا وہ یہ نہ سوچیں گے کہ یسوع مسیح کے ماننے والے بے مروّت اور احسان فراموش ہوتے ہیں"۔

"میں اسی الزام سے بچنا چاہتا ہوں ارغونی"۔ پادری یوں بولا جیسے وہ کسی شدید تکلیف میں مبتلا ہے۔

"پھر آپ کیوں پریشان ہیں؟"

ارغونی نے پھر باپ کے گلے میں باہیں ڈال دیں:

"اگر مسلمان وقت پہ ہماری مدد نہ کرتے تو آج میں آپ کے پاس نہ ہوتی۔ جاگیردار مجھے اپنی داشتہ بنا لیتا اور آپ۔ ۔ ۔ ۔ آپ کا پتہ نہیں کیا بنتا۔ مجھے مسلمانوں کی وجہ سے ایک نئی زندگی ملی ہے۔ بابا! کوئی خدمت اس احسان سے بڑی نہیں ہو سکتی"۔

"ارغونی۔ مجھے ایک بات کا جواب دے"۔

پادری، ارغونی کی باتوں سے بڑا متاثر ہوا:

"اگر تجھ سے یہ کہا جائے کہ مسلمانوں کے لشکر کو صحیح راستہ دکھا اور انہیں ارغوان کے دارالحکومت سرقوسہ تک پہنچا دے تو کیا سوچے گی۔ کیا کرے گی"۔

"میں اس خدمت کو بخوشی بجا لاؤں گی بابا"۔ ارغونی نے فوراً جواب دیا۔

پادری نے اپنے خدشہ کا اظہار کیا:

"بیٹی کیا ہم غیر عیسائیوں کو راستہ دکھا کر اپنے عیسائی بھائیوں پر ظلم نہیں کریں گے؟ کیا مسلمان، عیسائی پر غالب نہ ہو جائیں گے؟ اور کیا پورے ارغوان میں تباہی و بربادی نہ پھیل جائے گی؟"

"بابا۔ یہ آپ کیا کہہ رہے ہیں؟"

ارغونی نے باپ کو سمجھانے کی کوشش کی:

"اگر ہم سانپ کا سر کچلنے میں کسی کی مدد کریں تو اس سے نہ تو ہمارے مذہب پہ کوئی حرف آئے گا اور نہ ہی یسوع مسیح ہم سے ناراض ہوں گے۔ ارغوان کے جاگیردار اور گورنر ایسے سانپ ہیں جو غریبوں، مزدوروں ت کاروں کا خون چوستے ہیں۔ ۔ ۔ ۔ ۔ زمین ہم کاشت کرتے ہیں۔ موسموں سے ہم لڑتے ہیں لیکن زمینوں میں پیدا ہونے والی چیزوں کے مالک جاگیردار ہوتے ہیں۔ مزدوروں سے بیگار لی جاتی ہے۔ انھیں ری نہیں دی جاتی۔ غریب اور متوسط طبقے کو اپنی لڑکیوں کی شادی کرنے کی بھی اجازت نہیں۔ لڑکیاں بھیڑ ریوں کی مانند ہیں۔ جس جاگیردار کا جی چاہتا ہمیں پکڑ کر لے جاتے۔ ہم ان کی بیویاں نہیں بن سکتیں۔ زندگی بھر شتہ بن کر ان کی خدمت کرتی ہیں"۔

"بس کر بیٹی۔ بس کر"۔ پادری بے چین ہو گیا:

"لیکن بیٹی! عیسائی پھر ہمارے بھائی ہیں۔ غیر مذہب والوں سے تو بہر طور بہتر ہیں۔ ہم غیر ملکیوں کو اپنے پٹخنے سے کیسے خوش ہو سکتے ہیں"۔

"بابا۔ ۔ ۔ ۔" ارغونی کا لہجہ باغیانہ ہو گیا:

"میں ایسے بھائیوں پر لعنت بھیجتی ہوں جو اپنی بہنوں کو کنیزیں بنا لیں۔ آپ نے دیکھا نہیں کہ جب مسلمان کھانا کھانے بیٹھتا ہے تو اس کے ساتھ سپاہی بھی شامل ہوتے ہیں۔ وہ ایک ساتھ اٹھتے بیٹھتے اور دت کرتے ہیں۔ آپ پادری ہیں۔ مذہب کو آپ مجھ سے بہتر سمجھتے ہیں لیکن مجھے یقین نہیں آتا کہ خداوند مسیح نے ظالموں کو چھوٹ دے رکھی ہے۔ ۔ ۔ ۔ ۔ وہ جو چاہے کریں۔ انہیں کوئی نہیں روک سکتا۔ گورنر ہماری یاد نہیں سنتا۔ جاگیردار اپنے اپنے علاقوں کے مالک بنے ہوئے ہیں اور رعایا ان کی ملازم ہے"۔

"ارغونی بیٹی۔ ایسی باتیں منہ سے نکال کر گنہگار نہ ہو"۔ پادری نے بیٹی کو محبت سے سمجھایا:

"ہمارے مذہب، روایات اور معاشرے میں دو ہی طاقتیں ہیں۔ ایک بادشاہ کی، دوسری کلیسا کی۔ ان کی عت اور فرمانبرداری ہمارا فرض ہے"۔

"بابا۔ میں مسلمانوں کا ساتھ دوں گی" ارغونی نے فیصلہ کن انداز میں کہا:
"اگر آپ مسلمانوں کی یہ خدمت کرنا نہیں چاہتے تو گھر میں بیٹھ جائیے۔ میں مسلمانوں کے لشکر کو مرو زر پہنچاؤں گی۔ مجھے گورنر اور جاگیرداروں کو ختم کرا کے خوشی ہوگی۔ ظالموں کا خاتمہ ضروری ہے۔ خداوند یسوع مسیح نے یہی کہا تھا"۔

پادری سے کوئی جواب نہ بن پڑا۔ وہ حیرت سے ارغونی کا منہ تکنے لگا۔

ارغونی بڑے جوش میں تھی، بولی:
"بابا۔ بتائیے۔ کیا خدا نے یہی کہا ہے کہ ظالموں کے ہاتھ مضبوط کرو۔ مجھے مقدس کتاب دکھائیے۔ کہاں پہ لکھا ہے کہ بادشاہ اور اس کے جاگیرداروں کو ظلم کرنے کا حق حاصل ہے"۔

پادری کے پاس اس کا بھی جواب نہ تھا۔
مقدس انجیل میں تو کہیں بھی یہ نہیں لکھا کہ بادشاہ ظلم کرے اور جاگیردار کنواری لڑکیوں کو پکڑ کر اپنی داشتہ بنا لیں۔

"مقدس کتاب میں یہ تو نہیں لکھا ہے ارغونی لیکن ......" پادری کا لہجہ نرم پڑ گیا:
"لیکن ہم رسم و رواج کے پابند ہیں۔ یہ تو ہوتا رہا ہے اور ہوتا رہے گا"۔
"میں اب یہ نہیں ہونے دوں گی بابا"۔
ارغونی اٹھ کے کھڑی ہوگئی:
"میں ابھی مسلم سردارِ اعلیٰ کے پاس جاتی ہوں۔ میں انہیں اپنی خدمات پیش کروں گی۔ میں احسان فراموش نہیں ہوں بابا"۔

پادری اور نرم پڑ گیا اور بولا:
"بیٹی جلدی نہ کر۔ مجھے سوچنے کا موقع دے۔ مجھے جواب کل تک دینا ہے"۔
ارغونی چپ ہوگئی۔ اس نے باپ کے کپڑے اور جوتے اتارنے میں مدد دی۔
کھانا کھاتے ہوئے پادری نے پوچھا:
"آج مجھے کہیں عفران نہیں دکھائی دیا۔ کیا وہ آیا تھا؟"
عفران کے نام پر ارغونی کے دل کی دھڑکن تیز ہوگئی۔ نظریں جھکا کر بولی:
"نہیں بابا۔ وہ آپ کی غیر موجودگی میں کبھی نہیں آتے"۔
"بڑا نیک بچہ ہے"۔

پھر دونوں کھانا کھانے میں مشغول ہوگئے۔ باتوں کا سلسلہ دونوں طرف سے ختم ہوگیا۔
رات پادری بہت دیر سے گرجا سے لوٹا ـــــ لیکن جب وہ آیا تو اس کا دل ہلکا تھا۔ ارغونی اس کا انتظار کر رہی تھی۔ باپ کو خوش دیکھ کر وہ بھی خوش ہوگئی۔

پادری نے کہا:
"ارغونی! مجھے عبادت کرتے کرتے اتنا زمانہ ہوگیا لیکن قلب میں وہ صفائی پیدا نہ ہوسکی جو تیرے اندر بغیر عبادت کیسے موجود ہے"۔
پادری نے بیٹی کا ماتھا محبت سے کئی بار چوما۔ ارغونی کو فکر تھی کہ نہ معلوم بابا نے کل کے لیے کیا فیصلہ کیا۔ اس نے پوچھا:
"بابا تم نے کل کے لیے کیا فیصلہ کیا؟"
"جو تو نے فیصلہ کیا بیٹی"۔ پادری بے جھجک بولا۔
ارغونی دوڑ کر باپ کے سینے سے لگ گئی۔
پادری نے کہا: "ارغونی۔ میں نے خداوند یسوع مسیح سے دعا کی کہ وہ میری رہنمائی کریں۔ میں نے تیرے لیے بھی دعا مانگی۔ تو مجھے عیسائیت سے باغی نظر آ رہی تھی۔ مجھے ہدایت مل گئی۔ خداوند نے میری رہنمائی فرمائی"۔
"وہ کس طرح بابا؟" ارغونی نے تعجب سے پوچھا۔
"یہ میں خود بھی بیان نہیں کرسکتا"۔ پادری نے اسے بتایا:
"جب میں صدقِ دل سے اپنے خداوند کو یاد کرتا ہوں تو یوں محسوس کرتا ہوں کہ جیسے میں اس کے حضور کھڑا ہوں۔ اور میرا دل خود بولنے لگتا ہے۔ میرے ہر سوال کا جواب دیتا ہے"۔
ارغونی مسکرائی۔ پوچھا:
"پھر تمہارے دل نے کیا جواب دیا بابا"۔
"میرے دل نے کہا"۔ پادری اس کے سر پہ ہاتھ پھیرنے لگا:
"میرے دل نے کہا کہ ارغونی کا قلب صاف ہے۔ اس سے ہدایت لے۔ بیٹی یہ دراصل دل نہیں بولتا بلکہ خدا کی آواز ہوتی ہے۔ بندہ اس سے رجوع کرے تو اسے ہر بات کا جواب مل جاتا ہے ـــ صرف خلوص کی ضرورت ہے"۔

دوسرے دن لشکرِ اسلام میں کوچ کا غلغلہ اٹھا۔ پادری نے لشکر کی رہنمائی کا فرض قبول کرلیا۔ پادری

کے ساتھ ارغونی بھی سرقوسہ جا رہی تھی۔ اس نے باپ کا ساتھ چھوڑنا پسند نہ کیا۔

○

موسیٰ بن نصیر نے لشکرِ اسلام کے دو حصے کر دیے۔ ایک حصے کو طارق بن زیاد کے زیرِ کمان کیا دوسرا حصہ اپنے ساتھ رکھا۔

موسیٰ بن نصیر کے آ جانے سے طارق بن زیاد کی شخصیت پس منظر میں چلی گئی تھی۔ موسیٰ کے لیے ان کی اہمیت تو رکھتی تھی لیکن عمل دخل سب موسیٰ ہی کا تھا۔ وہ طارق سے مشورہ ضرور لیتے لیکن یہ ان کی مرضی تھی کہ اس پر عمل کریں یا نہ کریں۔ اب انھی کا حکم چلتا تھا اور تمام فیصلے وہ خود کرتے تھے۔

ارغوان کا پورا علاقہ سنگلاخ پہاڑیوں سے گھرا ہوا تھا۔ تنگ گھاٹیاں اور درّے ایسے تھے کہ دو سوار برابر نہیں چل سکتے تھے۔

روانگی سے پہلے موسیٰ، طارق اور پادری میں بڑی تفصیلی گفتگو ہوئی۔ نواب جولین کو بھی اس گفتگو میں شریک کیا گیا تھا لیکن یہودی سردار مغیث الرومی کو کوئی اہمیت نہ دی گئی۔ اسے واپس طلیطلہ بھیج دیا گیا اور حکم ہوا کہ واپسی تک وہ طلیطلہ میں رہے۔

پادری نے بتایا:

"ارغوان پر حملے کی ناکامی کی دو وجوہات ہیں۔ ایک تو شب خوں۔ دوسرے تنگ درے اور گھاٹیاں۔ ہسپانیہ کا شاہی لشکر جب بھی ارغوان پر حملہ آور ہوا۔ انھی دو چیزوں کا شکار ہو کر رہ گیا۔"

موسیٰ نے کہا:

"شب خوں کا تو انتظام کیا جا سکتا ہے لیکن تنگ دروں کا علاج کیا کیا جائے۔"

"اس کی ترکیب ہو سکتی ہے کہ تنگ دروں سے گزرنے سے پہلے ان کی اردگرد کی پہاڑیوں پر قبضہ کر لیا جائے۔"

پادری کی یہ ترکیب بڑی مناسب اور قابلِ قبول تھی۔ موسیٰ نے اس کی داد بھی دی اور اس پر عمل کرنے کا بھی فیصلہ کیا۔

طارق نے آہستگی سے مشورہ دیا:

"آقائے محترم! اگر آپ کا حکم ہو تو میں اپنے لشکر کو میدانِ جنگ کی طرح ترتیب دے کر ارغوان میں داخل ہوں۔"

موسیٰ بن نصیر سوچتے ہوئے بولے:

"تمہارا مطلب ہے لشکر کو دائیں بائیں دور دور تک پھیلا دیا جائے اور میمنہ، میسرہ اور قلب قائم کیا جائے۔ اس طرح لشکر دس پندرہ میل کے وسیع علاقے میں پھیل کر آگے بڑھے گا۔"

پھر خود ہی فیصلہ کیا:

"طارق۔ تمہاری رائے قابلِ عمل ہے۔ اس طرح جب ہمارا لشکر کسی تنگ درے سے گزرے گا تو اس کے دائیں بائیں دور دور تک ہمارا قبضہ ہو چکا ہو گا۔ اس ترکیب سے ہم شب خوں سے بھی محفوظ رہ سکتے ہیں۔"

طارق بن زیاد نے جو رائے دی تھی وہ اس قدر روزنی اور اعلیٰ تھی کہ ارغوان کے حملے کے دوران اس پر عمل کیا گیا اور کامیابیاں اس کی رہینِ منّت رہیں۔

لشکرِ اسلام کی روانگی سے سب ہی خوش تھے۔

بستی والے خوش تھے کہ انہیں جاگیرداروں کے ظلم سے ہمیشہ کے لیے نجات مل گئی تھی۔ وہ اپنی زیرِ کاشت زمینوں کے خود مالک بن گئے تھے۔ لشکرِ اسلام اس لیے خوش تھا کہ نئی فتوحات کا سلسلہ پھر شروع ہو رہا تھا۔ یہودی موسیٰ کے حکم کے تحت طلیطلہ واپس چلے گئے تھے۔ وہ اس لیے خوش تھے کہ ان کا طلیطلہ جانا ہی مناسب تھا۔ انہوں نے محسوس کر لیا تھا کہ موسیٰ بن نصیر اپنے نائب طارق بن زیاد کے ان سرداروں کو اچھی نظر سے نہیں دیکھتے، جنہوں نے ان کے آنے سے قبل بڑے بڑے کارنامے انجام دیے اور اعزاز بھی حاصل کیے۔

اگر کوئی خوش نہ تھا تو وہ منچلا جوان عفران تھا۔ اس کی جانِ بہار ارغونی نے لشکرِ اسلام کے ساتھ جانے کا فیصلہ کیا تھا۔ اس کا باپ، طارق بن زیاد کی رہنمائی پر مقرر ہوا تھا اور ارغونی نے موسیٰ بن نصیر کے لشکر کی رہنمائی کی ذمہ داری قبول کی تھی۔

طارق بن زیاد کا لشکر پہلے کوچ کرنا تھا۔ اس کے دو دن بعد موسیٰ بن نصیر کو اپنے لشکر کے ساتھ طارق کے پیچھے روانہ ہونا تھا۔ عفران کے پاس ارغونی سے ملنے کے لیے صرف دو دن تھے۔

عفران صبح ہی سے ارغونی کے گھر کے پاس منڈلا رہا تھا۔ ارغونی اور اس کا باپ رات کو دیر سے خیمہ گاہ سے لوٹے تھے۔ وہ جب واپس آئے تو ان کے ساتھ دو محافظ سوار بھی تھے۔ عفران اس وقت گھر کے قریب ہی تھا لیکن محافظوں کی موجودگی میں اس نے باپ بیٹی سے ملنا مناسب نہ خیال کیا اور واپس چلا گیا۔ اب صبح سے اس نے پھر چکر لگانے شروع کر دیے تھے۔

دن چڑھے ارغونی کا باپ گھر سے نکلا۔ شاید وہ خیمہ گاہ کی طرف جا رہا تھا۔ عفران گھوڑا بڑھا کر اس کے پاس پہنچا۔ گھوڑے سے اتر کر ادب سے اسے سلام کیا۔

پادری نے اسے دعا دی اور مسکرا کر پوچھا:

"عفران بیٹے۔ تم کئی دن سے دکھائی نہیں دیے۔ کہاں چلے گئے تھے"۔

عفران کا دل چاہا کہ کہے:

"اے بزرگ۔ میں تو اس گلی کے چکر لگاتے لگاتے تھک گیا ہوں لیکن......"

لیکن اس نے کہا:

"بزرگ محترم! میں خیمہ گاہ گیا ہوا تھا۔ اس لیے سلام کو حاضر نہ ہو سکا"۔

"خیمہ گاہ"۔ پادری نے حیران ہو کر پوچھا،

"میں تو وہاں دن بھر رہتا ہوں۔ تم مجھے کہیں نظر نہیں آئے"۔

"میں نے کل رات آپ کو واپس آتے دیکھا تھا۔ رات زیادہ ہو گئی تھی۔ میں نے مناسب خیال نہ کیا کہ آپ کو پریشان کر دوں"۔

عفران نے یونہی بات بنائی تھی۔ رات محافظوں کی وجہ سے وہ پادری سے نہیں ملا تھا۔

پادری مسکرایا۔ بولا،

"عفران۔ جب تم جانتے تھے کہ میں گھر میں موجود ہوں تو صبح سے آ گئے ہوتے۔ اب تو میں سردارِ اعلیٰ کے پاس جا رہا ہوں۔ کل لشکر کی روانگی ہے نا۔ تم گھر چلے جاؤ۔ ارغونی بھی تمہیں پوچھ رہی تھی"۔

"گھر...... لیکن......" عفران کہتے کہتے رک گیا۔ وہ یہ نہیں کہنا چاہتا تھا کہ سردارِ اعلیٰ نے لشکریوں کو کسی کے گھر میں جانے سے منع کر دیا ہے۔

پادری نے چلتے ہوئے کہا:

"تم بہت شرمیلے ہو عفران۔ میں نے تمہیں گھر میں آنے سے کب روکا ہے۔ تم جب چاہو آ سکتے ہو۔ مجھے تم پر پورا پورا اعتبار ہے عفران۔ ہاں اگر ارغونی......"

پادری کو پیچھے سے کسی کی آواز سنائی دی۔

پادری اور عفران نے ایک ساتھ مڑ کر دیکھا۔ ارغونی آوازیں دیتی، بھاگتی چلی آ رہی تھی۔ وہ قریب آئی تو اس کی سانس پھولی ہوئی تھی۔ عفران کو دیکھ کر وہ شرما گئی۔

"کیا ہوا ارغونی بیٹی۔ بھاگتی کیوں آ رہی ہو؟" پادری نے اسے پیار سے دیکھا۔

ارغونی خود کو سنبھالتے ہوئے بولی:

"بابا۔ میں یہ کہنے آئی تھی کہ آپ سردار سے پوچھ لیں۔ مجھے اپنے ساتھ...... کون کون سا سامان لے جانا ہے..."

"تو کسی کی برات میں نہیں جا رہی ارغونی"۔ پادری ہنسنے لگا:

"سردارِ اعلیٰ نے اسلحہ کے علاوہ اپنے ہر سوار کو صرف ایک پیالہ اور پانی کی ایک چھاگل دی ہے۔ اس پیالے میں پانی بھی پیتے ہیں اور کھانے کے لیے بھی انہیں یہی پیالہ استعمال کرنا ہو گا۔ ہمارے پیدلوں کے پاس تو یہ بھی نہیں ہے"۔

"بابا۔ سردارِ اعلیٰ کو پیالوں کی کیا کمی تھی"۔ ارغونی نے تعجب سے کہا:

"وہ حکم دیتے تو لاکھوں پیالے دم کے دم میں حاضر کر دیے جاتے"۔

پادری نے کہا:

"تیرے اس سوال کا جواب تو عفران ہی دے سکے گا۔ اچھا...... میں چلا۔ اب تم باتیں کرو۔ میری مانو تو گھر چلے جاؤ اور آرام سے بیٹھ کے گفتگو کرو"۔

"نہیں نہیں۔ آپ فکر نہ کریں"۔ عفران جلدی سے بولا:

"ہم یہیں کھڑے باتیں کریں گے"۔

پادری مسکراتا ہوا آگے بڑھ گیا۔ ارغونی حیرت سے عفران کا منہ دیکھنے لگی۔

ارغونی حیرت سے پوچھنے لگی:

"عفران۔ تمہیں میرے ساتھ گھر چلنے میں کیا اعتراض ہے۔ بابا نے تمہیں خود ہی اجازت دی ہے"۔

عفران نے اسے محبت سے دیکھتے ہوئے کہا:

"ارغونی۔ بابا نے اجازت دی ہے لیکن سردارِ اعلیٰ کا حکم نہیں ہے"۔

"میں سمجھی نہیں"۔ ارغونی نے الجھتے ہوئے کہا:

"تم بستی کے محافظ ہو۔ تم تو ہر گھر میں جا سکتے ہو"۔

"نہیں ارغونی"۔ عفران نے بتایا:

"جنگ ہو رہی ہو تو ہم دشمن کا پیچھا اس کے گھر میں بھی کرتے ہیں لیکن امن کے زمانے میں ہمیں کسی شہری کے گھر جانے کی اجازت نہیں۔ یہی سردارِ اعلیٰ کا حکم ہے"۔

"اور اگر گھر والا خود بلائے تو؟" ارغونی نے سوال کیا۔

"کوئی بلائے تو پھر کوئی حرج نہیں"۔ عفران بولا:

"کیونکہ ہم لوگ دعوت سے انکار نہیں کیا کرتے"۔

"اچھا تو میں تمہیں گھر چلنے کی دعوت دیتی ہوں"۔ ارغونی ہنسی۔ پھر نہ جانے کیا سوچ کر شرما گئی۔

غفران نے کہا :

"ارغونی۔ مجھے افسوس ہے میں تمہاری دعوت قبول نہیں کر سکتا"۔

"کیوں۔ کیا تمہیں مجھ سے ڈر لگتا ہے"۔ ارغونی تنگ آ کر بولی ؛

"تم پہلے بھی تو میرے گھر آ چکے ہو"۔

"ہاں۔ میں تمہارے گھر آیا ہوں لیکن بابا کے ساتھ"۔ غفران اس سے باتیں کرتا ہوا ایک سایہ دار درخت کے نیچے آ گیا۔

ارغونی ہنس کر بولی؛

"اب میں سمجھ گئی۔ تمہارے سردار کو یہ خطرہ ہے کہ ہم تمہیں عیسائی نہ بنا لیں"۔

غفران نے کہا :

"ارغونی ان باتوں کو چھوڑو۔ میں نے سنا ہے لشکر کے ساتھ تم بھی جا رہی ہو"۔

ارغونی مسکرا کر بولی؛

"مسلمانوں نے ہم پر احسان کیا ہے۔ ان کی خدمت کرنے میں اگر میری جان بھی چلی جائے تو مجھے افسوس نہ ہو گا تمہیں تو خوشی ہونی چاہیے غفران"۔

غفران شرمندہ سا ہو کر بولا :

"میں تمہیں منع تھوڑی کر رہا ہوں لیکن تمہیں معلوم ہے بستی کی حفاظتی فوج میں میں نے اپنا نام تمہاری وجہ سے لکھوایا تھا۔ تم چلی جاؤ گی تو میری طبیعت یہاں نہ لگے گی"۔

"کیا تم میرے ساتھ چلنا چاہتے ہو؟" ارغونی نے سوال کیا۔

"جی تو میرا بھی چاہتا ہے لیکن . . . . ." غفران اس کا منہ دیکھنے لگا۔

ارغونی شرارت سے بولی :

"تم میرے بغیر یہاں بہت گھبراؤ گے؟"

"ہاں۔ بہت گھبراؤں گا"۔ غفران بے چینی سے بولا۔

"تم یہاں میرے بغیر گھبراؤ گے۔ شاید تمہیں مجھ سے محبت ہو گئی ہے"۔ ارغونی نے چلتے چلتے کہا۔

غفران جلدی سے بولا؛

"ارغونی۔ کیا تمہیں اب بھی شبہ ہے۔ کیا تم مجھے دھوکے باز سمجھتی ہو"۔

"چھی چھی۔ کیسی باتیں کر رہے ہو"۔ ارغونی شرارت سے بولی : "میں تمہیں اپنے ساتھ لے چلوں گی"۔

"تم . . . . . کیسے . . . . . تم مجھے کیسے لے جا سکتی ہو؟" غفران نے حیرت سے پوچھا۔

ارغونی شوخی سے بولی :

"سردارِ اعلیٰ میری بات بہت مانتے ہیں۔ میں ان سے کہوں گی۔ غفران میرے بعد یہاں بہت گھبرائیں گے انہیں ساتھ لے چلیے۔ وہ انکار نہیں کریں گے"۔

غفران بوکھلا گیا۔ جلدی سے بولا :

"ایسا غضب نہ کرنا۔ میری بڑی بے عزتی ہو گی"۔

"پھر صبر کرو۔ میری واپسی کا انتظار کرو"۔ ارغونی برق پاش نظروں سے دیکھتے ہوئے بولی۔

غفران اس کی اس شوخی پر اور وارفتہ ہو گیا۔

غفران اور ارغونی اتنی دیر تک وہاں کھڑے باتیں کرتے رہے کہ درخت کا سایہ بھی رخصت ہو گیا۔ تب انہیں احساس ہوا کہ ان کی گفتگو میں پورا دن گزر گیا ہے لیکن اس گفتگو کا غفران کو یہ فائدہ پہنچا کہ ارغونی کو اس کی صداقت محبت کا یقین ہو گیا۔

رات کو حسین بن عبداللہ نے غفران کو بلا کر اسے مطلع کیا کہ :

"بستی کی حفاظت اب زیادہ ضروری نہیں رہی۔ صبح کو لشکر کی روانگی ہے۔ بستی کی حفاظت پہ اب صرف ایک سو سوار رہیں گے۔ باقی سوار لشکر کے ساتھ آگے جائیں گے"۔

یہ حکم سردارِ اعلیٰ کا تھا۔

حسین نے نو سو سواروں کو بستی سے بلوا لیا۔ بقیہ ایک سو سواروں کی سرداری غفران کے سپرد کر دی گئی۔ لشکر کا صبح کوچ تھا۔ ارغونی باپ کو رخصت کر کے خیمے میں چلی گئی۔

غفران کے لیے بستی ویران سی ہو گئی۔ پھر بھی اس کے محبوب کی بستی تھی۔ اس کی حفاظت اس کا فرض تھا۔ پھر ارغونی نے انتظار کا حکم بھی دیا تھا۔

بستی اور خیمہ گاہ کا فاصلہ مشکل سے ایک میل تھا۔ پیدل کا راستہ صرف آدھ گھنٹہ کا تھا۔ لیکن سوار کو بھی یہ فاصلہ ایک گھنٹے میں طے کرنا پڑتا۔ کیونکہ سوار کو ایک چٹان کا چکر کاٹ کر جانا پڑتا تھا اور راستہ بھی اونچا نیچا اور پتھریلا تھا۔

غفران اپنے سواروں کے ساتھ حسبِ معمول پہرہ دے رہا تھا۔ اندازے سے رات نصف کے قریب گزر چکی تھی۔ غفران اسی ٹیلے چٹان کے پاس کھڑا تھا۔ معاً اس کی نظر نشیب میں پڑی۔

اسے نشیب میں ایک شعلہ سا بلند ہوتا محسوس ہوا۔ وہ غور سے اس روشنی کو دیکھنے لگا۔ شعلہ نشیب سے اوپر اٹھ رہا تھا۔

غفران کو خطرے کا احساس ہوا۔ "شب خوں!" اس نے دل میں سوچا اور پھر تیزی سے اپنے ساتھیوں کے پاس پہنچا۔ انہیں ہوشیار کیا۔ گاؤں کے دو ایک آدمیوں کو بھی جگا کر انہیں وہ شعلہ دکھایا۔ انہوں نے شب خوں کی تائید کی۔

دم کے دم میں پوری بستی جاگ پڑی۔ جو جس کے ہاتھ لگا لے کر میدان میں آ گیا۔ غفران نے ایک آدمی کو لشکر کی طرف کمک کے لیے دوڑایا اور خود تمام سواروں اور بستی کے جوانوں کو ساتھ لے کر اس جگہ پہنچ گیا جہاں سے حملہ ہو سکتا تھا۔

شعلہ نشیب سے چڑھائی پہ آ گیا۔ غفران نے سواروں کو دائیں بائیں دور دور تک پھیلا دیا تھا تاکہ حملہ آور کو اس کی صحیح تعداد کا اندازہ نہ ہو سکے۔ اندازہ تو اسے بھی حملہ آوروں کی تعداد کا نہ تھا۔ بستی کے بہت سے لوگ اپنی بستی کو بچانے کے لیے مسلح ہو کر آ گئے تھے۔ کسی کے ہاتھ میں تلوار، کسی کے ہاتھ میں ڈنڈا، لاٹھی۔ غرض جو جس کے ہاتھ لگا تھا وہ اٹھا لایا تھا۔

شعلہ اوپر آ کر رک گیا۔

پھر ایک شعلہ۔ دو۔ تین۔ چار۔ ہزاروں شعلے بھڑک اٹھے۔ انہوں نے بستی میں آگ لگانے کے لیے مشعلوں کو روشن کر لیا تھا۔ ان کی تعداد ہزار سے اوپر تھی۔ یہ اندازہ ایک گاؤں والے نے لگایا۔

ان کی ننگی تلواریں مشعلوں کی روشنی میں چمک رہی تھیں۔ حملہ آور تمام کے تمام گھوڑوں پہ سوار تھے۔ شب خوں وہی کامیاب ہوتا ہے جو اس قدر خاموشی سے مارا جائے کہ حملے سے پہلے کسی کو کانوں کان خبر نہ ہو اور حملہ آور اس وقت نظر آئیں جب وہ سر پر پہنچ چکے ہوں۔

شب خوں اس وقت مارا گیا جب پوری بستی جاگ رہی تھی اور بستی کے محافظ تلواریں سونتے ان کے استقبال کو موجود تھے۔

مشعلیں روشن کرنے کے بعد حملہ آوروں نے جیسے ہی بستی کا رخ کیا، غفران نے اپنے آدمیوں کو اشارہ کیا۔ ادھر حملہ آوروں نے بستی والوں کو دہشت زدہ کرنے کے لیے عجیب عجیب آوازیں نکالنا شروع کیں۔ ادھر غفران نے اللہ اکبر کے فلک شگاف نعروں سے ان کا استقبال کیا۔

حملہ آوروں کے لیے یہ صورت حال بالکل غیر متوقع تھی۔ انہیں یہ علم ہو گیا تھا کہ بستی سے کچھ دور اجنبی شہ سواروں کا پڑاؤ ہے لیکن یہ پتہ نہ تھا کہ بستی کی حفاظت کا انتظام بھی کیا گیا ہے۔ اگرچہ حفاظتی دستے میں صرف سو سوار رہ گئے تھے لیکن اللہ اکبر کے نعرے دور دور سے اس طرح بلند ہوتے تھے جیسے ہزاروں کا لشکر حملہ آوروں کے مقابلے پہ نکل پڑا ہے۔

حملہ آور رک گئے۔ شاید وہ فیصلہ کرنا چاہتے تھے کہ اس صورت حال کا مقابلہ کیسے کیا جائے۔ ان کا قدم رکنا ہی بس ان کی موت بن گیا۔

غفران اپنے ساتھیوں کے ساتھ بڑی تیزی سے ان کی طرف آ رہا تھا۔ اس کے پیچھے بستی والے لاٹھیاں لیے بھاگے چلے آ رہے تھے۔ نتیجہ یہ ہوا کہ شکاری خود شکار بن گئے۔ شب خوں مارنے والے اپنے ہی جال میں پھنس گئے۔ ان کے ہاتھوں میں مشعلیں تھیں۔ غفران کے سوار بڑھ بڑھ کے مشعل برداروں پر حملہ کرتے۔ مشعلیں ہاتھ میں لیے ادھر ادھر بھاگنے لگے۔ بستی والوں کو موقع ملتا تو وہ بھی ان کی پٹائی کر دیتے۔

حملہ آور حملہ کرنا بھول گئے۔ انہیں اپنی فکر پڑ گئی۔ آگے بڑھنے کے بجائے انہوں نے نشیب کا رخ کیا۔ وہ بے تحاشہ ڈھلان پر بھاگنے لگے۔ کئی گھوڑے اس دوڑ میں مع سوار کے الٹ گئے۔ غفران نے تعاقب جاری رکھا۔ اس کے ساتھ بستی کے کئی آدمی ہو گئے تھے۔ انہوں نے حملہ آوروں کو پہچان لیا تھا۔ وہ ان دونوں جاگیرداروں کے سوار تھے جن کے آدمی آپس میں لڑ کر یا مسلمانوں کے ہاتھوں مارے گئے تھے۔

پتہ نہیں اس بھاگ دوڑ میں کتنے حملہ آور مارے گئے اور کتنے گھوڑوں سے گر کر مر گئے۔ حملہ آور ادھر ادھر منتشر ہو کر بھاگ رہے تھے۔ پھر بھی غفران جس گروہ کے پیچھے لگا تھا، اس کی تعداد اس وقت بھی دو سو سے زیادہ تھی اور غفران کے ساتھ صرف پچاس سوار۔

حملہ آوروں پر اس قدر دہشت طاری تھی کہ وہ پلٹ کر دیکھنے کی بھی جرأت نہ کرتے۔ بس بے تحاشا بھاگے جا رہے تھے۔ اور اسی خوف و دہشت میں ایک ایک دو دو کر کے مارے جا رہے تھے۔

بھاگنے والوں کی مشعلیں بجھ گئی تھیں۔ آخری دنوں کے چاند کی پھیکی روشنی میں حملہ آور اور تعاقب کرنے والے بھاگ رہے تھے۔

غفران کو راستے کا صحیح علم نہ تھا۔ وہ تو بس اندازے سے گھوڑا بھگا رہا تھا۔ ایک پہاڑی موڑ پر اس کے گھوڑے نے ٹھوکر کھائی۔ وہ گھوڑے کی ایال سے چمٹ گیا۔ وہ تو خیر ہوئی کہ گھوڑا کھائی سے تھوڑی دور تھا۔ اگر خدانخواستہ کھائی میں گرتا تو گھوڑے اور سوار کا کہیں پتہ بھی نہ چلتا۔

گھوڑا سنبھلتے سنبھلتے دو تین پٹخنیاں کھا گیا۔ غفران کے جسم پر کئی خراشیں آئیں اور سر ایک پتھر سے ٹکرا گیا۔ سر سے خون کا فوارہ ابل پڑا۔ اس کے ساتھیوں نے کوشش کر کے غفران کو گھوڑے سے الگ کیا۔ گھوڑے کے پیروں میں ٹانگیں الجھ گئی تھیں۔ رکاب کے پھندے میں نہ جانے کیسے اس کی گردن الجھ گئی تھی۔

غفران کے ساتھیوں نے رکابیں اور لگامیں کاٹ کر غفران کو نکالا تو گھوڑا بھی جیسے قید سے آزاد ہو گیا۔ اب حملہ آوروں کا تعاقب ممکن نہ تھا۔ غفران کے ساتھی اسے لیے ہوئے بستی کی طرف واپس ہوئے۔ اس کے سر پہ

دوہری، تہری پٹی باندھی گئی تھی لیکن خون اب بھی رس رس کر پٹی کے اوپر آرہا تھا۔

زخمی غفران اپنے ساتھیوں کے ساتھ بستی میں پہنچا۔ سردارِ اعلیٰ موسیٰ بن نصیر، طارق بن زیاد، حسین بن عبداللہ، نواب جولین اور تمام بڑے بڑے سردار شب خون کی اطلاع پا کر بستی میں پہنچ گئے تھے۔ ارغونی بھی باپ کے ساتھ بستی میں واپس آگئی تھی۔ جوں جوں غفران کی واپسی میں دیر ہو رہی تھی توں توں اس کی آنکھوں میں بننے والے آنسوؤں کی تعداد میں اضافہ ہوتا جا رہا تھا۔

غفران کو واپس آتے دیکھ کر اس کا دل کھل اٹھا۔ چہرہ گلنار ہو گیا لیکن پھر وہ اداس ہو گئی۔ اس کا دل کٹنے لگا۔ غفران کے سر سے رستے ہوئے خون نے اسے غمگین کر دیا۔ جی چاہا کہ دوڑ کر اس سے لپٹ جائے اور اس کے زخموں پر خود پٹی باندھے لیکن مسلمان سرداروں کی موجودگی نے اسے صبر پر مجبور کر دیا۔ وہ سینے پر پتھر رکھے چپ چاپ کھڑی رہی۔

موسیٰ بن نصیر غفران کی بہادری اور شجاعت کی تعریف کر رہے تھے۔ گاؤں والوں نے انہیں پوری تفصیل سے آگاہ کر دیا تھا۔ حسین بن عبداللہ کو زیادہ خوشی ہوئی۔ غفران ان کا نائب تھا۔

غفران کے سر سے کافی خون بہہ گیا تھا۔ پورا لباس خون سے تر تھا۔ غفران نے سردارِ اعلیٰ کو دیکھ کر ان کی تعظیم کو گھوڑے سے اترنا چاہا لیکن غش آ گیا۔ لوگوں نے بڑھ کر سہارا دیا اور گھوڑے سے اتارا۔

موسیٰ بن نصیر نے حکم دیا:

"اس جوان کو بستی میں نہیں چھوڑا جا سکتا۔ ہم اسے اپنے ساتھ سرقوسہ لے جائیں گے"۔

حسین بن عبداللہ نے اسی وقت غفران کی جگہ دوسرا سردار مقرر کر دیا۔ غفران کا زخم اس کا علاج بن گیا۔ اب اسے موسیٰ بن نصیر کے ساتھ سرقوسہ جانا تھا۔ موسیٰ کے ساتھ ارغونی بھی تھی۔

موسیٰ بن نصیر نے فوج کے دو حصے پہلے ہی کر دیے تھے۔ رات کے شب خون نے انہیں زیادہ محتاط کر دیا۔ اور فوجوں کے درمیان جو دو دن کا وقفہ رکھا گیا تھا اسے مختصر کر کے صرف بارہ گھنٹے کر دیا گیا۔

طارق بن زیاد صبح کو روانہ ہوئے اور اسی شام موسیٰ بن نصیر نے کچھ سوار اسی بستی میں چھوڑ کر خود بھی قدم بڑھا دیے۔ وہ چاہتے تھے کہ دونوں لشکروں کے درمیان کم از کم فاصلہ رہے تاکہ وقتِ ضرورت ایک دوسرے کو امداد بہم پہنچائی جا سکے۔

پادری، طارق بن زیاد کے ساتھ تھا لیکن گاؤں کے اور بہت سے لوگ بھی طارق کے ساتھ شامل ہو گئے تھے۔ اپنی مرضی سے لشکر کی رہنمائی کر رہے تھے۔ انہیں قرب و جوار کے جاگیرداروں سے خطرہ تھا۔ ان کی سرکوبی کے لیے انہوں نے طارق کو ان کے ٹھکانوں سے آگاہ کیا۔ یہ راہبر پادری سے زیادہ کارآمد ثابت ہوئے اور ایسے راستوں

سے لشکرِ اسلام کو گزار کر لے گئے جن کا علم پادری کو بھی نہ تھا۔

یہ راستے اگرچہ زیادہ دشوار گزار تھے لیکن طارق ان راستوں سے گزر کر بہت جلد جاگیرداروں کے چھوٹے چھوٹے قلعوں تک پہنچ گئے۔ کچھ جاگیرداروں نے تو مسلمانوں کی ہیبت سے گھبرا کر اپنے قلعوں کے دروازے کھول دیے اور باہر نکل کر ان کی اطاعت قبول کر لی۔ جنہوں نے سرکشی کی اور مقابلے پر نکلے ان کا خاتمہ کر دیا گیا۔

موسیٰ بن نصیر اپنے لشکر کے ساتھ طارق کے پیچھے آ رہے تھے۔ طارق جاگیرداروں سے صلح کرتے جاتے اور ان کی تصدیق موسیٰ بن نصیر وہاں پہنچ کر کر دیتے۔ اس طرح مسلمان لشکر ارغوان کے سرحدی قلعوں اور جاگیرداروں کو سمیٹتا ہوا تیزی سے آگے بڑھتا رہا۔ ان پہاڑی علاقوں میں شب خون کا ہمیشہ خطرہ رہتا۔ لیکن طارق اور موسیٰ نے اپنا لشکر اتنے وسیع علاقے میں پھیلا دیا تھا کہ شب خون کی کوششیں زیادہ تر بیکار ہو جاتیں۔ تنگ و تاریک دروں سے گزرنے سے پہلے طارق ان دروں کے اوپر کی پہاڑیوں پر قبضہ کرتے تاکہ درے سے گزرتے وقت فوج پر اوپر سے حملہ نہ ہو سکے۔ ارغوان ہر لشکر کو ان دروں میں گھیر کر ختم کر دیتے تھے لیکن اس بار ان کا زور نہ چل سکا۔ پہاڑیوں پر قبضہ ہونے سے درہ خود بخود محفوظ ہو جاتا اور لشکر بغیر کسی حادثے اور پریشانی سے گزر جاتا۔

ارغوان کا دارالسلطنت سرقوسہ چاروں طرف سے پہاڑوں سے گھرا ہوا تھا اور ایسی سنگلاخ چٹانیں اور راستے تھے جن میں اگر ایک آدمی چھپ کر بیٹھ جائے تو وہ سو دو سو آدمیوں پر صرف پتھر لڑھکا کر ختم کر سکتا تھا۔ طارق نے ارغوانیوں کی یہ ترکیب بھی ناکام بنا دی۔ انھوں نے اپنے سپاہیوں کو پہاڑیوں پر پھیلا دیا اور چھپے ہوئے آدمیوں کا ڈھونڈ ڈھونڈ کر پہلے ہی خاتمہ کر دیا۔

پورے صوبہ ارغوان کے شکست خوردہ سپاہی بھاگ کر سرقوسہ پہنچ گئے تھے۔ انھوں نے قلعہ میں پہنچ کر مسلمانوں کی بہادری کی داستانیں کچھ ایسے انداز میں بیان کیں کہ وہاں کا لشکر پہلے ہی دل چھوڑ بیٹھا۔ قلعے کا محاصرہ کر لیا گیا۔

موسیٰ بن نصیر نے نہایت نرم شرطوں پر قلعہ حوالے کرنے کا مطالبہ کیا مگر سرقوسہ کا قلعدار اور گورنر کسی کو خاطر میں نہ لاتا تھا۔ اس نے ان نرم شرائط کو مسلمانوں کی کمزوری پر محمول کیا اور سفارت کو سخت جواب دے کر واپس کر دیا۔

سوائے جنگ کے اب کوئی اور چارہ نہ تھا۔

پس طارق بن زیاد نے شمال سے اور موسیٰ نے جنوب سے حملہ شروع کیا۔ قلعے والے دو دن سے زیادہ نہ ٹھہر سکے اور مسلمانوں نے بزورِ شمشیر سرقوسہ پر قبضہ کر لیا۔

یہاں پورے صوبہ کے جاگیردار اکٹھے تھے۔ ہر جاگیردار کے اپنے ذاتی غلام تھے جن کی تعداد ہزاروں تک

پہنچتی تھی۔ گورنر مارا گیا۔ جاگیردار گرفتار کر لیے گئے۔

موسیٰ نے اعلان کر دیا کہ جو غلام اسلام قبول کر لے گا وہ خود بخود غلامی کے بندھن سے آزاد ہو جائے گا۔ پر اس اعلان کا ایسا اثر ہوا کہ وہ سب کے سب مسلمان ہو گئے۔ اب ان کا مرتبہ مسلمانوں کے برابر تھا۔ وہ ان کے کھانا کھاتے۔ نماز پڑھتے اور اٹھتے بیٹھتے آقا اور غلام کی تمیز ختم ہو گئی۔

موسیٰ نے سرقوسہ میں بہت سے مسلمان آباد کیے۔ مسلمانوں کو عیسائی عورتوں سے شادی کرنے کی عام اجازت دے دی گئی۔ جن عیسائی عورتوں کے مرد مارے گئے تھے یا جن کو گورنر سے شادی کی اجازت حاصل کرنا پڑتی تھی انھوں نے مسلمانوں سے شادیاں کر لیں اور گھر بسا کے بیٹھ گئیں۔

○

غفران کے سر کا زخم بھر چکا تھا۔ اب وہ فوجی خدمت کے قابل تھا۔ موسیٰ بن نصیر نے مسلمانوں کو شادی کی اجازت دی تو اس نے بھی دبی زبان سے اپنے سردار حسین بن عبداللہ سے اپنی دیرینہ خواہش کا اظہار کیا۔ غفران کو حسین بھی بہت چاہتے تھے اور اب تو موسیٰ بھی اس پر مہربان تھے۔ ارغونی نے غفران کی تیمارداری بھی کی تھی اور اس کی دیکھ بھال سے ہی وہ اتنی جلدی اچھا ہو گیا تھا۔

حسین کو اس شادی پر اعتراض نہ تھا لیکن وہ اور موسیٰ دونوں ارغونی کے باپ کی بہت عزت کرتے تھے۔ ارغونی کا باپ کٹر قسم کا پادری تھا اور پادریوں پر کسی قسم کا دباؤ ڈالنا اسلامی روایات کے خلاف تھا۔ حسین چاہتے تھے ارغونی اور غفران کی شادی، پادری کی اجازت سے کی جائے۔

حسین بن عبداللہ اسی ادھیڑ بن میں تھے کہ لشکرِ اسلام کو آگے بڑھنے کا حکم دیا گیا۔ کوچ کی تیاریاں ہونے لگیں۔ غفران بہت پریشان تھا۔ وہ جانتا تھا کہ پادری اور ارغونی، لشکرِ اسلام کے ساتھ آگے بڑھ جائیں گے اور شاید پھر اسے موقع نہ مل سکے۔ اس نے اپنے اس خدشہ کا اظہار حسین سے بھی کر دیا۔ حسین بھی فکرمند تھے۔ وہ ڈرتے تھے کہ اگر انھوں نے پادری کو بلا کر اجازت حاصل کرنے کی کوشش کی تو شاید بات اور بگڑ جائے اور ممکن ہے پادری موسیٰ سے شکایت کر دے۔

پھر قدرت نے اس کی سبیل خود ہی پیدا کر دی۔ سرقوسہ سے کوچ کرنے سے پہلے موسیٰ کو اس علاقے کا انتظام کرنا تھا۔ اس کے لیے انھیں ایک تجربہ کار منتظم کی ضرورت تھی۔ اس عہدے کے لیے ان کی نظرِ انتخاب حسین بن عبداللہ پر پڑی۔ انھوں نے اپنے سرداروں سے مشورہ کیا۔ سب ہی نے اس انتخاب کو پسند کیا۔ موسیٰ نے حسین بن عبداللہ کو سرقوسہ کا گورنر

سرقوسہ بنانے کا اعلان کر دیا۔

جس مجلس میں یہ اعلان ہوا اس میں حسین موجود نہ تھے۔ ارغونی اور پادری وہاں دست بستہ حاضر تھے۔ ارغونی نے سپہ سالارِ اعلیٰ سے درخواست کی کہ اس خوش خبری کو حسین بن عبداللہ تک پہنچانے کی سعادت اسے بخشی جائے۔ موسیٰ نے اجازت دے دی۔

ارغونی بھاگم بھاگ حسین کے خیمے پر پہنچی۔ اندر داخل ہوئی تو حسین کے پاس غفران کو بیٹھے دیکھا۔ دونوں کی نظریں چار ہوئیں اور جھک گئیں۔

ارغونی نے ادب سے کہا،

"میں حسین بن عبداللہ، گورنر سرقوسہ کی خدمت میں مبارکباد پیش کرتی ہوں۔"

حسین اور غفران چونک کر اسے دیکھنے لگے۔

غفران نے سنبھل کر کہا:

"ارغونی تمہیں معلوم ہے۔ تم کیا کہہ رہی ہو؟"

"ہاں غفران۔ میں نے جو کہا ہے وہ سچ ہے۔"

ارغونی مسکرا رہی تھی۔ اسے حسین بن عبداللہ کے گورنر بنائے جانے کی واقعی بہت خوشی تھی۔ حسین کے سواروں نے اس کی اور اس کے باپ کی جان اور عزت بچائی تھی۔

حسین نے اس سے پوچھا:

"اس وقت تم کہاں سے آ رہی ہو؟"

ارغونی اب بھی مسکرا رہی تھی۔ بولی:

"میرے اور میرے باپ کے محسن! میں اس وقت اس محفل سے آ رہی ہوں جس محفل میں سپہ سالارِ اعلیٰ موسیٰ بن نصیر نے آپ کو گورنر سرقوسہ بنانے کا اعلان کیا ہے۔ میں نے یہ مژدہ آپ تک پہنچانے کی اجازت حاصل کی ہے۔"

حسین اور غفران کو اب یقین آ گیا۔ غفران نے بھی حسین کو مبارک باد دی۔

حسین نے ارغونی سے کہا:

"ارغونی! یہ مبارک خبر لانے پر تمہیں کیا انعام دوں۔ میرے پاس سوائے خلوص اور پیار کے کیا ہے؟"

ارغونی سنجیدہ ہو گئی۔ بولی:

"اے گورنر۔ آپ کے احسانات مجھ پر اور میرے باپ پر اس قدر زیادہ ہیں کہ ہم دونوں اپنی جان دے کر بھی انھیں نہیں اتار سکتے۔ آپ کے خلوص اور پیار کے سوا اور کسی چیز کی خواہش نہیں!"

گورنر حسین کو کچھ خیال آ گیا۔ انہوں نے عفران کو باہر جانے کا اشارہ کیا۔

حسین نے کہا:

"ارغونی۔ مجھے ایک بات کئی دن سے پریشان کر رہی ہے۔ اگر تم واقعی مجھے اپنا ہمدرد سمجھتی ہو تو مجھے اجازت دو کہ میں اپنی الجھن تمہارے سامنے پیش کروں"۔

"گورنر محترم!" ارغونی اور زیادہ مؤدب ہو گئی:

"اگر میرے سامنے الجھن بیان کرنے سے آپ کی پریشانی دور ہو سکتی ہے تو میں آپ سے التجا کروں گی کہ آپ ضرور کہیے۔ میں آپ کی پریشانی دور کرنے کے لیے خود کو پریشانی میں مبتلا کرنے کے لیے تیار ہوں"۔

"شاباش ارغونی۔ تم نے میری آدھی الجھن تو پہلے ہی دور کر دی"۔

ایک لمحہ سوچنے کے بعد حسین بولے:

"ارغونی! میں چاہتا ہوں اگر تمہاری مرضی ہو تو میں اپنے نائب عفران کو تمہارا جیون ساتھی بنا دوں"۔

ارغونی شرم سے لجا گئی۔ اس نے بولنے کی کوشش کی لیکن الفاظ حلق میں اٹک گئے۔

حسین مسکراتے ہوئے بولے:

"ارغونی۔ لڑکی اگر کسی بات پہ خاموش ہو جائے تو ہم اسے نیم رضامندی سمجھتے ہیں"۔

ارغونی ہمت کر کے بولی:

"گورنر عالی مقام! آپ کے احسانات پہلے ہی مجھ پر بہت زیادہ ہیں۔ اب کسی مزید احسان کی درخواست کرتے ہوئے مجھے شرم محسوس ہوتی ہے"۔

حسین اس جواب سے بڑے خوش ہوئے۔ بولے:

"ارغونی! تم نے میری پریشانی دور کر دی۔ مجھے بڑی خوشی ہوئی"۔

ارغونی نے آہستہ سے کہا:

"محترم گورنر۔ میری اجازت میرے بابا کے حکم کے تابع ہے۔ آپ کو ان کی رضامندی حاصل کرنے کی التجا کروں گی"۔

"کیوں نہیں ارغونی" حسین نے کہا:

"سعادت مند بیٹیاں ماں باپ کی مرضی کے خلاف کوئی قدم نہیں اٹھاتیں"۔

اسی وقت خیمے میں ارغونی کا باپ داخل ہوا اور جھک کر تعظیم بجا لایا۔

"آئیے پادری صاحب۔ میں آپ ہی کو یاد کر رہا تھا" حسین نے خوش دلی سے کہا۔

پادری حسین کے گورنر بنائے جانے سے بہت خوش تھا۔ اس نے کہا:

"اے سرقوسہ کے عالی مقام گورنر۔ آپ کے نئے اعزاز کی نوید میری بیٹی نے آپ تک پہنچا دی لیکن مجھ سے رہا نہ گیا ــــ اور دل چاہا کہ خود آپ کی خدمت میں حاضر ہو کر مبارکباد پیش کروں۔ آپ میری اور میری بیٹی کی مبارکباد قبول فرمائیے"۔

پادری کی اس گفتگو کے دوران میں حسین نے اشارہ کر کے ارغونی کو بھی اس طرح خیمے سے باہر بھیج دیا جس طرح ارغونی کی آمد پہ عفران کو بھیجا تھا۔

حسین نے ہنس کر کہا:

"محترم پادری صاحب! میں اپنے عظیم مرتبہ کے لیے خود کو اہل تو نہیں سمجھتا لیکن خدائے بزرگ و برتر کے حکم سے والیٔ اعلیٰ نے جب یہ اعزاز مجھے بخش دیا ہے تو میں پوری کوشش کروں گا کہ خود کو اس کا اہل ثابت کروں"۔

پادری نے خوشامد کا انداز اختیار کر لیا۔ بولا:

"آپ ایسا نہ فرمائیے۔ یہ تو اہلِ سرقوسہ کی خوش نصیبی ہے کہ انہیں آپ جیسا عالی دماغ اور انصاف پسند حاکم ملا"۔

حسین نے ایک دم بات پلٹی۔ بولے:

"پادری صاحب! آپ کی بیٹی بڑی پیاری ہے۔ اس نے ہر موقع پہ ہم لوگوں کا ساتھ دیا ہے"۔

"ہم تو آپ کے غلام ہیں گورنر صاحب"۔

پادری نے اور زیادہ چاپلوسی کی:

"آپ کے احسانات ہم زندگی بھر نہیں بھول سکتے"۔

حسین متانت سے بولے:

"ہمارا ایک نائب ہے عفران۔ اس کے بارے میں آپ کا کیا خیال ہے؟"

"نہایت خوبرو، منچلا اور بہادر جوان ہے"۔ پادری کی زبان سے بے ساختہ نکلا۔

"جی پادری صاحب آپ نے درست فرمایا" حسین نے کہا:

"اگر آپ پسند کریں تو وہ آپ کی غلامی کرنے پہ آمادہ ہے"۔

حسین نے بغیر کسی لگی لپٹی کے صاف طور پہ عفران کے لیے ارغونی کا رشتہ مانگا۔ پادری چپ ہو گیا اور کچھ سوچنے لگا۔

حسین نے اس کے جواب کا انتظار نہ کیا۔ بولے: "ارغونی آپ کی اکیلی اولاد ہے۔ اگر وہ رضامند ہو جائے

تو شاید آپ کو کوئی اعتراض نہ ہو"۔

"جی ہاں۔ مجھے کیا اعتراض ہو سکتا ہے"۔ پادری کو مجبوراً کہنا پڑا۔

حسین نے فوراً کہا:

"میری بیٹی ارغونی رضامند ہے بشرطیکہ آپ اجازت دیدیں"۔

پادری افسردہ سا ہو گیا۔ پھر بولا:

"محترم گورنر۔ بیٹی تو پرایا دھن ہوتی ہے۔ ایک نہ ایک دن تو اسے دوسرے گھر جانا ہی ہے۔ میں خود بھی اس بات کو محسوس کرتا ہوں کہ ارغونی، غفران کو پسند کرتی ہے لیکن ارغونی میری اکیلی اولاد ہے۔ میں اسے دیکھ دیکھ کے جیتا ہوں۔ وہ آنکھوں سے دور ہو گئی تو شاید میں زندہ نہ رہ سکوں۔ غفران فوجی آدمی ہے۔ آج یہاں کل وہاں۔ یہ سوچ کے دل بیٹھ جاتا ہے"۔

"آپ ٹھیک فرماتے ہیں محترم"۔ حسین نے پادری کی ہاں میں ہاں ملادی:

"آپ کی جگہ میں ہوتا تو میرے بھی یہی جذبات، یہی خیالات ہوتے۔ ہاں اگر ایسا انتظام کر دیا جائے کہ ارغونی آپ کی آنکھوں سے دور نہ ہو۔ آپ اس سے روز مل سکیں، پھر تو آپ کو کوئی اعتراض نہ ہو گا"۔

"بالکل نہیں۔ ایسا ہو جائے تو میں ابھی ارغونی کی شادی کر دوں"۔ پادری نے صاف الفاظ میں اعلان کر دیا۔

"پادری صاحب!" حسین نے بھی صاف الفاظ میں اعلان کیا:

"میں آپ کو یقین دلاتا ہوں اور وعدہ کرتا ہوں کہ ارغونی شادی کے بعد بھی وہیں رہے گی جہاں آپ ہوں گے۔ آپ چاہیں تو اس کے ساتھ رہ سکتے ہیں۔ ارغونی ایک دن کے لیے بھی آپ سے جدا نہ کی جائے گی"۔

پادری بھی خوش ہو گیا اور حسین بن عبداللہ کو بھی اطمینان نصیب ہو گیا۔ پادری کے جانے کے بعد حسین اپنے خالقِ حقیقی کے سامنے سجدے میں گر کر اظہارِ تشکر کرنے لگے۔ پھر جلدی جلدی تیار ہو کر سردارِ اعلیٰ کی طرف چل پڑے۔

○

سرقوسہ میں اسلامی لشکر کے دونوں حصے یکجا ہو گئے تھے جہاں سے دونوں سرداروں نے ایک ساتھ مغرب کا رخ کیا۔

کوچ کے وقت سرقوسہ کے گورنر حسین بن عبداللہ مقامی سرداروں کے ساتھ موسیٰ اور طارق کے لشکر کو الوداع کہنے آئے۔ حسین بن عبداللہ کے ساتھ ارغونی اور غفران بھی تھے۔ ارغونی اور غفران کا عقد کر دیا گیا تھا۔ ارغونی کو مذہب

...پر مجبور نہیں کیا گیا لیکن وہ اسلامی روایات اور مساوات سے اس قدر متاثر ہوئی تھی کہ وہ اپنے باپ ...لے کر مشرف بہ اسلام ہو گئی۔ پادری سے نہ تو کہا گیا اور نہ ہی اس نے مذہب تبدیل کیا ...حسین نے وعدہ کیا تھا کہ ارغونی شادی کے بعد بھی باپ کے قریب ہی رہے گی۔ انہوں نے اپنا وعدہ پورا ...غونی کے باپ کو سرقوسہ کا بڑا پادری مقرر کر دیا۔ انھوں نے دوسرا کام یہ کیا کہ غفران کو اپنی ملازمت میں لے ...لیے وہ سرقوسہ ہی میں رہ گیا۔

...مغرب کا راستہ دشوار گزار اور غاردار علاقوں سے گزرتا تھا۔ لشکرِ اسلام نے سب سے پہلے جلیقیہ پر قبضہ کیا۔ ...کے بعد اکستریاس پر اسلامی پرچم لہرایا گیا۔

یہ دونوں صوبے عیسائی مذہب کے بڑے مرکز تھے اور اب تک طلیطلہ کی شہنشاہیت کا دم بھرتے تھے۔ ...کے مارے جانے کے بعد یہ صوبے خود مختار ہو گئے اور اپنی بادشاہت کا اعلان کر دیا۔ اس بادشاہت کا خاتمہ ...کے ہاتھوں ہو گیا۔

یہاں بھی موسیٰ نے اسلامی روایات کا مظاہرہ کیا۔ نہ کھیتیاں برباد کی گئیں نہ آبادیاں جلائی گئیں۔ بوڑھے ...اور عورتوں کو کوئی تکلیف نہ دی گئی۔ معبدوں اور پادریوں کو بھی نہ چھیڑا گیا۔ علاقہ چھوڑنے والوں کو سامان ...لے جانے کی اجازت دی گئی۔ ہاں، جاگیردارانہ نظام ختم کر دیا گیا۔ کاشت کاروں میں زمین تقسیم کی گئی۔ جو غلام ...مسلمان ہوئے انہیں آزاد کر کے برابری کا درجہ دیا گیا۔

ہر شہر اور قلعہ میں مسلمان گورنر مقرر ہوئے۔ مجلسِ مشاورت میں مقامی لوگوں کی اکثریت رکھی گئی۔ مسلمانوں کو گھر ...اور عیسائی خواتین سے شادی کی عام اجازت دی گئی۔

جس وقت موسیٰ شمالی ہسپانیہ میں بحرِ متوسط کے ساحل پر برشلونہ فتح کر کے فرانس کی سرحد دریائے رڈونہ ...پہنچے تھے۔ اس وقت انہیں دربارِ خلافت دمشق سے ایک حکم نامہ موصول ہوا تھا کہ مزید فتوحات میں وقت اور ...ضائع نہ کی جائیں اور ہر دو سردار فوراً خلیفہ ولید کی سلامی کو حاضر ہوں۔

اس وقت مغربی ہسپانیہ فتح نہ ہوا تھا اور مصلحتِ وقت یہ تھی کہ بغیر مغربی علاقے فتح کیے، واپسی کا ارادہ نہ کیا ...چنانچہ موسیٰ بن نصیر نے خلیفہ کے حکم کو بالکل اسی طرح درخورِ اعتنا نہ سمجھا، جس طرح طارق بن زیاد نے ان کے ...احکام کی تھی۔

موسیٰ ہسپانیہ کو روندتے ہوئے اس ملک کی آخری حد تک پہنچ گئے۔

...ہسپانیہ کا علاقہ ختم ہو چکا تھا اور موسیٰ کے سامنے فرانس کے پہاڑ پائیرینیز کی فلک بوس چوٹیاں تھیں۔ یہ ...باہم ایک دوسرے سے بالکل پیوستہ نظر آتا تھا۔ صرف کہیں کہیں اکا دکا درے اور تنگ گھاٹیاں دکھائی

دیتی تھیں۔

اسی مقام پر کھڑے ہو کر موسیٰ نے ایک حسین خواب دیکھا۔

انہوں نے کھلی آنکھوں سے دیکھا کہ ان کا لشکر فرانس پار کر کے اٹلی، بلغاریہ، یوگوسلاویہ، یونان کے شمال سے گزر کر دمشق کے دروازوں پر دستک دے رہا ہے۔

یہ پورے اور مکمل یورپ کی فتح کا بڑا حسین خواب تھا۔

لیکن ــــ

یہ خواب شرمندۂ تعبیر نہ ہو سکا۔

بعض مؤرخین کا خیال ہے کہ موسیٰ نے فرانس میں داخل ہو کر کچھ علاقے فتح بھی کیے۔ وہ ابھی ارض الکبیر (جبل ابرانس) تک پہنچے تھے کہ فرانس کے سرحدی علاقوں کا گورنر قارلہ ایک لشکرِ جرار لے کر مسلمانوں کو روکنے کے لیے آگے بڑھا۔

مسلمانوں کے پاس اس وقت کوئی زیادہ قوت نہ تھی۔ وہ حصن لوڈن میں خیمہ زن تھے۔ موسیٰ نے فرانس کے لشکرِ جرار کے آنے کی اطلاع پائی تو ایک محفوظ مقام اربونہ واپس آ گئے اور ایک پہاڑ کے دامن میں خیمہ زن ہوئے۔

طارق بن زیاد اس وقت اسٹورگاہ میں تھے۔ موسیٰ نے انہیں فوری طور پر اربونہ پہنچنے کا حکم دیا تاکہ مشترکہ لشکر فرانس میں داخل ہو کر نئی فتوحات کا آغاز کرے۔

سرحدی گورنر اور جنرل قارلہ نے اپنے عظیم لشکر کے ساتھ قلعہ اربونہ کا محاصرہ کر لیا۔ یہ پہلا موقع تھا کہ مسلمانوں کو قلعہ بند ہو کر مدافعتی جنگ کرنا پڑی۔

قارلہ زیادہ دن تک محاصرہ برقرار نہ رکھ سکا۔ اسے اطلاع مل گئی کہ ایک اور مسلمان لشکر بڑی تیزی سے اربونہ کی طرف پیش قدمی کر رہا ہے۔ قارلہ محاصرہ اٹھا کر واپس چلا گیا تاکہ سرحدی علاقوں کی چوکیاں اور قلعے مضبوط کرے اور مسلمانوں کو آگے نہ بڑھنے دے۔

طارق بہت جلد موسیٰ سے آ کر مل گئے۔

موسیٰ نے ایک بار پھر فرانس اور یورپ کو فتح کرنے کا منصوبہ بنایا۔ دراصل موسیٰ ہسپانیہ سے دمشق تک خشکی کا ایک سیدھا راستہ بنانا چاہتے تھے تاکہ بحری سفر اور طویل سفر سے انہیں چھٹکارا مل جائے اور یورپ کا تاریک برِاعظم بھی نورِ اسلام سے روشن ہو جائے۔

لیکن قدرت کو یہ منظور نہ تھا۔ وہ فتحِ یورپ کے خواب ہی دیکھ رہے تھے کہ دربارِ دمشق کا دوسرا قاصد ابونصر اس حکم کے ساتھ موسیٰ کے پاس پہنچا کہ مزید پیش قدمی کی کوئی گنجائش نہیں۔ ایک قدم بھی آگے نہ بڑھایا جائے؟

سردار فوراً دمشق پہنچ کر خلیفہ ولید کے حکم کی تعمیل کا عملی ثبوت پیش کریں۔

موسیٰ بن نصیر کی ہسپانیہ سے واپسی دراصل دربارِ دمشق میں محلاتی سازشوں کا نتیجہ تھی۔ خلیفۂ وقت ولید ایک تھا۔ تاریخ شاہد ہے کہ خلیفہ ولید کے دورِ حکومت میں اسلامی سلطنت کی حدود میں جس قدر وسعت ہوئی اس کی مثال نہ پہلے ملتی تھی اور نہ بعد میں اس کا جواب ممکن ہے۔ بنی امیہ کی اس عظیم سلطنت، دبدبہ اور وسعت کا سہرا ایک فردِ واحد کے سر ہے۔

یہ عراق کا گورنر حجاج بن یوسف تھا۔

وہی حجاج جسے تاریخِ اسلام میں سب سے بڑا جابر اور سفاک بیان کیا گیا ہے جس نے ہزاروں علماء کو تہِ تیغ کیا۔ حجاج کی اس سفاکی کا تجزیہ تو مورخ ہی کر سکتا تھا لیکن یہ حقیقت ہے کہ اس شخص نے اسلام کے ایسے جنرل پیدا کیے جنہوں نے ایشیا اور یورپ کا نقشہ بدل کر رکھ دیا۔ یہ تمام جنرل حجاج کے دسترخوانِ نعمت کے پروردہ تھے۔

اٹھارہ سالہ محمد بن قاسم، حجاج کا داماد تھا جس نے سندھ کے ساحل دیبل پر قدم رکھا اور دیکھتے ہی دیکھتے اسلامی پرچم اٹھائے ملتان تک پہنچ گیا۔

اس کا دوسرا جنرل قتیبہ بن مسلم مشرق کی طرف چلا اور چین کی سرحد پر پہنچ کر شہنشاہِ چین کو خراج دینے پر مجبور کیا۔

تیسرا جنرل موسیٰ بن نصیر، شمالی افریقہ فتح کرتا ہوا بحرِ ظلمات تک پہنچا۔

اور

اس کے غلام طارق بن زیاد نے پورے ہسپانیہ کو روند کے رکھ دیا۔

کاش موسیٰ بن نصیر کو ہسپانیہ سے واپس نہ بلایا جاتا۔ اگر موسیٰ بن نصیر کا کھلی آنکھوں دیکھا خواب شرمندۂ تعبیر ہو جاتا تو یورپ کا وہ نقشہ نہ ہوتا جو آج ہے مگر موسیٰ محلاتی سازشوں کا شکار ہو گئے۔

حجاج بن یوسف کا ۹۴ھ میں انتقال ہو گیا۔ اس کے مرتے ہی اس کے دشمنوں کو کھل کھیلنے کا موقع مل گیا۔ ان کی طرف سے خلیفہ کے کان بھرے گئے۔ خلیفہ سے کہا گیا کہ موسیٰ ہسپانیہ اور افریقہ کا خود مختار حکمران بننا چاہتا ہے۔ اگر وہ یورپ میں داخل ہو گیا تو پورا یورپ اس کے زیرِ نگیں ہو جائے گا اور پھر خلافت بھی محفوظ نہ رہ سکے گی۔

خلیفہ اس فریب میں آ گیا۔

اور اس نے موسیٰ کو ہسپانیہ سے طلب کر لیا!

موسیٰ بن نصیر نے واپسی سے پہلے ہسپانیہ کے تمام مسلمان گورنروں اور بڑے سرداروں کو اپنے پاس طلب کیا۔ وہ ان سے مشورہ کرنا چاہتے تھے۔

جب تمام سردار اور با اختیار اشخاص اکٹھے ہو گئے تو موسیٰ نے ان کے سامنے دربارِ دمشق میں ہونے والی سازش کے خدشہ کا اظہار کیا۔

گورنر سرقوسہ حسین بن عبد اللہ بڑے زیرک اور باصلاحیت انسان تھے۔ انہوں نے سب سے پہلے اپنی رائے کا اظہار کیا۔

حسین نے کہا:

"اے سردارِ اعلیٰ! دمشق میں آپ کے خلاف جو سازش ہو رہی ہے اس کا سبب یہ معلوم ہوتا ہے کہ دربار میں آپ کے ہمدردوں کی تعداد کم ہے۔ آپ کے ولی نعمت حجاج بن یوسف اللہ کو پیارے ہو چکے ہیں اور ان کے مخالفین آپ کو زک دینے کی کوشش کر رہے ہیں۔ ان حالات میں آپ کا دمشق جانا کسی طرح مناسب نہیں"۔

موسیٰ کو حسین کی یہ صاف گوئی شاید ناگوار گزری۔ بگڑ کے بولے:

"حسین! تمہارے الفاظ سے بغاوت کی بو آتی ہے۔ میں تمہاری ہمدردی کا شکریہ ادا کرتا ہوں لیکن تمہاری رائے سے اتفاق نہیں کر سکتا"۔

موسیٰ کے بیٹے عبد العزیز بولے:

"اے پدرِ محترم! حسین نے جو کچھ کہا اسے آپ بغاوت کی تحریک اور تلقین کہہ سکتے ہیں لیکن یہ ایک ایسی حقیقت ہے جس سے کوئی عقلمند آنکھیں بند نہیں کر سکتا"۔

موسیٰ نے نواب جولین کو مخاطب کیا:

"نواب جولین! کیا خلیفہ کی حکم عدولی کھلی ہوئی بغاوت نہیں۔ یہ ٹھیک ہے کہ میرے پاس طاقت ہے مجھے جبراً دمشق نہیں لے جایا جا سکتا لیکن میں خلیفہ ولید سے بغاوت کا تصور بھی نہیں کر سکتا"۔

نواب جولین شاید کسی ایسے ہی موقع کی تلاش میں تھا۔ فوراً بولا:

"اے سردارِ اعلیٰ! اگر آپ دمشق واپس جانے کے بجائے یورپ میں فتوحات کا سلسلہ جاری رکھیں تو آپ

بالکل ایسا ہو گا جیسے سردار طارق بن زیاد نے آپ کے حکم کی تعمیل کے بجائے ہسپانیہ میں مزید فتوحات حاصل کر لیں۔ پھر آپ نے طارق بن زیاد کو معاف کر دیا۔ شکوک رفع ہو گئے۔ یہی صورت آپ کے اور خلیفہ کے درمیان پیش آئے گی۔ اسے بغاوت کا نام نہیں دیا جا سکتا۔ آپ اپنے فعل میں مخلص اور خلیفہ وقت کے وفادار ہیں"۔

نواب جولین کی گفتگو بڑی مدلل تھی لیکن موسیٰ قائل نہ ہوئے۔ بولے:

"نہیں جولین۔ انکار کی پشت پر کتنی ہی بڑی مصلحت کیوں نہ موجود ہو۔ انکار، انکار ہے۔ یہی انکار بغاوت کی دلیل ہے"۔

حسین بن عبد اللہ نے پھر زبان کھولی۔ ذرا چڑ کے بولے:

"اے سردارِ اعلیٰ! جب آپ نے دربارِ خلافت میں جانے کا پہلے ہی فیصلہ کر لیا ہے تو پھر ہمارے مشورے کی کیا ضرورت ہے۔ ہم آپ کا حکم بجا لانا اپنا فرض سمجھتے ہیں"۔

موسیٰ افسردگی سے بولے:

"حسین! مجھے تم لوگوں کے جذبات کا اندازہ ہے۔ میں یہ بھی جانتا ہوں کہ دمشق پہنچ کر میں کسی بھی مصیبت میں گرفتار ہو سکتا ہوں لیکن میں نے عمر بھر جس خلیفہ کا نمک کھایا ہے اس سے نمک حرامی نہیں کر سکتا۔ آج جو عظمت، شہرت اور دولت مجھے حاصل ہے اس سے زیادہ کی مجھے کوئی خواہش نہیں۔ میری عمر اختتام کے قریب ہو رہی ہے۔ میں نے فیصلہ کیا ہے کہ دمشق پہنچ کر میں خلیفہ سے اپنے سبکدوش کیے جانے کی درخواست کروں گا تاکہ گوشہ نشین ہو کر بقیہ زندگی یادِ اللہ میں گزار سکوں"۔

موسیٰ کے اس اعلان کے بعد کسی سردار نے بولنے کی ضرورت ہی محسوس نہیں کی۔ فیصلہ تو موسیٰ نے پہلے ہی کر دیا تھا۔

موسیٰ نے سرداروں پہ ایک طائرانہ نظر ڈالی۔ سب سر جھکائے خاموش بیٹھے تھے۔ یکایک انہیں طارق بن زیاد کا خیال آیا۔ طارق چپ چاپ بیٹھے تھے۔ انہوں نے اپنی رائے کا اب تک اظہار نہ کیا تھا۔

موسیٰ نے پوچھا:

"طارق! سب نے اپنی اپنی رائے کا اظہار کیا۔ مجھے افسوس ہے کہ میں ان کے مشورے سے اتفاق نہ کر سکا لیکن تم نے کچھ بھی نہیں کہا۔ تمہارا مشورہ ہمیشہ صائب اور درست ہوتا ہے"۔

طارق اسی طرح سر جھکائے ہوئے بولے:

"مجھے اپنے آقا کی رائے سے پورا پورا اتفاق ہے۔ حکم عدولی کسی طرح مناسب نہیں"۔

موسیٰ مسکرائے۔ بولے:

"طارق! ہمیں تمہارا مشورہ پسند آیا۔ واپسی کی تیاری شروع کرو!"

گورنر، ضروری ہدایات حاصل کرکے اپنے اپنے صوبوں میں چلے گئے۔ موسیٰ بن نصیر نے اشبیلیہ کو صدر مقام بنایا۔ اشبیلیہ کے حاکم، موسیٰ کے بیٹے عبدالعزیز تھے۔ عبدالعزیز اگرچہ ملکہ ہسپانیہ جی لونا سے شادی کے بعد قدرے عیش و عشرت کی طرف مائل ہوگئے تھے لیکن بڑے شجاع، مدبر، منتظم اور دیندار انسان تھے۔ موسیٰ نے ہسپانیہ کی حکومت ان کے سپرد کی اور واپسی کی تیاریوں میں مصروف ہو گئے۔

○

⑩

انجامِ فاتحین

○

"جانِ عزیز۔ آنکھیں کھولو۔" ناز بردار شوہر نے گدگداتے ہوئے کہا۔

پہلو میں گدگدی ملکہ جی لونا کی سب سے بڑی کمزوری تھی۔ جب کبھی عبدالعزیز کا ہاتھ اس کے پہلو کی طرف بڑھتا، ملکہ اپنی ہنسی برداشت نہ کرپاتی اور بے ساختہ کھِل کھِلا کر ہنس پڑتی لیکن اس وقت اس نے بڑے ضبط سے کام لیا اور صرف "ہوں" کہہ کر کروٹ بدل لی۔

امیر اشبیلیہ عبدالعزیز نے اسے پھر چھیڑا:

"میں دربار جا رہا ہوں۔ مجھے خوشی خوشی رخصت کرو۔ ممکن ہے واپسی پر تمہارے لیے کوئی بڑا تحفہ لاؤں۔"

ملکہ جی لونا اٹھ کر بیٹھ گئی۔

اس کی آنکھوں میں سرخ سرخ ڈورے نرگسِ بیمار کا منظر پیش کر رہے تھے۔ ملکہ کئی راتوں سے بے خوابی کا شکار تھی۔

موسیٰ بن نصیر، ہسپانیہ سے جاتے ہوئے کچھ دن کے لیے اشبیلیہ میں ٹھہرے تھے۔ انھوں نے اپنا پڑاؤ قلعے کے باہر میدان میں ڈالا تھا۔ جس دن سے موسیٰ نے اپنے لاؤ لشکر کے ساتھ اشبیلیہ میں قدم رکھا تھا، ملکہ کا چین سکون چھن گیا تھا۔ موسیٰ کے ساتھ ہسپانیہ کی دولت سے لدے ہوئے چھکڑے اور گاڑیاں تھیں۔ ملکہ کو قلق تھا کہ موسیٰ ہمارے ہسپانیہ کی تمام دولت دمشق لیے جا رہے تھے۔

ملکہ تلخ لہجے میں بولی: "تمہارا باپ تمہیں یا مجھے اور کیا دے سکتا ہے..... ہسپانیہ کے خزانے تو

دمشق جا رہے ہیں"۔

ملکہ کی تلخی عبدالعزیز کے دل میں تیر بن کر لگی۔

ملکہ جب بھی موسیٰ کا ذکر کرتی تو اس کے لہجے میں حقارت جھلکتی نظر آتی۔ اس نے آج تک کبھی موسیٰ کا نام عزت سے نہ لیا تھا۔ نام تو عبدالعزیز کا بھی وہ عزت سے نہ لیتی۔ اسے زعم تھا کہ وہ ہسپانیہ کی سابق ملکہ ہے۔ عبدالعزیز کو بھی وہ زیادہ تر لفظ "تم" سے مخاطب کرتی۔

چار دن سے عزیز اور ملکہ میں کھٹ پٹ تھی۔ ملکہ، موسیٰ کی آمد کے سوگ میں اٹواٹی کھٹواٹی لیے پڑی رہی۔ عزیز کو اس کا احساس تھا لیکن وہ جھگڑے کو ہوا نہ دینا چاہتے تھے۔ ملکہ ان کی بیوی ہی نہیں محبوبہ بھی تھی۔

عزیز ضبط کرتے ہوئے بولے:

"ملکہ..... قبلہ ابا حضور آج واپس جانے والے ہیں۔ روانگی سے پہلے وہ علاقوں اور گورنروں میں کا ردّوبدل کریں گے۔ کیا پتہ کہ تمہارے شوہر کو اشبیلیہ سے بھی بڑا صوبہ مل جائے"۔

ملکہ نے عزیز کو یوں دیکھا جیسے انہوں نے ملکہ کی توہین کی ہو۔ چمک کر بولی:

"امیرِ اشبیلیہ یہ بھول جاتے ہیں کہ میں پورے ہسپانیہ کی ملکہ رہ چکی ہوں۔ صوبیداریاں تو میں صدقہ خیرات میں تقسیم کر دیا کرتی تھی۔ میری نظر میں یہ چیزیں کوئی حقیقت نہیں رکھتیں۔ میں بھیک لینا پسند نہیں کرتی"۔

"کیا کہہ رہی ہو جی لونا"۔

عبدالعزیز آخر کہاں تک برداشت کرتے۔ ان کا لہجہ بھی ترش ہو گیا:

"میں موسیٰ بن نصیر کا بیٹا ضرور ہوں لیکن اس سے ہٹ کر خود میری بھی اپنی ایک الگ شخصیت ہے۔ میں نے ہسپانیہ کے بعض اہم علاقے بزورِ شمشیر حاصل کیے ہیں۔ مجھے جو ملے گا وہ بھیک نہیں، میری شجاعت کا صلہ ہوگا"۔

عبدالعزیز جھلا کر کھڑے ہو گئے۔

ملکہ نے عبدالعزیز کو ہاتھ سے نکلتے دیکھا تو فوراً ہی نرم پڑ گئی اور اس کا ہاتھ پکڑ کر اپنے پاس بٹھاتے ہوئے محبت سے بولی:

"ذرا ٹھہریے امیرِ اشبیلیہ..... مجھ بدنصیب کو یوں چھوڑ کر نہ جائیے"۔

عبدالعزیز نے پچھلی چار راتیں، ملکہ کے کمرے میں رہتے ہوئے بھی تنہائی میں کاٹی تھیں۔ ملکہ کے ایک ہی جملے نے ان کا غصہ ٹھنڈا کر دیا لیکن ملکہ کے تلخ لہجے کی کسک ابھی باقی تھی۔

عبدالعزیز پُر وقار لہجے میں بولے:

"جانِ عزیز..... میں نے تم سے محبت کی اور تمہاری مرضی سے یہ شادی ہوئی لیکن مجھے یہ سوچنے پر مجبور

کیا ہے کہ میں نے تم سے رشتہ جوڑنے میں غلطی کی اور....."

ملکہ نے جھٹ سے عزیز کے منہ پہ ہاتھ رکھ دیا اور بولی:

"نہ..... نہ..... نہ..... عزیز! ایسی بات منہ سے نہیں نکالتے۔ میں نے جنم جنم ساتھ دینے کا وعدہ کیا ہے۔ میری زندگی تم سے وابستہ ہے۔ تمہارے ساتھ جیوں گی اور تمہارے ساتھ ہی مروں گی لیکن کیا کروں میں نہیں دیکھ سکتی کہ میرے ملک کی تمام دولت دمشق چلی جائے"۔

ملکہ کی آنکھیں چھلک پڑیں۔ اسے عزیز سے محبت تھی لیکن اپنی قوم اور ملک اسے عزیز سے کہیں زیادہ عزیز تھا۔

عبدالعزیز نے ملکہ کو سمجھانے کی کوشش کی۔

"دیکھو ملکہ..... ہر انسان وقت اور حالات سے سمجھوتہ کرنے پر مجبور ہے۔ زندگی کے مدّوجزر پہ کسی کا اختیار نہیں۔ فقیر کو بادشاہ اور بادشاہ کو گدا تو خدا ہی بنا سکتا ہے۔ مجھ میں یہ طاقت تو نہیں کہ تمہیں دوبارہ ہسپانیہ کی ملکہ بنا دوں لیکن یہ یقین رکھو کہ جس قدر دولت تم کہو گی، میں تمہارے قدموں میں لا ڈالوں گا"۔

ملکہ کے دل کی بھڑاس تو آنسوؤں کے ساتھ بہہ گئی تھی۔ وہ بولی:

"مجھے دنیا کی دولت سے کوئی محبت نہیں۔ میری دولت تو صرف تم ہو عزیز..... صرف تم"۔

عبدالعزیز نے پہلے تو ملکہ کو حیرت سے دیکھا پھر ریشہ خطمی ہو گئے اور لگاوٹ کی باتیں کرنے لگے۔ ملکہ کو جیسے اسی کا انتظار تھا۔ اس نے مطلب کی بات چھیڑ دی:

"تمہارے ابا حضور کب واپس آئیں گے؟"

"سال چھ مہینے تو لگ ہی جائیں گے"۔ عبدالعزیز نے اندازہ لگایا:

"پہلے وہ قیروان جائیں گے۔ پھر مصر ہوتے ہوئے دمشق۔ بڑا طویل سفر ہے۔ اتنا وقت تو ضرور لگے گا"۔

"ان کی واپسی تک ہسپانیہ کی بادشاہت کون سنبھالے گا؟" ملکہ نے دل کی بات الفاظ میں ڈھال دی لیکن اس کے ساتھ ہی اس کا دل بڑی تیزی سے دھڑکنے لگا۔

عزیز نے مسکراتے ہوئے کہا:

"بادشاہت نہیں امارت کہو ملکہ۔ ہم بادشاہت پہ یقین نہیں رکھتے۔ اس عظیم منصب کے لیے طارق بن زیاد سے زیادہ کوئی مناسب نہیں۔ قبلہ ابا حضور نے فتوحات کی تکمیل کی لیکن آغاز طارق نے کیا اور وہی اس کے صحیح حقدار ہیں"۔

ملکہ کے دل کو دھچکا لگا۔ وہ خاموشی سے کچھ سوچنے لگی

عزیزہ نے کہا:

"ملکہ! شاید تم سوچ رہی ہو کہ ہسپانیہ کی امارت کسی ہسپانوی کو ملنی چاہیے لیکن منصب کے لیے دلی ہمدردی کے بجائے خدمات پیشِ نظر رکھی جاتی ہیں۔ مجھے یہ کہنے میں ذرا بھی تامل نہیں کہ طارق بن زیاد کے بعد اگر کوئی منصب کے قابل ہے تو وہ یہودی سردار مغیث الرومی ہے۔"

ملکہ ایک سرد آہ بھرتے ہوئے بولی:

"مجھے نہ طارق بن زیاد سے اور نہ مغیث الرومی سے کوئی دلچسپی ہے۔ طارق تمہارے ابا حضور کا غلام ہے۔ آقا اور آقا زادے کی موجودگی میں ایک غلام کو حکومت کرنے کا کوئی حق نہیں دیا جا سکتا۔ رہا مغیث الرومی تو وہ یہودی ہے۔ اس کی حکومت ہم نصرانی قبول نہیں کر سکتے۔"

عزیزہ نے ملکہ کا مزاج برہم ہوتے دیکھا تو ہنستے ہوئے اٹھ کھڑے ہوئے اور بولے:

"ملکہ۔ اپنے پرانے دستور کو بھول جاؤ۔ امارت نہ تو یہودی نصرانی کو دیکھتی ہے اور نہ آقا و غلام کو..... یہ تو صلہ ہے خدمت اور قابلیت کا۔ تمہارے عبدالعزیزہ کا نمبر ان دونوں کے بعد ہی آتا ہے۔"

عبدالعزیزہ، ملکہ کی الجھی زلفوں کو چھیڑتے ہوئے دروازے کی طرف چلے گئے۔

عزیزہ کے جانے کے بعد ملکہ آپ ہی آپ بڑبڑائی:

"یہ تمہاری سوچ ہے عزیزہ! لیکن میں جانتی ہوں کہ ہسپانیہ کا بادشاہ کون ہو گا اور کسے ہونا چاہیے۔"

ملکہ نے تالی بجا کر اپنی کنیزِ خاص کیتھری کو بلایا۔ کیتھری جیسے پہلے ہی سے منتظر تھی۔ وہ فوراً سامنے آئی اور آداب بجا لائی۔

ملکہ نے حکم دیا:

"ویزلے کو فوراً حاضر کیا جائے۔"

کنیز سلام کر کے الٹے پیروں واپس چلی گئی۔

ویزلے ایک عمر رسیدہ نصرانی جرنل تھا۔ ملکہ نے عبدالعزیزہ سے کہہ کر اپنی حفاظتِ خاص کے لیے نصرانی فوجیوں کا ایک دستہ قلعے میں مقرر کرا لیا تھا۔ ویزلے اس دستے کا سردار تھا۔

ملکہ نے آہستہ آہستہ مسلمان کنیزوں کے بجائے نصرانی کنیزیں بھی قلعے میں بلانا شروع کر دی تھیں۔ کیتھری بھی نصرانی تھی اور ملکہ کی رازدار اور کنیزِ خاص کے فرائض انجام دیتی تھی۔

کیتھری نے داخل ہو کر ویزلے کے آنے کی اطلاع دی۔

ملکہ نے اسے فوراً اندر بلا لیا۔

ویزلے ملکہ کے سامنے پہنچا اور ہسپانیہ کے شاہی دستور کے مطابق سجدے میں گر کر ملکہ کی تعظیم بجا لایا۔ قلعے میں ہر نصرانی کنیز یا سپاہی تنہائی میں ملکہ کو اسی طرح سجدہ کیا کرتا تھا۔

ملکہ پر وقار لہجے میں بولی:

"ویزلے..... سر اٹھاؤ اور غور سے ہماری بات سنو۔"

ویزلے حکم پا کر سیدھا کھڑا ہو گیا اور نظریں نیچی کر لیں۔

ملکہ نے کہا:

"ویزلے۔ آج سے ہماری زندگی کا ایک نیا باب شروع ہونے والا ہے اور اس باب کا آغاز ہماری طرف سے ہو گا۔"

ویزلے کی سمجھ میں کچھ بھی نہ آیا۔ وہ بولا:

"ملکہ عالم..... ہسپانیہ کا ہر سپاہی آپ کے حکم کا منتظر ہے۔"

"شاباش ویزلے۔" ملکہ خوش ہو کر بولی:

"ہمیں اپنے ہم وطنوں سے یہی امید ہے۔ آج بوڑھا موسیٰ بن نصیر اشبیلیہ سے واپس جا رہا ہے۔ اس کی واپسی غالباً بعد ہو گی۔ اس عرصے کے لیے وہ ہسپانیہ کی حکومت کسی اور شخص کو سونپ جائے گا لیکن ہم اس کے بنائے ہوئے امیر یا بادشاہ کو تسلیم نہیں کریں گے۔"

"جی..... " جرنل ویزلے نے گھبرا کر ملکہ کی طرف دیکھا۔

"ہاں ویزلے۔" ملکہ فیصلہ کن انداز میں بولی:

"ہسپانیہ کا امیر یا بادشاہ صرف اور صرف عبدالعزیزہ ہو گا۔ موسیٰ نے کسی اور کو امارت دی تو ہماری تلواریں بے نیام ہوں گی۔"

"ٹھیک ہے ملکہ عالیہ۔" جرنل ویزلے نے بڑی مشکل سے تھوک نگلتے ہوئے کہا:

"کوئی اور بادشاہ ہوا تو ہم اس کے خلاف مظاہرہ کریں گے۔"

"تم پاگل ہو گئے ہو ویزلے۔" ملکہ غصے سے کانپتے ہوئے بولی:

"مظاہرہ بزدل اور کمزور کیا کرتے ہیں۔ یوں کہو، ہم بغاوت کریں گے اور شمشیر کے زور پر عبدالعزیزہ کو ہسپانیہ کا شہنشاہ بنائیں گے۔"

"میرا بھی یہی مقصد ہے ملکہ عالیہ۔" ویزلے نے مردہ آواز میں کہا۔

ملکہ نے حکم دیا:

"چاروں طرف سوار دوڑا دیے جائیں۔ تمام نصرانی سرداروں کو پیغام دیا جائے کہ اگر عبدالعزیزہ کے علاوہ

کوئی اور امیر مقرر ہوتو علم بغاوت بلند کیا جائے اور چاروں طرف سے نصرانی لشکر اکٹھا ہو کر اشبیلیہ پہنچ جائے گا۔
اشبیلیہ میں عبدالعزیز کی بادشاہت کا اعلان کیا جائے گا"۔

ویزلے آداب بجالایا اور سہما سہما سا واپس چلا گیا۔

○

موسیٰ نے قلعہ اشبیلیہ کے سامنے بڑے میدان میں اپنے خیمے لگوائے تھے۔ اس کے ایک حکم کے تحت ہسپانیہ کے تمام مسلمان، عیسائی اور یہودی سردار اشبیلیہ پہنچ گئے تاکہ ہسپانیہ کے فاتح کو شان و شوکت سے الوداع کہیں۔ سب کے لیے الگ الگ خیمے لگائے گئے۔

تمام سردار صبح سے شام تک موسیٰ بن نصیر کو گھیرے رہتے۔ انہیں علم تھا کہ موسیٰ واپسی سے پہلے بعض لوگوں کو جاگیریں عطا کریں گے اور بعض کے عہدے بڑھائیں گے۔ حقیقت بھی یہی تھی موسیٰ نے انہیں اسی لیے طلب کیا تھا۔

موسیٰ کے پیش نظر ہسپانیہ کے انتظام کے علاوہ پرانے شاہی خاندان کے افراد کی وہ درخواستیں بھی تھیں جو انھوں نے طارق بن زیاد کی معرفت انہیں بھجوائی تھیں۔ موسیٰ بن نصیر نے اپنے طور پر ان کا فیصلہ کرنے کے بعد دربارِ خلافت سے ان کی منظوری بھی حاصل کر لی تھی لیکن ابھی تک انھوں نے اس کا اعلان نہیں کیا تھا۔ کسی بہتر موقع کے منتظر تھے اور اب ان کی الوداعی دعوت اس کا بہترین موقع تھا۔

یہ دربار رنگین تھا۔ نہ کوئی مسند نہ گاؤ تکیے۔ خیمے میں صرف قالینوں کا فرش بچھا یا گیا تھا۔ کوئی نشست دوسرے سے اونچی نہ تھی۔ موسیٰ بن نصیر، اپنے مستقر قیروان میں بڑی شان و شوکت سے رہتے تھے لیکن ہسپانیہ میں انہوں نے سادگی اختیار کی تھی۔ ممکن ہے کہ یہ طارق بن زیاد کی سادہ زندگی کا اثر ہو۔

موسیٰ نے اپنے دائیں جانب اپنے بیٹے عبدالعزیز کو بائیں جانب طارق بن زیاد کو جگہ دی تھی۔ عبدالعزیز کے ساتھ نیم دائرے کی شکل میں ہسپانیہ کے علاقائی حکمران، سردارانِ فوج اور عرب و بربر معززین اور علما کی نشستیں تھیں۔ بائیں طرف اسی طرح یہودی اور عیسائی سرداروں کو جگہ دی گئی۔ ان میں مغیث الرومی کے علاوہ شاہ وٹیزا (غیطشہ) کا بھائی اوپاس، غیطشہ کے تینوں بیٹے المند، اوطباش، وقعہ اور مرسیہ کا امیر تھیوڈومیر اور اشبیلیہ کے اسقفِ اعظم کو بھی دربار میں بلایا گیا تھا۔

موسیٰ کے بالوں کا خضاب اتر چکا تھا اور سر اور داڑھی کے سفید بال ان کی ضعیف العمری کی غمازی کر رہے

تھے لیکن ضعیف ہونے کے باوجود ان کی آواز میں جوانوں جیسا کرارا پن تھا۔ انہوں نے حاضرین پر ایک طائرانہ نظر ڈالی اور بلند آواز میں کہا:

"وفادارانِ خلافتِ امیہ اور ہسپانیہ کے عوام کو علم ہے کہ ہم کچھ دنوں کے لیے دمشق جا رہے ہیں۔ اسی لیے ہسپانیہ میں ایک عارضی نظام قائم کیا جا رہا ہے۔ ہسپانیہ کے تمام مفتوحہ علاقوں کا والی امیر عبدالعزیز کو مقرر کرتے ہیں۔ اگر کسی کو اس پر اعتراض ہے تو معہ دلیل کے بیان کیا جا سکتا ہے"۔

اعتراض کی کس میں ہمت تھی۔

موسیٰ کا یہ فیصلہ قابلِ اعتراض تھا کیونکہ عبدالعزیز سے زیادہ اس عہدے کے طارق بن زیاد مستحق تھے۔ مگر اس کی ہمت صرف دو ہی اشخاص کر سکتے تھے۔ ایک خود طارق بن زیاد، دوسرے نواب جولین جنہیں موسیٰ کے دربار میں کافی دخل تھا۔

نواب جولین نے موسیٰ اور طارق کے جھگڑے میں بھی کھل کر طارق کا ساتھ دیا تھا۔ طارق پہلے ہی موسیٰ کے زیرِ عتاب تھے۔ وہ خاموش رہے۔ نواب جولین نے ضرور پہلو بدلا جیسے وہ کچھ کہنا چاہتے ہوں۔

موسیٰ بن نصیر بڑے جہاندیدہ شخص تھے۔ ان کی چھٹی حس نے انہیں آگاہ کر دیا تھا کہ نواب جولین ضرور اعتراض کریں گے۔ اس وقت بھی ان کی نظریں نواب جولین ہی پر لگی تھیں۔ نواب جولین نے جیسے ہی پہلو بدلا موسیٰ خود ہی بول پڑے:

"ہم جانتے ہیں ہسپانیہ کی امارت کے عبدالعزیز سے زیادہ طارق بن زیاد حقدار ہیں۔ ہسپانیہ کے باشندوں میں سے اگر ہم کسی کو امیر بناتے تو وہ مغیث الرومی ہوتے لیکن . . . . . یہ دونوں سردار ہمارے ساتھ دمشق جا رہے ہیں"۔

نواب جولین کا اعتراض الفاظ کی شکل نہ اختیار کر سکا بلکہ اس نے اس انتخاب کی تائید کی:

"سردارِ اعلیٰ کا انتخاب نہایت موزوں ہے"۔

طارق بن زیاد کو بھی طوعاً و کرہاً ہاں میں ہاں ملانا پڑی۔

موسیٰ نے دوسرا اعلان کیا:

"مرسیہ کے سابق گورنر تھیوڈومیر (تدمیر) کو ان کا علاقہ واپس کیا جاتا ہے۔ وہ بدستور مرسیہ کے گورنر رہیں گے"۔

اس فیصلے کی بھی سب نے تعریف کی۔

ہسپانیہ کا سابق شہنشاہ ڈیزا (غیطشہ) جس سے راڈرک نے زبردستی شاہی چھینی تھی، اس کے بھائی اور

بیٹوں کو بھی جاگیریں دیے جانے کا اعلان کیا گیا۔ ان افراد نے مسلمانوں کی دامے، درمے، سخنے مدد کی تھی۔ غیطیشہ کے بڑے بیٹے المند کو مغربی اضلاع میں ایک ہزار جاگیریں عطا ہوئیں۔ یہ جاگیریں اشبیلیہ کے قریب تھیں۔ دوسرے بیٹے اوطباشس کو اتنی ہی جاگیریں وسط ہسپانیہ میں دی گئیں۔ اس نے قرطبہ میں رہنے کی خواہش ظاہر کی اور تیسرے بیٹے وقعہ کو مشرقی حدود میں طلیطلہ کے اردگرد جاگیریں ملیں۔

غیطیشہ کا بھائی پادری اوپاش قلندر صفت انسان تھا۔ اس نے اپنے بجائے ہسپانیہ کے کئی کلیساؤں کے لیے جاگیریں عطا کرنے کی خواہش کی۔ اس کی یہ خواہش پوری کر دی گئی۔

موسیٰ بن نصیر نے سرداروں کے مشورے سے صوبیداروں میں کچھ ردوبدل کیا لیکن اس طرح کہ انتظامی ضرورت بھی پوری ہو جائے اور لوگوں کی کم از کم دل شکنی ہو۔

محفل رات گئے برخاست ہوئی۔ موسیٰ کی روانگی اگلی صبح تک ملتوی ہو گئی۔

ہر شخص اپنی جگہ خوش تھا۔ سب سے زیادہ خوشی عبدالعزیز کو تھی۔ انہیں علم نہ تھا کہ موسیٰ اپنے ساتھ طارق بن زیاد اور مغیث الرومی کو دمشق لیے جا رہے ہیں۔ ان کی خوشی ایک تو اس وجہ سے تھی کہ ان کی محبوب ملکہ نے جس بات کی خواہش کی تھی وہ اپنے آپ ہی پوری ہو گئی تھی۔ دوسرے یہ کہ طارق اور مغیث کے بعد امارت پر ان کا حق تھا اور تمام دربار نے بلا عذر اس کی تصدیق کر دی۔

○

عبدالعزیز قلعے میں پہنچے تو مسرت ان کے چہرے سے پھوٹی پڑتی تھی۔ وہ ایک شجاع اور بہادر شمشیر زن تھے۔ ان کی چال ڈھال میں ایک خاص قسم کی آن بان تھی لیکن پورے ہسپانیہ کی امارت کے تصور نے ان کی چال میں ایک عجیب طرح کی شان اور تمکنت پیدا کر دی تھی۔ آج ان کے پاس ملکہ کے لیے بہت خوش خبری تھی لیکن وہ سوچ رہے تھے کہ کہیں ملکہ سو نہ گئی ہو اور وہ اسے یہ خوش کن خبر نہ سنا سکیں۔

جس وقت انھوں نے ملکہ کے کمرے میں قدم رکھا، ملکہ نے اسی وقت کروٹ بدلی۔ عزیز خوشی سے گویا پُرمسرت لہجے میں بولے:

"جانِ عزیز..... اٹھ کر عزیز کا استقبال کرو۔ تمہارے لیے ایک اہم خوش خبری ہے۔"

ملکہ جاگ رہی تھی۔ فکر نے اس کی نیند اڑا دی تھی..... عبدالعزیز کے اس جملے سے وہ چونک کر ہڑبڑا کر اٹھ بیٹھی۔

ملکہ نے بے چین اور سہمے سے لہجے میں پوچھا:

"اب زیادہ نہ ترسایئے۔ بتلایئے کیا خوش خبری ہے۔ کس قلعے کی صوبیداری آپ کو ابا حضور نے دی؟"

"صوبیداری نہیں جی لونا...... ابا حضور نے مجھے پورے ہسپانیہ کی امارت سونپ دی ہے۔"

عزیز کی زبان سے ابھی یہ الفاظ پوری طرح ادا بھی نہ ہوئے تھے کہ ملکہ دوڑ کر ان سے لپٹ گئی۔ اور خوشی سے مخمور ہوتے ہوئے کہا:

"عزیز..... ہسپانیہ کی شہنشاہیت تمہیں میری دعاؤں سے ملی ہے۔ خداوند یسوع مسیح ہم پہ مہربان ہو گئے ہیں۔"

عبدالعزیز مسکرا کر بولے:

"شہنشاہیت نہیں۔ امارت۔"

"اس سے کوئی فرق نہیں پڑتا۔" ملکہ ہنستے ہوئے بولی:

"اب پورے ہسپانیہ کے سفید و سیاہ کے مالک تو تم ہو گئے نا؟"

"اس میں کیا شک ہے ملکہ۔" عزیز نے ملکہ کی بات کی تصدیق کر دی۔

ملکہ نے زور سے آواز لگائی:

"ارے کیتھری، مرینہ، جوزی...... تم سب کہاں مر گئی ہو۔ جلدی سے آؤ۔"

ملکہ کی تمام کنیزیں ہڑبڑا کر ایک ساتھ کمرے میں گھس آئیں لیکن عبدالعزیز کو دیکھ کر ٹھٹک کے دروازے کے قریب کھڑی ہو گئیں۔

جی لونا، عبدالعزیز کو چھوڑ کر ان کے سامنے کھڑی ہو گئی اور کنیزوں سے کہا:

"تم سب میرے پیچھے کھڑی ہو جاؤ۔"

کنیزیں اس کے پیچھے آ گئیں۔

جی لونا نے بلند آواز میں کہا:

"ہم ہسپانیہ کے نئے تاجدار شہنشاہ عبدالعزیز بن موسیٰ بن نصیر کو کورنش پیش کرتے ہیں۔"

جی لونا، عبدالعزیز کے سامنے اس حد تک جھک گئی کہ اس کا سر فرش کو چھونے لگا۔ یہ شہنشاہِ ہسپانیہ کو گاتی انداز میں سجدہ کرنا تھا۔ کنیزوں نے اس کی تقلید کی اور سب کی سب عزیز کے سامنے سربسجود ہو گئیں۔

عبدالعزیز گھبرا گیا۔

اسے پسینہ آنے لگا۔

اس نے جلدی سے آگے بڑھ کر جی لونا کو سجدے سے اٹھایا اور سینے سے لگاتے ہوئے کہا:

"جانِ عزیز . . . . . مجھے کیوں گنہ گار کرتی ہو۔ سجدہ تو صرف خدائے واحد کو کیا جا سکتا ہے"۔

"یہ سجدہ بھی خدا ہی کا ہے میرے شہنشاہ!"

جی لونا اس وقت پھولے نہ سما رہی تھی:

"شہنشاہ دنیا میں خدا کا نائب ہوا کرتا ہے"۔

"نہیں جی لونا . . . . . یہ ممکن نہیں"۔ عزیز نے کہا:

"ان کنیزوں کو حکم دو کہ سجدے سے سر اٹھائیں"۔

کنیزوں کی پیشانیاں اب تک زمین کو چوم رہی تھیں۔

جی لونا نے عزیز کے گلے میں بانہیں ڈالتے ہوئے کہا:

"یہ تو ہوگا میرے شہنشاہ۔ جی لونا عیسائی ہے۔ عیسائیت کے کچھ اصول تو آپ کو تسلیم کرنا ہوں گے"۔

"کیا کہہ رہی ہو جی لونا!" عزیز پریشان ہوتے ہوئے بولا:

"میرے باپ کو خبر ہوگئی تو یہ امارت مجھ سے چھن جائے گی۔ مسلمان اسے قطعی برداشت نہیں کر سکتے"۔

ملکہ نے ایک منٹ سوچتے ہوئے کنیزوں کو کھڑے ہونے کا حکم دیا:

"خبردار۔ محل کی کوئی بات محل سے باہر نہ نکلنے پائے۔ محل کے اندر عبدالعزیز شہنشاہ ہوں گے۔ ان کی تعظیم میں تمام شاہانہ طور طریقے برتے جائیں گے۔ باہر اپنے دربار میں چاہے یہ امیر ہوں یا والی۔ ہمیں اس سے کوئی مطلب نہیں"۔

عبدالعزیز کو کوئی معقول جواب نہ سوجھا۔ وہ بولے:

"جی لونا۔ قلعے کے اندر تم جو جی چاہے کرو لیکن اس کی خبر باہر نہ نکلنا چاہیے"۔

"میں اس کا وعدہ کرتی ہوں شہنشاہ" جی لونا بڑے پیار سے بولی۔

عبدالعزیز کو پہلی بار شہنشاہ کا لفظ اچھا لگا۔

امارت یا شہنشاہیت؟

وہ بھنور میں پھنس گئے!

موسیٰ بن نصیر نے اشبیلیہ سے قیروان تک کے سفر کے دوران دولت اور مال و اسباب کی نمائش کا زیادہ اہتمام نہ کیا لیکن جب وہ قیروان سے ملک شام روانہ ہوئے تو انھوں نے نمود و نمائش کا ایسا مظاہرہ کیا جس کی نظیر تاریخ میں نہیں ملتی۔ آگے آگے نازک بدن، ناز آفریں، نازنینانِ ہسپانیہ، دس بیس نہیں تیس ہزار پری جمال ماہ رخ عورتیں گاڑیوں میں سوار تھیں۔ قالینوں پہ چلنے میں لوچ کھانے والی شہزادیاں معمولی گاڑیوں میں بیٹھی، بڑی زمانہ کا تماشہ دیکھ رہی تھیں۔ ان کے پیچھے چار سو شہزادے اور والیان ریاست تھے۔ ان سب کا تعلق گاتھ قوم سے تھا جو صدیوں سے ہسپانیہ پر حکمرانی کر رہے تھے اور اب سونے کے گلوبند پہن کر بیر غلاموں میں شامل ہو گئے تھے۔

بار برداری کے اونٹوں کی کئی قطاریں تھیں۔ یہ اونٹ بڑی خوبصورتی اور نفاست سے سجائے گئے تھے۔ ریشمی زریں تھانوں کی جھولیں ان پر پڑی تھیں۔ اور یہ ہودج اور عماریاں تھیں جن پہ ہسپانیہ کے خزانوں کے علاوہ زرینہ تلواریں، زیورات اور زرق برق ملبوسات بار تھے۔

اونٹوں کے عقب میں تیس پینتیس گاڑیوں پر سونا چاندی، ہیرے جواہرات، زربفت، کمخواب کے پارچہ جات اور زمین کی آرائش کا ایسا نادر سامان لدا تھا جس کا نام بھی افریقہ یا عرب کے لوگ نہیں جانتے تھے۔

موسیٰ بن نصیر اپنے عمائدینِ افریقہ، معززین عرب اور فوجی افسران کے ساتھ جب قیروان سے نکلے تو دیکھنے والوں کی آنکھیں کھلی رہ گئیں۔ ان کے جلو میں گاتھ قوم کے سردار، ماریطینہ کے عظیم المرتبت حکام، محافظین، خراج گزار اور خدام کا ایک اتنا بڑا گروہ تھا کہ جس پر خلیفۂ وقت کے جلوس کا گمان ہوتا تھا۔ ظاہر ہے اس کا مقصد سوائے شہرت اور شان و شوکت کے اور کچھ نہ تھا۔

اس شاہانہ جلوس کے آخر میں ایک لاکھ غلام تھے جنہیں واقعی غلام بنایا گیا تھا۔ ان کے سروں پر بھی مختلف سامان لادا گیا تھا۔ غلاموں کی طویل قطاریں اگر جلوس کی عظمت دوبالا کر رہی تھیں تو دوسری طرف ان سے بے جا نمود و تکبر کی بو آتی تھی۔ اگر جلوس دیکھنے والے مرعوب ہو رہے تھے تو جلوس ترتیب دینے والا دماغ اور سر بھی غرور سے اکڑ گیا تھا۔

انسان بہرصورت انسان ہے۔

موسیٰ ایک بہادر، شجاع اور دیندار آدمی تھے لیکن افریقہ اور ہسپانیہ میں انہیں اس قدر طاقت حاصل ہو گئی تھی کہ ان کے قدم زمین پر نہ پڑتے تھے۔ وہ فرشتے تو نہ تھے اس لیے ان سے غلطیاں بھی ہوئیں۔

سب سے پہلی غلطی طارق بن زیاد کی سرزنش تھی۔ طارق، بربر قوم کے محبوب سردار تھے۔ ان پر ہاتھ اٹھا کر بربروں کو اپنا مخالف بنایا۔

پھر ہسپانیہ میں بعض سپاہیوں اور یہودیوں نے ان کا دل کھول کر ساتھ دیا۔ والیِ سبتہ نواب جولین، یہودی

سردار مغیث الرومی نے مسلمانوں کا ہر قدم پر ساتھ دیا اور ان کے شانہ بشانہ لڑے۔

مغیث الرومی تو فاتح قرطبہ تھا۔ اس کی فوج نے اریو بیلہ میں بہادری کی مثال قائم کی تھی۔ اس کی خدمات کا تقاضا تو یہ تھا کہ موسیٰ اسے نامورانِ فوج کے زمرے میں جگہ دیتے لیکن موسیٰ شاید مغیث کے اس لیے خلاف تھے کہ وہ طارق بن زیاد کا انتہائی وفادار دوست اور سردار تھا۔

موسیٰ بن نصیر نے مغیث الرومی کو حکم دیا کہ وہ سونے کا گلوبند گردن میں ڈال کر غلام والیانِ ریاست کی صفوں میں شامل ہو کر چلے۔

یہ بہت بڑی زیادتی تھی۔ طارق بن زیاد کو پہلے ہی ذلیل کیا جا چکا تھا۔ مغیث الرومی کے لیے یہ حکم موت کا پروانہ بن گیا۔ غیور یہودی سردار یہ برداشت نہ کر سکا۔ اس نے انکار کر دیا۔ اسے انکار کرنا بھی چاہیے تھا۔ اس نے موت کو گلے لگا لیا۔ ..... لیکن موسیٰ کے دامن پہ ایک ایسا داغ چھوڑ گیا جو کبھی نہ مٹ سکے گا۔

قیروان سے قاہرہ تک جلوس کو دیکھنے والوں کا یہ عالم تھا کہ راستے کے دونوں طرف تماشائیوں کی دیوار سی کھڑی معلوم ہوتی۔ کیا اہلِ شہر اور کیا اہالیانِ صحرا ــ جو سنتا، دیکھنے کے لیے بھاگا چلا آتا۔

جلوس ابھی پیچھے ہی تھا اور اس کی شہرت آگے آگے چل رہی تھی۔ ساحلِ سمندر کے مچھیرے اور کشتی ران غول اپنا کام کاج چھوڑ کر صبح سے جلوس کے راستے پہ آ جاتے۔ اس جلوس کی لمبائی اتنی تھی کہ اس کے گزرنے میں کئی کئی گھنٹے لگ جاتے۔ لوگ اپنے ساتھ کھانا باندھ کر لاتے۔ چھوٹے دکانداروں نے کھانے پینے کی دکانیں راستے میں سجا لی تھیں۔

جلوس کیا تھا ایک میلہ تھا، ایک تہوار تھا۔ بعض مقامات پہ لوگ کئی دن پہلے پہنچ کر جلوس کا انتظار کرتے۔ جو دیکھتا دانتوں میں انگلیاں دبا لیتا۔ آنکھیں حیرت سے پھٹ جاتیں۔

جاہ و جلال کی نمود و نمائش نے موسیٰ بن نصیر کو واقعی مغرور کر دیا۔ چاپلوسوں اور خوشامدیوں کو موقع ہاتھ آ گیا تھا۔ انہوں نے موسیٰ کی اتنی تعریف کی کہ ان کے قدم زمین پہ نہ پڑتے تھے۔

جلوس قاہرہ میں پہنچ کر جب نیل کے کنارے پہنچا تو تمام راستے بند ہو گئے اور بڑی مشکل سے کشتیوں میں دریا عبور کیا گیا۔

دارالخلافہ دمشق میں موسیٰ بن نصیر کی واپسی اور اس شاندار جلوس کی خبریں برابر پہنچ رہی تھیں۔ موسیٰ کے ساتھ آنے والی دولت کا تذکرہ جب دمشق کے بازاروں میں کیا جاتا تو لوگوں کو یقین نہ آتا اور وہ اسے محض ایک افسانہ سمجھتے۔ خود خلیفہ ولید بن عبدالملک کو بھی یقین نہ آیا کہ موسیٰ اندلس (ہسپانیہ) سے اس قدر دولت لا سکتے ہیں۔

ولید کا دل موسیٰ کی طرف سے صاف نہ تھا لیکن اس کی واپسی نے اس کے تمام شکوک رفع کر دیے۔ اس نے طے کیا کہ وہ دمشق کے دروازے پر موسیٰ کو خوش آمدید کہے گا لیکن موسیٰ کا جلوس بڑی سست رفتاری سے آ رہا تھا اور ولید بن عبدالملک کی بیماری اتنی ہی تیزی سے بڑھتی جا رہی تھی۔ وہ صاحبِ فراش تھا اور قریب المرگ تھا۔ ایک طرف شاہی طبیب اسے بچانے میں مصروف تھے۔

دوسری طرف ولید کا بھائی سلیمان بن عبدالملک اس کی جلد موت کا انتظار کر رہا تھا۔

سلیمان بن عبدالملک ولی عہدِ سلطنت تھا اور اسے پوری امید تھی کہ بھائی کی وفات کے بعد خلافت کا تاج اس کے سر پہ رکھا جائے گا۔ موسیٰ بن نصیر کے ساتھ آنے والی دولت کا حال جب سے اس نے سنا تھا اس کی نیت بے چین ہو گئی تھی۔ وہ چاہتا تھا کہ موسیٰ اتنی تاخیر سے دمشق میں داخل ہوں کہ ولید کا انتقال ہو چکا ہو اور یہ تمام دولت اس کے ہاتھ لگے۔

سلیمان سے زیادہ اس کے حواریوں کو اس کی فکر تھی۔ ..... انھوں نے سلیمان کو مشورہ دیا کہ موسیٰ بن نصیر کو حکم دیا جائے کہ وہ ولید کی وفات کے بعد دمشق میں داخل ہو۔

سلیمان اس وقت صرف ولی عہد تھا۔ وہ موسیٰ کو حکم تو نہ دے سکا لیکن اس نے اپنا ایک معتمد موسیٰ کے پاس بھیجا جس کے ذریعے موسیٰ سے اپنی اس خواہش کا اظہار کیا کہ وہ اپنی رفتار کسی حیلے بہانے سست کر لیں یا دمشق سے کچھ دور اس وقت تک ٹھہرے رہیں جب تک ولید بن عبدالملک کا انتقال نہیں ہو جاتا۔

سلیمان کے معتمد قاصد نے یہ پیغام جو ایک حکم کا درجہ رکھتا تھا، جب موسیٰ کو پہنچایا تو وہ بڑی الجھن میں پڑ گئے۔ موسیٰ بن نصیر پہ ولید بن عبدالملک نے شک کیا تھا۔ دربار اور خطبوں میں ان کی تحقیر کی گئی تھی۔ وہ ولید کے سامنے پہنچ کر اپنی صفائی پیش کرنا چاہتے تھے لیکن دوسری طرف ولی عہد سلیمان بن عبدالملک کی دھمکی آمیز خواہش تھی۔

سلیمان کی حکم عدولی، خلیفہ کی حکم عدولی تھی کیونکہ ولید کے بعد سلیمان کی خلافت یقینی تھی۔ موسیٰ بن نصیر نے نمایاں کی تھیں۔ ان کے ہاتھوں کچھ مظالم بھی ہوئے تھے۔ وہ مغرور بھی ہو گئے تھے لیکن ان سب باتوں کے باوجود خلافت کے وفادار تھے۔ نمک حلالی اور دیانت داری سے انحراف نہیں کرنا چاہتے تھے۔

موسیٰ بن نصیر نے معتمد قاصد سے دھیمے لہجے میں کہا:

"ولی عہد بہادر سے میرے سلام کے بعد عرض کرنا کہ میں خلافت اور اپنے ولی نعمت خلیفہ ولید کا وفادار ہوں۔ نمک حرامی اور غداری نہیں کر سکتا۔ ..... اگر دمشق پہنچتے پہنچتے خلیفہ کا انتقال ہو گیا تو یہ تمام دولت آپ کے حضور میں پیش کر دی جائے گی۔"

لیکن معتمد قاصد نے سلیمان کے سامنے موسیٰ کا بیان اپنے الفاظ میں یوں سنایا:

"اے امیر المومنین (حالانکہ ابھی سلیمان صرف ولی عہد تھا) خودسر اور مغرور غلام زادے موسیٰ نے جواب دیا ہے کہ میں ولید سے غداری نہیں کر سکتا۔ یہ دولت اس کی ہے"۔

پھر اپنی طرف سے اس نے یہ ٹکڑا لگایا:

"یا امیر المومنین! اس نے اپنے جلوس کی رفتار تیز کر دی ہے۔ وہ جلد سے جلد دمشق پہنچ کر تمام خزانے اور سامان ولید کو پیش کرنا چاہتا ہے"۔

سلیمان بن عبدالملک یہ جواب سن کر غصے سے لال بھبوکا ہو گیا۔ ولید بن عبدالملک کے تمام ابن الوقت درباری ولید کی زندگی سے ناامید ہو کر سلیمان کے گرد اکٹھے ہو گئے تھے۔ ان میں وہ درباری بھی تھے جنہوں نے موسیٰ بن نصیر کے خلاف ولید کے کان بھرے تھے۔ اب انہوں نے ہونے والے خلیفہ کے گرد اپنا حلقہ بنا لیا۔

ان میں سے ایک بولا:

"اس گستاخ کو ایسی سزا دیجیے کہ اس کی سات پشتیں یاد رکھیں"۔

دوسرے نے کہا:

"یا امیر المومنین! موسیٰ نے تو افریقہ اور ہسپانیہ میں اپنی خلافت قائم کر لی ہے۔ اس نے اپنے ایک بیٹے عبدالعزیز کو پورے ہسپانیہ کا خودمختار بادشاہ بنا دیا ہے اور پورے افریقہ کا امیر دوسرے بیٹے عبداللہ کو مقرر کیا ہے"۔

تیسرے نے اس کی ہاں میں ہاں ملا کر کہا:

"یہ ٹھیک کہہ رہا ہے امیر المومنین۔۔۔۔ پچھلے سال میں قیروان گیا تھا۔ کیا ٹھاٹ تھے موسیٰ کے۔ ہزاروں غلام اور کنیزیں اس کے محل میں ہیں۔ ایسی شان سے رہتا ہے کہ عقل دنگ رہ جاتی ہے۔ ایسی شان دیکھو تو دمشق کے خلیفہ کی بھی نہ ہو گی"۔

درباریوں کے اس گروہ میں موسیٰ بن نصیر کا کوئی ایک بھی ہمدرد نہ تھا۔ ہر ایک ان سے خار کھائے بیٹھا تھا۔ سلیمان، موسیٰ سے جلا تو ہوا ہی تھا۔ ان کی باتوں نے جلتی پر تیل کا کام کیا۔

سلیمان نے کہا:

"میرے وفادارو۔ فکر مت کرو۔ موسیٰ سے پائی پائی اور پل پل کا حساب لیا جائے گا۔ صرف وقت کا انتظار کرو"۔

ایک درباری نے ایک نیا شگوفہ چھوڑا: "امیر المومنین۔۔۔۔ موسیٰ، حجاج بن یوسف کا پروردہ ہے اور حجاج کی طرح ظالم اور خودسر ہے"۔

ایک اور نے گرہ لگائی:

"قتیبہ بن مسلم اور محمد بن قاسم بھی حجاج ہی کے گرگے ہیں امیر المومنین۔۔۔۔ یہ لوگ دمشق کی خلافت پہ چھائے ہوئے ہیں۔ خلیفہ کی تو پرواہی نہیں کرتے"۔

ایک درباری نے تو ایسا زہر میں بجھا ہوا تیر چلایا کہ سلیمان تڑپ کر رہ گیا۔

اس نے کہا:

"امیر المومنین کو یہ تو ضرور یاد ہو گا کہ موسیٰ نے حضور کی ولی عہدی کی سخت مخالفت کی تھی"۔

یہ تیر بالکل نشانے پر بیٹھا۔

سلیمان ٹھنڈی سانس لے کر بولا:

"ہاں، مجھے وہ وقت اچھی طرح یاد ہے۔ وہ لوگ بھی یاد ہیں جو میری مخالفت میں پیش پیش تھے"۔

موسیٰ بن نصیر کے بارے میں دمشق پہنچنے سے پہلے ولی عہد سلیمان اور اس کے حواریوں کے اس طرح کے خیالات تھے۔ ان کے خلاف نفرت کا لاوا پک رہا تھا۔ سلیمان کے کان بھرے جا رہے تھے۔

موسیٰ بن نصیر پر لگائے جانے والے الزامات میں سے بعض میں حقیقت بھی تھی لیکن یہ الزامات ایسے نہ تھے کہ موسیٰ کی خدمات اور وفاداری کو یکسر بھلا کر اس کے خلاف یکطرفہ فیصلہ کیا جاتا۔

قدرت نے خلیفۂ وقت ولید بن عبدالملک کی عمر میں پچاس دن کا اضافہ کر دیا۔

یا تو یہ حال کہ خود کروٹ بھی نہ بدل سکتا تھا، غذا تو ایک طرف دوا بھی حلق سے نہ اترتی تھی۔ اس کے بہی خواہ اس کی زندگی سے ناامید ہو گئے تھے۔ کوئی دم تھا کہ جاتا تھا اور کہاں یہ کیفیت کہ ایک ہفتے کی مسلسل غشی سے اس طرح آنکھیں کھول دیں جیسے کوئی نیند سے بیدار ہوتا ہے۔ دعا مانگنے والوں کے چہروں پر رونق آ گئی اور لبوں پر خوشی کا تبسم عود کر آیا۔

ولید نے آنکھیں کھولتے ہی شاہی طبیب سے سوال کیا:

"موسیٰ کہاں تک پہنچا ہے؟"

طبیب نے متانت سے جواب دیا: "یا امیر المومنین! موسیٰ بن نصیر کا جلوس حدود شام میں داخل

ہو چکا ہے"۔

ولید نے اطمینان کی سانس لی اور بولا:

"کیا ایسا ممکن نہیں کہ ہم فاتحینِ ہسپانیہ کو دمشق کے دروازے پر پہنچ کر خوش آمدید کہیں"۔

"خدا کی ذات سے ہر چیز ممکن ہے امیر المومنین"۔ طبیب نے خلیفہ کو تسلی دی:

"جس ذات نے آپ کو آنکھیں کھولنے کی طاقت دی ہے۔ وہی ذاتِ والا صفات آپ کو چلنے پھرنے کی طاقت بھی عطا کرے گا"۔

خلیفہ نے اٹھنے کی کوشش کی لیکن نقاہت نے اٹھنے نہ دیا۔ اس نے کہا:

"ہمیں سہارا دے کر بٹھایا جائے"۔

خلیفہ ولید کو تکیوں کے سہارے بٹھایا گیا۔ طبیب نے دوا کا پیالہ پیش کیا۔ ولید نے بڑے اطمینان سے دوا پی۔

طبیب نے پوچھا:

"امیر المومنین اپنی بیماری میں کچھ افاقہ محسوس کرتے ہیں"۔

"کیوں نہیں"۔ ولید مسکرایا:

"ہمیں تو یوں محسوس ہوتا ہے جیسے ہم بالکل اچھے ہیں"۔

"الحمد للہ....." طبیب کی زبان سے بے ساختہ نکلا۔

اس رات پورے دمشق میں چراغاں کیا گیا اور مساجد میں شکرانے کے نوافل ادا کیے گئے۔

خلیفہ ولید کی طبیعت بڑی تیزی سے بحال ہو رہی تھی۔ وہ ہمہ وقت موسیٰ کے بارے میں گفتگو کرتا رہتا اور موسیٰ کی آمد کا بے چینی سے انتظار تھا۔

موسیٰ بھی دمشق پہنچنے کے لیے کچھ کم بے چین نہ تھے۔ انھوں نے اپنی رفتار واقعی تیز کر دی تھی۔ وہ چاہتے تھے کہ اپنے آقائے نعمت کی زندگی میں دمشق پہنچیں۔ اپنے اوپر لگائے جانے والے الزامات کا ازالہ کریں اور ساتھ لائی ہوئی تمام دولت ان کی نذر کریں۔

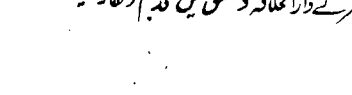

وہ جمعہ کا مبارک دن تھا، جب موسیٰ بن نصیر نے دار الخلافہ دمشق میں قدم رکھا۔ خلیفہ کو ان کے

...لاع پہنچائی جا رہی تھی۔

...جمعہ کے دن خلیفہ نے بہت ضد کی کہ وہ موسیٰ کا استقبال کرنے شہر کے دروازے پر جائے گا لیکن شاہی ...نے بڑی منت سماجت کر کے اسے نہ جانے دیا۔ خلیفہ نے مجبور ہو کر جامعہ دمشق میں نمازِ جمعہ ادا کرنے کی ...طبیب نے ڈرتے ڈرتے اجازت دی۔ اسے خطرہ تھا کہ کہیں مرض کا دوبارہ حملہ نہ ہو جائے۔

...خلیفہ ولید بن عبد الملک اور جامعہ دمشق کا ذکر لازم و ملزوم ہے۔ ولید کی ذات کی اس وقت تک تکمیل نہیں ...تک دمشق کی اس عظیم الشان اور رفعت نشان مسجد کا ذکر نہ کیا جائے۔

...دنیاوی امور سے قطع نظر، خلیفہ ولید نے اپنے دورِ حکومت میں دین کے دو ایسے کام کیے ہیں جو اس کی ...حسن کے ضامن کہے جا سکتے ہیں۔

...اس کا پہلا کام مسجدِ نبوی (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) کی از سر نو تعمیر ہے۔ مسجدِ نبویؐ کی تعمیرِ نو میں ولید نے ...فیاضی کا مظاہرہ کیا اس کا اندازہ صرف اس امر سے لگایا جا سکتا ہے کہ مسجد کی صرف قبلہ رُو دیوار اور اس پر ...کام پر اس دور میں ۴۵ ہزار اشرفیوں کا خرچ آیا تھا۔

ولید کا دوسرا اہم کارنامہ جامعہ اُموی یا جامعہ دمشق کی تعمیر ہے۔ مورخین کا بیان ہے کہ اس کی تعمیر پر ...کام پورے سات سال کا خراج صرف ہوا جس کا اندازہ چھپن لاکھ اشرفیاں لگایا جاتا ہے۔

مسجد کی تعمیر کے لیے برصغیر پاک و بھارت، فارس اور روم وغیرہ سے کاریگر اور تعمیر کا سامان منگوایا ...تھا۔ قیصرِ روم نے اس کی تعمیر کے لیے منبت کاری کا سامان بھیجا تھا اور صرف قبرص سے اٹھارہ جہازوں پر ...سونے چاندی کا آرائشی سامان آیا تھا۔ مسجد کے لیے سنگِ مرمر اور سنگِ سماق ان ملکوں سے منگایا گیا جو ...اس کے لیے مشہور تھے۔

...جامعہ دمشق کو بارہ ہزار مزدوروں نے نو۹ سال میں تعمیر کیا۔ اس میں اتنی وسعت تھی کہ بیک وقت ...ہزار آدمی نماز ادا کر سکتے تھے۔ تمام عمارت سنگِ مرمر کی تھی جس پر مختلف رنگوں سے بوقلمونی کی گئی ...در و دیوار پر منبت کاری اور طلائی، لاجوردی کام تھا۔ تزئین کا یہ حال تھا کہ مسجد کے اندر چھ سو قندیلیں ...سونے کی زنجیروں میں آویزاں تھیں۔

...غرض یہ کہ موسیٰ بن نصیر کو اسی مسجد میں اپنے آقا کے سامنے سرخرو ہونے کا موقع نصیب ہوا۔ جس وقت موسیٰ ...دمشق کے قریب پہنچے تو جمعہ کی نماز شروع ہو چکی تھی۔ موسیٰ اور ان کے تمام ساتھی سواریاں چھوڑ کر اپنے ...خالق کے حضور سربسجود ہو گئے۔ بار برداری کی تمام سواریاں، اونٹ گاڑیاں، چھکڑے، سب اپنی اپنی ...جگہ ساکت و جامد ہو گئے۔

نماز کے اختتام پر خلیفہ کو اطلاع دی گئی کہ موسیٰ بن نصیر پچھلی صفوں میں نماز ادا کر رہے ہیں۔

خلیفہ نے بڑی بے تابی سے پلٹ کر دیکھا۔ موسیٰ اپنے ساتھیوں کے ساتھ خلیفہ کی طرف آ رہے تھے۔ موسیٰ قریب پہنچ کر تعظیم بجا لائے۔ ولید نے اپنے دونوں بازو موسیٰ کی طرف پھیلا دیے۔ موسیٰ بڑھ کر ولید کے سینے سے لگ گئے۔

گلے لگاتے وقت خلیفہ ولید کی آنکھیں آبدیدہ ہو گئیں۔ یہ اشکِ ندامت تھے۔ خلیفہ نے مفاد پرستوں کی باتوں میں آ کر موسیٰ پہ شک کیا تھا۔ ان اشکوں نے تمام گلے شکوے دھو ڈالے۔ موسیٰ کے بعد طارق بن زیاد اور ان سرداروں سے ملے جن کے زورِ بازو سے ہسپانیہ فتح ہوا تھا۔

ولید نے موسیٰ سے آہستہ سے کہا:

"موسیٰ۔۔۔۔۔ ہم تم سے بہت شرمندہ ہیں۔"

"امیر المومنین! شرمندہ تو یہ ناچیز ہے جو جلد آپ کی قدم بوسی کے لیے حاضر نہ ہو سکا۔" موسیٰ نے سر جھکا کر جواب دیا۔

خلیفہ نے موسیٰ کا ہاتھ پکڑ کر کہا:

"ہمارے ساتھ چلو۔ بیٹھ کر اطمینان سے باتیں ہوں گی۔"

موسیٰ نے عرض کی:

"امیر المومنین کو دوبارہ زحمت اٹھانا پڑے گی اس لیے التماس ہے کہ واپسی سے پہلے مجھے مالِ خمس کا نذرانہ پیش کرنے کی اجازت دی جائے۔"

خلیفہ وقت وہیں بیٹھ گیا اور حکم دیا:

"جامع دمشق کے باہر دربار لگایا جائے۔"

ارکینِ سلطنت تعمیلِ حکم کے لیے دوڑ پڑے۔ دیکھتے ہی دیکھتے چھولداریاں لگ گئیں۔ شامیانے تن گئے۔ فرش بچھ گیا اور مسند آراستہ کر دی گئی۔

ولید، موسیٰ کا ہاتھ پکڑے ہوئے مسجد سے نکل کر شامیانے کے نیچے آئے اور اپنی مسند سنبھالی۔ خلیفہ نے موسیٰ کو اپنی دائیں جانب جگہ دی۔ بائیں طرف ولی عہدِ خلافت سلیمان بن عبدالملک تھا۔ موسیٰ کی اس عزت افزائی پر سلیمان دل ہی دل میں جل بھن رہا تھا۔

سلیمان کے برابر طارق بن زیاد کو جگہ ملی۔

موسیٰ بن نصیر نے دمشق میں داخلے سے پہلے اپنے ایک سردار کو سمجھا دیا تھا کہ نذرانہ پیش کرتے وقت

ی چیز پہلے اور کونسی چیز بعد میں لائی جائے۔

مرداس نے اس ترتیب کو نہ صرف ذہن نشین کر لیا تھا بلکہ یادداشت کے لیے ایک مکمل فہرست بنالی تھی۔

ولید نے دربارِ عام لگایا تھا اس لیے ہر ایک کو اس میں شرکت کرنے اور مالِ غنیمت دیکھنے کی اجازت تھی۔ دربار کے دونوں طرف دور دور تک لوگ دو رویہ کھڑے تھے۔ اژدہام کا یہ عالم تھا کہ تھالی پھینکیں تو سر کے سر جاتے۔ دمشق امڈ آیا تھا۔

سب سے پہلے چوبیس (بعض کے مطابق چونتیس) غلام سروں پر سونے کے طباق اٹھائے خلیفہ کے سامنے سے گزرے۔ سونے کے ہر طباق میں ایک تاج رکھا تھا۔ چوبیس تاج ہسپانیہ کے گزشتہ چوبیس شہنشاہوں کے تھے۔ ہر تاج پہلے تاج سے زیادہ خوبصورت اور قیمتی تھا۔ یہ تاج کیا تھے، سینکڑوں اور ہزاروں ہیرے جواہرات کے ٹکڑوں کا مجموعہ تھا۔ ہر ہیرا اور جواہر بے مثال اور نادرِ روزگار تھا۔ ان ہیروں کو اتنی نفاست اور سلیقے سے جڑا گیا تھا کہ ایک ہی ہیرا دکھائی دیتا تھا جس میں سے مختلف رنگ پھوٹتے نظر آتے تھے۔

تاجوں کی نمائش کے بعد سونے چاندی کے ظروف لے کر غلام حاضر ہوئے۔ ہر غلام کے سر پر سونے یا چاندی کا ایک بھاری برتن تھا۔ اتنا بھاری کہ غلام کو پسینہ آ رہا تھا۔ برتنوں کی تعداد کا اندازہ کرنا مشکل تھا۔ کئی سو نہیں بلکہ کئی ہزار غلام، خلیفہ کے سامنے سے گنگا جمنی ظروف اٹھائے گزر گئے۔ پھر پارچہ جات آنا شروع ہوئے۔ دیبا، حریر اور زربفت کے جگمگاتے اور جھلملاتے تھان کہ دیکھنے والوں کی آنکھیں نہ ٹھہرتی تھیں۔ ان تھانوں کی تعداد بھی کئی ہزار تھی۔

دن ڈھل رہا تھا اس لیے خلیفہ نے حکم دیا کہ غلام سامان لے کر جلدی جلدی گزریں۔

سونے چاندی کا تو کوئی حساب ہی نہ تھا۔ یہ جس طرح چھکڑوں پہ بار کیا ہوا تھا اسی طرح خلیفہ کے سامنے سے گزارا گیا۔ ان سونے چاندی کی اینٹوں کا وزن کسی جگہ درج نہیں۔ شاید اس لیے نہیں کہ جواہرات تک چھکڑوں میں لاد کر لائے گئے تھے۔

نادر اور نایاب اشیا کی آمد شروع ہوئی تو لوگ دیکھ کر ششدر رہ گئے۔ ان چیزوں کی تفصیل کے لیے ایک الگ باب چاہیے۔ اس کا اندازہ صرف اس سے کیا جا سکتا ہے کہ ان میں سب سے زیادہ معمولی چیز ایک ...تھا جو سونے چاندی کے تاروں سے بنا ہوا اور یاقوت، زبرجد اور دوسرے قیمتی جواہرات اور موتیوں سے ...کیا گیا تھا۔

عصر کی اذان ہوئی تو نماز کے لیے یہ سلسلہ روک دیا گیا۔ مسجد اور مسجد کے باہر صفیں ترتیب پا گئیں اور نماز ادا کی گئی۔

نماز کے بعد کنیزانِ ہسپانیہ کی باری آئی۔ یہ امیر شہزادیاں اور رئیس زادیاں تھیں۔ مختلف شکل و رنگ اور روپ والی مگر سب بے مثال اور ایک سے ایک لاجواب حسینہ۔ سفر کی تکان اور اسیری کے غم کے باوجود جوانی کی شادابی چہروں سے پھوٹی پڑتی تھی۔ ان کے گلے میں پڑی ہوئی سونے کی زنجیر غلامی کی نشانی تھی لیکن وہ لوگ جو زنجیر کے لطیف اشارے کو نہ سمجھتے تھے انہیں یہ زنجیر ایک زیور ہی معلوم ہوتا تھا۔

امیر شہزادیوں کی گاڑیاں آنا شروع ہوئیں تو بس آتی ہی چلی گئیں۔

خلیفہ نے آہستہ سے پوچھا:

"اسیران اور حسینانِ فرنگ کی تعداد کتنی ہوگی؟"

"تیس ہزار یا امیر المومنین"۔ موسیٰ نے بڑے فخر سے کہا۔

"تیس ہزار۔۔۔۔" خلیفہ حیرت سے بڑبڑایا اور حیرت سے موسیٰ کا منہ دیکھنے لگا۔

موسیٰ کا سر غرور سے بلند تھا۔

خلیفہ نے پوچھا:

"کیا ان میں ہسپانیہ کے شاہی خاندان کی خواتین بھی ہیں؟"

"جی نہیں امیر المومنین"۔ موسیٰ نے جواب دیا:

"یہ سب ان نامور سرداروں کی بیویاں اور بیٹیاں ہیں جو میدانِ جنگ میں مارے گئے اور ان کا کوئی وارث نہ رہا۔"

خلیفہ نے حکم دیا:

"ان سب کو آزاد کیا جاتا ہے۔ یہ جس مسلمان سے چاہیں شادی کر سکتی ہیں۔ جو ہسپانیہ میں رہنا پسند کریں انہیں ان کے ملک واپس پہنچایا جائے۔"

"لیکن یہ تو مالِ غنیمت میں حاصل ہونے والی کنیزیں ہیں امیر المومنین"۔ یہ اعتراض خلیفہ کے بھائی سلیمان نے اٹھایا۔

ولید انتہائی دیندار، روزے اور پنج وقتہ نماز کا پابند تھا۔ سلیمان کی بات پر وہ چڑ گیا اور بولا:

"یہ کنیزیں اس لیے بنائی گئی تھیں کہ ان کے وارثوں نے مسلمانوں کے خلاف تلوار اٹھائی۔ ان کے لیے یہی سزا کافی ہے کہ انہیں اتنے دور تک کنیز بنا کر لایا گیا۔ ہم نے انہیں آزاد کیا۔ ہمارے حکم میں دخل دینے کی ضرورت نہیں ہے۔"

ولید کی سخت گیری بھی مشہور تھی۔ سلیمان گھبرا گیا۔ پھر اس نے بولنے کی جرأت نہ کی۔

پھر خلیفہ کے سامنے چار سو سردارانِ ہسپانیہ پیش کیے گئے جن کے گلے میں سونے کے طوق پڑے تھے۔ سر جھکی ہوئی تھیں لیکن چال میں اب بھی تمکنت تھی۔

خلیفہ نے پوچھا:

"یہ کون لوگ ہیں؟"

موسیٰ نے جواب دیا:

"امیر المومنین! یہ ہسپانیہ کے وہ سردار ہیں جنہوں نے مسلمانوں کا مقابلہ کیا اور شکست کھا کے ہتھیار ڈال دیے۔"

خلیفہ نے حکم دیا:

"ان کے طوقِ غلامی اتار دیے جائیں۔ یہ چاہیں تو شاہی لشکر میں فوجی خدمات انجام دے سکتے ہیں۔ جو ہسپانیہ جانا چاہیں انہیں ہسپانیہ کی فوج میں ان کے مرتبے کے مطابق عہدے دیے جائیں۔ ان کی بہادری سے فائدہ اٹھانا آسانی ہوگی۔"

اسی وقت سینکڑوں زنجیریں اور طوق اتارے گئے اور سب کو آزادی حاصل ہوگئی۔

سب سے آخر میں خلیفہ کے سامنے ہسپانیہ کا سب سے زیادہ نادر تحفہ پیش کیا گیا۔ اس تحفے کے پیش ہونے سے دربارِ خلافت میں ایک نیا تنازعہ پیدا ہو گیا۔ یہ نادرِ روزگار اور متبرک تحفہ تھا۔ مائدہ سلیمانی۔۔۔۔ اس کے متعلق یہ روایت مشہور تھی کہ اسے حضرت سلیمان علیہ السلام نے بنایا تھا۔ اس کے ساتھ ایک رحل بھی تھی جو سلیمانی، طارق بن زیاد کو طلیطلہ سے دور ان لوگوں سے ملی تھی جو طلیطلہ سے بھاگ رہے تھے۔ اس میز کے پائے نہیں پائے تھے۔ اس میز میں اس قدر جواہرات لگے تھے کہ یوں محسوس ہوتا تھا جیسے قوسِ قزح کے رنگ کے کسی بڑے جواہر کو تراش کر بنائی گئی ہے۔

اس کے بارے میں یہ بات بھی مشہور تھی کہ ہسپانیہ کا جو شہنشاہ تخت پر بیٹھتا، وہ اظہارِ عقیدت کے طور پر خزانے کے بہترین ہیرے جواہرات اس میں جڑوا دیتا۔ اس طرح یہ میز ہیروں کا مجسمہ بن گئی تھی۔

طارق بن زیاد نے اس کا جو تھا پایہ سونے کا بنوایا تھا لیکن جس وقت انھوں نے موسیٰ بن نصیر کو ہسپانیہ کا مالِ غنیمت حوالے کیا تو وہ پایہ الگ کر کے اپنے پاس رکھ لیا۔ طارق بن زیاد جو تھا پایہ اپنے ساتھ پوشیدہ طور پر دمشق لائے تھے۔

مائدہ سلیمانی، خلیفہ کے حضور پیش کی گئی تو دیکھنے والوں کو حیرت کا دورہ سا پڑ گیا۔ ہر شخص انگشت بدنداں

خلیفہ نے پراشتیاق نظروں سے میز کو دیکھتے ہوئے کہا:

"یہ میز تو واقعی لاثانی ہے"۔

موسیٰ بن نصیر بڑے غرور سے بولے:

"یا امیرالمومنین۔ یہ مائدہ سلیمانی ہے۔ حضرت سلیمان علیہ السلام کی متبرک میز۔ یہ مجھے طلیطلہ کے معرکے کے دوران حاصل ہوئی تھی"۔

پتہ نہیں، یہ الفاظ موسیٰ کی زبان سے سہواً نکلے یا انہوں نے جان بوجھ کر طارق کی کارگزاری کو اپنے کھاتے میں ڈالنے کی کوشش کی۔

طارق بن زیاد، دربار میں سلیمان بن عبدالملک کے برابر بیٹھے تھے۔ موسیٰ کے اس جھوٹ پر انہیں بڑا غصہ آیا۔ پھر موسیٰ کے خلاف ان کے دل میں جو غبار بھرا تھا، جو عداوت تھی، اس کا انتقام لینے کا انہیں ایک حسین موقع ہاتھ آ گیا۔ ممکن ہے کہ انہیں سلیمان بن عبدالملک نے شہ دی ہو۔

طارق بن زیاد بولے:

"یا امیرالمومنین! غلام کا کارنامہ اپنے آقا کا کارنامہ ہی کہا جا سکتا ہے ورنہ حقیقت تو یہ ہے کہ مائدہ سلیمانی اس غلام کو طلیطلہ کے معرکے میں حاصل ہوئی تھی۔ میرے آقا موسیٰ بن نصیر تو اس وقت تک ہسپانیہ پہنچے بھی نہ تھے۔ اس کا چوتھا پایا میں نے سونے کا بنوایا تھا۔ اگر حکم ہو تو پیش کیا جائے"۔

طارق بن زیاد کے اس اظہار سے دربار میں سناٹا چھا گیا۔ موسیٰ کے مخالفین کو بغلیں بجانے کا موقع مل گیا۔ سب سے زیادہ خوش سلیمان بن عبدالملک تھا۔

موسیٰ بن نصیر اس حقیقت کی تردید نہ کر سکے۔ اس اظہار سے موسیٰ اور طارق کے اختلافات بھی کھل کر سامنے آ گئے۔ موسیٰ بن نصیر نے وقت کی نزاکت کا احساس کرتے ہوئے خاموشی اختیار کر لی۔

بدقسمتی سے خلیفہ کو مائدہ سلیمانی کی خبر اسی وقت مل گئی تھی جب یہ طارق کو طلیطلہ کے معرکہ کے دوران حاصل ہوئی تھی۔ خلیفہ نے موسیٰ اور طارق کے اختلافات کی بو پالی مگر اس نے اس کو ہوا دینے کی کوشش نہ کی۔ اس نے اس بارے میں مزید کوئی گفتگو نہ کی۔

ولید ہنس کر بولے:

"طارق! تمہاری خدمات کا بھی ہمیں اعتراف ہے"۔

موسیٰ بن نصیر چپ کے گھونٹ پی کر رہ گئے۔ طارق اب ان کے ہاتھ سے نکل چکے تھے۔ وہ ان کا کیا بگاڑ سکتے تھے۔

ولید بن عبدالملک کو کچھ خیال آ گیا۔ انہوں نے موسیٰ سے پوچھا:

"شاہی خاندان کے افراد کی درخواستیں ہمیں پیش کی گئی تھیں۔ ہم نے ان پر احکامات صادر کیے تھے۔ ان پر کہاں تک عمل ہو سکا؟"

"یا امیرالمومنین!" موسیٰ کا لہجہ رندھا ہوا تھا۔ شاید انہیں طارق بن زیاد کی باتوں سے تکلیف پہنچی تھی:

"احکامات پر پورا پورا عمل کیا گیا۔ سابق شہنشاہ وٹیزا (غیطیشہ) کے تینوں لڑکوں المبد، اوطباش اور ارملہ کو جاگیریں دے دی گئیں۔ شہنشاہ کے بھائی نے ایک شہر کے اسقف کا عہدہ سنبھال لیا۔ تھیوڈومیر کو مرسیہ کی گورنری پر بحال کر دیا گیا اور نواب جولین کی ہسپانیہ کی جاگیر انہیں واپس کر دی گئی"۔

"جزاک اللہ" خلیفہ کے منہ سے نکلا:

"موسیٰ! ہم تم سے بہت خوش ہیں۔ تم نے اپنے کردار سے اپنے اوپر لگائے گئے الزامات کی خود تردید کر دی ہے۔ نہ تم ظالم ہو اور نہ لالچی...... ہمیں تمہاری وفاداری میں بھی کوئی شبہ نہیں"۔

موسیٰ بن نصیر کی طبیعت میں طارق کی باتوں سے جو افسردگی پیدا ہو گئی تھی، ولید کی گفتگو سے وہ ختم ہو گئی۔ وہ پہلے ہی کی طرح پھر ہشاش بشاش نظر آنے لگے

ولید نے حکم دیا:

"ہم فاتح ہسپانیہ کو تین خلعتوں سے نوازتے ہیں۔ خلعتیں حاضر کی جائیں"۔

شاہی ملازمین بڑے مزاج شناس ہوتے ہیں۔ دراصل ان کی ملازمت ہی مزاج شناسی پر منحصر ہوتی ہے۔ افسر توشہ خانہ نے دربار کا رنگ ڈھنگ دیکھ کر اندازہ کر لیا تھا کہ اس میں خلعتوں کی تقسیم ضرور ہو گی۔ اس نے اس کا اہتمام پہلے کر لیا تھا۔ خلیفہ کے منہ سے خلعتوں کا نام سنتے ہی تین خلعتیں حاضر کر دی گئیں۔

خلیفہ ولید نے چاندی کی سینی میں رکھی خلعتوں کو ہاتھ سے چھو کر موسیٰ کی طرف اشارہ کیا۔ موسیٰ نے خلعتوں کو بوسہ دے کر لے لیا۔

خلیفہ نے موسیٰ کے لیے پچاس ہزار نقد اشرفیوں کے انعام کا بھی اعلان کیا۔ موسیٰ اور طارق کے ساتھ جن لشکر سرداروں نے ہسپانیہ میں کارہائے نمایاں انجام دیے تھے، انہیں فرداً فرداً خلعتیں عطا ہوئیں اور گرانقدر انعامات بھی دیے گئے۔ موسیٰ بن نصیر کے بیٹوں کے مراتب میں اضافہ کیا گیا۔

تمام تاریخیں طارق بن زیاد کا ذکر جامعہ دمشق کے دربار تک کرتی ہیں۔ اس کے بعد ان کا کہیں تذکرہ نہیں آتا۔

خلیفہ ولید نے طارق بن زیاد کو بھی خلعت عطا کی اور دارالخلافہ دمشق میں ایک سجا سجایا محل رہائش کے لیے

بخش دیا۔ پھر طارق کا کوئی پتہ نہیں چلتا۔ وہ گمنامی میں ڈوب گئے۔ طارق ہسپانیہ واپس نہیں گئے مال کی اولاد کا ہسپانیہ میں پتہ چلتا ہے جو الموحدین کے آنے تک وہاں موجود تھی۔

○

"الحمد للہ..... دنیا دھوکے کی جگہ اور باطل کا گھر ہے۔
رونے والے کو ہنساتی اور ہنسنے والوں کو رلاتی ہے۔ بے خوف کو
خوفزدہ کرتی ہے اور خوفزدہ کو امن دیتی ہے۔ دولت مند کو محتاج
کرتی ہے اور محتاج کو دولتمند کرتی ہے۔ اہلِ دنیا کو مائل کرنے
والی، دھوکا دینے والی اور ان کے ساتھ کھیلنے والی ہے۔
عباد اللہ..... کتاب اللہ کو اپنا پیشوا بناؤ اور اس کے
فیصلے کے سامنے سرِ تسلیم خم کرو۔ اسے اپنا رہنما مانو کہ وہ اپنے
ماقبل کتابوں کی ناسخ ہے اور خود اس کو کسی کتاب نے منسوخ نہیں
کیا ہے۔"

سلیمان بن عبدالملک نے اپنی عالمانہ اور فاضلانہ تقریر ختم کی۔ دربار میں ہر طرف سے جزاک اللہ، لاریب، سبحان اللہ اور آمین کی آوازیں بلند ہوئیں۔

سلیمان بن عبدالملک کے تختِ خلافت پر بیٹھنے کی یہ پہلی تقریر تھی۔

ولید بن عبدالملک نے جمادی الثانی ۹۶ھ میں انتقال کیا۔ ولید کی اٹھارہ اولادیں تھیں لیکن اس کے باپ عبدالملک نے ولید کے بعد سلیمان کو ولی عہد مقرر کیا تھا۔ اس لیے ولید کے انتقال کے بعد سلیمان کو تختِ خلافت حاصل کرنے میں کوئی پریشانی نہ ہوئی۔

سلیمان کی تقریر کا ہر لفظ دینداری اور اخلاقِ حسنہ کا کھلا ثبوت تھا۔ دراصل یہ سب کچھ حضرت عمر بن عبدالعزیز کے فیضِ صحبت کا نتیجہ تھا۔ سلیمان کی ولی عہدی کے زمانے میں وہ اس کے مشیر تھے اور اب مشیر و وزیر کے عہدے پر فائز ہوئے۔

اسی فیضِ صحبت کا اثر تھا کہ تقریر کے فوراً بعد سلیمان نے اعلان کیا:
"بلا تخصیص تمام قیدی رہا کر دیے جائیں۔ جیلیں خالی کر دی جائیں۔"

جیلیں خالی ہو گئیں.....

خونی، قاتل، ڈاکو، چور، اچکے اور حکومت کے باغی، سب ہی آزاد ہو گئے۔ ان میں سیاسی قیدی اور بے گناہ بھی ہوں گے لیکن سلیمان نے سب کو آزاد کر دیا۔ آزاد ہونے والوں کے عزیز و اقارب نے خوشیاں منائیں اور سلیمان کو دعائیں بھی دیں۔

کہتے ہیں کہ فیضِ صحبت اور کردارِ ہم نشیں اپنا اثر دکھاتا ہے۔

عمر بن عبدالعزیز نے اپنے کردار و اطوار اور نیک مشوروں سے سلیمان کو متاثر ضرور کیا لیکن فطری جبلتیں یا تو بدلتی نہیں ہوتیں یا پھر ان پر آہستہ آہستہ رنگ چڑھتا ہے۔

سلیمان میں انتقام کا جذبہ کوٹ کوٹ کر بھرا ہوا تھا۔ اس نے ان تمام اشخاص کی فہرست تیار کرالی تھی جن سے ان کے والد عبدالملک کے زمانے میں اختلافات رہے تھے یا انہوں نے کسی وقت اس کی مخالفت کی تھی۔ مخالفین کی اس فہرست میں حجاج بن یوسف کا نام بھی تھا۔

حجاج بن یوسف نے سلیمان کی ولی عہدی کی شدید مخالفت کی تھی اور ولید بن عبدالملک کو مشورہ دیا تھا کہ وہ اپنے اٹھارہ بیٹوں میں سے کسی کو ولی عہد مقرر کرا دے لیکن ولید ایسا نہ کر سکا۔ یہ بات کھل گئی اور اس کی خبر سلیمان کے کانوں تک پہنچ گئی۔ سلیمان نے حجاج کا نام اسی لیے سرِ فہرست رکھا تھا۔

حجاج بن یوسف خوش قسمت تھا کہ سلیمان کی تخت نشینی سے پہلے ہی مر گیا ورنہ خدا معلوم سلیمان اس کا کیا حشر کرتا۔ حجاج کے قریب ترین اور وفادار سردار قتیبہ بن مسلم، محمد بن قاسم اور موسیٰ بن نصیر تھے۔ سلیمان کو ان تینوں سے انتقام تو بہر صورت لینا ہی تھا۔ قتیبہ بن مسلم شمال میں تھا۔ اس کا قتل اگرچہ براہِ راست سلیمان کے حکم سے نہیں ہوا لیکن پسِ پردہ سلیمان کا جذبۂ انتقام کام کر رہا تھا۔

حجاج کا بھتیجا محمد بن قاسم، سندھ عبور کر کے ملتان پہنچ چکا تھا۔ سلیمان نے اسے معزول کر دیا اور پھر طرح طرح کی تکلیفیں دے کر قتل کرا دیا۔

موسیٰ بن نصیر، دمشق میں موجود تھے۔ ولید بن عبدالملک نے صرف چالیس دن پہلے انہیں تین خلعتیں اور پچاس لاکھ اشرفیوں کا نقد انعام دیا تھا۔ موسیٰ کے پانچ سو غلاموں کو عطیات دیے گئے تھے۔ ان کے بیٹوں کے عہدوں میں اضافہ ہوا تھا لیکن اکتالیسویں دن کا سورج ان کی گرفتاری کا پروانہ لے کر طلوع ہوا۔

موسیٰ کو گرفتار کر کے پابہ زنجیر کر دیا گیا۔

والیِ افریقہ اور فاتحِ ہسپانیہ موسیٰ بن نصیر، طوق و سلاسل میں الجھا ہوا دربار میں پیش کیا گیا تو کتنی ہی گہری ڈبڈبائی آنکھیں، کتنی ہی سرد آہیں نکلیں۔

عمر بن عبدالعزیز نے سلیمان کو کیسے کیسے نہ سمجھایا ہوگا۔ وہ مشیر بھی تھے اور وزیر بھی..... لیکن معلوم ہوتا ہے کہ سلیمان نے ان کی ایک نہ سنی ورنہ اسّی سال کے اس جلیل القدر سردار کو اتنی ذلت کے ساتھ دربار میں نہ لایا جاتا۔

خلیفہ سلیمان بن عبدالملک نے موسیٰ پر خود فردِ جرم عائد کی اور موسیٰ پر حقارت سے نظر ڈالتے ہوئے بولا:

"اے نصیر کے شیطان بیٹے! تو نے ہماری حکم عدولی کی کیسے جرأت کی؟"

موسیٰ کی سفید داڑھی آنسوؤں سے تر ہو گئی تھی۔ انہوں نے سر اٹھایا اور حوصلے سے کہا:

"یا امیر المومنین! میں نے آج تک خلیفۂ وقت کی کبھی حکم عدولی نہیں کی۔ مجھے اس حکم سے آگاہ کیا جائے جو امیر المومنین نے صادر فرمایا اور میں بجا نہ لایا؟"

سلیمان غصے اور نفرت سے پاگل ہو رہا تھا۔ اس نے موسیٰ کے خلاف بہت سے الزامات تراش رکھے تھے لیکن پہلا الزام لگاتے وقت ہی ٹھوکر کھا گیا۔ وہ کیسے کہتا کہ اس نے قاصد کے ذریعے موسیٰ کو حکم دیا تھا کہ اس رفتار سے دمشق آئے کہ دمشق پہنچتے پہنچتے خلیفہ ولید کا انتقال ہو چکا ہو تاکہ مالِ غنیمت کا وہ وارث بنے۔ مالِ غنیمت اسے پہلے نہ ملا لیکن اب تو مل چکا تھا پھر بھی اسے موسیٰ سے دشمنی ہو گئی تھی۔

سلیمان ذرا الجھا پھر کچھ سوچتے ہوئے بات پلٹ دی اور بولا:

"ہماری حکم عدولی نہیں بلکہ سابق خلیفہ ولید بن عبدالملک کی حکم عدولی۔ جب تجھے ہسپانیہ سے واپس آنے کا حکم دیا گیا تو تُو نے آنے میں تاخیر کیوں کی؟"

"وجہِ تاخیر موجود تھی یا امیر المومنین!"

موسیٰ بن نصیر سمجھ گئے کہ ان کی قسمت پلٹا کھا چکی ہے۔ سلیمان انہیں مجرم گردانے پر تلا ہوا ہے۔ ایسے میں رحم کی بھیک مانگنا بے کار ہے۔ ان میں حوصلہ پہلے ہی موجود تھا۔ حالات کی اس سنگینی نے انہیں اور حوصلہ مند بنا دیا۔

موسیٰ بن نصیر نے بڑے حوصلے سے وضاحت کی:

"یا امیر المومنین! جس وقت سابق خلیفہ کا حکم نامہ مجھے ملا..... تو مجھے اس وقت ہسپانوی فوجوں سے جنگ میں الجھا ہوا تھا اور فتح بالکل قریب تھی۔ اگر میں جنگ ادھوری چھوڑ کر پسپا ہوتا تو افواجِ اسلام کی قیمتی جانوں کے نقصان کا زبردست خطرہ تھا..... فتح حاصل ہوتے ہی میں عازمِ دمشق ہو گیا۔"

موسیٰ کا جواب بڑا مدلل تھا لیکن جب سننے والا ہی کان بند کر لے تو اس کا کیا علاج!

سلیمان نے گرج کر دوسرا الزام عاید کیا: "مالِ غنیمت کا نصف حصہ ہسپانیہ ہی میں خرچ

خیانت نہیں۔"

یہ الزام بھی غلط اور بے بنیاد تھا۔ سلیمان کو دراصل صدمہ اس بات کا تھا کہ موسیٰ کو پچاس ہزار اشرفیاں نقد بہا دی گئیں۔ اس نقصان کو اس نے خیانت کا نام دے دیا۔

اسّی سالہ بوڑھے کے حوصلے میں کوئی فرق نہ پڑا۔ اس نے کہا:

"یا امیر المومنین..... میں نے ہسپانیہ میں جو کچھ خرچ کیا، وہ یا تو اسلامی لشکر پہ خرچ ہوا یا پھر مفتوحہ علاقوں اور عوام کی بہبود پر خرچ ہوا۔ میں نے پُل بنوائے۔ سڑکیں تعمیر کیں۔ شفاخانے اور مدارس کھولے۔ یہ سب عوام اور لشکر کا دل جیتنے کے لیے کیا گیا تاکہ نئے ملک میں نئی سلطنت کو استحکام ہو۔ میں نے اپنی ذات پر تو ایک پیسہ بھی خرچ نہیں کیا۔"

سلیمان بن عبدالملک اس جواب سے اور چراغ پا ہو گیا۔ موسیٰ بن نصیر نے اخراجات کی جو تفصیل بیان کی، اس سے سلیمان کو مطمئن ہو جانا چاہیے تھا لیکن وہ اور برافروختہ ہو گیا اور بگڑ کر بولا:

"تم سرکش اور خودسر ہے۔ تیری باتوں سے بغاوت کی بُو آتی ہے۔"

موسیٰ نے فوراً جواب دیا:

"یا امیر المومنین! میں نے نہ خودسری کی ہے اور نہ سرکشی۔ حالانکہ میں ایسا کر سکتا تھا۔ میں افریقہ کا والی تھا۔ ہسپانیہ کو میں نے بزورِ شمشیر فتح کیا۔ میرے پاس اتنی طاقت تھی کہ اگر میں بغاوت کر بیٹھتا تو افریقہ اور ہسپانیہ کی حکومت میرے ہاتھ سے کوئی نہ چھین سکتا لیکن میں نے ایسا نہیں کیا..... میں نے اپنے آقا کے نعمت خلافتِ وقت سے نمک حرامی نہیں کی۔ میں نے خلیفہ کے حکم کی تعمیل کی اور تمام مالِ غنیمت لے کر قدم بوسی کے لیے حاضر ہو گیا۔"

موسیٰ کا ہر جواب جامع اور مدلل تھا لیکن شخصی حکومتوں کی یہی خرابی ہے کہ ان کی زبان کا نکلا ہوا ہر حکم قانون ہوتا ہے۔

خلافتِ راشدہ کے بعد اسلامی خلافت نے بادشاہت کا روپ دھار لیا تھا۔ ہر خلیفہ اپنے آپ کو خودمختار مطلق العنان سمجھتا تھا۔ نہ وہ عدالت کا پاس کرتا تھا اور نہ وزیروں، مشیروں کی بات سنتا تھا۔

سلیمان نے دیکھا کہ دربار میں بعض لوگ موسیٰ کو ایسی نظروں سے دیکھ رہے ہیں جیسے انہیں اس کے ساتھ ہمدردی ہو۔ اس لیے سلیمان نے ایک نیا الزام تراشا۔

اس نے کہا:

"موسیٰ! کیا تیری نظر میں ہسپانیہ سے شام تک تیرے سوا کوئی اور معزز نہیں جو تو نے اپنے ایک بیٹے کو

ہسپانیہ، دوسرے کو مراکش اور تیسرے کو تیونس کا والی مقرر کیا"۔

سلیمان کا ہر سوال یا حملہ انتہائی حوصلہ شکن تھا لیکن موسیٰ کے قدم جس طرح میدانِ جنگ میں جمے رہتے تھے اسی طرح دربار میں بھی قائم رہے۔ ان کے قدم ذرا بھی نہ ڈگمگائے۔ سلیمان ان کے حوصلے پہ کوئی ضرب نہ لگا سکا۔

موسیٰ نے کہا:

"امیر المومنین! میرے بیٹوں نے ہسپانیہ، میورقہ، منورقہ، سردانیہ اور موس اقصیٰ کو زیرنگیں کیا۔ اس لیے مجھے اپنے معزز ہونے پر فخر نہ ہوگا تو اور کسے ہوگا"۔

"موسیٰ کا تمام مال و متاع ضبط کر لیا جائے"۔ خلیفہ سلیمان نے فاتح ہسپانیہ کی قسمت کا فیصلہ کر دیا۔

دربار تھرا اٹھا.....

کئی آنکھوں سے آنسو ٹپک پڑے۔

لیکن سلیمان کو ٹوکنے کی کسی میں ہمت نہ ہوئی۔ درباریوں نے اگر کچھ کیا تو صرف اتنا کہ وہ رحم طلب نظروں سے خلیفہ کو دیکھنے لگے۔

سلیمان کو یہ خاموش التجا ناگوار گزری۔

دوسرا حکم صادر ہوا:

"موسیٰ کو روزانہ دوپہر کے وقت ظہر سے عصر تک برہنہ پا ریت پہ چلایا جائے"۔

اللہ اللہ! یہ انجام تھا فاتحِ ہسپانیہ کا۔

وہ امیر، وہ جلیل القدر سردار، جس کے نام سے افریقہ اور ہسپانیہ میں لرزہ پیدا ہو جاتا تھا۔ وہ چلچلاتی دھوپ میں گرم ریت پہ چلتا رہا۔

پیروں میں چھالے پڑتے اور پھوٹتے رہے۔

زخم پکتے رہے۔

یہ سزا موقوف ہوئی لیکن نیا حکم دیا گیا:

"موسیٰ کو دربار کے سامنے ستون سے باندھ دیا جائے"۔

یہ ستون پتھر کا تھا اور دن کے بیشتر حصے میں اس پہ دھوپ رہتی تھی۔ حسب الحکم موسیٰ کو دربار کے اوقات کے دوران روزانہ اس ستون سے باندھ دیا جاتا۔ گرم پتھر کے ستون نے ان کی کھال کو جھلسا کر رکھ دیا مگر خلیفہ کو رحم نہ آیا۔

اس کے انتقام کی آگ اب تک ٹھنڈی نہ ہوئی تھی۔

درباریوں کے مرجھائے ہوئے چہروں پہ رونق سی آگئی۔

یزید بن مہیب نے کہا:

"امیر المومنین نے خادمانِ خلافت کی درخواست کو شرفِ قبولیت بخش کر جو احسانِ عظیم کیا ہے اس کے لیے ہم نذرانہ تشکر پیش کرتے ہیں"۔

سلیمان نے جیسے یزید بن مہیب کے شکریہ کے الفاظ سنے ہی نہ تھے یا پھر ایک کان سے سن کر دوسرے سے اڑا دیے۔

نیا حکم جاری ہوا:

"موسیٰ پر دو لاکھ دینار جرمانہ کیا جاتا ہے۔ جب تک ادائیگی نہ ہو، موسیٰ کو قید میں رکھا جائے"۔

دو لاکھ دینار کی ادائیگی موسیٰ کے لیے قطعی ناممکن تھی۔ ان کے پاس جو کچھ تھا وہ پہلے ہی ضبط کیا جا چکا تھا۔ پھٹے ہوئے کپڑوں کے علاوہ ان کے پاس ایک پھوٹی کوڑی بھی نہ تھی۔ خلیفہ ظلم پہ مائل تھا تو ارکینِ سلطنت موسیٰ کو بچانے پر کمر باندھ چکے تھے۔

یزید بن مہیب نے ایک بار درخواست کی:

"امیر المومنین نے موسیٰ کی جسمانی سزا معاف کر کے ارکینِ دولت پر احسانِ عظیم فرمایا ہے۔ ارکینِ دولت کو جرمانے کی رقم ادا کرنے کی انہیں اجازت دی جائے گی۔ یہ ایک اور احسان ہوگا"۔

"نہیں مہیب..... یہ نہیں ہو سکتا"۔

سلیمان نے درخواست سختی سے رد کر دی:

"جرمانہ موسیٰ کو ادا کرنا ہوگا۔ چاہے اسے بھیک مانگنا پڑے"۔

اب خلیفہ کے منہ کون آتا۔ کسی کو بولنے کی ہمت نہ ہوئی۔

خلفائے بنو امیہ اور خلفائے عباسیہ (ماسوا چند) کے اسی رویہ اور مطلق العنانی نے نہ صرف خلافت کے نام کو بدنام کیا بلکہ اسلام کے زریں اصولوں کو بھی بری طرح پامال کیا۔

حضرت عمر بن عبدالعزیز، سلیمان کے وزیر و مشیر تھے لیکن سلیمان کی مطلق العنانی اور اکابرین و سردارانِ فوج سے سلیمان نے جو سلوک کیا، اس سے وہ دل برداشتہ ہو گئے اور تقریباً گوشہ نشینی اختیار کر لی۔ سلیمان کے دورِ خلافت کے دوران ان کا نام کہیں بھی نظر نہیں آتا۔

موسیٰ بن نصیر پہ مصائب کا پہاڑ ٹوٹ پڑا۔

وہ سرِ دربار رسوا ہوئے۔ جسمانی تکلیف میں مبتلا ہوئے۔ ولید نے جو دیا، سلیمان نے چھین لیا بلکہ دو لاکھ

عمائدینِ خلافت، خلیفہ کی منت کرتے لیکن خلیفہ کا مزاج، زلفِ محبوب کی طرح برہم تھا۔ وہ سفارش سنتا سزا موقوف کرتا تو دوسری کا حکم دے دیتا۔ سلیمان، موسیٰ کو قتل نہیں کرنا چاہتا تھا بلکہ تڑپا تڑپا کر مارنے کا تہیہ کر چکا تھا۔

دربارِ خلافت میں یزید بن مہیب کو سلیمان کے مزاج میں زیادہ دخل تھا۔ سب امیروں وزیروں نے اسے آمادہ کر دیا۔

یزید بن مہیب، موسیٰ کا بھی دوست تھا۔ اس نے امیروں سے وعدہ کیا کہ موسیٰ کو معافی دلانے کی پوری پوری کوشش کرے گا۔

یزید بن مہیب نے ایک دن خلیفہ کو بہت خوش دیکھا۔ اس نے موقع غنیمت جانا اور بھرے دربار میں سفارش کرتے ہوئے کہا:

"یا امیر المومنین! موسیٰ کو اپنے کیے کی بہت سزا مل چکی۔ اب بندگانِ عالی التجا کرتے ہیں کہ موسیٰ کی ضعیف العمری کے پیشِ نظر انہیں معاف کر دیا جائے"۔

سلیمان کا مزاج ایک دم بگڑ گیا۔ وہ بولا:

"مہیب! جرم و سزا کے بارے میں ہم کسی کی سفارش نہیں سننا چاہتے۔ ہم پہلے موسیٰ پر بہت رحم کر چکے ہیں کہ اس کی زندگی اب تک سلامت ہے"۔

موسیٰ بن نصیر، دربار کے سامنے گرم سنگی ستون سے بندھے تھے۔ خلیفہ کی آواز ان کے کانوں تک پہنچی تو انہوں نے التجا کی:

"یا امیر المومنین! اس اذیت سے موت بہتر ہے۔ میں امیر المومنین سے موت کی درخواست کرتا ہوں"۔

سلیمان بھاری آواز میں بولا:

"نہیں موسیٰ۔۔۔۔ موت تمہارے جرموں کی سزا سے بہت کم ہے۔ تم زندہ رہو گے۔ ہم تمہارے قتل کا الزام اپنے سر لینا نہیں چاہتے"۔

یزید بن مہیب نے پھر ہمت کی:

"ہم تمام وفادارانِ تخت، امیر المومنین کے الطافِ خسروانہ سے رحم کی اپیل کرتے ہیں"۔

امیروں اور وزیروں کی ایک ہی وقت میں یہ دوسری اپیل تھی۔

سلیمان سوچ میں پڑ گیا۔ ذرا خاموش رہنے کے بعد حکم دیا:

"موسیٰ کو ستون سے کھول دیا جائے"۔

دینار کا تاوان لگا کر انہیں بالکل ہی مفلس اور قلاش بنا دیا۔

موسیٰ پر ان مظالم کی داستان دمشق میں عام ہوئی۔ پھر افریقہ ہوتی ہوئی ارضِ ہسپانیہ پہنچی۔ ہسپانیہ کی ولایت ان کے بیٹے عبدالعزیز کے ہاتھ میں تھی۔ انہیں باپ کے مصائب کا علم ہوا لیکن وہ کچھ نہ کر سکے کیونکہ ہسپانیہ کے حالات کسی اور ہی ڈگر پر چل پڑے تھے۔

عبدالعزیز کی بیوی، سابق شہنشاہ ہسپانیہ کی بیوہ ملکہ ایجی لونا بڑی تیزی سے ہسپانوی سیاست پر چھاتی چلی جا رہی تھی۔

دمشق میں موسیٰ بن نصیر معتوب ہوئے۔

ان پر مصائب کے پہاڑ ٹوٹ پڑے۔ مال و متاع ضبط، کوڑی کوڑی کو محتاج، جو دیکھتا عبرت پکڑتا۔ موسیٰ اور عبدالعزیز کے کچھ ہمدرد دربارِ دمشق میں موجود تھے۔ انہوں نے آپس میں مشورہ کیا اور ایک تیز رفتار سوار افریقہ کے راستے سے ہسپانیہ بھیجا کہ وہ موسیٰ کے تینوں بیٹوں کو ان حالات سے آگاہ کرے جو موسیٰ بن نصیر پر گزر رہے تھے۔

صبا رفتار قاصد ایک طویل بری اور بحری مسافت طے کر کے اشبیلیہ میں داخل ہوا۔ افریقہ میں اسے زیادہ وقت لگا تھا۔ موسیٰ کے دو بیٹے قیروان اور طنجہ میں موجود تھے۔ انہوں نے قاصد کو کافی دنوں تک روکے رکھا۔ وہ دونوں آپس میں صلاح مشورے کرتے رہے تاکہ اگر خلیفہ ان پر ہاتھ ڈالے تو متحدہ قدم اٹھایا جائے۔ انہوں نے قاصد کے ذریعے اپنے اس ارادے سے عبدالعزیز کو مطلع کیا۔

قاصد اشبیلیہ میں شام کے وقت پہنچا۔

اشبیلیہ والوں کو دمشق کے حالات کی کوئی خبر نہ تھی۔ شہر اور قلعے میں بظاہر سکون تھا لیکن عبدالعزیز اور ملکہ ہسپانیہ ایجی لونا کی شادی نے سرداروں کو بے چین کر رکھا تھا۔ ان کو شدہ شدہ یہ خبر مل چکی تھی کہ ملکہ کی عیسائی کنیزیں، عبدالعزیز کو سجدہ کرتی ہیں۔ انہوں نے کچھ اور باتیں بھی سنی تھیں جن کی تصدیق ابھی باقی تھی۔

اس دن ملکہ ایجی لونا کی سالگرہ تھی۔ اس نے محل سرا کو خوب آراستہ کرایا تھا۔ شام کو اس کا ارادہ پورے تعمیر چراغاں کرنے کا تھا۔

ملکہ نے عبدالعزیز سے وعدہ لیا تھا کہ آج شام کو وہ دربار سے جلدی اٹھ آئے گا تاکہ اس کی سالگرہ کی رسومات میں

شریک ہو عزیز پر جی لونا کی محبت کا اتنا اثر تھا کہ وہ اس کی ہر بات بے چون و چرا مان لیا کرتا تھا۔

جی لونا کی بے پناہ محبت میں گرفتار ہونے کے باوجود عبدالعزیز کی دینداری میں کوئی فرق نہ آیا تھا۔ وہ ملکی انتظام میں بھی پوری دل چسپی لیتا اور عدل و انصاف میں کوئی کوتاہی نہ کرتا لیکن آج صبح ہی سے اس کا دل بیٹھا جا رہا تھا۔ کوئی بات اچھی نہ لگتی تھی۔ صبح کو جب اس کی محبوب ملکہ نے خبر دی کہ آج اس کی سالگرہ ہے تو بھی عزیز کچھ زیادہ خوشی کا اظہار نہ کر سکا۔

اس وقت بھی وہ اپنے سرداروں کے ساتھ اداس اداس دربار میں بیٹھا تھا جب اسے دمشق سے آنے والے قاصد کی اطلاع دی گئی۔

عبدالعزیز کا دل ایک نامعلوم خوف سے دھڑکنے لگا۔ اس نے قاصد کو فوراً طلب کر لیا۔ قاصد دربار میں حاضر ہو کر تعظیم بجا لایا۔ عزیز نے قاصد کو سوالیہ نظروں سے دیکھا لیکن قاصد خاموش نظریں نیچی کیے کھڑا رہا۔

عبدالعزیز نے پوچھا:

"اے قاصد۔ تیرا آنا مبارک ہو لیکن تو خاموش کیوں ہے؟"

قاصد نے نظریں اٹھا کر درباریوں کو دیکھا۔ پھر آہستہ سے بولا:

"اے امیرِ محترم! اگر اس دربار تک دمشق کی کوئی خبر نہیں پہنچی تو مجھے یہ کہتے ہوئے افسوس ہوتا ہے کہ میرا آنا مبارک نہیں اور میں وہ نامبارک خبر تخلیے میں سنانا چاہتا ہوں"۔

عبدالعزیز کے کچھ کہنے سے پہلے ہی تمام درباری ایک ایک کر کے دربار سے نکل گئے۔ سب سے آخر میں ایوب باہر جانے کے لیے اٹھا۔ ایوب، عبدالعزیز کا قریبی رشتہ دار اور گہرا دوست تھا۔

"تم میرے پاس بیٹھے رہو ایوب"۔ عبدالعزیز نے افسردگی سے کہا۔

ایوب چپ چاپ بیٹھ گیا۔

ہر طرف خاموشی چھا گئی۔

عبدالعزیز سر جھکائے بیٹھا تھا۔ اس کی ہمت نہ پڑتی تھی کہ وہ قاصد سے نامبارک خبر کے بارے میں دریافت کرے کیونکہ یہ خبر اس کے باپ کے مارے جانے یا خود اس کی معزولی کے سوا اور کوئی نہ ہو سکتی تھی۔

اس خاموشی کو ایوب نے توڑا۔ اس نے قاصد کو مخاطب کیا:

"اے قابلِ احترام قاصد..... ہمیں خلیفہ ولید بن عبدالملک کے انتقال اور خلیفہ سلیمان بن عبدالملک کے تختِ خلافت پر بیٹھنے کے علاوہ اور کسی منحوس خبر کی اطلاع نہیں ملی"۔

قاصد نے سر جھکائے ہوئے امیرِ ہسپانیہ کی طرف دیکھا اور زبان کھولی:

"ہسپانیہ کے دیندار اور بہادر امیر عبدالعزیز کو دربارِ خلافت دمشق میں اس کے ہمدردوں نے یہ اطلاع بھیجی ہے کہ فاتحِ ہسپانیہ، مجاہدِ کبیر موسیٰ بن نصیر نے خلیفہ سلیمان بن عبدالملک کے عتاب کا شکار ہو کر حقیر و ذلیل کیے گئے۔ ان کے تمام اعزازات اور مال و متاع ضبط کیا گیا اور اب وہ قید و بند کی صعوبتیں برداشت کر رہے ہیں"۔

"اے خدا رحم فرما!" بے ساختہ عبدالعزیز کے منہ سے نکلا اور آنکھوں میں اشک بھر آئے۔

قاصد نے مزید انکشاف کیا:

"آپ اور موسیٰ بن نصیر کے ہمدردوں کی خواہش ہے کہ آپ اپنی حفاظت کا مناسب انتظام کر لیں۔ خلیفہ کا عتاب کسی وقت بھی آپ پر نازل ہو سکتا ہے"۔

ایوب نے پوچھا:

"کیا خلیفہ نے امیر عبدالعزیز کی معزولی کے احکامات جاری کر دیے ہیں؟"

یہی سوال خود عبدالعزیز قاصد سے پوچھنے کے لیے بے چین تھا۔

قاصد نے کہا:

"خلیفہ نے یہ قدم اب تک تو نہیں اٹھایا لیکن اس کا امکان موجود ہے۔ خلیفہ کو بتایا گیا ہے کہ اگر امیرِ ہسپانیہ کو معزول کیا گیا تو ہسپانیہ میں بغاوت ہو جائے گی کیونکہ افریقہ کی پوری بربر فوج آپ پر جان دیتی ہے۔ وہ آپ کی معزولی برداشت نہ کر سکے گی"۔

عبدالعزیز نے دل ہی دل میں خدا کا شکر ادا کیا۔ عبدالعزیز کے دوست اور بھائی ایوب نے دیکھا کہ امیر عبدالعزیز بہت غمگین ہیں اور گفتگو نہیں کر سکتے۔ اس نے قاصد سے گفتگو کا فرض اپنے سر لے لیا۔

ایوب نے دریافت کیا:

"امیرِ ہسپانیہ کے ہمدردوں نے ہمیں اپنی حفاظت کے لیے کیا مشورہ دیا ہے۔ ہم بغاوت کر کے اپنی حکومت قائم کر لیں یا دربارِ خلافت سے تعلق برقرار رکھیں"۔

"اس سلسلے میں مجھ سے کچھ نہیں کہا گیا"۔ قاصد نے بتایا:

"ہمدردوں نے صرف یہ مشورہ دیا ہے کہ سرداروں کی زیادہ سے زیادہ دلداری کر کے انہیں اپنے قابو میں رکھا جائے اور اپنے مخالفوں پر نظر رکھی جائے"۔

عبدالعزیز کو اس خبر سے بڑا اطمینان ہوا کہ دربارِ خلافت میں اس کے ہمدرد بھی موجود ہیں۔ دراصل جو

لوگ دربارِ خلافت میں تھے، ان کا کوئی زور نہ چل سکا۔ وہاں موسیٰ کے مخالفوں کی تعداد زیادہ تھی۔ اب وہ یہ نہیں چاہتے تھے کہ موسیٰ کے بعد ان کے بیٹے کسی مصیبت میں گرفتار ہوں۔

عزیز نے قاصد سے پوچھا:

"میں اپنے ہمدردوں کا بہت شکرگزار ہوں۔ مجھے انکے نام بتاؤ تاکہ جب کبھی ان سے ملاقات ہو تو میں ان کے مشورے اور اطلاع کے لیے ان کا شکریہ ادا کرسکوں"۔

"اس کی مجھے اجازت نہیں"۔ قاصد نے صاف جواب دیدیا:

"دربارِ خلافت اس وقت سازشوں کا اکھاڑہ بنا ہوا ہے۔ اگر خلیفہ کو موسیٰ بن نصیر کے ہمدردوں کا علم ہو جائے تو وہ فوراً قتل کرا دے گا"۔

عزیز نے اس بات پہ زور نہ دیا اور بولے:

"تم واپس دمشق کب جا رہے ہو؟"

"دمشق ..... ؟" قاصد نے مسکراتے ہوئے کہا:

"امیرِ محترم! میں دمشق سے سر پہ کفن باندھ کر نکلا تھا۔ اب میں دمشق کیسے واپس جا سکتا ہوں؟ کچھ سرداروں نے مجھے دیکھ لیا ہے۔ اس کی اطلاع دربارِ خلافت پہنچ جائے گی"۔

عزیز نے حیرت سے پوچھا:

"تمہارے آنے کی وہاں کون خبر لے جائے گا؟"

قاصد نے کہا:

"امیرِ محترم! میری عمر دربار کے رنگ ڈھنگ دیکھتے گزری ہے۔ دربارِ دمشق کا ہو یا اشبیلیہ کا، کبھی دربار کے تمام درباری قابلِ اعتماد نہیں ہوتے۔ آپ کے سرداروں میں دو چار یقیناً ایسے ہوں گے جو خلیفہ کی خوشنودی حاصل کرنے کے لیے آپ کی مخبری کریں گے"۔

دمشق سے آنے والی خبر بڑی تشویش ناک تھی لیکن عبدالعزیز نے اپنے غم و غصہ پہ فوراً قابو حاصل کیا۔ وہ جانتے تھے کہ اس وقت ان کی ذرا سی غلطی ان کے اور ہسپانیہ کی نئی سلطنت کے لیے ایک طوفان کھڑا کر سکتی ہے۔ انھوں نے پھونک پھونک کر قدم اٹھانے کا فیصلہ کیا۔

قاصد سے گفتگو کے بعد عبدالعزیز نے درباریوں کو اپنے پاس بلانے کے بجائے وہ خود اسے اپنے ساتھ لیے ہوئے اس کمرے میں گئے جہاں تمام سردار دربار سے آ کر بیٹھ گئے تھے۔

عبدالعزیز نے بڑے صبر و تحمل کا مظاہرہ کیا اور بولے:

میرے دست و بازو اور ہسپانیہ کے فاتحو ..... اللہ تعالیٰ جس کو چاہے عزت دے اور جس کو چاہے ... ہم اس کے بندے ہیں۔ اس کی مصلحتوں کو نہ تو ہم سمجھ سکتے ہیں اور نہ دخل دے سکتے ہیں۔ ... ہے تو فقیر کو خاک سے اٹھا کر تخت پہ بٹھا دیتا ہے تو کبھی شاہ کو تخت سے کھینچ کر فرش پہ پٹخ دیتا ہے ... والد محترم موسیٰ بن نصیر، خلیفۂ وقت سلیمان بن عبدالملک کے معتوب ہوئے۔ وہ تمام دنیاوی ... سے محروم کر دیے گئے۔ دربارِ دمشق میں ان کے دشمنوں کی تعداد اس قدر زیادہ ہے کہ دوست ... تے ڈرتے ہیں۔ والدِ محترم اس وقت قیدِ تنہائی میں مبتلا ہیں۔ قاصد یہی جانکاہ خبر لے کر یہاں تک ... ہے۔ یہ خبر میرے والد صاحب کے ایک پرانے نمک خوار نے بھیجی ہے۔

... معاملے کی پوری صورت حال آپ کے سامنے ہے۔ آپ غور فرمالیے۔ میں آپ کے مشورے کے بغیر کوئی ... نہیں اٹھا سکتا کیونکہ ہسپانیہ کی فتح آپ کے زورِ بازو کا نتیجہ ہے۔ خلافتِ دمشق نے اس میں کوئی مدد ... تھا۔

عبدالعزیز نے نہایت مدبرانہ اور دانشمندانہ طریقے سے دمشق کے حالات کو اپنے ساتھیوں کے سامنے ... دیا اور فیصلہ بھی ان پر چھوڑ دیا۔

سرداروں میں بعض سردار تو ایسے تھے جنہیں موسیٰ بن نصیر سے باپ کی طرح محبت تھی۔ کچھ سردار عبدالعزیز ... بہت پسند کرتے تھے لیکن بعض سردار ایسے بھی تھے جن کا تعلق طارق بن زیاد کے پہلے لشکر سے تھا۔ ... موسیٰ بن نصیر نے طارق بن زیاد سے ناراض ہو کر اس پہ کوڑا اٹھایا تھا تو یہ سردار اس وقت بھی سخت برافروختہ ... ہوئے تھے۔ ان کی تمام تر ہمدردیاں طارق بن زیاد کے ساتھ تھیں ..... ان سرداروں نے بھی عزیز کی تقریر ... بڑے غور سے سنی لیکن انہیں تعجب تھا کہ عزیز نے اپنے پورے بیان میں طارق کا نام کہیں پہ نہ لیا تھا۔ موسیٰ ... اور طارق ایک ساتھ گئے تھے۔ جب موسیٰ پر عتابِ نازل ہوا تو طارق بھی معتوب ہونا چاہیے تھا۔

ایک سردار نے پوچھا:

"امیرِ عالی مقام! مجاہدِ کبیر۔ فاتحِ ہسپانیہ پر جو ظلم ہوا اور ہو رہا ہے اس کا ہمیں دلی رنج ہے۔ اس پر ... طارق بن زیاد نے فتح کی بنیاد رکھی اور موسیٰ نے اس کی تکمیل کی۔ خلیفہ نے موسیٰ بن نصیر کے ساتھ جب یہ سلوک ... ہے تو طارق بن زیاد تو زیادہ غضب کا نشانہ بنے ہوں گے"۔

عبدالعزیز سمجھ گئے کہ اس سوال کے پس منظر میں کون سا جذبہ کام کر رہا ہے۔ وہ بڑے سیاست داں اور ... دور اندیش تھے۔ اس وقت انہیں دوست و دشمن، ہر ایک کی ہمدردی کی ضرورت تھی۔ سوال کرنے والے نے طارق بن ... زیاد کا نام لے دیا تھا۔

عبدالعزیز نے کمالِ فراست و مصلحت کا ثبوت دیا۔ فوراً بولے:

"اللہ کا لاکھ لاکھ شکر ہے کہ طارق بن زیاد خلیفہ کے غضب سے محفوظ ہیں"۔

عبدالعزیز نے یہ کہہ کر طارق بن زیاد کے تمام دوستوں اور سرداروں کی ہمدردیاں حاصل کرلیں۔ وہ سردار جس نے طارق کے بارے میں سوال کیا تھا، بولا:

"امیر محترم..... ہسپانیہ ہمارا ہے۔ ہم ہسپانیہ کے حاکم ہیں۔ ہسپانیہ کو ہم خلیفہ کے ماتحت نہیں کرسکتے۔ ہسپانیہ کی سرزمین پر طارق اور موسیٰ کی فوجوں نے اپنا خون بہایا ہے۔ اس پر صرف طارق اور موسیٰ کی اولاد کا حق ہے"۔

موسیٰ اور عبدالعزیز کے ہمدردوں نے ایک قدم اور آگے بڑھایا۔ ایک سردار نے کہا:

"اے امیرِ ہسپانیہ! خلیفہ سلیمان نے فاتحِ ہسپانیہ کو معتوب کرکے ان کی گرانقدر خدمات کا مذاق اڑایا ہے۔ یہ خلافت کی بہت بڑی ناشکری اور احسان فراموشی ہے۔ یہ ان شہداء کی روحوں کی بھی توہین ہے جنہوں نے ہسپانیہ کی فتح میں اپنے خون کی قربانی دی ہے۔ ہسپانیہ کو اُموی خلافت کے ماتحت نہ رہنا چاہیے۔ آپ ہسپانیہ کی آزاد اسلامی ریاست کا اعلان کیجیے۔ ہم سب آپ کے ساتھ ہیں"۔

ایک کم عقل امیر، سرداروں کے ان جذبات سے وقتی فائدہ اٹھاسکتا تھا لیکن عبدالعزیز بہت سمجھدار تھے۔ اسے خود بھی علم تھا اور اسے آگاہ بھی کیا گیا تھا کہ اس کے دربار میں خلافتِ دمشق کے ہمدرد بھی ہوسکتے تھے۔ عزیز نے بڑی مصلحت سے کام لیا اور دھیمے لہجے میں بولے:

"میں ہسپانیہ کے وفاداروں کا شکرگزار ہوں لیکن ہم دمشق سے بہت دور ہیں۔ وہاں کے صحیح حالات کا ہمیں علم نہیں۔ کون ظالم ہے کون مظلوم اور کون خطاکار ہے اور کون بے قصور، اس کا اندازہ کرنا ہمارے لیے مشکل ہے اس لیے میں اعلان کرتا ہوں کہ میں خلافتِ دمشق کا وفادار ہوں اور ہمیشہ وفادار رہوں گا۔ میں اپنے باپ کا انتقام لینے کے لیے مسلمانوں کو خانہ جنگی میں مبتلا نہیں کرنا چاہتا۔ اگر خلیفہ نے مجھے معزول بھی کردیا تو مجھے اس کا کوئی افسوس نہ ہوگا اور میں بے عذر امارت سے الگ ہوجاؤں گا"۔

عبدالعزیز اور موسیٰ کے ہمدردوں کو عزیز کے اس اعلان کا بڑا صدمہ ہوا لیکن وہ عبدالعزیز کی اس دور اندیشی کو نہ سمجھ سکے کہ انہوں نے یہ اعلان کرکے مخالفوں کے منہ بند کردیے۔

تمام سرداروں نے باری باری عبدالعزیز کے اس اعلان کی تائید کی اور اسے اپنی وفاداری کا یقین دلایا۔ یہاں تک کہ وہ تمام سردار جو عزیز اور جی لونا کی شادی کے سخت مخالف تھے، وہ بھی عزیز کے دوست ہوگئے اور انہوں نے ہر طرح کے تعاون کی پیش کش کی۔

دربار کے غم انگیز اور گھٹے گھٹے ماحول میں کمی آگئی تھی اور عزیز سرداروں کے ساتھ بڑی بے تکلفی سے باتیں کررہا تھا۔

باتیں کرتے کرتے انہیں رات ہوگئی۔ عبدالعزیز نے وہیں تمام سرداروں کے ساتھ کھانا کھایا۔ حالانکہ وہ کھانا ملکہ جی لونا کے ساتھ کھایا کرتا تھا اور آج تو ملکہ نے اس سے جلد واپس آنے کی درخواست کی تھی۔ آج ملکہ کی سالگرہ تھی۔

حالات نے عزیز کے قدم پکڑ رکھے تھے۔ وہ ملکہ کی درخواست پر عمل نہ کرسکا۔

عبدالعزیز کھانا کھا کر جب سرداروں کے ساتھ باہر نکلا تو اس کی حرم سرا اور قلعے کی تمام برجیاں چراغاں کا منظر پیش کررہے تھے۔ پوری حرم سرا بقعۂ نور بنی ہوئی تھی۔ قلعے کے برجوں اور فصیل پر بھی چراغ جلتے نظر آرہے تھے۔ عبدالعزیز کے سرداروں نے ایک دوسرے کو معنی خیز نظروں سے دیکھا۔ ایک ایسے وقت پر جب فاتحِ ہسپانیہ کے معتوب ہونے کی خبر اشبیلیہ میں پہنچی تھی، یہ چراغاں اور یہ اظہارِ مسرت کچھ عجیب سا تھا۔ موسیٰ کے ہمدردوں کو چراغاں دیکھ کر بہت غصہ آیا۔ وہ سمجھے کہ ملکہ نے موسیٰ بن نصیر کے معتوب و مقہور ہونے پر چراغاں کرکے اپنی خوشی کا اظہار کیا ہے۔

عبدالعزیز اپنی جگہ سخت شرمندہ تھے۔ وہ جانتے تھے کہ یہ چراغاں ملکہ کی سالگرہ کی خوشی میں کیا گیا ہے۔ لیکن سرداروں سے کہتے تو کیا کہتے اور کس طرح کہتے۔

سردار اگرچہ بہت غصے میں تھے لیکن وہ چند لمحے پہلے جس امیر سے اطاعت و وفاداری کا عہد کرچکے تھے اس امیر پر حرف گیری کرتے ان کی زبان نہ کھل رہی تھی۔

ایک سردار خود پر قابو نہ رکھ سکا۔ ذرا تلخ لہجے میں بولا:

"امیرِ محترم! کیا حرم سرا کے رہنے والوں کو اس بات کی خبر نہیں کہ فاتحِ ہسپانیہ پر مصیبتوں کا پہاڑ ٹوٹ پڑا ہے۔ آخر وہ چراغاں کرکے کس بات کا اظہار کرنا چاہتے ہیں"۔

عبدالعزیز کو گفتگو اور صفائی پیش کرنے کا نادر موقع ہاتھ لگ گیا۔ فوراً وضاحت کی:

"میرے دوستو! ابھی قلعے اور حرم کے کسی شخص کو اطلاع نہیں کہ فاتحِ ہسپانیہ کس عذاب میں مبتلا ہے اور ہم اس خبر سے کس قدر افسردہ اور غمگین ہیں..... یہ چراغاں جو آپ لوگ دیکھ رہے ہیں یہ ملکہ جی لونا

کی سالگرہ کی خوشی کا ایک حصہ ہے۔ آج ملکہ کا یومِ پیدائش ہے۔ انھوں نے مجھ سے خوشی منانے کی اجازت لی تھی۔ یہ سب میری اجازت سے ہو رہا ہے۔ اس میں سراسر میری غلطی ہے۔ مجھے چاہیے تھا کہ اس تقریب کو منسوخ کر دیتا لیکن میں اس اہم مسئلے پر آپ لوگوں سے گفتگو کرتا رہا اور اس تقریب کا خیال میرے ذہن سے بالکل نکل گیا"۔

عبدالعزیز نے اپنی طرف سے چراغاں کے بارے میں پوری وضاحت کر دی تھی۔ بہت سے سردار اس وضاحت سے مطمئن ہو بھی گئے لیکن دشمن تو ایسی باتوں سے فائدہ اٹھاتے ہیں۔ یہ بات اس وقت تو دب گئی لیکن آگے چل کر یہ چراغاں بھی عبدالعزیز کی مخالفت کا ایک جزو بن گیا۔

عبدالعزیز محلسرا میں داخل ہوئے تو ان کے منہ سے غصے کے مارے جھاگ سی نکل رہی تھی۔ انھوں نے دو غلاموں کو اور ایک کنیز کو خواہ مخواہ پھٹکارا۔ ایک غلام کے ایک ہاتھ بھی جڑ دیا۔ عبدالعزیز نے حکم دیا کہ تمام چراغ گُل کر دیے جائیں۔ آرائشیں ختم کر دی جائیں..... انھوں نے یومِ پیدائش کی تمام رسومات ختم کر کے جی لونا کے مہمانوں کو فوراً محل سرا خالی کرنے کا حکم دے دیا۔

ہر طرف بھگدڑ سی مچ گئی۔

چراغ تیزی سے گل کر دیے گئے۔

کنیزوں نے گھبراہٹ میں روزمرہ جلنے والی شمعوں اور قندیلوں کو بھی گل کرنا شروع کر دیا۔ اس سے ہر طرف اندھیرا پھیل گیا اور جی لونا کے مہمانوں میں گھبراہٹ اور سراسیمگی پھیل گئی۔

عبدالعزیز، جی لونا کے سامنے بھیگی بلی بنے رہتے تھے۔ آج ان کے مزاج کی برہمی کی خبر جب ملکہ جی لونا کو پہنچائی گئی تو اسے تعجب سا ہوا۔ اس نے تمام مہمانوں کو چپکے سے رخصت کر دیا۔ اس رات وہ اپنی سالگرہ کے سلسلے میں ایک عظیم جشن منانے کا ارادہ کر چکی تھی جس میں شراب و کباب اور رقص و موسیقی کا پروگرام بھی شامل تھا لیکن عین موقعے پر عزیز کے مزاج بگڑ جانے سے اس کا سب کیا دھرا خاک میں مل گیا۔

ملکہ جی لونا کو جلد ہی عزیز کے مزاج کی برہمی کا سبب معلوم ہو گیا۔

موسیٰ بن نصیر پر دمشق میں عتاب نازل ہونے کی خبر پورے قلعے میں پھیل گئی۔ عزیز کے مزاج کا یہ ردِ عمل بالکل فطری تھا۔

جی لونا اس وقت اپنے کمرے میں خاموش بیٹھی تھی۔ جب تک تمام روشنیاں گل نہ ہو گئیں اور محل سرا میں بھاگ دوڑ ختم نہ ہو گئی۔ جب ہر طرف تاریکی چھا گئی اور خاموشی طاری ہو گئی تو وہ آہستہ آہستہ عبدالعزیز کے کمرے میں آئی۔

عزیز، پریشانی اور افسردگی کے عالم میں مسہری سے ٹیک لگائے بیٹھے تھے۔ انہیں جی لونا کے آنے کی خبر نہ ہوئی۔

ملکہ گھوم کر مسہری کی پشت پہ پہنچی اور اپنا ہاتھ آہستہ سے عزیز کے شانے پہ رکھا۔

عزیز، ہاتھ کی گرمی، لمس یا حلاوت سے جی لونا کو پہچان گئے۔ انہوں نے گردن گھما کر جی لونا کو دیکھا اور ہاتھ پکڑ کر مسہری پہ بٹھا لیا۔

ملکہ نے عزیز کو بولنے کا موقع نہ دیا، وہ خود ہی شروع ہو گئی:

"اے امیرِ ہسپانیہ! آپ کا غم درست ہے۔ میں آپ کی شریکِ حیات ہوں۔ آپ کا غم میرا غم ہے لیکن جو ہوا ہے اس میں آپ کا کوئی قصور نہیں اور نہ آپ اس کے ذمے دار ہیں لیکن یہ خیال رکھیے کہ جو کام بے ارادہ ہو جائے یا وہ کام جس کا امکان بھی نہ ہو، وہ آپ ہی آپ ہو جائے، اس میں آسمانی طاقت کی کوئی نہ کوئی مصلحت ضرور ہوتی ہے۔ یوں بھی ہم دیکھتے ہیں کہ ایک کا زوال ہوتا ہے تو دوسرے کو عروج ملتا ہے۔ ایک عمارت ٹوٹ پھوٹ جاتی ہے تو اس کے کھنڈرات پر اس سے زیادہ شان دار عمارت ہوتی ہے"۔

عزیز اس پر دل و جان سے فریفتہ تھے اور ملکہ نے ان پر یہ تاثر قائم کر رکھا تھا کہ اس دنیا میں اس سے زیادہ عزیز کا کوئی ہمدرد نہیں۔ عزیز اپنے دل کی بات، یہاں تک کہ سلطنت کے اہم راز بھی جی لونا سے نہ چھپاتے تھے۔

عزیز نے افسردگی سے کہا:

"اے جانِ عزیز! تم نے جو کہا وہ درست ہے لیکن کیا تم نے یہ نہیں سنا کہ گیہوں کے ساتھ گھن بھی پس جاتا ہے۔ خلیفہ نے ہمیں ابھی معزول نہیں کیا ہے لیکن کیا پتہ، اس کا دماغ کب گھوم جائے اور ہمیں ناکردہ گناہوں کی سزا بھگتنا پڑے"۔

جی لونا نے انہیں فوراً مشورہ دیا:

"اے امیرِ ہسپانیہ! اسلامی لشکر آپ سے محبت کرتا ہے۔ آپ کا حکم مانتا ہے۔ اسی طرح نصرانی عوام اور خواص میرے مطیع اور فرماں بردار ہیں۔ عقل مند وہ ہے جو خطرے کی بُو سونگھتے ہی اس سے بچاؤ کے انتظامات کر لے۔ دمشق یہاں سے بہت دور ہے۔ آپ اپنی شہنشاہیت کا اعلان کر دیجیے۔ کوئی آپ کی مخالفت نہیں کرے گا..... مسلمان آپ کے طرفدار..... نصرانی میرے مطیع و غلام..... دمشق کا خلیفہ آپ کی طرف نظر اٹھا کر بھی نہیں دیکھ سکے گا"۔

"جانِ عزیز!" عزیز نے اسے سمجھایا: "تم خلیفہ کی طاقت کو نہیں سمجھ سکتیں۔ خلیفہ دمشق میں ہو یا توران

میں، اس کے آدمی ہر جگہ موجود ہوتے ہیں جو لمحے لمحے کی خبریں اسے پہنچاتے ہیں۔

موسیٰ بن نصیر اور طارق بن زیاد کی واپسی سے اندلس (ہسپانیہ) کے نصرانی گورنروں اور سرداروں کو پھر یہ امید پیدا ہوگئی کہ شاید وہ اپنے کھوئے ہوئے علاقے مسلمانوں سے واپس لے سکیں۔ ان کی اس امید کو اس بات سے اور تقویت ملی کہ موسیٰ واپس جاتے ہوئے کچھ فوج بھی اپنے ساتھ لے گئے تھے لیکن عبدالعزیز نے ہسپانیہ کی امارت سنبھالتے ہی ان کی امیدوں پر پانی پھیر دیا۔

ہسپانیہ کے شمالی مغربی علاقوں کے سرداروں نے سرکشی پر کمر باندھی۔ عبدالعزیز نے فوراً فوج بھیج کر ان کا زور توڑ دیا۔

وہ علاقے، جن پر عیسائی گورنر تھے اور بغاوت کے شعلے بھڑکا رہے تھے۔ ان کی جگہ مسلمان گورنر بھیج کر ان کی طاقت کا بھی خاتمہ کر دیا گیا۔

عبدالعزیز بہت بیدار مغز اور منتظم ذہن کے مالک تھے۔ انہوں نے کسانوں کو رعایت دے کر ان کی ہمدردیاں حاصل کیں۔ جن غلاموں نے اسلام قبول کر لیا، انہیں آزادی دی گئی۔ جگہ جگہ سڑکوں کی تعمیر ہوئی۔ مکتب کھولے گئے۔ عدالتیں قائم ہوئیں۔ کسی کے مذہب میں دخل نہ دیا گیا۔ یہاں تک کہ غیر مسلموں کے مقدموں کے لیے ان کی قوم کے جج بھی مقرر کیے گئے۔

عبدالعزیز نے چند ہی دنوں میں حالات پر قابو پا لیا اور عیسائیوں اور یہودیوں کے ساتھ اس قدر مشفقانہ سلوک کیا کہ وہ عبدالعزیز کو اپنا محسن بلکہ باپ سمجھنے لگے۔

عبدالعزیز نے مسلمانوں کو بھی طرح طرح کی مراعات دے کر اپنا ہمنوا بنا لیا۔ اگر دمشق میں موسیٰ بن نصیر کی معزولی کا واقعہ پیش نہ آتا تو عبدالعزیز نے ہسپانیہ میں اسلامی سلطنت کی بنیادیں اتنی مضبوط کر دی تھیں کہ اسے صدیوں تک نہ ہلایا جا سکتا۔

موسیٰ بن نصیر کے ساتھ خلیفہ سلیمان نے جو تحقیر آمیز سلوک کیا، ہسپانیہ کی سیاست اور ریاست پر اس کا اثر پڑنا ضروری تھا۔

خلیفہ سلیمان، موسیٰ کو سزا دینے کے بعد ان کے بیٹے عبدالعزیز سے وفاداری کی امید کسی طرح نہ کر سکتے تھے۔ عبدالعزیز بھی اپنی جگہ مطمئن نہ تھے۔ وہ اس باپ کے بیٹے تھے جو دمشق میں قید تھا۔

عبدالعزیز جانتے تھے کہ طاقت ہی ایک ایسا حربہ ہے جو خلیفہ کی مخالفت کا مقابلہ کر سکتا ہے۔ پس وہ اپنے ہسپانیہ کو مضبوط سے مضبوط تر بنانے کے لیے طرح طرح کی تدابیر اختیار کیں۔ بظاہر انہوں نے دمشق کی خلافت سے وفاداری کا اظہار کیا لیکن اندرونی طور پر انھوں نے خود کو زیادہ سے زیادہ مضبوط کرنے کی کوشش کی۔

عبدالعزیز بعض مسلمانوں کی طرف سے بالکل مطمئن نہ تھے۔ خصوصاً وہ سردار جن کا براہِ راست تعلق طارق بن زیاد سے تھا۔ ان پر تو عزیز کو بالکل اعتماد نہ تھا۔ انہیں ہر گھڑی کسی نہ کسی غیر معمولی واقعے کا دھڑکا لگا رہتا۔ انہیں اپنی جان کا بھی سخت خطرہ تھا۔ ایک تو مکہ کی محبت، دوسرے خلیفہ سلیمان کی مخالفت میں وہ مسلمانوں سے دور ہونے لگے۔ ان کا جھکاؤ روز بروز نصرانیوں کی طرف ہونے لگا۔

جان کے خطرے کے پیشِ نظر عزیز نے شہر اشبیلیہ سے کچھ فاصلے پر بیت المال کی رقم سے ایک عظیم الشان محل بنوایا جس کا نام القصر رکھا گیا۔

اس محل کا پورا انتظام اس نے مکہ جی لونا کے سپرد کر دیا۔ جی لونا نے عبدالعزیز اور محل کی حفاظت کے لیے ہر پہر بیدار مقرر کیے۔ ان میں جان بوجھ کر عیسائیوں کی تعداد زیادہ کر دی۔ قصر کے اندر تمام کنیزیں اور غلام صرف عیسائی رکھے گئے۔ مکہ نے اس قصر کو اپنی نگرانی میں قصرِ طلیطلہ کی طرح آراستہ و پیراستہ کرایا۔

مکہ کو ہسپانیہ کے تمام خزانوں کا علم ہو گیا۔ ان میں کچھ خزانے تو طارق اور موسیٰ کے ہاتھ لگ گئے تھے لیکن بعض اب تک محفوظ تھے۔ مکہ نے تمام دولت منگوا کر القصر میں رکھ دی۔ اس میں بیش قیمت پارچہ جات، جواہرات اور کسی پرانے شہنشاہ دمکہ ہسپانیہ کے تاج بھی تھے۔

القصر آراستہ و پیراستہ ہو گیا تو اس کی رسمِ افتتاح کی تقریب کا اہتمام کیا گیا۔

اسلامی روایات کا تقاضا تھا کہ عبدالعزیز اس موقع پر قرآن خوانی کراتے لیکن مکہ جی لونا کے اصرار پر رسمِ برکت کے لیے ایک نصرانی پادری کو طلب کیا گیا۔

پہلے پادری نے دعائیں پڑھیں۔ اس کے بعد اشبیلیہ کے قاضی کو بلوا کر تلاوتِ قرآن حکیم کرائی گئی۔۔۔۔ ظاہر ہے کہ اس سے مسلمانوں کو تکلیف پہنچی۔ جتنی مسلمانوں کو تکلیف ہوئی اس سے کہیں زیادہ نصرانی خوش تھے۔ ان کی ہمدردیاں عبدالعزیز کے ساتھ بڑھنے لگیں۔

اس مختصر سی افتتاحی تقریب میں گنتی کے چند مسلمان سردار بلائے گئے تھے۔ نصرانی سرداروں کی تعداد اس موقع پر بھی زیادہ تھی۔

اس تقریب کا اہتمام قصر کے ایک چھوٹے سے کمرے میں کیا گیا تھا۔ قصر میں دیوانِ خاص، دیوانِ عام،

مہمان خانہ اور حرم سرا وغیرہ تعمیر ہوئے تھے لیکن جی لونا نے سرداروں کو کسی جگہ کی سیر کرنے یا دیکھنے کی اجازت نہ دی۔ وہ چاہتی تھی کہ محل کی سیر پہلے عبدالعزیز کو کرائی جائے، اس کے بعد کسی اور کو دیکھنے کی اجازت ہو۔

مہمانوں کے رخصت ہونے کے بعد جی لونا نے عبدالعزیز کا ہاتھ پکڑ لیا اور خراماں خراماں اسے دیوانِ خاص کی طرف لے چلی۔ عبدالعزیز اور ملکہ کے پیچھے کنیزوں اور غلاموں کے غول کے غول چلے آ رہے تھے۔ عبدالعزیز دیوانِ خاص کے دروازے پر پہنچے تو ان کی آنکھیں حیرت سے کھلی رہ گئیں۔

بڑے دروازے پر حریری پردے آویزاں تھے۔ پردوں کے نیچے موتیوں کی جھالریں لگی تھیں جن میں جواہرات لٹکے ہوئے تھے۔ جواہر ریزوں سے کہکشاں کے رنگ پھوٹ رہے تھے۔

ملکہ کے اشارے پر پردے کھینچ دیے گئے۔

عبدالعزیز نے دیوانِ خاص میں قدم رکھا تو دم بخود رہ گیا۔ دروازے کے بالکل سامنے تختِ شاہی بچھا ہوا تھا جس کے پایوں پر گنگا جمنی کام کیا ہوا تھا۔ زرنگار مسند اور زرنگار گاؤ تکیے۔۔۔۔ تخت کے چاروں طرف جواہرات کی لڑیوں کی جھالر لٹکتی ہوئی دکھائی دے رہی تھی۔

تخت کے آگے سونے کی چوکی رکھی تھی۔ تخت کے چاروں طرف نہایت بیش قیمت کرسیاں بچھی تھیں جن پر سونے چاندی کا کام کیا ہوا تھا۔ درمیان میں نرم قالینوں کا فرش بچھا ہوا تھا۔

دیوانِ خاص کی چھت کے ساتھ بے شمار جھاڑ فانوس آویزاں تھے جن میں شمعیں روشن تھیں اور دن کے وقت بھی اس قدر روشنی تھی کہ باہر کی روشنی بھی ماند پڑی جاتی تھی۔

ملکہ جی لونا، عبدالعزیز کی محویت اور حیرت سے خوب لطف اندوز ہو رہی تھی۔ اس نے عبدالعزیز کے ہاتھ کو ہلکا سا جھٹکا دیا۔ عبدالعزیز جیسے خواب سے چونک پڑے۔

ملکہ، عزیزہ کو تختِ شاہی کے پاس لے گئی اور اسے سہارا دے کر تخت پر بٹھا دیا۔ عبدالعزیز ایک سحر زدہ انسان کی طرح وہ سب کچھ کرتا رہا جو ملکہ اس سے کراتی رہی۔

عبدالعزیز کے تخت پر بیٹھنے کے بعد ملکہ بھی اس کے برابر بڑی تمکنت سے رونق افروز ہوئی۔ عبدالعزیز زبان سے تو کچھ نہ بولے لیکن ہر چیز کو آنکھیں پھاڑ پھاڑ کر دیکھتے رہے۔

ملکہ جی لونا نے کنیزوں کو پھر اشارہ کیا۔۔۔۔۔

کنیزوں نے فوراً سونے کا ایک بڑا طشت لا کر تخت کے سامنے رکھ دیا۔ ملکہ نے خوان پوش اٹھایا تو طشت میں دو شاہی تاج جگمگاتے نظر آئے۔

ملکہ نے طشت سے بڑا تاج اٹھا کر کنیز کو دیا اور خود ہاتھ بڑھا کر عبدالعزیز کے سر سے صافہ اتارا

اور بڑی نفاست سے تخت پر رکھ کر جی لونا نے جلدی سے شاہی تاج عبدالعزیز کے سر پر رکھ دیا۔

عبدالعزیز کے منہ سے صرف "نہیں نہیں" نکلا لیکن انہوں نے کوئی مداخلت یا مزاحمت نہ کی۔ ملکہ نے چھوٹا تاج طشت سے اٹھایا اور ایک کنیز کی مدد سے اپنے سر پر جما لیا۔

یہ نظارہ بڑا دلفریب تھا۔ یوں لگتا تھا جیسے شہنشاہ اور ملکہ ہسپانیہ تختِ شاہی پر جلوہ افروز ہوں۔ ملکہ نے ایک قدِ آدم آئینہ منگوایا اور اسے تختِ شاہی کے سامنے استادہ کر دیا۔

آئینے میں ملکہ اور عزیزہ کا عکس عجب بہار دے رہا تھا۔

ملکہ نے مسکرا کر کہا:

"ذرا آئینے میں دیکھیے۔ آپ کے سرِ مبارک پر یہ تاجِ شاہی اچھا لگتا ہے یا وہ بے ڈھنگا صافہ۔"

عبدالعزیز کے دل میں شاید پہلی بار شیطانی وسوسہ پیدا ہوا۔ اس کا سر غرور سے تن گیا اور اس نے نظریں اِدھر اُدھر اس طرح دیکھا جیسے اس کے سامنے تمام عالم سر جھکائے کھڑا ہے۔

اس وقت وہ بہت خوش تھا۔

کبھی وہ سوچتا، شاید یہ خواب کا عالم ہے لیکن یہ تو کھلی ہوئی حقیقت تھی۔ اس کے سر پر شہنشاہِ ہسپانیہ کا تاج تھا اور ہسپانیہ کی حقیقی ملکہ اس کے برابر تخت پر بیٹھی تھی۔

کچھ دیر بعد ملکہ نے آئینہ سامنے سے ہٹوایا اور عبدالعزیز کے لیے شاہانہ لباس لانے کا حکم دیا۔ شاہی لباس بڑے اہتمام سے لایا گیا۔

ملکہ نے عبدالعزیز کا لبادہ اتار کر اسے شاہی لباس پہنایا۔ جب عبدالعزیز تاج لگا کر اور لبادہ پہن کر دوبارہ تختِ شاہی پر بیٹھ گئے تو ملکہ تخت سے اتر کر ان کے سامنے آ کھڑی ہوئی۔

عبدالعزیز نے بڑی محبت سے ملکہ جی لونا کو دیکھا۔ وہ ملکہ کی کارگزاری سے بہت مسرور نظر آ رہے تھے۔

ملکہ نے سر کو ذرا خم کیا اور کمالِ ادب سے کہا:

"میں تاجدار اور شہنشاہِ ہسپانیہ عبدالعزیز کے حضور خلوص سے کورنش پیش کرتی ہوں۔"

یہ کہہ کر ملکہ پہلے گھٹنوں کے بل بیٹھی پھر تخت کے سامنے سر بسجود ہو گئی۔

انسان کو انسان کا سجدہ۔۔۔۔۔

عبدالعزیز ایک بار تو کانپ اٹھا۔

عبدالعزیز نے لرزتے لہجے میں کہا:

"جانِ عزیزہ۔ مجھے گنہ گار نہ کرو۔ میرے مذہب میں انسان کو سجدہ حرام ہے۔"

ملکہ سجدے سے سر اٹھا کر گھٹنوں کے بل بیٹھ گئی۔

"شہنشاہ کے مذہب میں سجدہ حرام ہے لیکن ملکہ کے مذہب میں تعظیم کا سجدہ فرض ہے۔ یوں بھی شوہر عورت کا مجازی خدا ہوتا ہے اور اسے سجدہ کیا جا سکتا ہے۔ پھر شہنشاہ تو خدا کا نائب ہوتا ہے اس کا سجدہ کس طرح حرام ہو سکتا ہے۔"

عبدالعزیز سوچ میں پڑ گیا۔

ملکہ دوبارہ بولی:

"شہنشاہ ہسپانیہ ہمارا سجدہ چاہے قبول نہ کریں لیکن آج سے ہسپانیہ کے تمام نصرانی مرد و زن انہیں سجدہ کرتے رہیں گے۔"

ملکہ نے تمام کنیزوں اور غلاموں کو اشارہ کر دیا اور سب کے سب عبدالعزیز کے سامنے سجدے میں گر پڑے۔

موسیٰ بن نصیر نے طارق بن زیاد کو سرداروں کے سامنے ذلیل کیا تھا اس کا افسوس طارق کو بھی تھا اور ان کے بعض بربر سرداروں کو بھی۔

طارق بن زیاد نے اپنے اس افسوس اور دل میں چھپی ہوئی عداوت کا اظہار عام مجمعے میں اس وقت کیا تھا جب موسیٰ بن نصیر نے مائدہ سلیمانی (حضرت سلیمان کی میز) کو پیش کرتے وقت اموی خلیفہ ولید بن عبدالملک سے کہا تھا یہ قیمتی اور متبرک تحفہ بھی انہیں طلیطلہ کی فتح کے دوران حاصل ہوا تھا۔ طارق نے ان کے اس بیان کی پُرزور تردید کرتے ہوئے میز کا چوتھا پایہ پیش کر دیا تھا۔

یہ میز طارق بن زیاد کو طلیطلہ سے بھاگنے والے لوگوں سے ملی تھی۔ اس میں اس قدر ہیرے جواہرات جڑے ہوئے تھے کہ یہ مجسم ہیرے کی معلوم ہوتی تھی۔ اُس وقت اس کے صرف تین پائے تھے۔ طارق نے میز کو پورا کر دینے کے لیے اس کا چوتھا پایہ سونے کا بنوایا تھا۔ پھر جب انھوں نے موسیٰ بن نصیر کے آنے پر تمام مالِ غنیمت کے ساتھ یہ میز اُن کے حوالے کی تو سونے کا پایہ علیحدہ کر کے اپنے پاس رکھ لیا۔ یہی پایہ ان کے بیان کا شاہد بن گیا اور موسیٰ کو خلیفہ کے سامنے شرمندہ ہونا پڑا۔

طارق نے تو اپنی ذلت کا بدلہ لے لیا لیکن ان کے وہ ساتھی اور ہمدرد جو ہسپانیہ میں موجود تھے وہ بھی

ے اس رویے کا بدلہ لینا چاہتے تھے۔ موسیٰ کا تو وہ کچھ نہ بگاڑ سکے۔ وہ دمشق پہنچ کر نئے خلیفہ سلیمان کے چنگل میں پھنس گئے۔ ہسپانیہ میں ان کے بیٹے عبدالعزیز تھے۔ پس طارق کے ہمدرد عبدالعزیز کے پیچھے لگ گئے اور انہیں زک دینے کی تدبیریں کرنے لگے۔

عبدالعزیز کو ایسے سرداروں کا ضرور علم ہو گا لیکن وہ بڑے دانشمند اور مدبر تھے۔ انھوں نے کوئی ایسی بات نہ کی جس سے کسی کو شکایت کا موقع ملے۔

عبدالعزیز، ہسپانیہ میں بہت پھونک پھونک کر قدم اٹھا رہے تھے۔ انہیں خلیفہ سلیمان سے بھی خطرہ تھا اور پوشیدہ باغی سرداروں سے بھی۔ . . . . انھوں نے اپنی طاقت بڑھانا شروع کر دی۔ ملکہ جی لونا کی وجہ سے ان کا جھکاؤ عیسائیوں کی طرف ہو گیا۔

عیسائیوں نے انہیں بہت سہارا دیا اور چند ہی دنوں میں عبدالعزیز کی طاقت اس قدر بڑھ گئی کہ نہ تو دمشق کے خلیفہ کی ہمت ہوئی کہ عبدالعزیز کو معزول کرے اور نہ ہسپانیہ کے کسی سردار کو ان کے سامنے دم مارنے کی جرأت ہوتی۔

عبدالعزیز پہلے ہسپانیہ کے بے تاج بادشاہ بنے۔ پھر ملکہ جی لونا کی کوشش سے وہ واقعی تاجدار اور شہنشاہِ ہسپانیہ ہو گئے۔ عبدالعزیز کو ہسپانیہ کا شاہی تاج اور ارغوانی لباس کچھ ایسا بھایا کہ وہ تہواروں اور اہم موقعوں پر ارغوانی لباس پہن کر اور سر پہ صافہ کے بجائے شاہی تاج سجا کر دربارِ خاص میں جانے لگے۔

ہسپانیہ کے مسلمان سردار، ملکہ جی لونا کے بڑھتے ہوئے اثر و رسوخ کے پہلے ہی خلاف تھے۔ عبدالعزیز کے اس شاہانہ انداز نے انہیں اور برافروختہ کر دیا۔

ہسپانیہ میں عبدالعزیز کے خلاف محلاتی سازشوں کا آغاز ہوا۔

بعض لوگوں کا خیال ہے کہ طارق بن زیاد دمشق میں بیٹھے تھے اور وہی ان سازشوں کی سربراہی کر رہے تھے لیکن اس کا کوئی تاریخی ثبوت نہیں ملتا۔

طارق کے خاندان والے ہسپانیہ میں ضرور موجود تھے لیکن دمشق میں طارق کو کوئی مقام حاصل نہ تھا۔ خلیفہ سلیمان بن عبدالملک نے اعزازات برقرار رکھے تھے لیکن انہیں اس قابل نہ سمجھا گیا کہ کسی نئی مہم کے لیے ان کی خدمات حاصل کی جائیں۔

ایک سال گزر گیا......

عبدالعزیز نے اپنے تدبر، دانائی، شعور، حوصلے، جانثاری اور جہانبانی کے زور پر [illegible] نہایت شان و شوکت سے ہسپانیہ پر حکومت کرتے رہے۔ انھوں نے تاج بھی پہنا، شاہوں کا ارغوانی لباس بھی

زیب تن کیا لیکن کوئی چوں نہ کر سکا۔

ملکہ جی لونا کے اقتدار میں بھی دن بدن اضافہ ہوتا گیا اور اس کی گرفت عبدالعزیز پہ مضبوط ہوتی چلی گئی۔

ملکہ ہسپانیہ کے جشنِ بہار دیکھ چکی تھی۔ اس کے کانوں میں رومتہ الکبریٰ اور ایوان ہائے اشبیلیہ اور طلیطلہ کے پرمسرت نغمے اب بھی رس گھولتے رہتے تھے۔ وہ شاہانہ ٹھاٹ باٹ کی پروردہ اور عادی تھی۔ اسے عزیز کی بے کیف اور پھیکی سپاہیانہ زندگی سے نفرت تھی۔ وہ چاہتی تھی کہ عبدالعزیز بھی شہنشاہ راڈرک کی طرح دربار لگائے۔ دربار میں آنے والے اسے کورنش پیش کریں۔ وہ عبدالعزیز کے پہلو میں سرِ دربار تختِ شاہی پر اس طرح بیٹھے جیسے وہ شاہ راڈرک کے زمانے میں بیٹھتی تھی۔

ایک دن ملکہ جی لونا نے عبدالعزیز کو خوش دیکھ کر ادب سے کہا:

"یا امیرالمومنین! آپ جب ارغوانی لباس پہن کر اور شہنشاہِ ہسپانیہ کا تاج سر پہ سجا کر تختِ شاہی پہ قدم رکھتے ہیں تو میرا دل باغ باغ ہو جاتا ہے"۔

عبدالعزیز نے ہنس کر کہا:

"جانِ عزیز..... عبدالعزیز کو یہ مقام اس کے حوصلے اور تمہارے خلوص سے حاصل ہوا ہے۔ اس وقت مجھے عیسائیوں کا پورا پورا تعاون حاصل ہے اور یہ سب تمہاری کوششوں کا نتیجہ ہے"۔

جی لونا اٹھلا کر بولی:

"مجھے اس لفظ امیرالمومنین سے بہت الجھن ہوتی ہے۔ اس لفظ کا دائرہ اور طاقت بہت محدود ہے۔ اس سے تو صرف یہ ظاہر ہوتا ہے کہ آپ صرف مسلمانوں کے امیر ہیں۔ حالانکہ اس وقت آپ کے ہاتھوں میں اصل طاقت تو عیسائی ہیں"۔

عبدالعزیز کو ملکہ کی باتوں پر بڑا پیار آیا۔ وہ بولے:

"جانِ عزیز! امیرالمومنین کی طاقت سے تم واقف نہیں۔ یہ وہ عظیم طاقت ہے جس کے مالک ہونے کا مجھے اب تک حوصلہ نہیں ہو سکا۔ میرا دربارِ خلافت سے اب تک رابطہ قائم ہے اور میں خلیفہ دمشق اور اپنے باپ کے دشمن کو امیرالمومنین کہنے پر مجبور ہوں۔ مجھ سے تم نے امیرالمومنین کہنے کی اجازت مانگی تو میں نے تمہیں دے دی ورنہ اصل امیرالمومنین تو خلیفۂ دمشق ہے۔ میری حیثیت ایک علاقائی گورنر سے زیادہ نہیں"۔

جی لونا کی تیوریوں پر بل پڑ گئے۔ وہ تڑپ کر بولی:

"آپ امیرالمومنین سے بلند ہیں۔ آپ شہنشاہِ ہسپانیہ ہیں۔ میں آج آپ کو علی الاعلان شہنشاہ اور ہسپانیہ کہوں گی۔ تمام عیسائی آپ کو شہنشاہ کہیں گے۔ میں اعلان کرا دوں گی کہ جو عیسائی دربار میں آئے، وہ سجدہ کر کے تعظیم بجا لائے"۔

عبدالعزیز میں شاہانہ تمکنت تو اسی وقت پیدا ہو گئی تھی جب ملکہ جی لونا نے القصر کی تقریب میں پہلی بار اس کے سر پہ تاج رکھا تھا۔ القصر میں کنیزوں اور غلاموں نے اسے سجدہ بھی کیا تھا۔

عبدالعزیز کے ہاتھوں میں بے پناہ طاقت آئی تو اس میں مطلق العنانی اور خود پسندی کی بُو باس بھی پیدا ہوئی۔ اس وقت ملکہ نے اسے ایک نئی راہ دکھائی تھی۔

اظہارِ شکوہ اور جاہ و حشم کا جگمگاتا راستہ.....!

عبدالعزیز کچھ سوچنے پہ مجبور ہو گیا۔

ملکہ نے اپنی بات پر زور دیا:

"شہنشاہ کو کسی تردد کی ضرورت نہیں۔ ہسپانیہ میں شہنشاہ کو سجدہ کیا جاتا ہے اور یہ رسم جاری ہو کر رہے گی"۔

عزیز فکرمند لہجے میں بولا:

"جانِ عزیز..... میں نے تمہاری ہر خواہش کا احترام کیا ہے۔ یہ مسئلہ ذرا غور طلب ہے۔ مجھے سوچنے کا موقع دو۔ دربار میں مجھے سجدہ کیا گیا تو مسلم سردار بگڑ اٹھیں گے۔ علمائے کرام مجھ پہ کفر کا فتویٰ صادر کر دیں گے"۔

ملکہ کا چہرہ غصے سے سرخ ہو گیا۔

وہ شیرنی کی طرح بپھر کر بولی:

"کس کی مجال ہے جو آپ کے سامنے زبان کھولے۔ آپ نے سر پہ تاج رکھا۔ کسی نے کیا کر لیا؟ ارغوانی شاہانہ لباس زیب تن کیا۔ کس نے انگلی اٹھائی؟..... سجدے کی جو مخالفت کرے گا میں اس کی زبان کھنچوا ڈالوں گی"۔

عبدالعزیز پتہ نہیں جی لونا سے اس قدر مرعوب کیوں تھا؟ ممکن ہے کہ یہ اس کی بے تحاشا اور بے محابہ محبت کا نتیجہ ہو یا پھر ملکہ کی ان کوششوں کا ردِعمل ہو جو اس نے عیسائیوں کو عزیز کے قریب لانے کے سلسلے میں کی تھیں۔

عزیز مسکرا کر بولا: "جانِ عزیز..... تم غصے میں پہلے سے زیادہ حسین نظر آتی ہو۔ پھر بھی غصہ تھوک دو

تم جو چاہتی ہو، وہی ہوگا۔ عیسائی اگر تعظیم کے لیے سجدہ کرنا چاہیں تو انہیں اجازت ہوگی"

ملکہ جی لونا کے چہرے پر مسرت کی سرخی نے غصے کی تمتماہٹ کی جگہ لے لی۔ اس کے دہکتے ہوئے رخسار، گلاب کی پنکھڑیوں کی طرح نرم پڑ گئے۔

اس نے فرطِ مسرت سے عزیز کے گلے میں باہیں حمائل کر دیں۔

دوسرے دن سے دربارِ اشبیلیہ کا نقشہ ہی بدل گیا۔

عبدالعزیز کی امارت، شہنشاہیت میں تبدیل ہو گئی۔ ملکہ جی لونا نے اعلان کرا دیا کہ تمام عیسائی سردار اور رعیت، عبدالعزیز کی تعظیم شہنشاہِ ہسپانیہ کی طرح بجا لائیں گے۔ دربار میں جو پیش ہوگا وہ سجدہ کرکے نذر پیش کرے گا۔

صبح کو جب ملکہ جی لونا نے عبدالعزیز کو شاہانہ لباس اور تاج پہنا کر دربار میں بھیجا تو اس نے ہسپانیہ کے پرانے شہنشاہوں کی یاد تازہ کر دی۔

حرم سرا سے دربار تک دونوں طرف مسلح محافظ زرق برق لباس پہنے کھڑے تھے۔ آگے آگے نقیب شہنشاہ عبدالعزیز کی آمد کی آوازیں لگاتا چل رہا تھا۔ عبدالعزیز کے ساتھ ملکہ جی لونا تاج پہنے چل رہی تھی۔ بہت سی کنیزیں اسے اپنے حلقے میں لیے ہوئے تھیں۔

عبدالعزیز دربار میں پہنچے تو تمام عیسائی سردار اور امرا سجدے میں گر گئے۔ صرف مسلمانوں نے انہیں سجدہ نہ کیا اور اسلامی روایات کے مطابق تعظیم کا اظہار کیا۔

عبدالعزیز نہایت شان سے تخت پر بیٹھ گئے۔ ملکہ کی ضد تھی کہ وہ تخت پر عبدالعزیز کے ساتھ بیٹھے گی۔ لیکن اس کے لیے وہ ابھی رضامند نہ ہوئے تھے۔ شاہی تخت کی پشت پر ملکہ کے لیے ایک چھوٹا تخت بچھایا گیا تھا۔ ملکہ کے تخت کے سامنے ایک پردہ آویزاں کر دیا گیا تھا۔

مسلمان سردار دربار کا یہ رنگ دیکھ کر اور زیادہ بگڑ گئے لیکن عبدالعزیز کے ہاتھ بہت مضبوط تھے۔ ہسپانیہ کے تمام عیسائی سردار ان کی پشت پر تھے۔ ابن الوقت یہودیوں نے بھی وقت سے فائدہ اٹھایا اور عیسائیوں کے ساتھ ہو گئے۔

مسلمان سرداروں کا ایک گروہ ہر حالت میں عزیز کا ساتھ دینا چاہتا تھا لیکن مخالف گروہ کسی قدر کھل کر سامنے آ گیا۔ دربار کے اندر اور باہر عبدالعزیز کی مخالفت ہونے لگی۔

عبدالعزیز نے پہلے روز کے دربار میں شاہانہ انداز سے تمام کام نمٹائے۔ جی لونا نے عیسائی سرداروں کو حکم دے رکھا تھا کہ فوج کو صورتِ حال قابو میں رکھنے کے لیے تیار رکھا جائے۔ عزیز نے بھی فوج کو امن و امان برقرار رکھنے

...کے احکامات دے دیے تھے لیکن کوئی غیر معمولی واقعہ پیش نہ آیا۔ مخالفت کی چنگاری میں اتنی قوت پیدا ...نہ ہوئی کہ شعلہ بن کر بھڑک اٹھتی۔

...دن خیریت سے گزرا تو جی لونا اور عزیز کے حوصلے اور بڑھ گئے۔ وہ اس غلط فہمی میں مبتلا ہو گئے کہ لوگوں ...کی مخالفت کرنے کی جرأت نہیں۔ وہ جو چاہے کر سکتے ہیں۔

...ملکہ جی لونا نے عزیز کے دماغ میں ڈال دیا تھا کہ شہنشاہ ہی دنیا کی عظیم طاقت ہوا کرتا ہے۔ اس کی مخالفت ...ناممکن ہے۔

...دن بخیریت گزر جانے پر عزیز کو جی لونا کے اس قول پر یقین کرنا پڑا۔

...قصر میں شہنشاہیت کے اس ناٹک کی کامیابی کی خوشی میں ملکہ جی لونا نے ایک عظیم الشان جشن کا اہتمام کیا ...سالگرہ کا جشن افراتفری کے عالم میں ختم ہو گیا تھا اس لیے اس نے اس سے بڑا جشن کیا۔ اب وہ پوری طرح ملکہ ...اسے روکنے ٹوکنے والا کوئی نہ تھا۔

اس جشن میں مسلمان سرداروں نے بہت کم تعداد میں شرکت کی۔ عیسائی اور یہودی سردار جوق در جوق شریک ...ہوئے۔

...ہسپانیہ میں طلوعِ اسلام کے بعد یہ پہلی محفل تھی جس میں رقص و سرود کا ہنگامہ برپا ہوا۔ ساز و آواز سے ...کے در و دیوار گونج اٹھے۔ مرد اور عورتوں نے ساز کی دھن پر جوڑے بنا کر ناچنا شروع کر دیا۔ یہودی اور ...عیسائی شراب کے عادی تھے۔ وہ ایسی محفل میں شراب پینے سے کب باز آتے۔ خوب خوب ساغر لنڈھائے گئے۔ ...نوجوانی کا ایسا سیلاب آیا کہ اس میں سب ہی بہ گئے۔

بے حیائی اور بے شرمی نے رنگ جمایا۔ شرم و حیا منہ چھپا کر کونے میں بیٹھ گئی اور نشہء شراب نے جذبات کو ...بے لگام کر دیا۔

یہ سب کچھ اس مسلمان امیر کے سامنے ہوا جس کی دینداری مشہورِ زمانہ تھی۔ اگر یہ حالات غیر لکھتے تو یقین نہ ...آتا لیکن مسلمان مورخوں نے بھی عبدالعزیز کی غلطیوں کی نشاندہی کی ہے۔

محفلِ نشاط بعد مغرب شروع ہوئی۔ عشا کا وقت ہوا تو محفل اپنے شباب پر تھی۔ کان پڑی آواز سنائی نہ دیتی ...اذان کی آواز، ساز کے شور میں دب گئی۔

...عزیز کا وفادار غلام شریکِ مجلس تھا۔ اس نے عزیز کے کان میں نمازِ عشا کی یاد دہانی کرائی۔ عزیز گھبرا کر کھڑا ...ہوا۔ ملکہ جی لونا نے اسے بہت روکا مگر عزیز کے دل میں شاید خوفِ خدا باقی تھا۔ . . . . اس نے ملکہ کو ...رد کر دیا۔

ملکہ اس وقت تو خاموش ہو گئی مگر دوسرے دن اس نے اس جھڑکی کا ایسا زبردست انتقام لیا کہ عزیز نہ صرف عبدالعزیز بلکہ خود ملکہ جی لونا بھی مبسم ہو کر رہ گئی۔

دوسرے دن عبدالعزیز دربار سے واپس آنے کے بعد حسبِ معمول خوش گپیوں میں مشغول تھا کہ مغرب کی اذان بلند ہوئی۔ ملکہ نے فوراً اپنے سر پر رومال ڈال لیا اور خاموش ہو کر آنکھیں بند کر لیں۔

عبدالعزیز اُس کے اس تغیر پر دل ہی دل میں بہت خوش ہوا۔ پہلے تو یہ ہوتا کہ اذان سنتے ہی ملکہ کا چہرہ متغیر ہو جاتا اور وہ ہر ممکن طریقے سے یہ کوشش کرتی کہ کسی طرح عزیز نماز پڑھنا بھول جائے۔ آج اذان کے احترام میں اس نے ملکہ کا یہ حال دیکھا تو اسے گمان ہوا کہ شاید ملکہ اسلام کی طرف مائل ہو رہی ہے۔

اذان ختم ہوئی تو ملکہ نے آنکھیں کھولیں اور مسکرا کر بولی:

"میرے سرتاج.... جلدی کیجیے۔ کہیں آپ کی نماز قضا نہ ہو جائے"۔

عزیز نہال ہو گیا۔ اس نے پوچھا:

"جانِ عزیز! کیا تمہیں علم ہے کہ قضا نماز کسے کہتے ہیں؟"

"کیوں نہیں شہنشاہِ ہسپانیہ"!

ملکہ جی لونا نے محبت کے بھرپور تیر چلائے:

"میں مسلمان نہ سہی۔ میرا تاجدار تو مسلمان ہے۔ ایک بیوی کو اپنے شوہر کے مذہب سے کچھ نہ کچھ تو ضرور واقف ہونا چاہیے"۔

عبدالعزیز کو اپنے سوال کا جواب نہ ملا تھا۔ ملکہ خاموش ہوئی تو اس نے سوال دہرایا:

"تو پھر بتاؤ قضا کا کیا مطلب ہے؟"

"نماز پڑھ آئیے تو جواب دوں گی"۔

ملکہ نے عزیز کا ہاتھ پکڑ کر اسے کھڑا کر دیا۔

عزیز نماز سے فارغ ہو کر واپس آ گئے.... آتے ہی انہوں نے پھر وہی سوال کیا۔

ملکہ بڑے فلسفیانہ انداز میں بولی:

"شہنشاہِ اعلیٰ مقام.... جو کام وقت پر نہ کیا جائے وہ قضا کہلاتا ہے۔ اس سے کام کی اہمیت کم ہو جاتی ہے اور اصل مقصد پورا نہیں ہوتا۔ پس جس کام کا جو وقت مقرر کیا گیا ہے وہ اسی مقررہ وقت پر کرنا چاہیے۔ میں بھی نماز پڑھتی ہوں لیکن صحیح رہنمائی میسر نہ ہونے کی وجہ سے ہمیشہ گڑبڑ ہو جاتی ہے"۔

عزیز نے پوچھا: "جانِ عزیز.... عیسائی تو اتوار کے اتوار اجتماعی طور پر کلیسا میں جا کر نماز ادا کرتے ہیں، تم کہاں اور کس وقت نماز پڑھتی ہو"۔

ملکہ جی لونا نے انتہائی مکارانہ انداز میں ایک آہ بھری اور بولی:

"اے میرے تاجدار.... آپ کے مسلمان سردار پہلے ہی میرے خلاف ہیں۔ آپ کے کان بھرتے رہتے ہیں۔ اتوار کو کلیسا جانے لگوں تو وہ اور چراغ پا ہو جائیں گے۔ آپ نے عیسائیوں اور یہودیوں کو مذہبی آزادی دے رکھی ہے لیکن میری عبادت پر پابندی ہے۔ میں اگر القصر کے کسی کونے میں اپنی عبادت گاہ بنانے کی درخواست کروں تو شاید آپ بھی اجازت دینے میں تامل کریں۔ میں آپ کے وقار پر آنچ نہیں آنے دینا چاہتی۔ آپ کا حکم اور آپ کی خوشی مجھے اپنی جان سے زیادہ عزیز ہے۔ عبادت ہو یا نہ ہو، آپ مجھ سے خوش رہیں۔ یہی میری خوشی ہے"۔

ملکہ جی لونا کی سحر بیانی.... وہ بھی کمالِ اداکاری کے ساتھ، عزیز کے دل پر اثر کیے بغیر نہ رہ سکی۔ ملکہ خاموش ہونے کے بعد کن انکھیوں سے عزیز کو دیکھ رہی تھی۔ وہ دیکھ رہی تھی کہ اس کا تیر نشانہ سے کتنی دور لگا ہے۔ عزیز شاید اس وقت رام ہو جاتا لیکن ایک کنیز نے حاضر ہو کر اطلاع دی کہ ایوب بن حبیب لخمی اسی وقت ملاقات کے خواہاں ہیں۔

ملکہ جانتی تھی کہ ایوب، عزیز کے عزیز دوست اور ایک بااثر مسلم سردار ہیں۔ پھر سے ان کا اس وقت آنا سخت ناگوار گزرا۔ وہ بہت اہم مسئلے پر گفتگو کر رہی تھی۔ وہ چاہتی تھی کہ عزیز پر چھوڑے ہوئے تاثر سے فوراً فائدہ اٹھائے اور القصر میں ایک عیسائی خانقاہ (کلیسا) تعمیر کرنے کی اجازت حاصل کر لے۔

ملکہ جی لونا بڑے معشوقانہ انداز میں بولی:

"تاجدارِ ہسپانیہ! آپ کا پورا دن تو ملکی انتظام اور اپنے احباب میں گزرتا ہے۔ رات کا یہ تھوڑا وقت ملتا ہے۔ اس میں بھی لوگ چین نہیں لینے دیتے۔ کیا آپ کو بھی میری یہ حق تلفی پسند ہے؟"

عزیز مسکراتے ہوئے اٹھ کھڑے ہوئے اور بولے:

"ایوب کسی ضروری کام سے آئے ہوں گے۔ وہ میرا زیادہ وقت نہ لیں گے۔ میں ابھی واپس آتا ہوں"۔

ملکہ جی لونا خون کے گھونٹ پی کر رہ گئی۔ پھر اس نے اپنی جاسوس کنیزوں کو اشارہ کیا۔ چالاک کنیزوں نے مہمان خانے کے کمرے کے گرد اپنی اپنی جگہ سنبھال لی۔ عزیز جب کسی سے گفتگو کرتے، اس کی پوری تفصیل ان کنیزوں کے ذریعے ملکہ تک پہنچ جاتی۔

عبدالعزیز مہمان خانے میں داخل ہوئے۔ ایوب بن حبیب نے اٹھ کر تعظیم کی۔ عزیز نے انہیں گلے لگا کر محبت کا اظہار کیا۔

عزیز نے بلا تکلف پوچھا: "میرے عزیز دوست.... کون سی اہم ضرورت تمہیں اس بے وقت یہاں

کھینچ لائی ہے؟"

ایوب نے بھی اسی بے تکلفی سے جواب دیا :

"امیر محترم نے مجھے گلے لگا کر عزت افزائی کی ہے۔ اس کا تقاضا ہے کہ میں امیر ہسپانیہ کو ان خطرات سے آگاہ کر دوں، جن کا جال تیزی سے القصر کے گرد پھیلتا جا رہا ہے"۔

عزیز نے دخل دیا :

"ایوب! میں خطرات میں تو اسی وقت گھر گیا تھا جب پدر بزرگوار کو ظلم کا نشانہ بنایا گیا۔ میں جانتا ہوں کہ خلیفہ میرے خلاف ہے۔ ہسپانیہ کے کچھ مفاد پرست اس کے آلۂ کار ہیں۔ . . . . لیکن ایوب! تم اطمینان رکھو، میں نے اتنی طاقت حاصل کر لی ہے کہ خلیفہ مجھ پر ہاتھ ڈالنے کی غلطی نہیں کرے گا۔ اگر ایسا ہوا تو ہسپانوی لشکر اس کا منہ توڑ جواب دے گا"۔

"بے شک امیر محترم نے بہت زیادہ طاقت حاصل کر لی ہے"۔

ایوب نے ٹھہر ٹھہر کر کہنا شروع کیا :

"مقابلہ میدانِ جنگ میں ہو تو دشمن کا چہرہ صاف نظر آتا ہے لیکن آستین کے سانپوں سے مقابلہ کرنا دشوار ہوتا ہے۔ آپ کی پشت پر پورا عیسائی لشکر موجود ہے لیکن مسلم سردار اب آپ سے شاکی ہوتے جا رہے ہیں۔ اگر آپ مجھے معاف کریں تو میں یہ عرض کروں کہ مسلم سردار اور علماء کو ملکہ کی بڑھتی ہوئی طاقت اور آپ پر ان کی مضبوط ہوتی ہوئی گرفت قطعی پسند نہیں"۔

عزیز پہلو بدلتے ہوئے بولے :

"آخر مسلم زعما کو ملکہ سے کیا پرخاش ہے۔ وہ غموں کی ماری ہوئی ہے۔ اس کی سلطنت چھن گئی۔ وقار ختم ہو گیا میں نے اس کے زخموں پر پھایا رکھنے کے لیے اس سے عقد کیا ہے۔ یہ اس کا خلوص ہے کہ تمام عیسائی سردار میرے مطیع ہو گئے ہیں۔ عیسائیوں کی سازشیں اور بغاوتیں ختم ہو گئیں . . . . پھر ملکہ کی مخالفت میری سمجھ سے باہر ہے۔ ایوب! انصاف سے تم ہی کہو، کیا ملکہ ہمارے ساتھ مخلص نہیں"۔

ایوب نے فوراً کہا :

"اگر میرا انصاف پوچھتے ہیں تو مسلم امرا اور سردار القصر میں ہونے والے غیر شرعی رقص و سرود کی محفل کو بھی نفرت کی نظر سے دیکھتے ہیں۔ ان سرداروں میں صرف وہی سردار نہیں جن کا کردار مشکوک ہے بلکہ اب تو مجاہد کبیر موسیٰ بن نصیر کے ہمدرد بھی آپ کی مخالفت پر آمادہ ہیں۔ جشن کے نام پر القصر میں جس قسم کی بے حیائی کا مظاہرہ کیا گیا، اسے کوئی مسلمان برداشت نہیں کر سکتا"۔

"کیا تم بھی میرے مخالفین میں شامل ہو گئے ہو؟" عزیز کا لہجہ سخت ہو گیا۔

ایوب نے بے دھڑک جواب دیا :

"امیر محترم! ایوب نے ہمیشہ آپ کا ساتھ دیا ہے اور آیندہ بھی آپ کا ساتھ دے گا بشرطیکہ اس قسم کی مجالس سے گریز کیا جائے"۔

عزیز نے غصے سے کہا :

"جشن و مجالس کا تعلق ملکہ کے مذہب اور اس کی روایات سے ہے۔ میں ملکہ کی مذہبی رسوم اور روایات میں دخل نہیں دے سکتا۔ تمہیں اجازت ہے ایوب! تم میرے دشمنوں میں شامل ہو سکتے ہو"۔

عزیز نے واپسی کے لیے پیٹھ موڑ دی۔

ایوب نے جلدی سے کہا :

"جو تلوار امیر عبدالعزیز کے حق میں بلند ہوتی رہی وہ مخالفت میں بلند نہ ہو گی۔ میں آج سے تمام انتظامی معاملات سے لاتعلقی کر لوں گا۔ امیر مطمئن رہیں، میں جلد ہی واپس قیرواں چلا جاؤں گا"۔

عبدالعزیز کے قدم مہمان خانے سے باہر نکل چکے تھے۔ پتہ نہیں انھوں نے ایوب کے الفاظ سنے یا نہیں! ایوب بن حبیب کو عبدالعزیز اور موسیٰ بن نصیر کے وفادار سرداروں نے اپنا نمائندہ بنا کر بھیجا تھا۔ ایوب کو عزیز نے جس سختی سے جواب دیا، اس کے بعد مزید گفت و شنید کی گنجائش نہ رہ گئی۔

ایوب نے واپس جا کر سرداروں کو مطلع کر دیا کہ عزیز جس راستے پر چل پڑے ہیں اس سے واپس آنا اب ان کے لیے نہیں ناممکن معلوم ہوتا ہے۔

ایوب نے اس دن کے بعد دربار میں جانا چھوڑ دیا اور گوشہ نشین ہو گئے۔

عبدالعزیز نے شاہی تاج سر پر رکھا۔ ہسپانوی شہنشاہوں جیسا ارغوانی لباس پہنا۔ عیسائیوں کا سجدہ بھی قبول کیا۔ اس میں ان کی کیا مصلحت تھی، اس کا کوئی تاریخی جواز بظاہر نظر نہیں آتا۔ ان کے شاہانہ طور طریقے مسلمان سردار اور علما کی نظروں میں کانٹا بن کر کھٹک رہے تھے۔ ان کے مخلص دوست ان سے بدگمان ہو گئے یا پھر دشمنوں کے گروہ میں شامل ہو گئے۔

ان تمام باتوں کی عبدالعزیز کو ضرور خبر ہو گی لیکن وہ زعمِ باطل میں مبتلا ہو گئے۔ ملکہ جی لونا کی محبت کا پردہ ان کی

عقل پہ پڑ گیا یا پھر عیسائیوں کی فوجی طاقت پر انہیں اتنا گھمنڈ ہو گیا کہ انہوں نے مخلص دوستوں کا مشورہ بھی قبول نہ کیا۔

ملکہ جی لونا نے ایک نیا گل کھلایا۔ اس نے عبدالعزیز کو مجبور کر کے القصر میں عیسائی خانقاہ کی تعمیر کی اجازت حاصل کر لی۔

بعض مورخین کا خیال ہے کہ شاہی محل القصر اور خانقاہ، اشبیلیہ کے شہر سے کچھ فاصلے پر تعمیر کی گئی۔ یہ خانقاہ القصر کے احاطے میں بڑے اہتمام سے بنائی گئی اور اس کا نام کنیئہ ربینا یا خانقاہ سینٹ امینار رکھا گیا۔ اشبیلیہ کے بڑے پادری کو اس خانقاہ میں تعینات کیا گیا۔ خانقاہ میں کنواری ننیں اور راہبات بھی آ گئیں اور ان کی آمد کے ساتھ کلیسا کے گھنٹے کی آواز بھی القصر میں گونجنے لگی۔

مسلمانوں کا کلیجہ شق ہو گیا۔

انہیں شہیدوں کا خون رائیگاں ہوتا دکھائی دیا۔ مسلمانوں کی رواداری اور انتظامِ ملکی کی وجہ سے دھڑا دھڑ عیسائی، مسلمان ہو رہے تھے ۔ ۔ ۔ ۔ لیکن اب امیرِ ہسپانیہ کے محل میں عیسائی عبادت گاہ قائم ہو گئی تھی جہاں تثلیث (عیسائیت) کی تعلیم و ترویج کا بندوبست کیا گیا تھا۔ اب عیسائیوں کو مسلمان ہونے کی کیا ضرورت تھی۔

صبح کو جب عبدالعزیز نماز پڑھنے چلے جاتے تو ملکہ جی لونا حرم سرا سے خانقاہ کا رخ کرتی۔ خانقاہ اور حرم سرا کے درمیان ایک خوب صورت باغیچہ تھا۔ عزیز نماز سے واپس آتے تو اس باغیچے میں اس وقت تک محوِ گلگشت رہتے جب تک ملکہ خانقاہ سے عبادت کر کے واپس نہ آتی۔

جس طرح ہندو عقیدے میں یہ بات موجود ہے کہ دریائے گنگا میں نہانے سے تمام گناہ دُھل جاتے ہیں اسی طرح نصرانیت (عیسائیت) کا یہ عقیدہ ہے کہ اگر کلیسا کے پادری کے سامنے گناہ کا اظہار کر کے معافی مانگ لی جائے تو انسان گناہ کے عذاب سے محفوظ رہتا ہے۔

عیسائی جو دن بھر گناہ کرتے، وہ صبح دم پادری کے پاس جا کر معاف کرا لیتے۔ ملکہ کا بھی یہی دستور تھا۔ ملکہ پادری کے سامنے اپنے گناہ بیان کر کے معافی حاصل کر لیتی تھی۔

اشبیلیہ ہی کیا، ہسپانیہ کے تمام بڑے بڑے مسلم سرداروں کے لیے عبدالعزیز کے یہ طور طریقے ناقابلِ برداشت ہو گئے۔ سازش اور بغاوت کی چنگاری بھڑک اٹھی لیکن مسلم سردار اپنے آپ کو عزیز کے سامنے بے بس سمجھتے تھے۔ انہیں سہارے کی ضرورت تھی اور یہ سہارا خلیفۂ دمشق سلیمان بن عبدالملک کا تھا۔

مسلم سرداروں نے باہم مشورہ کیا اور دمشق بھیجنے کے لیے ایک وفد ترتیب دیا۔ اسی وفد کے ذریعے خلیفہ کو ایک تفصیلی خط بھیجا گیا جس میں عبدالعزیز پر خاص طور پر تین بڑے بڑے الزامات عاید کیے گئے:

پہلا الزام یہ تھا کہ موسیٰ بن نصیر کے زوال اور معتوب ہونے کے بعد عبدالعزیز نے علمِ بغاوت بلند کیا ہے۔ اس بغاوت کو کامیاب بنانے کے لیے عزیز نے شہنشاہ لذریق (راڈرک) کی بیوہ سے شادی کر کے نصرانی سرداروں اور جاگیرداروں کو اپنا طرفدار بنا لیا ہے۔

دوم یہ کہ عبدالعزیز نے شہنشاہِ ہسپانیہ کا تاج سر پہ رکھا ہے اور ارغوانی رنگ کا شاہی لباس پہننا شروع کیا ہے۔ یہ تاج اور عبائے ارغوانی دراصل اصولِ اسلام کے خلاف سازش ہیں۔ نیز یہ کہ عزیز نے دربارِ شاہی آراستہ و پیراستہ کرنے کی خلیفہ دمشق سے اجازت بھی حاصل نہیں کی۔

تیسرا الزام یہ تھا کہ شہر اشبیلیہ کے قریب بیرون باب القرطبہ، عزیز نے ایک شاندار ایوان بیت المال سے رقمِ کثیر صرف کر کے اپنے عیش و آرام کے لیے تعمیر کرایا ہے۔ یہی نہیں بلکہ اس قصر کے احاطے میں ایک خانقاہ بھی بنائی گئی ہے جہاں عیسائیت کی تلقین و اشاعت ہوتی ہے۔

باغیوں کے اس وفد کی عبدالعزیز کے کانوں میں بھی بھنک پڑ گئی۔ کچھ دن بعد خلیفہ سلیمان کی خلافت کی صد سالہ نہیں بلکہ پہلی سالگرہ ہونے والی تھی۔ عبدالعزیز نے فوراً اپنے ہمدردوں کا ایک وفد بے شمار قیمتی تحائف کے ساتھ دربارِ خلافت میں بھیجا۔ اس وفد کے قائد محمد بن حبیب تھے۔ ان کے ساتھ اصبغ بن مالک اور اسمٰعیل بن ابی عبداللہ تھے۔ عزیز نے انہیں تاکید کی کہ خلیفہ کو تحائف پیش کرنے کے بعد ان (عبدالعزیز) کی مکمل وفاداری اور اطاعت کا یقین دلائیں اور ان پر لگائے جانے والے الزامات کی پوری پوری تردید کریں۔

دربارِ خلافت، دمشق میں دونوں وفد آگے پیچھے پہنچے۔ باغی چلے پہلے تھے۔ وہ پہلے پہنچ گئے۔ انہوں نے تحریری الزامات کے علاوہ زبانی طور پر بھی نمک مرچ لگا کر عبدالعزیز کی بدعنوانیوں کا رونا رویا۔

خلیفہ سلیمان تو پہلے ہی ایسے کسی موقعہ کی تلاش میں تھا۔ اس نے اب تک اس لیے خاموشی اختیار کر رکھی تھی کہ عبدالعزیز کے خلاف ہسپانیہ سے کوئی آواز نہ اٹھی تھی۔ باغیوں نے خلیفہ کو اپنے تعاون کا یقین دلایا اور اسے سخت قدم اٹھانے کا مشورہ دیا۔

عزیز کے دونوں بھائیوں کو پہلے ہی معزول کیا جا چکا تھا لیکن خلیفہ، موسیٰ بن نصیر سے اس قدر متنفر تھا کہ ان کے خاندان کے ہر فرد کو تباہ کرنے پر آمادہ تھا۔

باغی وفد کے ایک ہفتے بعد عبدالعزیز کا وفد معہ بیش قیمت تحائف کے، دمشق پہنچ گیا۔ خلیفہ نے تحائف قبول کر لیے اور وفد پہ یہ بالکل ظاہر نہ ہونے دیا کہ اس کے دل میں کیا ہے۔ اس نے وفد کو مطمئن کر کے ہسپانیہ واپس بھیج دیا۔

موسیٰ بن نصیر کے ساتھ ہسپانیہ سے بہت سے سردار آئے تھے جو موسیٰ بن نصیر کے معزول ہونے کے بعد وہیں ہی میں رہ گئے تھے۔ خلیفہ نے ان میں سے پانچ سرداروں کو تخلیے میں طلب کیا۔ یہ سردار لرزاں و ترساں خلیفہ کے پاس گئے انہیں اپنی کم بختی نظر آ رہی تھی۔ خاص کر جنرل حبیب بن عبیدہ القہری اور جنرل زیاد بن بدر زیادہ گھبرائے ہوئے تھے۔ دونوں سرداروں کے متعلق مشہور تھا کہ یہ موسیٰ کے خاص دوستوں اور احباب میں سے ہیں۔

خلیفہ نے حبیب کو مخاطب کیا:

"جنرل حبیب..... یہ جانتے ہوئے بھی کہ تم موسیٰ کے قریبی دوستوں میں سے ہو، ہم تمہیں ایک اہم ذمہ داری سپرد کرنا چاہتے ہیں۔ کیا ہم تم پر اعتماد کر سکتے ہیں؟"

حبیب کو خوف کے مارے پسینے چھوٹ رہے تھے۔ اسے امید کی کرن نظر آئی تو فوراً بولا:

"یا امیر المومنین! جب تک موسیٰ ہمارے سردار تھے ان کی اطاعت ہم پر فرض تھی لیکن اطاعتِ خلیفہ کے سامنے کسی اور کی اطاعت یا فرمانبرداری کا سوال ہی پیدا نہیں ہوتا۔ امیر المومنین حکم دیں تو میں اپنی گردن کاٹ کر قدموں میں ڈال دوں۔"

خلیفہ نے زیاد بن بدر کی طرف دیکھا:

"زیاد۔ تم پر بھی اعتماد کیا جا سکتا ہے؟"

زیاد نے فوراً جواب دیا:

"امیر المومنین! جس شخص سے خلیفہ کا اعتماد اٹھ جائے اُسے دنیا میں زندہ رہنے کا کوئی حق نہیں۔ اگر خلیفہ ہمیں ناچیز کو غدار سمجھتے ہیں تو مجھے فوراً قتل کر دیا جائے۔"

سلیمان نے مسکرا کر کہا:

"نہیں زیاد..... اگر ہمیں تم پر اعتماد نہ ہوتا تو تمہیں تخلیے میں بلانے کے بجائے جلاد کے حوالے کر دیا گیا ہوتا۔ ہم نے تم سب کو خلافت کا وفادار سمجھتے ہوئے ہی یہاں بلوایا ہے۔"

تمام سرداروں کی جان میں جان آئی۔

خلیفہ نے تالی بجائی۔

ایک خادم حاضر ہوا۔

خلیفہ نے آہستہ سے کچھ کہا۔

خادم واپس گیا..... پھر فوراً ہی ایک سربمہر لفافہ لا کر خلیفہ کو دے دیا۔

خلیفہ نے لفافہ حبیب کی طرف بڑھا دیا۔

حبیب نے وہ لفافہ لے کر آنکھوں سے لگایا۔ پھر اسے بوسہ دیا۔

سلیمان نے رعب دار آواز میں کہا:

"اس لفافے میں ہمارا ایک فرمان بند ہے۔ تم سب اسی وقت ہسپانیہ روانہ ہو جاؤ۔ اشبیلیہ پہنچ کر اس لفافے کو کھولنا اور جو کچھ اس میں درج ہے، اس کی اسی طرح تعمیل کرنا جیسے ہم خود تمہارے ساتھ ہیں..... خبردار کم عدولی نہ ہو۔"

تمام سردار سر جھکائے خاموش کھڑے رہے۔

خلیفہ نے انہیں کوئی اور حکم نہ دیا اور انہیں رخصت کر کے محل کے اندر چلا گیا۔

○

عبدالعزیز کا وفد اشبیلیہ پہنچ چکا تھا۔ وفد نے عزیزہ کو یقین دلایا کہ خلیفہ سلیمان کا دل اس کی طرف سے بالکل صاف ہے اور کوئی خطرے کی بات نہیں۔ عبدالعزیز اپنے وفد کی کامیابی سے بہت خوش اور مطمئن ہو کر دشمنوں کی طرف سے بالکل غافل ہو گیا۔

دو دن بعد خلیفہ کا بھیجا وفد فرمانِ خلافت کو سینے سے لگائے اشبیلیہ پہنچ گیا۔ تمام سردار خلیفہ کا فرمان دیکھنے کے لیے بے چین تھے۔

حبیب بن عبیدہ نے لفافہ چاک کر کے فرمان نکالا۔ اور خود پڑھنے لگا۔ فرمان کی عبارت پڑھ کر اس کا رنگ فق ہو گیا۔ اور ہاتھ پیروں میں ایسی کپکپاہٹ پیدا ہوئی کہ فرمان اس کے ہاتھوں سے چھوٹ کر زمین پر گر گیا۔ تمام سردار جن کی نظریں اس پر جمی ہوئی تھیں، حبیب کی یہ حالت دیکھ کر پریشان ہو گئے۔

جنرل زیاد بن بدر نے ہمت کر کے فرمان زمین سے اٹھا کر پڑھنا شروع کیا۔ پڑھتے وقت اس پر بھی وہی عالم طاری ہو گیا جس سے حبیب دوچار ہوا تھا۔

باری باری سب نے خلیفہ کے فرمان کو پڑھا اور دم بخود رہ گئے۔

حبیب بن عبید نے خود کو سنبھالتے ہوئے کہا:

"دوستو! کس قدر ظلم ہے کہ عبدالعزیز کے قتل کا حکم نامہ مجھے دیا گیا ہے۔ حالانکہ خلیفہ کو اچھی طرح معلوم ہے کہ موسیٰ بن نصیر میرے مربی ہیں اور عبدالعزیز میرے گہرے دوست ہیں۔"

جنرل زیاد بن بدر بولا: "کم بخت دشمنوں نے موسیٰ بن نصیر کا پیچھا اب تک نہیں چھوڑا۔ عبدالعزیز جیسے

مدبر اور بہادر انسان کا قتل بہت بڑا ظلم ہے"۔

تیسرے نے کہا:

"مگر اب ہمیں کیا کرنا چاہیے؟"

جنرل حبیب بن عبید نے بڑی جلدی فیصلہ کر دیا۔ عبا پہ ہاتھ پھیرتے ہوئے بولا:

"موسیٰ اور عزیز کے تعلقات اور کارنامے ایک طرف لیکن یہ خلیفہ کا حکم ہے۔ اس پر عمل کیا جائے گا"۔

ممکن ہے کہ جنرل حبیب کا یہ فیصلہ اس کے ساتھیوں کے لیے حیرت ناک نہ ہو لیکن تیرہ سو سال گزرنے کے بعد بھی ہمیں یہ فیصلہ بڑا حیرت انگیز دکھائی دیتا ہے۔ ہم یہ سوچنے پر مجبور ہو جاتے ہیں کہ زندگی کی قدریں ناپائیدار اور غیر مستقل ہوتی ہیں۔ مصلحت انہیں ہمیشہ پامال کرتی رہی ہے۔ ایسا نہ ہوتا تو دکن کا صادق اور بنگال کا میر جعفر تاریخ کا حصہ نہ بنتے۔

جنرل حبیب کے اس فیصلے سے صرف اتفاق ہی نہیں کیا گیا بلکہ اسے فوری عملی جامہ پہنانے کے لیے ترکیبیں سوچی جانے لگیں۔

فرمان میں درج تھا کہ عزیز کا سر قلم کر کے دربارِ خلافت میں پیش کیا جائے۔

عبدالعزیز کے یہ تمام احباب، عبدالعزیز کے سر کا تحفہ دربار میں پیش کرنے کی سعادت حاصل کرنے کے لیے بے چین ہو گئے۔ آخر طے ہوا کہ عبدالعزیز کو دوسرے دن کا سورج دیکھنا نصیب نہ ہو۔

○

ملکہ نے عبدالعزیز کے تمام جانثار غلاموں کو برخاست کر کے ان کی جگہ خوبصورت نصرانی کنیزوں کو مقرر کر دیا تھا۔ القصر، خانقاہ اور عبدالعزیز کی حفاظت پر بہترین عیسائی دستے تعینات تھے۔

ملکہ کو عبدالعزیز کی جان بہت عزیز تھی۔ وہ جانتی تھی کہ عبدالعزیز کی بقا اس کے وقار کی ضامن ہے اور عبدالعزیز کا خاتمہ اس کی عظمت کا اختتام ہو گا۔ ملکہ نے اسی لیے القصر کو ایک مضبوط نصرانی قلعے میں تبدیل کر دیا تھا۔ عبدالعزیز جس طرح عیسائیوں میں مقبول تھا اسی طرح اپنی تمام غلطیوں کے باوجود مسلمان عوام اور بعض مسلم سردار، عبدالعزیز کا دم غنیمت سمجھتے تھے۔

ملکہ کو تمام حالات کا علم تھا لیکن وہ اس خدشے کو دل سے نہ نکال سکی کہ عبدالعزیز کسی وقت بھی قتل ہو سکتے ہیں۔ اس نے یہ تمام انتظامات اسی تدارک کے لیے کیے تھے۔

جنرل زیاد اور جنرل حبیب، القصر کے حفاظتی انتظامات سے واقف تھے۔ القصر پہ کھلے بندوں حملہ کرنا موت کو دعوت دینے کے مترادف تھا۔ اس سے خانہ جنگی بھی شروع ہو سکتی تھی۔ انہوں نے القصر پہ حملہ کرنے کی غلطی نہ کی۔

وہ القصر میں عبدالعزیز سے بڑے خلوص اور پیار سے ملے۔ انہوں نے خلیفہ کی طرف سے عبدالعزیز کے لیے نیک خواہشات کا پیغام دیا۔ عبدالعزیز نے انہیں بڑی محبت اور خلوص سے رخصت کیا لیکن یہ ان کی آخری ملاقات تھی۔

نماز فجر کے بعد عبدالعزیز حسبِ عادت باغ میں چلے گئے۔ وہ باغ میں اس وقت تک سیر کرتے رہتے جب تک ملکہ خانقاہ سے عبادت کر کے واپس نہ آتی۔

عبدالعزیز خوش خوش باغ میں ٹہل رہے تھے۔ ملکہ، خانقاہ کے راہب کے ہاتھ پہ بیت و استغفار کر رہی تھی اور ان دونوں کی موت، باغ کی جھاڑیوں اور درختوں میں چھپی، وقت کا انتظار کر رہی تھی۔

ملکہ، خانقاہ کی سیڑھیوں سے اتری۔

عبدالعزیز مسکراتے ہوئے اس کی طرف بڑھے۔

اسی وقت جھاڑیوں سے چند تندخو اور سفاک جوان برآمد ہوئے۔ انہیں رات کے کسی حصے میں وہاں پہنچا دیا گیا تھا۔ ننگی تلواروں کو دیکھ کر ملکہ کا خون منجمد ہو گیا۔ عبدالعزیز نے کچھ کہنا چاہا مگر حملہ آوروں نے اسے منہ بھی نہ کھولنے دیا۔ وہ جھپٹے اور ایک لمحے میں درجن بھر تلواریں عزیز اور ملکہ جی لونا کے جسموں میں پیوست ہو گئیں۔ ایک ظالم نے عبدالعزیز کا سر کاٹ کر نیزے پر بلند کر دیا۔

"ملکہ ماری گئی"۔

"عبدالعزیز قتل ہو گئے"۔

ہر طرف یہی شور تھا۔

القصر کے عیسائی محافظوں کے ہاتھ پیر پھول گئے۔ وہ لڑتے تو کس کے لیے . . . . ملکہ اور عبدالعزیز دونوں کا خاتمہ ہو چکا تھا۔

القصر کے دروازے پر جنرل حبیب بن عبید الفہری اور جنرل زیاد بن بدر، مسلمان دستوں کے ساتھ نمودار ہوئے اور دارالامارت کا دروازہ کھول دیا گیا۔

عبدالعزیز کا سر جنرل حبیب کے سامنے پیش کیا گیا۔ ملکہ کی لاش اور عبدالعزیز کی سربریدہ لاش کو بیدردی سے گھسیٹ کر دارالامارت اشبیلیہ کے چبوترے پر ڈال دیا گیا۔

مقامِ عبرت تھا۔ ہسپانیہ کی عظیم ترین ہستیوں کی لاشیں بے گور و کفن خون میں غلطاں و پیچاں شام تک

سرِ بازار پڑی رہیں۔ کسی کو اتنا بھی ترس نہ آیا کہ ان پہ ایک چادر ہی ڈال دے۔

رات ہوئی تو چند وفادار اور خدا ترس غلاموں نے دونوں لاشیں خانقاہ کی ایک کوٹھری میں دفن کر دیں۔

اشبیلیہ میں سینٹ امینا کی خانقاہ اب بھی موجود ہے لیکن قبریں معدوم ہو چکی ہیں اور اس کوٹھڑی کا نشان تک بھی باقی نہیں جس کی خاک تلے ایک فہمیدہ اور فنونِ سپہ گری کا ماہر سردار سو رہا ہے۔

عبدالعزیز اپنی بعض خامیوں کے باوجود اگر کچھ دن اور زندہ رہتا تو ہسپانیہ کی حالت قابلِ رشک بنا دیتا۔ عبدالعزیز کا قتل جس قدر عبرت ناک اور سبق آموز ہے، اتنا ہی سفاکی اور نادانی کا مظہر بھی۔

اشبیلیہ میں جو کچھ ہوا وہ تو ہوا لیکن اس واقعے کی صدائے بازگشت کے طور پہ دربارِ خلافت دمشق میں جو منظر پیش آیا اس کے تصور ہی سے سخت سے سخت دل انسان لرزہ براندام ہو جاتا ہے۔

جرنل حبیب بن عبید القہری، مجاہدِ ہسپانیہ عبدالعزیز کا سر لے کر خلیفہ کے پاس دمشق پہنچا۔ خلیفہ نے بڑے اہتمام سے یہ سر ایک سونے کے طباق میں رکھوا دیا۔ اس پر بیش قیمت سرپوش ڈالا گیا۔ پھر جب دربار لگا تو وہ طباق اس کے سامنے رکھا گیا۔

موسیٰ بن نصیر کو بھی دربار میں بلایا گیا اور انھیں اس ڈھکے ہوئے طباق کے پاس لا کر کھڑا کیا گیا۔ اس وقت خلیفہ سلیمان نے طباق پر سے سرپوش ہٹانے کا حکم دیا۔

موسیٰ کی نظر جیسے ہی اپنے پیارے بیٹے کے سر پہ پڑی تو آنکھوں میں اندھیرا چھا گیا..... اور ان کا کلیجہ پھٹنے لگا۔

خلیفہ سلیمان نے مسکرا کر کہا:

"موسیٰ! پہچانتے ہو..... یہ سر کس کا ہے؟"

مجبور موسیٰ کیا جواب دیتے۔ انہوں نے آسمان کی طرف نظریں اٹھائیں اور بولے:

"اے خداوند..... جس ظالم نے فرشتہ صفت عبدالعزیز کا سر اتارا ہو وہ تباہ و برباد ہو جائے۔"

اس کے بعد انہیں غش آ گیا اور وہ چکرا کر گر پڑے۔

ہسپانیہ کے اس دور کی داستان اس وقت تک مکمل نہیں ہوتی جب تک تمام فاتحینِ [illegible] بیان کر دیا جائے۔

ہسپانیہ کے پہلے دور میں طارق بن زیاد، موسیٰ بن نصیر اور عبدالعزیز کے نام خاص اہمیت رکھتے ہیں۔

طارق بن زیاد کی جان بچ گئی لیکن ان کی فوجی صلاحیتوں سے کوئی فائدہ نہ اٹھایا گیا۔

عبدالعزیز کو بیدردی سے قتل کر دیا گیا۔

مجاہدِ کبیر موسیٰ بن نصیر ۹۷ھ میں پُرہول زندگی کی بندش سے آزاد ہوئے۔ اس سنِ ہجری میں خلیفہ سلیمان مکہ [illegible] موسیٰ بن نصیر پابہ زنجیر اس کے ساتھ تھے۔ موسیٰ مکہ میں بدوؤں کے درمیان بھیک مانگا کرتے اور پیٹ بھرنے کے بعد جو باقی بچتا اسے تاوان کی رقم میں جمع کرا دیا کرتے۔ دو لاکھ دینار کا یہ تاوان ان کی جانِ زار ادا نہ کر سکی۔ آخر [illegible] افلاس اور بے چارگی کی زندگی میں اس فرزندِ سعید اور خادمِ توحید، سپہ سالارِ اعظم نے مدینہ منورہ میں سفرِ آخرت اختیار کیا۔

11

خونی ہنی مون

تمام خیمے خالی تھے۔

عثمان نے پہلے دور سے خیموں کا جائزہ لیا۔ پھر قریب آیا اور گھوڑے سے اتر کر ایک ایک خیمے میں جھانک کر دیکھا۔ خیموں میں صرف کھانے پینے کا سامان تھا۔ اس نے دریا پار سر بفلک چوٹیوں کو دیکھا۔ نشیب میں اترتی بل کھاتی پہاڑی پگڈنڈیوں پر نظر دوڑائی۔ اسے کوئی دکھائی نہ دیا۔

خیمے خالی۔ راستے ویران۔

عثمان الجھن میں پڑ گیا۔ واپس جائے یا اس نقاب پوش اور آہن پوش مخلوق کا انتظار کرے جس کی اطلاع اسے قلعے میں پہنچائی گئی تھی۔

وہ یہ معلوم کرنے آیا تھا کہ یہ اجنبی مخلوق کہاں سے آتی ہے اور اس کے ارادے کیا ہیں؟

عثمان، قلعہ پاٹریشس کا حاکم تھا۔ خبر ملتے ہی وہ قلعہ سے اکیلا چل پڑا۔ اس کا نائب پانچ سو سواروں کا ایک دستہ لے کے اس کے پیچھے آ رہا تھا۔

عثمان گھوڑے پر سوار ہو گیا۔

آہن پوش مخلوق کا انتظار کرنا خطرے سے کسی طرح خالی نہ تھا۔ عثمان اکیلا تھا اور دشمن کی تعداد کا کوئی صحیح اندازہ نہ تھا۔ وہ آہستہ آہستہ خیموں کی قطاریں پار کرنے لگا۔

معاً اس کی نظر ترائی میں بل کھاتی ہوئی پگڈنڈی پر پڑی۔ ایک سوار بڑی تیزی سے بھاگتا ہوا اتر رہا تھا۔ چڑھائی کے ٹیڑھے راستے پر اس کا گھوڑا یوں دوڑ رہا تھا جیسے میدان میں چل رہا ہو۔

عثمان نے اپنا گھوڑا سب سے بڑے خیمے کی آڑ میں روک لیا۔

وہ سوار واقعی آہن پوش تھا۔ سر سے پیر تک لوہے میں غرق۔ ہاتھ، پیر، گردن، چہرہ، جسم کا ہر عضو لوہے میں چھپا ہوا تھا۔ آہنی خود نے اس کے سر اور چہرے کو اس طرح چھپایا تھا کہ آنکھیں تک نظر نہ آتی تھیں۔ سوار قریب آیا تو عثمان نے دیکھا کہ اس کے خود کے اوپر ایک سیاہ نقاب بھی پڑا ہے۔ عثمان کے جاسوسوں نے اسی لیے نقاب پوش مخلوق کا نام دیا تھا۔

نقاب پوش سیدھا بڑے خیمے کے پاس آیا۔ عثمان کے لیے یہی موقع سب سے بہتر تھا۔ وہ تلوار چمکا کر بجلی کی طرح اس کے سر پر پہنچ گیا۔

"کون ہو تم؟" عثمان نے گرج کر کہا۔

نقاب پوش کے لیے یہ حادثہ ناگہانی تھا۔ وہ گھبرایا لیکن جلد ہی گھوڑا روک کر کھڑا ہو گیا۔

"تم کون ہو اور ہمارے علاقے میں کیوں آئے ہو؟" عثمان دوسری بار گرجا۔

نقاب پوش اب بھی خاموش رہا۔

"جواب دو۔ ورنہ میں تمہیں قتل کر دوں گا۔" عثمان کا غصہ صبر کی حد سے گزرنے لگا۔

"شاید تم تلوار کی زبان سمجھتے ہو۔" یہ کہتے ہوئے عثمان کی تلوار چمکی اور شعلے کی طرح نقاب پوش کی گردن پر پڑی۔

عثمان کو اپنی شمشیر زنی پر ناز تھا۔ ناز کیوں نہ ہوتا۔ وہ بربر قبیلے کا سب سے بہادر شمشیر زن تھا۔ اس کا وار دشمن کا پیغام اجل ہوتا۔ . . . لیکن وہ یہ دیکھ کر حیران رہ گیا کہ اس کی تلوار، دشمن کی گردن کے گرد پڑے ہوئے ڈھال کو کاٹنے کے بجائے، ڈھال سے ٹکرائی۔

عثمان نے جس تیزی سے وار کیا اس سے کہیں زیادہ پھرتی سے نقاب پوش نے بائیں جانب کمر سے لٹکی ہوئی ڈھال کھینچ کر بلند کر دیا۔ ہلکے فولاد کی بنی ہوئی ڈھال پر چکنا چمڑا منڈھا ہوا تھا۔ عثمان کی تلوار نے ڈھال سے ٹکراتے وقت ایک جھٹکا سا کھایا اور پھسل کر دوسری طرف ہو گئی۔

حیرانی کے ساتھ ساتھ عثمان نے دل ہی دل میں اپنے دشمن کی پھرتی کی داد بھی دی۔

نقاب پوش کی مضبوط ڈھال تین فٹ لمبی اور دو فٹ چوڑی تھی۔ یہ ڈھال حملے کو تو بخوبی روک سکتی تھی لیکن اس کے بھاری ہونے کی وجہ سے حملہ کرنے میں حائل ہوتی تھی۔ نتیجہ یہ ہوا کہ نقاب پوش، عثمان کے پیہم حملوں کو تو روکتا رہا مگر خود کوئی کامیاب وار نہ کر سکا۔

عثمان کے ماہرانہ واروں نے اسے بہت جلد پریشان کر دیا۔ پھر ایک بار عثمان نے نقاب پوش کی تلوار کو

اپنی تلوار میں الجھا کر کچھ اس طرح جھٹکا دیا کہ نقاب پوش کے ہاتھ سے تلوار چھوٹ گئی۔ تلوار گرتے ہی نقاب پوش نے ڈھال پھینک کر اپنے دونوں ہاتھ اوپر اٹھا دیے۔ اب وہ عثمان کے رحم و کرم پر تھا۔

عثمان نے ایک خوف ناک قہقہہ لگایا۔ پوچھا:

"تمہاری جان بخشی کی جا سکتی ہے۔ بشرطیکہ سچ سچ بتاؤ تم لوگ کون ہو اور اس علاقہ میں کیوں آئے ہو؟"

نقاب پوش ذرا تذبذب کے بعد اپنے ہاتھ سر کی طرف لے گیا اور آہنی خود کی کڑیاں کھول کر خود کو سر سے الگ کر دیا۔ اس کے ساتھ ہی سنہرے ریشمی بالوں کی لٹیں ہوا میں لہرانے لگیں۔

عثمان نے حیرت سے دیکھا کہ آہنی خود میں چھپا ہوا چہرہ ایک حسین دوشیزہ کا تھا۔ اس کے حسن کے نظارے میں ایسا محو ہوا کہ دیر تک اس کی زبان سے کوئی لفظ نہ نکلا۔

دوشیزہ بھی ٹکٹکی باندھے عثمان کو دیکھ رہی تھی۔ زیر لب تبسم کے ساتھ بولی:

"تم مجھے قتل کر سکتے ہو لیکن قتل سے پہلے مجھے بتایا جائے کہ مجھے زیر کرنے والا بہادر نوجوان کون ہے؟"

"اے پہاڑوں کی دیوی۔ پہلے یہ بتاؤ کہ تم کون ہو؟" عثمان نے محویت کے عالم میں سوال کیا۔

دوشیزہ نے پہلے برق پاش مگر محبت آمیز نظروں سے عثمان کو دیکھا پھر نظریں گھما کر مشرق کی برف پوش چوٹیوں کو دیکھنے لگی۔

عثمان کی نظریں اس کے رخ زیبا سے کسی طرح نہ ہٹتی تھیں۔ اس نے کہا:

"میں تمہارا اشارہ سمجھ گیا۔ تم پہاڑوں کے اس پار ان وادیوں کی ملکہ ہو جنہیں پریوں اور جنوں کا دیس کہا جاتا ہے۔ تم یقیناً کوئی پری ہو اور راستہ بھول کر ادھر آ گئی ہو۔"

دوشیزہ مسکرا کر بولی:

"ہاں۔ میں اسی ملک کی رہنے والی ہوں لیکن میں کوئی پری نہیں بلکہ تمہاری طرح انسان ہوں اور شکار کھیلتے کھیلتے ادھر آ گئی تھی۔"

عثمان نے سوال کیا:

"کیا تمہیں علم نہیں تھا کہ یہ علاقہ مسلمانوں کا ہے اور تم کسی حادثے کا شکار ہو سکتی ہو۔"

"ہاں۔ مجھے بتایا گیا تھا کہ یہ علاقہ دشمنوں کا ہے۔" دوشیزہ نے لاپروائی سے کہا:

"لیکن میں اپنے شکار کے شوق پر قابو نہ رکھ سکی اور ادھر آ نکلی۔"

عثمان نے تلوار نیام میں کر لی اور اپنا گھوڑا نقاب پوش کے گھوڑے کے برابر لے آیا۔ پھر مسکرا کر بولا:

"اچھا ہوا کہ تم ادھر آ نکلیں ورنہ میں دنیا کی حسین ترین دوشیزہ کے دیدار سے محروم رہ جاتا۔"

دنیا کے بہترین شمشیر زن کے ساتھ زور آزمائی سے محروم رہ جاتی۔" دوشیزہ نے فوراً جواب دیا اور نظروں سے عثمان کو دیکھنے لگی۔

عثمان تو پہلے ہی دل دے بیٹھا تھا۔ دوشیزہ کی باتوں میں اسے التفات کی بو آئی تو اسے حوصلہ ہوا۔ بولا:

"کیا تم میرے ساتھ چل سکتی ہو؟"

دوشیزہ کا چہرہ افسردہ ہو گیا۔ اس نے کہا:

"میں تمہاری قیدی ہوں۔ تمہارے حکم کی تعمیل تو کرنا پڑے گی۔"

عثمان نے اسے اداس دیکھا تو شرمندہ سا ہو گیا۔ جلدی سے بولا:

"نہیں نہیں۔ میں تمہیں حکم نہیں دیتا۔ میں تو تمہاری مرضی معلوم کر رہا ہوں۔"

دوشیزہ کے چہرے کی رونق لوٹ آئی۔ اس نے کہا:

"اگر تم میری مرضی معلوم کرتے ہو تو میں تمہیں اپنے ساتھ چلنے کی دعوت دیتی ہوں۔ میں تم جیسے بہادر کو ہاتھ سے جانا نہیں چاہتی۔"

عثمان نے ہنس کر کہا:

"اے ماہ رُو! تم مجھے اپنے ساتھ لے جا کر وہ کچھ عزت و طاقت نہیں دے سکتیں جو مجھے یہاں حاصل ہے۔"

اس ماہ رخ نے شوخی سے جواب دیا:

"اور میرا خیال ہے کہ اگر تم میرے ساتھ چلو تو میں اپنے ملک میں اتنا کچھ دوں گی کہ تم ادھر آنے کا خیال بھی نہ کرو گی۔"

عثمان نے کہا:

"اگر میں یہ کہوں کہ مجھ میں اتنی طاقت ہے کہ تم اس علاقے کی ملکہ بن سکتی ہو تو.....؟"

دوشیزہ فوراً بولی:

"تو میں یہ کہوں گی کہ میں تم کو اس ملک کا ڈیوک بنا دوں گی۔"

عثمان کی حیرانی بڑھ گئی۔ اسے معلوم تھا کہ پہاڑوں کے اس پار ملک فرانس کا صوبہ ایکیوٹین ہے اور وہاں کا ڈیوک ایوڈلیس نامی ایک تجربہ کار جنرل ہے۔

عثمان نے ہنس کر کہا:

"تم تو یوں بات کر رہی ہو جیسے ریاست ایکیوٹین کی ملکہ ہو اور ڈیوک ایوڈلیس تمہارا غلام ہے۔"

دوشیزہ بھی اسی شگفتگی سے بولی: "میں تمہارے انداز کی داد دیتی ہوں۔ میں ملکہ ایکیوٹین نہیں

"شہزادی ایکیوٹین ہوں اور ڈیوک یوڈلیس میرے والد صاحب ہیں"۔

عثمان کو جیسے حیرت کا دورہ پڑ گیا۔ اس نے گھبرا کر پوچھا:

"کیا یہ سچ ہے کہ آپ شہزادی ایکیوٹین ہیں؟"

"آپ نہیں۔ مجھے لفظ "تم" سے مخاطب کرو بہادر نوجوان"۔

شہزادی مسکرانے لگی:

"میں خود بہادر ہوں اور بہادروں کو دل سے پسند کرتی ہوں"۔

عثمان اب تک گھبرایا ہوا تھا۔ وہ شہزادی کے حسن سے پہلے ہی مرعوب تھا۔ شہزادی کی شاہانہ تمکنت نے اسے اور زیادہ مرعوب کر دیا۔ اس نے فدویانہ انداز میں کہا:

"شہزادی ایکیوٹین! مجھے معاف فرمایئے۔ میں نے آپ کی شان میں گستاخی کی ہے"۔

شہزادی طبعاً بہت خوش مزاج اور شوخ تھی۔ فوراً بولی:

"..... چلو۔ تمہاری یہی ضد ہے تو میں نے معاف کیا لیکن آیندہ میرے کسی حکم سے سرتابی نہ کرنا"۔

"سرِ تسلیم خم ہے شہزادی عالیہ"۔ عثمان نے اسی خوشی سے جواب دیا:

"غلام تو زندگی بھر آپ کی خدمت کے لیے آمادہ ہے"۔

یہ کہہ کر عثمان نے بھرپور نظروں سے شہزادی کو دیکھا۔ شہزادی نے نظریں تو ملائیں مگر جوانی کی شوخی پہ حجاب غالب آ گیا۔

شہزادی نے نظریں نیچی کیے کیے پوچھا:

"کیا میں معلوم کر سکتی ہوں کہ زندگی بھر میری خدمت کرنے کا خواہش مند کون ہے۔ اس کا یہ مطلب نہیں کہ تمہارے بڑے یا چھوٹے مرتبے اور رتبے کی وجہ سے مجھ پہ کوئی اثر پڑے گا۔ میں تمہیں صرف تمہاری بہادری کی وجہ سے پسند کرتی ہوں"۔

عثمان سوچ میں پڑ گیا۔

کیا وہ سچ بول کر اپنی شخصیت کا اظہار کر دے یا شہزادی کو دھوکے میں رکھ کر اس سے اور زیادہ قربت حاصل کرنے کی کوشش کرے؟

شہزادی نے اسے خاموش دیکھ کر کہا:

"مت گھبراؤ نوجوان! تمہارے ایک ادنیٰ سپاہی یا اعلیٰ افسر ہونے کا میری ذات پہ کوئی اثر نہ پڑے گا۔ میں تو صرف تمہارا نام پتہ معلوم کرنا چاہتی ہوں تاکہ اگر پھر اس طرف آنا ہو تو تم سے ملاقات ہو سکے"۔

"شہزادی ایکیوٹین!" عثمان نے زبان کھولی:

"میں نے اپنا نام اور پتہ بتلانے سے اس لیے گریز کیا تھا کہ اس کے اظہار کے بعد ہم شاید اس قدر بے تکلفی سے گفتگو نہ کر سکیں"۔

شہزادی ایکیوٹین نے ایک پُرشباب قہقہہ بلند کیا اور پُرغرور لہجے میں بولی:

"مطمئن رہو جوان۔ اگر تم فاتح ہسپانیہ اور امیر اندلس ہو۔ تب بھی ہم تم سے مرعوب نہ ہوں گے"۔

"میں شہزادی کے اندازے کی بھی داد دیتا ہوں"۔ عثمان نے جیسے اپنا بدلہ لیا:

"میں فاتح ہسپانیہ تو نہیں مگر فاتح ہسپانیہ طارق بن زیاد کا بہت قریبی عزیز ہوں۔ سلطنتِ ہسپانیہ کی رگوں میں میرا خون بھی شامل ہے۔ میں ایک زمانے تک امیرِ ہسپانیہ کے عہدے پر بھی فائز رہ چکا ہوں لیکن میری طبیعت مجھے نچلا نہیں بیٹھنے دیتی۔ مجھے حکومت کے جھگڑے پسند نہیں آئے اور میں امارت چھوڑ کر اس پُرامن علاقے میں آ گیا..... میرا نام عثمان بن ابی نسع ہے۔ جبل البرنات، دریائے پارٹنیس کے سلسلے اور تمام قلعوں کا خود مختار گورنر ہوں"۔

اب شہزادی کے حیران ہونے کی باری تھی۔ اس نے حیرت سے کہا:

"اچھا تو آپ عثمان ہیں۔ آپ تو اس تمام علاقے کے مالک ہیں۔ دربارِ ایکیوٹین میں آپ کا اکثر ذکر ہوتا رہتا ہے۔ حاکمِ جبل البرنات کی خدمت میں سلامِ عجز و نیاز پیش کرتی ہوں"۔

شہزادی ایکیوٹین نے بڑے اندازِ دلربائی سے اپنی گردن کو ذرا سا خم کیا۔

عثمان اس ادا پر لوٹ پوٹ ہو گیا۔ بولا:

"شہزادی ایکیوٹین نے اعلان کیا تھا کہ میرا نام سننے کے بعد ان کی ذات پہ کوئی اثر نہیں پڑے گا لیکن مجھے "آپ" سے مخاطب کیا جا رہا ہے"۔

شہزادی شرمندہ سی ہو گئی۔ بولی:

"بہادر عثمان! کیا ہم اچھے دوستوں کی طرح رہ سکتے ہیں؟"

"کیوں نہیں شہزادی!" عثمان نے فوراً کہا:

"میں آپ کی دوستی پر فخر محسوس کروں گا"۔

عثمان کے ذہن میں فوراً ایک خیال گزرا۔ شہزادی اس وقت تنہا کیوں ہے؟ کیوں نہ اسے قلعہ چلنے پہ مجبور کرے۔ اگر خوشی سے نہ مانے تو اسے طاقت سے لے جایا جا سکتا ہے۔

یہ خیال بڑا پراگندہ اور اوچھا تھا لیکن عثمان کی سرشت کا ایک پہلو یہ بھی تھا۔ عیاشی اور اقربا پروری اس کے

کردار کے دو تاریک پہلو تھے۔ عزیز و اقارب کو نوازنے کا دہ کوئی موقع ہاتھ سے نہ جانے دیتا تھا۔

وہ بربر قوم کا فرد تھا۔ طارق بن زیاد کے ساتھ آنے والے تمام سردار اور سپاہی اس کے گرد جمع ہو گئے تھے۔ اب بھی افریقہ سے سپاہیوں اور قسمت آزماؤں کے جو گروہ ہسپانیہ آتے ان میں تمام بربر قوم والے عثمان کے زیر حکومت علاقے کا رخ کرتے۔ عثمان انہیں ضرورت سے زیادہ نوازتا۔

یہی حال عثمان کا عیاشی کے معاملے میں تھا۔ عورت اس کی بہت بڑی کمزوری تھی۔

شہزادی ایکیوٹین پر پہلی نظر پڑتے ہی اس نے اسے اپنے لیے پسند کر لیا تھا۔ اسے عورتوں کو اپنے دام میں پھانسنے کے طریقے بھی آتے تھے۔ اس کی بہادری نے شہزادی کو متاثر کیا تھا اور یہ معلوم ہونے کے بعد کہ عثمان اس علاقے کا طاقت ور اور خود مختار گورنر ہے، شہزادی ایکیوٹین کا التفات اس کی طرف اور بڑھ گیا۔

شہزادی نے اسے دوستی کی دعوت دی لیکن عثمان کے اندر کا شیطان جاگ اٹھا۔

اس نے شہزادی کو اغوا کرنے کا فیصلہ کر لیا۔

وہ شہزادی کی طرف بڑھا..... اور قریب..... اور قریب..... اب اس میں اور شہزادی میں صرف اتنا فاصلہ رہ گیا تھا کہ وہ بڑی آسانی سے شہزادی کو اپنے ہاتھ کی گرفت میں لے سکتا تھا۔ شہزادی اس کے ارادوں سے بے خبر اسے پیار بھری نظروں سے دیکھ رہی تھی۔

عثمان کا ہاتھ شہزادی کی طرف بڑھا۔

شہزادی نے نہ جانے کیا سمجھ کر کوئی مزاحمت نہ کی۔ عثمان نے شہزادی کا ہاتھ اپنے ہاتھ میں لے لیا لیکن جونہی اپنے ہاتھ کی گرفت مضبوط کرنے کی کوشش کر ہی رہا تھا..... سینکڑوں گھوڑے بھاگنے کی آواز سنائی دی۔ عثمان نے فوراً شہزادی کا ہاتھ چھوڑ دیا اور گھبرا کے ادھر ادھر دیکھنے لگا۔

کئی سو نقاب پوش تیزی سے گھوڑے بڑھاتے ادھر چلے آ رہے تھے۔ عثمان کے پیروں کے نیچے سے زمین نکل گئی۔ رنگ فق ہو گیا۔

سواروں نے قریب آتے ہی ان دونوں کے گرد گھیرا ڈال دیا اور ایک ساتھ بیس تلواروں کی نوکیں عثمان کے سفید عمامے اور لمبے کرتے کو چھونے لگیں۔

عثمان نے قہر آلود نظروں سے شہزادی کو دیکھا۔ وہ مسکرا رہی تھی۔

عثمان نے شہزادی کو نفرت سے دیکھتے ہوئے کہا:

"دھوکا، فریب۔ میں نہیں جانتا تھا کہ تمہارے خوبصورت چہرے کے اندر ناگن کا زہر بھرا ہوا ہے۔"

شہزادی مسکراتی رہی۔

عثمان کو اور طیش آیا:

"شہزادی۔ یاد رکھو، اگر تم نے مجھے گرفتار کیا تو میرا لشکر ایکیوٹین کی اینٹ سے اینٹ بجا دے گا۔ میں بربر ہوں۔ بربر قوم اپنے دشمن کو کبھی معاف نہیں کرتی۔"

شہزادی ہنس کے بولی:

"اے جبل البرنات کے امیر۔ پہلے میں تمہاری قیدی تھی۔ اب تم میری قید میں ہو۔ جنگ اور محبت میں ہر بات جائز ہوتی ہے۔ کیا تم اس سے انکار کر سکتے ہو؟"

عثمان لاجواب ہو گیا۔

عثمان کی بہادری اور مردانہ وجاہت شہزادی کے دل میں گھر کر چکی تھی۔ اس سے عثمان کی بے بسی دیکھی نہ گئی۔ اس نے نقاب پوشوں کی طرف ہاتھ سے اشارہ کیا۔ تمام نقاب پوش اپنے گھوڑے موڑ کے پیچھے ہٹ گئے اور دور جا کھڑے ہوئے۔

شہزادی ہنس کر بولی:

"عثمان۔ تم بالکل آزاد ہو۔ شہزادی جسے ایک بار دوست کہہ دیتی ہے اسے دھوکا نہیں دیتی۔ یہ بات شاہانہ وقار کے خلاف ہے۔ تم شاید یہ سمجھ رہے ہو کہ میں نے تمہیں باتوں میں الجھا کر ان سواروں کو بلایا ہے۔ یہ قطعی غلط ہے۔ یہ میرے محافظ ہیں۔ یہ تو تمہیں جانتے بھی نہیں"۔

عثمان نے اطمینان کا سانس لیا۔ بولا:

"مجھے اپنے رویے پر افسوس ہے شہزادی ایکیوٹین۔ آپ کی اعلیٰ ظرفی مجھے عمر بھر یاد رہے گی"۔

عثمان نے اپنا گھوڑا موڑا۔

شہزادی نے کہا:

"امید ہے کہ تم شہزادی کو بھی یاد رکھو گے"۔

عثمان کے گھوڑے کا رخ شہزادی کی طرف ہو گیا۔ بولا:

"کیا میں شہزادی سے دوسری ملاقات کی امید رکھوں؟"

"کیوں نہیں"۔ شہزادی نے جواب دیا:

"ریاست ایکیوٹین تمہارا ایک دوست اور خود مختار بادشاہ کی طرح استقبال کرے گی اور استقبال کرنے والوں میں شہزادی ایکیوٹین کو تم سب سے آگے پاؤ گے....."

عثمان کے دل میں امید کا چراغ پھر سے روشن ہو گیا۔

عثمان گھوڑا موڑنے والا تھا کہ دور سے گرد کا ایک بادل سا اٹھا۔ دیکھتے ہی دیکھتے گرد کا دامن چاک ہوا اور اس میں سے سوار نکلنے لگے۔ سفید صافے اور لمبے لمبے کرتے۔ یہ سوار اگرچہ بڑی تیزی سے آ رہے تھے لیکن ان کی قطاروں میں نظم و ضبط تھا۔ یوں معلوم ہوتا تھا جیسے میدانِ جنگ میں صفیں باندھ کر آگے بڑھ رہے ہوں۔

شہزادی کے چہرے پر پریشانی کے آثار پیدا ہوئے۔

عثمان نے مسکرا کر کہا:

"شہزادی ایکیوٹین فکر مند نہ ہوں۔ عثمان بھی جسے ایک بار دوست کہہ دیتا ہے اس کے ساتھ فریب نہیں کرتا۔ یہ لشکر میرا ہے۔ جب مجھے معلوم ہوا کہ دریائے پائرینیس کے قریب کچھ پراسرار نقاب پوش خیمہ زن ہیں تو میں اپنے قلعے سے اکیلا ہی چل پڑا۔ اب یہ لشکر مجھے تلاش کرتا آیا ہے۔"

شہزادی کی پریشانی دور ہو گئی۔

مسلم سوار قریب آ کر رک گئے۔ ایک سوار گھوڑا بڑھا کر عثمان کے قریب آیا اور ادب سے سلام کیا۔

عثمان نے مسکرا کر کہا:

"رافع۔ یہ نقاب پوش ہمارے دشمن نہیں۔ یہ ریاست ایکیوٹین کے لوگ ہیں۔ ان کی شہزادی شکار کھیلنے کھیلتے بھولے سے ادھر نکل آئی ہیں۔"

یہ کہتے ہوئے عثمان کی نظریں شہزادی کی طرف اٹھ گئیں۔ تمام نقاب پوش سواروں میں صرف شہزادی کا نقاب اترا ہوا تھا۔ رافع نے بھی شہزادی کو دیکھا۔

عثمان نے شہزادی کو دیکھ کر کہا:

"شہزادی ایکیوٹین آپ واپس جا سکتی ہیں۔ اگر کوئی پریشانی ہو تو ہمارے سوار آپ کو سرحد تک پہنچا آئیں۔"

شہزادی نے ایک نقاب پوش کو کچھ اشارہ کیا۔ وہ سب کو لے کر خیموں کے پاس گیا اور خیمے جلدی جلدی اکھاڑے جانے لگے۔

شہزادی نے شکریے کے طور پر سر ذرا خم کیا اور بولی:

"میں امیر جبل البرنات کی اس مہربانی کے لیے شکر گزار ہوں۔ ہمارے سوار ان راستوں سے اچھی طرح واقف ہیں۔ ہمیں کوئی پریشانی نہ ہو گی۔"

خیمے بڑی تیزی سے اکھاڑ کر گھوڑوں پر لاد دیے گئے۔ شہزادی نے آہنی خود سر پر رکھنے سے پہلے

بڑی پیار بھری نظروں سے دیکھا اور کہا:

"میں امیر عثمان کا انتظار کروں گی۔"

رافع نے چونک کر عثمان کی طرف دیکھا۔

عثمان نے کچھ سوچتے ہوئے کہا:

"شاید میں جلد نہ آ سکوں لیکن میرا نائب رافع بہت جلد آپ کے پاس آئے گا۔"

شہزادی نے خود سر پر چڑھا لیا۔ پھر وہ ان نقاب پوشوں میں اس طرح مل گئی کہ اسے شناخت کرنا ناممکن ہو گیا۔ آہنی خود پر نقاب کا اضافہ اس نے اسی لیے کرایا تھا تاکہ جب وہ اپنے دستے کے ساتھ چلے تو اسے کوئی بھی شناخت نہ کر سکے لیکن جب یہ نقاب پوش اجنبی راستوں سے گزرتے تو لوگ انہیں پراسرار مخلوق سمجھ کر خوف زدہ ہو جاتے۔

○

شہزادی کا باپ شاہ یوڈیس، ڈیوک آف ایکیوٹین نہایت تجربہ کار اور سپاہیانہ صلاحیتوں کا مالک تھا۔ یہ وہ بہادر اور دل گردہ تھا کہ دو سال پہلے اس نے مسلمانوں کو ناربون اور ٹولوس کے میدانوں میں شکستِ فاش دے کر انہیں فرانسیسی سرحدوں سے پیچھے دھکیل دیا تھا۔

شہزادی ایکیوٹین اسی بہادر جرنل کی اکلوتی اولاد تھی۔

یوڈیس کو شہزادی سے بے پناہ محبت تھی۔ بے جا محبت اور لاڈ پیار نے شہزادی کے اطوار بگاڑ دیے تھے۔ وہ مذہبی، اخلاقی اور سماجی، تمام پابندیوں سے آزاد تھی۔

ایکیوٹین کا پورا علاقہ پرستان کے نام سے مشہور تھا اور اسے مغرب کا کوہ قاف کہا جاتا تھا۔ یوں معلوم ہوتا تھا کہ تمام دنیا کا حسن سمٹ کر اس علاقے میں آ گیا ہے۔ پھلوں کی بہتات تھی اور گھر گھر شراب کشید کی جاتی تھی۔ مرد اور عورت کا کھلے عام ملنا تہذیب میں داخل تھا۔ معبد گاہیں اور گرجے حسین و جمیل عورتوں سے بھرے پڑے تھے جہاں شبانہ روز دادِ عیش دی جاتی تھی۔

شہزادی پر کوئی پابندی تو تھی نہیں۔ اس لیے وہ اپنا بیشتر وقت سیر و تفریح میں گزارتی اور جنگلوں، پہاڑوں میں شکار کھیلتی پھرتی۔

شاہ یوڈیس کا دستور تھا کہ جب شہزادی کسی طویل سیر سپاٹے یا شکار سے واپس آتی تو وہ اس کی مہم کے تفصیلی حالات بڑی دلچسپی اور توجہ سے سنتا اور اسے شاباش دیتا۔

شہزادی ایکیوٹین جس دن عثمان سے مل کر آئی اس کا باپ ٹولوس کے رومی طرز کے محل میں موجود تھا۔ ٹولوس، شاہ ایکیوٹین کا دارالامارت تھا لیکن وہ یہاں بہت کم ٹھہرتا۔ اسے مسلمانوں کے حملے کا ہر وقت دھڑکا لگا رہتا اس لیے وہ عام طور پر سرحدی علاقوں کی دیکھ بھال میں وقت گزارتا تھا۔

شہزادی کو ٹولوس میں داخل ہوتے ہی دنہاں اپنے باپ کی موجودگی کا علم ہو گیا۔ چاہیے تو یہ تھا کہ وہ پہلے باپ کی خدمت میں حاضر ہوتی لیکن شہزادی نے خود کو ان تکلفات سے آزاد کر رکھا تھا۔ وہ محل میں داخل ہو کے سیدھی اپنی خواب گاہ میں چلی گئی۔

وہ سفر کی تھکن سے چور چور ہو رہی تھی۔ اس نے باپ کی ملاقات پر اپنے آرام کو ترجیح دی اور جاتے ہی آرام کرنے کے لیے لیٹ گئی۔

شاہ یوڈیس کو شہزادی کی واپسی کی اطلاع مل گئی لیکن اس نے کوئی خاص توجہ نہ دی۔ وہ شہزادی کے مزاج سے واقف تھا اور اس کی مرضی میں کبھی دخل نہ دیتا تھا۔ . . . . لیکن جب اسے یہ معلوم ہوا کہ شہزادی مسلمانوں کے چنگل میں پھنس گئی تھی اور نقاب پوش محافظوں نے سخت جنگ کے بعد اسے آزاد کرایا ہے تو اسے فکر ہوئی۔ اس نے فوراً محافظ دستے کے سردار کو طلب کر لیا۔

نقاب پوش دستے کا سردار ڈگلس بڑا تند خو، جلد باز اور چڑچڑے دماغ کا جوان تھا۔ سوائے بہادری کے اس میں اور کوئی خوبی نہ تھی۔ اس بہادری کی بنا پر شہزادی ایکیوٹین نے اسے اپنے دستے کی سرداری کے لیے منتخب کیا تھا۔

اس انتخاب سے ڈگلس میں تکبر پیدا ہو گیا۔ وہ شاہ یوڈیس کی فوج کے سپہ سالار کا چھوٹا بھائی تھا۔ شہزادی کے انتخاب نے اسے اس غلط فہمی میں مبتلا کر دیا کہ شہزادی اسے پسند کرنے لگی ہے۔ اس کے دماغ میں یہ خبط بھی پیدا ہو گیا کہ شہزادی سے شادی کے بعد وہ ڈیوک آف ایکیوٹین بن جائے گا۔

ڈگلس کمرے میں داخل ہوا۔ یوڈیس پریشانی کے عالم میں ٹہل رہا تھا۔ ڈگلس کو دیکھتے ہی اس نے پوچھا:

"ڈگلس! تمہاری مڈبھیڑ مسلمانوں سے ہوئی تھی؟"

ڈگلس نے بجائے جواب دینے کے الٹا یوڈیس سے سوال کر دیا:

"کیا شہزادی عالیہ نے آپ کو کچھ نہیں بتایا؟"

"تم احمق ہو۔" شاہ یوڈیس جھلا گیا۔ "اگر ہمیں معلوم ہو گیا ہوتا تو تم جیسے جاہل کو بلا کر پوچھنے کا کب

ڈگلس کی ساری اکڑ نکل گئی۔ منمنا کے بولا:

"معزز ڈیوک. . . . جبل البرنات کا امیر عثمان ہمارے قابو میں آ گیا تھا لیکن. . . . ." ڈگلس کہتے کہتے رکا۔

"ڈگلس. . . . ." ڈیوک زور سے چیخا:

"ہم نے تمہیں پہیلی بجھانے کے لیے نہیں بلایا۔ صاف صاف بیان کرو کہ مسلمان امیر تمہارے ہاتھ آیا تھا تو گرفتار کر کے کیوں نہیں لائے؟"

ڈگلس سہم گیا لیکن تھا موٹے دماغ کا۔ پھر غلطی کی۔ بولا:

"معزز ڈیوک۔ ہم اسے گرفتار تو کر لیتے لیکن شہزادی کی غلطی سے وہ بچ کے نکل گیا۔"

ڈیوک، شہزادی کے خلاف ایک لفظ بھی سننے کا روادار نہ تھا۔ ڈگلس کی بات سے وہ اور بھڑک اٹھا۔ اس نے ڈگلس کو ڈانٹا:

"تم احمق ہو ڈگلس۔ مسلمان امیر تمہاری بیوقوفی سے نکل بھاگا۔ ہمیں واقعے کی تفصیل بتاؤ لیکن خیال رہے کہ تم نے شہزادی پر کوئی الزام لگایا تو تمہاری زبان کھینچ لی جائے گی۔"

ڈگلس کی روح فنا ہو گئی۔ وہ خوف سے تھرا اٹھا۔ اس نے اٹک اٹک کر بتانا شروع کیا:

"معزز ڈیوک۔ جب ہم خیمہ گاہ پر واپس آئے تو شہزادی اور امیر عثمان باتیں کر رہے تھے۔"

"باتیں کر رہے تھے۔ کیا باتیں کر رہے تھے۔" یوڈیس کا غصہ کچھ کم ہو گیا۔

ڈگلس نے ڈرتے ڈرتے کہا:

"جی۔ یہ تو پتہ نہیں کہ کیا باتیں کر رہے تھے۔ امیر عثمان بالکل اکیلا تھا۔ ہم اسے بڑی آسانی سے پکڑ سکتے تھے لیکن شہزادی عالیہ نے ہمیں اسے گرفتار کرنے کا کوئی اشارہ نہیں کیا۔"

"کیا شہزادی کے چہرے پر نقاب تھا؟"

"جی نہیں۔ ان کے کھلے بال ہوا میں لہرا رہے تھے۔"

"بہت خوب۔" یوڈیس جیسے مطمئن ہو گیا:

"اس کا مطلب ہے امیر عثمان نے شہزادی کو اچھی طرح دیکھ لیا ہے۔"

"ڈیوک محترم۔ شہزادی عالیہ اس بے دین سے ہنس ہنس کر باتیں کر رہی تھیں۔" ڈگلس نفرت آمیز

"نہیں ڈیوک محترم۔ شہزادی نے اسے ٹولوس آنے کی دعوت بھی دی ہے۔"

ڈیوک یوڈیس نے زوردار قہقہہ لگایا:

"اس کا مطلب ہے۔ شکار جال میں پھنس گیا"۔

ڈگلس حیرت سے ڈیوک کا منہ تکنے لگا۔ اس کا خیال تھا کہ ڈیوک شہزادی کی اس حرکت سے ناراض ہو گا۔ لیکن اس پر الٹا اثر ہوا۔

ڈیوک نے اسے گھورتے ہوئے کہا:

"ڈگلس! تم نرے سپاہی ہو۔ تم نہیں جانتے اور نہ تم سمجھ ہی سکتے ہو کہ دشمن کے سر کو تلوار سے قلم کرنے اور دشمن کے سر کو مصلحت سے قدموں میں جھکانے میں کیا فرق ہے۔ بس تم جا سکتے ہو"۔

ڈگلس ہکا بکا ڈیوک کو دیکھتا کمرے سے چلا گیا۔ ڈیوک کی باتوں کو سمجھنا تو الگ رہا اسے تو یہ بھی یاد نہ رہا کہ ڈیوک نے کیا کہا ہے۔

ڈگلس کے جانے کے بعد ڈیوک کی بے چینی اور بڑھ گئی۔ اس نے بار بار کنیز کو شہزادی کے کمرے میں بھیجنا شروع کر دیا۔ شہزادی اب تک سو رہی تھی۔ ڈیوک کو اب عثمان اور شہزادی کی ملاقات کے تفصیلی حالات سننے کا اور زیادہ اشتیاق پیدا ہو گیا۔

دراصل یہ منصوبہ ڈیوک آف ایکیوٹین نے خود بنایا تھا۔ قرطبہ میں مسلمانوں کے اجتماع کی اسے برابر خبریں مل رہی تھیں۔ مسلمانوں کو وہ ایک بار شکست دے چکا تھا لیکن ان کی شجاعت سے خوب واقف تھا۔ وہ جانتا تھا کہ مسلمان اپنی شکست کا بدلہ لینے کی تیاریاں کر رہے ہیں۔

فرانس کی مرکزی حکومت کمزور تھی۔ تمام علاقے چھوٹی چھوٹی ریاستوں میں بٹے ہوئے تھے۔ ہر ریاست کا ڈیوک بادشاہ بنا بیٹھا تھا۔

ڈیوک اس کوشش میں تھا کہ کسی طرح مسلمانوں کی یلغار کو روکا جائے۔ ورنہ اس کی ریاست اس ریلے میں تنکے کی طرح بہ جائے گی۔ اس نے تمام ریاستوں کے حکمرانوں کو مسلمانوں کے خطرہ سے آگاہ کر دیا تھا لیکن وہ ایک دوسرے کے خلاف تھے اور کوئی متحدہ محاذ قائم کرنے پر آمادہ نہ تھے۔

اپنوں سے مایوس ہونے کے بعد اس کی نظر جبل البرنات کے مسلمان حکمران امیر عثمان پر پڑی تھی۔ اسے یہ بھی بتایا گیا تھا کہ امیر عثمان کی قرطبہ کی مرکزی حکومت سے ان بن رہتی ہے۔ اس کی آرزو تھی کہ کسی طرح جبل البرنات کا حاکم اس کا دوست ہو جائے کیونکہ جبل البرنات کے علاقے سے گزر کر ہی مسلمان لشکر فرانس میں داخل ہو سکتا تھا۔ حسین و جمیل شہزادی ایکیوٹین، اسی کی شہ پر مسلمانوں کے علاقے میں شکار کھیلنے کے بہانے سے داخل ہوئی تھی۔

شہزادی جیسے ہی سو کر اٹھی۔ اس کی کنیز خاص نے ڈیوک کا پیغام دیا:

"ڈیوک آپ سے ملاقات کے لیے بے چین ہیں"۔

شہزادی مسکرائی۔ غسل کیا اور لباس تبدیل کر کے باپ کے حضور میں پہنچی۔

بیٹی کی صورت دیکھتے ہی ڈیوک کی باچھیں کھل گئیں۔ بڑھ کر شہزادی کو گلے لگایا۔ پیٹھ تھپتھپائی۔ شہزادی کے بال ابھی نم تھے۔ وہ کرسی پہ بیٹھ کے بال خشک کرنے لگی۔

"سفر کیسا رہا شہزادی؟" ڈیوک نے بے چینی سے پوچھا۔

"بہت اچھا"۔ یہ کہہ کر شہزادی مسکرانے لگی۔

"کامیابی کا کتنا امکان ہے؟"

"سو فیصد بابا حضور"۔

باپ نے شہزادی کو کھینچ کر اس کا منہ چوم لیا۔

"عثمان سے ملاقات ہوئی؟"

"جی ہاں۔ بڑا حسین جوان ہے"۔

ڈیوک چونکا۔ نرمی سے پوچھا:

"راہ راست پہ آ جائے گا؟"

شہزادی نے جواب دیا:

"کوشش کرنا پڑے گی۔ عثمان بہت ذہین ہے۔ شمشیر زن تو ایسا کہ دو منٹ میں اس نے میری تلوار لے لی۔ ایسا خوبصورت اور بہادر جوان ہماری پوری ریاست میں موجود نہیں"۔

شہزادی مچلتے جذبات کی رو میں بہتی چلی گئی۔ جہاندیدہ ڈیوک اس کی باتوں سے کھٹکا لیکن اس نے اس کا اظہار نہ کیا۔

شہزادی کو غور سے دیکھتے ہوئے بولا:

"تمہارا انتخاب ضرور درست ہو گا لیکن ہم جن حالات سے گزر رہے ہیں تمہیں ان کا لحاظ رکھنا ہو گا"۔

"آپ بے فکر رہیے بابا حضور"۔

شہزادی نے اسے مطمئن کرنے کی کوشش کی۔ اسے کچھ کچھ اپنی غلطی کا بھی احساس ہوا لیکن کیا کرتی۔ وہ تو دل کے ہاتھوں مجبور تھی۔ عثمان کی وجاہت نے اسے اپنے حلقے میں لے لیا تھا۔

"تمہارا اگلا قدم کیا ہو گا؟" ڈیوک نے ذرا کھل کے کہا۔

شہزادی نے جواب دیا:

"میں نے عثمان کو ایکیوٹین آنے کی دعوت دی ہے"۔

ڈیوک مسکرایا۔ بولا:

"اگر عثمان ذہین ہے تو وہ دشمن ملک میں آنے کی حماقت نہیں کر سکتا۔ وہ مسلمان ہے اور مسلمان ہمارے ہاتھوں شکست کھا چکے ہیں۔ وہ ہم پر اعتبار کیسے کرے گا"۔

شہزادی نے شاید اس پہلو پر غور نہ کیا تھا۔ وہ فکرمند ہو گئی۔

"تمہاری دعوت کا کیا جواب دیا تھا اس نے؟"

"اس نے آنے کا وعدہ کیا ہے"۔

"کب تک۔ کوئی مہینہ، تاریخ مقرر کی؟"

"نہیں۔ کوئی تاریخ مقرر نہیں ہوئی"۔

شہزادی جواب دینے کے بعد سوچنے لگی۔ واقعی اس نے غلطی کی۔ اس نے عثمان کو سرسری دعوت دی تھی اور اس نے بھی سرسری طور پر حامی بھر لی تھی لیکن یہ دعوت بڑی اہمیت کی حامل تھی۔ دو حکمرانوں کی ملاقات۔ دو نظریوں اور دو مذہبوں کا ملاپ جو پچھلے ایک سو چودہ سال سے باہم دست و گریبان تھے"۔

ڈیوک نے کہا:

"بیٹی! تم نے اپنا فرض بڑی خوش اسلوبی سے انجام دیا۔ اگلا قدم ہم اٹھائیں گے"۔

شہزادی گھبرا گئی۔ اس نے پوچھا:

"بابا حضور۔ کیا آپ عثمان کو کسی بہانے سے یہاں بلا کر قتل کر دیں گے"۔

ڈیوک زور سے ہنسا۔ اس نے سمجھایا:

"نادان شہزادی۔ جنگ میں صرف دشمن مارے ہی نہیں جاتے بلکہ اکثر خطرناک قسم کے دشمنوں کی ہمیں حفاظت بھی کرنا پڑتی ہے۔ اس وقت بھی عثمان کی موت سے زیادہ اس کی زندگی کی ضرورت ہے۔ ہم نے ایک بار مسلمانوں کے خون سے میدانِ جنگ سرخ کر دیا تھا۔ اگر خداوند مسیح کی رضا شاملِ حال رہی تو اس بار ہم انہیں پہلے سے کہیں زیادہ زبردست شکست دیں گے اور اس شکست کا سب سے بڑا مہرہ حاکم جبل البرنات امیر عثمان ہو گا"۔

شہزادی کو پوری طرح اطمینان نہ ہوا۔ پوچھا:

"اب آپ کیا قدم اٹھانا چاہتے ہیں بابا حضور؟"

ڈیوک پوڈولیس نے چہرے پر متانت پیدا کرتے ہوئے جواب دیا:

"تم نے عثمان کو دعوت دی لیکن وہ دعوت ایک دوست کی دوسرے دوست کے لیے تھی لیکن اب ایک ریاست کے حاکمِ اعلیٰ کی طرف سے دوسری ریاست کے خود مختار امیر کو دعوت دی جائے گی۔ ہم امیر عثمان کے پاس

ایکیوٹین کی طرف سے ایک سرکاری سفارت بھیجیں گے۔ یہ سفارت عثمان کے پاس ہمارا دوستی کا پیغام لے کر جائے گی اور اسے ٹولوس میں آنے کی دعوت دے گی"۔

شہزادی خوش ہو کے بولی:

"بابا حضور آپ بہت عقل مند ہیں۔ میری دعوت میں کوئی وزن نہ تھا۔ عثمان اسے ایک رسمی دعوت نامہ سمجھ کر نظر انداز کر سکتا تھا لیکن اب اس کا انکار کرنا مشکل ہے۔ ایک تو آپ کا سرکاری طور پر بلاوا، دوسرے میں نے....."

شہزادی کہتے کہتے شرما گئی۔ حیا سے اس کی پیشانی عرق آلود ہو گئی۔

ڈیوک نے مسکرا کر کہا:

"ہم اپنی شہزادی کی طرف سے غافل نہیں ہیں"۔

شہزادی ایکیوٹین باپ کی گود میں سمٹ گئی۔ بولی:

"بابا حضور۔ میں چاہتی ہوں امیر عثمان کے ساتھ کوئی فریب نہ کیا جائے۔ اگر وہ ہماری ریاست میں آئے تو اس کا شاہانہ استقبال ہو"۔

ڈیوک نے کہا:

"بیٹی۔ اگر عثمان نے ہماری طرف دوستی کا ہاتھ بڑھایا تو اس کا ایسا شاندار استقبال ہو گا جس کی مثال تاریخ میں نہ ملے گی۔ ہم عثمان کی ہر خواہش پوری کریں گے۔ وہ جو کچھ بھی ہم سے طلب کرے گا ہم بلا عذر اس کے حوالے کر دیں گے۔ اگر وہ چاہے گا تو ایکیوٹین کی فوجیں اس کے دشمنوں کے خلاف اس کے شانہ بشانہ لڑیں گی"۔

شہزادی فرطِ محبت سے ڈیوک کے گلے میں باہیں ڈال کر جھول گئی۔

ڈیوک نے اٹھتے ہوئے کہا:

"میں اسی وقت سفارت بھیجنے کے انتظامات کا حکم دیتا ہوں"۔

جبل البرنات کے علاقے میں بہت سے قلعے تھے۔ گرمیوں کے موسم میں عثمان، کوہستان پائرینس کے نشیب میں بنے ہوئے قلعہ البرنات میں آ جاتا تھا۔ یہ قلعہ ہسپانیہ اور فرانس کی سرحد سے صرف بیس میل کے فاصلے پر تھا۔ یہاں سے کوہستان پائرینس کی برف پوش چوٹیاں، سرسبز ڈھلوانیں، ڈھلوانوں پر پھل اور پھولوں سے

لدے ہوئے اشجار، ترائی میں بہتا ہوا دریائے پاڑینس۔ عثمان گرمیوں کا پورا موسم اس نشاط انگیز مقام پر گزرتے
عثمان اور شہزادی ایکیوٹین کی ملاقات موسمِ گرما میں اس قلعے کے قریب ہوئی تھی۔ عثمان ان دنوں قلعہ
البرنات میں ٹھہرا ہوا تھا۔

شہزادی سے ملاقات کے بعد عثمان کے دل میں عجیب طرح کی بے چینی پیدا ہو گئی تھی۔ اس کی نظر سے
بے شمار حسین و جمیل عورتیں گزری تھیں لیکن شہزادی کے حسن میں جو کشش اور لبھاؤ تھا وہ اسے پہلے کبھی نظر
نہ آیا تھا۔ رات کی تنہائیوں میں عثمان اکثر شہزادی کے بارے میں سوچتا رہتا۔ شہزادی کی دعوت پر بھی اس نے
اکثر غور کیا۔ . . . . لیکن دشمن ملک میں محض ایک حسین اشارے اور کمزور سہارے پر جانا سراسر بے وقوفی
تھی۔ شہزادی سے اس کی صرف ایک ملاقات ہوئی تھی، وہ بھی سرِ راہ۔ اسے شہزادی کے دل کا حال معلوم نہیں
تھا۔ پھر بھی وہ شہزادی کو ایک بار اور دیکھنے کا خواہش مند تھا۔

ان حالات میں عثمان کی اس خوشی کے عالم کو بیان کرنا مشکل ہے جب اسے اطلاع ملی کہ ریاست
ایکیوٹین کا سرکاری وفد اس سے ملاقات کے لیے آ رہا ہے۔

سرحدی مخبر نے بتایا:

"بارہ نقاب پوش کوہستان پاڑینس عبور کر کے جبل البرنات میں داخل ہوئے ہیں۔"

"انہیں گرفتار تو نہیں کیا گیا؟" عثمان نے جلدی سے پوچھا۔

مخبر نے کہا:

"نہیں امیرِ محترم! انہیں ہم کیسے گرفتار کر سکتے تھے۔ انہوں نے اپنے نیزوں پر سفید پھریرے باندھ
رکھے تھے۔"

عثمان نے مخبر کو جانے کا اشارہ کیا۔ پھر کچھ سوچ کر پوچھا:

"انہوں نے اپنے آنے کا کیا مقصد بتایا ہے؟"

"امیرِ محترم۔ ان کے ساتھ ساز و سامان سے بھرے کئی بڑے بڑے صندوق ہیں۔" مخبر نے بتایا:
"وہ کہتے ہیں ہم امیر البرنات کے لیے تحائف لائے ہیں۔ . . . . لیکن۔ . . . ."

"خاموش کیوں ہو گئے۔ تم کیا کہنا چاہتے تھے؟" عثمان نے مخبر کو ڈانٹا۔

مخبر ڈرتے ڈرتے بولا:

"امیرِ محترم! ہم نے بہت کوشش کی لیکن وہ اپنے سر سے نہ خود اتارتے ہیں اور نہ چہرے سے نقاب۔
ہمیں بالکل پتہ نہیں وہ کس شکل و صورت کے لوگ ہیں۔"

عثمان کے دل میں ایک خیال بجلی کی طرح گزرا۔ کہیں شہزادی ایکیوٹین تو ان نقاب پوشوں میں شامل
. . . . پھر شہزادی سے پہلی ملاقات کا پورا منظر اس کی نظروں کے سامنے آ گیا۔ وہ لہراتی ہوئی زلفیں،
بڑی شوخ آنکھیں، شفق رنگ رخسار۔ شہزادی دیکھنے میں پری معلوم ہوتی تھی۔

تمام رات عثمان کھلی آنکھوں سے محبت کے خواب دیکھتا رہا۔

غروبِ آفتاب کے وقت ریاست ایکیوٹین کا وفد، محافظ دستے کے ساتھ قلعے میں پہنچ گیا۔ عثمان نے
سرداروں کے ساتھ وفد کا استقبال کیا۔

تحائف کے صندوق کھولے گئے۔ مسلمان عام طور پر سفید صاف اور سفید ہی کرتے پہنتے تھے لیکن تحفوں میں
سفید کے بجائے ارغوانی ریشم کے تھان تھے۔ ارغوانی رنگ ہسپانیہ میں شاہی رنگ سمجھا جاتا تھا۔ ہسپانیہ کے
مالک شہنشاہ ارغوانی رنگ کا لباس پہنتے تھے۔ موسیٰ بن نصیر کے بیٹے اور ہسپانیہ کے پہلے امیر عبدالعزیز نے بھی
ملکہ ایجیلونہ کے اصرار پر ارغوانی لباس پہننا شروع کر دیا تھا۔

عثمان کے لیے ایک ہیرے کی بیش قیمت انگوٹھی اور ایک خنجر بھیجا گیا تھا جس کے دستے پر جواہرات جڑے
ہوئے تھے۔

نقاب پوش خاموشی سے صندوقوں سے تحائف نکال کے عثمان کو پیش کر رہے تھے۔ عثمان کی نظریں بار بار
نقاب پوشوں کے چہروں پر پڑتیں لیکن ان کے چہرے لانبے خود میں پوشیدہ تھے۔ خود کے اوپر سیاہ جالی کے
پردے تھے۔ سب کے لباس بھی یکساں تھے۔ عثمان کی سمجھ میں نہ آتا تھا کہ کس طرح معلوم کرے کہ ان میں کہیں
شہزادی تو شامل نہیں۔ شہزادی کے بارے میں از خود نقاب پوشوں سے دریافت کرنا بھی خلافِ اصول اور خود
عثمان کے خلاف تھا۔

عثمان نے نقاب پوشوں کو مخاطب کیا:

"تم میں وفد کا سردار کون ہے؟"

ایک نقاب پوش نے ایک قدم آگے بڑھ کر سر کو ذرا خم کر کے جواب دیا:

"میں سفارت کا سردار ہوں امیرِ محترم۔ میرا نام ڈگلس ہے۔"

عثمان مسکرایا۔ بولا:

"ڈگلس۔ ہم ان تحائف کے لیے ڈیوک آف ایکیوٹین کے شکر گزار ہیں۔"

ڈگلس نے کہا:

"امیرِ محترم! ان تحائف کے ساتھ ہمارے عالی مقام ڈیوک نے آپ کے لیے محبت اور خلوص کا پیغام بھی

بھیجا ہے۔ انھوں نے اس خواہش کا بھی اظہار کیا ہے کہ دونوں ریاستیں دوستوں کی طرح امن و آشتی سے رہنے پر رضامند ہو جائیں تو ریاستوں اور عوام دونوں کے لیے بہتر اور مفید ہوگا۔"

عثمان نے کہا:

"ہمارے دل میں بھی ڈیوک اور ایکیوٹین کے عوام کے لیے ایسے ہی جذبات ہیں۔"

ڈگلس نے سر کو ادھر اُدھر گھما یا دیکھا۔ پھر بولا:

"امیرِ محترم! ڈیوک آف ایکیوٹین نے آپ کے لیے ایک ذاتی پیغام بھی بھیجا ہے لیکن مجھے تاکید کی گئی ہے کہ یہ پیغام میں تنہائی میں پیش کروں۔"

عثمان نے چند لمحے سوچنے کے بعد کہا:

"ٹھیک ہے۔ ابھی کچھ دیر بعد ہم تم سے ہر ایک کو الگ الگ اپنے ہاتھ سے انعام و اکرام دیں گے۔ اس وقت تم ہم سے تنہائی میں گفتگو کر سکو گے۔"

عثمان نے دیکھا کہ اس کی بات پر نقاب پوشوں نے کسی خاص ردِعمل کا مظاہرہ نہیں کیا سوائے ایک نقاب پوش کے۔ اس کا قد و قامت دوسروں کی بہ نسبت ہلکا اور چھوٹا معلوم ہوتا تھا۔ عثمان کی بات سن کے اس نقاب پوش کے جسم میں خفیف سی حرکت ہوئی جیسے اس بات سے وہ کچھ بے چین ہو گیا تھا۔

عثمان نے کہا:

"ڈگلس۔ ہمیں تمہارے آنے کی بہت خوشی ہوئی ہے لیکن ایک طرف تو تم دوستی کا پیغام لائے ہو، دوسری طرف اپنے چہروں کو نقاب میں پوشیدہ کیے ہوئے ہو۔ ایک دوست کو اپنا چہرہ، دوسرے دوست سے چھپانا کچھ اچھا نہیں لگتا۔"

ڈگلس گھبرا گیا۔ بولا:

"امیرِ محترم۔ اس کے لیے آپ ہمیں معاف فرمائیں۔ ہم آپ کی دل شکنی کا تصور بھی نہیں کر سکتے لیکن ہم شاہی حکم سے مجبور ہیں۔ ہم اپنے نقاب صرف ڈیوک آف ایکیوٹین کے سامنے اتارتے ہیں۔ ایکیوٹین کے لوگ بھی یہ نہیں جانتے کہ ہم لوگ کون ہیں۔ نقاب پوش دستے میں جو لوگ شامل کیے جاتے ہیں۔ انہیں اپنے گھر جانے کی بھی اجازت نہیں ہوتی۔ ان کا قیام شاہی محل کے اندر ہوتا ہے۔"

"ہم تمہیں مجبور نہیں کرتے ڈگلس۔"

عثمان نے اسے تسلی دینے کی کوشش کی:

"یہ ہمارے درباریوں کی محض ایک خواہش تھی۔"

ڈگلس نے شکریہ کے اظہار میں اپنا سر جھکا دیا۔

عثمان بڑا ذہین تھا اس نے ہنس کے پوچھا:

"مگر ڈگلس رات کو سوتے وقت تو تمہیں بہت تکلیف ہوتی ہوگی۔ اتنے بھاری خود کے ساتھ تمہیں نیند کیسے آتی ہوگی۔"

ڈگلس نے فوراً تردید کی:

"نہیں امیرِ محترم۔ رات کو ہم لوگ خود اتار دیتے ہیں لیکن یہ ضرور احتیاط کرتے ہیں کہ ہم پر کسی کی نظر نہ پڑنے پائے۔ امید ہے کہ امیر اس طرح کا انتظام یہاں بھی کرا دیں گے۔"

عثمان نے کہا:

"فکر نہ کرو ڈگلس۔ ہم تمہارے لیے الگ الگ خیمے نصب کرا دیں گے۔ خیموں کے پاس کسی کو جانے کی اجازت نہ ہوگی۔"

ڈگلس نے ایک بار پھر شکریہ کے طور پر اپنا سر خم کیا۔

عثمان کے حکم سے قلعے کے ایک ویران سے کونے میں خیمے نصب ہو گئے۔ ہر خیمے میں ضرورت کی ہر چیز قرینے سے لگا دی گئی۔ کھانے پینے کا سامان بھی وہاں پہنچا دیا گیا۔ پھر خیموں کے گرد سخت پہرہ لگا دیا گیا۔ رابطے کے لیے ایک نقاب پوش، پہرے داروں کے پاس پڑا رہا تاکہ اگر خیمے والوں کو کسی چیز کی ضرورت ہو تو اس کی معرفت خیموں میں بھی جا سکے۔

رات کا کھانا نقاب پوشوں نے عثمان کے ساتھ کھایا۔ کھانے کے دوران صرف ڈگلس، عثمان سے باتیں کرتا رہا۔ باقی تمام نقاب پوش خاموش رہے۔ کسی نے ایک لفظ بھی منہ سے نہ نکالا۔ اس تمام عرصے میں عثمان کی نظریں چھوٹے قد اور ہلکے بدن والے نقاب پوش کا کسی نہ کسی طور جائزہ لیتی رہیں۔

کھانے کے بعد عثمان دوسرے کمرے میں چلا گیا۔

اس کمرے میں نقاب پوشوں کو انعام دینے کے لیے نقد رقم کی تھیلیاں، جواہرات کے ہار اور انگوٹھیاں وغیرہ ایک میز پر رکھ دی گئی تھیں۔

عثمان نے سب سے پہلے ڈگلس کو طلب کیا۔ ڈگلس اندر آیا اور عثمان کا اشارہ پا کر سامنے کی کرسی پر بیٹھ گیا۔

عثمان دیر تک ڈگلس سے ریاست ایکیوٹین اور ڈیوک کے بارے میں گفتگو کرتا رہا۔ ڈگلس، عثمان کی باتوں سے بہت خوش ہوا۔ عثمان کا لہجہ دوستانہ اور محبت آمیز تھا۔ ڈگلس کی نظریں میز پر سجے ہوئے ہار، انگوٹھیاں اور سلیقے سے سجی ہوئی تھیلیوں پر پڑتیں تو اس کے منہ میں پانی آ جاتا۔

پھر عثمان نے اک دم سوال کیا:

"ہاں۔ ہمارے مہربان ڈیوک نے وہ کون سا خاص پیغام بھیجا ہے جسے تم لوگوں کے سامنے بیان کرنا نہیں چاہتے تھے۔"

ڈگلس نے گردن اٹھا کر دروازے کی طرف دیکھا۔ دروازے کے پاس اندر کی طرف ایک کینز دست بستہ کھڑی تھی۔ عثمان نے اسے اشارہ کیا۔ وہ باہر چلی گئی۔

ڈگلس نے کہا:

"امیر محترم! ہمارے ڈیوک کو معلوم ہوا ہے کہ آپ اور قرطبہ کے بڑے امیر کے تعلقات کچھ زیادہ خوش گوار نہیں ہیں۔ ان کو یہ بھی معلوم ہوا ہے کہ پورے ہسپانیہ کی بادشاہی کے اصل حق دار آپ ہیں۔ قرطبہ پر دوسرے سردار نے زبردستی قبضہ کر رکھا ہے۔ ڈیوک کا مخلصانہ پیغام ہے کہ امیر عثمان خواہش کریں، تو ایکیوٹین کی فوجیں طلب کرنے پر قلعہ البرنات بھیجی جا سکتی ہیں۔"

امیر عثمان کے لیے یہ پیغام بڑا حیرت انگیز تھا۔ وہ ۱۱۰۱ھ میں صرف پانچ ماہ کے لیے ہسپانیہ کا امیر رہ چکا تھا۔ اس کے بعد اس کی جگہ حذیفہ کو امیر مقرر کیا گیا تھا اور اسے جبل البرنات کے علاقے کی حکمرانی ملی تھی۔ جب سے اب تک قرطبہ میں جو بھی امیر ہسپانیہ مقرر ہوتا اس سے عثمان کو خواہ مخواہ کا بیر ہو جاتا تھا۔ اس وقت امیر ہسپانیہ عبدالرحمٰن بن عبداللہ غافقی دوم تھا۔ عثمان کو اس سے کد تھی۔ اس چھوٹی سی ریاست پر وہ قانع رہنے پر تیار نہ تھا۔ وہ خود کو دوسرے مسلمان امیروں سے برتر سمجھتا تھا۔ اس کی خواہش تھی کہ یا تو اسے پورے ہسپانیہ کی امارت مل جائے یا پھر وہ اس علاقے میں اپنی خود مختار حکومت قائم کر لے۔

ڈیوک آف ایکیوٹین کا یہ پیغام اس کی امیدوں کے بالکل مطابق تھا۔ اس نے سوچا اگر اسے ڈیوک کی فوجی معاونت حاصل ہو جائے تو قرطبہ پر آسانی سے قبضہ کیا جا سکتا ہے۔

عثمان نے کہا:

"ڈگلس! تمہارے ڈیوک کے جذبات کی ہم دل سے قدر کرتے ہیں لیکن یہ کیسے یقین کیا جائے کہ ڈیوک واقعی ہماری فوجی معاونت کر سکتا ہے۔"

ڈگلس نے اسے یقین دلایا:

"..... امیر محترم۔ ہمارے ڈیوک جھوٹ نہیں بولا کرتے۔ آپ حکم دیجیے۔ ہماری فوجیں ابھی البرنات کی طرف چل پڑیں گی۔"

امیر عثمان سوچ میں پڑ گیا۔ وہ اس موقع کو کسی طرح بھی ضائع نہیں کرنا چاہتا تھا۔

عثمان نے کہا:

"ڈگلس۔ یہ معاملہ بہت اہم ہے۔ محض نامہ و پیام سے طے کرنا مشکل نظر آتا ہے۔ اس کے لیے ضروری ہے کہ یا تو ڈیوک آف ایکیوٹین یہاں خود تشریف لائیں یا پھر....."

عثمان نے اپنی بات ادھوری چھوڑ دی۔

ڈگلس نے عثمان کو نیم رضامند پایا تو بولا:

"اگر امیر اس پیش کش پر غور کرنے پر آمادہ ہوں تو براہ راست گفتگو کا انتظام کیا جا سکتا ہے۔"

"کس طرح؟" عثمان نے خیالات سے چونک کر سوال کیا۔

ڈگلس نے اپنی جیب سے ایک سربمہر لفافہ نکال کر عثمان کی طرف بڑھایا۔ عثمان نے جلدی سے لفافہ لے کر چاک کیا اور پڑھنے لگا۔

خط پڑھنے کے بعد عثمان پھر سوچ میں پڑ گیا۔

ڈگلس نے کہا:

"امیر محترم! ڈیوک نے مجھے تاکید کی تھی کہ یہ لفافہ اس وقت تک آپ کو نہ دیا جائے جب تک آپ ان کے مشورے اور پیش کش پر خوشی سے غور کرنے پر آمادہ نہ ہوں۔ اب آپ ارشاد فرمائیں کہ میں ڈیوک کو کیا جواب دوں؟"

انہوں نے مزید فرمایا تھا کہ اگر امیر خفیہ طور پر ایکیوٹین آنا چاہیں تو ہمارے سرحدی محافظ انہیں بحفاظت ڈیوک تک پہنچا دیں گے۔ اگر آپ اپنے سرداروں کے ساتھ آنے کے خواہش مند ہوں تو ڈیوک بذات خود سرحد پر آپ کا استقبال کریں گے۔"

عثمان، ڈیوک کا دعوت نامہ پا کر خوشی سے پھولا نہ سما رہا تھا۔ اس نے ڈگلس کو مجوزہ انعام کے علاوہ اور بھی بہت کچھ دیا۔

عثمان نے ڈگلس کو رخصت کرتے وقت کہا:

"تم اپنے خیمے میں جا کر آرام کرو۔ اس دعوت نامے کا جواب تمہیں کل دیا جائے گا۔"

ڈگلس اپنا انعام سنبھالتا ہوا باہر جانے لگا تو عثمان نے کہا:

"اپنے ساتھیوں کو اندر بھیجتے جاؤ تاکہ وہ بھی اپنا اپنا انعام لے جائیں۔"

ایکیوٹین کے نقاب پوش ایک ایک کر کے اندر آتے رہے اور انعام حاصل کرتے رہے۔ عثمان ان سے ان کا نام پوچھتا۔ پھر ادھر ادھر کی گفتگو کر کے انعام دے کر رخصت کر دیتا۔

سب سے آخر میں جو نقاب پوش کمرے میں داخل ہوا وہ پستہ قد اور اکہرے بدن کا معلوم ہوتا تھا۔ کمرے میں

داخل ہوتے وقت بھی وہ کچھ جھجک رہا تھا۔

عثمان نے اسے مسکرا کر دیکھا۔ قریب آنے کا اشارہ کیا۔ وہ قریب آیا تو عثمان نے پوچھا:

"اے پُراسرار نقاب پوش! تیرا نام کیا ہے؟"

نقاب پوش نے جواب دینے کے بجائے اپنا سر جھکا لیا۔

عثمان کے چہرے پر شرارت کھیل رہی تھی۔ اس نے کہا:

"اے پرستانِ ایکیوٹین کی پری۔ تو اتنا کیوں جھجک رہی ہے؟"

نقاب پوش نے پھر بھی کوئی جواب نہ دیا۔

عثمان اپنی جگہ سے اٹھ کر نقاب پوش کے قریب گیا اور بڑے پیار سے بولا:

"والیٔ البرنات امیر عثمان اپنی مہمان ملکۂ حسن شہزادی ایکیوٹین سے درخواست کرتا ہے کہ وہ اپنا نقاب اتار دیں"۔

دربارِ حسن نے عشق کے سائل کی درخواست قبول کر لی۔

شہزادی ایکیوٹین کے ہنستے، مسکراتے چہرے سے نقاب اور خود ہٹ گیا۔ وہ شوخ نظروں سے عثمان کو دیکھنے لگی۔

عثمان، شہزادی کا ہاتھ پکڑ کر مسند تک لے گیا اور اپنے پاس بٹھا لیا۔

شہزادی نے کہا:

"آخر تم نے ہمیں پہچان لیا۔ ہم تو سمجھے تھے تم بھول چکے ہو گے"۔

عثمان نے شہزادی کا ہاتھ اپنے ہاتھ میں لیتے ہوئے کہا:

"یہ گلاب رنگ چہرہ اور مخمور آنکھیں ایسی نہیں جنہیں بھلایا جا سکے۔ مجھے خوشی ہے کہ تمہارے دل میں بھی وہی جذبات ہیں جو مجھے ہر وقت بے چین کیے رہتے ہیں۔ میں پہلی ہی نظر میں تمہیں پہچان گیا تھا۔ اسی لیے میں نے تمہارے آدمیوں کو باری باری بلا کر انعام دیا"۔

شہزادی نے اپنی خمار آلود پلکیں اوپر اٹھائیں اور جذبات سے پُر بھرائی ہوئی آواز میں بولی:

"عثمان۔ تم سے ملنے کے بعد میں ایکیوٹین پہنچی تو مجھے اپنا شہر اور اپنا محل اجنبی اجنبی سا لگا۔ میرا دل اچاٹ اچاٹ سا رہنے لگا۔ دل بار بار کہتا تھا کہ کوہستانِ پائرینس پار کر اور پھر اسی وادی میں چل جہاں زندگی نے پیار و الفت کا پہلا سبق پڑھایا تھا۔ میں نے کوشش کر کے باپ حضور کو تمہاری ملاقات کے لیے آمادہ کر لیا۔ پھر جب یہ سفارت ادھر آنے لگی تو میں بھی ضد کر کے اس کے ساتھ ہو گئی۔ کمبخت ڈگلس نے میری سخت مخالفت کی تھی"۔

"یہ ڈگلس کون ہے شہزادی؟" عثمان نے پوچھا: "میں نے اس کی صورت تو نہیں دیکھی لیکن یہ اپنی چال

ر آواز سے اکھڑ اور بدقماش معلوم ہوتا ہے"۔

شہزادی نے بتایا:

"ڈگلس، ایکیوٹین کے سپہ سالار کا چھوٹا بھائی ہے۔ اس وجہ سے حد درجہ بد دماغ اور متکبر ہے اور ے اپنے بارے میں کچھ اور بھی غلط فہمی ہو گئی ہے"۔

عثمان نے مسکرا کر پوچھا:

"کہیں ڈگلس ہمارا رقیب تو نہیں بننا چاہتا؟"

شہزادی نے ہلکا سا قہقہہ لگایا۔ بولی:

"مرد اپنے مطلب کی بات سمجھنے میں بڑے ذہین ہوتے ہیں"۔

شہزادی کا جملہ ختم ہونے کے ساتھ ہی ڈگلس برہنہ تلوار ہاتھ میں لیے ہوئے کمرے میں داخل ہوا۔ اس وقت اس نے سر سے خود اتار کر پیٹھ کی طرف کر لیا تھا۔ اس کی آنکھیں خون کبوتر ہو رہی تھیں۔

شہزادی اور عثمان کو ڈگلس کے آنے کی خبر اس وقت ہوئی، جب وہ کمرے کے درمیان پہنچ چکا تھا۔ وہ قدم بڑھاتے ہوئے دھاڑا:

"دیکھ امیر عثمان۔ اپنے رقیب کو اچھی طرح دیکھ لے۔ تو نے میری محبت پر ڈاکہ ڈالا ہے۔ میں تجھے زندہ نہ چھوڑوں گا"۔

عثمان کی نظر اس پر پڑی تو گھبرا کر کھڑا ہو گیا اور تیزی سے جست لگا کر ایک طرف ہٹ گیا۔

شہزادی نے ڈگلس کو ڈانٹا:

"کیا کرتا ہے ڈگلس۔۔۔۔ تلوار پھینک دے"۔

ڈگلس نے سنی ان سنی کر دی۔ وہ آگے بڑھتا رہا اور عثمان پیچھے ہٹتا رہا۔ عثمان بالکل خالی ہاتھ تھا۔ اس کمرے میں کوئی تلوار بھی نہ تھی۔ عثمان کی جان کا خطرہ دم بدم بڑھتا جا رہا تھا۔ وہ پسینے میں شرابور تھا۔ موت اسے سامنے کھڑی دکھائی دے رہی تھی۔

شہزادی نے جب محسوس کیا کہ عثمان کے بچنے کی کوئی امید نہیں اور کوئی دم جاتا ہے کہ ڈگلس کی تلوار عثمان کے سر پر گر کر اسے دو نیم کر دے گی تو شہزادی نے جھٹ سے اپنی کمر سے خنجر کھینچا اور ڈگلس کے سینے کا نشانہ باندھا۔۔۔۔ لیکن ڈگلس کے سینے پر آہنی خول اور زنجیر تھی۔ خنجر صرف پشت کی طرف سے مارا جا سکتا تھا۔ پھر ایک بار ڈگلس کی پشت اس کے نشانے میں آ گئی۔ اس نے خنجر اٹھا کر نشانہ لیا لیکن شہزادی کے خنجر سے پہلے ہی ڈگلس کی پیٹھ میں ایک اور خنجر پیوست ہو گیا۔

یہ خنجر دروازے کی طرف سے کھینچ کر مارا گیا تھا۔
خنجر اتنی طاقت سے پھینکا گیا تھا کہ پیٹھ سے گزر کر ڈگلس کے دل میں اتر گیا..... ڈگلس کے ہاتھ سے تلوار چھوٹ گئی۔ وہ چکرا کر زمین پر گرا۔

شہزادی اور عثمان، دونوں کی نظریں ایک ساتھ دروازے کی طرف اٹھ گئیں۔ دروازے کے اندر امیر ماں کی کنیز کھڑی مسکرا رہی تھی۔ شہزادی نے دوڑ کر اسے سینے سے لگا لیا اور اپنے ہاتھ سے انگوٹھی اتار کر اسے پہنا دی۔

ڈگلس دو تین مرتبہ تڑپ کر ٹھنڈا ہو گیا۔
شہزادی کو اس کے مرنے کی خوشی تو ہوئی لیکن وہ یہ سوچ کر پریشان ہو گئی کہ جب دوسرے نقاب پوشوں کو ڈگلس کے مرنے کی خبر ملے گی تو کوئی اور جھگڑا نہ کھڑا ہو جائے۔
عثمان شہزادی کے چہرے کے اتار چڑھاؤ غور سے دیکھ رہا تھا۔ شہزادی نے ڈگلس کی لاش سے نظریں اٹھا کر عثمان کو اس طرح دیکھا۔ جیسے کہہ رہی ہو۔ اب کیا ہو گا؟
عثمان نے مسکراتے ہوئے کہا:
"شہزادی۔ تمہیں اس بدبخت کی موت سے پریشان نہیں ہونا چاہیے۔ کسی کو علم بھی نہ ہو گا کہ ڈگلس پر کب گزری۔ ڈگلس مرنے کے بعد بھی دیکھنے والوں کے سامنے چلتا پھرتا نظر آئے گا"
شہزادی نے تعجب سے پوچھا:
"مگر یہ تو مر چکا ہے عثمان۔ یہ زندہ کیسے ہو گا؟"
عثمان نے کہا:
"دیکھو شہزادی۔ تمہارا ڈگلس ابھی زندہ ہوا جاتا ہے"۔
عثمان نے اپنی کنیز کے ذریعے اپنے نائب رافع کو بلوا لیا۔ رافع نے ڈگلس کی لاش فرش پر پڑی دیکھی تو حیران نظروں سے عثمان اور شہزادی کو دیکھا۔ ایک تو نقاب پوش کی لاش۔ دوسرے شہزادی کی موجودگی۔ دونوں چیزیں اس کے لیے حیران کن تھیں۔
عثمان نے رافع سے کہا:
"رافع۔ یہ لاش شہزادی کے ساتھ آنے والے نقاب پوش سردار ڈگلس کی ہے۔ اس نے ہم پر حملہ کیا لیکن خود اپنی جان گنوا بیٹھا۔ لہٰذا تم اس وقت سے ڈگلس ہو۔ تم اس کا لباس اتار کر خود پہن لو..... اور شہزادی کے یہاں سے رخصت ہونے تک ڈگلس کا کردار ادا کرتے رہو"۔

رافع مسکرانے لگا۔ شہزادی کی پریشانی دور ہو گئی۔ عثمان کی اس تدبیر پہ وہ بھی مسکرانے لگی۔
عثمان نے شہزادی کو تاکید کی:
"شہزادی! تم اپنے ساتھیوں سے کہہ دینا کہ ڈگلس کو امیر نے اپنے پاس روک لیا ہے اور اب وہ قلعہ بارڈ بنیس کر ریاست ایکیوٹین کے رابطہ ناظم کے فرائض انجام دے گا"۔
"تم بہت عقلمند ہو عثمان"۔ شہزادی کے منہ سے بے ساختہ نکل گیا۔
عثمان نے اپنے نائب کو شہزادی کے بارے میں ایک دو باتیں بتائی تھیں۔ رافع کو معلوم تھا کہ عثمان، شہزادی کے حسن سے پہلی ہی ملاقات میں متاثر ہو گیا تھا لیکن شہزادی کی عثمان کے کمرے میں موجودگی اور ڈگلس کی موت ابھی تک اس کے لیے معمہ بنی ہوئی تھی۔
رافع نے فوراً عثمان کے حکم کی تعمیل کی اور ڈگلس کی لاش دوسرے کمرے میں اٹھوا لے گیا۔
شہزادی اور عثمان پھر لگاوٹ اور دل بستگی کی باتیں کرنے لگے۔
شہزادی کے پوچھنے پر عثمان نے بتایا:
"ہمیں ڈیوک آف ایکیوٹین کا دعوت نامہ مل گیا ہے۔ ہم بہت جلد ٹولوس پہنچ کر ڈیوک سے گفتگو کریں گے"۔
"میں تمہارا انتظار کروں گی عثمان"۔ شہزادی نے یہ جملہ کچھ اس قدر رسیلے انداز میں کہا کہ عثمان کا دل چاہا کہ بڑھ کر گلے لگا لے..... لیکن اسی وقت کمرے میں ایک نقاب پوش داخل ہوا۔
عثمان نے نقاب پوش کو دیکھ کر کہا:
"ڈگلس۔ تمہیں نئی زندگی مبارک ہو"۔
عثمان کے نائب رافع اور موجودہ ڈگلس نے بالکل نصرانی طرز سے اپنے سر کو گھٹنوں سے نیچے تک جھکایا۔ شہزادی کو ہنسی آ گئی۔ بولی:
"تمہارا نائب تو بڑا اچھا اور کارآمد معلوم ہوتا ہے"۔
عثمان نے ایک زوردار قہقہہ لگایا۔
شہزادی چہرے پہ نقاب لگا کر چلی گئی۔ اس نے ساتھی نقاب پوشوں کو بتایا کہ ڈگلس کو امیر عثمان نے ریاست ایکیوٹین کے رابطہ ناظم کے طور پر اپنے پاس روک لیا ہے۔
دوسری رات عثمان اور شہزادی ایکیوٹین کی ایک طویل ملاقات ہوئی۔ عثمان نے شہزادی کو بتایا کہ ڈیوک سے ملاقات کے وقت شہزادی کو اپنے ملے مانگے گا۔ شہزادی کو کیا عذر ہو سکتا تھا۔ اس کے اور عثمان کے درمیان

حجاب کے پردے پہلے ہی اٹھ چکے تھے۔ شہزادی نے یقین دلایا کہ اگر عثمان نے اسے مانگا تو ڈیوک ہرگز انکار نہ کر سکے گا۔

تیسرے دن ریاست ایکیوٹین کی شہزادی اور وفد، قلعہ پائرینس سے کامیاب و کامران اپنے مرکز کی طرف روانہ ہو گئے۔ چلتے وقت عثمان نے وفد کے ارکان کو بہت سے تحفے تحائف دیے۔

شہزادی ایکیوٹین کی واپسی کے دو ہفتے بعد عثمان اپنے نائب رافع اور پندرہ سواروں کے ساتھ کوہستان پائرینس کے دروں کو عبور کر کے جنوبی فرانس کی ریاست ایکیوٹین کی حدود میں داخل ہوا۔

شہزادی ایکیوٹین نے اپنے باپ یوڈیس، ڈیوک آف ایکیوٹین کو عثمان کی متوقع آمد کی اطلاع دے دی تھی۔ ڈیوک نے عثمان کے استقبال کی تیاریاں بھی شروع کر دی تھیں۔ اس کا خیال تھا کہ عثمان کی طرف سے اطلاع ملتے ہی وہ اپنے سرداروں کے ساتھ سرحد پر پہنچ کر عثمان کو خوش آمدید کہے گا۔

اس سلسلے میں اس نے سرحد کے محافظوں کو تاکید کی تھی کہ عثمان کا قاصد جس وقت سرحد پر آئے اسے عزت کے ساتھ فی الفور دارالسلطنت ٹولوس پہنچایا جائے۔ لیکن عثمان اپنے ساتھیوں کے ساتھ بغیر کسی پیشگی اطلاع کے ریاست ایکیوٹین میں داخل ہو گیا۔

دراصل شہزادی ایکیوٹین کے ساتھ اس نے جو حسین لمحات گزارے تھے۔ اس نے عثمان کو بے چین کر دیا تھا اور اب وہ جلد از جلد اس ماہ پارہ کو اپنے حرم کی زینت بنا لینا چاہتا تھا۔

سرحد کے محافظوں کو جب معلوم ہوا کہ آنے والوں میں خود امیر عثمان، حاکم جبل البرنات موجود ہے تو انھوں نے آنکھیں فرشِ راہ کر دیں اور انھیں نہایت احترام و عزت کے ساتھ ڈیوک کے پاس لے چلے۔ احتیاط کے طور پر انھوں نے ایک تیز رفتار قاصد کے ذریعے ڈیوک آف ایکیوٹین کو عثمان کے آنے کی اطلاع بھی بھجوا دی۔

سرحد پار کر کے جب عثمان نے آرلیس کے علاقے میں قدم رکھا تو اس کی آنکھیں کھلی کی کھلی رہ گئیں۔ یہ علاقہ سرسبز وادیوں اور گلپوش درختوں سے بھرا ہوا تھا۔ مرغزاروں کو دیکھ کر آنکھوں میں تراوت سی آ جاتی تھی۔ اس علاقے میں صرف گل بوٹے ہی نہ تھے بلکہ یہاں ہر طرف حسن کا دریا بہتا ہوا نظر آتا۔ یہاں کی عورتیں۔ ایک سے ایک حسین۔ ایک سے ایک دلربا۔ دنیا جہان کا حسن جیسے یہاں سمٹ کر آ گیا تھا۔

آرلیس سے آگے پیرے گس کا علاقہ تھا۔ یہ علاقہ بھی اتنا ہی دلکش اور دلفریب تھا۔ اس علاقے میں بڑے

...بید اور کلیسا تھے۔ عورتیں اپنے حسن و جمال کا ثانی نہ رکھتی تھیں۔ شاید اس حسن و دلکشی کی وجہ سے ان علاقوں کو ...مسکن کہا جاتا تھا۔

ایکیوٹین کا سرسبز اور ہرا بھرا علاقہ کوہستان پائرینس اور گیرون کے درمیان واقع تھا۔ اس علاقے میں رومی طرز ...یں اور ساٹھ ساٹھ فٹ بلند محرابیں تھیں۔ رومیوں کے بعد یہاں گوتھ قوم کی عملداری ہوئی۔ پھر شارلین نے اس پر ...جا یا۔ اب یہ حکومت فرانس کی ایک ذیلی خود مختار ریاست تھی۔

ڈیوک آف ایکیوٹین، شہزادی اور ریاست کے بڑے بڑے سرداروں نے ٹولوس سے ایک منزل آگے بڑھ کر ...ان کا استقبال کیا۔ یہ استقبال اس قدر شاندار تھا کہ اس طرح کبھی شہنشاہِ فرانس کا بھی استقبال نہ کیا گیا تھا۔

ڈیوک نے امیر عثمان کو بڑی گرمجوشی سے سینے سے لگایا اور اپنے سرداروں سے اس کا تعارف کرایا۔ شہزادی خوش ...امیر عثمان کو دزدیدہ نظروں سے دیکھ رہی تھی۔

ٹولوس کا شہر قیصرِ روم نے آباد کیا تھا۔ شہر کے گرد ایک بڑی فصیل تھی۔ شہر کے دروازے پر امیر عثمان کا استقبال ...ادی کی سہیلیوں اور شہر کی عورتوں نے کیا۔

حسن و جمال کا ایک ٹھاٹھیں مارتا سمندر امیر عثمان کے گرد اکٹھا ہو گیا لیکن شہزادی کا حسن خود اپنا جواب آپ تھا۔ ...ان پری جمال اور زہرہ جبینوں کے درمیان شہزادی بالکل اس طرح دمک رہی تھی، جیسے ستاروں کے درمیان چاند ...ہے۔

عثمان بھی خوبصورت اور وجیہ مرد تھا۔ ٹولوس کی عورتیں اسے دیکھنے کے لیے ایک دوسرے کے کاندھوں پر ...ی جا رہی تھیں۔

مسلمانوں کی آمد سے ہسپانیہ کے عشرت کدے تو ختم ہو چکے تھے لیکن یورپ اور خصوصاً فرانس میں اسلام کی ...ابھی نہیں پہنچی تھی اور وہاں شراب و شباب کا دور دورہ تھا۔ چنانچہ عثمان کی پُر تکلف دعوت میں شباب کے ساتھ ساتھ شراب ...کا اہتمام کیا گیا۔

ہسپانیہ میں کسی مسلمان کو شراب پینے کی اجازت نہ تھی لیکن جب ٹولوس کی ضیافت میں عثمان اور اس کے ...یوں کو شراب پیش کی گئی تو وہ اس پر ٹوٹ پڑے۔ ایک تو شراب، دوسرے شراب پلانے والی دوشیزائیں ایک سے ...بڑھ کر الواز اور توبہ شکن۔ اس طرح شراب دو آتشہ بن گئی۔

جب ساقی لڑکیاں ساغر بھر کر عثمان کے ساتھیوں کو پیش کرتیں تو وہ شراب کے ساتھ انہیں بھی پینے کے لیے ...مشتاق ہو جاتے۔ اس چھینا جھپٹی میں ساغر ٹوٹتے اور شراب بکھر جاتی۔ دیکھنے والے ایک زوردار قہقہہ لگا کر اس ناشائستگی ...کی حوصلہ افزائی کرتے۔ کوئی کسی کو منع نہ کرتا۔ اس حمام میں سب ایک ہی جیسے تھے۔

عثمان کے لیے ایک زرنگار مسند لگائی گئی تھی اور وہ اس شان سے بیٹھا تھا جیسے وہ محض ایک علاقے کا گورنر کے بجائے تمام ہسپانیہ کا امیر ہے۔ اس وقت اسے اپنے گورنر ہونے پر غصہ آرہا تھا اور پورے ہسپانیہ کا امیر ہونے کی خواہش اسے بے چین کر رہی تھی۔

شہزادی ایکیوٹین اس کے پہلو میں بیٹھی اسے شراب کے جام بھر بھر کر پیش کر رہی تھی۔ عثمان بالکل بھول گیا کہ وہ مسلمان ہے اور شراب اس کے مذہب میں حرام ہے۔ شہزادی کے گرم سانسوں کا نشہ ہی کیا کم تھا کہ شراب نے اسے تقریباً بے خود کر دیا۔ وہ بہکنے لگا۔

جگمگاتی مشعلوں کی چکاچوند، ہر چہرے سے پھوٹتی ہوئی حسن کی کرنیں، شہزادی کی آنکھوں سے چھلکتی ہوئی شراب۔ ان تمام چیزوں نے اس کے اعصاب میں تناؤ پیدا کر دیا۔ بربر قوم کی جبلی وحشت اس پر سوار ہو گئی۔

امیر عثمان نے بھری محفل میں شہزادی کا ہاتھ پکڑ لیا۔

ایکیوٹین کا سپہ سالار نکولس تھا۔ اسے عثمان کی یہ حرکت بہت بری لگی۔ اس نے غصے سے ڈیوک کی طرف دیکھا ڈیوک کا چہرہ سپاٹ تھا۔ اس نے اپنے سپہ سالار سے آنکھیں ملائیں۔ اس کے ساتھ ہی بھرا ہوا جام نکولس کی طرف اچھال دیا۔ یہ اس کا جواب تھا۔

پھر ڈیوک نے اس کی طرف سے پیٹھ گھمالی۔

نکولس کی جواں عمر بہن شامینا بھی اس محفل میں موجود تھی۔ وہ بھاگ کر بھائی کے پاس گئی اور اس کے کانوں میں بولی:

"بھیا..... مصلحت سے کام لو۔ جو بات ڈیوک کو ناگوار نہیں اس کے لیے تم اپنی جان کیوں ہلکان کیے دے رہے ہو؟"

"مجھے مسلمانوں سے سخت نفرت ہے شامینا" نکولس غصہ ضبط کرتے ہوئے بولا۔

شامینا نے کہا:

"ہم سب کو مسلمانوں سے نفرت ہے، ڈیوک کو بھی..... لیکن عثمان کی مدد ہمارے لیے ضروری ہے۔ ایکیوٹین کی کنجی عثمان کے ہاتھ میں ہے..... بھیا تمہیں ضبط سے کام لینا ہوگا اس وقت تک جب تک مسلمانوں کا ہمیشہ کے لیے خاتمہ نہیں ہو جاتا۔ عثمان نے شہزادی کا ہاتھ پکڑا ہے۔ اگر وہ تمہاری بہن کا ہاتھ پکڑے تو بھی تمہارے چہرے پر شکن نہ پڑنی چاہیے۔"

اس وقت عثمان کا نائب رافع اپنی جگہ سے جھومتا ہوا اٹھا اور شامینا کے پاس آ کر اس کا ہاتھ پکڑ لیا۔ نکولس کا سینہ نفرت کی آگ سے دہک اٹھا لیکن شامینا ہنستی ہوئی رافع کے ساتھ چلی گئی۔

رافع، عثمان کے بائیں جانب بیٹھا جام پر جام لنڈھا رہا تھا۔ اس کی نظر شامینا پر اسی وقت سے تھی جب اس نے پہلا اسے صدر دروازے پر استقبال کرنے والی خواتین میں دیکھا تھا۔ شامینا بڑی بے تکلفی سے رافع کے سامنے بار بار اسے ساغر پیش کرنے لگی۔

خربوزے کو دیکھ کر خربوزہ رنگ پکڑتا ہے۔ شہزادی ایکیوٹین اور شامینا کو شریک محفل نازنینوں نے اس رنگ میں دیکھا تو وہ بھی کھل کھیلیں۔

ان کی محفلوں کا تو یہ عام دستور ہی تھا۔ شراب یوں بھی عقل کی دشمن اور حیا کی بیری ہوتی ہے۔ سازکی دھیمی دھیمی لے میں تیزی آگئی۔ پھر اس نے شور کا روپ اختیار کر لیا۔ ساغر سے ساغر ٹکرانے اور چھوٹ رہنے لگے۔ محل کا وسیع ہال ...ہو گیا۔ میزیں الٹ گئیں۔ فرش سمٹ گیا۔ ہنگامہ ناؤ نوش، بہکتے ہاتھ اور لڑکھڑاتے قدم دوسرے کمروں، گیلریوں اور روشوں پر پھیل گئے۔ گریباں کے چاک، دامن کے چاک سے مل گئے۔

ایک طوفانِ بدتمیزی تھا..... ہر لحظہ ایک نیا پردہ اٹھتا اور نیا منظر پیش کرتا تھا۔

ڈھلتی رات تک شیطان قہقہے لگاتا رہا۔

تہذیب و شرافت چلاتی اور شرم و حیا آنسو بہاتی رہی۔

مومی شمعیں جلتی بجھتی اور بھڑکتی رہیں۔

اپنے پرائے کی تمیز مٹ چکی تھی۔ اپنے تو اپنے تھے ہی پرائے بھی اپنے ہو گئے۔

اظہارِ مہمان نوازی میں ٹولوس کے شاہی محل اور امرا کی حرم سراؤں کے دروازے مہمانوں پر کھل گئے۔ ضیافت کے ...اور دن رات خواب گاہوں میں محفلیں جمتیں۔ دورِ شراب چلتا۔ ستر اور بے ستر سراپا جھلکتے اور وہ بے شرمی ہوتی جسے دیکھ کر شرم بھی پانی پانی ہو جاتی۔

ممکن ہے یہ سب کچھ قصداً کیا گیا ہو۔ ممکن ہے ڈیوک نے عثمان کو عشرت کے جال میں پھانسنے کے لیے یہ اہتمام کیا ہو۔

کیا جال میں پھنسنے والے اندھے تھے یا عقل سے کورے؟

تاریخ گواہ ہے کہ جب بھی مسلمان اپنی روایات سے کٹ کر شراب و شباب کے فریب میں گرفتار ہوئے، ...ذلت کا منہ دیکھنا پڑا۔

دو ہفتے بعد عثمان جب ایکویٹین سے رخصت ہوا تو پرستان کی سب سے حسین پری، ڈیوک آف ایکویٹین کی بیٹی شہزادی ایکویٹین، ملکہ جبل البرنات کی حیثیت سے اس کے ساتھ تھی۔

ڈیوک نے شہزادی کو جہیز میں اتنا کچھ دیا تھا جس کا عثمان تصور تک نہ کر سکتا تھا۔ عثمان اگرچہ خالی ہاتھ تھا مگر اس نے شہزادی کو رونمائی میں ایک ایسا تحفہ دیا جو ہسپانیہ کی "تاریخ کا ایک ورق بن گیا۔

عثمان نے ڈیوک کے مرتب کیے ہوئے اس معاہدہ پر دستخط کر دیے جس میں درج تھا کہ اگر امیر ہسپانیہ عبدالرحمٰن غافقی نے کسی وقت فرانس پر حملہ کرنے کی کوشش کی تو عثمان اپنے امیر سے بغاوت کر کے اس کا راستہ روک دے گا۔ . . . جبل البرنات ہی وہ علاقہ تھا جس سے گزر کر ایکویٹین پر حملہ ممکن تھا اور جبل البرنات کا حاکم امیر عثمان تھا۔

شہزادی ایکویٹین نے عثمان سے یہ عہد بھی لے لیا تھا کہ وہ کبھی شہزادی کے مذہبی عقیدے میں دخل نہ دے گا۔ شہزادی بدستور نصرانی مذہب پر قائم رہے گی۔

ڈیوک نے عثمان کے نائب رافع کو ایکویٹین ہی میں بطور یرغمال روک لیا تھا کیونکہ اسے بتایا گیا تھا کہ ایکویٹین کے نقاب پوشوں کے سردار ڈگلس کو عثمان نے قلعہ البرنات میں روک رکھا ہے۔

عثمان نے شہزادی کو حاصل کر لیا۔ . . . ڈیوک آف ایکویٹین سے دوستانہ مراسم اور رشتہ داری بھی ہو گئی لیکن اسے یہ سودا بہت مہنگا پڑا۔

○

عثمان کے دن عید اور راتیں شبِ برات کی طرح گزر رہی تھیں۔ شہزادی کو پا کے وہ دنیا کو بھول گیا۔ قلعہ البرنات میں ہر وقت محفلِ نشاط جمی رہتی۔ شہزادی کے ساتھ آنے والی کنیزوں اور سہیلیوں نے قلعے کی فضاؤں میں عشرت کا رنگ گھول دیا۔ وحشی صفت بربر سرداروں نے ایسا حسن پہلے کبھی نہ دیکھا تھا۔ وہ بھی اپنے حاکم کے رنگ میں رنگے گئے۔

عثمان میں خود سری تو پہلے ہی موجود تھی۔ اسے ڈیوک آف ایکویٹین کی حمایت حاصل ہوئی تو اور مغرور ہو گیا۔ اب اس کے دماغ میں ایک بار پھر پورے ہسپانیہ پر حکومت کرنے کا سودا سمایا۔ اس سلسلے میں اس نے اپنے ساتھیوں کو ہموار کرنا شروع کیا۔ جبل البرنات میں بربر قوم کی اکثریت تھی۔ وہ سب عثمان کے ہم نوا ہو گئے اور بغاوت کے سامان ہونے لگے۔

ہسپانیہ کی مرکزی حکومت موسیٰ بن نصیر کے بیٹے امیر عبدالعزیز کے قتل کے بعد کمزور ہونا شروع ہو گئی تھی

۔۔۔ عزیز کے بعد ایوب بن حبیب اور حرب بن عبدالرحمٰن نے مرکز کو مضبوط کرنے کی کوشش کی۔ دارالسلطنت اشبیلیہ ۔۔۔ قرطبہ منتقل کیا گیا لیکن بات نہ بنی۔

۔۔۔ سمح بن مالک نے کچھ استحکام پیدا کیا بلکہ فتوحات کا سلسلہ از سرِ نو جاری کیا۔ اس نے فرانس میں بھی قدم ۔۔۔ کچھ فتوحات بھی کیں لیکن ناربون اور ٹولوس کے میدان میں شکست کھا کر شہادت حاصل کی۔

۔۔۔ سمح بن مالک کی شہادت کے بعد یکے بعد دیگرے آٹھ امیر ہسپانیہ کی امارت پر مامور ہوئے لیکن یا تو ۔۔۔ نااہلی کی وجہ سے معزول ہو گئے یا محلاتی سازشوں کا شکار ہو کر رہ گئے۔ فتوحات کی طرف توجہ دینا تو الگ رہا، ۔۔۔ مفتوحہ علاقوں پر بھی ان کی گرفت کمزور ہو گئی۔ . . . ۱۱۴ھ میں عبدالرحمٰن بن عبداللہ نے ایک بار پھر ہسپانیہ ۔۔۔ کی حکومت کو سنبھالا دیا۔

عبدالرحمٰن اس سے پہلے سمح بن مالک کے ماتحت فرانس میں اپنی بہادری کے جوہر دکھا چکے تھے۔ وہ اس ۔۔۔ میں زخمی بھی ہوئے تھے۔ امارت سنبھالتے ہی انہوں نے پہلے اندرونی خلفشار پر قابو پایا۔ اس کے بعد فرانس ۔۔۔ بدلہ لینے کا فیصلہ کیا۔

جہاد کا اعلان کیا گیا۔

لوگ جوق در جوق قرطبہ میں جمع ہونے لگے۔ تمام علاقائی والیوں کو خطوط بھیجے گئے کہ وہ اپنے اپنے لشکر کے ۔۔۔ قرطبہ پہنچ جائیں۔

امیر عبدالرحمٰن بن عبداللہ کا قاصد جس وقت قلعہ جبل البرنات میں پہنچا، عثمان اپنے محل میں بیٹھا شہزادی سے ۔۔۔ اٹکھیلیوں میں مصروف تھا۔

شہزادی کا اصرار تھا کہ کچھ دنوں کے لیے شمالی علاقوں کی سیر کو چلا جائے۔ کھلی فضا اور رومانی ماحول اور جگہ جگہ ۔۔۔ دور رہ کر ہنی مون منایا جائے۔

عثمان اپنی نئی نویلی دلہن کا کہا کیسے ٹالتا۔ اس نے ہنی مون کے لیے کیبٹرم لیوریا کا انتخاب کیا۔ سپین کے ۔۔۔ شہر کے نشانات اب مٹ چکے ہیں لیکن یہ اُس وقت ایک پُر فضا مقام تھا۔ سرسبز وادیوں اور بے شمار ۔۔۔ نے اس کے حسن میں چار چاند لگا دیے تھے۔ عثمان نے ایک معتبر سواروں کا دستہ وہاں بھیج دیا تھا کہ ۔۔۔ کے پرانے محل کو شہزادی کے شایانِ شان آراستہ کرے۔

عثمان اسی ہفتے وہاں جانے کا ارادہ کر رہا تھا کہ قرطبہ کا قاصد آن پہنچا۔

قاصد کی آمد سے شہزادی اور عثمان دونوں پریشان ہو گئے۔ قرطبہ میں جہاد کے جو انتظامات ہو رہے تھے عثمان ۔۔۔ کا کوئی علم نہ تھا۔ اس نے تو مرکز سے بڑی حد تک اپنا تعلق ختم کر لیا تھا۔ مرکز میں کوئی مستحکم حکومت نہ تھی،

اس لیے وہاں کے آئے دن بدلتے ہوئے امیر، اس طرف کوئی توجہ نہ دیتے اور عثمان اپنی من مانی کرتا رہا۔

عثمان، شہزادی کے پاس سے جھلایا ہوا اٹھ کر باہر آیا۔ مرکز کے قاصد نے تعظیم بجا لانے کے بعد امیر کا نامہ، عثمان کی طرف بڑھا دیا۔

عثمان نے بڑی لاپروائی سے خط کھول کر پڑھنا شروع کیا۔ خط کی تحریر بہت مختصر تھی۔

بسم اللہ کے بعد لکھا تھا:

عبدالرحمٰن بن عبداللہ غافقی، امیرِ ہسپانیہ کی طرف سے
حاکمِ جبل البرنات عثمان بن ابی نسعتہ (ابی عبیدہ) کے نام!
سیپٹی مینا، ناربون اور ٹولوس کے میدانوں میں کھیت رہنے
والے مسلمانوں کی لاشیں اور روحیں ہم سے اپنے خون کا انتقام
طلب کر رہی ہیں۔ لشکرِ اسلام جہاد کے لیے تیار ہو چکا ہے۔ جب یہ
لشکر جبل البرنات پہنچے تو اپنی فوج بھی اس میں شامل کر دو اور سامانِ
جنگ تیز رسد کی فراہمی کا بندوبست کر دو۔"

یہ مختصر تحریر پڑھ کر عثمان کے ہوش جاتے رہے۔ اس کی امیدوں پر اوس پڑ گئی۔ امیرِ ہسپانیہ بننے کا خواب چکنا چور ہو گیا۔ عثمان کے لیے یہ موقع نہایت نازک تھا۔ اگر صاف انکار کرتا تو اس کی غداری کا راز فاش ہو جاتا اور اگر امیرِ قرطبہ کے کہنے پر عمل کرتا تو ڈیوک آف ایکیوٹین کے ساتھ کیے ہوئے معاہدے کی خلاف ورزی ہوتی اور اس کی خودمختاری کا منصوبہ بھی خاک میں مل جاتا۔ ... پھر شہزادی ایکیوٹین اس کے پہلو میں تھی۔ اسے ناخوش اور ناراض کرنا تو اس کے بس میں تھا ہی نہیں۔

ادھر عثمان خط پڑھ کے سوچ میں پڑا تھا۔ اُدھر قرطبہ کا قاصد اس کے چہرے کے اتار چڑھاؤ بڑے غور سے دیکھ رہا تھا۔ امیرِ قرطبہ کو عثمان کی حرکتوں کی کچھ نہ کچھ خبر ہو گئی تھی۔ اس نے قاصد کو تاکید کر دی تھی کہ وہ عثمان کا جواب لانے کے علاوہ اگر ممکن ہو سکے تو اس کے بارے میں اور معلومات حاصل کرنے کی بھی کوشش کرے۔

عثمان آدمی ذہین تھا۔ اس نے خود کو سنبھالا اور مسکرا کر کہا:

"امیرِ قرطبہ کی خدمت میں میری طرف سے عرض کیا جائے کہ عثمان، جہاد میں دل و جان سے حصہ لے گا اور امیر کے حکم کی پوری تعمیل ہوگی۔"

قاصد نے کہا:

"امیرِ ہسپانیہ نے یہ بھی دریافت فرمایا ہے کہ آپ کتنی فوج لشکرِ اسلام میں شامل کر سکیں گے؟"

اس نے دھیمے لہجے میں کہا:

"فوج ضرور جائے گی جتنی بھی ممکن ہو سکے گی۔ رسد کا بھی انتظام کیا جائے گا۔"

پھر ذرا ٹھہر کے عثمان نے پوچھا:

"امیرِ قرطبہ کب تک روانہ ہوں گے؟"

قرطبہ کا قاصد، عثمان کی باتوں سے مطمئن نہ تھا۔ اسے معلوم تھا کہ لشکرِ اسلام کوچ کرنے ہی والا ہے لیکن اس نے گول مول سا جواب دیا:

"ابھی تو چاروں طرف سے فوجیں اکٹھا ہو رہی ہیں۔ امیر کو آپ کے جواب کا بھی انتظار ہے۔"

عثمان نے دوسرا سوال کیا:

"اب تک قرطبہ میں کتنی فوج جمع ہو چکی ہے؟"

قاصد نے اس کا جواب بھی گول کر دیا۔ بولا:

"محترم والی جبل البرنات۔ میں محض ایک قاصد ہوں۔ میرا کام پیغامات لے جانا اور جواب لانا ہے۔ فوج کی تعداد کا مجھے کوئی اندازہ نہیں۔"

عثمان کو بڑی مایوسی ہوئی۔ وہ لشکرِ اسلام کی تعداد سے ڈیوک آف ایکیوٹین کو باخبر کرنا چاہتا تھا۔ عثمان نے ایک بار پھر کوشش کی۔ پوچھا:

"تمہیں یہ تو علم ہوگا کہ ہسپانیہ کے کتنے علاقوں سے کمک پہنچ چکی ہے۔ ان کی تعداد کا تو تمہیں ضرور اندازہ ہوگا۔"

قاصد نے سر پر ہاتھ رکھ کر آنکھیں بند کیں جیسے وہ اندازہ لگا رہا ہو۔ پھر بولا:

"والیِ محترم۔ چار چھ ہزار فوج تو اب تک قرطبہ پہنچ ہی چکی ہوگی۔"

حالانکہ قاصد کو اچھی طرح علم تھا کہ تقریباً ایک لاکھ مجاہدوں کا لشکر قرطبہ میں پڑاؤ ڈالے ہوئے حکم کا منتظر ہے۔

عثمان کندھے اچکاتے ہوئے بولا:

"اگر قرطبہ میں چالیس ہزار کا لشکر بھی ہو تو اتنی مختصر تعداد کے ساتھ فرانس پر حملہ کرنا میرے خیال میں تو زیادہ مناسب نہیں۔"

عثمان کوشش کرنے کے باوجود اپنے دلی جذبات پوشیدہ نہ رکھ سکا۔

قاصد نے کہا: "والیِ محترم! یہ باتیں آپ لوگوں کے سوچنے کی ہیں۔ مجھے واپس جانے کی اجازت

مرحمت فرمائی جائے۔"

"اتنی بھی کیا جلدی ہے۔" عثمان نے رسمی انداز میں کہا:

"دو چار دن آرام کر کے چلے جانا۔"

حالانکہ وہ قاصد کو فوراً دفع کر دینا چاہتا تھا تاکہ اس مصیبت سے نجات پانے کی کوئی تدبیر کرے۔ قاصد کو خود واپسی کی جلدی تھی۔ اس نے دوبارہ اجازت مانگی۔ عثمان نے اب کوئی جرح نہ کی اور اسے واپس جانے کی اجازت دے دی۔

قاصد نے عثمان کی باتوں اور عثمان کے درباریوں کے چہرے سے ان کے ارادوں کا بہت کچھ اندازہ لگا لیا تھا لیکن جب وہ جبل البرنات سے نکلا تو ایک تیز رفتار سوار اس کے پیچھے بھاگتا ہوا آیا اور قلعے سے کچھ دور پہنچ کر ایک ویران جگہ پہ قاصد کو روکا۔

قاصد کو گمان ہوا کہ شاید اس کا پیچھا کرنے والا کوئی لٹیرا ہے یا پھر عثمان نے اسے قتل کرنے کے لیے بھیجا ہے یہ سوچ کر اس نے میان سے تلوار نکال اور مقابلہ پہ آمادہ ہوا۔

سوار نے قاصد سے کہا:

"اے برادر۔ نہ میں چور لٹیرا ہوں۔ نہ تمہارے پاس کسی بری نیت سے آیا ہوں۔ میں تم سے صرف ایک سوال پوچھتا ہوں۔ اگر تم خدا کو لاشریک اور محمد صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کو اس کا برحق نبی مانتے ہو تو میرے سوال کا جواب دو۔"

قاصد نے فوراً اپنی تلوار میان میں ڈال لی اور اظہار شرمندگی کرتے ہوئے بولا:

"الحمد للہ میں مسلمان ہوں۔ مجھے افسوس ہے کہ میں نے ایک مسلمان پر شبہ کیا۔"

سوار کے چہرے پر سرخی دوڑ گئی۔ اس نے پوچھا:

"اے مسلمان بھائی! پھر یہ بتاؤ کہ اگر تمہارا امیر ہسپانیہ کی اسلامی سلطنت کو ختم کرنے کے لیے نصرانیوں سے مدد مانگے تو تم ایسے امیر کو کیا کہو گے؟"

قاصد اس سوال پر چکرا گیا۔ بولا:

"میرے بھائی! تمہیں کسی نے غلط اطلاع دی ہے۔ میرا امیر عبدالرحمٰن بن عبداللہ ایک سچا اور دین دار آدمی ہے اس نے تو نصرانیوں کے خلاف جہاد کا حکم دے دیا ہے۔ پھر بھلا وہ نصرانیوں سے مدد کا طلب گار کیوں ہوگا؟"

سوار نرمی سے بولا:

"تم سچ کہتے ہو میرے بھائی۔ لیکن فرض کرو اگر ایسا ہو جائے تو تم کیا کرو گے؟"

قاصد بڑے جوش سے بولا: "اگر تم یہ ثابت کر دو کہ میرا امیر عیسائیوں سے ساز باز کر کے اسلامی حکومت کو

تباہ کرنا چاہتا ہے تو خدا کی قسم اس کے خلاف اٹھنے والی پہلی تلوار میری ہوگی۔ یقین کرو کہ اگر میرا بھائی یا بیٹا بھی ہسپانیہ کی حکومت کے خلاف سازش کرنے کی کوشش کرے تو میں اپنے ہاتھ سے اسے قتل کر دوں گا۔"

"جزاک اللہ"۔ سوار کے منہ سے ایک دم نکلا:

"بھائی! مجھے تمہاری بات کا یقین ہے۔ اب میں تمہیں بتاتا ہوں کہ یہ بات میں نے امیر ہسپانیہ عبدالرحمٰن بن عبداللہ کے بارے میں نہیں کہی تھی بلکہ اس کا تعلق والی جبل البرنات عثمان سے ہے۔"

قاصد نے گھبرا کے پوچھا:

"تو کیا عثمان، نصرانیوں سے ساز باز کر رہا ہے؟"

سوار نے ادھر ادھر دیکھ کر کہا:

"برادر۔ یہ باتیں کرنے کے لیے یہ جگہ کسی طرح مناسب نہیں۔ تم میرے ساتھ میرے گھر چلو۔ میں تمہیں تفصیل سے ہر بات بتاؤں گا۔"

قاصد کو تو جبل البرنات بھیجا ہی اسی لیے گیا تھا، وہ فوراً رضامند ہو گیا اور سوار کے ساتھ اس کے گھر کی جانب چل پڑا۔ میزبان سوار کا مکان قلعے کے باہر ایک چھوٹی سی آبادی میں تھا۔ یہ دونوں جلد ہی وہاں پہنچ گئے۔ کھانے کا وقت ہو چکا تھا۔ میزبان نے پہلے قاصد کو کھانا کھلایا۔ پھر گفتگو کا آغاز کیا۔

میزبان نے کہا:

"میں تمہیں اسلامی سلطنت کا وفادار اور بہی خواہ سمجھ کر یہ باتیں بتا رہا ہوں۔ میں جانتا ہوں کہ اگر تم نے قلعہ میں واپس جا کر عثمان سے اس کا ذکر کیا تو وہ تمہیں انعام سے نوازے گا اور میرا سر قلم کرا دے گا لیکن مجھے اس کی ذرا پروا نہیں میں اسلامی سلطنت کی تباہی اور عثمان کی غداری ہرگز برداشت نہیں کر سکتا۔"

قاصد بولا:

"برادر۔ تم نے مجھے مہمان بنایا ہے۔ ایک مسلمان کو یہ زیب نہیں دیتا کہ اپنے میزبان کے خلاف زبان کھولے میں تمہیں یقین دلاتا ہوں کہ جو کچھ تم مجھے بتاؤ گے وہ ایک متبرک راز کی طرح میرے سینے میں دفن رہے گا اور اس راز کو میں تمہاری اجازت کے بغیر کسی سے بیان نہیں کروں گا۔"

میزبان کے چہرے پر افسردگی سی چھا گئی۔ اس نے بڑے کرب کے ساتھ کہا:

"اے قرطبہ کے قاصد سنو۔ عثمان نے امیر قرطبہ سے غداری کی ہے۔ وہ بے دین ہو گیا ہے۔ عثمان میرے ہی قبیلے کا ایک فرد ہے لیکن تمام بربر قبائل اس کے ساتھ نہیں۔ وہ اگر امیر قرطبہ کے خلاف تلوار اٹھاتا تو شاید ہم اس کا ساتھ دیتے لیکن۔۔۔۔ اس نے فرانس کے ڈیوک آف ایکیوٹین سے ساز باز کر لی ہے۔ ڈیوک کی بیٹی سے شادی کر کے

اسے قلعہ میں لے آیا ہے۔ ڈیوک کی بیٹی نے اپنا عیسائی مذہب بھی تبدیل نہیں کیا۔ یہ بھی معلوم ہوا ہے کہ ڈیوک اور عثمان کے درمیان ایک معاہدہ ہوا ہے جس میں ایک دوسرے کی فوجی مدد کرنے کی شرط موجود ہے۔"

قاصد کے لیے یہ باتیں بالکل نئی تھیں۔ اسے یہ تو شک ہوا تھا کہ عثمان مال مٹول کرنا چاہتا ہے لیکن اسے اس بات کا ذرا بھی خیال نہ آیا تھا کہ عثمان نے اسلامی سلطنت سے کھلی غداری کی ہے۔

قاصد نے دیکھا کہ اس کے میزبان کی آنکھیں شدتِ جذبات سے نم ناک ہو گئی ہیں۔ اس نے اسے تسلی دی:

"میرے دوست! اس خبر سے میرے دل کو جو صدمہ پہنچا ہے اسے میں الفاظ میں بیان نہیں کر سکتا۔ اگر تم اجازت دو تو میں قرطبہ پہنچ کر ان تمام باتوں سے امیر عبدالرحمٰن کو باخبر کر دوں تاکہ اس فتنے کا سر کچلنے کا بندوبست کیا جا سکے۔"

میزبان آنسو پونچھتے ہوئے بولا:

"برادر۔ تم اجازت کی بات کرتے ہو۔ میں خود تم سے درخواست کرتا ہوں کہ فوراً قرطبہ پہنچ کر امیر کو تمام حالات سے آگاہ کرو۔ اگر فرانس کا ڈیوک اس کی مدد کو آ گیا تو یہ چنگاری ایک ایسا شعلہ بن کر بھڑکے گی جو۔۔۔۔ جو۔۔۔۔"

قاصد فوراً جانے کے لیے تیار ہو گیا:

"مجھے اجازت دو میرے دوست۔ تم جو چاہتے ہو انشاء اللہ ویسا ہی ہو گا۔ نہ ہم ڈیوک کے قدم ہسپانیہ میں آنے دیں گے اور نہ اس پوشیدہ بغاوت کو پنپنے دیں گے۔"

میزبان نے اسے روکتے ہوئے کہا:

"میرا بیٹا، عثمان کے محافظ دستے میں ہے۔ اگر تم ایک دن اور ٹھہر جاؤ تو کچھ اور باتیں بھی معلوم ہو سکیں گی۔ عثمان، تمہارے آنے کی خبر ڈیوک کو ضرور بھجوائے گا۔"

میزبان کی بات ختم ہوئی ہی تھی کہ اس کا بیٹا گھوڑا بھگاتا ہوا آ پہنچا۔ قرطبہ کے قاصد کو دیکھ کر وہ ذرا پریشان ہوا لیکن باپ نے اسے مطمئن کر دیا:

"بیٹے۔ میں نے انہیں تمام باتیں بتا دی ہیں۔ یہ اپنے دوست اور سلطنت کے وفادار ہیں۔۔۔۔ لیکن تم اس وقت کیسے آ گئے۔ تمہیں تو رات میں آنا تھا۔"

میزبان کے جوان بیٹے نے کہا:

"ابا جان میں ایک نہایت اہم خبر لے کر آیا ہوں مگر۔۔۔۔" نہ جانے کیا سوچ کر نوجوان کہتے کہتے رک گیا۔

"میرے بیٹے تم بے فکر ہو کر کہو۔" باپ مسکرا کر بولا:

"قرطبہ کے قاصد کو ہم نے اسی لیے روکا ہے۔ ہر اہم خبر ہمیں فوراً امیر عبدالرحمٰن کو پہنچانی چاہیے۔"

بیٹے نے مطمئن ہو کر کہا: "عثمان نے ابھی ابھی دو سوار فرانس بھیجے ہیں۔ ان کے پاس ایک تو عثمان کا خط ہے اور

خط شہزادی ایکیوٹین نے اپنے ہاتھ سے لکھ کر دیا ہے۔ آپ فوراً اپنی جماعت کے آدمیوں کو بھیج کر دونوں خط حاصل کرنے کی کوشش کریں۔ آپ نے یہ خطوط حاصل کر لیے تو پھر آپ قرطبہ پہنچ کر عثمان کو غدارِ ملت ثابت کرنے میں کامیاب ہو جائیں گے۔"

باپ نے قاصد سے کہا:

"عثمان بہت چالاک ہے۔ اس نے تمہیں مطمئن کر کے واپس بھیج دیا اور اب ڈیوک کو فرانس پر حملے کی خبر بھجوا رہا ہے لیکن وہ اس میں کامیاب نہ ہو سکے گا۔ ہماری جماعت چھوٹی ہے لیکن ہم اس کے منصوبے کو کامیاب نہ ہونے دیں گے۔ ہمارے چند آدمی سرحد پر لگے ہیں۔ وہ خط ضرور حاصل کر لیں گے۔"

قاصد بے صبری سے بولا:

"برادر۔ اب مجھے اجازت دو۔ میرا قرطبہ پہنچنا بے حد ضروری ہے۔"

میزبان نے اسے اجازت دی:

"اچھا بھائی فی امان اللہ۔ تم امیر سے یہ بھی کہہ دینا کہ جبل البرنات میں ملک و ملت کے شیدائیوں کی ایک جماعت موجود ہے۔ اگر ہمیں مرکز سے مدد دی جائے تو ہم عثمان کا تختہ الٹ سکتے ہیں۔"

قاصد نے باگیں سنبھالیں اور پوری رفتار سے قرطبہ کی طرف گھوڑا دوڑانے لگا۔

○

ہسپانیہ کا امیر عبدالرحمٰن اپنے قاصد کی زبانی جبل البرنات کا حال سن کر سخت پریشان ہوا۔ اسے عثمان کی غداری پر افسوس ہوا اور غصہ بھی آیا۔

ایک لاکھ مجاہدین کا لشکر کوچ تیار کرنے کے لیے بالکل تیار تھا لیکن عثمان کے فتنے کی وجہ سے عبدالرحمٰن کو وقتی طور پر اپنا ارادہ ملتوی کرنا پڑا۔

وہ سخت الجھن میں گرفتار تھا۔ اس کے لشکر میں عربی، مصری، شامی، بربر، ہر ملک کے سپاہی شامل تھے۔ عثمان کی غداری کی خبر وہ عام بھی نہیں کر سکتا تھا۔ کیونکہ پتہ نہیں اس خبر کا لشکر پر کیا اثر پڑتا۔

کہتے ہیں کہ اگر انسان کا ارادہ نیک ہو تو قدرت خود بھی مدد پر آمادہ ہو جاتی ہے۔

قاصد کو قرطبہ سے آئے تین دن گزر چکے تھے۔ فوج کے سردار بے چینی سے روانگی کے حکم کا انتظار کر رہے تھے۔ عبدالرحمٰن اپنے طور پر اب تک کوئی فیصلہ نہ کر پایا تھا کہ قرطبہ میں ایک فرشتۂ رحمت نازل ہوا۔ یہ تھا عثمان کا بھیجا ہوا

ایک سوار..... لیکن اس سوار کے ہاتھ عثمان نے امیرِ ہسپانیہ کو جو خط بھیجا تھا اس نے عبدالرحمٰن کی مشکل آسان کر دی۔

والی جبل البرنات عثمان نے بڑی لفاظی، چالاکی اور مکاری سے اپنے خط میں امیرِ ہسپانیہ کو یہ بات باور کرانے کی کوشش کی تھی کہ اس وقت فرانس پر حملہ کرنا کسی طرح مناسب نہیں۔ اس نے ایک طرف تو فرانس کی زبردست طاقت کا ڈھنڈورا پیٹا تھا۔ دوسری طرف امیر کو اس بات سے خوفزدہ کیا تھا کہ وادی ابیرو کے بربر قبائل اور جبل البرنات کے لوگ فرانس سے جنگ نہیں چاہتے۔ اگر ان پر جنگ مسلط کی گئی تو بغاوت کا امکان ہے۔

عبدالرحمٰن کو فوراً ایک نئی راہ سوجھی۔ اس نے فوراً عثمان کو جواب لکھا:

امیر عبدالرحمٰن کی طرف سے

اپنے مخلص دوست عثمان کے نام!

بسم اللہ کے بعد معلوم ہو کہ تمہارا مشورہ نہایت درست ہے ہمارے تمام سرداروں نے بھی تمہاری رائے سے اتفاق کیا ہے۔ ابھی تک ضرورت کے مطابق لشکر بھی اکٹھا نہیں ہو سکا اس لیے یہ مہم کم از کم چھ ماہ کے لیے ملتوی کی جاتی ہے۔

تمہارا قیام سرحدِ فرانس کے قریب ہے۔ دشمن پر اچھی طرح نظر رکھو اور جب دشمن کو غافل اور کمزور پاؤ، فوراً ہمیں مطلع کرو تاکہ تمہارے مشورے سے فرانس پر حملہ کیا جا سکے۔ ہم تمہارے مخلص اور نیک مشورے کے شکر گزار ہیں۔"

امیر عبدالرحمٰن نے عثمان کے پیامبر کو بلا کر خط دیا اور اسے انعام دے کر رخصت کر دیا۔

اس کام سے فارغ ہو کر اس نے اپنے معتمد سردار ابنِ زیان کو طلب کیا۔ ابنِ زیان ایک جواں عمر سردار تھا اور اس سے پہلے بھی کئی اہم کام سرانجام دے چکا تھا۔

امیر نے کہا:

"ابنِ زیان! ہمیں تم پر اعتماد ہے۔ امید ہے تم ہمارے اعتماد کو ٹھیس نہ پہنچاؤ گے۔"

ابنِ زیان ادب سے بولا:

"امیرِ محترم! میری زندگی آپ کے اعتماد کے ساتھ ہے۔ جب تک زندگی باقی ہے یہ اعتماد بھی برقرار رہے گا۔"

...نے بات مختصر کرتے ہوئے کہا:

...زیان۔ وقت بہت کم ہے۔ تمہیں آج رات کسی وقت جبل البرنات روانہ ہونا ہے۔"

...زیان مجسم سوال بن کر حیرت سے امیر کا منہ دیکھنے لگا۔

...نے کہنا شروع کیا:

...جبل البرنات نے غداری کی ہے۔ اس نے مسلمانوں کے حملے کی خبر فرانس کے ڈیوک آف ایکیوٹین کو پہنچا ...وک کی بیٹی سے اس نے شادی کی ہے۔ وہ نہیں چاہتا کہ فرانس پر حملہ کیا جائے۔ وہ بغاوت پر آمادہ ہے۔"

...زیان کا غصے کے مارے منہ لال ہو گیا۔ اس نے کہا:

...حکم دیجیے امیر۔ مجھے کیا کرنا ہو گا؟"

...عبدالرحمٰن نے اس کے کاندھے پر ہاتھ رکھ کر کہا:

...تم پانچ سو سواروں کا دستہ لے کر ہمارے قاصد کے ساتھ جبل البرنات جاؤ گے۔ یہ قاصد ایک اچھا رہبر بھی ہے ...استے کے بجائے چکر کاٹ کر جاؤ گے تاکہ عثمان کو تمہارے آنے کی خبر نہ ہو سکے۔ عثمان اس وقت قلعہ البرنات میں ...تم بے خبری میں اس پر حملہ کرو گے۔ پھر اس کی گرفتاری یا قتل، جو بھی صورت ہو کر گزرو۔"

...حکم کی تعمیل ہو گی امیرِ محترم۔" ابنِ زیان نے سینہ تان کر کہا۔

...جا سکتے ہو۔" امیر کا حکم ختم ہو گیا۔

...زیان جانے لگا تو امیر کو کچھ اور خیال آیا۔ اس نے روک کر کہا:

...خیال ہے۔ تمہاری روانگی کی خبر کسی کو نہ ہو۔ ہمارا رہبر تمہارے پاس پہنچ جائے گا۔ ہم لشکر لے کر تمہارے ...جبل البرنات پہنچ رہے ہیں۔ عثمان پابہ زنجیر یا اس کا سر ہمیں قلعہ میں ملنا چاہیے۔..... جاؤ خدا تمہیں ...ے۔"

...زیان کی روانگی بڑی خاموشی سے ہوئی۔

...ات کو پانچ سو سواروں کا دستہ قرطبہ سے طرح نکلا جیسے کمان سے سن سے تیر نکلا گیا ہو۔ ایک لاکھ کے ...پانچ سو کی کمی کا کسی کو احساس تک نہ ہوا۔

...زیان راستے سے بچ بچ کر اور کہیں چکر کاٹ کر چلتا رہا۔ جبل البرنات کے قریب وہ پانچ سو سواروں کے ساتھ شام کے وقت پہنچا۔ سورج کی آخری کرنیں قلعہ البرنات پر پڑ رہی تھیں۔ انہیں یہ وقت مناسب نہ معلوم ...رات کا بیشتر حصہ انھوں نے قریب کی پہاڑیوں میں گزارا۔ سواروں کی تھکن بھی دور ہو گئی اور انہیں سوچنے ...کا بھی مل گیا۔

صبح کاذب کے وقت ابنِ زیان کے سواروں نے کریں لیں۔

صبح صادق ہوئی تو سواروں کا دستہ بڑی آہستگی سے قلعے میں داخل ہو گیا۔ قلعے میں خاموشی اور بے رونقی تھی۔ بہت کم لوگ چلتے پھرتے نظر آئے۔ انہیں کسی نے نہ روکا نہ ٹوکا۔

ابنِ زیان کے سواروں نے عثمان کی محل سرا کا محاصرہ کر لیا۔ محل سرا کے دروازے پر صرف ایک پہرے دار تھا۔ ابنِ زیان کو بڑا تعجب ہوا۔ پھر اس کا یہ تعجب افسردگی میں تبدیل ہو گیا۔

پہرے دار نے بتایا کہ عثمان اپنی لونڈی کو لے کر کیسٹرم لیویا جا چکا ہے۔ حرم سرا میں صرف مسلم بیگمات اور ان کی باندیاں ہیں۔ شکار جال سے نکل چکا تھا۔

ابنِ زیان سر پکڑ کر رہ گیا۔

عثمان کے تمام چھوٹے بڑے سرداروں کو گرفتار کر لیا گیا اور اسلحہ خانہ پر پہرہ بٹھا دیا گیا۔ سورج بلند ہوا تو ابنِ زیان کی فتح ہوئی۔

والیوں کو علم ہوا کہ قلعے پر قرطبہ کے فوجیوں نے قبضہ کر لیا ہے۔

ابنِ زیان نے نین سو سوار قلعہ البرنات میں انتظام کے لیے چھوڑے اور باقی سواروں کے ساتھ فوراً کیسٹرم لیویا روانہ ہو گیا۔ شہزادی ایکیوٹین ہاتھ جوڑ کر ابنِ زیان کے سامنے آئی۔ اس نے شوہر کی زندگی کی بھیک مانگی۔ رخ کیا۔ اس کے ساتھ چار مقامی رہبر بھی تھے۔

ابنِ زیان کو بتایا گیا کہ عثمان اس سے ڈر کر نہیں بھاگا بلکہ کیسٹرم لیویا ہنی مون منانے گیا ہے۔ حقیقت بھی یہی تھی۔ ابنِ زیان نے عثمان کا سر کاٹ کر نیزے پر بلند کر دیا۔ عثمان کے ساتھیوں نے ہتھیار پھینک کر اطاعت

عثمان کو جب امیر عبدالرحمٰن کا خط ملا تو اسے یقین ہو گیا کہ امیرِ قرطبہ کو دھوکا دینے میں کامیاب ہو گیا ہے اور اب ابنِ غدار اپنے کیفرِ کردار کو پہنچ گیا۔

کے مشورے کے بغیر فرانس پر حملہ کرنے کی کوشش نہیں کرے گا۔ ہنی مون کا ارادہ وہ چلے ہی کر چکا تھا۔ قرطبہ

سے مطمئن ہونے کے بعد وہ اپنی محبوب بیوی، شہزادی ایکیوٹین کو لے کر کیسٹرم لیویا چلا گیا۔

رہبروں نے ابنِ زیان کی صحیح رہبری کی لیکن ابنِ زیان کو کیسٹرم لیویا میں بھی ناکامی ہوئی۔ عثمان کو ابنِ زیان کے

قلعے پر قبضہ کی خبر ایک سوار کے ذریعے مل گئی۔ جس وقت ابنِ زیان نے قلعے پر قبضہ کیا، یہ سوار فوراً وہاں سے بھاگ

اور عثمان کو آنے والے خطرے سے آگاہ کیا۔

عثمان کے پاس صرف سو سوار تھے۔ اس میں مقابلے کی طاقت بھی نہ تھی۔ وہ شہزادی کو لے کر افراتفری کے عالم

بھاگ نکلا۔ ہنی مون منانے کے بجائے اب اسے اپنی جان بچانے کی فکر تھی۔

ابنِ زیان اس ناکامی پر اور جھلا اٹھا۔ اسے تو عثمان کو زندہ یا مردہ ہر حالت میں پکڑنا تھا۔ اس نے ہمت

ہاری اور عثمان کی تلاش میں پہاڑی دروں میں داخل ہو گیا۔

اب کیفیت یہ تھی کہ عثمان آگے آگے تھا اور ابنِ زیان اس کے پیچھے پیچھے۔ یہ دوڑ چار دن جاری رہی۔ آخر ابنِ

نے عثمان کو ایک وادی میں گھیر لیا۔

ابنِ زیان نے عثمان کو ہتھیار پھینکنے کا حکم دیا۔ عثمان کے ساتھ اس وقت بھی نوّے سوار تھے۔ اس نے انکار کر دیا اور اپنے سواروں کے ساتھ ابنِ زیان پر ٹوٹ پڑا۔

عثمان اچھا شمشیر زن تھا لیکن ابنِ زیان اس سے کسی طرح کم نہ تھا۔ دونوں ایک دوسرے کے سامنے

اور ابنِ زیان کی تلواریں ٹکرائیں تو دونوں طرف کے سواروں نے ہاتھ روک لیے اور بڑی دلچسپی سے

دونوں ایک دوسرے کو زیر کرنے کی دیر تک کوشش کرتے رہے۔ گھوڑے اور گھڑ سوار پسینے پسینے ہو

پڑا تھا اور ابنِ زیان بھی برابر تھا۔ اس طرح لوہے سے لوہا ٹکرایا۔

عثمان کے کئی زخم آئے۔ اس نے بھاگنے کی کوشش کی لیکن ابنِ زیان نے اسے موقع نہ دیا۔ عثمان زخموں کی تاب نہ

شہزادی کو اس زور سے دھکا دیا کہ وہ دور جا گری۔

(12)

عِشرت کدہ

مرمر کے سنگی فرش پہ رقص کا آغاز ہو چکا تھا۔

فرانس کے منچلے نوجوان اپنی اپنی پسند کی دوشیزہ کو ہم رقصی کی دعوت دے رہے تھے۔ جو دوشیزہ
ہوتی، اپنے ہاتھ میں لرزتے بلوری جام کو ہوا میں اچھال دیتی۔ فرنگی تہذیب میں اظہارِ رضامندی کا یہ مہذب طرا
تھا۔ ہر جوان کی کوشش ہوتی کہ ساغر کو فرش پر گرنے سے پہلے اپنی گرفت میں لے لے۔ اگر ساغر پتھر سے ٹ
کر چکنا چور ہو جاتا تو جوان ناکام ہو کر قسمت آزمائی کے لیے کسی اور حسینہ کی طرف بڑھ جاتا۔

پورے ہال میں ساغر ہوا میں اچھل رہے تھے اور ایک چھناکے کے ساتھ ٹوٹ رہے تھے۔ ساغر کے گر
ہی چاق و چوبند خادم لمحوں میں فرش صاف کر دیتے۔ جس خوش قسمت کے ہاتھ میں ساغر آجاتا وہ دوسرا ہاتھ اپنی مطلو
کی طرف بڑھاتا۔ مخمور سراپا اپنی جگہ سے اٹھتا اور پھر دونوں سانسوں کے گرداب میں تھرکنے لگتے۔

اس محفل کی جان اور میزبان شامینا تھی۔ شہزادی ایکیوٹین کی رازدار سہیلی۔ شہزادی ایکیوٹین اپنے شوہر عثمان
کے ساتھ رخصت ہو کر ہسپانیہ جا چکی تھی۔ اب پورے فرانس میں شامینا کے جمالِ جہاں آرا کا طوطی بول رہا تھا۔ شہزادی
ایکیوٹین کو شامینا پر صرف شہزادی ہونے کی فوقیت تھی ورنہ یہ حقیقت تھی کہ پرستانِ ناربون، آرلیس اور پیری گمس
کی حسین ترین پری شامینا ہی تھی۔

ساحلی قلعے بورڈیو کا یہ بڑا ہال اس وقت حسن و شباب کے سمندر میں تبدیل ہو گیا تھا جس میں لہراتے
کھلتے جسم طوفانی لہریں بن کر اٹھتے۔ سازوں کے زیر و بم میں جب پُرکشش اعضا اپنے زاویے تبدیل کرتے تو ہر
طرف گرداب ہی گرداب ابل پڑتے۔ فانوسوں سے پھوٹنے والی قوسِ قزح جیسی روشنی فضا میں کیف انگیزی اور اضطراب

پیدا کر رہی تھی۔ سیمیں اور نقرئی قہقہے یوں بلند ہو رہے تھے جیسے کوئی خواب میں چونک پڑتا ہو۔
مشرق کی اندر سبھا مغرب میں جمی ہوئی تھی۔ رافع اس اندر سبھا کا راجہ اندر تھا۔ شامینا اس کے قریب بیٹھی ہوئی
ہلکے جام بھر بھر کر اسے پلا رہی تھی۔

رافع، ہسپانیہ کے صوبہ جبل البرکات کے گورنر عثمان کا نائب تھا۔ جنوبی فرانس کے ڈیوک، یوڈیس نے عثمان کا
حاصل کرنے کے لیے اپنی بیٹی کی شادی اس سے کر دی تھی لیکن رخصتی کے وقت ڈیوک یوڈیس نے رافع کو اپنے
روک لیا تھا۔

رافع کا بظاہر عہدہ تو ایک رابطہ افسر کا تھا لیکن ڈیوک کو شاید رافع میں عثمان سے زیادہ خوبیاں نظر آتی تھیں۔ وہ اس
سے کسی اہم وقت پر کام لینا چاہتا تھا۔

رات بھیگ رہی تھی۔ اس کے ساتھ محفل کی گہما گہمی میں بھی اضافہ ہو رہا تھا۔ رافع کو شراب پلاتے دیکھ کر آسٹریشیا کے
سالار کو جوش آیا۔ وہ اٹھ کر بدمست ہاتھی کی طرح شامینا کے پاس پہنچا اور رقص کی دعوت کے لیے اس کی طرف اپنا ہاتھ
بڑھایا۔ چالاک شامینا نے اپنا ساغر ہوا میں کچھ اس انداز سے اچھالا کہ سپہ سالار اسے گرفت میں لینے سے قاصر رہا۔ ساغر
کے ساتھ فرش پہ گر کر بکھر گیا۔
دیکھنے والوں نے قہقہہ بلند کیا۔ آسٹریشیا کا سپہ سالار منہ لٹکائے اپنی جگہ واپس چلا گیا۔ شامینا مسکرا کر پھر
سے مخاطب ہو گئی۔

کچھ دیر بعد جنوبی فرانس کی دوسری ریاست نیوسٹریا کا سپہ سالار شامینا کے پاس آیا۔ رافع نے اسے بڑی تیز
نظروں سے دیکھا لیکن شامینا نے ہنستے ہوئے ساغر کو ہوا میں اچھال دیا۔ یہ ساغر بھی فرش پہ گر کر ٹوٹ گیا۔
تیسری ریاست برگنڈی کا سپہ سالار کیسے پیچھے رہتا۔ اسے اپنی مہارت پر ناز تھا۔ فرانس کے تمام سردار اس
بات پر متفق تھے کہ برگنڈی کے سپہ سالار کی گرفت سے کوئی ساغر نہیں نکل سکتا۔ اپنی اس مہارت کی وجہ سے وہ شاہ ر
کی بیگمات کے ساتھ بھی رقص کی سعادت حاصل کر چکا تھا۔

شامینا اسے اپنی طرف آتے دیکھ کر گھبرا گئی۔ وہ نہیں چاہتی تھی کہ رافع کی موجودگی میں کسی اور کے ساتھ رقص کرے۔
رافع کی دل شکنی کسی طرح منظور نہ تھی۔ وہ رافع کو دل سے چاہتی تھی اور ڈیوک آف ایکیوٹین کا حکم بھی تھا کہ وہ رافع
اپنے قابو میں رکھے۔

تمام حاضرین کی نظریں برگنڈی کے سپہ سالار اور شامینا پر لگ گئیں۔
مسکراتی شامینا کے ہاتھ سے ساغر اچھلا۔ ہوا میں بلند ہوا لیکن اوپر پہنچ کر ساغر نے دائیں بائیں کچھ اس طرح
جیسے کوئی غیر مرئی ہاتھ اسے گھما رہا ہو۔ سالار برگنڈی نے بڑی کوشش کی مگر ساغر مچھلی کی طرح اس کے ہاتھوں

ہاتھوں سے پھسل کر فرش سے ٹکرا گیا۔

شامینا نے اطمینان کا سانس لیا۔ رافع کے چہرے پر رونق آ گئی۔ محفل سے گھٹے گھٹے قہقہے اٹھے۔ شاید لوگوں کو سالار برگنڈی پر افسوس ہوا تھا۔ یہ اس کی پہلی ناکامی تھی۔

قلعہ بورڈیو کی یہ ضیافت اور محفلِ رقص و سرود، دراصل ایک سیاسی مصلحت کے تحت منعقد کی گئی تھی۔ ڈیوک آف ایکیوٹین اپنی بیٹی کی شادی، عثمان کے ساتھ کر کے عارضی طور پر مسلمانوں کی طرف سے مطمئن ہو گیا تھا لیکن مسلمانوں سے جنگ کا اسے سابقہ تجربہ تھا۔ وہ جانتا تھا کہ مسلمانوں کی سیلابی فوجوں نے اگر فرانس کا رخ کیا تو انہیں نہ تو عثمان روک سکے گا اور نہ وہ خود تنہا مقابلہ کر سکے گا۔ فرانس کی مرکزی حکومت اور جنوب کی دوسری ریاستوں سے بھی اس کے تعلقات کشیدہ تھے۔ پس اس نے بہتری اسی میں دیکھی کہ مرکز اور دوسری ریاستوں کا تعاون حاصل کر لے تاکہ مسلمانوں کے حملے کی صورت میں ایک متحدہ محاذ قائم کیا جا سکے۔

ڈیوک آف ایکیوٹین کو معلوم تھا کہ اگر اس نے ٹورس (بعض نے ٹولوس لکھا ہے) میں والیانِ ریاست اور مرکز کے نمائندوں کو مشورے کے لیے دعوت دی تو کوئی بھی اس کی بات پر کان نہ دھرے گا۔ اس لیے اس نے یہ ذمہ داری فرانس کی حسین و جمیل دوشیزہ شامینا کے سپرد کی۔

شامینا شہرۂ آفاق حسینہ تھی۔ چنانچہ جب اس نے آسٹریشیا، نیوسٹریا، برگنڈی اور مرکز کے اعلیٰ نمائندوں کو ایک غیر سیاسی دعوت میں ٹورس کے قلعہ بورڈیو میں آنے کا پیغام بھیجا تو عشرت کے شیدائی شامینا کی دعوت رد نہ کر سکے۔ ریاستوں کے ڈیوک (فیوڈل لارڈ) تو اس میں شریک نہ ہوئے لیکن انھوں نے اپنے سپہ سالاروں کو بورڈیو جانے کی اجازت دے دی۔

فرانس کی مرکزی حکومت پر شہنشاہ تھیری چہارم برائے نام حکمران تھا۔ تمام علاقائی ڈیوک آزاد حکمران بن بیٹھے تھے اور صرف علامتی طور پر اسے شہنشاہ تسلیم کرتے تھے۔ شہنشاہ کی کوئی اہمیت نہ تھی لیکن اس کا وزیرِ اعظم اور سپہ سالار چارلس مارٹل بڑی اہمیت کا مالک تھا۔ کہتے ہیں کہ یہ ڈیوک ببے پن ڈی ہرسٹال کی ناجائز اولاد تھا اور اس کی عیاش ماں اسپانڈڈ (SPAIDE) طوائف زادیوں سے بھی بدتر تھی۔ . . . . لیکن طبیعت کے چھچھورے پن اور جبلی بدکاریوں کے باوجود یہ شخص بڑا بہادر تھا۔ فرانس پر جرمنی کی طرف سے جتنے حملے ہوئے۔ اس نے ان کا منہ توڑ جواب دیا تھا۔

شہنشاہ تھیری چہارم نے چارلس مارٹل کو اپنے نمائندے کے طور پر بورڈیو کی دعوت میں شریک ہونے کی درخواست کی لیکن چارلس مارٹل نے صاف انکار کر دیا۔ ناجائز اولاد ہونے کی وجہ سے اس کا سر اپنے ہم جلیسوں میں نہ اٹھتا اور وہ امرا کی محفلوں میں شرکت سے ہمیشہ گریز کرتا۔

شامینا کی کوشش سے یہ محفل منعقد ہوئی تھی۔ وہ کسی کا دل بھی نہ توڑنا چاہتی تھی۔ اس کی کوشش سے تین مخالف

ستوں کے سپہ سالار ایک چھت کے نیچے اکٹھا ہوئے تھے ورنہ یہ ریاستیں تو ایک دوسرے کی جانی دشمن تھیں۔

شامینا نے آہستہ سے رافع سے کہا:

"پیارے رافع۔ ذرا دیر کی اجازت دو میں مہمانوں کی خاطر مدارات کر آؤں۔"

رافع نے برا سا منہ بنا کر شامینا کو دیکھا۔ شامینا سمجھ گئی کہ رافع کو اس کا جانا گوارا نہیں۔ بولی:

"رافع میں تمہاری ہوں۔ صرف تمہاری۔ ان کم بختوں کی مدد مجھے حاصل کرنا ہے۔ ذرا سی دلداری کرنے میں کیا ہرج ہے۔ یہ سب مجھے دیکھنے یہاں آ گئے ہیں۔"

رافع کی سمجھ میں اس کی بات آ گئی۔ اس نے آنکھ کے اشارے سے اجازت دے دی۔

شامینا، رافع کے پاس سے اٹھ کر آسٹریشیا کے سالار کے پاس گئی۔ جھک کر اس کے کان میں کچھ کہا۔ سپہ سالار نے خوش ہو کر اپنا سر ہلا دیا۔

شامینا نے ایک جام بھرا۔ پھر اپنا پُر کشش سراپا سپہ سالار کے اوپر اس حد تک جھکایا جیسے اب وہ اس پر گر جائے گی۔ سپہ سالار نے گھبرا کر شامینا کو سنبھالنے کے لیے اپنے دونوں ہاتھ اس کی طرف بڑھا دیے۔ ٹھیک اسی وقت شامینا رقص کے انداز میں تیزی سے چکر کھا کر اس طرح سیدھی ہو گئی کہ سپہ سالار چکرا کر رہ گیا۔ . . . اور اس کے شامینا کی طرف بڑھے ہوئے ہاتھ بڑھے کے بڑھے رہ گئے۔

حاضرینِ محفل نے شامینا کے اس اندازِ دلبری کی دل کھول کر داد دی اور سارا ہال تحسین کے نعروں اور تالیوں سے گونج اٹھا۔

پھر نیوسٹریا کے سالار کے پاس جا کر شامینا نے جام بھرا اور سپہ سالار کے سر سے دو فٹ اونچا ہاتھ کر کے بھرا ہوا جام چھوڑ دیا۔ نیوسٹریا کے سردار نے اپنا سر بچانے کے لیے گردن دوسری طرف کر لی لیکن شامینا نے کمالِ مہارت سے گرتے ہوئے جام کو بیچ ہی میں اچک لیا اور جام سے ایک قطرہ شراب بھی باہر نہ گر سکی۔ شامینا کے اس کمال پر بھی لوگوں نے خوب داد دی۔

شامینا سے شکست کھانے والا تیسرا مہمان برگنڈی کا سپہ سالار تھا۔ شامینا، شراب سے بھرا ہوا گلاس لے کر ہنستی ہوئی اس کے پاس گئی۔ اس نے گلاس کو بالکل اسی طرح ہوا میں اچھالا جس طرح نیوسٹریا کے سپہ سالار کے لیے اچھالا تھا۔ گلاس ہوا میں جا کر دائیں بائیں ہچکولے کھاتے لیکن فرش پر گرنے سے پہلے شامینا نے اسے اپنی بیچ ہتھیلی پر اس طرح روک لیا جیسے وہ شیشے کا گلاس نہیں، کوئی پھول ہے۔

شامینا کے اس کمال پر پوری محفل حیران رہ گئی۔ لوگوں نے خوب تالیاں پیٹیں اور تعریف کے ڈونگرے برسائے۔ شامینا نے اپنے دلچسپ کمالات کا اظہار کر کے تینوں مخالف سرداروں کے دل جیت لیے۔ ان کے دل میں شامینا

کی طرف سے اگر کچھ شرمندگی یا نفرت پیدا ہوئی تھی تو وہ خود بخود دور ہوگئی۔

شامینا واپس آ کر پھر رافع کے پاس بیٹھ گئی۔

شراب کی تیزی اپنا رنگ دکھلانے لگی۔ اس کا نشہ ہزار برائیوں کو جنم دیتا ہے۔ اسی لیے اسے ام الخبائث کہا گیا ہے۔

لوگوں کے قدم بہکنے لگے۔ ہاتھ پیروں کی لرزش بڑھ گئی۔ شرم کے پردے تو موجود ہی نہ تھے۔ اگر نگی خواتین کی آنکھوں میں کچھ حجاب باقی تھا تو وہ رنگِ محفل کی نذر ہوگیا۔ چھینا جھپٹی اور پکڑ دھکڑ شروع ہوگئی۔

رافع کو پھر خطرہ پیدا ہوا کہ اس کی محبوبہ کو کہیں کوئی اڑا نہ لے جائے۔ اس نے آہستہ سے شامینا کا ہاتھ پکڑا اور ہال کے برابر ایک کمرے میں چلا گیا۔

"شامینا مجھے یہ باتیں پسند نہیں"۔ رافع نے بیٹھتے ہوئے کہا۔

شامینا کی آنکھوں کے ڈورے بھی شراب کی مستی سے سرخ ہو چکے تھے۔ اس نے مخمور نظروں سے رافع کو دیکھا پھر اس پر جھکتے ہوئے بولی:

"کیا غلطی ہوئی مجھ سے مسلم نوجوان؟"

رافع جھپکی لیتے ہوئے بولا:

"تم سے تو غلطی نہیں ہوئی لیکن یہ کیا طریقہ ہے۔ جس نے جس کا چاہا، ہاتھ پکڑ لیا۔ ہماری تہذیب اس کی اجازت نہیں دیتی"۔

شامینا نے ایک ہلکا سا قہقہہ لگایا۔ دوسرا جام رافع کی طرف بڑھاتے ہوئے بولی:

"رافع، تمہاری تہذیب تو شراب کی بھی اجازت نہیں دیتی"۔

رافع کا ساغر کی طرف بڑھتا ہوا ہاتھ ایک لمحے کے لیے کانپا۔ اس کی روح کے تمام تار جیسے ایک ساتھ بج اٹھے لیکن روح سے اٹھنے والی آواز شامینا کے شیطانی قہقہوں میں ڈوب گئی۔ اس نے تھرتھراتے ہاتھ سے جام لیا اور ایک ہی سانس میں حلق سے اتار لیا۔

"یہ بزمِ نشاط ہے رافع"۔

شامینا کہہ رہی تھی:

"یہاں کوئی کسی کی ملکیت نہیں۔ زندگی، عشرت کا نام ہے۔ میں نے تو پورا عشرت کدہ تمہارے حوالے کر دیا ہے۔ آسٹریشیا، نیوسٹریا اور سپٹی مینا کی کون سی حسینہ ہے جو اس محفل میں نہیں۔ یہ پرستان ہے رافع، پرستان۔ تم اس کے راجہ ہو راجہ"۔

رافع تو صرف شامینا کے حسن کا اسیر تھا۔ نشے میں مدہوش ہونے کے باوجود بولا:

"شامینا۔ میں صرف تمہیں چاہتا ہوں اور صرف تمہیں اپنانا چاہتا ہوں"۔

"میں بھی تمہیں پسند کرتی ہوں رافع"۔ شامینا شراب پینے کی عادی تھی، ہوشمندوں کی طرح بولی:

"لیکن ابھی میں سب کی ملکیت ہوں۔ یہ بڑے بڑے سردار صرف میرے نام پر یہاں جمع ہوتے ہیں۔ میں ان کی ہر خوشی اور آرزو پوری کرنے پر مجبور ہوں لیکن یہ صرف تم ہو جس کی وجہ سے میں نے ان سے پرہیز کیا۔ ان سے دور رہی ورنہ یہ تو وہ سردار ہیں کہ اگر شہزادی ایکیوٹین بھی یہاں ہوتی تو ان کے ساتھ رقص کرنے میں فخر کرتی"۔

"میں تمہارا شکر گزار ہوں شامینا"۔ رافع نے اس کی زلفوں کو درست کرتے ہوئے کہا:

"اسی لیے میں چاہتا ہوں کہ تم صرف اور صرف میری ہو جاؤ۔ عثمان نے شہزادی ایکیوٹین سے شادی کی ہے۔ میں تم سے شادی کرنا چاہتا ہوں"۔

شامینا سنجیدہ ہوگئی۔ بولی:

"رافع، تم میں اور عثمان میں بڑا فرق ہے۔ عثمان، ہسپانیہ کے ایک علاقہ کا خود مختار حاکم ہے۔ شہزادی اس کی ملکہ بن گئی ہے"۔

رافع کے ہاتھوں کے طوطے ہی نہیں اڑے بلکہ ہاتھ سے ساغر بھی چھوٹ گیا۔ گھبرا کے بولا:

"تو کیا تم مجھ سے شادی نہ کرو گی؟"

شامینا نے اس کا سوال نظر انداز کرتے ہوئے کہا:

"تم کہہ سکتے ہو کہ میرا مرتبہ شہزادی ایکیوٹین کے برابر نہیں بلکہ ڈیوک کے سالار کی بہن ہوں لیکن شاید تمہیں اندازہ نہیں کہ اس وقت پورے فرانس میں مجھ سے زیادہ خوبصورت کوئی دوشیزہ نہیں۔ اس بات کا اعتراف خود شہزادی ایکیوٹین بھی کر چکی ہے"۔

رافع افسردگی سے بولا:

"تو پھر میں تمہاری طرف سے مایوس ہو جاؤں شامینا"۔

رافع کی آواز میں بڑا درد تھا۔ شامینا کی باتوں سے اس کے دل کے ٹکڑے ہوگئے تھے۔ شامینا کو پا کے وہ اپنا وطن اپنا خاندان اور خود اپنے کو بھی بھول گیا تھا۔ اس نے فیصلہ کر لیا تھا کہ وہ شامینا کے ساتھ شادی کر کے فرانس ہی میں رہ جائے گا۔ لیکن اس کے خواب کے تانے بانے بکھر گئے۔

شامینا نے اسی سنجیدگی سے جواب دیا:

"رافع۔ تمہارے دوست اور امیر عثمان کے سر پہ تاج ہے۔ شہزادی ایکیوٹین کے سر پہ بھی تاج رکھا جائے گا۔ میری

بھی یہی خواہش ہے۔ میں بھی کسی تاجدار کی ملکہ بننا چاہتی ہوں"۔

رافع کی رہی سہی امید کا بھی خاتمہ ہو گیا۔ مردہ آواز میں بولا:

"شامینا۔ اگر تمہیں کسی حکمران اور تاجدار کی خواہش تھی تو پھر تم نے مجھ غریب پر اتنی نوازش کیوں کی۔ مجھے اتنا قریب کیوں آنے دیا کہ میں تمہیں اپنا سمجھ بیٹھا"۔

"میں بھی تمہیں اپنا ہی سمجھتی ہوں رافع"۔ شامینا نے اسے تسلی دی۔

رافع کے مردہ دل میں امید کی کرنیں پھوٹ پڑیں۔ کانوں میں شہنائیاں سی بجنے لگیں۔ اس نے خوش ہوتے ہوئے پوچھا:

"کیا سچ۔ تم سچ مچ مجھے اپنا سمجھتی ہو۔ میں تمہیں حاصل کر سکوں گا؟"

"کوشش سے ہر چیز حاصل ہو سکتی ہے رافع"۔

شامینا نے پینترا بدلا:

"میں اپنے اختیار میں نہیں ہوں رافع۔ میری شادی لوڈیس، ڈیوک آف ایکیوٹین کریں گے۔ وہ میری بڑی سے بڑی قیمت وصول کرنا چاہتے ہیں۔ یہ دعوت اسی سلسلے میں دی گئی ہے"۔

رافع کی امید کا چراغ پھر جھلملانے لگا۔ دل گرفتگی سے بولا:

"میں تو بالکل خالی ہاتھ ہوں شامینا۔ میں کس طرح قیمت ادا کروں گا"۔

شامینا اسے امید و بیم کے چکر میں الجھاتے ہوئے بولی:

"ہیرا جب تک پتھر میں چھپا رہے ہیرا نہیں کہلاتا۔ تم میں بھی بہت سی خوبیاں پوشیدہ ہیں رافع۔ فیصلہ تو ڈیوک کو کرنا ہے لیکن میں تمہیں ڈیوک کے سامنے اتنا سر بلند کر کے پیش کرنا چاہتی ہوں کہ وہ انکار ہی نہ کر سکیں"۔

شامینا نے اسے الجھایا اور وہ الجھ کر رہ گیا۔

رافع کچھ سوچتے ہوئے بولا:

"شامینا۔ کمزور ہوتے ہوئے بھی مجھ میں ایک خوبی یا طاقت ہے۔ اس کا میں اظہار بھی کر سکتا ہوں لیکن شاید تم اسے پسند نہ کرو"۔

"کتنی طاقت ہے تم میں؟" شامینا نے دلچسپی سے پوچھا۔

رافع سنبھل کر بیٹھ گیا اور بولا:

"میں عثمان کی حکومت کا تختہ الٹ سکتا ہوں"۔

شامینا نے اسے تعجب سے دیکھا۔ پوچھا: "وہ کس طرح؟ تم تو اس کے ماتحت ہو۔ ساری فوجی طاقت تو عثمان

کے پاس ہے۔

رافع نے وضاحت کی:

"عثمان کو صرف بربر فوجیوں کا گھمنڈ ہے لیکن تمام بربر قبیلے میرا دم بھرتے ہیں۔ میں جس طرف چاہوں انہیں گھما دوں۔۔۔۔ فرانس اور ہسپانیہ کی جنوب مشرقی سرحد پر بربر قبیلوں کی بہت بڑی تعداد آباد ہے۔ وادیٔ ایبرو پر بربر قبیلے کے لوگ قابض ہیں۔ میں ایک لمحے میں عثمان کو نکال باہر کر سکتا ہوں۔ عثمان کو میری ضرورت تھی۔ اس نے اسی لیے مجھے اپنا نائب بنایا ہے"۔

شامینا کے لیے یہ بالکل نئی اطلاع تھی۔ اسے رافع سے کس حد تک دلچسپی، انس یا محبت تھی اس کا حال تو اس کا دل ہی جانتا تھا لیکن اس خبر سے رافع میں اس کی دلچسپی کچھ اور بڑھ گئی۔

شامینا نے بالکل سرسری طور پر پوچھا:

"اس کا مطلب ہے کہ تم عثمان کو جبل البرکات سے بے دخل کر کے خود وہاں کے حاکم بن سکتے ہو"۔

شامینا کا سوال بڑی اہمیت رکھتا تھا لیکن اس نے انداز ایسا اختیار کیا جیسے یہ کوئی خاص بات نہ ہو۔ رافع کو اپنی اہمیت جتانے کا موقع مل گیا۔ اکڑ کر بولا:

"شامینا۔ اگر تم شہزادی ایکیوٹین کو بیوہ دیکھنا پسند کرو تو یہ اب بھی ہو سکتا ہے۔ وادیٔ ایبرو کے بربر قبائل، جبل البرکات کی امارت مجھے دینا چاہتے تھے لیکن میں نے خود ہی عثمان کو وہاں کا والی مقرر کرنے کی حمایت کی تھی"۔

شامینا کو جو معلوم کرنا تھا، وہ اس نے کر لیا۔ بات ٹالتے ہوئے بولی:

"خیر اس سلسلے میں پھر کبھی اور بات ہو گی۔ میں نے تمہیں اپنے لیے پسند کیا ہے رافع۔ میں تمہارا ساتھ دوں گی۔ ڈیوک تمہیں جس امتحان میں ڈالیں گے میں تمہارا ساتھ دوں گی لیکن تمہیں تھوڑا صبر کرنا ہو گا۔ یہ سمجھو کہ جو کچھ ہو رہا ہے اسی میں ہم سب کا بھلا ہے۔ اگر مسلمان فرانس پر قابض ہو گئے تو نہ ہم رہیں گے اور نہ کوئی تمہیں پوچھے گا۔ ہماری قسمت فرانس سے وابستہ ہے۔ ہمیں فرانس کو ہر قیمت پر بچانا ہے"۔

شامینا کی گفتگو نے رافع پر واضح کر دیا کہ شامینا کا حصول اس کے لیے اس وقت تک ممکن نہیں جب تک وہ خود اپنے طور پر عیسائیوں کے لیے کوئی کارنامہ انجام نہیں دیتا۔

قلعہ بورڈیو کی ضیافت کے ہنگامے تین روز جاری رہے۔

رافع نے ان محفلوں میں شرکت سے خود ہی گریز کرنا شروع کر دیا۔ وہ جان گیا کہ شامینا نے پہلی شب تو اس کی وجہ سے عثمان کی سپہ سالاری کے بے اعتنائی برتی تھی لیکن شاید اب وہ میزبانوں کی خاطر مدارت سے پہلو تہی نہ کر سکے گی۔

اور ہوا بھی یہی!

شامینا نے بہت کچھ کھونے کے بعد بھی کچھ نہ کھویا۔ وہ ایسی محفلوں اور ان کے ظاہر و باطن، رسوم و اطوار سے بخوبی واقف تھی اور تہذیبی طور پر یہ باتیں فطری اور ضروری خیال کرتی تھی۔ ..... ہاں، اس نے حاصل بہت کچھ کیا۔ چند لمحوں کی ہم نشینی کے صلے میں ہرسپہ سالار نے وعدہ کیا کہ وہ اپنی ریاستوں کے حکمرانوں کو مجبور کریں گے کہ وہ اپنے اختلافات بھلا کر وقتِ ضرورت ڈیوک آف ایکیوٹین کی مدد کریں۔

شامینا کا مقصد یہی تھا۔ ڈیوک آف ایکیوٹین نے اسے اسی مقصد کے لیے بورڈیو بھیجا تھا۔ اس سودے بازی میں ڈیوک کو نفع ہی نفع حاصل ہوا۔ اس کے پاس سے کچھ نہ گیا۔

○

ڈیوک آف ایکیوٹین نے ٹورس کے محل میں شامینا کا پُرتپاک استقبال کیا۔ وہ شامینا سے مل کے اس قدر خوش ہوا کہ اپنی بیٹی کی جدائی کا غم بھی بھول گیا۔ اس نے شامینا کو اپنی بیٹی ہی کی طرح گلے لگایا۔

جس وقت ڈیوک شامینا کو گلے لگا رہا تھا تو دل اندر سے جیسے کہہ رہا تھا کہ جو کام شامینا نے کیا، وہ کام شاید اس کی بیٹی بھی نہ کر سکتی۔

رافع، شامینا کے ساتھ ساتھ تھا۔ ڈیوک نے اس پر کوئی خاص توجہ نہ دی۔ اس نے شامینا کا ہاتھ پکڑا اور اسے اندر کی طرف لے گیا۔

شامینا کو فوراً رافع کا خیال آیا۔ اس نے قدم روک کر رافع کو دیکھا۔ رافع اس کے پیچھے اندر آنے کے لیے قدم تول رہا تھا۔

شامینا نے مسکرا کے کہا:

"رافع۔ تم سفر کی تکان میں مبتلا ہو۔ ذرا آرام کر لو۔ میں ڈیوک کی گفتگو کے بعد تمہارے پاس آجاؤں گی۔"

رافع جہاں تھا وہیں رک گیا۔

ڈیوک نے آگے بڑھتے ہوئے آہستہ سے کہا:

"شامینا۔ ہم نے تمہیں رافع کی تواضع کا حکم دیا تھا لیکن اس کا یہ مطلب نہیں کہ تم اسے سر پہ چڑھا لو۔ رافع محض ہمارا ایک مہرہ ہے۔ کھوٹا سکہ۔ شاید کبھی کام آجائے ورنہ تمہارے بھائی ڈگلس کا انتقام اس کے خون سے لیا جائے گا۔"

ڈگلس کے نام پر شامینا آبدیدہ ہو گئی۔

ڈگلس کو جبل البرکات کے والی عثمان نے اپنے یہاں روک لیا تھا لیکن عام خیال تھا کہ اسے قتل کر دیا گیا ہے۔

شامینا نے بھرائی ہوئی آواز میں جواب دیا:

"محترم ڈیوک۔ میرا بھائی ملک کے مفاد پر قربان ہو گیا ہے تو میں اسے شہید کہوں گی۔ ہاں اگر رافع نے اسے قتل کیا ہے تو میں اس کا خوفناک انتقام لوں گی لیکن رافع جو کچھ ظاہر میں نظر آرہا ہے، وہ نہیں ہے۔ یہ کھوٹا سکہ بھی نہیں ہے کہ اسے نظر انداز کر دیا جائے۔"

"اچھا۔ تمہیں اس کے بارے میں کوئی خاص بات معلوم ہوئی ہے۔" ڈیوک نے تعجب سے پوچھا۔ راہداری سے گزر کر دونوں ڈیوک کے کمرے میں پہنچ گئے۔

ڈیوک کے دل میں اک خلش سی پیدا ہو گئی۔ اس نے پھر سوال کیا:

"تم رافع کے بارے میں کچھ کہہ رہی تھیں۔"

شامینا، ڈیوک کے سامنے بیٹھتے ہوئے بولی:

"جی ہاں ڈیوک۔ ہسپانیہ کی وادی ایبرو سے تو آپ واقف ہوں گے۔"

ڈیوک سوچتے ہوئے بولا:

"مجھے صرف اتنا بتایا گیا ہے کہ وادی ایبرو میں وہ لوگ آباد ہیں جو مسلم حملہ آور طارق بن زیاد کے ساتھ افریقہ سے آئے تھے۔"

شامینا نے ڈیوک کی بات کی تصدیق کی:

"جی محترم ڈیوک۔ یہ لوگ افریقہ کی بربر قوم سے تعلق رکھتے ہیں۔ طارق کی اصل طاقت یہی بربر لوگ تھے۔ اور آج بھی اس قوم کے انصاروں پر ہسپانیہ کی مسلم حکومتیں الٹتی رہتی ہیں۔ رافع اسی قوم کا فرد ہے۔"

"لیکن ....." ڈیوک ذرا ٹھہر کے بولا:

"ہماری سرحد کے اس پار تو دارالبرکات کی حکومت ہے اس کا حاکم عثمان ہے۔ معاہدے کے ذریعے وہ ہمارا حلیف بن چکا ہے۔"

"محترم ڈیوک"..... شامینا نے اپنی بات کی وضاحت کی۔

"ریاست دارالبرکات کی حدود میں بربر قوم کی اکثریت ہے۔ رافع اس قوم کا سردار ہے۔ اس نے مجھے بتایا ہے کہ اس کی قوم اُسے حاکم بنانا چاہتی تھی لیکن اس نے خود یہ اعزاز اس نے خود عثمان کو پیش کر دیا۔"

حاکم دارالبرکات اب ڈیوک کا داماد بن چکا تھا۔ ڈیوک اب تک رافع کو ایک مہرہ سمجھ رہا تھا لیکن اب اسے رافع کی طرف سے ایک مبہم سا خطرہ پیدا ہو گیا۔ اس نے پوچھا:

"شاید تم یہ کہنا چاہتی ہو کہ رافع، عثمان سے زیادہ طاقتور ہے۔"

شامینا بڑی عیار تھی۔ وہ سمجھ گئی کہ ڈیوک، رافع کو عثمان سے افضل سمجھنے پر کسی طرح راضی نہ ہوگا۔ اس نے فوراً اس خطرے کی کاٹ کی، بولی:

"میرا مقصد یہ ہرگز نہیں۔ رافع، عثمان کا نائب اور انتہائی وفادار دوست ہے۔ میں تو یہ کہنا چاہتی ہوں کہ اگر آپ رافع کو اپنی مہربانیوں سے نوازتے رہے تو ہسپانیہ کی بربر قوم ہمیشہ آپ کے قدموں تلے رہے گی"۔

شامینا نے بڑی عیاری اور مکاری سے ڈیوک کے شکوک رفع کر دیے۔

ڈیوک خوش ہو گیا۔ اس نے کہا:

"شامینا۔ تم تو ہمارے تصور سے بھی زیادہ عقلمند نکلیں۔ لورڈیو کی ضیافت کے لیے ہم نے تمہارا انتخاب کر کے کوئی غلطی نہیں کی"۔

"اور رافع کو اپنی گرفت میں رکھ کے بھی ڈیوک نے کمالِ دانائی کا ثبوت دیا ہے"۔ شامینا نے ڈیوک کو اور زیادہ بانس پر چڑھا دیا۔

"خیر چھوڑو اس مسئلے کو"۔ ڈیوک نے بات کا رخ بدلا:

"تمہارے قاصدوں کے ذریعے ہمیں تمہاری کامیابی کی خبریں ملتی رہیں لیکن اب جبکہ ہمارے دشمن اپنے ٹھکانوں پر پہنچ چکے ہیں، تم کیا محسوس کرتی ہو۔ کیا مسلمانوں کے متوقع حملے سے فرانس کی دوسری ریاستیں بھی اسی طرح فکر مند ہیں یا وہ سوچ رہی ہیں کہ یہ صرف ڈیوک آف ایکیوٹین کا مسئلہ ہے"۔

"ڈیوک محترم کا شبہ اور اندازہ درست ہے"۔ شامینا سنجیدگی سے بولی:

"پہلی ملاقات میں تو ہر سپہ سالار اسے محض ایک ضیافت ہی سمجھ رہا تھا لیکن جب میں نے انہیں فرداً فرداً تفصیل کے ساتھ آنے والے خطرے سے آگاہ کیا تو انھوں نے اس پر کان دھرے اور پھر اسے ایک مشترکہ مسئلہ سمجھ کے گفتگو کی"۔

"انھوں نے کسی مشترکہ فوجی کمان کا خیال ظاہر نہیں کیا؟" ڈیوک نے صاف الفاظ میں دریافت کیا۔

"یہ خیال میں نے خود ان کے سامنے پیش کیا تھا"۔ شامینا نے بلا جھجک کہا:

"سالارانِ فوج نے اس خیال کی تائید کی لیکن وہ بااختیار تو نہیں۔ وہ اپنے حکمرانوں سے گفتگو کر کے ہمیں مطلع کریں گے"۔

ڈیوک کچھ جھلا سا گیا۔ بولا:

"اگر وہ بے اختیار تھے تو پھر انھوں نے یہ دعوت قبول ہی کیوں کی۔ ان کے حکمران کیوں نہیں آئے؟"

"اور آپ نے اس ضیافت میں کیوں شرکت نہیں کی ڈیوک محترم؟" شامینا نے الٹا ڈیوک سے سوال کر دیا:

"یہ ٹھیک ہے کہ میں نے علاقائی ڈیوکوں کو دعوت نامے بھیجے تھے لیکن میں محض ایک سپہ سالار کی بہن ہوں، ڈیوک کی بہن یا بیٹی نہیں۔۔۔۔۔ لیکن میرا خیال ہے کہ اگر دعوت نامے آپ کی طرف سے بھیجے جاتے تو ریاستی [illegible]ں کی شرکت کی امید کی جا سکتی تھی"۔

"تم غلط سوچ رہی ہو شامینا"۔

ڈیوک برہم ہو گیا:

"یہ تمام ڈیوک انتہائی خودسر ہیں۔ تم نے دیکھا نہیں کہ فرانس کی مرکزی حکومت نے اپنا معمولی نمائندہ بھیجنے کی [illegible]زحمت گوارا نہیں کی"۔

"نہیں محترم ڈیوک"۔ شامینا نے سنبھل کر کہا:

"شاید میں آپ کو اطلاع دینا بھول گئی۔ شہنشاہ فرانس کا قاصد زبانی پیغام لے کر آیا تھا۔ یہ پیغام شہنشاہ کی بجائے وزیراعظم چارلس مارٹل کی طرف سے تھا۔ وزیراعظم نے اپنے پیغام میں شکوہ کیا تھا کہ مرکزی حکومت کے کسی ذمہ دار [illegible]ں کو بلانے کے لیے ریاست کے سربراہ کو درخواست کرنی چاہیے تھی۔ میرا خیال ہے کہ چارلس مارٹل کا یہ شکوہ اور اعتراض [illegible]ست ہے۔ میں نے پہلے ہی التجا کی تھی کہ تمام سربراہوں کو آپ اپنی طرف سے مدعو کریں"۔

ڈیوک آف ایکیوٹین کو چارلس مارٹل کی طرف سے قاصد آنے کی خبر سے بڑی مسرت ہوئی۔ مارٹل اس قدر بدطینت [illegible]مغرور تھا کہ ریاستی حکمرانوں کے خطوط کا جواب دینا تو درکنار، اگر کوئی ڈیوک، شہنشاہ فرانس سے ملاقات کے لیے بھی [illegible]تا تو مارٹل کے حکم سے اسے ہفتوں انتظار کرنا پڑتا۔

دراصل جرمن دہشت پسندوں کو شکست دینے کے بعد چارلس مارٹل نے اتنی طاقت حاصل کر لی تھی کہ اس کے سامنے شہنشاہِ فرانس بھی منہ کھولنے کی جرأت نہ کرتا۔ تمام فوج مارٹل کے قبضے میں تھی۔ اس نے عیسائی پادریوں کو ناکوں [illegible]ے چبوا دیے تھے۔ کئی ایک کو برسرِعام قتل کرا دیا تھا۔

"شامینا۔ اگر میں ضرورت کے وقت چارلس مارٹل سے فوجی مدد طلب کروں تو کیا وہ آمادہ ہو جائے گا"۔ ڈیوک نے [illegible]شامینا سے اس طرح پوچھا جیسے وہ اس کی فوجی مشیر ہو۔

شامینا نے اس کا دماغ ٹھکانے دیکھا تو مسکرا کر کہا:

"ڈیوک آف ایکیوٹین! آپ کو اپنی عظمت اور مرتبے کا علم نہیں۔ آپ سرحدی علاقے کے حکمران ہیں۔ سمندری اور [illegible]پہاڑی دونوں راستوں کے آپ محافظ ہیں۔ بدکار چارلس مارٹل جتنا بہادر ہے اتنا ہی عقلمند بھی ہے۔ مجھے یقین ہے کہ [illegible]اگر آپ اس سے کوئی درخواست کریں یا اس سے ملاقات کے لیے جائیں تو وہ آپ سے بہت احترام سے پیش [illegible]آئے گا"۔

اسی دوران ایکیو ٹین کے سپہ سالار کے آنے کی خبر دی گئی۔

نکولس، شامینا کا بڑا بھائی تھا۔ شامینا نے ابھی تک بھائی سے ملاقات نہیں کی تھی۔ وہ بورڈیلو سے واپسی پر سیدھی ڈیلوک کے ساتھ یہاں چلی آئی تھی۔

وہ اٹھ کھڑی ہوئی۔ ڈیلوک کی خشک باتوں سے اسے الجھن بھی ہو رہی تھی۔ ڈیلوک ابھی کچھ دیر اور اس کا دماغ چاٹتا لیکن نکولس کی آمد کی وجہ سے اس نے شامینا کو اجازت دے دی۔

شامینا باہر آ کر بھائی سے ملی اور کچھ دیر گفتگو کرنے کے بعد سیدھی رافع کے پاس پہنچ گئی۔

○

شامینا نے رافع کو اپنے ہی مکان میں جگہ دی تھی۔ اس کا بھائی رافع کو اچھی نظر سے نہ دیکھتا تھا لیکن یہ حکم تو ڈیلوک کی طرف سے تھا پھر وہ کیسے مخالفت کرتا۔

رافع کا قیام شامینا کے برابر والے کمرے میں تھا۔ وہ دونوں دن اور رات کا زیادہ وقت ایک ساتھ ہی گزارتے شامینا کی اکثر راتیں تو رافع کے کمرے ہی میں باتیں کرتے، قہقہے بکھیرتے اور زلفوں کے الجھنے سلجھنے میں گزر جاتیں۔

رافع بھاگ کے کمرے کے دروازے پر آ گیا۔ اس نے شامینا کے دونوں ہاتھ اس قدر تیزی سے پکڑے کہ شامینا اپنا توازن بھی برقرار نہ رکھ سکی۔ اگر رافع اسے فوری طور پر اپنی باہوں کا سہارا نہ دیتا تو شاید وہ گر ہی جاتی۔

"ہوش میں آؤ رافع۔ یہ کیا دیوانگی ہے"۔ شامینا مصنوعی غصے سے بولی حالانکہ ایسی بانہوں میں جھولنا اس کا معمول تھا۔

"شامینا مجھے بتاؤ۔۔۔۔ مجھے بتاؤ میں کیا کروں؟" رافع نے عجیب وحشیانہ انداز میں اسے جھنجھوڑ ڈالا۔

"کیا بتاؤں؟" شامینا جھلا اٹھی:

"پہلے تم ہوش میں آؤ تو کچھ بتاؤں بھی"۔

رافع نے بڑی سعادت مندی سے اس کے ہاتھ چھوڑ دیے۔ محجوب ہو کے بولا:

"اب بتاؤ۔ میں بالکل ہوش میں ہوں"۔

"کیا بتاؤں۔ کچھ پوچھو تو سہی"۔ شامینا کو اس کی وحشت اور بوکھلاہٹ پہ ہنسی آ گئی۔

رافع مردہ آواز میں بولا:

"شامینا۔ میں تمہیں ہر قیمت پر حاصل کرنا چاہتا ہوں۔ مجھے بتاؤ میں کون سا ایسا کام کروں جس سے تمہارا دل خوش

ہو کر تمہیں مجھے بخش دے"۔

"واہ۔ میں کوئی صدقے کی چیز ہوں۔ جو چاہے بخش دے"۔ شامینا اٹھلا کے بولی۔

رافع اس کی طرف کھسکتے ہوئے بولا:

"میرے لیے تو تم دنیا کی سب سے قیمتی چیز ہو۔ مگر ڈیلوک تو تمہارا سودا کرنا چاہتا ہے"۔

"تمہارا یہ خیال بھی غلط ہے رافع"۔

شامینا کی انا کو جیسے ٹھیس لگی:

"ڈیلوس میری قیمت مقرر کر سکتا ہے لیکن آخری فیصلہ میرے ہاتھ میں ہے اور میرا فیصلہ۔۔۔۔" اور شامینا تبسم کی بجلیاں گرانے لگی۔

شامینا کو اتنا خوش دیکھ کر رافع کا حوصلہ بڑھا۔ اس نے کہا:

"اور تمہارا فیصلہ شاید میرے حق میں ہوگا"۔

شامینا اک دم سنجیدہ ہو گئی جیسے اسے کچھ یاد آ گیا ہو۔ بولی:

"رافع۔ تمہیں واقعی مجھ سے بہت محبت ہے؟"

"اس میں شبہ کیا ہے۔ آزما کے دیکھ لو"۔

"ایک بات پوچھوں۔ سچ سچ بتاؤ گے؟"

"کیوں نہیں۔ تم سے میں کیسے جھوٹ بول سکتا ہوں"۔

شامینا نے اس کے کاندھے پہ ہاتھ رکھ کے کہا:

"اچھا تو پھر جس کو سب سے زیادہ چاہتے ہو اس کی قسم کھا کر بتاؤ کہ میرا بھائی ڈگلس کہاں ہے؟"

رافع کے چہرے کا رنگ اڑ گیا۔

وہ ایسا گھبرایا کہ پسینے کے ننھے ننھے قطرے اس کی پیشانی پر جھلک اٹھے۔ اس نے گردن جھکا لی۔ شامینا سے آنکھیں ملانے کی اسے جرأت نہ ہو رہی تھی۔

یہ سوال شامینا نے اس سے پہلے بھی کیا تھا لیکن اس وقت رافع، شامینا کا اتنا والا و شیدا نہ تھا۔ وہ بڑی صفائی سے بات ٹال گیا تھا لیکن جب شامینا نے زیادہ اصرار کیا تو اس نے کہا تھا کہ ڈگلس بڑے آرام سے قلعہ البرکات میں رہ رہا ہے لیکن اس وقت جھوٹ بولنے کی اسے ہمت نہ ہو رہی تھی۔ الفاظ اس کے حلق میں اٹک رہے تھے۔

"بس۔ اسی پر محبت کا دعویٰ تھا"۔ شامینا انتہائی غصے سے بولی۔

"میں نے تم سے وعدہ کیا ہے۔ میں تم سے جھوٹ نہیں بولوں گا"۔ رافع نے اٹک اٹک کر کہا: "لیکن پہلے تم

مجھے معاف کر دو۔"

شاہینا بھڑک اٹھی۔ چیخ کر بولی:

"کاہے کی معافی مانگ رہے ہو۔ کیا تم نے میرے بھائی کو قتل کیا ہے؟"

"نہیں نہیں شاہینا۔ ایسی بات نہیں ہے۔"

رافع خوشامد کرنے لگا:

"میں معافی اس بات کی مانگ رہا ہوں کہ میں نے تمہیں پہلے حقیقت سے آگاہ نہیں کیا۔ مجھے ڈر تھا کہ تم حقیقت جان کر مجھ سے بھی نفرت نہ کرنے لگو۔"

شاہینا کو یہ تو یقین ہو گیا کہ اس کا بھائی مارا جا چکا ہے۔ وہ بڑے دل گردے والی عورت تھی۔ پھر رافع کے پاس بیٹھ گئی۔ بولی:

"رافع۔ تم جس حقیقت کو چھپا رہے ہو، وہ یہ ہے کہ میرا بھائی ڈگلس کسی کے ہاتھ سے مارا جا چکا ہے اور وہ ہاتھ تمہارا نہیں ہے۔"

بات کھل چکی تھی۔ رافع سنبھل کر بولا:

"شاہینا۔ میں بڑے افسوس کے ساتھ تمہارے اس خیال کی تصدیق کرتا ہوں۔"

"لیکن اسے کیوں قتل کیا گیا۔ کون ہے اس کا قاتل؟" بھائی کی محبت نے اس پر دیوانگی طاری کر دی۔

"عثمان۔ شہزادی ایکیوٹین کا شوہر۔" رافع نے ٹھہرے ٹھہرے لہجے میں کہا۔

"عثمان۔ عثمان نے میرے بھائی کو قتل کیا ہے۔" شاہینا دیوانگی کے عالم میں بولی:

"عثمان۔ میں تجھے کبھی معاف نہ کروں گی۔ میں انتقام لوں گی۔ تو زندہ نہیں رہ سکتا عثمان۔ خداوند یسوع مسیح تجھ پر اپنا قہر نازل کرے۔ میں تیرے سر سے تاج چھین لوں گی۔ تیرے محل میں آگ لگا دوں گی۔"

شاہینا دیر تک دیوانوں کی طرح بڑبڑاتی رہی۔

رافع کی سمجھ میں نہ آ رہا تھا کہ اسے کس طرح سمجھائے۔ ساتھ ہی ساتھ وہ یہ بھی سوچ رہا تھا کہ اگر شاہینا نے قتل کی تفصیل پوچھی تو وہ کیا بتائے گا۔ ڈگلس کے قتل کا ذمہ دار تو عثمان تھا لیکن ڈگلس کی موت دراصل عثمان کی کنیز کے خنجر سے ہوئی تھی۔ رافع نے فیصلہ کیا کہ وہ کنیز کے بجائے عثمان ہی کو ڈگلس کا قاتل ظاہر کرے گا۔

شاہینا کے ذرا ہوش ٹھکانے ہوئے تو اس نے وہی سوال کیا جس کی امید رافع کو تھی۔ شاہینا نے کہا:

"رافع۔ تم نے یہ اچھا نہ کیا۔ اگر تم نے مجھے اس کی اطلاع پہلے دی ہوتی تو میں....." وہ کہتے کہتے رکی۔ پھر ذرا ٹھہر کے پوچھا: "مگر یہ سب ہوا کیسے۔ عثمان کی ڈگلس سے کیا دشمنی تھی؟"

رافع جواب کو ذہن میں ترتیب دے چکا تھا۔ اس نے بتایا:

"شاہینا۔ دراصل یہ سب کچھ رقابت کی وجہ سے ہوا۔ عثمان پہلی ہی ملاقات میں شہزادی پر عاشق ہو گیا تھا۔ پھر شہزادی، ڈگلس کے ساتھ قلعہ البرکات گئی۔ شہزادی، ڈگلس کو باہر چھوڑ کے عثمان سے ملنے اندر چلی گئی۔ ممکن ہے کہ ڈگلس کو شہزادی اور عثمان کی محبت کا پہلے سے علم ہو لیکن جب ان دونوں کے ہنس ہنس کر باتیں کرنے کی آواز ڈگلس نے سنی تو برداشت نہ کر سکا اور اندر چلا گیا۔ عثمان نے اپنے محافظوں کی مدد سے ڈگلس کو گرفتار کر کے قتل کر دیا۔"

"تم نے یہ سب کیسے دیکھا رافع؟" شاہینا نے چونک کر پوچھا اور مشکوک نظروں سے اسے دیکھنے لگی۔

رافع نے بغیر کسی گھبراہٹ کے فوراً جواب دیا:

"میں اس وقت اپنے گھر میں تھا۔ قتل کے بعد عثمان نے مجھے بلوایا اور لاش کو نہایت پوشیدگی سے ٹھکانے لگانے کا حکم دیا۔ اس کے علاوہ عثمان نے مجھے یہ بھی حکم دیا کہ میں ڈگلس کے کپڑے پہن کر چہرے پر نقاب چڑھا لوں۔ میں نے اس کے حکم کی تعمیل کی اور جب تک شہزادی ایکیوٹین قلعہ میں رہی، میں ڈگلس کے لباس میں گھومتا پھرتا رہا۔ شہزادی کے کسی دوسرے نقاب پوش کو ذرا بھی شبہ نہ ہوا کہ ڈگلس کے کپڑوں میں، میں موجود ہوں۔"

رافع نے بے جھجک گفتگو کی تھی۔ شاہینا کا شبہ خود ہی دور ہو گیا لیکن اس پر رقت طاری ہو گئی۔ اس کی آنکھوں سے آنسوؤں کی جھڑی لگ گئی۔ رافع اسے جتنی تسلی دیتا وہ اتنا ہی اور روتی۔

اتنے میں خادمہ نے اطلاع دی کہ سپہ سالار نکولس، شاہینا کو بلا رہے ہیں۔

شاہینا آنسو پونچھتی ہوئی اٹھی۔ چلتے چلتے رافع سے بولی:

"اس کی خبر نکولس کو نہ ہونی چاہیے رافع۔ وہ پہلے ہی تمہارے خلاف ہے۔"

شاہینا اپنے بھائی کے پاس پہنچی تو بجھی بجھی سی تھی۔ نکولس کو شبہ ہوا کہ شاید سفر کی تکان نے شاہینا کو نڈھال کر دیا ہے۔ اس نے پیار بھرے لہجے میں کہا:

"شاہینا۔ کچھ اپنی ننھی سی جان پہ رحم کرو۔ تم نے اتنا لمبا سفر کیا ہے۔ آتے ہی ڈیوک کے پاس بیٹھ گئیں۔ اب رافع سے باتیں کر رہی ہو۔ جاؤ پہلے آرام کرو۔ میں پھر بات کروں گا۔"

شاہینا نے پھیکی ہنسی ہنستے ہوئے کہا:

"بھائی۔ آپ میری فکر نہ کریں۔ میں بالکل ٹھیک ہوں۔ ڈیوک نے تو مجھے بڑے گیٹ پر ہی روک لیا تھا۔ میں تو آپ کے واپس آنے کا انتظار کر رہی تھی۔"

نکولس مسکراتے ہوئے بولا:

"ڈیوک تمہاری بہت تعریف کر رہے تھے۔ کیا بورڈیو کی ضیافت کامیاب رہی؟"

"جی ہاں بھائی جان"۔ شامینا نے بھی مسکرانے کی کوشش کی:

"مجھے خود بھی اتنی کامیابی کی امید نہ تھی"۔

"اب ڈیوک نے مجھے ایک نیا حکم دیا ہے"۔ نکولس نے ذرا بے دلی سے کہا۔

شامینا کا دل دھڑک اٹھا۔ اس کا ایک بھائی مارا جا چکا تھا۔ دوسرے بھائی کو وہ کسی مصیبت میں گرفتار نہ دیکھنا چاہتی تھی۔

"کیا حکم دیا ہے ڈیوک نے؟ میں آپ کو ملک سے باہر نہ جانے دوں گی"۔ شامینا نے ڈرتے ڈرتے پوچھا۔

"میں حکم کی تعمیل پر مجبور ہوں شامینا"۔ نکولس پژمردگی سے بولا:

"مجھے باہر جانا ہی پڑے گا"۔

"کہاں بھیجا جا رہا ہے آپ کو؟" شامینا گھبرا کر کھڑی ہو گئی۔

"چارلس مارٹل کے پاس"۔

"میں آپ کو نہیں جانے دوں گی"۔

"ڈیوک بہت ضدی ہے شامینا"۔

شامینا پھٹ پڑی:

"نہیں نہیں بھائی۔ آپ باہر نہیں جا سکتے۔ میں ڈیوک سے پوچھوں گی ڈگلس کہاں ہے۔ ڈگلس کو واپس بلوایا جائے جب تک ڈگلس واپس نہیں آتا آپ مجھے تنہا چھوڑ کر نہیں جا سکتے"۔

اور شامینا، بھائی کے گلے لگ کر پھوٹ پھوٹ کر رونے لگی۔

وہ نکولس کو یہ نہ بتا سکی کہ ڈگلس مارا جا چکا ہے لیکن اسے رونے کا بہانہ مل گیا اور اس نے آنسو بہا کر دل کا غبار ہلکا کر لیا۔ نکولس کو یہی گمان رہا کہ شامینا اپنے بھائیوں سے بہت محبت کرتی ہے۔

نکولس اسے تسلی دیتے ہوئے بولا:

"شامینا، تم ایک سالار کی بہن ہو۔ تمہارا دل مضبوط ہونا چاہیے۔ میں نے تو تمہیں مشورے کے لیے بلوایا تھا۔ تم نے رونا دھونا شروع کر دیا"۔

شامینا نے کہا:

"ڈگلس کی جدائی سے میرا دل پہلے ہی ٹکڑے ٹکڑے ہو رہا ہے۔ آپ بھی چلے جائیں گے تو یہاں اکیلے کیسے رہوں گی۔ آپ ڈیوک سے کہہ کے کسی اور کو چارلس مارٹل کے پاس بھیج دیں"۔

"...ں شامینا"۔ نکولس نے اس کے سر پر ہاتھ رکھا۔ . . . . "میں کوئی بہانہ نہیں کر سکتا۔ تم مجھے صرف یہ بتاؤ کہ برگنڈی

...نیوسٹریا اور آسٹریشیا کے سپہ سالار کس طبیعت کے لوگ ہیں۔ تم بورڈیو میں ان لوگوں سے مل چکی ہو؟

"بھائی۔ آپ تو چارلس مارٹل کے پاس جا رہے ہیں۔ پھر یہ دوسروں کے بارے میں کیوں پوچھ رہے ہیں؟" شامینا نے ذرا الجھتے ہوئے پوچھا۔

نکولس نے بتایا:

"پہلے مجھے ان ریاستوں میں جانا ہوگا۔ پھر چارلس مارٹل سے ملوں گا۔ ڈیوک مجھے اپنا خاص نمایندہ بنا کے بھیج رہے ہیں۔ مجھے ڈیوک کا ایک خط بھی چارلس کو پہنچانا ہے"۔

"خداوند یسوع مسیح خیر کریں"۔ شامینا بولی:

"چارلس بڑا خبیث آدمی ہے۔ برگنڈی، نیوسٹریا اور آسٹریشیا کے سپہ سالار بڑے خوش اخلاق ہیں۔ ان کے لیے میں الگ الگ خط دے دوں گی۔ مگر آپ کو جانا کب ہے بھائی؟"

"شاید اگلے ہفتے"۔ نکولس نے کہا:

"ڈیوک اپنی بیٹی کی طرف سے بہت پریشان ہے۔ ایک مہینے سے انہیں شہزادی کی کوئی خبر نہیں ملی۔ انھوں نے شہزادی کی عثمان سے شادی کر کے سخت غلطی کی ہے۔ عثمان کو میں نے دور ہی سے دیکھا ہے لیکن وہ مجھے کوئی اچھا آدمی نہیں لگا"۔

"عثمان مجھے بھی اچھا نہیں لگا بھائی"۔ شامینا خلاؤں میں گھورتے ہوئے بولی:

"میرا بس چلے تو میں اسے قتل کر دوں"۔

"آہستہ بولو شامینا"۔ نکولس نے اس کے منہ پر ہاتھ رکھ دیا:

"عثمان ڈیوک کا داماد ہے۔ اس نے سن لیا تو تمہارا دشمن ہو جائے گا"۔

شامینا جذبات میں آ کے کہہ تو گئی لیکن فوراً ہی سنبھل گئی بولی:

"بھائی۔ جو برا ہے وہ برا ہی کہلائے گا۔ چاہے وہ ڈیوک کا داماد ہو یا اس کا باپ ہو۔ عثمان اچھا آدمی نہیں۔ اسے قتل ہو ہی جانا چاہیے"۔

شامینا تھوڑی دیر بیٹھ کر پھر رافع کے پاس چلی گئی۔ اب وہی اس کا واحد سہارا رہ گیا تھا۔

ڈگلس کے قتل کی خبر کا شامینا پر شدید ردِ عمل ہوا۔ اس کا دل بجھ گیا پہلے جیسی چنچل شوخ اور بیباک

رہی۔ ناد سنگھار اور رکھ رکھاؤ کی طرف سے بھی وہ لاپروا ہو گئی۔ وہ اپنا سارا وقت رافع کے پاس گزارتی۔ رافع اسے ہر طرح تسلیاں دیتا۔ لیکن شامینا کا غم کسی طرح کم نہ ہوتا۔

نکولس کا سفر کچھ دنوں کے لیے ملتوی ہو گیا تھا۔ ڈیوک آف ایکیوٹین کو خبر ملی تھی کہ سرحد پار مسلمان علاقے میں کچھ گڑبڑ ہوئی ہے۔ مسلم فوجوں کے اجتماع کی افواہ بھی گرم تھی۔ ڈیوک نے نکولس کو روک لیا تھا۔ ایسے خطرناک حالات میں وہ نکولس کو اپنے سے جدا کرنا دانشمندی نہیں سمجھتا تھا۔

نکولس بھی شامینا کی طرف سے فکرمند تھا۔ اس کی سمجھ میں نہ آتا تھا کہ یہ اک دم اسے کیا ہو گیا ہے۔ پہلے اسے رافع پر شبہ ہوا لیکن جب اس نے دیکھا کہ رافع چوبیس گھنٹے شامینا کی خدمت میں لگا رہتا ہے تو اس کا دل صاف ہو گیا۔ رافع، شامینا کی خدمت کیوں نہ کرتا۔ اس دیار غیر میں اس کا اگر کوئی ہمدرد تھا تو وہ صرف شامینا ہی تھی۔

ڈیوک نے شامینا کو کئی بار بلوایا مگر وہ نہ گئی۔ نکولس نے کہلوایا کہ شامینا بیمار ہے۔ ایک بار ڈیوک خود اسے دیکھنے آیا۔ شامینا نے بہت کم گفتگو کی۔ چہرے سے بھی وہ بیمار لگتی تھی۔ ڈیوک کو اس کی بیماری کا یقین ہو گیا اور اس نے شامینا کو بلوانا چھوڑ دیا۔

ایک صبح رافع کو شامینا کے چہرے پر بڑی تازگی نظر آئی۔ یوں لگا جیسے وہ بالکل اچھی ہو۔ پہلے ہی کی طرح کھلا کھلا چہرہ۔ ہنستی ہوئی شرارتی آنکھیں۔ حالانکہ شامینا پچھلی تمام رات جاگتی رہی تھی۔

رافع نے محبت سے کہا:

"شامی۔ شکر ہے تمہارے چہرے پر رونق تو آئی۔ اب کیا حال ہے تمہارا؟"

رافع جب بہت جذباتی ہو جاتا تو شامینا کو شامی کہتا۔ گزشتہ کئی ہفتوں سے اس نے شامی کا لفظ اتنی بار استعمال کیا تھا جیسے وہ شامینا تو بھول ہی گیا تھا۔ شامینا کو بھی شامی کہلوانا اور سننا زیادہ اچھا لگتا تھا۔

شامینا نے رافع کے ہاتھ پکڑ کے اپنی آنکھوں پر رکھ لیے۔ بولی:

"رافع۔ آج میں بالکل اچھی ہوں۔ میں نے اپنے غم کا علاج ڈھونڈ لیا ہے۔"

"وقت سب سے بڑا علاج ہے شامی۔" رافع نے فلسفیانہ انداز میں کہا:

"یہ ایسا مرہم ہے جو گہرے سے گہرے زخم کو بھر دیتا ہے۔"

شامینا مسکرائی۔

اس کے چہرے پر ایک عرصے بعد یہ مسکراہٹ دکھائی دی تھی۔ بولی:

"رافع۔ میرے لیے وقت نہ مرہم ہے اور نہ علاج۔ میرا زخم تو وقت کے ساتھ ساتھ بڑھتا ہی جا رہا ہے۔ علاج تو میں نے خود ڈھونڈا ہے۔"

رافع اس کی طرف سوالیہ نظروں سے دیکھ کر رہ گیا۔

شامینا نے اعلان کیا:

"میں ہسپانیہ جاؤں گی۔"

رافع نے اسے حیران ہو کر دیکھا:

"تم..... تم ہسپانیہ جاؤ گی..... کیوں؟"

شامینا کی آنکھیں سرخ ہو گئیں۔ بولی:

"میں ڈگلس کا انتقام لینے جاؤں گی۔ عثمان کو اپنے ہاتھ سے قتل کروں گی۔"

رافع کی حیرانگی خوف میں بدل گئی۔ ہسپانیہ جانے کا خیال ہی حماقت انگیز تھا۔ نہ کہ عثمان سے انتقام لینے کا خیال۔ عثمان کی شمشیر زنی سے رافع واقف تھا۔ دو چار آدمی اس پر قابو نہ پا سکتے تھے۔ شامینا کی کیا حیثیت تھی۔

رافع نے شامینا کی مخالفت کرنے کے بجائے اسے سمجھانے کی کوشش کی:

"ٹھیک ہے شامی۔ تم ضرور جاؤ۔ میں بھی تمہارے ساتھ چلوں گا لیکن عثمان بڑا چالاک ہے۔ وہ فوراً سمجھ جائے گا کہ تم ڈگلس کی تلاش میں آئی ہو اور پھر..... اس کمبخت سے تو شیطان بھی پناہ مانگتا ہے۔"

رافع کی بات معقول تھی۔ شامینا خود ہی قائل ہو گئی۔ انتقام کا اٹھتا ہوا طوفان دب گیا۔ وہ تھکے تھکے انداز میں بولی:

"پھر کیا کروں رافع۔ انتقام کی آگ مجھے اندر ہی اندر جلائے ڈال رہی ہے۔ عثمان کو زندہ رہنے کا کوئی حق نہیں۔ میں..... میں اسے قتل کرنا چاہتی ہوں۔"

"تمہارا انتقام میں لوں گا شامی۔" رافع نے شامینا کے کان میں کہا:

"میں دارالبرکات جاؤں گا۔ عثمان میرے ہاتھ سے قتل ہوگا۔ اس نے مجھ پر بھی ظلم کیا ہے۔ وہ شہزادی ایکیوٹین سے شادی کر کے اکیلا چلا گیا۔ کیا مجھے ساتھ نہیں لے جا سکتا تھا۔ اس نے مجھے جان بوجھ کر یہاں چھوڑا ہے۔"

"صرف تم ہی میرے سچے دوست ہو رافع۔" شامینا جذبات سے مغلوب ہو گئی۔ اس نے کپکپاتے ہونٹ رافع کے ہتھیلی پر رکھ دیے۔

رافع نے کہا:

"شامی! میں نے تم سے محبت کی ہے لیکن میں تمہارے انتقام کی آگ کو ٹھنڈا کرنے کے لیے اپنی محبت قربان کر دوں گا۔"

"یہ کیا کہہ رہے ہو رافع۔" شامینا نے اسے حیرت سے دیکھتے ہوئے کہا: "تم مجھ پر اتنا بڑا احسان کرو گے

تو کیا میں تمہیں بھول جاؤں گی۔ تم واپس آؤ گے تو میں تمہاری راہ میں آنکھیں بچھاؤں گی رافع"۔

رافع پھیکی ہنسی ہنستے ہوئے بولا:

"شامی۔ میں واپس نہیں آؤں گا۔ میں واپس آ بھی کیسے سکتا ہوں۔ عثمان کے قاتل کو ڈیوک فرانس میں کیسے داخل ہونے دے گا۔ اس کی بیٹی کا سہاگ میرے ہاتھوں اجڑے گا۔ وہ مجھے کیسے قبول کرے گا؟"

ادھر تو شامینا کا خیال ہی نہ گیا تھا۔ وہ سوچ میں پڑ گئی۔ رافع نے اگر عثمان کو قتل کر دیا تو ڈیوک اس کا دشمن ہو جائے گا۔ اس کی واپسی کا تو سوال ہی پیدا نہیں ہوتا۔

شامینا اسی ادھیڑ بن میں تھی کہ ڈیوک کا بلاوا آ گیا۔ ڈیوک نے شامینا کو بلانا چھوڑ دیا تھا۔ اس اچانک طلبی سے وہ پریشان ہو گئی۔

"ڈیوک کے پاس کون کون ہے؟" شامینا نے اپنی تسلی کے لیے چوبدار سے پوچھا۔

چوبدار نے جواب دیا:

"صرف سپہ سالار بہادر ہیں ان کے پاس"۔

شامینا کی الجھن بڑھ گئی۔ نکولس صبح ہی صبح ڈیوک کے پاس کیا کرنے گیا؟ شامینا نے چوبدار سے دو ایک اور سوال کیے لیکن وہ کچھ نہ بتا سکا۔ اس بے چارے کو خبر ہی نہ تھی۔

"تم بھی ساتھ چلو رافع"۔ شامینا نے رافع سے محض رسماً کہا۔

چوبدار کو جیسے اک دم کچھ یاد آ گیا۔ اس نے جلدی سے کہا:

"ڈیوک بہادر نے کہا تھا کہ آپ اکیلی تشریف لائیں۔ کوئی اور ساتھ نہ ہو"۔

شامینا کے لیے یہ بات اور زیادہ تعجب انگیز تھی۔ اس نے پوچھا:

"کیا ڈیوک نے کہا ہے کہ رافع کو ساتھ نہ لایا جائے"۔

چوبدار نے سوچتے ہوئے اپنی بات دہرائی:

"جی۔ انھوں نے کہا تھا کہ آپ اکیلی تشریف لائیں۔ کوئی اور ساتھ نہ ہو۔ بس مجھ سے تو یہی کہا تھا۔۔۔۔"

شامینا آبجو گئی کہ چوبدار کو کسی بات کا علم نہیں۔ جو اسے حکم ملا ہے وہی بار بار دہرا رہا ہے۔ اس نے رافع کو وہیں چھوڑا اور چوبدار کے ساتھ ڈیوک کی طرف چل پڑی۔

ڈیوک کو ٹہلتے دیکھ کر شامینا ٹھٹکی۔ جب ڈیوک پریشانی کے عالم میں ہوتا تو بہت تیز تیز ٹہلتا۔ اس وقت ٹہلنے کی رفتار اس قدر تیز تھی کہ شامینا گھبرا گئی۔ اس کا بھائی نکولس سر جھکائے ہاتھ باندھے کھڑا تھا۔ شامینا ٹھہر کے آگے بڑھی۔

شامینا پر نظر پڑتے ہی ڈیوک کے قدم رک گئے۔ پھر وہ تیزی سے شامینا کی طرف بڑھتے ہوئے تقریباً بولا:

"غضب ہو گیا شامینا۔ رافع کہاں ہے؟"

شامینا کا سارا جسم کانپ اٹھا۔ کئی خیالات ایک ساتھ اس کے ذہن سے ٹکرائے۔

کیا غضب ہو گیا؟

غضب کا رافع سے کیا تعلق ہو سکتا ہے؟

شاید رافع کی موت آ گئی ہے؟

شامینا نے اور بھی بہت کچھ سوچا لیکن اسے تو جواب دینا تھا۔ شامینا مری مری سی آواز میں بولی:

"رافع اپنے کمرے میں ہے"۔

شامینا نے "غضب" کے بارے میں جان بوجھ کر نہ پوچھا۔

"جانتی ہو شامینا"۔ ڈیوک نے ایک ہاتھ شامینا کے کندھے پر رکھ دیا:

"ہماری بیٹی..... شہزادی کا سہاگ اجڑ گیا"۔

مسرت کی ایک لہر شامینا کے دل میں اٹھی۔

"شاید عثمان مر گیا"۔ شامینا نے سوچا۔ غمگین آواز بناتے ہوئے بولی:

"صبر سے کام لیجیے ڈیوک۔ عثمان کو کیا ہوا؟"

"قتل ہو گیا عثمان۔ مسلمانوں ہی نے اسے مار ڈالا"۔ ڈیوک کی آواز رندھ گئی۔

"ہائے ہماری بدقسمت شہزادی"۔ شامینا نے بناوٹی غم کا اظہار کیا:

"ڈیوک محترم۔ یہ خبر کون لایا ہے؟"

ڈیوک سر پکڑ کے بیٹھ گیا۔ گلوگیر آواز میں بولا:

"خبر لانے والا بھی مسلمان ہے۔ رافع کے قبیلے کا آدمی۔ میں نے تمہیں اس وجہ سے اکیلے بلایا ہے کہ مجھے وہ آدمی معتبر نظر نہیں آتا۔ کہیں یہ کوئی سازش نہ ہو"۔

"خداوند، شہزادی پر رحم کریں۔ کاش یہ خبر غلط ہو"۔ شامینا نے اوپری دل سے کہا۔ حالانکہ اس کے دل کی

آواز تھی کہ عثمان مارا گیا ہو۔

"خبر لانے والا رافع سے ملنا چاہتا ہے"۔ ڈیوک نے کہا۔

"شہزادی کیسی ہیں ڈیوک محترم۔ وہ تو خیریت سے ہیں نا؟" اس نے سوچا، کاش عثمان کے ساتھ شہزادی بھی ماری گئی ہو۔

ڈیوک نے کہا:

"شہزادی کے متعلق وہ کچھ نہیں بتاتا۔ ہمارا خیال ہے وہ کچھ چھپا رہا ہے۔ شاید وہ ہم سے خوفزدہ ہے۔ چاہتے ہیں کہ خبر لانے والے کو رافع سے تنہائی میں ملنے کا موقع دیا جائے۔ اگر وہ کچھ اور جانتا ہے تو رافع سے نہیں چھپائے گا۔ ان کی گفتگو تم چھپ کر سنو۔ پھر بتاؤ کہ وہ شہزادی کے بارے میں اور کیا جانتا ہے"۔

"اگر ڈیوک اس آدمی سے پہلے مجھے ملنے کی اجازت دیں تو زیادہ بہتر ہو گا"۔ شامینا نے ڈیوک کو مشورہ دیا۔

"ہمیں کوئی اعتراض نہیں ہے"۔ ڈیوک کو اس کا یہ مشورہ یا خواہش ناگوار گزری:

"مگر تم اس سے کیوں ملنا چاہتی ہو؟"

شامینا نے اپنی بات کی وضاحت کی:

"رافع کے قبیلے کے بارے میں، میں بہت کچھ جانتی ہوں۔ اگر وہ رافع کے قبیلے کا یا اس کا دوست ہے تو میں اس سے ان باتوں کی تصدیق کی بھی کوشش کروں گی جو باتیں اس نے اپنے بارے میں بتائی ہیں۔ ہمیں معلوم ہو جائے گا کہ رافع کتنے پانی میں ہے اور آپ کے لیے کہاں تک مفید ثابت ہو سکتا ہے"۔

"شاباش شامینا"۔ ڈیوک خوش ہوتے ہوئے بولا:

"تمہاری ذہانت کی ہم قدر کرتے ہیں۔ اس طرح ایک تیر سے دو شکار ہو جائیں گے۔ رافع کی حقیقت بھی معلوم ہو جائے گی اور شہزادی کے بارے میں بھی شاید کوئی نئی بات معلوم ہو سکے"۔

شہزادی کا نام لیتے وقت ڈیوک پھر افسردہ ہو گیا۔

"ڈیوک، آپ بالکل فکر نہ کریں"۔ شامینا نے ہمدردی جتاتے ہوئے کہا:

"شہزادی خداوند یسوع مسیح کی رحمت سے ہسپانیہ میں ہیں۔ ہم انہیں ضرور حاصل کر لیں گے۔ وہ واپس آئیں گی"۔

ڈیوک نے جواب میں ایک ٹھنڈی سانس کھینچی۔

شامینا تو اس طرح کی کتنی ہی سانسیں کھینچ چکی تھی لیکن اس وقت اسے کچھ سکون ملا تھا۔ عثمان کے مرنے کی خبر نے اس کے زخمی دل پر پھاہا رکھ دیا تھا۔

...کے حکم سے شامینا کو اس جگہ پہنچایا گیا جہاں ہسپانیہ سے آنے والا فوجی ٹھہرا تھا۔ شامینا اس کے سامنے...

...فوجی نے شامینا کو غور سے دیکھا۔ پھر ادب سے سلام کرتے ہوئے بولا:

...شاید آپ اس ملک کی کوئی شہزادی ہیں؟"

...شامینا کو اس کے اس سوال پر تعجب ہوا۔ پوچھا:

...نہیں یہ گمان کیسے ہوا مسلمان فوجی؟"

...فوجی نے بغیر کسی لحاظ کے کہا:

...آپ کی شکل و صورت شہزادی ایکیوٹین سے بہت ملتی ہے"۔

...تم نے شہزادی کو کہاں دیکھا؟" شامینا نے سیدھا سوال کیا۔

...محترم شہزادی"۔ فوجی اداس لہجے میں بولا:

...شہزادی ایکیوٹین کے محافظ دستے میں، میں بھی شامل تھا۔ والیٔ دار البرکات نے اپنے اور شہزادی کی حفاظت ...وں کا ایک دستہ خاص بنایا تھا۔ یہی دستہ آخر تک ان کی حفاظت کرتا رہا لیکن عثمان کو موت کے ہاتھوں سے...

...ایک بات کی تصدیق ہو گئی۔

...شامینا نے دوسری بات کی تصدیق چاہی:

..."تم نے شہزادی ایکیوٹین کو آخری بار کب اور کس حال میں دیکھا؟"

..."میں یہ بات ڈیوک آف ایکیوٹین کو بتا چکا ہوں لیکن انہیں یقین نہیں آیا"۔ مسلم فوجی اس طرح بولا جیسے ڈیوک کی ...سے اسے صدمہ پہنچا ہو۔

...شامینا نے کہا:

..."مسلم سردار۔ اپنی بات دہراؤ۔ میں یقین کر لوں گی"۔

...شہزادی صاحبہ"۔ فوجی اسے شہزادی ہی سمجھ بیٹھا تھا۔ اس کا خیال تھا کہ شاید یہ شہزادی ایکیوٹین کی چھوٹی...

..."جس وقت امیر قرطبہ کے دستے نے ہمیں پہاڑیوں میں گھیرا۔ اس وقت ہم صرف بارہ افراد تھے۔ شہزادی ایکیوٹین ...گھوڑے سے گھوڑا ملائے کھڑی تھیں۔ میں نے عثمان کی بہت منت کی کہ وہ جان بچا کر نکل جائے مگر اس نے شہزادی ...بھاگنا گوارا نہ کیا اور اسی کوشش میں مارا گیا۔

...عثمان کے قتل ہونے کے بعد ہمارے حوصلے پست ہو گئے اور جس کا جدھر منہ اٹھا، بھاگ نکلا۔ کسی کو کسی کی خبر

نہ رہی۔ مجھے نہیں پتہ شہزادی پر کیا گزری۔ وہ زندہ ہیں یا انہیں بھی قتل کر دیا گیا۔ اس کا حال اوپر والا ہی جانتا ہے"۔

"شہزادی ابھی زندہ ہے"۔ شامینا کے دل کے اندر سے جیسے آواز آئی:

"لیکن اسے زندہ نہ رہنا چاہیے"۔ یہ اس کے دل کی دوسری آواز تھی۔

"تم رافع کو کس طرح جانتے ہو؟" شامینا نے پوچھا۔

فوجی نے بتایا:

"ہم دونوں ایک قوم کے فرد ہیں۔ ہمارے والدین افریقہ سے ایک ساتھ آئے تھے"۔

"یہ تو کوئی بات نہ ہوئی"۔ شامینا ان کے تعلقات کی تہ تک پہنچنا چاہتی تھی:

"افریقہ سے تو سب ہی مسلمان آئے ہیں۔ کیا ضروری ہے کہ وہ ایکدوسرے کو جانتے بھی ہوں"۔

"آپ بھی میری بات کا اعتبار نہیں کر رہیں"۔ فوجی نے بے دلی سے کہا:

"اگر رافع سے گہرے تعلقات نہ ہوتے تو میں ہسپانیہ چھوڑ کے اس کے پاس اتنی دور نہ آتا۔ ہم بربر لوگ ہیں اور بربر جہاں رہتے ہیں اپنی بستیاں الگ بنا کر رہتے ہیں"۔

"وادیٔ ابیرد کہاں ہے۔ وہاں کون لوگ رہتے ہیں؟" شامینا نے پوچھا۔

فوجی نے شامینا کو ذرا حیرت سے دیکھا۔ بولا:

"یہ نام شاید آپ نے رافع سے سنا ہو گا۔ وادی ابیرد ہماری قوم کا ایک مضبوط مرکز ہے۔ میں اور رافع اسی وادی کے رہنے والے ہیں۔ رافع اس وادی کے بااثر سردار کا بیٹا ہے"۔

شامینا کے پاس اب کچھ اور پوچھنے کے لیے نہ رہ گیا تھا۔

فوجی نے اسے خاموش دیکھ کر کہا:

"شہزادی صاحبہ۔ کیا آپ رافع کو جانتی ہیں۔ آپ کی بڑی مہربانی ہو گی۔ آپ مجھے اس سے ملا دیں۔ پھر دیکھیں ایک بربر دوسرے بربر سے کس طرح ملتا ہے۔ آپ کو علم نہیں کہ ہم بڑے اتفاق اور اتحاد سے رہتے ہیں"۔

"مجھے سب علم ہے فوجی جوان"۔ شامینا پہلی بار مسکرائی:

"میں یہ بھی جانتی ہوں کہ ہسپانیہ میں تمہاری بڑی بڑی بستیاں کہاں کہاں آباد ہیں"۔

شامینا اٹھ کے باہر گئی۔ خادم سے کچھ کہہ کے واپس آئی اور فوجی کے سامنے بیٹھتے ہوئے بولی:

"ہسپانیہ کے شمال میں براگا، برتعہ اور پورٹو میں بربر قوم کی آبادی ہے۔ جنوب میں تمہاری قوم اسٹورگا، لیٹمہ اور طلنکہ وغیرہ میں آباد ہے"۔

فوجی کا منہ حیرت سے کھل گیا۔

اسی وقت رافع کمرے میں داخل ہوا۔ فوجی نے رافع کو اور رافع نے فوجی کو حیرت اور مسرت کے ملے جلے جذبے سے دیکھا۔

"ارے یوشانی تم ....." رافع کی زبان سے نکلا۔

وہ دونوں ہاتھ پھیلا کر یوشانی کی طرف دوڑا۔ یوشانی نے بھی بازو کھول دیے۔ دونوں اتنی گرمجوشی سے ایک دوسرے سے ملے کہ توازن بھی برقرار نہ رکھ سکے اور گٹھڑی بنے ہوئے زمین پر آ رہے۔

رافع سنبھل گیا۔ پوچھا:

"یہاں کب پہنچے یوشانی؟"

"میں تو صبح سے آیا ہوا ہوں رافع"۔ یوشانی افسردگی سے بولا۔

"پھر اب تک کہاں تھے۔ مجھ سے کیوں نہیں ملے"۔ رافع یوشانی کو دیکھ کر بہت خوش ہوا۔ یوں معلوم ہوتا تھا جیسے اسے کوئی خزانہ مل گیا ہو۔

یوشانی افسردگی سے بولا:

"میں تو تمہارے ہی پاس آیا ہوں لیکن تمہارے ڈیوک کو نہ معلوم کیا شبہ ہے انہوں نے تو مجھ پہ پہرہ لگا دیا ہے۔ وہ تو ان شہزادی کی مہربانی ہے کہ تم سے ملاقات ہو گئی"۔

یوشانی نے نظر اٹھا کر شامینا کی طرف دیکھا۔

رافع اپنے دوست کو دیکھ کر ایسا بے خود ہوا کہ یہ احساس بھی نہ رہا کہ کمرے کے ایک کونے میں شامینا کھڑی ان دونوں کو دلچسپی سے دیکھ رہی ہے۔

رافع اٹھ کر شامینا کے پاس گیا:

"شامینا۔ یہ میرا جگری دوست یوشانی ہے۔ بربر قوم میں ہم دونوں کا مرتبہ برابر رہا ہے"۔

شامینا نے اس کی بات پکڑ لی۔ بولی:

"لیکن تمہارے دوست تو کہہ رہے تھے کہ عثمان کے حفاظتی دستے میں یہ ایک سپاہی کی حیثیت سے تھے"۔

یوشانی نے دخل دیا:

"شہزادی صاحبہ۔ میں کیا کرتا۔ ڈیوک کو تو میری کسی بات کا یقین ہی نہیں۔ اگر میں اپنے آپ کو سردار بتاتا تو وہ کیسے یقین کر لیتے"۔

رافع نے کہا:

"شامینا۔ یوشانی کو بربر سرداروں میں ایک خاص اہمیت حاصل ہے۔ یوں سمجھو کہ عثمان کی گورنری ہم دونوں کے

دم سے قائم ہے"۔

"لیکن اب نہ گورنری باقی ہے اور نہ گورنر"۔ یہ کہتے ہوئے شامینا کے چہرے پہ مسرت جھلک اٹھی۔

رافع چونکا: "کیا ہوا گورنر کو؟"

"عثمان قتل ہو گیا رافع"۔ یوشانی نے بتایا:

"امیرِ قرطبہ کو کسی طرح معلوم ہو گیا کہ عثمان نے ڈیوک کی بیٹی سے شادی کر کے دوستی کا معاہدہ کر لیا ہے۔ بس اس نے ابنِ زیان کو لشکر دے کر دارالبرکات پر قبضہ کر لیا۔ عثمان اس وقت شمالی علاقے میں شہزادی کے ساتھ عیش کر رہا تھا۔ ابنِ زیان وہاں پہنچ گیا۔ ہم نے جان بچانے کی کوشش کی لیکن عثمان مارا گیا۔ میں کوہستان پار کر کے تمہاری طرف بھاگا۔ پتہ نہیں ابنِ زیان نے ہمارے قبیلے والوں کے ساتھ کیا سلوک کیا؟"

رافع کو عثمان کے قتل ہونے کا ذرا سا افسوس ہوا لیکن اس نے اپنے دل کو یہ سوچ کر سمجھا لیا کہ عثمان نے اس کے ساتھ کون سا اچھا سلوک کیا ہے جو وہ اس کے لیے آنسو بہائے۔

رافع نے کہا:

"یوشانی۔ جو ہوا اچھا ہی ہوا۔ تم قبیلے والوں کی فکر نہ کرو۔ بربر قوم سے کوئی امیر مخالفت مول لینا نہیں چاہتا"۔

"یہ تو ٹھیک ہے رافع"۔ یوشانی نے کہا:

"لیکن ہم نے عثمان کی حمایت کر کے کچھ اچھا نہیں کیا۔ اگر عثمان کے بجائے اس وقت تم خود گورنر۔۔۔۔"

یوشانی کو ایک دم شامینا کی موجودگی کا احساس ہوا۔ اس نے بات ادھوری چھوڑ دی۔ اسے اپنی اس غلطی پہ کچھ پریشانی بھی ہوئی۔

رافع نے یوشانی کی پریشانی محسوس کی۔ مسکرا کر بولا:

"یوشانی۔ ان کی فکر نہ کرو۔ یہ وہ ہستی ہے جس پر میں اپنی جان تک نچھاور کر سکتا ہوں۔ انہی کی وجہ سے میں اب تک یہاں پڑا ہوں ورنہ کب کا واپس چلا گیا ہوتا۔۔۔۔ ان کا نام شامینا ہے۔ ایکیوٹین کے سپہ سالار نکولس کی بہن اور میری۔۔۔۔"

رافع نے مسکرا کر اپنا مفہوم ادا کر دیا۔

ڈیوک آف ایکیوٹین اپنی بیٹی کی گمشدگی سے بہت پریشان تھا۔ شہزادی اس کی اکیلی اولاد تھی۔ اس کے بغیر

ی دنیا اندھیر ہوگئی۔ ڈیوک اس وقت کو کوس رہا تھا جب اس نے عثمان سے خفیہ معاہدہ کر کے شہزادی کو اس سے تھا۔ اس نے اپنے طور پر تو اپنی ریاست اور پورے فرانس کے لیے ایک کارنامہ انجام دیا تھا لیکن مسلمانوں کے ہوے جانے والے کنوئیں میں پہلے وہی گرا۔

شامینا نے اسے یہ تو یقین دلایا کہ شہزادی اب تک زندہ ہے لیکن وہ کہاں اور کس حال میں ہے، اس کی کسی خبر نہ تھی۔

شامینا نے یوشانی سے جو گفتگو کی تھی یا یوشانی اور رافع کے درمیان جو باتیں ہوئیں ان سے شہزادی کے بے میں کوئی نئی بات نہ معلوم ہو سکی۔ یوشانی سوائے اس کے اور کچھ نہ بتا سکا کہ جس وقت عثمان قتل ہوا تو شہزادی ندہ تھی۔

ڈیوک نے اس سلسلے میں رافع سے بھی بات کی۔ یوشانی کو بھی بہت ٹٹولا لیکن کوئی خاص بات نہ معلوم ہو سکی افع نے ڈیوک کو یہ ضرور یقین دلایا کہ شہزادی زندہ ہے کیونکہ مسلمان، عورتوں کو قتل نہیں کیا کرتے۔ انھیں ری حراست وحفاظت میں رکھا جاتا ہے۔

اس عرصے میں ایکیوٹین کے سرحدی دستوں کے سردار نے کئی بار ڈیوک سے فوجی کمک کی درخواست کی کیونکہ وہستان یا پیرینیز کے اس طرف سے مسلمانوں کی فوجی نقل وحرکت کی خبریں مل رہی تھیں۔ اسے خطرہ تھا کہ مسلمانوں کا یہ اجتماع کہیں کوئی اور رنگ نہ دکھائے۔

ڈیوک اپنی پریشانیوں کی وجہ سے ان خبروں پر زیادہ توجہ نہ دے سکا۔ اس نے کچھ فوجی دستے روانہ بھی کیے لیکن اس کا خیال تھا کہ مسلمان اپنی خانہ جنگی میں الجھے ہوئے ہیں۔ وہ اتنی جلدی فرانس پر حملے کی کوشش نہ کریں گے۔

یوشانی کو ٹورس میں آئے کئی دن ہو چکے تھے۔ اس نے سرحد پار کرنے میں بڑی تکلیفیں اٹھائی تھیں۔ یہاں پہنچ کے اسے آرام تو ملا تھا لیکن وہ دارالبرکات کے حالات معلوم کرنے کے لیے بھی بے چین تھا۔ وہ رافع کو دارالبرکات واپس لے جانے کی کوشش کر رہا تھا کیونکہ دارالبرکات کی گورنری اس وقت خالی تھی۔ رافع اور یوشانی بربر ہونے کی وجہ سے اس گورنری کے حقدار بھی تھے۔ قرطبہ کی مرکزی حکومت کی پالیسی تھی کہ گورنری پر اس شخص کو نامزد کیا جاتا جو علاقائی مسلم آبادی کا سربراہ ہوتا۔ زادی ایبرو میں بربروں کی اکثریت تھی اور دارالبرکات پر ان کا پورا اثر تھا لیکن رافع، شامینا کی محبت میں ایسا الجھا تھا کہ اس کی مرضی کے بغیر نوالہ اٹھانے کو بھی تیار نہ تھا۔

ایک شام یوشانی، رافع سے رسمی قسم کی باتیں کر رہا تھا کہ ڈیوک کا بلاوا آ گیا۔ ڈیوک اسے دوسرے تیسرے

روزِ شرفِ ملاقات بخشنا کرتا تھا لیکن اس وقت اس کا بلاوا خلافِ امید تھا۔ صبح کو اس کی ملاقات ڈیوک سے ہو چکی تھی۔ اس دوبارہ ملاقات کا مقصد اس کی سمجھ میں نہ آیا۔

رافع اپنے کمرے سے اٹھ کر شاہینا کے کمرے میں گیا۔ معلوم ہوا کہ وہ ڈیوک کے پاس گئی ہے۔ یہ چیز بھی حیرت ناک تھی۔ صبح کی ملاقات میں شاہینا بھی اس کے ساتھ تھی۔ وہ ڈیوک کے پاس پہنچا تو شاہینا وہاں موجود تھی۔ شاہینا کے علاوہ ایکیوٹین کا سپہ سالار نکولس بھی حاضر تھا۔

ڈیوک نے بڑی گرمجوشی سے اس کا استقبال کیا۔

ایک حیرت سے دوسری حیرت اور اب تیسری حیرت نے رافع کو گھیر لیا۔ ڈیوک سے جب وہ صبح ملا تھا تو واقعی وہ ڈیوک معلوم ہوتا تھا۔ متکبر، پُرغرور، آواز میں کرختگی۔ اب اس کا انداز انکسار کی حد تک نرم تھا۔

"مسلم سردار۔ ہم تمہیں خوش آمدید کہتے ہیں"۔

ڈیوک کا یہ جملہ بھی عجیب تھا۔ صبح اور شام کے درمیانی عرصہ میں رافع کا مرتبہ کس طرح اتنا بلند ہو گیا کہ ایکیوٹین کا فرمانروا اسے خوش آمدید کہنے پر مجبور رہا۔

"ڈیوک محترم کی ذرہ نوازی ہے"۔ رافع نے نرم آواز میں کہا:

"ڈیوک کی خدمت کرنا میرا فرض ہے"۔

رافع اس طلسم کو جلد سے جلد توڑنا چاہتا تھا۔ اس نے اپنی کھلی خدمات کی پیشکش کر دی تاکہ ڈیوک کو کوئی تمہید باندھنے کی ضرورت نہ پڑے اور جو بات وہ کہنا چاہتا ہے، صاف طور پر کہے۔

ڈیوک نے اشارے سے نکولس کو باہر بھیج دیا۔

"تم شاہینا سے محبت کرتے ہو؟" ڈیوک نے بھی سیدھے طریقے سے سودے بازی کا آغاز کیا۔

"ڈیوک محترم کو اس کا پہلے ہی علم ہے"۔

رافع کی نظریں ڈیوک سے ہٹ کر شاہینا پر جم گئیں:

"میں جانتا ہوں شاہینا میری پہنچ سے دور ہے۔ اس کی قیمت میں ادا نہیں کر سکتا"۔

شاہینا نے نظریں اٹھائیں۔ اس کا چہرہ بے تاثر تھا۔ بالکل سپاٹ۔ رافع کو اس کی آنکھوں میں کچھ بھی نظر نہ آیا۔

"رافع۔ تم جیسا بہادر، شاہینا کیا ایکیوٹین کی تمام مہ جبینوں کی قیمت ادا کر سکتا ہے"۔ ڈیوک کے چہرے پر بڑی معنی خیز مسکراہٹ تھی۔

رافع نے اس مسکراہٹ کے معنی دریافت کر لیے:

"کس خدمت کے صلے میں مجھے شاہینا مل سکتی ہے۔ ڈیوک مجھے ہر خدمت کے لیے تیار پائیں گے"۔

"دیکھو رافع"۔ ڈیوک نے صاف لہجے میں کہا:

"جو خدمت ہم تمہارے سپرد کر رہے ہیں اگر تم اس میں کامیاب ہوئے تو وعدہ کرتے ہیں شاہینا بلا عذر تمہارے [سپرد] کر دی جائے گی"۔

"کام کی نوعیت سے آگاہ فرمائیے ڈیوک محترم"۔ رافع تو اسی دن کا منتظر تھا۔ وہ شاہینا کی خاطر آسمان سے تارے [توڑ لا]نے پر بھی آمادہ تھا۔

ڈیوک نے کہا:

"رافع! ہم نے تمہاری بہادری کی اور رسوخ کی بہت تعریف سنی ہے۔ ہمارا دل کہتا ہے کہ خداوند یسوع مسیح کے [ک]رم سے ہماری بیٹی ہسپانیہ میں موجود ہے۔ تم جانتے ہو، ایک باپ کے لیے بیٹی کی جدائی کس قدر المیہ ہے۔ اگر [تم ن]ہیں جانتے تو یوں سمجھو کہ بغیر شہزادی کے ہماری زندگی بیکار ہے۔ ہماری خواہش ہے اور یہ درخواست بھی ہے کہ [ش]ہزادی کو جس طرح ممکن ہو ڈھونڈ کے ہمارے پاس لے آؤ۔ شاہینا پر تمہارا حق ہے وہ تو تمہیں مل ہی جائے گی۔ اسکے [علا]وہ بھی ہم تمہیں اس قدر انعام دیں گے جس کا شاید تم تصور بھی نہ کر سکو"۔

اگر عام حالات ہوتے تو شاید ڈیوک کے حکم پر وہ شہزادی کو عثمان سے چھین کے بھی لا سکتا تھا لیکن شہزادی بہت [...]یں کن ہاتھوں تک پہنچ چکی تھی۔ پھر بھی اسے امید تھی کہ اگر شہزادی زندہ ہے تو وہ اسے کسی نہ کسی طرح ضرور حاصل کر لے گا۔

رافع نے بڑی جرأت سے کہا:

"ڈیوک محترم۔ آپ کے حکم کے علاوہ یہ کام انسانی ہمدردی سے بھی تعلق رکھتا ہے۔ آپ اطمینان رکھیے۔ شہزادی ہسپانیہ کے جس کونے میں بھی ہوں گی میں انہیں ڈھونڈ نکالوں گا۔ میں یہ ذمے داری قبول کرتا ہوں۔ آپ مجھے میرے [و]عدے میں سچا پائیں گے"۔

ڈیوک کے آنسو چھلک آئے۔ اس نے بھرائی آواز میں کہا:

"رافع۔ میں یہ احسان زندگی بھر نہ بھولوں گا۔ جاؤ سفر کی تیاری کرو۔ ہمارے آدمی تمہیں سرحد تک پہنچا آئیں گے اگر فوجی دستوں کی ضرورت ہو تو وہ بھی تمہارے ساتھ بھیجے جا سکتے ہیں"۔

"نہیں ڈیوک محترم۔ میرے ساتھ صرف میرا دوست یوشانی جائے گا"۔ رافع نے موقع غنیمت جان کر یوشانی کے لیے بھی اجازت مانگ لی۔

ڈیوک کو تو اس کی خوشنودی کی ضرورت تھی۔ اس نے یوشانی کو جانے کی اجازت دے دی۔

رافع نے ایک نظر شاہینا پر ڈالی۔ پھر ڈیوک کو سلام کر کے واپس جانے کے لیے کھڑا ہوا۔ دو قدم آگے بڑھائے

تھے کہ اسے ایک خیال آیا۔ وہ فوراً ہی مڑا اور سر جھکا کے بولا:

"ڈیوک محترم۔ میرے دماغ میں ایک خیال آیا ہے۔ خدا کرے وہ غلط ہو"۔

"کیا خیال آیا ہے رافع۔ بے خوف بیان کرو"۔ ڈیوک نے اسے اطمینان دلایا:

"اگر مزید کسی چیز کی ضرورت یا خواہش ہے تو اس کے لیے ہم آمادہ ہیں"۔

رافع نے افسردہ لہجے میں کہا:

"آپ کی مہربانیوں کا میں شکر گزار ہوں ڈیوک محترم۔ دراصل میرے دماغ میں یہ تکلیف دہ خیال آیا ہے کہ اگر شہزادی صاحبہ، خدانخواستہ کسی حادثے کا شکار ہو گئی ہیں تو میں کیا کروں گا۔ مجھے آپ کے سامنے خالی ہاتھ آتے ہوئے شرم محسوس ہوگی"۔

ڈیوک شاید یہ بات سننے کے لیے پہلے ہی سے تیار تھا۔ اس نے کہا:

"رافع، خداوند یسوع مسیح کی برکت سے شہزادی تمہیں زندہ اور سلامت ملے گی۔ اگر خدانخواستہ میں اپنی بیٹی سے ہمیشہ کے لیے محروم ہو گیا تو بھی میں اپنا وعدہ پورا کر دوں گا۔ شامینا تم کو مل جائے گی لیکن اس کے لیے تمہیں ایک اور کام کرنا ہوگا"۔

"حکم دیجیے۔ میں انکار نہیں کروں گا"۔ رافع کی امید پھر بندھ گئی۔

ڈیوک کے وعدے کے مطابق شامینا اسے صرف اسی صورت میں مل سکتی تھی جب وہ شہزادی کو واپس لے آئے لیکن اگر شہزادی پہلے ہی ماری جا چکی ہے تو پھر اس کی واپسی کس طرح ممکن تھی۔ شامینا بھی اس کے ہاتھ سے نکل جاتی۔ رافع یہی سوچ کر پریشان ہوا لیکن ڈیوک کے جواب نے اسے بڑا سہارا دیا۔ ڈیوک بھی شاید اسے ایک اور موقع دینا چاہتا تھا۔

ڈیوک نے پوچھا:

"تم عبدالرحمٰن الغافقی کو جانتے ہو؟"

"کیوں نہیں ڈیوک محترم"۔ رافع بولا:

"عبدالرحمٰن ہمارے امیر ہیں۔ وہ ہسپانیہ میں اسلامی حکومت کے سربراہ ہیں۔ قرطبہ ان کا دارالسلطنت ہے"۔

"ہاں رافع۔ وہی امیرِ ہسپانیہ!" ڈیوک نے کہنا شروع کیا:

"عبدالرحمٰن نے پہلے بھی فرانس پر لشکر کشی کا ارادہ کیا تھا لیکن ہمارے حلیف اور عقلمند عثمان نے اسے اس خام خیال سے باز رکھا۔ عثمان کی زندگی میں تو عبدالرحمٰن ادھر کا رخ نہ کر سکا لیکن اب معلوم ہوا ہے کہ وہ پھر فرانس پر چڑھائی کرنا چاہتا ہے۔ ہمارے سرحدی محافظوں نے خبر دی ہے کہ سرحد پار مسلمانوں کا لشکر جمع ہو رہا ہے"۔

ڈیوک سانس لینے کے لیے رکا لیکن اس کی تیز نظریں رافع پر جمی تھیں۔

رافع نے آنکھیں ملاتے ہوئے کہا:

"مجھے اس کا علم ہے ڈیوک محترم۔ عبدالرحمٰن اس لشکر میں بھی شریک تھے جس نے فرانس پر حملہ کر کے آپ کی [ف]وجوں سے شکست کھائی تھی۔ امیر عبدالرحمٰن آپ سے اس شکست کا بدلہ لینا چاہتے ہیں۔ وہ ایک عرصے سے چپکے ہی چپکے [اس] کی تیاریاں کر رہے ہیں"۔

"وہ ہم سے بدلہ لینا چاہتا ہے"۔ ڈیوک نے غصے سے مٹھیاں بند کرتے ہوئے کہا:

"ہم چاہتے ہیں وہ بدلہ لینے کے قابل نہ رہے۔ جس سر میں فرانس پر حملہ کرنے کا خیال سمایا ہے، اس سر کو تن سے جدا ہونا چاہیے۔ ہمیں عبدالرحمٰن کا سر چاہیے رافع۔ کیا تم یہ کام کر سکو گے؟"

ڈیوک اٹھ کر تیز تیز قدموں سے ٹہلنے لگا۔ یہ اس کے انتہائی غصے کی علامت تھی۔

یہ شرط رافع کے لیے بڑی سخت تھی۔ وہ امیرِ ہسپانیہ کا مخالف ضرور تھا لیکن انہیں قتل کرنے کا کبھی اس نے تصور بھی نہ کیا تھا۔

رافع سوچ میں پڑ گیا۔

کیا وہ یہ شرط پوری کر سکے گا؟ اس کے دل نے خود اسی سے سوال کیا۔

پھر جیسے شامینا کی آواز اس کے کانوں میں آئی:

"مجھے حاصل کرنا ہے تو شرط پوری کرو"۔

رافع نے شامینا کے خیال کے علاوہ دوسرے تمام خیالات کو دماغ سے جھٹک دیا۔ وہ بڑے استقلال سے بولا:

"ڈیوک محترم۔ آپ کی آرزو پوری ہوگی۔ عبدالرحمٰن کا سر آپ کے قدموں میں ہوگا"۔

ڈیوک اور شامینا دونوں نے ایک ساتھ رافع کو بڑی حیرت سے دیکھا۔

ڈیوک نے پوچھا:

"رافع۔ جانتے ہو تم کیا وعدہ کر رہے ہو؟"

رافع نے اسی حوصلے سے جواب دیا:

"میں نے سوچ سمجھ کے وعدہ کیا ہے اور میں یہ ہر صورت میں پورا کر دوں گا۔ خواہ خود مجھے اپنی جان سے ہاتھ دھونا پڑیں"۔

"شاباش رافع"۔ ڈیوک نے آگے بڑھ کر اس کا شانہ تھپتھپایا:

"ہم تمہاری کامیابی کے لیے دعا کریں گے اور شامینا تمہاری منتظر رہے گی۔ امید ہے کہ تم خالی ہاتھ لوٹنے کی کوشش نہ کرو گے"۔

امیر قرطبہ عبدالرحمٰن الغافقی نے اس بار فرانس پر حملے کے لیے زبردست تیاریاں کی تھیں۔ مقبوضہ ہسپانیہ کے تمام علاقوں سے لوگ جوق در جوق آکر لشکرِ اسلام میں شامل ہوتے تھے۔ حاکموں نے مہم کے لیے بہت زرومال اور اسلحہ دیا تھا۔ جن کے پاس دینے کو کچھ نہ تھا انھوں نے اپنی پُرخلوص دعاؤں سے لشکر کو رخصت کیا تھا۔

امیر عبدالرحمٰن کی فوج میں ایک طرف بربری، شامی، حجازی، مصری اور افریقی تھے تو دوسری طرف مارٹینا کے وحشی اور خوف ناک قبائل بھی شامل تھے۔

ہسپانیہ میں گروہ بندیوں کا آغاز ہو چکا تھا لیکن بیدار مغز عبدالرحمٰن نے مختلف الخیال گروہوں اور ایک دوسرے کے دشمن قبائل کو اپنے جھنڈے تلے اکٹھا کر لیا تھا۔ اس نے صاف اعلان کر دیا تھا کہ مہم کا مطلب لوٹ مار نہیں بلکہ کوہستانِ پائرینس سے لے کر جرمنی اور کوہ آلپس سے لے کر بحرِ اٹلانٹک تک پھیلے ہوئے تمام علاقے پر مستقل قبضہ کر کے اسلامی جھنڈا لہرانا ہے۔

مؤرخین کا بیان ہے کہ عبدالرحمٰن کے ساتھ ایک لاکھ کا لشکر تھا۔

۱۱۴ھ میں عبدالرحمٰن کوہستانِ پائرینس کو پار کر کے بڑی خاموشی سے فرانس میں داخل ہوئے۔ ڈیوک آف ایکیوٹین کے سرحدی دستوں نے لشکرِ اسلام کے ٹھاٹھیں مارتے سمندر کو دیکھا۔ ان میں مقابلے کی تاب نہ تھی۔ سر پر پیر رکھ کر ڈیوک کو خبر کرنے بھاگے۔

ان بھاگنے والوں سے رافع اور یوشانی کی راہ میں مڈبھیڑ ہوئی۔ بھاگنے والوں نے دو مسلمانوں کو دیکھا تو ذرا بدحواس ہو گئے۔ سمجھے کہ شاید مسلمان کسی اور طرف سے بھی فرانس میں داخل ہو گئے ہیں۔ وہ راستہ کاٹ کر دوسری طرف نکل گئے۔

رافع اور یوشانی کی سمجھ میں کچھ نہ آیا۔ حیرانی سے ان بھاگنے والوں کو دیکھ رہے تھے۔ ان دونوں نے اپنے گھوڑے روک لیے۔

یوشانی نے کہا:

"تعجب ہے یہ لوگ ہمیں دیکھ کر راستہ کیوں کاٹ گئے؟"

رافع فکرمند لہجے میں بولا:

"ڈیوک کا خیال درست تھا۔ مسلمانوں نے ضرور فرانس پر حملہ کیا ہے۔"

یوشانی یہ سن کر بہت خوش ہوا۔ بولا:

"یہ تو بہت اچھا ہے۔ اب ہمیں فرانسیسیوں سے بچھڑا حساب چکانے کا موقع ملے گا۔ لیکن ڈیوک کا لشکر کہاں ہے اگر ڈیوک کو معلوم تھا تو اس نے اپنی حفاظت کا انتظام کیوں نہ کیا؟"

پھر وہ پلٹ کے شامینا سے بولا:

"شامینا۔ معزز مہمان کو اپنے ساتھ لے جاؤ۔ تمہاری مہمان نوازی کی یہ آخری رات ہے۔ کل صبح سورج نکلنے سے پہلے رافع کو یہاں سے روانہ ہو جانا چاہیے۔"

○

یوشانی طرح طرح کے وسوسوں میں الجھا ہوا تھا۔ رافع اور شامینا کو خوش خوش آتے دیکھ کر اسے اطمینان ہوا۔

رافع نے کہا:

"یوشانی۔ تیاری کرو۔ صبح کو ہم ہسپانیہ روانہ ہوں گے۔"

یوشانی کے دل کی تو جیسے مراد بر آئی۔ وہ دوڑ کر رافع سے لپٹ گیا۔ رافع کے ایک ہاتھ میں شامینا کا ہاتھ تھا۔ اس نے دوسرے ہاتھ سے یوشانی کو گلے لگا لیا۔ پھر شامینا کا ہاتھ پکڑے ہوئے اسی کے کمرے میں چلا گیا۔

ڈیوک کے کہنے کے مطابق یہ مہمان نوازی کی آخری رات تھی۔ یوں کہیے کہ میزبان اور مہمان کی یہ آخری ملاقات تھی۔

صبح وقت کم تھا۔

دونوں جلدی جلدی تیار ہوئے۔ باہر دو گھوڑے تیار کھڑے تھے۔ ضروری سامان تھیلوں میں بھر کے پہلے ہی گھوڑوں پر بار کر دیا گیا تھا۔

شامینا بھی پہنچ گئی۔ مخمور جھکی جھکی نظروں کے ساتھ۔ جلدی میں سمیٹی ہوئی زلفیں رات کے افسانے کی چغلی کھا رہی تھیں۔ عین موقع پر ڈیوک بھی آگیا۔

راہداری کے پروانے کے طور پر ڈیوک نے اپنا ایک فرمان رافع کے حوالے کیا۔ مشرق کی سرخی، صبح کی آمد کی خبر دینے لگی۔

یوشانی نے پہلے رکاب میں پیر رکھا۔ رافع اپنے گھوڑے کی طرف بڑھا۔ شامینا نے گلاب کی شاخوں کی طرح اپنے ہاتھ بلند کر دیے۔ رافع نے مسکراتی آنکھوں سے اسے الوداع کہا اور گھوڑے پر سوار ہو گیا۔

صبح کی پہلی کرن پھوٹی تو تورس شہر کئی فرسنگ پیچھے رافع کی پشت پر چمک رہا تھا۔

○

"ڈیوک کو حملے کی خبر تھی لیکن اسے شاید امید نہ تھی کہ حملہ اس قدر جلد ہو جائے گا۔" رافع نے اپنا خیال ظاہر کرتے ہوئے کہا۔

یوشانی سیدھا سادا جذباتی قسم کا فوجی تھا۔ جوش سے بولا:

"جہنم میں ڈالو ڈیوک کو۔ چلو اسلامی لشکر میں شامل ہو کر شہیدوں کا انتقام لیں۔"

رافع نے اسے گھور کر دیکھا:

"بے وقوف تو نہیں ہو گئے یوشانی۔ میں اس کا نائب تھا اور تم اس کے محافظ دستے کے سردار۔ ہم نے عثمان کا ساتھ دیا تھا۔ امیر عبدالرحمٰن ہمیں دیکھتے ہی قتل کرا دے گا۔"

موٹی عقل کے یوشانی کے دماغ میں یہ بات آ گئی۔ پریشانی سے بولا:

"یہ تو ٹھیک ہے رافع۔ پھر ہمیں کیا کرنا چاہیے۔"

"پہلے تو ہمیں یہ معلوم کرنا ہے کہ حقیقت کیا ہے؟" رافع نے کہا:

"ہمیں کسی محافظ کو پکڑ کر اصل بات معلوم کرنا ہو گی"۔

اسی وقت ایک سوار گھوڑا بھگاتے آتا دکھائی دیا۔

رافع نے کہا:

"یوشانی۔ راستے سے ہٹ کر چھپ جاؤ۔ سوار جیسے ہی قریب آئے اسے گھیر لو۔ ورنہ ہمیں مسلمان فوجی سمجھ کر وہ بھاگ کھڑا ہو گا۔"

انہوں نے اپنے گھوڑے پیڑوں کے جھنڈ میں کر لیے۔

سوار قریب آیا تو رافع اور یوشانی آگے پیچھے سے نکل کے سوار کے پاس پہنچ گئے۔ سوار کا رنگ اڑ گیا۔ اس نے فوراً تلوار پھینک دی اور سر جھکا لیا۔

رافع گھوڑا بڑھا کر اس کے قریب آ گیا۔ نرم لہجے میں بولا:

"ایکیوٹین کے محافظ۔ گھبراؤ نہیں۔ ہم فرانسیسیوں کے دوست ہیں۔ یہ دیکھو ہمارے پاس ڈیوک آف ایکیوٹین کا پروانہ ہے"۔

رافع نے پروانہ راہداری اس کے ہاتھ میں تھما دیا۔ سوار نے اسے پڑھ کر اطمینان کا سانس لیا۔

رافع نے کہا:

"ہم لوگ سرحد پار ہسپانیہ جانا چاہتے تھے لیکن سرحد کے محافظ ادھر سے بھاگے آ رہے ہیں۔ اس کی کیا وجہ ہے؟"

سوار اس وقت تک اپنے حواس درست کر چکا تھا۔ اس نے کہا:

"نیک دل مسلمانو۔ ہسپانیہ کے لشکر نے ہمارے ملک پر حملہ کر دیا ہے"۔

"تمہارا مطلب ہے مسلمانوں نے حملہ کیا ہے؟" رافع نے وضاحت چاہی۔

"جی ہاں مسلمانوں نے حملہ کیا ہے۔ لاکھوں مسلمانوں نے"۔ سپاہی نے خوفزدہ لہجے میں کہا۔ پھر گھبرا کے پوچھا:

"کیا اب میں جا سکتا ہوں"۔

رافع نے اسے اجازت دے دی۔ سوار اتنی تیزی سے بھاگا جیسے موت اس کا تعاقب کر رہی ہو۔ وہ بار بار گھوم کر پیچھے بھی دیکھتا جاتا تھا۔ شاید اسے اپنے تعاقب کا اب بھی خطرہ تھا۔

"اب ہمیں کیا کرنا ہو گا عقلمند رافع؟" یوشانی پریشانی سے بولا:

"ہم تو دونوں طرف سے مارے گئے۔ ڈیوک نے ہمیں ٹورس سے بھگا دیا اور مسلمان لشکر میں ہم داخل نہیں ہو سکتے۔ دھوبی کا کتا۔ گھر کا نہ گھاٹ کا"۔

رافع نے اپنا گھوڑا راستے سے کچھ دور کر لیا۔ یوشانی نے بھی راستہ چھوڑ دیا۔

چلتے چلتے یوشانی نے پوچھا:

"تم راستے سے الگ ہٹ کے کیوں چل رہے ہو رافع؟"

"نا سمجھ یوشانی"۔ رافع نے سمجھایا:

"اگر ہم راستے پر چلیں گے تو ہمارا سامنا اسلامی لشکر سے ہو جائے گا۔ پھر جو ہمارا حشر ہو گا وہ تمہیں معلوم ہے۔ ہم راستے کے ساتھ ساتھ ذرا ہٹ کے اپنا سفر جاری رکھیں گے۔ جب اسلامی لشکر سامنے آئے گا تو پھر اس میں شامل ہونے کی کوئی تدبیر کریں گے"۔

یوشانی بے تکے پن سے ہنسنے لگا:

"تو بڑا عقلمند ہے رافع۔ وہ لڑکی اسی لیے تجھ سے محبت کرتی ہے"۔

رافع کو بھی شامینا کا خیال آ گیا۔ اس کا چہرہ اتر گیا۔ افسردگی سے بولا:

"شاید اب شامینا سے پھر کبھی ملاقات نہ ہو سکے"۔

"کیوں۔ ملاقات ضرور ہو گی"۔ یوشانی نے خود ہی سوال کیا اور خود ہی جواب دے دیا۔

رافع نے بتایا:

"یوشانی۔ میں شامینا کو صرف اسی صورت میں حاصل کر سکتا ہوں جب شہزادی ایکیوٹین کو ہسپانیہ سے واپس لا کر ڈیوک کے حوالے کر دوں۔ ڈیوک نے شامینا کے لیے یہی شرط رکھی ہے"۔

پھر رافع نے اپنی اور ڈیوک کی تمام گفتگو یوشانی کو سنائی۔ اس نے ابھی تک یوشانی کو ان باتوں سے آگاہ نہ کیا تھا۔ رافع کے خیال میں یوشانی ایک بہادر اور اچھا دوست تھا لیکن کانٹ چھانٹ کی ان باتوں کو سمجھنے کی اس میں اہلیت نہ تھی۔ رافع نے احتیاط کے طور پر یوشانی کو یہ بتانے سے گریز کیا کہ اگر اسے شہزادی نہ مل سکی تو وہ امیرِ قرطبہ کا سر اتار دے گا۔ یوشانی کی ہمدردیاں بہرحال اب تک مسلمانوں کے ساتھ ہی تھیں۔ وہ مسلمانوں کے ساتھ مل کے فرانسیسیوں سے لڑنے کا خواہشمند تھا۔

اسلامی لشکر طوفانِ باد و باراں کی طرح فرانس میں داخل ہوا۔ چھوٹے چھوٹے قلعے، کچی دیواروں کی طرح روند ڈالے گئے۔ بستیاں اجڑ گئیں آبادیاں تباہ ہوئیں۔ لشکر میں جوشِ جہاد کے شیدائیوں کے ساتھ ساتھ مفاد پرست اور لوٹ مار کرنے والے بھی شامل تھے۔ انہوں نے خوب خوب تباہی مچائی۔ ان کے ہاتھ اس قدر دولت آئی کہ سنبھالنا مشکل ہو گیا۔ تھیلے بھرے۔ بوریاں بھریں۔ پھر ان لالچیوں نے چھکڑوں پر سونا، چاندی اور قیمتی سامان لادنا شروع کیا۔ نتیجہ یہ ہوا کہ لشکر کی رفتار سست پڑ گئی۔

امیر عبدالرحمٰن کے لیے یہ صورت بڑی پریشان کن تھی۔ وہ زیادہ سختی بھی نہ کر سکتا تھا۔ کسی کو ڈانٹتا، کسی کو سمجھاتا، کوئی سرکشی پر آمادہ ہوتا تو مصلحت کے تحت طرح دے جاتا۔ اس کا مقصد آگے بڑھنا تھا اور وہ اس میں کامیاب رہا۔ مسلمانوں کے قدم آگے بڑھے اور آگے ہی بڑھتے رہے۔

امیر سمح بن مالک کے زمانے میں فرانس پر کوہستان پائرینس کے جنوبی حصے سے حملہ ہوا تھا لیکن اس دفعہ کوہستان کو شمال کی جانب سے پار کیا گیا تھا۔ مسلمانوں کا یہ حملہ بڑا شدید تھا۔ قلعے پر قلعے فتح ہوتے گئے۔ فرانسیسی اس سیلاب کو نہ روک سکے۔ یہاں تک کہ مسلمان مارتے کاٹتے بندرگاہ بورڈیو تک پہنچ گئے۔ وہی بورڈیو جس کے قلعے میں کچھ عرصہ پہلے ایک عظیم الشان بزمِ نشاط گرم ہوئی تھی اور شاہینا نے اپنے حسن کی کرنوں سے ریاستی سپہ سالاروں کو نوازا تھا۔

بورڈیو پر کچھ مقابلہ ہوا لیکن جلد ہی قلعہ مسمار کر دیا گیا۔ یہاں سے مال و اسباب کے علاوہ سامانِ رسد حاصل کیا گیا اور پھر مسلمان آگے بڑھ کر دریائے ڈاردن تک جا پہنچے۔ یہاں ڈیوک آف ایکیوٹین کی ایک مضبوط فوجی چھاؤنی تھی سخت مقابلہ کے بعد اس چھاؤنی پر بھی قبضہ ہو گیا اور ڈیوک کی فوجیں پیچھے ہٹ کر پائرینس میں اکٹھا ہونا شروع ہوئیں۔

اس تمام عرصے میں رافع اور یوشانی، اسلامی لشکر سے دور دور چلتے رہے۔ جب کسی قلعے یا چھاؤنی پر حملہ ہوتا تو کہیں چھپ جاتے۔ لشکر آگے بڑھتا تو یہ بھی پیچھے پیچھے ہو لیتے۔

اسلامی لشکر میلوں تک پھیلا ہوا تھا۔ عبدالرحمٰن نے فوجوں کی ترتیب اس طرح کی تھی کہ دائیں بائیں شامی، قیروانی اور مصری دستے اور فوجیں تھیں اور بیچ میں افریقیوں اور بربر قبائل کو رکھا گیا تھا۔ بربر قبائل کی سرکشی مشہور تھی اس لیے

عبدالرحمٰن نے انھیں قابو میں رکھنے کے لیے ان کے دونوں طرف غیر بربر فوجیں لگا دی تھیں۔ اس حکمتِ عملی کی وجہ سے بربر قبائل زیادہ گڑبڑ نہ کر پاتے تھے۔

فوجوں کی اس ترتیب کی وجہ سے رافع اور یوشانی اب تک لشکر میں داخل نہ ہو سکے تھے۔ بربر فوجوں تک پہنچنے کے لیے انہیں دوسری فوجوں سے گزرنا پڑتا اور یہ بات کسی طرح خطرے سے خالی نہ تھی۔ آخر جب پائرینس کا محاصرہ ہوا تو انہیں بربر فوجوں تک پہنچنے کا موقع مل گیا۔

رافع اور یوشانی آپس میں گہرے دوست تھے لیکن ان کے خیالات ایک دوسرے سے بالکل مختلف تھے۔ فرانس کا کوئی قلعہ فتح ہوتا تو یوشانی کا دل خوشی سے جھوم اٹھتا لیکن رافع کی افسردگی بڑھ جاتی۔ اسے فرانس کی تباہی ایک آنکھ نہ بھاتی۔ اس کے خیال میں فرانس جس قدر فتح ہو رہا تھا وہ شاہینا سے اسی قدر دور ہوتا جا رہا تھا۔ شہزادی کو حاصل کرنے کا خیال تو اس نے دل سے نکال دیا تھا۔ اب اسے شاہینا مل سکتی تھی تو صرف عبدالرحمٰن کا سر اتار کے۔ لیکن عبدالرحمٰن کی فتوحات اس کی امید کے چراغ کو بجھا رہی تھیں۔

رافع اور یوشانی، اسلامی لشکر سے کچھ دور پڑے ہوئے تھے۔ لشکر کے خیمے پائرینس کے قلعہ کے چاروں طرف پھیلے تھے۔ یہ شہر ریاست ایکیوٹین کے صدر مقام ٹورس سے صرف ترسیٹھ میل دور تھا۔ اس شہر میں سینٹ ہلدری کا مشہور کلیسا تھا۔

عبدالرحمٰن اس پر بھرپور حملہ کرنا چاہتے تھے کیونکہ اس قلعہ کے بعد ٹورس تک کوئی اور قلعہ نہ تھا۔ انھوں نے اپنی فوجوں کو دو دن آرام کرنے کا حکم دیا۔

رات ہوئی۔ رافع نے کہا:

"بہت وقت ضائع ہو چکا۔ اب ہمیں قسمت آزمائی کرنی چاہیے"۔

یوشانی نے سینہ تان کر کہا:

"یار۔ میں تو پہلے ہی تیار تھا۔ تم نے ہی روک رکھا تھا"۔

"ہماری جانیں بڑی قیمتی ہیں دوست" رافع بولا:

"بڑی احتیاط سے بربر خیموں تک پہنچو۔ اگر کوئی پکڑنے کی کوشش کرے تو جان بچانے کی فکر مت کرنا"۔

یوشانی نے اثبات میں سر ہلایا اور پناہ گاہ سے نکل کر لشکرِ اسلام کی طرف چل پڑا۔

خیموں کے باہر جگہ جگہ آگ روشن تھی۔ مسلم سپاہی محافظانہ انداز سے ادھر اُدھر گھوم رہے تھے۔ ان کی دہشت سے فرانس لرز اٹھا تھا۔ فرانس کی کوئی فوج بھی اب تک ان کے سامنے جم کر نہ لڑ سکی تھی۔

یوشافی کا لباس عام بربر فوجیوں جیسا تھا۔ کسی نے اس کی طرف توجہ نہ کی۔ کسی کو اس لیے اور بھی شبہ نہ ہوا کہ یوشافی بڑی بے پروائی سے قدم بڑھا رہا تھا۔

یوشافی اتنی آسانی سے محافظانی اور حجازی لشکر سے گزر گیا کہ اسے خود بھی اس پر تعجب ہوا۔ اسے اس بات کا بھی افسوس ہوا کہ اس نے خواہ مخواہ اتنے دن تکلیف اٹھائی اور وقت ضائع کیا۔

یوشافی بربر فوجیوں کی خیمہ گاہ کے پاس پہنچا تو اسے بہت سے جاننے والے گھومتے پھرتے نظر آئے۔ اس کا دل چاہا کہ دوڑ کر اپنے دوستوں اور عزیزوں کے گلے لگ جائے لیکن رافع نے اسے احتیاط کی تلقین کی تھی۔ وہ ایک خیمے کے پاس کھڑا ہو گیا اور کسی ایسے دوست کی تلاش میں نظر دوڑائی جس پر وہ کامل اعتماد کر سکتا ہو۔

یوشافی کو زیادہ انتظار نہ کرنا پڑا۔ اس کا سگا بھائی کاشانی بھی اس لشکر کے ساتھ تھا۔ کاشانی پر نظر پڑتے ہی یوشافی تیز تیز قدم اٹھاتا ہوا اس کے پاس پہنچ گیا۔ الاؤ سے اٹھتے ہوئے شعلوں کی روشنی میں انھوں نے ایک دوسرے کو دیکھا۔ کاشانی کی خوشی سے شاید چیخ نکل جاتی کہ یوشافی نے اسے چپ رہنے کا اشارہ کیا۔

یوشافی نے آہستہ سے کہا:

"مجھے خاموشی سے اپنے خیمے میں لے چلو کاشانی"۔

کاشانی اس کا ہاتھ پکڑے ہوئے اپنے خیمے میں لے گیا۔

خیمے میں داخل ہوتے ہی کاشانی نے کہا:

"تم ڈر کیوں رہے ہو یوشافی۔ تمہیں دیکھ کر جس قدر مجھے خوشی ہوئی ہے میں وہ بیان نہیں کر سکتا۔ ہمیں تو یہ معلوم ہوا تھا کہ عثمان کے ساتھ خدانخواستہ تم بھی قتل ہو گئے"۔

یوشافی نے اطمینان کا سانس لیتے ہوئے کہا:

"میں زندہ بچ گیا ہوں، اس لیے تو ڈر رہا ہوں۔ اگر امیر عبدالرحمٰن کو معلوم ہوا کہ میں زندہ ہوں تو کیا وہ مجھے زندہ چھوڑ دے گا"۔

"کیا بیکار کی باتیں کر رہے ہو یوشافی"۔ کاشانی خفگی سے بولا:

"کس کی مجال ہے تمہیں آنکھ اٹھا کے بھی دیکھے۔ تم عثمان کے ملازم تھے۔ عثمان مارا گیا قصہ ختم ہو گیا۔ امیر کا تم سے کیا جھگڑا۔ بربروں کا تمام لشکر امیر کے ساتھ ہے۔ وہ تمہیں نقصان پہنچا کے بربر قوم کو کیوں ناراض کریں گے"۔

یوشافی بولا: "میں تنہا نہیں ہوں۔ رافع بھی میرے ساتھ ہے"۔

"اے رافع۔ اپنا رافع"۔ کاشانی خوش ہوتے ہوئے بولا:

"ہم نے سنا تھا وہ ڈیوک آف ایکیوٹین کی قید میں ہے۔ اسے تو ہم ہر قیمت پر آزاد کرانے کا فیصلہ کر چکے ہیں۔ اپنا سردار ہے نا"۔

یوشافی کو پوری طرح اطمینان ہو گیا۔ اس نے کہا:

"کاشانی! ہم تو تمہارے ساتھ پتہ نہیں کہاں سے لگے چلے آ رہے ہیں۔ عثمان کے قتل سے ہم دونوں گھبرا گئے تھے خیال تھا کہ امیر عبدالرحمٰن ہماری تلاش میں ہوں گے"۔

"مگر رافع ہے کہاں؟ تمہارے ساتھ کیوں نہیں آیا"۔ کاشانی نے بے صبری سے پوچھا۔

یوشافی نے بتایا:

"لشکر سے کچھ دور رافع موجود ہے۔ اس نے مجھے حال احوال معلوم کرنے کے لیے بھیجا تھا"۔

کاشانی اٹھ کھڑا ہوا:

"چلو پہلے اسے لے آئیں۔ پھر باتیں ہوں گی"۔

"کوئی خطرہ تو نہیں ہمارے لیے؟" یوشافی نے اٹھتے ہوئے پوچھا۔

"خطرہ؟" کاشانی نے ایک زوردار قہقہہ لگایا:

"باہر چلو۔ میں تمہیں تماشہ دکھاتا ہوں"۔

باہر نکل کے کاشانی نے آواز لگائی:

"دوستو۔ بھائیو۔ اپنا سردار رافع زندہ ہے۔ وہ ہمارے پاس آ گیا ہے"۔

آواز کا بلند ہونا تھا کہ بربر فوجی بھاگ بھاگ کے کاشانی کے گرد جمع ہونے لگے۔

"کہاں ہے سردار؟"

"رافع کدھر ہیں؟"

"ہم تو انہیں بھول چکے تھے۔ سامنے بلاؤ سردار کو"۔

فوجی طرح طرح کی بولیاں بولنے لگے۔ ذرا دیر میں کئی ہزار فوجی اکٹھا ہو گئے۔

کاشانی نے اعلان کیا:

"ہم اپنے سردار کو عزت و احترام سے خیمے میں لائیں گے"۔

پانچ سو سرداروں کا ایک دستہ فوراً ترتیب دیا گیا۔ پھر آگے آگے یوشافی اور کاشانی پیچھے گھوڑ سواروں کا دستہ روانہ ہوا۔ تمام سواروں کے ہاتھ میں شمعیں تھیں۔

شمعوں کا یہ جلوس رافع کی پناہ گاہ پہ پہنچ گیا۔ رافع پہلے تو خطرہ محسوس کر کے بھاگنے پہ تیار ہوا لیکن جب اس کی نظر بوشانی پہ پڑی تو اپنی جگہ ٹھہر رہا۔

کاشانی نے گھوڑے سے اتر کر رافع کو تعظیم پیش کی۔ سواروں نے "نئی زندگی مبارک" کی صدا بلند کی۔ پھر رافع کو بڑی عزت و شان سے خیمہ گاہ میں لایا گیا۔ پرانے یار دوستوں اور عزیز و اقارب جو اس لشکر میں تھے، رافع سے ملنے آئے بڑی دیر تک کاشانی کے خیمے کے باہر یہ ہنگامہ رہا۔

رافع کی واپسی کا واقعہ ایسا نہ تھا کہ جس کی خبر امیر عبدالرحمٰن کو نہ ہوتی۔ امیر کو جب یہ معلوم ہوا کہ رافع ڈیوک آف ایکیوٹین کی قید سے چھوٹ کر آیا ہے تو اسے اور دلچسپی پیدا ہوئی۔

صبح کو امیر عبدالرحمٰن نے رافع کو بلا بھیجا۔ اسے اپنے پاس عزت سے بٹھایا۔ رافع نے اپنی بے کسی اور اسیری کی ایک ایسی سحر انگیز داستان امیر کو سنائی کہ وہ متاثر بھی ہوا اور اسے یقین بھی کرنا پڑا۔ حالانکہ یہ داستان قطعی فرضی اور گھڑی ہوئی تھی۔

امیر نے رافع کو اپنے قبیلے کی سرداری پہ بحال کر دیا اور اسے انعام سے بھی نوازا۔

ڈیوک آف ایکیوٹین کے لیے مسلمانوں کا حملہ غیر متوقع نہ تھا لیکن اسے اس حملے کی شدت کا صحیح اندازہ نہ تھا۔ اس نے ماتحت قلعداروں کو تیار رہنے کا حکم دے دیا تھا لیکن مسلمانوں کا حملہ اس قدر زبردست تھا کہ اس کے تمام قلعے خس و خاشاک کی طرح اڑ گئے۔ مسلمانوں نے وادیِ گیردن پر قبضہ کرنے کے بعد ایک وسیع محاذ کھول کر آگے بڑھنا شروع کیا تو پورے فرانس میں تہلکہ مچ گیا۔

آسٹریشیا، نیوسٹریا اور برگنڈی تو چھوٹی چھوٹی ریاستیں تھیں جب اس حملے کی بازگشت فرانس کی مرکزی حکومت کے ایوان سے ٹکرائی تو شہنشاہ فرانس تھیری چہارم بھی کانپ اٹھا۔

بورڈیو کے ہاتھ سے نکل جانے کے بعد ڈیوک کے ہاتھ پیر پھول گئے۔ اس نے ادھر اُدھر بھاگ دوڑ شروع کی۔ فرانس کی یہ حالت تھی کہ نہ آسٹریشیا کی نیوسٹریا سے بنتی تھی اور نہ برگنڈی والے ڈیوک آف ایکیوٹین کی صورت دیکھنے کے روادار تھے۔

شامینا نے بورڈیو کی محفلِ نشاط میں سپہ سالاروں کو صاف طور پہ بتا دیا تھا کہ سب ریاستیں متحد ہو کر مسلمانوں کے مقابلے کے لیے تیار نہ ہوئیں تو سب کا خاتمہ ہو جائے گا۔

مرکزی حکومت کا وزیرِ اعظم چارلس مارٹل، ماتحت ریاستوں کے حکمرانوں کو گھاس بھی نہ ڈالتا تھا۔ اسے مسلمانوں کے بڑھنے کی خبریں برابر مل رہی تھیں لیکن وہ اپنی جگہ بظاہر بالکل خاموش تھا۔ دل تو اس کا بھی پریشان تھا کیونکہ چھوٹی ریاستوں کا خاتمہ، اس کے حق میں بھی نہ تھا۔

ڈیوک نے پہلے فرداً فرداً تمام ریاستوں کے حکمرانوں سے رابطہ قائم کیا۔ جہاں ضرورت پڑی وہاں خود چل کے گیا لیکن جو خبریں میدانِ جنگ سے آ رہی تھیں ان کے مدِنظر سب ہی کا خیال تھا کہ جب تک مرکزی حکومت کوئی فوری قدم نہیں اٹھاتی اس وقت تک مسلمانوں کے سیلاب کو روکنا ناممکن ہے۔ انھوں نے طے کیا کہ تمام حکمران مشترکہ طور پر شہنشاہ تھیری چہارم اور وزیرِ اعظم چارلس مارٹل سے ملاقات کریں اور انھیں حالات کی سنگینی سے آگاہ کریں۔

آخر ڈیوک آف ایکیوٹین، ڈیوک آف برگنڈی، ڈیوک آف آسٹریشیا اور ڈیوک آف نیوسٹریا خود ہی وفد بن کر وزیرِ اعظم چارلس مارٹل جو مرکز کا سپہ سالار بھی تھا، کے عالی شان محل پہنچ گئے۔

عام حالات میں شاید چارلس مارٹل ان سے ملنا بھی پسند نہ کرتا لیکن تباہ شدہ علاقوں کے لاکھوں باشندے دارالسلطنت پہنچ چکے تھے اور وہ واویلا کر رہے تھے۔ فرانس میں طاقت کے دو حصے دار تھے۔

ایک: شہنشاہ اور اس کے امرا۔

دوسرے: کلیسا کے پادری۔

لیکن اس زمانے میں کلیسا اور حکومت میں بھی پھوٹ پڑی ہوئی تھی۔ چارلس مارٹل نے کتنے ہی پادریوں کو قتل کرا دیا تھا اس لیے ملک کے تمام کلیسا اُس کے خلاف تھے۔

چارلس مارٹل کے سب ہی مخالف تھے۔ کیا امرا، کیا عوام..... لیکن اس مصیبت کے وقت سب کی نظریں چارلس مارٹل ہی کی طرف اٹھ رہی تھیں۔ تمام مخالفت کے باوجود چارلس مارٹل کی بہادری اور جرأت کے سب قائل تھے۔ جب سے اس نے جرمن حملہ آوروں کو شکست دی تھی، اس کا مقام اور بھی بلند ہو گیا۔ چنانچہ جب ریاستی ڈیوک اس سے ملنے پہنچے تو سینٹ ہلاری کے کلیسا کا لارڈ پادری بھی ان کے ساتھ ہو گیا۔

چارلس مارٹل کی یہی تمنا تھی۔

وہ چاہتا تھا کہ اس کے تمام مخالف، خصوصاً کلیسا کے مغرور پادری اس کے سامنے ناک رگڑیں۔ ایسا ہی وقت آ گیا۔ سب نے اس کے سامنے سر جھکا دیا۔

شہنشاہِ فرانس نے اس سے درخواست کی کہ ملکی مفاد کی خاطر اور عیسائی مذہب کو تباہی سے بچانے کے لیے چارلس مارٹل، فرانس کی متحدہ فوجوں کی سپہ سالاری قبول کرے۔

چارلس مارٹل کے لیے اس سے بڑا اعزاز اور کیا ہو سکتا تھا۔ اس کے مخالف اس کے قدموں میں آ گئے تھے۔ عوام

واویلا کر رہے تھے۔ پادری اور لارڈ پادری اس کی خوشامد کر رہے تھے۔ مسلمانوں کے حملے نے تمام مخالف گروہوں کو یکجا کر دیا تھا۔ یہ طاقت بڑی عظیم تھی لیکن اس کے لیے اتنے ہی عظیم سپہ سالار کی ضرورت تھی اور چارلس مارٹل ہی اس منصب کے لیے سب سے موزوں آدمی تھا۔

چارلس نے دیکھا کہ اسے عیسائیت کا دشمن کہنے والے اب اسے مذہب کا محافظ اور فرانس کا رکھوالا کہہ رہے ہیں۔ اس کے پرانے حریف اس کی طرف نہ صرف دوستی کا ہاتھ بڑھا رہے ہیں بلکہ اسے مقدس رہنما کا مرتبہ دینے پر بھی آمادہ ہیں۔

چارلس نے اس موقع سے فائدہ اٹھایا اور اس نے فرانس کے مشترکہ لشکر کی سالاری قبول کر لی۔ قومی اور مذہبی جنگ کا اعلان کیا گیا۔ ایک عظیم الشان لشکر حب الوطنی اور مذہب دوستی کی خاطر چارلس کے گرد جمع ہو گیا۔ ناراض پادری اپنی تمام عنایتوں اور رحمتوں کے ساتھ اس کے جھنڈے کے نیچے جمع ہونے لگے اور روح القدس حضرت مریمؑ اور حضرت عیسیٰؑ کے فیوض اور برکات کا یقین دلانے لگے۔ پھر یہ عیسائی لشکر چارلس مارٹل کی سرکردگی میں سمندر کی تند و تیز، مچلتی اور بل کھاتی موجوں کی طرح مسلمانوں کو روکنے کے لیے آگے بڑھا۔

امیر عبداللہ عبدالرحمٰن الغافقی اس وقت سینٹ مارٹن کے کلیسا کی طرف بڑھ رہے تھے۔ ان کے بہت سے مفاد پرست اور لالچی فوجیوں نے مالِ غنیمت چھکڑوں اور گاڑیوں پر لاد رکھا تھا۔ لشکر کی پیش قدمی میں یہ چیز بار بار رکاوٹ بن رہی تھی۔ عبدالرحمٰن جس قدر تیزی چاہتے تھے، لوٹ مار کے چھکڑوں کی وجہ سے ان کی رفتار اتنی ہی سست ہو جاتی تھی۔ اسلامی لشکر کے مختلف الخیال قبیلے بات بات پہ آپس میں جھگڑ پڑتے تھے۔ امیر کو جنگ کے علاوہ ان کے جھگڑے بھی طے کرنے پڑتے تھے۔

رافع اور یوشانی ایک ہی دستے میں متعین تھے۔ رافع، شہزادی ایکیوٹین کے حصول کی طرف سے تو ناامید ہو گیا تھا۔ لیکن ابھی اسے ڈیوک کی دوسری شرط پوری ہونے کی امید تھی۔

پاٹربینس کی جنگ میں رافع نے اپنی بہادری کے بڑے جوہر دکھائے تھے۔ اس وجہ سے امیر عبدالرحمٰن اس پر بہت مہربان تھے اور ہر شام اسے اپنے خیمے میں بلا کر اس کی ہمت افزائی کرتے تھے۔

یوشانی بھی رافع کے ساتھ ہی رہتا تھا لیکن ادھر کچھ دنوں سے وہ اپنے دوست رافع کی طبیعت میں ایک طرح کی بے چینی محسوس کر رہا تھا۔ دن بھر کی جنگ کے بعد جب وہ خیمے میں واپس آتا اور لوگ اسے اس کی غیر معمولی بہادری کی داد دینے آتے تو بھی وہ بجھا بجھا رہتا اور لوگوں سے بہت کم گفتگو کرتا۔

یوشانی نے یہ بھی محسوس کیا کہ دورانِ جنگ رافع اپنے دستے کو چھوڑ کر امیرِ قرطبہ کے پاس پہنچ جاتا تھا۔ یہ بات اصولِ جنگ کے خلاف تھی۔ سردار کو اپنے دستہ سے دور نہ جانا چاہیے لیکن یوشانی یہ سوچ کر اپنے دل کو مطمئن کر لیتا کہ رافع

یرے قریب پہنچ کر اس لیے جنگ کرتا ہے کہ امیر اس کی بہادری دیکھ سکیں۔

اس عرصے میں اکثر ایسا بھی ہوا کہ رافع نے بربر دستوں کے سامنے صاف الفاظ میں امیر عبدالرحمٰن کی مخالفت کی۔ ںنے بربر دستوں کو یہ سمجھانے کی کوشش کی کہ ہسپانیہ کی امارت کا حق صرف بربر قوم کو حاصل ہے۔ امیر عبدالرحمٰن کا لی عرب قبیلہ قحطان کی ذیلی شاخ غافقی سے تھا۔ عربوں اور بربروں میں اختلاف کی بنیاد پہلے ہی پڑ چکی تھی۔ بربر قبائل آپس میں بہت اتفاق تھا۔ اس لیے رافع، امیر کے بارے میں جو باتیں کرتا وہ باتیں باہر نہ نکلتیں اور امیر کو اس کی خبر نہ ہوتی کہ اس کے قریب بہادری کے جوہر دکھانے والا رافع، دراصل اس کا دشمن اور خون کا پیاسا ہے۔

ٹورس کے نواح میں "ناف" کا میدان تھا۔ اس میدان میں کئی صدی پہلے گوتھک نوابین اور اہلیانِ برگنڈی کے درمیان ایک زبردست جنگ ہوئی تھی۔ جس میں گوتھک نوابین کو فتح حاصل ہوئی تھی۔ عیسائی اس وجہ سے اس میدان کو اپنے یے متبرک سمجھتے تھے۔ چارلس ... میدان میں خیمہ زن ہوا

دوسرے دن مسلمان بھی وہاں پہنچ گئے۔

اس جنگ میں شامل لشکروں کی تعداد کے بارے میں سخت اختلافات پائے جاتے ہیں۔

عیسائی مورخین مسلمان لشکر کی تعداد تین لاکھ بتاتے ہیں۔ دوسری طرف بعض مسلمان مورخین نے عیسائی لشکر کی تعداد دس لاکھ بتائی ہے۔ دونوں باتیں مبالغہ آمیز معلوم ہوتی ہیں۔ بہرحال یہ ایک تاریخی مسئلہ ہے لیکن لشکروں کی تعداد کا اندازہ اس بات سے کچھ نہ کچھ ضرور ہوتا ہے کہ دونوں لشکر سات روز تک مسلسل آمنے سامنے خیمہ زن رہے اور کسی کو پہل کرنے کی ہمت نہ ہوئی۔

ظاہر ہے کہ مسلمان فتح پہ فتح حاصل کرتے ہوئے یہاں تک پہنچے تھے۔ ان کے حوصلے بلند تھے لیکن وہ ایک ہفتے تک دوسری طرف سے حملے کا انتظار کرتے رہے۔ اس کی وجہ سوائے اس کے اور کچھ نہیں ہو سکتی تھی کہ فرانس کا لشکر مسلمانوں کے تصور سے بھی زیادہ تھا۔ اس لیے انھوں نے سات دن تک مدافعتی جنگ کا انتظار کیا۔

آٹھویں دن امیر عبدالرحمٰن نے اس جمود کو توڑا۔ اس نے تین بار نعرۂ تکبیر بلند کیا۔ اور حملے کا حکم دے دیا۔ پہاڑ پہاڑ سے ٹکرایا۔ صبح سے دوپہر، پھر شام ہو گئی مگر فیصلہ نہ ہوا۔ اندھیرا ہوتے ہی دونوں لشکر اپنے اپنے خیموں میں واپس چلے گئے۔

دوسرے دن بھی یہی کیفیت ہوئی۔ دونوں لشکروں نے ایک دوسرے کو زیر کرنے کی زبردست کوشش کی لیکن

لیکن دوپہر تک کوئی نتیجہ نہ نکلا۔ رافع، حسبِ معمول اپنا دستہ چھوڑ کر دن بھر امیرِ قرطبہ کے پہلو بہ پہلو جنگ کرتا رہا۔ یوشانی سایہ کی طرح اس کے ساتھ لگا ہوا تھا۔

شام ہونے کو کچھ دیر باقی تھی کہ رافع، یوشانی کی نظروں سے اوجھل ہو گیا۔ یوشانی بہت گھبرایا۔ اسے یقین ہو گیا کہ رافع دادِ شجاعت دیتے ہوئے شہید ہو گیا۔

یوشانی کو رافع کے مرنے کا بڑا افسوس ہوا۔ وہ طیش میں آ کر عیسائیوں پر ٹوٹ پڑا۔ کئی عیسائی اس کے ہاتھ سے مارے گئے۔ پھر نہ جانے کہاں سے رافع آ گیا۔ یوشانی اپنے دوست کو زندہ دیکھ کر بہت خوش ہوا۔ وہ گھوڑا بڑھا کر رافع کے قریب پہنچ گیا لیکن جنگ اتنی شدید ہو رہی تھی کہ وہ رافع سے کوئی بات نہ کر سکا۔

سورج کی آخری کرنیں میدانِ ناف تک جھلملا رہی تھیں کہ ایک عجیب واقعہ پیش آیا۔ اس واقعے نے جنگ کا نقشہ بدل کر رکھ دیا۔ ڈیوک آف ایکیوٹین نہ معلوم کس طرح اپنے دستوں کے ساتھ مسلمانوں کی پشت پر پہنچ گیا۔ اس نے اپنے دستوں کے ساتھ ان مسلمانوں پر حملہ کیا جو مالِ غنیمت کی حفاظت پر مقرر کیے گئے تھے۔ ان کی تعداد کم تھی۔ کچھ مارے گئے کچھ بھاگ کھڑے ہوئے۔

اسلامی لشکر میں یہ خبر پھیل گئی کہ عیسائیوں نے لوٹ کے مال سے بھرے ہوئے چھکڑوں اور گاڑیوں پر حملہ کر دیا ہے جو مسلمان جوشِ جہاد سے سرشار تھے۔ ان کے قدم میدان میں جمے رہے۔ لالچی اور مفاد پرست اپنا مال بچانے کے لیے صفیں درہم برہم کرتے دولت بچانے کے لیے دوڑے۔ عجیب افراتفری کا عالم پیدا ہو گیا۔ امیرِ قرطبہ نے لوگوں کو روکنے اور سمجھانے کی بہت کوشش کی لیکن دولت کے شیدائی میدان سے منہ موڑ گئے۔

اس موقع سے چارلس مارٹل نے پورا فائدہ اٹھایا۔ اندھیرا پھیل رہا تھا۔ چارلس مارٹل نے اپنی فوجوں کا دباؤ اُن حصوں پر زیادہ کر دیا جہاں کے فوجی صفیں چھوڑ بھاگے تھے۔

امیر عبدالرحمٰن نے پھر بھی ہمت نہ ہاری اور اپنے دستوں کو ساتھ لے کر عیسائی لشکر میں گھس گیا۔ رافع اور یوشانی اس کے ساتھ ساتھ تھے۔ عیسائیوں نے امیر عبدالرحمٰن کو چند سو سواروں کے ساتھ دیکھا تو انہیں گھیرے میں لینے کی کوشش کی۔ امیر تو سر سے کفن باندھے ہوئے تھے۔ انہوں نے ایسی دادِ شجاعت دی جس کا اعتراف عیسائی مورخ بھی کرتے ہیں۔

امیر عبدالرحمٰن اپنی شمشیر کے جوہر دکھاتے رہے لیکن موت کی شمشیر ان کے سر پر لہرا رہی تھی۔ اندھیرا بڑی تیزی سے پھیل رہا تھا۔ اس اندھیرے سے فائدہ اٹھاتے ہوئے ننگِ قوم اور ننگِ ملت رافع نے اپنی تلوار امیرِ قرطبہ عبدالرحمٰن غافقی کے پہلو میں داخل کر دی۔

عبدالرحمٰن دیکھ بھی نہ سکے کہ ان کا دشمن، ان کا قاتل کون ہے لیکن دو آنکھوں نے یہ پورا منظر دیکھا۔

یہ آنکھیں یوشانی کی تھیں۔

ایک لمحے کے لیے اس پر حیرت و استعجاب کا حملہ ہوا۔ اس کی سمجھ میں نہ آیا کہ رافع نے ایسا کیوں کیا؟ پھر دوسرے لمحے وہ سنبھلا اور آگے بڑھ کر رافع پر تلوار کے تابڑ توڑ اتنے وار کیے کہ امیر کا قاتل، مقتول امیر کے ساتھ ہی زمین پر آ رہا۔

امیر کے مارے جانے سے مسلمانوں کے حوصلے پست ہو گئے۔ اس وقت قدرت نے ان کی مدد کی۔ گھپ اندھیرے نے میدانِ جنگ کو اپنی لپیٹ میں لے لیا۔ لشکر الگ الگ ہو کر اپنے اپنے خیموں میں واپس چلے گئے۔

صبح کو ایک طرف کا میدان صاف تھا۔ مسلمان پسپا ہو کر بکہ شکست کھا کر رات کے اندھیرے میں میدانِ ناف سے بہت پیچھے ہٹ گئے تھے۔ مارٹل کو مسلمانوں کے تعاقب کا حوصلہ نہ پڑا۔ مسلمان لوٹا ہوا مال جوں کا توں میدان میں چھوڑ گئے تھے۔ چارلس مارٹل نے اسی کو غنیمت جانا۔ عیسائی اس جنگ کو دنیا کی عظیم جنگوں میں شمار کرتے ہیں۔

اس لڑائی کے بعد یوشانی نے چپ سادھ لی۔ اسے یقین ہو گیا کہ عیسائیوں نے مالِ غنیمت پر حملے کا جو منصوبہ بنایا اس کا محرک رافع ہی تھا۔ رافع اس کی نظروں سے اوجھل ہو کے ڈیوک آف ایکیوٹین کے پاس گیا تھا۔ اس ہی نے پشت سے حملے کا مشورہ دیا تھا اور پھر مسلمانوں کو مکمل شکست سے دوچار کرنے کے لیے اس نے امیرِ قرطبہ پر حملہ کیا۔ لیکن رافع اس غداری کے باوجود کچھ حاصل نہ کر سکا۔

ڈیوک اور شامیانا اسے شطرنج کے پیادے کی طرح استعمال کرتے رہے اور آخر یہ پیادہ اپنے ہی دوست کے ہاتھوں اپنے انجام بد کو پہنچ گیا۔